بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا

معارف الفرقان

جلد

فی تفسیر القرآن

اردو زبان میں عام فہم مختصر جامع حسین گلدستہ تفاسیر، تفسیر القرآن بالقرآن
تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، آسان الفاظ میں احکام و مسائل، [illegible] نزول، ترتیب سورة
[illegible] مدنی سورت [illegible] بیان [illegible] خلاصہ سورت [illegible]
[illegible] باطلہ کے شبہات اور ان کے [illegible] کا قرآن و حدیث، مستند تفاسیر اور کتب فقہاء کی روشنی میں
اہتمام کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ مباحث قابل دید ہیں۔

جلد 1

سورة فاتحہ تا بقرہ مکمل



تفسیر:
حضرت مولانا عبد القیوم قاسمی صاحب
مہتمم مدرسہ معارف اسلامیہ سعید آباد کراچی

ترجمہ:
حضرت مولانا صوفی عبد الحمید صاحب سواتی نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید
امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ

القاسمی اکیڈمی مدرسہ معارف اسلامیہ کراچی
سعید آباد، کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

تبارك الذي نزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيرا

معارف الفرقان

في تفسير القرآن

جلد: 1 سورۃ فاتحہ تا بقرہ مکمل

اردو زبان میں عام فہم مختصر جامع حسین گلدستہ تفاسیر، تفسیر القرآن بالقرآن تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، آسان الفاظ میں احکام و مسائل، مستند اسباب نزول، ترتیب سورۃ باعتبار تلاوت، ترتیب نزول، وجہ تسمیہ، مکی اور مدنی سورتوں کا بیان، موضوع سورۃ، ربط آیات، خلاصہ سور، خلاصہ رکوعات، فضائل سور، فرق باطلہ کے شبہات اور ان کے ٹھوس جوابات کا قرآن وحدیث، مستند تفاسیر اور کتب فقہاء کی روشنی میں اہتمام کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ مباحث قابل دید ہیں۔

ترجمہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی نور اللہ مرقدہ

تفسیر حضرت مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب

تلمیذ رشید امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ

مہتمم مدرسہ معارف اسلامیہ سعید آباد کراچی

ناشر القاسمی اکیڈمی مدرسہ معارف اسلامیہ کراچی

نام کتاب : تفسیر معارف الفرقان

تفسیر : حضرت مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب

ترجمہ : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحبؒ سواتی نوراللہ مرقد

کمپوزنگ: عبدالقدوس خان

صفحات : 468

ناشر: القاسمی اکیڈمی، مدرسہ معارف اسلامیہ سعید آباد کراچی

رابطہ : 0334.3277892

اشاعت : پنجم

ملنے کے دیگر پتے

❁ اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب۔ رابطہ نمبر 0301-7766937

❁ مکتبہ عمر فاروق فیصل کالونی کراچی۔

❁ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

❁ مکتبہ حقانیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

❁ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

❁ مکتبہ نور علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

❁ نور محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی

❁ وحیدی کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

❁ دارالکتاب اردو بازار لاہور

❁ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

❁ دارالاشاعت اردو بازار کراچی

❁ مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

❁ علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی

❁ دارالایمان موتی محل کراچی

❁ مکتبہ زکریا لاہور

فہرست مضامین تفسیر معارف الفرقان : جلد ۱

مختتم شد فہرست

اظہار تشکر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد!

الحمدللہ آج معارف الفرقان فی تفسیر القران آپ کے ہاتھوں میں ہے تفسیر قرآن لکھنا میرے وہم وتصور میں بھی نہ تھا مگر کسی اللہ والے کی دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے ناکارہ کو اپنی اس لامحدود نعمت سے سرفراز فرمایا۔

فللہ الحمد حمداً کثیراً کثیراً

میں اس تفسیری کام کی تکمیل پر اپنے تمام احباب کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں خصوصاً مرشد کامل قافلہ حق کے سالارِ اعظم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب جلالپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ اور میرے مشفق استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ انوار القرآن آدم ٹاؤن کراچی جن کی کریمانہ شفقت، شب روز کی محنت دن رات کی پرخلوص دعاؤں سے بندہ نے درس نظامی کی تکمیل کی۔

اور برادرم حضرت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ صاحب مدظلہ استاذ الحدیث جامعہ امینیہ نرسری ومدیر معاون ماہنامہ بینات جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی جو میری دینی ترقی کا سبب بنے۔ اور اب تک میری بھرپور سرپرستی فرمارہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شان کے مطابق جزاخیر عطا فرمائے۔

استاذیم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان جنہوں نے سورۃ فاتحہ کو مکمل سنا اور تصحیح کے ساتھ ساتھ مفید مشورے دیئے، استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب جنہوں نے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کا مکمل مطالعہ فرمایا تصحیح کے ساتھ ساتھ علمی مشوروں سے نوازا اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزآدارین عطاء فرمائے۔

میرے عزیز مولانا محمد ریاض لودھروی حفظہ اللہ جنہوں نے پرخلوص انتھک محنت سے تفسیر کو مرتب کیا پھر اسے دلکش اور جاذب نظر بنانے کیلئے بھرپور کوشش کی۔ عزیزی مولوی عبدالوہاب صاحب افغانی جنہوں نے تفسیر کا کافی حصہ (طبع اول) کمپوز کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ حصہ کی تخریج کا کام بھی کیا۔

اور جن حضرات نے تفسیر کو (طبع اول) منصۂ شہود پر لانے میں حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ان کے علاوہ جن حضرات نے بھی جس قدر میرے ساتھ معاونت کی ہے وہ سب تہہ دل سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ سے دعا ہے کہ ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے۔ ﴿آمین﴾

نوٹ: فرق باطلہ کے مطالعہ کا شوق رکھنے والے حضرات کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مسلک کو سمجھنے کے لئے پہلے اس تفسیر کو اپنے مطالعہ میں ضرور رکھیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

عبدالقیوم قاسمی
مدرسہ معارف اسلامیہ کراچی
۱۴۲۷/۱۰/۷

انتساب

مصنفین کی عادت ہے کہ وہ اپنی تصنیفات کو کسی نہ کسی شخصیت کی طرف ضرور منسوب کرتے ہیں برکت حاصل کرنے کیلئے بندہ ناچیز اپنے اساتذہ ومشائخ کی طرف نسبت کر کے سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے جن کی محنت ودعا کا یہ نتیجہ ہے۔ وہ مندرجہ ذیل جبال العلم حضرات ہیں۔

غزالی زمان، محدث اعظم، سیف حنفیت، ماہر فن اسماء الرجال، امام اہل سنت شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ

حافظ القرآن والحدیث شیخ الاسلام حضرت مولانا

محمد عبداللہ درخواستی صاحب رحمہ اللہ

حکیم العصر حضرت مولانا

محمد یوسف لدھیانوی شہید صاحب رحمہ اللہ

خلیفۃ مجاز شیخ الحدیث مولانا

محمد زکریا کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ

ع : گر قبول افتد زہے عز و شرف

عبدالقیوم قاسمی عفی عنہ

مدیر مدرسہ معارف اسلامیہ کراچی

۱۴۲۷/۱۰/۷

الاھدأ

ماان مدحت محمداً بمقالتی ولکن مدحت مقالتی بمحمد

بندہ ناچیز اپنی اس تازہ ترین کاوش اور محنت کو جو معارف الفرقان کی شکل وصورت میں ہے اس ذات بابرکات ستودہ صفات کے حضور ہدیہ پیش کرتا ہے جو سعادتوں کے مجیب، برکتوں کے دریا، عقیدتوں کے مرکز، الفتوں کے محور، محبتوں کا پیغام اور عظمتوں کا پیغمبر، مخلوق میں عظمت ورفعت کا آخری نشان، جس کی حیات طیبہ کا لمحہ لمحہ تقدس مآب، جس کی گفتار کا لفظ لفظ معیار صداقت، جس کی زندگی کی ساعت ساعت واجب الاطاعت، جس نے آدمی کو آدمیت سے آشنا کیا، جس نے گرے ہوؤں کو اٹھنے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ عطا کیا، جو گالیاں سن کر بھی دعائیں دیتا رہا، جس کے متعلق صدیقہ کائنات سیدہ طاہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "کان خلقه القرآن" اس ذات سے میری مراد محبوب کل ختم رسل سید الکونین نبی الثقلین محسن کائنات محبوب خالق دو جہاں امام الانبیاء خطیب الانبیاء رئیس الانبیاء سلطان الانبیاء سید الاتقیاء جناب مولانا ملجانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً ہے۔

حضرت درخواستی نور اللہ مرقدہ نے روضہ انور کی حاضری کے دوران فرط محبت وعقیدت اور عشق نبوی ﷺ سے سرشار ہو کر فی البدیہ فرمایا تھا۔

وَجْهُهٗ مُنَوَّرٌ كَالْبَدْرِ فِي الدُّجٰى وَخَدُّهٗ مَنَوَّرٌ كَالشَّمْسِ فِي الضُّحٰى

آپ ﷺ کا رخ انور ایسا روشن ہے جیسے رات کے اندھیروں میں چودھویں کا چاند — اور آپ ﷺ کے رخسار مبارک ایسے منور ہیں جیسے دوپہر کے وقت سورج

قَوْلُهٗ حَقٌّ لِّلنَّاسِ لَازِمُ الْاِقْتِدَاءِ وَفِعْلُهٗ بُرْهَانٌ لِّلنَّاسِ لِلْاِهْتِدَاءِ

حضور ﷺ کا فرمان حق ہے، ہر انسان پر آپ ﷺ کی اقتدا واجب ہے — اور آپ ﷺ کا فعل لوگوں کے واسطے دلیل ہے ہدایت حاصل کرنے والوں کے لئے

دِيْنُهٗ اَفْضَلُ وَذِكْرُهٗ اَرْفَعُ فِي السَّمَآءِ عِلْمُهٗ اَكْثَرُ وَشَانُهٗ اَعْلٰى فِي الْهُدٰى

آپ ﷺ کا دین سب دینوں سے افضل ہے اور آپ کا ذکر آسمانوں میں ہر ذکر سے اعلیٰ ہے — آپ ﷺ کا علم بہت ہے اور آپ کی شان ہدایت بہت بلند ہے

هُوَ حَيٌّ فِي قَبْرِهٖ كَحَيَاةِ الْاَنْبِيَآءِ وَحُرِّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ

آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسا کہ دیگر انبیاء زندہ ہیں — اور زمین پر حرام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسدوں کو کھالے

حَيَاتُهُمْ اَعْلٰى وَاَكْمَلُ مِنَ الشُّهَدَآءِ وَشَانُهُمْ اَرْفَعُ فِي الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ

انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے اعلیٰ واکمل ہے — اور انبیاء علیہم السلام کی شان آسمان وزمین میں نہایت اونچی ہے

لایمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

عبد القیوم قاسمی

۷/۱۰/۱۴۲۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد!

اللہ تعالیٰ کالاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس مالک الملک نے ایک ظلوم وجہول کو اپنی کتاب مقدس کی خدمت کے لئے قبول فرمالیا جس کے پاس نہ علم ہے نہ عمل اور نہ ظاہری اور نہ ہی باطنی کمالات ہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کی فیاضی اور پردہ پوشی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

بندہ ناچیز سنہ ۲۰۰۰ء سے قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر بطرز امام اہل سنت شیخ المشائخ غزالی دوراں محدث اعظم پاکستان استاذ مکرم ومحترم حضرت علامہ مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر نور اللہ مرقدہ کے پڑھا رہا ہے، ایک مرتبہ جون، جولائی کی تعطیلات میں کالج اور یونیورسٹیز کے طلباء اور طالبات کے لئے بھی دورہ تفسیر کا خصوصی طور پر اہتمام کیا گیا الحمد للہ اس دورہ تفسیر میں شریک طلباء اور طالبات کو عقائد ونظریات کے سلسلے میں اور عملی زندگی میں کافی حد تک فائدہ محسوس ہوا حتیٰ کہ بعض طلباء نے دورہ تفسیر کے اختتام میں اپنے احساسات وخیالات کا اظہار کرتے ہوئے یہ تاثرات پیش کئے کہ ہم اس دورہ تفسیر کے پڑھنے سے پہلے یہودیت ونصرانیت کی زندگی گذار رہے تھے اب الحمد للہ ہمیں مسلمان ہونے کا پتہ چلا ہے آج سے ہم بقیہ زندگی کی متعلق وعدہ کرتے ہیں کہ قرآن وسنت کے مطابق گذاریں گے اور عقائد ونظریات میں اہل حق کے ساتھ وابستہ رہیں گے، اور انہی طلباء نے بندہ ناچیز سے درخواست کی کہ آپ جو دوران ترجمہ کے تفسیر بیان کرتے ہیں۔

اگر فائدہ عام کے لیے شائع کی جائے تو انشاء اللہ عوام الناس کو بھی اس سے بہت زیادہ فائدہ ہوگا اور آپ کو دعائیں دیں گے۔ اس وقت تو اس عظیم کام کی ہمت اکابرین کی گراں قدر تفاسیر کی موجودگی میں نہ ہوسکی اور بندہ اس کا اہل بھی نہ تھا اور استعداد کا بھی فقدان تھا جو کہ اب بھی ہے مگر ان میں سچی طلب تھی جس کی وجہ سے عدیم الفرصت دوستوں کے لئے ایسی تفسیر کی ضرورت واہمیت اور عظمت دل میں آہستہ آہستہ جاگزین ہوئی کہ جس میں طویل مباحث بھی نہ ہوں اور آیت قرآنی کا حل بھی آسانی سے مل جائے، اور احقاق حق بھی واضح ہو جائے تو اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مدد ونصرت فرمائی کیونکہ ارشاد باری ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ...الخ اور جنہوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم انہیں ضرور اپنی راہیں سجھا دیں گے۔ پس اللہ پاک کی مدد اور اکابر کی دعاؤں سے اور اپنے اکابر اور سلف صالحین کی ذخیرہ تفاسیر سے نکتے چن چن کر جوڑنا شروع کر دیئے الحمد للہ آج وہ نکات معارف الفرقان کی شکل میں آپ کے مبارک ہاتھوں میں ہیں بندہ نے تفسیر لکھنے میں اپنے اکابر کی مکمل اتباع کرنے کی کوشش کی ہے جہاں کہیں تفسیری معاملہ میں مشکل پیش آتی تو حضرت استاذ محترم امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ سے خواب کی حالت میں ملاقات ہوتی بس حضرت کی ملاقات سے آیت کا مطلب ذہن نشین ہو جاتا تھا حضرت والا سے ایک دفعہ یہ کیفیت عرض بھی کی تھی تو حضرت والا نے فرمایا اپنے اکابر سے وابستگی کی نشانی ہے۔

صاحب علم حضرات سے درخواست: اب بھی اگر کہیں تفسیری اقوال نقل کرنے میں کسی قسم کی غلطی واقع ہوگئی ہو تو آپ کا اصلاحی مشورہ ضرور قبول کیا جائے گا مگر بے فائدہ اعتراضات کے جوابات نہیں دیئے جائیں گے۔ بہرحال وہ تفسیری کام آپ کے

ہاتھوں میں ہے۔ انشاء اللہ امید ہے کہ آپ بھی اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

خصوصیات تفسیر معارف الفرقان

1. ترجمہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی رحمہ اللہ۔
2. تفسیر کے شروع میں بصیرت افروز مقدمہ ہے جس میں کئی امور کا التزام کیا گیا ہے۔ مثلاً اسباب نزول قرآن، تشریح اصلاح عقائد باطلہ، قرآن کریم کے بنیادی اصول اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پانچ اصولوں کی تشریح و توضیح، تفسیر کی تعریف، غرض وغایت، اور طبقات مفسرین مکمل قرآن کریم کا اجمالی ربط آیات وغیرہ۔
3. نام اور کوائف جس میں سورۃ کا نام مکی اور مدنی ہونے کا بیان، ترتیب تلاوت سورۃ، ترتیب نزول تعداد رکوعات و آیات وغیرہ۔
4. وجہ تسمیہ سورۃ، ربط آیات، موضوع سورۃ، خلاصہ سورۃ، خلاصہ رکوع، فضائل سورۃ، خصوصیات سورۃ، قسم السورۃ۔
5. قرآن کریم کی آیات کی تشریح و توضیح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے اصول خمسہ کے طرز پر کی گئی ہے۔
6. شان نزول، آیات کی تفسیر میں مختلف اقوال مفسرین اور راجح قول کی نشاندہی۔
7. مسلک اہل حق اہل سنت والجماعت کی خوب واضح لفظوں میں ترجمانی کی گئی ہے۔
8. زمانہ قدیم وجدید کے باطل نظریات کے حاملین کی قرآن وسنت اور اقوال فقہاء کرام کی روشنی میں ٹھوس دلائل سے تردید۔
9. احکام شرعیہ کی بعض مقامات پر مختصر اور بعض مقامات پر تفصیلاً تشریح کی گئی ہے مگر سہل انداز کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔
10. ہر آیت کا تفہیم آیت کے لئے عنوان۔ جس کو ہم خلاصہ رکوع کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اس عنوان کا یہ مقصد نہیں ہے کہ قرآن کریم صرف گذشتہ اقوام کے حامل نظریات کی تردید کرتا ہے بلکہ قیامت تک جتنے باطل نظریات کے حامل لوگ آئیں گے ان سب کی تردید قرآن کریم میں اجمالاً و تفصیلاً موجود ہے اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے قرآن کریم چشمہ ہدایت ہے۔ یہ عنوانات محض آیت کو سمجھنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں کوئی حرف آخر نہیں ہیں اور جس مقام پر آیت کی تفسیر واضح تھی وہاں صرف عنوان قائم کیا گیا ہے تفسیر نہیں لکھی گئی "فتدبر"۔

ماخذ و مراجع معارف الفرقان

تفسیر جلالین، کبیر، مظہری، بیضاوی، مدارک، خازن، روح المعانی، درمنثور، بحر محیط، قرطبی، منیر، ابوسعود، جمل، ابن کثیر، بغوی، مواہب الرحمٰن، کشاف، اعراب القرآن الکریم وبیانہ، بیان القرآن حضرت تھانوی رحمہ اللہ، معارف القرآن مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ و مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ تفسیر میرٹھی مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، قرآن عزیز حضرت لاہوری رحمہ اللہ، تفسیر عثمانی، حقانی، معالم العرفان فی دروس القرآن، کشف الرحمٰن، موضح القرآن، تفسیر بہلوی، انوار البیان، صحاح ستہ، و دیگر کتب حدیث و کتب فقہ، تصنیفات امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ و دیگر کتب اہل حق، و کتب فرق باطلہ برائے تردید فرق باطلہ اور ان کتب کے نام بمع نام مؤلف تفسیر میں موجود ہیں۔

تقریظات و تصدیقات اکابرین علماء عظام

❶ اسوۃ الصالحین حضرت اقدس شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان صاحب شہید رحمہ اللہ

شیخ الحدیث بجامعة امداد العلوم الاسلامية بشاور صدر۔ باکستان عضو مجلس الفکر الاسلامی لجمهورية باكستان الاسلامية سابقاً (خریج الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرة الاخ المكرم مولانا وبالفضل أولانا عبد القيوم قاسمي المحترم حفظه الله تعالىٰ ووعاه۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا ارسال شدہ معارف الفرقان کا حصہ مقدمہ وتفسیر سورۃ فاتحہ وسورۃ بقرہ سے باعث صد افتخار اور موجب استفادہ ہوا۔ الحمد للہ کہ آپ ہمارے قافلہ اہل حق اور اکابرین کے علوم کے امین اور میدان کارزار حق وباطل کے سچے مجاہد اور بطل صداقت اور اعلیٰ شہسوار ہیں۔ ہمارے بزرگ اور حقیقۃ امام اہل سنت فضیلۃ الشیخ محمد سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم اور ان کے برادر محترم حضرت الشیخ صوفی عبد الحمید بارك الله تعالىٰ فى حيوتهم وابنائهم الكرام جميعاً جیسی، ہستیاں کہاں ہیں؟ آپ نے اپنے اسلاف کی ترجمانی کی ہے اور راہ اعتدال پر چلنے کی سعی مشکور کی ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مزید توفیق خاص سے آپ کو نوازے۔ ﴿آمین﴾

مقدمہ میں اصطلاحات اور تفسیری نکات اور علوم قابل صد تحسین اور مبارکباد ہیں زائغین اور فرق باطلہ اور ملاحدہ اور خصوصاً لامذہبیت روافض کی تردید میں ان کی تحریفات کے حوالہ جات بمعہ صفحات اور بریلویت کی شکار شدہ کی اصلاح کیلئے دلائل نقلیہ اور عقلیہ اور براہین ساطعہ سے آپ نے اپنی جماعت منصورہ کی طرف سے حق ادا کیا ہوا ہے۔ "فجزا كم الله تعالىٰ علىٰ هذا جزاء جميلاً واجراً جزيلاً"۔ آج کل نشر واشاعت اور درہم ودینار اور ظاہریت کے چور دروازے سے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ جن کی سدباب کے لئے آپ جیسے باہمت علماء ربانی کی ضرورت ہے۔ میری دلی دعائیں آپ کی اس خدمت موفقہ اور آپ کی زندگی میں برکات کے لئے ہمیشہ رہیں گی۔

فقط والسلام اخوکم فی اللہ محمد حسن جان بشاور

۷/۱۰/۱۴۲۷۔۹/۱۱/۲۰۰۶

❷ استاذ العلماء محی السنہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سید عبد الستار شاہ صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ دار العلوم رحیمیہ نیلا گنبد سرکی روڈ کوئٹہ

محترم حضرت اقدس مفسر قرآن حضرت مولانا محمد عبد القیوم قاسمی صاحب مدظلہ کی تازہ تالیف تفسیر معارف الفرقان کے چند اہم مقامات کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا مجھے اتنی مسرت حاصل ہوئی جس کا کوئی اندازہ نہ ہو یہ تفسیر جن خوبیوں پر باوجود اختصار کے مشتمل ہے جن سے اکثر و بیشتر تالیفات خالی ہیں مثلاً یہ کہ بہت ہی اختصار کے باوجود جامع بھی ہے اور عام فہم بھی ربط آیات، احاطہ مضامین، طرز استدلال، بیان مذاہب، احقاق حق، اشارات، اور مسائل فقہیہ اور دیگر ان گنت بہت سی خصوصیات کی حامل تفسیر ہے معلومات کا خلاصہ دلچسپ انداز میں دریا بکوزہ کی مانند و مثال ہے اللہ رب العزت حضرت اقدس کے درجات بلند فرمائے اور یہ تالیف ان کے لیے ذریعہ نجات بنائے اور علماء وطلباء عوام الناس مسلمانوں کو استفادہ کی ترفیق عنایت فرمائے۔

سید عبد الستار شاہ۔ ۲ شعبان ۱۴۳۳ھ

③ جانشین امام اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ابو عمار زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

نحمدہ وتبارک وتعالیٰ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اتباعہ اجمعین

قرآن کریم ایک ایسا بحر نا پیدا کنار ہے جس میں غوطہ زن ہونے والے ہر زمانے میں نت نئے موتی اصحاب ذوق کی خدمت میں پیش کرتے آرہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا سینکڑوں مختلف پہلوؤں کے حوالہ سے قرآن کریم کی تفسیریں لکھی گئی ہیں اور لکھی جارہی ہیں مگر تشنگی کا احساس بدستور باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا ہمارے فاضل دوست مولانا عبد القیوم قاسمی صاحب بھی کار خیر کے اس مبارک سلسلہ میں شریک ہوئے ہیں اور ''معارف الفرقان،، کے نام سے قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا انہوں نے آغاز کیا ہے جس کی سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ اسوقت میرے سامنے ہے اور میں نے بعض مقامات سے اسے دیکھا ہے۔

انہوں نے اپنے اسلاف اور بزرگوں کی اتباع کرتے ہوئے جس طرح قرآن کریم کے تفسیر نکات کو مرتب کیا ہے وہ قرآن کریم کا درس دینے والوں اور تدریس کرنے والوں کے لئے بطور خاص مفید ہے اور بہت سا ضروری مواد ان کے سامنے یکجا طور پر آجاتا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قاسمی صاحب موصوف کو اپنی یہ کاوش جلد مکمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنائیں۔ (آمین یارب العلمین)

ابو عمار زاہد الراشدی خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ ۹۔ جون۔ ۲۰۰۷

④ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمد مکی الحجازی حفظہ اللہ

مدرس بیت اللہ شریف مکۃ المکرمہ

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ۔

معارف الفرقان فی تفسیر القرآن سورۃ فاتحہ سورۃ توبہ مؤلفہ حضرت شیخ عبد القیوم قاسمی زید مجدہ تلمیذ رشید امام اہل سنت سماحۃ الشیخ سرفراز خان صفدر مدظلہ ایک عظیم تفسیر ہے اسلاف صالحین کے انداز میں تشریح احقاق حق اور ابطال باطل، فرق صدامہ کے مفتریات وتوہمات کا رد مختصر اردو جامع انداز پر پیش کرنا ان کی وسعت علمی پر دال ہے۔ مہبط الوحی ومشرف انور میں چند کلمات تحریر کئے ہیں موسم حج کی مصروفیات نے مجبور کر دیا ہے اس لئے حق ادا نہ کر سکا۔ داعی خیر ہوں خداوند کریم ان کی اس سعی مبارکہ کو قبول اور فلاح دارین کا ذریعہ بنائیں۔ ﴿آمین ثم آمین﴾

محمد مکی حجازی خادم العلم بالحرم المکرم شریف ۲/۱۲/۱۴۲۸ھ

⑤ نمونہ سلف استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مراد ہالیجوی رحمہ اللہ

مہتمم الجامعۃ الحمادیۃ مظہر العلوم منزل گاہ سکھر من الجامعات الفوقانیۃ المنسلکۃ لوفاق المدارس العربیۃ الباکستان۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم : الحمد للہ الذی نزل الفرقان خلق الانسان وعلمہ البیان لینشر القرآن تبلیغاً وتفسیراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الذی رغب المسلمین الی القرآن تعلیماً وتدریساً. وعلیٰ آلہ واصحابہ الذی جاھدوا بہ جھاداً کبیراً۔ امابعد

عزیزم مولانا مفتی عبد القیوم قاسمی صاحب از راہ محبت وحسن عقیدت قرآن مجید کی سورۃ فاتحہ وسورۃ بقرہ کی تفسیر پر مشتمل ایک مسودہ بنام معارف الفرقان اظہار رائے کے لئے حوالہ کیا مسودہ پر جستہ جستہ نظر دوڑائی، الحمد للہ مولانا نے بہت محنت اور جان فشانی سے کام لیا ہے، اس کی کاوش کو داد دیئے بغیر رہا نہیں جاسکتا جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں وہ بفضلہ تعالیٰ سلف صالحین ومحققین مفسرین

کی پیروی میں مسلک حق اہل سنت والجماعت کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا
باطل فرقوں کے دجل وتلبیس کا بھی مناسب انداز میں تعاقب کیا ہے نیز صرف ونحو ولغت ودیگر فنون عربیہ کے لحاظ سے بھی کافی حد تک بحث وتمحیص کی ہے۔ شان نزول، ربط آیات وسور کو بھی اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ مولانا قاسمی صاحب نے اپنے بساط کے مطابق قرآن مجید کا حق ادا کیا ہے مجھے رب پاک کی رحمت کاملہ میں امید ہے کہ یہ تصنیف عوام کے ساتھ ساتھ خواص کے لئے بھی مفید ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو زیادہ توفیق ارزاں فرمائے کہ وہ دین کی زیادہ سے زیادہ تدریسی تبلیغی اور تصنیفی خدمات انجام دے سکے مسلمانوں سے درخواست ہے کہ یہ تفسیر خریدیں اور مطالعہ میں رکھیں اور اپنے متعلقین کو بھی اس سے استفادہ کرنے کی تلقین کریں۔

محمد مراد ہالیجوی رئیس دارالافتاء ومدیر جامعہ حمادیہ مظہر العلوم منزل گاہ سکھر ۱۱ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

❻ عالم جلیل قدوۃ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا علامہ الدکتور شیر علی شاہ المدنی حفظ اللہ

الدکتوراہ (بمرتبۃ الشرف الاولیٰ) من الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ ومبعوثہا استاذ الحدیث بجامعۃ دار العلوم الحقانیہ اکورہ ختك اقلیم سرحد۔ باکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم: الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: اما بعد

محترم ومکرم حضرت مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب زید مجدہ کی مایہ ناز تفسیر معارف الفرقان کے جستہ جستہ مقامات کا مطالعہ سے دل ودماغ منور ومعطر ہوا ماشاء اللہ محترم قاسمی صاحب نے فقیہ العصر استاذ المشائخ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ کے طرز پر یہ وقیع محققانہ تفسیر زیب قرطاس فرمائی ہے یقیناً یہ ترجمہ وتفسیر سلیس اور عام فہم اردو زبان میں ایک گراں قدر علمی تفسیری خدمت ہے۔

اہل السنت والجماعت کا قدیم وجدید مستند ومحقق تفاسیر کا نچوڑ ہے۔ باطل نظریات بیہودہ شبہات کی تردید قرآنی اہداف ومقاصد کی پوری تشریح وتوضیح سے کتاب کی افادیت نمایاں ہے رب العلمین جل جلالہ محترم مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب کے ان دینی تفسیری خدمات کو شرف پذیرائی عطا فرماوے۔ عوام اور خواص سب کو اس سے استفادہ کی توفیق بخشے۔ واللہ من وراء القصد وھو یتقبل جھود المخلصین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ اشرف رسلہ وخاتم الانبیاء وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ شیر علی المدنی خادم الطلباء بجامعۃ دار العلوم الحقانیہ اکورہ ختک ۔۷۔۱۰۔۱۴۲۷ھ

❼ سند العلماء محی السنۃ محدث جلیل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

مکرمی جناب حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب قاسمی زید مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر لفظ بلفظ دیکھی جس میں مؤلف کی مندرجہ ذیل خصوصیات ظاہر ہوئیں:

❶ جس محنت سے تفسیری کلمات بحوالہ لکھیں ہیں قابل داد ہے۔ ❷ تفسیر کو تمام جہات سے جامع بنانے کے لئے جو کوشش کی ہے اس بنا پر اس کو جامع التفاسیر کہا جا سکتا ہے۔ ❸ اہل باطل کی تردید کر کر کے تفسیر کو اہل حق کا ترجمان بنایا ہے لہذا یہ تفسیر مسلک اہل حق کی بہترین رہنما ہے۔ جس کی پذیرائی کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو کامل مکمل بنائے اور علماء وطلباء دوست حضرات کے لئے نافع بنائے۔ ﴿آمین﴾

بندہ محمد صدیق غفرلہ جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

۸ فقیہ وقت المحقق المدقق حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

پس کہتا ہے بندہ فقیر الی اللہ محمد فرید عفی عنہ کہ میں نے مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ کی تفسیر معارف الفرقان کی سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے مسودہ کا بعض مقامات سے سرسری مطالعہ کیا ماشاء اللہ فاضل مؤلف نے انتہائی جہد ومشقت اور جانفشانی سے اس مجموعہ تفسیر کو جمع کیا جو کہ متقدمین کی معتبر تفاسیر اور معتمد اکابر کی امالی کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

تفسیری نکات: ربط آیات وسور شان نزول اور تشریح آیات کو سہل انداز اور سلاست سے لکھا ہے فقہی مسائل اور احکام شرعیہ بھی قدیم وجدید فتاویٰ اور کتب فقہ کی روشنی میں واضح کئے ہیں اور عقائد میں ہر قسم کے افراط تفریط سے پاک مسلک حق اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کی ہے یقیناً اردو تفاسیر کے ذخائر میں بیش بہا قیمتی اضافہ اور اعلیٰ تحقیقی اور علمی سوغات ہے۔ اسأل اللہ الکریم ان ینفع بھا العباد والبلاد ویجعلھا فی میزان حسنات المؤلف ویبارک فی مساعیہ المشکورۃ ووفقہ مزیداً من التوفیق لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

محمد فرید عفی عنہ

۹ امام الاساتذہ جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مفتی محمد صدیق صاحب مدیر مدرسہ عربیہ

امداد العلوم محمود کوٹ شہر ضلع مظفر گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

گرامی قدر عزیز محترم مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب کو تدریسی ذوق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے تصنیف وتالیف کا ذوق بھی عطا فرمایا ہے جس کو وہ عملی جامہ پہنا رہے ہیں معارف الفرقان کے عنوان سے انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر کا سلسلہ شروع کیا ہے شاید کہ اپنا علمی اعتماد حاصل کرنے کے لئے ابتدا میں اپنے اساتذہ کرام کی فہرست بھی شائع کی ہے جو کہ ایک مستحسن بات ہے اس وقت میرے سامنے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کا تفسیری مجموعہ ہے جس کو میں نے بچند وجوہ بالاستیعاب تو نہیں دیکھ سکا البتہ قیاس کن زگلستان من بہار مرا کے محاورہ کے پیش نظر عزیز مؤلف کی محنت اور متقدمین ومتاخرین کے تفسیری کتب سے استفادہ کو دیکھ کر اس مجموعہ کی افادیت کی ضمانت دی جاسکتی ہے عزیز مؤلف نے اس تفسیری مجموعہ میں ضمنی طور پر بعض فقہی مسائل کا تذکرہ بھی کیا ہے اسی طرح اہل بدعت جن آیات قرآنیہ سے اپنا تراشیدہ مطلب اخذ کر کے اپنے من گھڑت مسائل ثابت کرنے کی سعی نامناسب کیا کرتے ہیں عزیز مؤلف نے ان کے طرز استدلال کی وضاحت کر کے مدلل طریقہ سے ان کا رد کیا ہے اور اہلسنت والجماعت حنفیہ دیوبندیہ کے مسلک کی خوب ترجمانی کی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز کی محنت کو قبول فرمائیں اور دارین میں اجر کریم عطا فرمائیں۔ ﴿آمین﴾

کتبہ محمد صدیق

۱۰ سید المناظرین حضرت علامہ مولانا مفتی محمد انور صاحب اوکاڑوی مدظلہ

استاذ شعبہ دعوت وارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان

حامداً ومصلیاً ومسلماً امابعد۔ برادرم حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب قاسمی مدظلہ کی تفسیر معارف الفرقان چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھی الحمدللہ اسلاف کے مسلک حقہ کی ترجمانی اس میں نمایاں ہے عقائد اہل سنت اور فقہی مسائل بھی موقع بہ موقع

اس سہل انداز سے ذکر کر دیئے گئے ہیں کہ عام اردو دان بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ طلبا اور اساتذۂ کرام کے لئے تو یہ ایک گوہر نایاب کی دریافت سے کم نہیں امید ہے کہ حق مسلک اہل سنت رکھنے والوں کے لئے یہ تفسیر اطمینان قلبی اور اہل زیغ کے لئے ہدایت کا سبب بنے گی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس تفسیر کو شرف قبولیت عطاء فرما کر اس کے منافع کو عام اور تام فرمائیں اور مؤلف مدظلہ کو اس فرض کفایہ کی ادائیگی پر تمام اہل اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں اور دنیا و آخرت کی تمام کامیابیوں سے ہمکنار فرمائیں۔

﴿آمین یا ارحم الراحمین﴾

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وبارك وسلم

کتبہ محمد انور اوکاڑوی مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان حال وارد کراچی ۲۷/۹/۴ھ

⑪ استاذ العلماء محقق دوراں حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر جامعہ سراج العلوم عیدگاہ لودھراں

باسمہ تعالیٰ: بندہ نے عزیز محترم مولانا عبد القیوم قاسمی زید مجدہ کی لکھی ہوئی تفسیر (معارف الفرقان) کا سرسری طور پر چند مقامات کا مطالعہ کیا الحمد للہ علوم دین خصوصاً تفسیر قرآن کے شائقین طلباء کے لئے ایک تحفہ ہیں جس میں توحید خداوندی کا اثبات اور شرک وبدعت کا رد اچھے انداز میں کیا گیا ہے جوانی کی عمر میں علوم قرآن وتفسیر قرآن سے محبت ومحنت قابل رشک ہیں: "اللھم زدفزد" اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عزیز محترم کی اس محنت کو ان کے لئے صدقہ جاریہ اور مفید خاص وعام بنائے۔ ﴿آمین﴾

محمد میاں مدیر جامعہ سراج العلوم عیدگاہ لودھراں ۲۲/۱۱/۶

⑫ فاضل نوجوان حضرت اقدس حضرت مولانا عبد المالک صاحب دام مجدہم

استاذ الحدیث والتفسیر دار العلوم الصفہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل القرآن المبین یرفع بہ اقواماً ویطیع بہ آخرین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجعین۔

امابعد!

قرآن کریم رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہدایت ہے کتنے گم شدہ اور گمراہ تھے جنہیں نور قرآن نے راہ راست پہ لاکھڑا کیا، دوست ودشمن عالم وجاہل، شاہ وگدا، حکماء شعراء، اور فلاسفہ یہ کلام پُراثر سب کے دلوں میں گھر کر گیا۔ نزول قرآن کے وقت فصاحت وبلاغت کے شہسوار زبان اور شعراء اور آتش بیان خطباء موجود تھے جن کے سحر انگیز کلام کا سارے عرب میں ڈنکا بج رہا تھا ان کا ادنیٰ آدمی بھی ایسا فصیح وبلیغ کلام کہہ ڈالتا کہ بڑے بڑے ادیب دنگ رہ جاتے لیکن ایک امی کی زبان مبارک سے جب اس کلام ربانی کا ظہور ہوا تو اس کے مقابلے میں سب کی آوازیں بند ہو گئیں، زبانیں گنگ ہو گئیں اور ان کی فصاحت وبلاغت کے چرچے ماند پڑ گئے چودہ صدیاں گذرنے کے بعد بھی آج تک کوئی انسان باوجود ہزار کوشش کے اس کلام معجز یا اس کے کسی بھی ٹکڑے کی مثال پیش نہیں کر سکا۔ مسیلمہ کذاب وغیرہ نے اس وحی الٰہی کے مقابلے میں خود ساختہ کلام پیش کیا لیکن خود ان کے پرستاروں نے اُسے رد کر دیا۔

باقی انبیاء کی وساطتوں سے دنیا میں جو دین آتا رہا چونکہ وہ محدود زمانوں کے لئے تھا اس لئے ان کے معجزے بھی محدود الوقت اور عارضی تھے، ہوئے اور ہو کر مٹ گئے لیکن جو دین محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے آیا وہ کامل تھا اور تا قیامت تھا اس کے لئے ایک دائمی

اور مستقل معجزہ کی ضرورت تھی اور وہ قرآن کریم کی شکل میں عطاء ہوا تو یہ کلام دین کا کامل صحیفہ اور معجزہ دائمی ہے جب تک یہ دنیا قائم ہے قرآن کریم بھی اپنی تمام تر تاثیر، تسخیر، اعجاز اور تغیر وتحریف سے پاک صفت کے ساتھ باقی اور قائم رہے گا اور پھر مزید یہ کہ اس کی حفاظت کا بھی خدائی انتظام ہو گیا دور صحابہ سے لیکر آج تک اس کلام مقدس کی ہزار ہا قسم کی خدمت کی گئی ہے اور قیامت تک جاری رہے گی، محدثین، مفسرین، ماہر اہل لغت فقہاء صوفیاء اور حفاظ نے مختلف انداز سے اپنی اپنی صلاحیتیں خدمت قرآن پر صرف کی ہیں اور انہیں اس خدمت پر جو لذت وحلاوت محسوس ہوئی دنیا کی ساری نعمتوں کو انہوں نے اس کے مقابلے میں ہیچ سمجھا۔

خدام قرآن میں حضرات مفسرین کا اپنا مقام ہے بشمول صحابہ وتابعین کے ہر دور میں ہر مفسر نے اپنے اپنے انداز میں اس کلام ربانی کی تفسیر کی ہے اس کے معانی ومطالب کو واضح کیا ہے بقول امام العصر محدث جلیل حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) کے تفاسیر قرآن کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ چکی ہے پھر حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے بعد بھی اب تک ہزار ہا تفاسیر لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا لیکن "کلام الله بحر لا ینقضی عجائبه" (کلام اللہ ایک ایسا سمندر ہے جس کے عجائبات ختم ہونے میں نہیں آتے) کے تحت کوئی مفسر بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے تفسیر کو انتہاء اور کمال تک پہنچا کر اس کا حق ادا کر دیا۔

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد عبدالقیوم قاسمی زید مجدہ (مؤسس ومدیر مدرسہ معارف اسلامیہ کراچی) نے بھی معارف الفرقان لکھ کر خدام قرآن کی فہرست میں اپنا نام شامل کروالیا ہے اور حسن ظن کی بنا پر چند سطریں لکھنے کا اصرار کر کے اس عاجز کو بھی اس سعادت میں شریک کیا ہے مولانا موصوف کی یہ تفسیر اکابر کی طرز پر مسلک حقہ کی ترجمانی ہے فرق باطلہ کا رد علوم قرآنی کا مدلل بیان اور ہر آیت کی دلنشین تفسیر وتوضیح اس تفسیر کے خاص موضوعات ہیں مولانا نے مختلف اکابر واساتذہ کرام کے فرمودات کو یکجا کر کے ایک گنج گراں مایہ کی شکل میں عاشقان کلام اللہ اور مشتاقان قرآن کے لئے ایک حسین وعظیم روحانی تحفہ پیش کیا ہے علمی وتحقیقی جواہر سے مرصع ومزین یہ خزینہ جہاں اہل علم اور عوام الناس کے لئے ایک انمول اور قیمتی تحفہ ہے وہاں مولانا کے لئے بھی دارین کے سعادت ونجات کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ مولانا کی اس کاوش کو اپنے دربار میں قبول فرمائے اور اس عظیم خدمت سے ان کے میزان حسنات کو بھاری فرمائے۔

مولانا محترم کے لئے خصوصاً اور ہم سب کے لئے عموماً صدقہ جاریہ اور باعث نجات بنائے۔ ﴿آمین ثم آمین﴾

احوج الناس الی الدعا ابو محمد عبدالمالک مدرس دار العلوم الصفہ سعید آباد کراچی

⑬ عالم باعمل پیر طریقت حضرت مولانا محمد طاہر سندھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عمر کوٹ چھور

جمیع العلم فی القرآن — لکن تقاصر عنه افهام الرجال

گر همی خواهی مسلمان زیستن — نیست ممکن جز بقرآن زیستن

بھائی مولانا صاحب کی لکھی ہوئی محنت بڑی اچھی لگی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے مقبول عام فرمائے۔ (آمین)

حقیر طاہر "تائب" سندھی عمر کوٹ چھور

۱۳: ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ مدرسہ معارف اسلامیہ میں

⑭ استاذ العلماء شیخ التفسیر حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب گورمانی دام مجدہم

مہتمم جامعہ فتاح العلوم نوشہرہ سانسی گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راقم الحروف نے حضرت مولانا عبدالقیوم قاسمی سلمہ ربہ مع الرشد والسلامۃ والسداد کی مرتب کردہ تفسیر معارف الفرقان کی سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کا مع مقدمہ مطالعہ کیا مقدمہ میں انہوں نے تفسیر کے اساتذہ ومشائخ کا امام شاہ ولی اللہ تک مختصر

سوانح کے ساتھ باسند تذکرہ کیا ہے۔ طبقات مفسرین میں حضرات صحابہ کرام ﷺ اور تابعین عظام کا تعارف پیش کیا ہے ساتھ ہی تفسیری اصطلاحات کے بیان کرنے میں عمدہ تعبیر کو اختیار کیا ہے، سورۃ فاتحہ کے موضوعات اور سورۃ بقرہ کے مبادی اور ابتدائی افادات کا اہتمام کیا ہے، ہر رکوع کا خلاصہ آیات اور مضامین کا باہمی ارتباط کا التزام کیا گیا ہے۔

سورۃ بقرہ قرآن مجید کی جملہ سورتوں کی بنیاد ہے قرآن مجید کی جملہ سورتوں میں جو معانی اور مقاصد متفرق طور پر لائے گئے ہیں وہ سب کے سب اس سورۃ میں آگئے ہیں خصوصاً یہود اور ان کے آباؤ اجداد کی تاریخ کا اتار چڑھاؤ اور ان کی اپنے انبیاء کے خلاف سازشیں اور کتاب اللہ کی تحریف کا جو نقشہ اس سورۃ میں کھینچا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، سورۃ بقرہ کے دعاوی اور مشتملات کو سمجھ لینے سے قرآن کے اجمالی موضوعات پر عبور حاصل ہو جاتا ہے۔ سیدنا عثمان ﷺ نے ترتیب قرآن میں سورۃ بقرہ اور آل عمران کو جو اولیت دی ہے اس سے ان کی مصلحت وحکمت کو سمجھا جاسکتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ہر قاری، متعلم، چھوٹا، بڑا، جوان بوڑھا مرد اور عورت یہود ونصاریٰ کی فریب کاریوں پر مطلع ہو کر ان سے ہوشیار رہے اور ان کے طریقہ کار سے بیزار ہو۔ مولانا موصوف نے اسلاف کے اصولوں کے مطابق آیات کی تشریح اور تفسیر کی ہے اور بعض پیدا شدہ اشکالات کے جواب دیئے ہیں۔ تفسیر میں الحاد وزندقہ اور محرفین کی تحریف کی نشاندہی کر کے ان کا سخت رد کیا ہے۔ موقع اور محل کی مناسبت سے مسائل اور احکام فقہیہ کو بھی لائے ہیں اور ان پر سیر حاصل بحث کی ہے اسی طرح اہل السنت والجماعت کے عقائد کا دلائل سے اثبات اور بدعات پر مبتدعین کی غلط تاویلات کا پردہ چاک کیا اور ان کی خوب خبر لی ہے۔

المختصر معارف الفرقان کا طرز تحریر آسان دلکش اور معنی خیز ہے اس پر ہر ایک مسئلہ کا بحوالہ ذکر کرنا جاذب نظر اور دلربا ہے مؤلف موصوف کے مطالعہ میں اکثر تفاسیر متداولہ اور بعض غیر متداولہ بھی شامل ہیں۔ تفسیر کے ابتدائی طالب علم کیلئے یہ مجموعہ رہنما اور منتہی کے لئے یہ ایک مکمل دستاویز ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی تکمیل کی توفیق دے۔ ﴿آمین﴾

آپ کو اور آپ کے معاونین کو جزا خیر سے نوازے اور اس کا نفع عام کرے اور اسے اہل اسلام کے لئے دنیا اور آخرت کا ذخیرہ بنائے۔ آمین ثم آمین

محمد عیسیٰ عفی عنہ خادم جامعہ فتاح العلوم خطیب جامعہ مسجد توحیدی نوشہرہ سانسی گوجرانوالہ

۱۴۲۸ھ۔۸۔رجب ۲۰۰۷ء۔۲۴۔جولائی

⑮ فضيلة الشيخ المبجل المؤقر المعظم الاديب الفصيح البليغ الاستاذ الكبير العظيم لقسم الادب العربي في جامعة عمر والخريج من جامعة العلوم الاسلاميه علامة بنوري تاؤن كراتشي۔

موسیٰ العراقی المحمدی حفظه الله ورعاه

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على حبيبه المصطفى

اما بعد فجدير بالذكر ان مدا عظم العلم يكون على قدر صاحبه فكلما عظم صاحبه عظم ذلك العلم ومما لا شك فيه ان العظيم هو الله وعليه فعلمه هو العلم الاعظم ثم ان القرآن وآخر كتاب انزله الله تعالى وقد تكفل بحفظه من التحريف بمختلف صوره وهو صفة من صفات الله تعالى فاذاً اعظم علم هو علم القرآن لحفظ ومعرفة تفسيره والاشتغال به هو من اعظم الاعمال هذا وان الاخ الكريم الذي طالما جد واجتهد في النظر في آيات الله ونقل الاقوال الصحيحة عن الائمة والاعلام وقد اجاد في عمله هذا واسال الله تعالى ان يغدق عليه المزيد من العلم والمعرفة وان يفتح عليه فيه فهم الآيات وتفسيرها على ما يحبه ويرضاه ولا يسعني في هذا المقام الا ان اقدم شكري واعتزازي بأخي الشيخ المحترم عبد القيوم قاسمي حفظه الله ورعاه واسال الله تعالى ان يجمعني به على طريق الخير في

الدنیا وتحت ظل رحمتہ جل جلالہ یوم القیامۃ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

اخوکم الفقیر لعفو اللہ موسیٰ المحمدی

نہایت قابل ذکر ایک بات یہ ہے کہ علم کی عظمت صاحب علم کی قدر و منزلت سے پہچانی جاتی ہے جیسے ہی صاحب علم عظیم تر ہوتا ہے تو اسی کے بقدر علم میں عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بزرگ و برتر ہے تو اس کا علم بھی سب سے اعلیٰ اور فائق ہے۔ قرآن کریم وہ آخری کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور مختلف طریقوں سے قرآن کی حفاظت کی اور رد و بدل سے محفوظ فرمایا اور قرآن کریم کے علوم اور اس کے الفاظ کو حفظ کرنا اور اس کی تفسیر جاننا اور اس میں مشغول ہونا سب سے اعلیٰ اور افضل عمل ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ عزیزم نے آیات قرآنیہ کی تفسیر میں بہت زیادہ غور و خوض سے کام لیا ہے اور اسلاف کے صحیح اقوال کو جمع کرنے میں بڑی محنت اور کوشش فرمائی ہے اور نہایت مضبوطی کے ساتھ جواہر و یاقوت جمع کئے ہیں، بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدستہ دعا گو ہے کہ صاحب تفسیر پر حق تعالیٰ شانہ اپنے علم و معرفت کا خصوصی فیضان جاری فرمائے؛ اور اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق آیات قرآنیہ کی سمجھ اور ان کی تفسیر کا دروازہ کھول دے۔ میں حضرت مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ شرف اور اعزاز بخشا اور آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور موصوف کو دنیا میں نیکی کے راستے میں اور قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے تلے جمع فرمائے۔ ﴿آمین﴾ مترجم مولانا محمد عامر شاگرد صاحب تقریظ۔

۱۶ حضرت علامہ مولانا عبد الغفار صاحب دامت برکاتہم قائم مقام خطیب مرکزی مسجد (لال مسجد) اسلام آباد

منتظم جامعۃ العلوم الاسلامیہ الفریدیہ ای سیون اسلام آباد

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

قرآن اللہ تعالیٰ کی وہ آخری کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ پر نازل کی ہے اور قیامت تک آنے والی ساری کی ساری انسانیت کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے اسی کتاب میں رکھی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود لی ہے جس کی وجہ سے اس کے الفاظ، حروف، معانی یہاں تک کہ طرز ادا سب کچھ محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب بہت مخدوم کتاب ہے اس امت نے ہمہ جہت اس کتاب کی خدمت کی ہے خصوصاً اس کے معنی و مطالب کی توضیح و بیان کے لئے ہر دور میں علماء کرام نے بے مثل تفسیریں لکھی ہیں اور ہر تفسیر کا اسلوب و بیان دوسری تفسیروں سے منفرد و نرالا ہے کسی بھی تفسیر کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دوسری تفسیروں سے بے نیاز و مستغنی کر دینے والی ہے اور یہ حقیقت میں نبی کریم ﷺ کے فرمان گرامی "لا ینقضی عجائبہ" کے سچے ہونے کی بین دلیل ہے۔

انہی تفسیروں میں ایک تفسیر معارف الفرقان فی تفسیر القرآن اس وقت میرے سامنے ہے یہ تفسیر سورۃ فاتحہ سے لیکر سورۃ توبہ تک لکھی گئی ہے جس کو حضرت مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب مدیر مدرسہ معارف اسلامیہ سعید آباد کراچی نے مرتب فرمایا ہے۔ میں نے اس تفسیر کے بعض مقامات کو سرسری نظر سے دیکھا ہے حضرت مفسر العلام نے بڑی جانفشانی سے جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے بہت ہی محققانہ انداز میں اس تفسیر کو مرتب فرمایا ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ علم تفسیر پر ایک جامع مقدمہ بھی ہے اس مقدمہ میں علم تفسیر کی تعریف، موضوع، غرض وغایت کے علاوہ علم تفسیر کی ضروری اصطلاحیں اور طبقات مفسرین ذکر کئے گئے ہیں جن کا جاننا تفسیر کے ایک طالب علم کیلئے بہت ضروری ہے۔ آیات تفسیر میں خلاصہ تفسیر کے ساتھ ساتھ آیات کا ربط، شان نزول، آیات کی تفسیر میں راجح قول کی نشاندہی بھی کی گئی ہے خصوصیت کے ساتھ اس تفسیر میں باطل عقائد و نظریات کی تردید قرآن وسنت اور مستند فقہاء کے اقوال کی روشنی میں کی گئی ہے اس طرح یہ تفسیر علماء اور طلباء کیلئے ایک بیش بہا گوہر اور قیمتی تحفہ تو یقیناً ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ عام مسلمان بھی اس تفسیر سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب کی اس علمی کاوش کو اپنے دربار میں قبول فرمائے اور ان کے لئے دارین میں حصول سعادت اور نجات کا ذریعہ بنائے۔اور باقی ماندہ حصے کی بھی اسی انداز میں تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

عبدالغفار قائم مقام خطیب مرکزی مسجد (لال مسجد) اسلام آباد

منتظم جامعۃ العلوم الاسلامیہ الفریدیہ ای سیون اسلام آباد

⑰ حضرت مولانا شیخ الحدیث قاری سعید الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رئیس جامعۃ الاسلامیہ شارع کشمیر راولپنڈی پاکستان

حضرت مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب مدظلہ العالی کی مایہ ناز تفسیر معارف الفرقان جو سورۃ فاتحہ سے سورۃ توبہ تک طبع ہوچکی ہے مختلف مقامات سے دیکھنے کا موقع ملا تفسیر کی جامعیت کیلئے یہی کافی ہے کہ اس کی نسبت دور حاضر کے دو عظیم اکابر علماء اور اہلسنت والجماعت کے دو محقق، فقیہ، مفسر و محدث یعنی حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت شیخ التفسیر مولانا صوفی عبدالحمید صاحب نور اللہ مرقدہ کی طرف ہے ان اکابر کی خدمت روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

اس تفسیر میں مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب نے تفسیر سے متعلق جو ضروری امور ہیں ان سب کو یکجا کر کے ایک بہترین تفسیری خدمت سرانجام دی، تفسیر میں قدیم مفسرین کے اقوال و معارف کے ساتھ جدید مفسرین کی تحقیق کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔

علاوہ ازیں سورتوں کا بلکہ رکوع تک کے خلاصہ کا اہتمام کیا گیا جس سے تفسیر کی افادیت دوبالا ہوگئی ہے نیز فرق باطلہ کی تردید سنجیدہ انداز میں کرنے کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے یہ تفسیر علماء، طلباء اور عوام سب کیلئے نافع ہے اللہ تعالیٰ موصوف کی ان علمی و تفسیری خدمات کو قبول فرمائے اور امت کو استفادہ کی توفیق عطاء فرمائے۔

والسلام

سعید الرحمٰن ۲۱/۲/۲۰۰۹ء

⑱ پیر طریقت رہبر شریعت حضرت اقدس مولانا محمد عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

رئیس دارالعلوم زکریا اسلام آباد

باسمہ تعالیٰ شانہ

بخدمت گرامی قدر مخدوم و مکرم حضرت مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب زید مجدہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ طالب الخیر مع الخیر

آنمخدوم کا شفقت نامہ برادر مکرم حضرت مولانا سید عبدالرحیم صاحب زید مجدہ نے عنایت کیا بیحد خوشی ہوئی آپ نے شفقت کے ساتھ یاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس محبت کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے انشاء اللہ تعالیٰ کراچی حاضری ہوگی تو شرف زیارت حاصل کروں گا دعاؤں کی لجاجت سے درخواست ہیکہ ہر طرح نالائق اور سیاہ کار ہوں۔

تفسیر ''معارف الفرقان،، کو اللہ تعالیٰ بے حد قبول فرمائے اور نافع فرمائے، آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے میری حیثیت ایسی نہیں کہ کچھ لکھ سکوں خاص کر جب اتنے بڑے اکابر جن کی تقریظات شامل اشاعت ہیں کی تقاریظ کے بعد تو اب کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ پڑھوں گا بھی کہ استفادہ ہوجائے تفسیر جس دن شاہ صاحب مدظلہم لائے ایک صاحب علم موجود تھے انہوں نے ذکر مبارک بحث والی جگہ پڑھی اور مجھے دکھائی اتنی گذارش ہے کہ ہمارے تقریباً تمام اکابر ذکر جہر کے نہ صرف قائل بلکہ خود کرتے بھی تھے اور سکھاتے بھی تھے حضرت اقدس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کا مضمون بہت اہم ہے آج کل چونکہ منکرین و مانعین ذکر بہت چرچا کرتے ہیں اس لئے اس میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں

الحمدللہ اپنے اکابر کا اپنے حضرت نور اللہ مرقدہم کی برکت سے جامد مقلد ہوں اس لئے یہ بات عرض کر دی ہے اگر کہیں ان کی تحقیق سے سہواً بھی خلاف ہو جائے تنبیہ پر رجوع واصلاح اپنی سعادت سمجھتا ہوں دل سے دعا گو اور خود محتاج دعا ہوں۔

فقط والسلام۔ فقیر محمد عزیز الرحمٰن عفی عنہ ۹ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

⑲ استاذ المناظرین وکیل صحابہ واہل بیت حضرت اقدس علامہ مولانا محمد عبد الغفار صاحب تونسوی دام مجدہم

صدر تحریک تنظیم اہل سنت والجماعت پاکستان

الحمدللہ و کفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی سید الرسل وخاتم الانبیاء۔ امابعد

محترم ومکرم جناب حضرت مولانا عبد القیوم صاحب قاسمی زید مجدہ کی تفسیر معارف الفرقان کے متعدد مقامات دیکھنے کا اتفاق ہوا، ترجمہ وتفسیر سلیس عام فہم اردو زبان میں ایک گراں قدر تحقیقی علمی خزانہ ہے اور قدیم وجدید مستند ومحقق تفاسیر کا خلاصہ ونچوڑ ہے، اس تفسیر کو تمام جہات سے جامع بنانے کی کوشش کی گئی ہے اگر اس کو جامع التفاسیر کہا جائے تو بجا ہوگا۔

تفسیر کے مقدمہ میں اصطلاحات، تفسیری نکات قابل تحسین ہیں، ربط آیات، سور کا شان نزول، آیات کی تشریح وتوضیح نہایت احسن وسہل انداز میں کی گئی ہے، فقہی مسائل، احکام شرعیہ کو قدیم وجدید کتب فقہ کی روشنی میں واضح فرمایا ہے۔

مولانا موصوف نے اپنے مشائخ واسلاف کے قواعد واصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آیات کی تشریح وتوضیح کی ہے۔ متعدد مقامات میں پیدا ہونے والے اشکالات کے خوب جوابات دیئے ہیں تفسیر میں ردفرق باطلہ، الحاد وزندقہ، اہل بدعت، روافض کی تاویلات فاسدہ وعقائد باطلہ کی نشاندہی کر کے ان کا سخت رد وتعاقب کیا ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقائد ونظریات کو خوب واضح کیا ہے۔

مولانا موصوف نے آیات کی تفسیر میں بہت زیادہ غور وخوض کر کے اپنے اسلاف کے اقوال کو جمع کرنے میں نہایت سعی بلیغ کی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی محنت وکوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور عوام وخواص کو اس سے نفع کی توفیق عطاء فرمائے وآخرت کا ذخیرہ بنائے۔ (آمین)

محتاج دعا بندہ محمد عبد الغفار تونسوی۔ وارد حال کراچی۔ ۵۔۸۔۲۰۰۷

⑳ فخر بلوچستان استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا عبد المجید صاحب حفظہ اللہ

شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس العربیہ کوئٹہ بلوچستان

حامدًا ومصلیًا ومسلماً۔ امابعد

گرامی قدر برادر عزیز مولانا عبد القیوم قاسمی زید مجدہم کی تفسیر معارف الفرقان کو مختلف جگہوں سے دیکھا گیا۔

الحمدللہ مولانا موصوف کی مستند اور مدلل تفسیر دیگر تفاسیر کو چار چاند لگانے کے مترادف ہے۔ تفسیر کی بہت ساری خصوصیات ہیں۔ لیکن جن خصوصیات کی بناء پر ممتاز خصوصیات رکھتا ہے باطل عقائد ونظریات کی جس انداز میں نشاندھی کی ہے۔ خاص کر رد قادیانیت اور رد شیعیت کے خلاف جس انداز میں بیان کیا ہے لائق صد تحسین ہے۔ بندہ اسکی اہلیت نہیں رکھتا کہ دیگر مشائخ عظام وبزرگان دین کی تقاریظ کے بعد بندہ کورائے کے قائم کرنے کا حق ملے۔ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو مولانا عبد القیوم قاسمی صاحب کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ اور علماء کرام وطلباء عزیز کے لئے نفع بخش ثابت ہو۔ جعل اللہ للحروب رجالاً۔ ورجالاً للقصعد وتریدی!

ایک ضروری درخواست اہل علم حضرات کے لئے پیش خدمت ہے کہ اپنی تمام تر دینی خدمات کو جس انداز میں بھی پیش کر رہا ہو۔ موجودہ فتنوں کی نشاندہی اور ان کے سدباب کے لیے مؤثر ذریعہ اپنائے اللہ تعالیٰ مولانا کی تمام علمی سعی کو مقبول بنائے۔ اور دونوں جہانوں کی سرخروی نصیب فرمائیں۔ (آمین)

بندہ عبد المجید عفا اللہ عنہ زندہ زیارت خادم الحدیث نبوی ﷺ۔ جامعہ خیر المدارس العربیہ کوئٹہ

۲۱ تبصرہ ماہنامہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

معارف الفرقان فی تفسیر القرآن : مترجم مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی رحمہ اللہ مفسر مولانا عبدالقیوم قاسمی۔

بلاشبہ قرآن کریم وہ واحد کتاب ہے جس کی کسی بھی آسمانی وغیر آسمانی کتاب کے مقابلے میں سب سے زیادہ خدمت کی گئی ہے امام انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ کے بقول قرآن کریم پر لکھی گئی کتب کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ چکی ہے مگر اب تک کسی بھی تفسیر کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے قرآن کریم کا حق ادا کردیا ہے، چنانچہ امام کشمیری رحمہ اللہ ہی کا قول ہے کہ "فتح الباری،، نے تو تشریح حدیث کا قرض امت سے ساقط کردیا مگر تفسیر قرآن کا قرض اب بھی باقی ہے اگر تفسیر عزیزی پایہ تکمیل کو پہنچتی تو یہ قرض بھی ساقط ہوجاتا ہے۔

مگر اس سب کے باوجود قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر اور دیگر بے شمار گوشوں پر عربی اردو اور دیگر مقامی وعالمی زبانوں میں قرون اولیٰ سے لے کر اب تک علماء کرام نے بیش بہا اور قابل قدر خدمت انجام دی ہیں۔

زیرہ تبصرہ کتاب "**معارف الفرقان**،، بھی اسی سلسلے کی ایک بہترین کڑی ہے جو مولانا عبدالقیوم قاسمی صاحب کی کاوش ہے جو سورۃ فاتحہ تا سورۃ توبہ کے اردو زبان میں ترجمہ وتفسیر پر مشتمل ہے۔

بقول مؤلف تفسیر کی خصوصیات یہ ہیں : آیات کریمہ کی ترجمہ وتفسیر میں ان کا اسلوب یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ مکمل رکوع ذکر کرکے آیات کریمہ کا ترجمہ ذکر کرتے ہیں اس کے بعد ماقبل سے آیات کا ربط اور امام لاہوری رحمہ اللہ کے طرز پر اس رکوع کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں پھر امام شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ کے اصول خمسہ کے طرز پر معنی خیز عنوانات لگا کر مشکل آیات کریمہ کی تفسیر ذکر کرتے ہیں اگر کسی آیت یا سورۃ کے نزول کا کوئی خاص سبب ہو تو اسے بھی ذکر کرتے ہیں آیات یا کسی لفظ کی تفسیر میں اگر مفسرین کا اختلاف ہو تو اسے ذکر کرکے قول راجح کی تعیین بھی کرتے ہیں آیات کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں بعض علمی مفید باتیں بھی مستقل عنوان لگا کر بیان کرتے ہیں نیز جن آیات کریمہ سے اہل باطل استدلال کرتے ہیں ان کی ٹھوس علمی تردید کرکے اہل سنت والجماعت کا مسلک حق بیان کرتے ہیں اور آیات الاحکام کی مناسب انداز میں فقیہانہ طرز پر تفسیر کرتے ہیں۔

کسی بھی سورت کی تفسیر سے پہلے اس سورت کا نام اور کوائف، وجہ تسمیہ، ماقبل کے ساتھ اس کا ربط، سورت کا موضوع، اس کا اجمالی وتفصیلی خلاصہ اور اسکی خصوصیات وفضیلت بیان کرتے ہیں ان سب امور کے بیان میں وہ علمی دیانت وامانت کا حق ادا کرتے ہوئے حوالہ جات کا بھرپور اہتمام کرتے ہیں۔ غرض فہم قرآن کریم کیلئے یہ ایک اچھی اور عام فہم تفسیر ہے جو جامع بھی ہے اور مختصر بھی تبصرہ کیلئے پوری کتاب کا مطالعہ کرنا ظاہر ہے مشکل ہوتا ہے البتہ چیدہ چیدہ مقامات کا سرسری مطالعہ کیا ہے۔

۲۲ تبصرہ حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ احسن العلوم کراچی

قرآن کریم کی تفسیر اور اس سے متعلقہ خدمات خود قرآن اور صاحب قرآن جناب نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سے ہیں اور آیت کریمہ "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا"۔ (نساء۔ ۱۱۳) کا آئینہ دار ہے۔ ہندوستان کے دور آخر کے سب سے بڑے عالم امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ قرآن کریم کی چھوٹی بڑی دو لاکھ تفاسیر ہوچکی ہیں۔ (یتیمۃ البیان : ص ۲۶) اس میں (۱۰۰) سو (۱۰۰) سو اور پچاس پچاس جلدوں پر مشتمل تفاسیر ہزاروں سے متجاوز ہیں، عبیداللہ بن نقیب نے پانچ سو (۵۰۰) جلدوں میں لکھی تھی، ابوبکر ابن عربی شیخ الطائفہ نے "المعتزن" چالیس ضخیم جلدوں میں لکھی تھی امام ابومنصور ماتریدی کی تاویلات اہل سنت بھی ۴۰ جلدوں میں ہے جو حال ہی میں عزیزم دکتور مجدی کی تحقیق وتقدیم سے مکہ مکرمہ سے شائع ہو رہی ہے۔ ہندو پاک میں سینکڑوں اہل حق اور صلحاء نے قرآن کریم کی چھوٹی بڑی تفاسیر لکھی ہیں انہی خوش قسمت حضرات خیر میں سے ہمارے

عزیز دوست حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب قاسمی ہیں جنہوں نے اپنے مشائخ کے استفادہ اور استمدار میں معارف الفرقان فی تفسیر القرآن کے نام سے قرآنی علوم کا ایک عظیم تفسیری انسائیکلو پیڈیا تیار فرمایا ہے موصوف دیگر علماء حق کے علاوہ امام اہل سنت، ترجمان مسلک دیوبند، وکیل احناف، محقق العصر شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کر چکے ہیں۔ بیشتر اختلافی مسائل میں بھی عزیزم نے اہل حق کے مؤقف کی تائید وحمایت کی کوشش کی اور چونکہ ایسے مواطن میں وہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب کی کتب ہی سے کام لیتے ہیں اس لئے منہج اختلاف کی تعیین وتصدید میں بھی وہ جادہ حق پر قائم ہیں۔....... تفسیر معارف الفرقان کے اندر جو کوشش کی گئی ہے وہ قابل قدر ہے تفسیر قرآن کیلئے دو جذبے کارفرما ہونے چاہیں ایک ذوق سلیم اور دوسرا وسعت مطالعہ یہ دونوں جذبے جس حد تک موجزن ہوں گے اس قدر تفسیری کتاب امتیازی بنے گی کے ذوق جمیل ہی کا کرشمہ ہے کہ معارف الفرقان سورۃ فاتحہ تا سورۃ توبہ ایک ضخیم جلد میں منصہ شہود پر آچکی ہے اللہ تعالیٰ ان کی یہ کاوش قبول فرمائے اور مزید کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۳ متکلم اسلام سفیر احناف حضرت علامہ مولانا محمد الیاس گھمن صاحب حفظہ اللہ

امیر : عالمی اتحاد اہل السنت والجماعت۔

سرپرست : مرکز اہل السنت الجماعت سرگودھا۔

چیف ایگزیکٹو : احناف میڈیا سروس۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو جن وانس کی رشد وہدایت کے لیے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔قرآن مجید کا یاد کرنا، سمجھنا، سمجھانا، اس کے احکامات پر عمل پیرا ہونا اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے رک جانا عظیم سعادت، دنیا کی کامیابی اور آخرت کی کامرانی کا ذریعہ ہے۔اسی لیے قرآن مجید کی تعلیم وتعلم کو دیگر کاموں پر فضیلت بخشی گئی ہے۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔(صحیح البخاری : رقم الحدیث ۵۰۲۷): کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

اسی وجہ سے علماء امت نے قرآن کریم کی مختلف جہات سے خدمت کی ہے۔اس کی قراءتوں کی محافظت، اس کے الفاظ کی حفاظت، اس کے معانی ومطالب کا فہم، اس کی تفسیر وتشریح اور امت دعوت واجابت میں اس کے ابلاغ کے لیے اپنی ہمتیں اور کوششیں صرف کر دی ہیں۔غرض اس کے الفاظ سے لے کر معانی ومفاہیم تک جتنے مراحل ہیں ان تمام میں کارہائے نمایاں سرانجام دی ہیں۔یوں قرآن کریم کے ان متعلقہ علوم کا ایک عظیم سرمایا اسلاف امت نے اخلاف کے لئے چھوڑا ہے۔قرآن مجید کی مختلف جہات سے کی گئی تفاسیر کی تعداد کتنی ہے؟ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ "مشکلات القرآن" کے مقدمہ میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں: قد بلغت تفاسير القرآن المؤلفة الى مأتی الف۔(مقدمہ مشکلات القرآن للبنوری: ص ۱۲:) ترجمہ : قرآن مجید کی تفاسیر کی تعداد دو لاکھ کو پہنچ چکی ہیں۔

جہاں ذمہ دار اور راسخ فی العلم ائمہ مفسرین نے قرآن کے معانی ومفاہیم صحیح طرز پر بیان فرمائے، اصول تفسیر کا خیال رکھتے ہوئے اس کے احکامات اور ہدایات امت کے سپرد کیں ہیں وہیں چند ایسے لوگ بھی نمودار ہوئے جنہوں نے تفسیری اصولوں کو یکسر پس پشت ڈال دیا۔ان لوگوں میں نہ تفسیر کی لیاقت تھی نہ احکام کے استنباط کی صلاحیت، ناقص معلومات کے بل بوتے پر تفسیر کے نام پر

"تحریف" کے ایسے "کارنامے" دکھلائے کہ شیطان کو بھی پیچھے چھوڑتے نظر آئے۔ ان تجدد پسندوں نے زمانہ کے افکار اور بعض سائنسی نظریات سے مرعوب ہو کر کئی ایک معجزات کا انکار کر دیا اور واضح آیات کی ایسی کھینچا تانی شروع کر دی جو تحریف معنوی کی حد تک پہنچ گئی۔ مثلاً قرآن مجید نے انتہائی واضح الفاظ میں بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آگ ان کے لیے ٹھنڈی کر دی گئی تھی اور پوری امت کا یہی موقف چلا آرہا ہے، اس کے برخلاف سر سید احمد خان نے تحریف معنوی کا جواز پیدا کرتے ہوئے لکھا: "ان کے (قدیم علمائے اسلام کے) زمانے میں نیچرل سینز نے ترقی نہیں کی تھی اور کوئی چیز ان کو قانون فطرت کی طرف رجوع کرنے والی اور ان کی غلطیوں سے متنبہ کرنے والی نہ تھی، پس یہ اسباب اور مثل ان کے اور بہت سے اسباب ایسے تھے کہ ان کی کافی توجہ قرآن مجید کے ان الفاظ کی طرف نہیں ہوئی، مثلاً...... حضرت ابراہیمؑ کے قصے میں کوئی نص صریح اس بات پر نہیں ہے کہ درحقیقت ان کو آگ میں ڈال دیا گیا تھا، مگر انہوں نے اس بات پر خیال نہیں کیا۔" (مقدمہ تفسیر قرآن از سر سید احمد خان: ج:۱: ص ۱۷:)

حالانکہ خود قرآن کریم میں یہ واقعہ ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے: ﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ﴾ (سورۃ الانبیاء ۶۸ :۔ ۷۰) ترجمہ: وہ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: "آگ میں جلا ڈالو اس شخص کو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تم میں کچھ کرنے کا دم خم ہے"۔ (چنانچہ انہوں نے ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا اور) ہم نے کہا: "اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لیے سلامتی بن جا"۔ ان لوگوں نے ابراہیم کے لیے برائی کا منصوبہ بنایا تھا مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے انہی کو بری طرح ناکام کر دیا۔

ان واضح الفاظ اور صریح نص پر تحریف کی چھری محض اس لیے چلائی گئی ہے کہ یہ واقعہ مغرب کی "نیچرل سینس" کے خلاف ہے جس کی پیروی سر سید احمد خان اور ان کے ہمنوا کرتے نظر آرہے ہیں۔ معاذ اللہ۔

جناب مودودی صاحب بھی اسی سلسلہ کی کڑی نظر آتے ہیں جن کی تفسیر میں "عصمت" حضرات انبیاء علیہم السلام کا خامہ نظر آتا ہے نہ "معیار حق ہونا" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مظہر۔ موصوف کے ہاں ائمہ دین کی پیروی ایک جرم معلوم ہوتی ہے اور مذاہب اربعہ ایک بے وقعت چیز (معاذ اللہ)

جاوید احمد غامدی صاحب قرآن کی تفسیر و توضیح کے نام پر کئی مذموم نظریات کے حامل بنے ہوئے ہیں۔ متواتر قراءتوں کا یکسر انکار بلکہ انہیں- معاذ اللہ- فتنہ عجم کی باقیات گردانتے ہیں۔ (میزان: ص ۳۲:) ڈاڑھی کا انکار کرتے ہیں (بحوالہ ویڈیو بیان) تو کبھی مرتد کی سزا قتل کو محل نظر "فرماتے" ہیں۔ (برہان: ص ۱۴۰:) شرابی کی سزا اسی کوڑوں کو شریعت سے ثابت نہیں مانتے (برہان: ص ۱۳۸:) تو کبھی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں۔ (ماہنامہ اشراق: جنوری ۱۹۹۶ء)

غلام احمد پرویز بھی اسی میدان تفسیر میں دین اسلام کا حلیہ بگاڑ چکے ہیں۔ کئی افکار صراحتاً کفر ہیں مثلاً:

☆ دین نے قیام صلوٰۃ کا حکم دیا تھا، مذہب میں یہ چیز پڑھنے کے مترادف ہو گئی۔ (طلوع اسلام: جون ۱۹۵۰ء)

☆ میرا دعویٰ تو صرف اتنا ہے کہ فرض نماز یں صرف دو ہیں جن کے اوقات بھی دو ہیں، باقی سب نوافل ہیں۔ (طلوع اسلام: اگست ۱۹۵۰ء)

☆ روایات حدیث کا پورا سلسلہ قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے۔ (طلوع اسلام: اکتوبر ۱۹۵۰ء)

عصر حاضر میں ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب بھی قرآن کریم کی تفسیر کے حوالے سے انتہائی گمراہ کن نظریات اور تصورات امت میں پھیلا رہے ہیں جن کا مشاہدہ دار العلوم دیوبند کے فتویٰ میں کیا جا سکتا ہے۔ سر دست اس فتویٰ سے بطور نمونہ ایک مثال پیش خدمت ہے:

ڈاکٹر صاحب کی احادیث اور لغت سے نادانی اور جہالت پر مبنی اس تحقیق پر تبصرے کے طور پر مسلم شریف کی حدیث ہی کافی ہے صحیح مسلم میں ہے: "عن المغيرة بن شعبة قال: لما قدمت نجران سألوني فقالوا: انكم تقرأون يا اخت هارون وموسى قبل عيسى بكذا وكذا. فلما قدمت على رسول الله ﷺ سألته عن ذلك فقال: انهم كانوا يسمون

(د) سورۃ مریم کی آیت "یاخت ھارون ما کان ابوك امرا سوءوما کانت امك بغیا "(۲۸) پر نا سمجھی سے کیا جانے والا معروف اشکال۔ حضرت مریم علیہا السلام حضرت ھارون کی بہن نہیں تھیں اور دونوں کے زمانے میں تقریباً ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے کے جواب میں فرماتے ہیں:

''عیسائی مشنری یہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کو یسوع مسیح کی والدہ Mary مریم اور ہارون کی بہن مریم میں فرق کا پتہ نہیں تھا، حالانکہ عربی میں "اخت" کے معنی اولاد بھی ہیں؛ اس لئے لوگوں نے مریم سے کہا کہ اے ہارون کی اولاد اور اصل اس سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد ہی ہے'' [اسلام پر چالیس اعتراضات، از: ڈاکٹر ذاکر نائک]

بانبیاءھم والصالحین قبلھم "۔ (مسلم: ج: ۶: ص ۱۷۱: دار الجیل بیروت، رقم۔ ۵۷۲۱) یعنی نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کی وضاحت آج سے چودہ سو سال پہلے ہی کر دی تھی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ حضرت مریم حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی بہن نہ تھیں، بلکہ حضرت عیسیٰ کی والدہ کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا اور یہ لوگ اپنے انبیاء اور گذشتہ برگزیدہ شخصیات کے ناموں پر اپنا نام رکھا کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ نہ یہ کوئی نیا اعتراض ہے اور نہ ہی اپنی جانب سے جواب گھڑنے کی کوئی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تفسیر سے متعلق احادیث سے بے خبری کس قدر ہے کہ ذخیرہ احادیث وتفسیر سے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کے بجائے من گھڑت تاویل کر رہے ہیں۔

قارئین کرام! تجدد پسندوں کے کچھ افکار اور تحریفی نمونے آپ نے ملاحظہ کر لیے ہیں۔ اس تناظر میں یہ بات ذکر کرنا انتہائی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر و اسلاف نے جہاں قرآن کریم کی صحیح تفسیر امت کے سامنے پیش کی ہے وہیں ان متجددین کے افکار کا بھی خوب خوب جائزہ لیا ہے اور عوام الناس کو ان کی حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔ وللہ الحمد

زیرِ نظر تفسیر ''**معارف الفرقان**'' مفسر قرآن حضرت مولانا **عبد القیوم قاسمی** زید مجدہ کی عمدہ کاوش اور امام اہل السنت استاذ مکرم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کے تلمذ کی مظہر ہے، اکابرین علماء اہل السنت کی تفاسیر کا نچوڑ اور ان کے افکار و نظریات کی آئینہ دار ہے۔ جہاں صحیح نظریہ اور مسلک حق کی ترجمانی فرمائی گئی ہے وہیں اہلِ باطل کے افکار کی حقیقت بھی تشت از بام کی گئی ہے۔ غرض ہر لحاظ سے عمدہ ہے۔ اللہ رب العزت اس تفسیر کا نفع عام فرمائے اور حضرت قاسمی صاحب زید مجدہ کے لیے ذریعہ آخرت بنائے۔ (آمین)

محتاج دعا

[signature]

۲۵ مارچ ۲۰۱۴ء

تعارف وتبصرہ ماہانہ الحق اکوڑہ خٹک مولانا محمد اسلام حقانی

معارف الفرقان فی تفسیر القرآن ترجمہ: مولانا عبد الحمید سواتیؒ، تفسیر مولانا عبد القیوم قاسمی صاحب ضخامت: جلد اول ۴۸۴ صفحات (فاتحہ تا العمران) ناشر: القاسمی اکیڈمی، مدرسہ معارف اسلامیہ سعید آباد کراچی۔

زیر تبصرہ کتاب "معارف الفرقان" مولانا عبد القیوم قاسمی کی تالیف کردہ تفسیر ہے، یہ اس تفسیر کا جلد اول ہے جو ایک مقدمہ اور سورہ فاتحہ سے سورہ ال عمران تک کے مباحث پر مشتمل ہے، بہت سی خوبیوں سے مالامال یہ تفسیر تیاری کے مراحل میں ہے، یہ تفسیر شاہ ولی اللہؒ کے نہج اور اسلوب کے حامل اور مسلک اہل حق کی ترجمانی کرتے ہوئے زمانہ قدیم وجدید کے باطل نظریات واعتقادات کا قلع قمع کرتے ہیں۔ احکام شرعیہ کو بخوبی بیان فرماتے ہیں، اختصار کے ساتھ جامع اور عام فہم زبان میں تفسیر قرآن سکھلاتا ہے۔ علم تفسیر سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک قیمتی سوغات ہے۔

میرے اساتذہ کرام ادام اللہ فیوضہم وبرکاتہم

بندہ ناچیز نے جن جبال العلم حضرات سے علم کی لازوال نعمت حاصل کی ہے ان کے نام اوران سے جن کتب کی تعلیم حاصل کی ہے ان کے نام درج ذیل ہیں۔

۱ امام اہل سنت بخاری دوراں غزالی زمان محدث اعظم پاکستان شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر: رحمۃ اللہ علیہ مکمل قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر واجازت تمام کتب احادیث۔

۲ شیخ المعقول والمنقول شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ترمذی شریف کتاب الزکوٰۃ تک واجازت تمام کتب احادیث۔

۳ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دام مجدہم بخاری شریف: ج:۱: تفسیر الاتقان، حجۃ اللہ البالغہ۔

۴ امام المنقول والمعقول شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یاسین صابر صاحب دام مجدہم ترمذی شریف: ج:۱: کتاب الزکوٰۃ سے ج: ثانی مکمل۔ بخاری شریف ج: ثانی مکمل، بیضاوی شریف، حمداللہ، قاضی مبارک۔

۵ استاذ الحدیث عالم باعمل حضرت مولانا منظور احمد صاحب دام مجدہم مسلم شریف مکمل۔

۶ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسلم شریف کتاب الفضائل۔

۷ حضرت مولانا شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد شریف مکمل۔

۸ حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب دام مجدہم طحاوی شریف، موطا امام مالک، وامام محمد۔

۹ امام الصرف حضرت مولانا خدا بخش صاحب دام مجدہم نسائی شریف وابن ماجہ شریف۔

۱۰ حضرت مولانا قاری محمد حنیف صاحب جالندھری دام مجدہم شمائل ترمذی شریف۔

۱۱ شیخ المعقول والمنقول امام الاساتذہ حضرت مولانا شبیر الحق صاحب کشمیری دام مجدہم: میرزاہد، ملاجلال، مسلم الثبوت۔

۱۲ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب دام مجدہم: مشکوٰۃ: ج:۲: کے کچھ اسباق۔

۱۳ خطیب العصر حضرت مولانا عبدالشکور دین پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ: ج:۲: مکمل۔

۱۴ حضرت مولانا بشیر احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ: ج:۱: مکمل، شرح عقائد۔

۱۵ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب دام مجدہم: ہدایہ: ج ۴۔

۱۶ شیخ الحدیث حضرت مولانا اللہ بخش صاحب ملکانی دام مجدہم: ہدایہ: ج ۳۔

۱۷ شیخ الحدیث حضرت مولانا غلام مصطفی صاحب دھانوی دام مجدہم: کریما، ارشاد الصرف، نحومیر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، علم الصیغہ، قرآۃ الراشدہ، تیسیر المنطق، ایساغوجی، مرقاۃ، شرح تہذیب، سلم العلوم، ہدایہ: ج ۲:، مقامات حریری، توضیح تلویح، جلالین، میبذی، مختصر المعانی۔

۱۸ حضرت مولانا محمد عمر دین پوری صاحب دام مجدہم۔

۱۹ حضرت مولانا امداد اللہ صاحب دام مجدہم: ان دونوں حضرات سے جلالین کے کچھ سپارے پڑھے تھے۔

۲۰ حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دام مجدہم۔

۲۱ حضرت مولانا غلام مصطفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۲ حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب ان تینوں حضرات سے مشکوٰۃ اور ہدایہ کے کچھ اسباق پڑھے تھے۔

۲۳ حضرت مولانا ابوالفتح محمد یوسف صاحب رحیم یار خان دام مجدہم۔

۲۴ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد نواز سیال صاحب خانیوال دام مجدہم ان دونوں حضرات سے دورہ نحومیر پڑھا تھا۔

۲۵ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دام مجدہم: نورالایضاح۔

۲۶ محقق دوراں مجاہد ملت حضرت مولانا محمد میاں صاحب دام مجدہم : کنز الدقائق، زادالطالبین، قدوری، نفحۃ العرب۔

۲۷ حضرت مولانا محمد افضل صاحب مظفر گڑھی دام مجدہم: اصول الشاشی، مقامات حریری۔

۲۸ حضرت مولانا محمد انور صاحب دام مجدہم: نورالانوار۔

۲۹ حضرت مولانا محمد یعقوب عابد ہزاروی خطیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہدایہ: ج ۱، قطبی۔

۳۰ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب آکہ آبادی دام مجدہم: حسامی، سبعہ معلقہ۔

۳۱ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دام مجدہم: شرح وقایہ: ج۔۱

۳۲ حضرت مولانا جاوید اقبال صاحب دام مجدہم: شرح وقایہ: ج۔۲

۳۳ تجوید: حضرت مولانا قاری جمیل الرحمٰن صاحب دام مجدہم خطیب آرمی بہاولپور: جمال القرآن، فوائد مکیہ، اور ان کی املائی تقریر۔

۳۴ حضرت حافظ محمد عاشق آرائیں جامعہ قادریہ لودھراں ناظرہ قرآن پاک، چھ کلمہ اور نماز وغیرہ۔

۳۵ ماسٹر حکمت علی، ماسٹر فیاض خان :اردو چار جماعت۔

۳۶ پروفیسر مولانا عبدالجمیل حقانی صاحب اور ماسٹر محمد یاسین صاحب سے میٹرک کی تیاری کی اور بہاولپور بورڈ سے امتحان دیا اور فاضل عربی کی خود تیاری کر کے بہاولپور بورڈ سے امتحان دیا۔

اصلاحی تعلق : سب سے پہلے مولانا محمد نعیم اللہ فاروقی نقشبندی آف لاہور سے رہا دور ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی سے جوڑا ان کی شہادت کے بعد حضرت مولانا مفتی سعید احمد جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ سے رہا اب اس وقت حضرت الحاج محمد حسین صاحب نقشبندی دام مجدہم آف ککرے والا شجاع آباد خلیفہ مجاز قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے حضرت حاجی صاحب کی طرف سے بندہ کو ذکر و شغل کی اجازت حاصل ہے حضرت حاجی صاحب کی وفات کے بعد بندہ نے حضرت اقدس مولانا محمد عزیز الرحمٰن ہزاروی سے تجدید بیعت کی اور ان سے بندہ کو اجازت وخلافت حاصل ہے اور پیر طریقت حضرت اقدس ملک غلام محمد ملتانی خلیفہ مجاز حضرت اقدس صوفی محمد اقبال نور اللہ مرقدہ سے خلافت سے مشرف ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سے درخواست ہے کہ اپنے دین پر قائم ودائم رہنے اور اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ ﴿آمین ثم آمین﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدلله الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعلمین نذیراً. وخلق الانسان وعلمه البیان، لینشر القرآن تبلیغاً وتفسیراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسوله الذی رغب المتقین الی القرآن تعلیماً وتدریساً. وعلیٰ آله واصحابه الذی جاھدوا به جھاداً کبیراً :اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے فطرۃ انسانیت میں مادۂ طاعت ومعصیت دونوں رکھے ہیں گویا انسان ملکیت وبہیمیت دونوں کا جامع ہوا، تو اس کو دنیا کی جہالتوں کے اندھیروں سے نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء ﷩ کا سلسلہ جاری فرمایا، اور ان پر کتابیں نازل کیں، اور انہی انبیاء ﷩ میں سے آنحضرت ﷺ بھی ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم عطاء فرمایا، جس کی قیادت نے منزل آسان فرمادی۔ اور پوری دنیا کو نور ہدایت سے جگمگا دیا، اور انسانیت کی سعادت کے لئے عظیم راہیں روشن کردیں، قوت نظریہ وعملیہ کی تکمیل اور انسان کے لئے جو ایک طویل سفر زندگی درپیش ہے اس کی ابتداء اور انتہاء کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کے لئے واضح احکام بھی عنایت فرمائے، تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، سیاست ملک وغیرہ کے زریں اصول کی رہنمائی فرمائی، یقیناً قرآن کریم وہ راستہ بتاتا ہے جو فطرت انسانی کو مطمئن کرتا ہے، جب کوئی بات دماغ سے دل کی گہرائی میں اُتر جائے وہ فطرت اور ضمیر کا اطمینان ہے اور یہی دماغ سارے فتنوں اور ساری صلاحیتوں کا مرکز اور منبع ہے۔ جس نے بھی دماغ کو اپنا رہنما بنایا اور قرآن کریم کی صداقتوں کو نظرانداز کیا تو وہ بھٹک گیا اور جس نے قرآن کریم کے حقائق ومعارف کو دل کے ضمیر سے رہنما بنایا گویا اس نے فطرت کا دامن تھام لیا اور وہ کبھی بھی نہیں بھٹکے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس بار امانت کا اور استعداد قبول حق کا حامل انسان کو بنایا۔" کما قال تعالیٰ اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ...الخ (احزاب۔٧٢)

ترجمہ: بیشک ہم نے یہ امانت (یعنی احکام الٰہیہ جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی پھر انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے اور اسے انسان نے اُٹھالیا۔

الحاصل :ان احکام الٰہیہ کی حفاظت وتکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے دستور شریعت کامل قانون ہدایت، جامع اصول وکلیات اور صدہا علوم وفنون کا سرچشمہ قرآن کریم کی شکل میں عطا فرمایا جو آنحضرت ﷺ پر تئیس سال تک نازل ہوتا رہا۔ وہ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

پاک وہند میں قرآن فہمی کے لیے تفسیری خدمات

❶ خاندان شاہ ولی اللہ ﷫

حدیث، فقہ، کلام وتصوف کے علوم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو قرآن کریم کا خصوصی علم عطاء فرمایا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ﷫ لکھتے ہیں کہ اس فقیر پر بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ مجھے متعدد بار اپنے والد بزرگوار کے درسِ قرآن میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت والد صاحب ؒ قرآن کے معانی بڑے غور وتدبر کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب ﷫ بھی اپنے والدِ محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن کریم کے معانی اور تفسیری نکات بڑے اہتمام سے بیان کرتے۔ اس دور میں زیادہ تر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ قرآن کریم اخص الخواص کے مطالعہ غور وفکر اور فہم وتفہیم کی

کتاب ہے۔اس کو عوام میں لانا اور عوام کو اس کی براہ راست تعلیم اور دعوت دینا خطرناک معاملہ ہے حضرت شاہ صاحب نے عوام کو ذہنی انتشار سے بچانے کے لئے اور امت میں شرک والحاد کے سیلاب کے سدِ باب کے لئے اور احکام شریعت سے بے توجہی کے خاتمے کے لئے اور دین کا صحیح جذبہ عمل میں لانے کے لئے فرمایا کہ سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ قرآن مجید ہے اور بالخصوص متن قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے اور اس کی اشاعت پر زور دیا کرتے تھے۔اس لئے انہوں نے علوم القرآن پر الفوز الکبیر فی اصول التفسیر جیسی مستند کتاب لکھ کر قرآن فہمی کے اصول بہت ہی نفیس اور عمدہ انداز میں سمجھائے ہیں۔چنانچہ الفوز الکبیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

آلاء الله تعالیٰ علیٰ هذا العبد الضعیف لا تعد ولا تحصیٰ واجلها :التوفیق لفهم القرآن العظیم ومنن صاحب النبوة والرسالة علیه الصلوٰة والسلام علیٰ احقر الامة کثیرة واعظمها : تبلیغه الفرقان الکریم لَقَّنَ النبی ﷺ القرآن الجِیْلَ الاولَ وهم اَبْلَغُوه لِلْجِیْلِ الثانی وهَلُمَّ جَرّاً حتیٰ بلغ هذا الضعیفَ ایضاً حَظٌ من روایته ودرایته"۔

ترجمہ:اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس ناتواں بندے پر بے شمار اور انگنت ہیں :اوران (نعمتوں) میں سب سے بڑی نعمت قرآن عظیم سمجھنے کی توفیق ہے اور صاحب نبوت ورسالت ﷺ کے احسانات کمترین امت پر بہت ہیں اور ان میں سب سے بڑا احسان قرآن کریم کو امت تک پہنچانا ہے نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بالمشافہ تلقین کیا اور انہوں نے اس کو تابعین عظام تک پہنچایا اس طرح (سلسلہ) چلتا رہا یہاں تک کہ اس ناتواں کو بھی قرآن کریم کے الفاظ ومعانی میں سے وافر حصہ ملا۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ آگے لکھتے ہیں کہ:

لَمَّا فَتَحَ اللهُ تعالیٰ عَلَیَّ باباً مِنْ فَهْمِ کِتَابِهِ المَجِیدِ خَطَرَ بِبَالِی اَنْ اَجْمَعَ وَاُقَیِّدَ بَعْضَ النُّکَاتِ النَّافِعَةَ التی تَنْفَعُ الاَصحاب فی رسالةٍ مختصرةٍ والمَرْجُوُّ مِن لُطْفِ اللهِ الذی لَا اِنْتِهَاءَ لَهُ اَنْ یَّفْتحَ لِطَلَبَةِ العِلْمِ بِمُجَرَّدِ فهم هذه القواعد شارعا واسعاً فی فهم معانی کتاب الله بحیث لو صرفوا عُمُرهم فی مُطَالِعَةِ التفاسیر والقرأة علی المفسرین علیٰ انهم اقل قلیل فی هذا الزمان لم تَتَحَصَّلْ لهم هذه الفوائد بِهٰذَا الضَّبْطِ وَالرَّبْطِ وسمیتها بالفوز الکبیر فی اصول التفسیر وما توفیقی الا بالله علیه توکلت وهو حسبی ونعم الوکیل"۔

جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی بزرگ کتاب کے سمجھنے کا دروازہ کھولا تو میرے دل میں خیال آیا کہ بعض مفید نکات جو ساتھیوں کو کارآمد ہو سکتے ہیں ایک مختصر رسالہ میں جمع کروں اور لکھ دوں اور اللہ تعالیٰ کی نوازش سے جس کی کوئی انتہاء نہیں امید ہے کہ طالب علموں کیلئے صرف ان قواعد کے سمجھ لینے سے ایسی کشادہ شاہراہ کتاب اللہ کے سمجھنے میں کھل جائے گی کہ اگر وہ اپنی عمریں کتب تفسیر کا مطالعہ کرنے میں اور مفسرین سے پڑھنے میں صرف کریں،اگرچہ ایسے حضرات اس زمانہ میں بہت ہی کم ہیں تب بھی ان کو یہ نفع بخش باتیں اس ربط وضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتیں اور میں نے اس رسالہ کا نام "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" رکھا اور میری (تصنیف کی) درستگی اللہ ہی (کی مدد) سے ہے اس پر میں بھروسہ کرتا ہوں وہ میرے لئے کافی ہیں اور اچھے کارساز ہیں۔

مولانا مفتی محمد امین پالن پوری الخیر الکثیر میں لکھتے ہیں کہ:الفوز الکبیر قرآن فہمی کے اصول وقواعد پر نہایت مختصر مگر بہت مفید اور اہم کتاب ہے جس میں قرآن کریم کی تفسیر کے تمام بنیادی اصول وقواعد نہایت ربط وضبط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اگر کوئی طالب علم اچھی طرح ان اصول وقواعد کو یاد کر لے تو قرآن کریم کے سمجھنے کی ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا ہو سکتی ہے جو عمر بھر کتب تفسیر کا

مطالعہ کرنے اور پوری زندگی مفسرین کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کے بعد بھی پیدا نہیں ہوسکتی۔

حضرت شیخ الہند کے شاگرد رشید امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ الفوز الکبیر کے متعلق لکھتے ہیں کہ: الاتقان فی علوم القرآن پوری کوشش سے بارہا پڑھی سوائے چند اوراق کے مجھے اس میں کوئی ایسی دلچسپ چیز نظر نہ آئی جسے اصول کا درجہ دیا جاسکے میں نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر اور زمخشری کی کشاف کا مطالعہ کیا معالم التنزیل اور تفسیر ابن کثیر پڑھی ان میں ہمیں اپنی استعداد کے مطابق سوائے تحیر کے کچھ نہیں نصیب ہوا جب مجھے فوز الکبیر کا نسخہ ملا "فصل اول" کا مطالعہ ختم کر لینے کے بعد میں مطمئن ہوگیا کہ انشاء اللہ علم التفسیر مجھے آسکتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور انکے والدِ محترم کا متن قرآن پڑھنے اور پڑھانے پر اس قدر زور جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے انکے زمانے کے علماء کے روش کے بالکل خلاف تھا۔ کیونکہ وہ پوری توجہ اپنے علمی ذوق کے مطابق تفسیر کے پڑھانے میں صرف کرتے تھے۔ اس سے پہلے علماء کا یہ دستور تھا کہ قرآن شریف فقط تلاوت کے لئے پڑھاتے۔ اور مطالب سکھانے کے لئے جس فن سے انہیں دلچسپی ہوتی تو اس فن کی ایک تفسیر طالب علم کو پڑھا دیتے۔ جس سے قرآن کریم اس فن کی اعلیٰ کتاب بن جاتی۔ اور جو اخلاقی ذہنیت استاد کی طبعیت میں مرکوز ہوتی۔ تفسیر پڑھنے سے اس طالب علم کے ذہن میں وہ راسخ ہوجاتی۔ (الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر۔ مقالہ عبید اللہ سندھی ۱۹۶۱)

ترجمہ و تفسیر فتح الرحمن:

ہندوستان میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں ترجمہ لکھا۔ اور اس پر مختصر حواشی تحریر کئے۔ جس کا نام (فتح الرحمان) رکھا۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول قرآن کریم کا یہ ترجمہ ایک ہندوستانی کے لئے تمام تفاسیر سے بہتر کتاب ہے اس کے از بر کر لینے کے بعد دوسری تفاسیر پڑھنی چاہئیں۔ ہندوستان میں اس سے پہلے شہاب الدین ہندی دولت آبادی نے بحر مواج کے نام سے فارسی ترجمہ و تفسیر لکھی۔ (متوفی ۸۴۸ھ) یہ شیر شاہ سوری کے استاد تھے۔

لیکن مقبولیت اور مقصدیت کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمے کو اولیت دی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ ترجمہ کیا اس وقت دہلی میں نجف خان کا تسلط تھا، جو شیعہ مذہب رکھتا تھا اُسے یہ ناگوار ہوا۔ کہ عام مسلمان براہ راست قرآنِ کریم سے استفادہ کریں اس نے لوگوں کے ذریعے سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کی۔

امیر الروایات میں ہے کہ نجف خان نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچے اتروادیئے تاکہ ہاتھ بیکار ہوجائیں اسی ظالم نے مرزا مظہر جان جاناں کو جو شاہ صاحب کے ہمعصر تھے شہید کرادیا۔ شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی سے نکلوادیا۔ حضرت شاہ صاحب کے اس فارسی ترجمے کی حیثیت تمام اردو تراجم میں استاد کی سی ہے۔ اسی ترجمے نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادوں کو ترجمے کی راہ بتائی۔ اور عربی زبان سے ہندی میں کلام الٰہی کو سمجھانے کا حوصلہ بخشا۔ پھر یہ تینوں ترجمے دوسرے تراجم کے لیے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ قرآن کی جو تحریک چلائی اُسے آپؒ کے صاحبزادگان نے آگے بڑھایا۔ شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اردو ترجمے کا مسجد اکبر آبادی میں باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے بعد پھر اس قافلہ حق کے علماء نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا کی قید سے واپس ہندوستان آئے۔ تو علماء سے فرمایا میں نے مالٹا کی تنہائیوں کے اندر بہت غور کیا مجھے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان آپس کے اختلافات اور کتاب الٰہی سے دوری کے سبب برباد ہورہے ہیں۔ (مقالات مفتی محمد شفیعؒ، ص۔ ۸۷۰)

نظارۃ المعارف القرآنیہ کی بنیاد

مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے دہلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس میں قرآن کریم کا درس دیتے تھے۔ اس درس کا مقصد قرآن کریم کی تعلیم جہاد کو زندہ کرنا تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کے انڈر گراونڈ چلے جانے کے بعد نظارۃ المعارف القرآنیہ میں امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے درس قرآن کی ذمہ داری سنبھالی۔ اس کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے درس تفسیر کے لئے اپنا مرکز لاہور میں قائم کیا، تقریباً نصف صدی تک ترجمہ تفسیر حضرت سندھی رحمہ اللہ کے طرز پر پڑھایا۔ یہ درس قرآن ہندوستان کے دور دراز گوشوں تک پہنچ گیا حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے عربی مدارس کے فارغ طلباء کے لئے اس میں تین مہینے کا نصاب مقرر کیا تھا۔ اس عرصے میں علماء عربی کو قرآن کریم کے معارف پر عبور حاصل کرادیا کرتے تھے۔ ہندوستان و پاکستان کے مشاہیر علماء نے حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے اس نصاب سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ یہ حقیقت میں حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے تقویٰ اور روحانیت کا عجیب کرشمہ تھا۔ اس سے پہلے پنجاب میں قرآن کریم کے ترجمے اور تفسیر کا نہ عمومی طور پر رواج تھا اور نہ ہی دینی مدارس کے طلباء کو ترجمہ و تفسیر اہتمام کے ساتھ پڑھایا جاتا تھا۔ ہمارے نصاب تعلیم میں جلالین اور تفسیر بیضاوی کے کچھ حصے کے سوا تفسیر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس روایت کو توڑتے ہوئے ہمارے جن بزرگوں نے قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کو عوامی درس اور تدریسی نصاب دونوں سطح پر رواج دیا۔ ان میں سرفہرست امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ ہیں۔

❷ حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا دورہ تفسیر

حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے دورہ تفسیر کے مرکزی مضامین، عقیدہ توحید کی وضاحت۔ جس میں انکا طرز مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ سے ملتا جلتا تھا۔ اور دوسرا مرکزی مضمون تذکرہ مشائخ جس میں اہل اللہ کے متوثر اور دل آویز واقعات بالخصوص مولانا سید تاج محمود امروٹی اور خلیفہ غلام محمد دینپوری کے بیان کرتے۔ انکے واقعات ایسی محبت و عقیدت سے بیان کرتے کہ ایسے محسوس ہوتا جیسے کسی نے انکے دل کا ساز چھیڑ دیا ہے۔ اور یہ مضامین سامعین کے دل میں بجلی کے کرنٹ کی طرح جسم و جان میں پیوستہ ہو جاتے، اور اس درس کا تیسرا مضمون جذبہ جہاد تھا جو انگریزوں سے دشمنی اور نفرت کا مضمون تھا۔ جو بار بار درس میں آتا تھا۔ اور قرآن کریم کی آیات انکی رہبری کرتی تھی۔

❸ سند التفسیر

عبدالقیوم القاسمی عن الشیخ ابی الزاھد محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ عن الشیخ حسین علی رحمہ اللہ (واں بھچراں) عن الشیخ محمد مظہر النانوتوی رحمہ اللہ عن الشیخ الشاہ محمد اسحاق الدھلوی رحمہ اللہ عن الشیخ الشاہ عبدالعزیز المحدث الدھلوی رحمہ اللہ عن الشیخ الشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی رحمہ اللہ الخ

چونکہ ہماری سند تفسیر میں مرکزی مفسر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ہیں ان کا تذکرہ گذشتہ سطور میں آچکا ہے اب مختصر تعارف حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ محمد اسحاق دہلوی، مولانا محمد مظہر نانوتوی کا پیش خدمت ہے۔

❹ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ

حضرت شاہ صاحب حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بیٹے ہیں آپ علماء کے سرتاج اور چشم و چراغ تھے بعض لوگوں نے آپ کو سراج الھند اور بعض نے حجۃ اللہ کا خطاب دیا آپ کی ولادت ۱۱۵۹ھ میں ہوئی آپ نے قرآن کریم حفظ کے بعد اپنے والد سے تعلیم کا آغاز کیا اور ان سے قرآۃ و سماعت کے ذریعہ پوری تحقیق و درایت اور توجہ سے علم حاصل کیا جس سے آپ کو علوم میں ملکہ راسخہ حاصل ہو گیا

آپ کی مشہور تصانیف میں ایک تفسیر فتح العزیز ہے جسے آپ نے شدت مرض میں املاء کرایا تھا مگر صرف چار جلد رہ گئی باقی تفسیر ضائع ہوگئی۔ ۷ شوال ۱۲۳۹ھ میں اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

⑤ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بن محمد افضل فاروقی لاہوری حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے اور علمی جانشین تھے انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے درس حدیث وتفسیر اجازت واسناد اور علوم دینیہ کا علم حاصل کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی تمام کتابیں اور گھر وغیرہ آپ ہی کو ہبہ کر دیا آپ شاہ صاحب کی وفات کے بعد ان کی مسند درس پر بیٹھے اور ۱۲۳۹ھ سے لے کر ۱۲۵۸ھ تک دہلی میں پھر آپ مکہ معظمہ میں ہجرت کر گئے ۱۲۶۲ھ تک حجاز مقدس میں حدیث کی تدریس وخدمت میں مصروف رہے صدہا علماء نے آپ سے علمی استفادہ حاصل کیا حضرت شاہ عبدالعزیز اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ نے ان کو شاہ محمد اسماعیل (بھتیجہ) اور شاہ محمد اسحاق (نواسہ) کی شکل میں دو قوت بازو اور اعصاء پیری عطا فرمائے اور اکثر یہ آیت پڑھتے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ الخ:۲۷ :رجب ۱۲۶۲ھ مکہ میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔

⑥ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی بن حافظ لطف علی بن محمد حسن صدیقی حنفی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فقہ وحدیث اور تفسیر کے اکابر علماء میں سے تھے آپ ۱۸۲۳ء میں نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے حدیث اور تفسیر حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور آپ کے ممتاز تلامذہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے تعلقات تھے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اگرچہ عمر میں بڑے تھے مگر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء اور محبوب خدام میں سے تھے نہایت متقی اور نیک نفس بزرگ تھے جب حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ربانی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۰۰ھ میں دورہ حدیث پڑھا تو حضرت نے حکم دیا کہ آپ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر موضح القرآن سبقاً پڑھیں چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ترجمہ قرآن وتفسیر پڑھیں پھر اپنے استاذ کے طرز پر پنجاب میں دورہ تفسیر کا مبارک سلسلہ شروع فرمایا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات: ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ میں ہوئی۔

⑦ امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا دورہ تفسیر

حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر ہیں۔ حضرت کی ولادت ۱۲۸۳ھ (تحریرات حدیث: ص ۱۰) واں بھچراں ضلع میانوالی میں ہوئی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں دورہ حدیث حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اور دورہ تفسیر حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور منطق وفلسفہ کی تکمیل حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے پھر وطن واپس تشریف لے آئے اور قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرنا شروع کر دیا علاقہ شرک وبدعت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا مرد درویش نے ثابت قدمی سے خوب محنت کی اور سینکڑوں علماء کو ترجمہ قرآن وتفسیر کا سبق دیا اور توحید وسنت کو ان کے رگ وریشہ میں پیوستہ کیا، رزق حلال سے طلباء کا کھانا تیار ہوتا تھا کسی سے چندہ وصول نہیں کرتے تھے بلکہ خود کھیتی باڑی کر کے اور اس کی آمدنی طلباء پر خرچ کرتے تھے آپ سلسلہ نقشبندیہ کے بھی امام تھے حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت حاصل تھی اور متعدد ممتاز علماء کرام کو آپ نے خلافت سے نوازا جن میں سے چند ایک یہ ہیں حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے استاد محترم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

صاحب رحمہ اللہ۔ اور آپ کے دورہ تفسیر کے مشہور تلامذہ خصوصاً حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ ہیں۔ حضرت موصوف نے رجب ۱۳۶۳ھ میں وفات پائی۔ (تحریرات حدیث ص۔ ۱۰)

⑧ امام اہلسنت رحمہ اللہ کا مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے دورہ تفسیر پڑھنے کا واقعہ

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے میری تعلیم کا واقعہ بھی عجیب ہے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ تفسیر قرآن کا خصوصی درس فرمایا کرتے تھے علماء کرام اس درس میں خصوصی طور پر شریک ہوتے اس درس کی کاپیاں بھی شاگرد لکھا کرتے تھے انہی دونوں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مرحوم راولپنڈی والے اور مولانا نذر شاہ صاحب جو کالیاں ضلع گجرات نے حضرت کے درس کی تحریر کردہ کاپیوں کی مدد سے ایک تفسیر مرتب کی جس کا نام بلغۃ الحیران رکھا وہ تفسیر ان دنوں علماء کرام کے درمیان موضوع بحث بنی ہوئی تھی بہت سی باتیں اس میں اکابر علماء کرام کے مسلک کے مطابق نہیں تھیں غالباً طلباء سے نقل میں غلطیاں ہوئیں تھیں اس وجہ سے میرے دل میں بھی حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے لیے اچھے جذبات نہیں تھے ایک دن شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے تو انہوں نے بہت افسردہ اور غم زدہ انداز میں یہ خبر سنائی کہ ہمارے بزرگ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ رحلت فرما گئے بہت نیک اور بلند پایا بزرگ تھے اور بہت زیادہ تعریفیں کیں اور ایصال ثواب کے بعد دعاء مغفرت فرمائی اسی طرح دیگر اساتذہ کرام نے بھی انہی خیالات کا اظہار فرمایا میں اپنے دل میں بہت شرمندہ اور افسردہ ہوا کہ اتنے عظیم بزرگ کے متعلق میرے دل میں اچھے خیالات نہیں تھے لیکن اب کیا کرسکتا تھا سوائے دعاء خیر کے، کچھ دنوں بعد مولانا محمد منظور نعمانی کے رسالہ میں حضرت مولانا حسین رحمہ اللہ کی وفات کی تردید چھپی تو میں بہت زیادہ خوش ہوا اور طے کیا کہ اسباق سے فارغ ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور ان سے بیعت بھی کروں گا ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۱ء میں حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی خدمت میں ان کے گاؤں واں بچھراں گیا اور حضرت رحمہ اللہ سے تفسیر قرآن بھی پڑھی اور سند تفسیر قرآن اور سند حدیث شریف سے سرفراز ہوا۔ حضرت اقدس سے بیعت بھی کی اور سلوک کی منزلیں حضرت کی نگرانی میں طے کیں اور اس سفر میں حضرت نے اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا اور تلقین کی کہ درس قرآن علماء کرام اور عوام کیلئے جاری رکھوں اور قرآن مجید کے علوم کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کروں۔ (ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ جلد ۱۱ شمارہ نمبر ۶، ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ/ اپریل ۱۹۹۷ء/ ۶/ ۷۔ بحوالہ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی کا عقیدہ، ص ۱۳۱۔ ۱۳۲)

⑨ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ

آپ ۱۹۱۴ء میں جناب نور احمد خان بن گل احمد خان کے گھر تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے قومیت کے لحاظ سے سواتی پٹھان ہیں ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی پھر سیالکوٹ اور ملتان کے علماء سے استفادہ کیا بعد ازاں مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں صدر مدرس مولانا عبدالقدیر صاحب سے پڑھتے رہے دورہ حدیث کیلئے اپنے چھوٹے بھائی مولانا صوفی عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند پہنچے اور ۱۳۶۱ھ بمطابق ۱۹۴۱ء میں حضرت مدنی رحمہ اللہ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی آپ۔ کے دیگر اساتذہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ① حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ ۔ ② حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ۔ ③ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ۔ ④ مولانا عبدالسمیع رحمہ اللہ۔ فراغت کے بعد گکھڑ گوجرانوالہ میں تشریف لائے یہاں جامع مسجد کی خطابت کے ساتھ تدریس کا آغاز کیا ۱۳۷۰ھ میں مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانولہ میں آپ کا تقرر ہوا جس میں آپ نے درس نظامی کی مکمل کتب کئی بار پڑھائیں، بخاری شریف ترمذی شریف، ترجمہ قرآن، آپ کے اہم اسباق میں رہے ہیں ترجمہ اور تفسیر میں آپ کو امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی نقشبندی رحمہ اللہ صاحب سے شرف تلمذ واجازت حاصل ہے اور ان کے اسلوب وطرز پر زندگی بھر اپنے تلامذہ کو

قرآن کریم کے علوم سے بہرہ ور اور سیراب کرنے کی مسلسل محنت کرتے رہے مدرسہ نصرۃ العلوم میں ۱۹۷۶ء کے بعد شعبان اور رمضان کی تعطیلات کے دوران ۲۵ برس تک پابندی کے ساتھ دورہ تفسیر پڑھاتے رہے ہیں حضرت کے دورہ تفسیر پڑھانے کا طرز انداز یہ تھا کہ سب سے پہلے مقدار خواندہ کی ایک طالب علم تلاوت کرتا پھر حضرت ایک رکوع کا ترجمہ کرتے اس کا گذشتہ رکوع کے ساتھ مختلف کتب کے حوالوں سے ربط بیان کرتے پھر قرآن وحدیث اور مفسرین کی مختلف تفاسیر کے حوالہ سے تفسیر کرتے بقدر ضرورت کہیں کہیں صرفی نحوی تحقیق بھی بیان کرتے اور جس آیت سے فرق باطلہ استدلال پکڑتے ہیں تو پہلے ان کا استدلال بحوالہ واضح لفظوں میں بیان کرتے پھر عقلاً اور نقلاً قرآن وحدیث، مفسرین اور فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اقوال کی روشنی میں ٹھوس دلائل سے تردید کرتے جس سے حق اور باطل میں واضح امتیاز ہو جاتا اور اس درس کا دورانیہ صبح سات بجے سے بارہ بجے تک اور کبھی ساڑھے بارہ بجے تک رہتا حضرت کے درس قرآن کے مختلف حلقے رہے ہیں جن میں علماء کرام، طلباء، جدید تعلیم یافتہ نوجوان اور عام مسلمانوں نے حضرت سے جو براہ راست استفادہ کیا ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق ۷۰ ہزار سے زائد بنتی ہے۔ الحمد للہ آپ کتب کثیرہ کے مصنف بھی ہیں۔ جن میں فرق باطلہ کی ٹھوس دلائل سے تردید کی گئی ہے اور سینکڑوں انسانوں کے لئے آپ کی تصنیفات ذریعہ ہدایت بنی ہیں۔

حضرت کے کریمانہ اخلاق: حضرت کی ملاقات کے لئے جو شخص بھی آتا خواہ اس کا تعلق علماء سے ہو یا عوام الناس سے ہو یا دینی طالب علموں سے ہو یا جدید تعلیم یافتہ سے ہو حضرت ہر ایک سے بقدر ضرورت اس کے احوال پوچھتے اور ملاقات کرنے والے شخص کو دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے دعا دیتے اور موقع کی مناسبت سے اس کا اکرام بھی کرتے، حضرت کی عاجزی کا یہ عالم ہے کہ ایک مرتبہ مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش سے جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی تشریف لے آئے حضرت کے بیان سے پہلے آپ کے تعارفی نام میں امام اہل سنت کے لقب سے آپ کا نام پکارا گیا حضرت نے اپنے بیان میں انتہائی درجہ کی عاجزی اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ اسٹیج پر مجھے امام اہل سنت کہا گیا ہے اس کا مفہوم تو بہت اونچا ہے البتہ اس اعتبار سے درست ہے کہ میں سنیوں کی ایک جامع مسجد کا امام ہوں۔ اور یہی شان ہمارے اکابر کی ہے۔ "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ"۔

ملفوظات حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ

1. عقائد میں لچک نہ ہو مگر بیان میں نرمی ہو۔
2. اگر قرآن کو حفظ کرنا مشکل ہے تو حفظ کر کے یاد رکھنا مشکل تر ہے۔
3. پچاس سالہ تجربہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر بچے (غبی وغیرہ) کو حفظ نہیں کروانا چاہئے۔
4. عقیدہ توحید کڑوا ضرور ہے مگر سمجھ میں آجائے تو اس سے میٹھی چیز کوئی نہیں۔
5. قرآن وسنت کو مجموعی حیثیت سے جتنا علماء دیوبند نے سمجھا ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ خیر القرون کے بعد امت میں سے کسی نے نہیں سمجھا۔
6. عقائد میں عوام کو متعصب اور علماء کو محقق ہونا چاہئے۔
7. دعا کریں کہ کسی مولوی کا دماغ خراب نہ ہو اگر مولوی بگڑ جائے تو فرعون سے بھی بڑھ جاتا ہے۔
8. بحمد اللہ مجھے حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم کی تدریس کرتے ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا لیکن کبھی اپنی رائے کو اجتہادی درجہ نہیں دیا بلکہ اکابر کی رائے ہی کو مقدم سمجھا ہے، عزیز القدر طلباء اجتہاد نہ کرنا اکابر کی رائے پر اعتماد کرنا اور اسلاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

⑨ میرے عزیزو! بحمداللہ ہم نے اپنے اکابر کا قرض چکا دیا اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس امانت کا تحفظ کرو۔

⑩ موجودہ دور میں دنیا بھر کے تمام طبقات تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے علماء کا علوم عصریہ اور جدید لسانیات سے استفادہ بہت ضروری ہے۔

⑪ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر جہاد کے موقع پر نیند آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، اور اگر پڑھتے پڑھاتے وقت نیند آئے تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔
(ذخیرۃ الجنان: ص:۱۶۰ ج۔۳)

فہم تفسیر کے لئے بنیادی اصطلاحات

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْآنِ لٰکِنْ تَقَاصَرَ عنه اِفْهَامُ الرِّجَالِ

تمام علوم قرآن کریم میں ہیں لیکن ہماری سمجھ ناقص ہے۔ چنانچہ علماء اسلام نے تین سو سے زیادہ علوم وفنون مدون کئے ہیں اور ہر ایک فن پر مستقل کتابیں لکھی ہیں وہ اہل علم پر مخفی نہیں جس میں انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر کے تمام بنیادی اصول پر مفصل اور بصیرت افروز بحث کی ہے تفصیل کے لیے ان کتب کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے، البتہ یہاں صرف قرآن کریم کے معانی اور تفسیر کو سمجھنے کے لیے چند مضامین عالیہ کی وضاحت مطلوب ہے۔

① اسماء قرآن کریم

علامہ ابوالمعالی نے قرآن مجید کے (۵۵) نام شمار کئے ہیں، اور بعض حضرات نے (۹۰) سے زائد نام بتائے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس میں صفاتی نام شمار کئے ہیں، مثلاً: حکیم، مجید، کریم وغیرہ ذالک۔ مگر صحیح معنی میں قرآن مجید کے پانچ نام ہیں: القرآن، الفرقان، الذکر، الکتاب، التنزیل۔ یہ بطور علم، قرآن کے اندر موجود ہیں، ان سب میں سے زیادہ مشہور "القرآن" ہے جو کہ کم از کم ۶۱ مرتبہ قرآن مجید کے اندر مذکور ہے۔ (محصلہ علوم القرآن: ص۔۲۳)

② قرآن کی وجہ تسمیہ

قرآن، قرأ، یقرأ (از باب فتح) سے ماخوذ ہے، اس کا لغوی معنی جمع کرنا ہے، پھر یہ پڑھنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ سورۃ القیامہ میں ہے: "اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ"۔ (القیامہ ۱۷:) ترجمہ:۔۔۔ "بیشک اس (کتاب) کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ہی ذمہ ہے۔" جس طرح قرأ، یقرأ، کا مصدر "قِرَاءَةٌ" آتا ہے، اسی طرح قرأ یقرأ کا مصدر "قرآن" بھی آتا ہے۔ اس لئے اہل عرب مصدر کو اسم مفعول کے معنی میں لیتے ہیں، جیسے مقروء بمعنی پڑھی ہوئی کتاب، راجح قول یہی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے تو کفار مکہ یہ کہتے تھے: "لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ"۔ (حٰم سجدہ ۲۶:) ترجمہ:۔۔۔ "مت سنو اس قرآن کی تلاوت بلکہ اس کی تلاوت کے دوران شور غل کیا کرو۔" تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کے لئے اس کا نام "قرآن" رکھ دیا، یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ تلاوت کی جانے والی کتاب قرآن پاک ہے، کفار اس کو جتنا دباتے رہے، یہ اتنا ابھرتا رہا۔

۳ قرآن کریم کی اصطلاحی تعریف

"هُوَ الْكِتَابُ الْمُنَزَّلُ عَلَى الرَّسُوْلِ الْمَكْتُوْبِ فِي الْمَصَاحِفِ الْمَنْقُوْلِ إِلَيْنَا نَقْلًا مُتَوَاتِرًا بِلَا شُبْهَةٍ"۔ ترجمہ:..."قرآن کریم وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے صحیفوں میں لکھا گیا ہے آپ سے بغیر کسی شبہ کے متواتر منقول ہے۔" (التلویح مع التوضیح) یہ تعریف سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

۴ قرآن پاک کے نزول کا طریقہ

قرآن پاک کے نزول کے دو طریقے ہیں ۱...لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر۔ ۲...آسمان دنیا سے زمین پر۔

۱...لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر دفعۃً واحدۃً یعنی یکبارنازل ہوا، تو اس جگہ کا نام بیت عزت ہے۔

۲...آسمان دنیا سے زمین پر، آنحضرت پر ۲۳ سال میں مکمل نازل ہوا۔ قرآن کریم میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں ایک انزال اور دوسرا تنزیل۔ انزال کے معنی ہیں کسی چیز کو ایک ہی دفعہ میں مکمل نازل کر دینا۔ اور "تنزیل" کے معنی ہیں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا چنانچہ قرآن کریم نے اپنے لئے پہلا لفظ جہاں کہیں استعمال کیا ہے اس سے مراد عموماً وہ نزول ہے جو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف ہوا، ارشاد ہے: "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ" (الدخان۔۳)

۵ سب سے پہلی وحی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبل نور کی چوٹی غار حرا میں عبادت کیا کرتے تھے، پیر کے دن صبح کے وقت سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ مسلم شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ کا اہتمام کیا کرتے تھے، تو صحابہؓ نے پوچھا کہ: آپ ہر پیر اور جمعرات کے دن کیوں روزہ رکھتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: "یوم ولدتُّ فیه و یوم بعثت"۔

(مسلم ج ۱: ص۔ ۶۲)

۶ دور نبوت

آپ نبوت کے بعد ۱۳ سال مکہ میں رہے اور ۱۰ سال مدینہ منورہ میں رہے، قرآن کریم کی کل ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ ۸۶ سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں (الاتقان ترجمہ اردو ج ۱: ص ۶۲) اور ان کے علاوہ باقی مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ آپ پر کبھی ایک سورۃ، کبھی ایک آیت، کبھی ایک لفظ بھی نازل ہوا ہے، جب سورۃ بقرہ کی آیت: "حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ"۔ (البقرہ ۱۸۷) نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے دو دھاگے رکھے ہوئے تھے، صبح کا وقت معلوم کرنے کے لئے سفید اور کالا، تو جب عدی بن حاتم کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا تو اس وقت "من الفجر" کا لفظ نازل ہوا، تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ پر کبھی ایک لفظ بھی نازل ہوا ہے۔

آخری آیت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری آیت: "اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا"۔ نازل ہوئی (المائدہ ۳) جمعہ کے دن عصر کا وقت تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو وحی کا سلسلہ جبل نور کی چوٹی سے شروع ہوا تھا آج وہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے، تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۸۲ یا ۸۳ دن زندہ رہے، وحی تو آتی رہی لیکن اس وحی کا تعلق قرآن مجید سے نہیں تھا۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ، اگر یہ آیات ہم پر نازل ہوتیں تو ہم اس دن کو عید قرار دیتے، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ، ہم اس دن کو جانتے ہیں اور اس

جگہ کو بھی جس میں یہ آیت آپ ﷺ پر اتری تھی وہ جمعہ کا دن تھا جب آپ عرفات میں کھڑے تھے۔(بخاری ج۱:ص۱۱)
اسحاق کی روایت میں ہے :"وکلاھما بحمد اللہ لنا عید۔"(فتح الباری ج۱: ص۱۰۵۔ باب زیادۃ الایمان ونقصانہ)
یعنی جمعہ اور عرفہ دونوں دن ہمارے لئے عید ہیں۔

۷ وحی کی ضرورت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے بھیجا ہے، اور اس کے ذمے کچھ فرائض عائد کئے ہیں، پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، لہٰذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کے لئے دو کام کرنے ضروری ہیں: ایک یہ ہے کہ جو پوری کائنات چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، اس کو ٹھیک ٹھاک استعمال کرنا۔

دوسرا کام یہ ہے کہ اس کائنات کے استعمال کرنے کے لئے احکام خداوندی کو مدنظر رکھنا، کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔ چنانچہ ان دونوں کاموں کو کرنے کے لئے علم کی ضرورت ہے، جب تک علم حاصل نہیں ہوگا، کائنات کی حقیقت وہ نہیں سمجھ سکے گا کہ وہ کیا ہے؟ اور اس کائنات میں فلاں چیز کے خواص کیا ہیں؟ اور اس کا فائدہ کیا ہے؟ اور اس کا فائدہ کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟ اور اس چیز میں فائدہ حاصل کرنے میں احکام خداوندی کیا ہیں؟ اور کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے؟ اور کون سا ناپسند ہے؟ یہ معلوم کرنا علم کے بغیر ناممکن ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں پیدا فرمائیں۔

❶...حواس۔ ❷...عقل۔ ❸...وحی۔

پہلی چیز حواس یعنی کان، ناک، منہ، پاؤں وغیرہ۔ دوسری چیز عقل ہے، تیسری چیز وحی ہے۔ بعض چیزوں کا علم حواس کے ذریعے سے حاصل ہوگا اور بعض چیزوں کا عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوگا اور بعض کا وحی سے، مذکورہ تینوں اشیاء کا ایک دائرہ کار مقرر ہے، مذکورہ تینوں چیز کی ترتیب کچھ یوں بنتی ہے، مثلاً کچھ اشیاء جو حواس کے ذریعے معلوم ہوں اور عقل کے ذریعے سے معلوم نہیں ہوتی ہیں، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص میرے سامنے بیٹھا ہے، میں حواس کے ذریعے سے کہہ سکتا ہوں اس شخص کا رنگ گندمی گورا یا آنکھیں بڑی ہیں یا چھوٹی ہیں ناک اس کا لمبا ہے یا چپٹا ہوا ہے قد وقامت میں تمام اعضاء موزوں ہیں یہ ساری باتیں حواس کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں عقل کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہیں۔ مثلاً اگر میں ایک منٹ کے لئے آنکھیں بند کر کے اس شخص کے متعلق یوں کہوں اس کی رنگت سفید ہے یا سیاہ ہے وغیرہ ذالک۔

تو یہ چیزیں عقل کے ذریعے معلوم نہیں ہوسکتیں بلکہ حواس سے ہی صحیح معنی میں معلوم ہوں گی، اور ایک شخص کے متعلق عقل کے ذریعے یہ تو کہا جاتا سکتا ہے کہ اس کی ماں ہے اس کا باپ ہے اگرچہ وہ یہاں موجود نہ ہوں لیکن حواس کے ذریعے معلوم نہیں کیا جاسکتا جہاں یہ دونوں چیزیں (حواس اور عقل) اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کام کرنا چھوڑ دیں گی وہاں وحی کی ضرورت پیش آئیگی، مثلاً اسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے یہ کس مقصد کے لئے پیدا ہوا ہے اس دنیا میں آنے کے بعد اس پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں دنیا میں جو بھی کام کریں گے کونسے کام میں اللہ کی رضا ہے اور کس کام میں اللہ کی رضا نہیں ان سب چیزوں کا علم نہ حواس کے ذریعے سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے سے، لہٰذا ان سوالوں کا جواب ہمیں وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوگا۔

❶ وحی کا لغوی معنی ومفہوم

اس تمہید کے بعد وحی کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں، "وَحْیٌ" اور "اِیْحَاءٌ" دونوں عربی زبان کے لفظ ہیں، ان کا لغوی معنی جلدی سے اشارہ کردینا خواہ وہ اشارہ رمز یا کنایہ سے ہو یا خواہ کوئی بے معنی آواز نکالنے کے ساتھ ہو یا کسی چیز کو حرکت دینے کے ساتھ ہو یا

تحریر ونقوش وغیرہ کے ساتھ ہو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان فرمایا: "فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا"۔ بس زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کے سامنے محراب سے نکلے اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح وشام تسبیح بیان کرو۔ اس سے واضح معلوم ہوا کہ اشارہ کا مقصد مخاطب کے دل میں بات ڈالنا ہے پھر یہ کسی کے دل میں بات ڈالنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا قرآن کریم میں متعدد آیات میں یہی معنی مراد ہیں سورہ نحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا"۔ (النحل ۶۸)

آپ کے پروردگار عالم نے شہد کی مکھیوں کے دل میں بات ڈالی کہ وہ اپنے گھر پہاڑوں میں بنائیں۔ تو اس آیت میں وحی کا معنی کسی کے دل میں بات ڈالنا۔ وحی کا اصطلاحی معنی "كَلَامُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰی نَبِیٍّ مِّنْ اَنْبِیَآئِهٖ" "عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۱۸: اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس کے کسی نبی پر نازل ہو۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں "وَحْیٌ" اور "اِیْحَاءٌ" یہ دونوں الگ الگ لفظ ہیں "اِیْحَاءٌ" کا لفظ عام ہے وہ انبیاء غیر انبیاء دونوں کو شامل ہیں کہ کسی غیر نبی کے دل میں بات ڈالنا اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ اور وحی انبیاء کے ساتھ مختص ہے۔ (فیض الباری ج ۱: ص ۱۹ طبع قاہرہ)

❾ وحی کی تعلیمات

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اپنے بندوں کو ان باتوں کی تعلیم دی ہے جن کا تعلق نہ حواس خمسہ سے ہے اور نہ عقل سے ہے بلکہ وہ باتیں خالص مذہبی نوعیت کی ہوسکتی ہیں اور دنیوی معاملات کے متعلق بھی وحی نازل ہوئی ہے جیسے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ کشتی بناؤ قرآن کریم میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا"۔ اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے زرہ بنانے کا حکم دیا۔ اور اس آیت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ وحی دنیاوی معاملات کے متعلق بھی نازل ہوئی ہے۔

❿ وحی کے اقسام

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں وحی کی ابتداً تین قسمیں ہیں، ان کا حاصل یہ ہے:

❶...وحی قلبی۔ ❷...وحی کلامی۔ ❸...وحی ملکی۔

❶...وحی قلبی: اس کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا دل مسخر کر کے اس میں کوئی بات ڈال دی اس میں نہ کسی فرشتہ کے واسطہ سے آواز سننے کا تعلق ہے نہ حواس اور نہ قوت سامعہ کا تعلق ہے، بلکہ دل میں بات جاگزین ہوجاتی ہے ساتھ یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے آئی ہے یہ وحی کی کیفیت اللہ کی طرف سے حالت بیداری، حالت خواب میں دونوں طرح سے ہوسکتی ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا اور انہیں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کو وحی قلبی کہتے ہیں۔

❷...وحی کلامی: اس کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو شرف وکلام بخشتے ہیں اس میں کسی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ سے اس کا رسول براہ راست کلام کرتا ہے اور اس کلام کی کیفیت اس کا رسول آسان طریقہ سے سمجھتا ہے اور اس میں آواز سنائی دیتی ہے جو مخلوقات سے عجیب وغریب ہوتی ہے جس کا ادراک ہماری سمجھ سے بالاتر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا یہ وحی کا سب سے افضل اور اعلیٰ طریقہ ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا "وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا"۔ اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے خوب باتیں کیں۔ (النساء۔ ۱۶۴)

❸...وحی ملکی: اس کی تعریف یہ ہے اللہ تعالیٰ فرشتے کے ذریعے سے اپنے نبی پر وحی نازل کرتے ہیں کبھی وہ فرشتہ انسان کی

شکل میں آجاتا ہے اور کبھی وہ فرشتہ اپنی اصلی صورت میں نظر آتا ہے مگر یہ شاذ و نادر ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وحی کی ان تینوں قسموں کو اس آیت میں ذکر فرمایا ہے "مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا"۔ (الشوریٰ۔۵۱)

کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی روبرو کلام کرے مگر وہ جو دل میں بات ڈالے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغمبر فرشتے کو بھیج کر اپنی طرف سے وحی نازل کرے۔ اس آیت کریمہ میں "وحیا" سے مراد وحی قلبی ہے "من وراء حجاب" سے وحی کلامی مراد ہے "او یرسل رسولا" سے وحی ملکی مراد ہے۔

⑪ کیفیت نزول وحی

بخاری شریف میں روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حارث بن ہشام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی آواز سنائی دیتی ہے، اور یہ وحی کی صورت سب سے زیادہ سخت مجھ پر گزرتی ہے، پھر جب وہ آواز کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے جو اس آواز نے کہا ہوتا ہے وہ مجھے یاد ہوچکا ہوتا ہے وحی کی اس قسم کو "صلصلة الجرس" کہتے ہیں، اس حدیث کے آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ سردیوں کے موسم میں بھی اس وحی کے نزول کی سختی ظاہر ہوتی تھی کہ جب سلسلہ وحی ختم ہوجاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہوچکی ہوتی تھی۔ مسند احمد کی روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب یہ وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میری روح کو کھینچا جارہا ہے۔

(الفتح الربانی بتویب مسند احمد بحوالہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ ج ۲۰: ص ۲۱۱: کتاب السیرة النبویہ، طبع قاہرہ ۱۳۷۵ھ)

اور کبھی اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دیتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے سامنے شہد کی مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ کی آواز آتی تھی۔ (الفتح الربانی ایضاً ج ۲۰: ص۔۲۱۲)

وحی کی دوسری قسم کبھی فرشتہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انسانی شکل اختیار کرکے آتا تھا اللہ تعالیٰ کا پیغام دینے کے لیے اکثر و بیشتر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے شکل میں وحی لے کر آتا۔ علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں حضرت دحیہ کی شکل میں فرشتہ اس لئے آتا تھا کیونکہ وہ اپنے وقت کے حسین ترین انسانوں میں سے تھے اور اکثر اپنے چہرے کو ڈھانپ کر چلتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱: ص۔۴۷)

وحی لانے والا فرشتہ تحقیقی قول کے مطابق حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

⑫ کشف اور الہام میں فرق

وحی انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ کشف اور الہام عام ہے، کشف حسیات میں سے ہے یعنی کسی واقعے یا کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھ لے اور الہام وجدانیات میں سے ہے، یعنی کسی بات کو دل میں ڈال دے الہام کشف سے زیادہ صحیح ہے۔

(فیض الباری ج ۱: ص۔۱۹)

⑬ وحی متلو، غیر متلو میں فرق

وحی متلو وہ جس کے معنی اور لفظ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں جیسے قرآن کریم ہے اور اس کو تلاوت کیا جاتا ہے وحی غیر متلو

وہ ہے جس کے الفاظ رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوں اور معانی ومطالب اللہ کی طرف سے ہوں اور یہ وحی قرآن کریم کا جزء نہیں ہوتی اس کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے عموماً وحی متلو یعنی قرآن کریم میں اصولی عقائد اور بنیادی تعلیمات کی تشریح پر اکتفا کیا گیا ہے اور حدیث پاک میں زیادہ تران کی جزئیات کی تفصیل ہے۔

⑭ جمع القرآن

قرآن کریم کو دل ودماغ پر سب سے پہلے محمد ﷺ کے قلب اطہر پر محفوظ اور جمع کیا گیا۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے قرآن کریم کو حفظ کیا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں بیر معونہ کی جنگ میں ستر قُراء شہید ہوئے تھے۔ اسلامی تاریخ کی مستند کتابوں میں ہے عرب کے مشہور شاعر لبید ابن ربیعہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد اس لئے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا کہ اسکو اشعار کی فصاحت وبلاغت میں وہ لذت وکشش محسوس نہ ہوتی تھی جیسی کہ قرآن کریم کے پڑھنے اور سننے میں۔ ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے لبید ابن ربیعہؓ سے کہا کہ کچھ اپنے اشعار سناؤ؟ تو اس نے عرض کیا کہ میں نے جب سے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھی ہیں اس وقت سے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔

⑮ عرب میں کتابت کی ابتداء

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل لکھنے پڑھنے کا رواج ہو چکا تھا مکہ مکرمہ میں کتابت کی ابتداء حرب بن امیہ بن عبد شمس سے ہوئی جو سفر پر مکہ سے باہر جاتا رہتا تھا اس نے بشر بن عبدالملک سے لکھنا سیکھا پھر رفتہ رفتہ مکہ کے اطراف میں پڑھے لکھوں کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت اچھی خاصی تعداد تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے مبارک دور میں لکھنے پڑھنے کو بہت ترقی دی، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب جنگ بدر میں کفار کے ستر آدمی مسلمانوں نے گرفتار کئے تھے ان میں سے جس کے پاس اس قدر مال نہ تھا کہ اپنی رہائی کے لئے فدیہ ادا کرتا، اس کی رہائی کا یہ فدیہ مقرر کیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک مدینے کے لڑکوں میں سے دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھائے۔ چنانچہ زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا پڑھنا سیکھا۔

⑯ مختلف ادوار میں کتابت قرآن

قرآن کریم کے لکھنے کا تین مرتبہ اہتمام کیا گیا اور ہر مرتبہ لکھنے کی کچھ نہ کچھ خصوصیات ہیں۔

پہلی مرتبہ:۔ آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں۔

دوسری مرتبہ:۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں۔

تیسری مرتبہ:۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں۔

آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں پہلی بار قرآن کا جمع اور اسکی ترتیب:۔ پہلی کتابوں کو جس طرح لکھ کر محفوظ کیا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے بھی صرف حفظ کو کافی نہیں سمجھا بلکہ پرانے طریقے کو جاری رکھا، اس اہم خدمت کے لیے چند صحابہؓ کو منتخب فرمایا مثلاً: حضرات خلفاء اربعہ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ وحی الٰہی کے مشہور لکھنے والے صحابہ کرامؓ میں سے متعدد حضرات ایسے تھے جو خود قرآن کریم لکھتے تھے، اور جو ان کے پاس لکھا ہوا تھا وہ آنحضرت ﷺ سے سننے یا آپ ﷺ سے حفظ کے بعد لکھا ہوتا تھا۔ مثلاً مصحف حضرت عبداللہ ابن مسعود، مصحف حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور مصحف حضرت عائشہ صدیقہؓ وغیرہم۔

۱۷ کتابت قرآن کا طریقہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف کی روایت ہے کہ قرآن کریم کی جو آیاتیں نازل ہوتی تھیں، آپ ﷺ مجھے لکھوادیتے انکو لکھنے کے بعد میں آپ ﷺ کو سنا دیتا تھا اگر اصلاح کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ اصلاح فرمادیتے پھر اس کے بعد میں لکھے ہوئے کو لوگوں کے سامنے لاتا آنحضرت ﷺ لوگوں کو بتادیا کرتے تھے کہ نازل شدہ آیات فلاں سورۃ میں رکھی جائیں، اس زمانے میں لکھنے کے لئے عموماً کھجور کی شاخیں جن سے پتیاں الگ کردی گئی ہوں۔ یا پتھر کی پتلی پتلی تختیاں یا کھال یا چمڑے کے پتلے ٹکڑے یا پتے یا کاغذ کے ٹکڑے یا اونٹ یا بکری کے شانے کی چوڑی چوڑی ہڈیوں پر لکھا جاتا تھا، وہ جو کچھ بھی لکھا جاتا تھا وہ آپ ﷺ کے گھر رکھ دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے مبارک دور میں متفرق طور پر قرآن کریم لکھ لیا گیا تھا۔

۱۸ دوسری بار قرآن کا جمع

آنحضرت ﷺ کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے ان کو بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں سے سن گیارہ ہجری میں جنگ یمامہ ہوئی جس میں متعدد حفاظ و قراء شہید ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآنِ کریم کے جمع کرنے کا مشورہ دیا کہ قرآن کریم حکومت کی نگرانی میں لکھوا کر اور اس کو مصحف کی شکل دے کر تقسیم کیا جائے ابتداً تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بڑی سوچ میں پڑ گئے کہ جس کام کو آپ ﷺ نے نہیں کیا اس کو میں کیسے کروں؟ اور یہ بھی خیال آیا کہ مختلف فتنے سر اٹھارہے ہیں کہ کہیں پر یہ نیا فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول نہ کیا انہوں نے اپنا اصرار جاری رکھا بالآخر۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں پہلے سے موجود تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اپنا خیال حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ کام آپ کیوں کرتے ہیں جس کو آقائے نامدار ﷺ نے نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے شبہات کو دور کیا یہاں تک کہ بات ان کی سمجھ میں بھی آ گئی۔

۱۹ جمع قرآن کا طریقہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم دونوں مسجد کے دروازوں پر بیٹھ جاؤ جو شخص تمہارے پاس کتاب اللہ کا کوئی حصہ دو گواہوں کے ساتھ لائے اس کو لکھ لو، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ دو گواہوں سے مراد یہ ہے کہ قرآن کا وہ حصہ اس شخص کو زبانی یاد بھی ہو۔ اور اس کے پاس لکھا ہوا بھی ہو۔ (مباحث فی علوم القرآن للشیخ مناع القطان ص۔ ۵۲)

یہی وجہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سورۃ توبہ کی آخری آیتوں کو اس وقت لکھا جب انہوں نے حافظوں سے سن لیا اور ابوخذیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس لکھا ہوا بھی دیکھ کر خود کو مطمئن کیا یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دوراندیشی تھی اس نازک مرحلے پر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رہنمائی کی اور کام کرنے کا ڈھنگ بتادیا۔

۲۰ مصحف کی حفاظت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات تک اپنے پاس رکھا ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس رکھا اور ان کی وفات کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ (بخاری فضائل القرآن باب جمع القرآن ص ۷۴۵۔۷۴۶ ج ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر رحمت نازل کرے یہ وہ پہلے شخص ہے جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا۔
(الاتقان فی علوم القرآن عربی ص۔ ۶۷)

㉑ تیسری بار جمع قرآن

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام دور دراز تک پھیل چکا تھا۔ آئے دن اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس میں ایسے لوگ بھی تھے جو عربی زبان سے ناواقف تھے آنحضرت ﷺ نے اختلاف لب ولہجہ کی وجہ سے اختلاف اعراب وتلفظ وغیرہ کے ساتھ قرأۃ قرآن کی اجازت دی تھی لوگوں نے اس کی صحیح روح کو نظر انداز کر دیا تھا اور مقررہ حدود سے آگے بڑھ گئے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن پڑھنے کا ڈھنگ اعراب وتلفظ وغیرہ میں اختلافات بڑھتے چلے گئے۔

شامی کہتے ہیں کہ ہم تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأۃ پڑھتے ہیں، کوفی دعویٰ کرتے کہ ہم نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأۃ کو اختیار کیا ہے، انکے علاوہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قرأۃ کے پڑھنے والے بھی تھے جن کی قرأۃ اور حروف کے ادا کرنے میں ایسا اختلاف تھا کہ جس کی ان کے پاس کوئی سند حضور ﷺ سے صحیح نہیں تھی اس وجہ سے پڑھنے اور پڑھانے والوں میں جھگڑے ہونے لگے یہاں تک کہ ایک دوسرے کو کافر تک کہنے لگے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے جب عراقیوں کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور ان کی قرأۃ کے اختلاف کو دیکھا تو بہت گھبرا گئے، مدینہ آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور وہاں کے حالات سے پورا باخبر کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حالات کی نزاکت کو سمجھ لیا مہاجر اور انصار میں سے چند ممتاز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلا کر مشورہ کیا گیا۔

مصحف صدیقی کی نقلیں

جس میں یہ طے پایا گیا کہ مصحف صدیقی کی نقلیں کرانے کے بعد مرکزی مقامات میں بھیج دی جائیں اور لوگ صرف انہی کے مطابق پڑھیں یہ وہی مصحف تھا جو حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس امانت کے طور پر رکھوایا گیا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منگوا کر حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ ابن زبیر، سعید ابن عاص، عبدالرحمان ابن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مقرر کیا کہ اس کو نقل کریں، اسکی قیادت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا یہ تینوں صحابہ قریشی تھے۔

زبان قریش پر جمع قرآن

ان سے کہا گیا کہ جب تم میں اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ میں قرآن کے کسی حصے میں اختلاف ہو تو اس کو قریش کی زبان کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں اُتارا گیا ہے۔ اس ارشاد سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتے تھے کہ اگر کتابت کے دوران رسم الخط کے طریقے میں اگر کوئی اختلاف ہو جائے تو قریش کے رسم الخط کو اختیار کیا جائے۔ پورے قرآن کریم میں صرف ایک مقام پر اختلاف ہوا (تابوت) کو لمبی "ت" کے ساتھ لکھا جائے۔ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ گول "ۃ" کے ساتھ لکھا جائے۔ جب یہ معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو فرمایا کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس لئے تابوت کی "ت" لمبی "ت" کے ساتھ لکھی جائے اس سے واضح ہوا کہ دوران کتابت جو اختلاف ہوا تھا وہ صرف رسم الخط کا تھا، جب اس مصحف کی متعدد نقلیں تیار کی گئیں وہ مصحف جو حضرت حفصہ کو واپس کر دیا گیا اس مصحف کے علاوہ باقی جتنے مصاحف تھے ان کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کر کے متفقہ رائے سے جلا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کی نقلیں مختلف شہروں میں بھیجیں، انکی تعداد میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ وہ پانچ تھے۔ امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ سات تھے جن میں سے ایک مدینے میں محفوظ کیا گیا ایک ایک مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ و کوفہ بھیجا گیا۔ (الاتقان)

تیسری بار جمع کرنے کے متعلق علامہ عبدالعلی بحر العلوم رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۲۵ھ نے لکھا ہے کہ اس مرتبہ قرآن اس غرض سے لکھا گیا کہ قراء صحیح قرآت سے واقف ہو جائیں غلطی نہ کریں۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت)

الغرض آنحضرت ﷺ نے جن مختلف قرآتوں کی اجازت دی تھی وہ آج بھی مستند کتب میں موجود ہیں، اور فن تجوید کے ماہرین ان کو پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں۔

۲۲ نقطے اور اعراب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں نقطے واعراب نہیں تھے خصوصاً عراقی عجمیوں سے قرآن کے الفاظ کی ادائیگی میں بہت زیادہ غلطیاں ہونے لگیں تو عبدالملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں اسی کام کی طرف توجہ کی گئی عبیداللہ بن زیاد (متوفی ۶۷ھ) حجاج بن یوسف (متوفی ۹۵ھ) نے اس کی طرف خصوصی توجہ کی، سب سے پہلے نقطے اور اعراب کس نے لگائے؟

اس بارے میں تین شخصوں کے نام آتے ہیں (۱) ابوالاسود الدؤلی (۲) یحیٰ بن معمر (۳) نصر بن عاصم اللیثی۔ لیکن زیادہ مشہور یہ ہے کہ ابوالاسود الدؤلی ہیں۔ انہوں نے اعراب کی ابتداء اس طرح کی کہ زبر کی علامت حرف کے اوپر ایک نقطہ زیر کی علامت حرف کے نیچے ایک نقطہ پیش کی علامت حرف کے سامنے ایک نقطہ سکون کی علامت کے لئے حرف پر صرف دو نقطے لگائے۔

(مباحث علوم القرآن ڈاکٹر صبحی ص ۹۱۔۹۲)

اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ کام ابوالاسود نے عبدالملک بن مروان کے کہنے سے کیا۔ خلیل بن احمد (المتوفی ۱۷۵ ہجری) نے ہمزہ (ء) تشدید (ّ) جزم (ْ) اور مد کے لئے ایک خط (ٓ) ایجاد کیا۔ (تاریخ القرآن مولانا عبدالصمد صارم ۱۰۸)

۲۳ بعض علامات اور رسم الخط

قرآن کریم کا سورتوں میں تقسیم ہونا اللہ کی طرف سے ہے۔ اور ہر سورت ایک مستقل باب یا فصل ہے سات حزبوں میں تقسیم آسانی کی غرض سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عہد رسالت میں کیا۔ جہاں ٹھہرنا چاہیں اور جہاں ملا کر پڑھنا چاہیں یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کے حکم سے ہے۔ مگر یہ زبانی تعلیم تھی تحریری نہیں تھی۔ صحابہؓ کے دور میں آیت کی علامت تین نقطے یعنی دو نقطے نیچے اور تیسرا نقطہ ان دو کے اوپر لگایا جاتا جو آیت کے سروں پر یہ نشانی ہوتی۔ ابوالاسود الدؤلی نے آیتوں کا نشان گول دائرہ مقرر کیا۔ رکوع کا نشان (ع) امام ابوعبداللہ محمد بن محمد طیفور السجاوندی (متوفی ۵۶۰ ہجری) نے ایجاد کیا۔ (تاریخ القرآن صارم)

۲۴ رکوع کا مطلب

رکوع کا معنیٰ "حصہ" قرآن میں رکوع کا مخفف "ع" حاشیہ پر لکھا ہوا ہوتا ہے اس "ع" کے اوپر ایک ہندسہ اور ایک پیٹ میں اور ایک نیچے ہوتا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اوپر کے ہندسے سے مراد سورۃ کا رکوع ہوتا ہے جو پیٹ میں ہوتا ہے اس سے مراد آیات کی تعداد بتاتا ہے، اور جو نیچے ہوتا ہے اس سے مراد پارے کے رکوعات کی تعداد بتاتا ہے۔

اجزائے قرآن قرآن کریم کے تیس اجزاء کی تقسیم بعد میں ہوئی ہے مصحفِ عثمانی میں الگ الگ اجزاء نہیں تھے۔ یہ تقسیم صحیح بخاری شریف کی شاید اس روایت سے پیدا ہوتی ہے، جس میں آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ قرآن ایک مہینے میں ختم کیا کرو، جب انہوں نے عرض کیا کہ میں تو اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ہفتے میں ختم کیا کرو۔ لیکن روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ ایک مہینے میں ختم کیا جائے۔ دس آیتوں کے بعد نشان لگانے کا حکم مامون عباسی خلیفہ نے دیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے اس کی ابتداء کی۔ (البرہان فی علوم القرآن)

۲۵ قرآن کریم کے سات حروف اور قرائتیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تلاوت میں آسانی پیدا کرنے کے لئے امت محمدیہ (ﷺ) کو ایک سہولت یہ عطا فرمائی کہ اس

کے الفاظ کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی ہے چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے لاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ ترجمہ: یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے پس ان میں سے جو تمہارے لئے آسان ہو اس طریقہ سے پڑھ لو۔ (صحیح بخاری مع القسطلانی، ص: ۵۳ ہ ج ۷)

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں سات حروف سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں لیکن محقق علماء کے نزدیک اس میں راجح مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی جو قرأتیں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں ان میں باہمی فرق و اختلاف کل سات نوعیتوں پر مشتمل ہے اور وہ سات نوعیتیں یہ ہیں۔

❶ اسماء کا اختلاف۔۔۔ جس میں افراد، تثنیہ، جمع اور تذکیر اور تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے مثلاً ایک قرأت میں "تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ" ہے اور دوسری قرأت میں "تَمَّتْ كَلِمٰتُ رَبِّكَ"۔

❷ افعال کا اختلاف۔۔۔ کہ کسی قرأت میں صیغہ ماضی ہے کسی میں مضارع اور کسی میں امر، مثلاً ایک قرأت میں ہے "رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا" اور دوسری میں "رَبَّنَا بَعَّدَ بَيْنَ اَسْفَارِنَا"۔

❸ وجوہ اعراب کا اختلاف۔۔۔ جس میں اعراب زبر یا زیر یا پیش کا فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً "لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ" کی جگہ "لَا يُضَآرُّ كَاتِبٌ" اور "ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ" کی جگہ "ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدِ"۔

❹ الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف۔۔۔ کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو مثلاً ایک قرأت میں "تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" اور دوسری میں "تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ"۔

❺ تقدیم و تاخیر کا اختلاف۔۔۔ کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ مقدم ہے اور دوسری میں مؤخر ہے مثلاً "وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ" اور دوسری قرأت میں "وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ" ہے۔

❻ بدلیت کا اختلاف۔۔۔ کہ ایک قرأت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قرأت میں اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ ہے مثلاً "نُنْشِزُهَا" اور "نَنْشُرُهَا" نیز "فَتَبَيَّنُوْا" اور "فَتَثَبَّتُوْا" اور "طَلْحٍ" اور "طَلْعٍ"۔

❼ لہجوں کا اختلاف۔۔۔ جس میں تفخیم، ترقیق، امالہ، مد، قصر، ہمزہ، اظہار و ادغام وغیرہ کے اختلافات داخل ہیں یعنی اس میں لفظ تو نہیں بدلتا لیکن اس کے پڑھنے کا طریقہ بدل جاتا ہے مثلاً "مُوْسٰى" کو ایک قرأت میں "مُوْسٰىٓ" کی طرح پڑھا جاتا ہے۔ بہر حال اختلاف قرأت کی ان سات نوعیتوں کے تحت بہت سی قرأتیں نازل ہوئی تھیں اور ان کے باہمی فرق سے معنی میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہوتا تھا صرف تلاوت کی سہولت کے لئے ان کی اجازت دی گئی تھی۔ (معارف القرآن ص ۱۱ ج ۱، م، ش، د)

⓰ تمام سورتوں کے نام

یہ نام توقیفی ہیں وحی الٰہی کے اشارے پر رکھے گئے ہیں۔ جو احادیث و آثار سے ثابت ہیں ہر سورہ کی ابتداء میں بسم اللہ لکھی جاتی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں سورتوں کے نام بھی لکھے جانے لگے۔ حجاج بن یوسف نے جو علماء اور قراء کی ایک مجلس بنائی تھی اس نے قرآن کے حروف شمار کئے اور سپارے کو ربع، نصف، ثلث، میں تقسیم کیا یہ تقسیم باعتبار حروف کے ہوتی ہے۔ باقی قرآن کریم کا رسم الخط جو آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں تھا آج تک وہی رائج ہے۔ اس میں کسی قسم کی تغیر و تبدل نہیں کیا گیا۔

⓱ قرآن میں قسموں کا ذکر

چونکہ قرآن کریم محاورات عرب کے مطابق اتارا گیا اور اہل عرب اپنی بات کو پختہ کرنے کیلئے قسم اٹھاتے تھے اس لئے قرآن

مجید میں دعاوی کو ثابت کرنے کیلئے قسموں کا ذکر ہے۔

پھر قسم دلیل ہوتی ہے اور جواب قسم دعویٰ ہوتا ہے پھر کبھی جواب قسم مذکور ہوگا اور کبھی محذوف ہوگا۔ محذوف کی مثال جیسے: "قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝۱ " قسم ہے "اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ" جواب قسم ہے محذوف ہے۔ مذکور کی مثال: "يٰسٓ ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝۲" قسم ہے اور "اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳" جواب قسم ہے جو کہ مذکور ہے۔

سوال: حدیث میں تو غیر اللہ کی قسم اٹھانے کی ممانعت آئی ہے جیسے: "من حلف لغير الله فقد اشرك"۔ حالانکہ قرآن مجید میں مخلوق کی قسمیں ہیں؟ **جواب ۱**: یہ ہے کہ یہ حکم انسانوں کیلئے ہے جو مکلف ہیں اور اللہ کی ذات اس کی پابند نہیں کیونکہ "لایسئل عما یفعل"؟ **جواب ۲**: حافظ ابن قیم نے التبیان فی اقسام القرآن میں ذکر کیا کہ ان قسموں میں مضاف محذوف ہے مثلاً "والتین" یعنی "ورب التین" باقی قسموں میں بھی لفظ رب محذوف ہوگا۔

جواب ۳: کبھی قسم میں مقسم بہ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اور کبھی مقسم بہ کا ذکر بطور استشہاد کے ہوتا ہے یعنی گواہ بنانے کے طور پر وہاں تعظیم مقصود نہیں ہوتی اگر مخلوق کی قسم پہلے اعتبار سے ہو تو شرک ہے اور اگر دوسرے اعتبار سے ہو تو جائز ہے یہ قسمیں بطور استشہاد کے ہیں۔

۲۸ تشبیہ اور استعارہ کی تشریح

تشبیہ اس کو کہتے ہیں کہ اس میں حرف تشبیہ مذکور ہو جیسے "مثلهم كمثل الذى" اور استعارہ اس کلام کو کہتے ہیں جس میں تشبیہ مذکور نہ ہو جیسے "افمن كان ميتا فاحييناه" یہاں پر گمراہ کو میت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قرآن میں حذف بھی ہوتا ہے جیسے "واسئل القرية" ای اهل القرية" اور کبھی اندماج اور اختصار بھی ہوا کرتا ہے جیسے "يوسف ايها الصديق" سے پہلے ہے: "فارسلوه فجاء وقال يوسف ايها الصديق"۔

۲۹ تعلیم تفسیر

رحمت عالم ﷺ کو خطاب ہے: "لتبين للناس" کہ ہم نے قرآن کریم کو آپ پر اس لئے اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے وضاحت سے بیان فرمائیں جو ان کے طرف اتاری گئی ہے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ الخ"۔ (آل عمران ۱۶۴)

البتہ تحقیق بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر جب کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اس کی آیات تلاوت کرے اور ان کو پاک صاف کرے اور انہیں کتاب اور دانائی کی تعلیم دے۔ اس آیت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ نے صرف قرآن کریم کے الفاظ کی تعلیم نہیں دی بلکہ الفاظ کے ساتھ ساتھ معنی اور تفسیر کی بھی تعلیم دی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کی ایک سورت سیکھنے کے لیے کئی کئی سال لگا دیئے جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رحمت عالم ﷺ سے تفسیر بھی سیکھتے تھے رحمت عالم ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کسی آیت یا سورۃ کے متعلق مشکل درپیش آتی تو آپ ﷺ سے دریافت فرمالیتے تو رحمت ﷺ سے ان کو تسلی بخش جواب مل جاتا رحمت عالم ﷺ کے بعد قرآن کی تفسیر محفوظ کرنے کی صورت درپیش آئی تو علمائے کرام نے جس طرح قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت کی محنتیں فرمائیں اسی طرح قرآن کی تفسیر کے لیے بھی محنت فرمائی تاکہ کوئی ملحد گمراہ اپنی من مانی کی تفسیر نہ کرے آج ہم شوق سے کہہ سکتے ہیں

کہ جو تفسیر آپ اور آپ کے سچے جانثاروں نے فرمائی تھی وہ من وعن محفوظ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کریم کے عظیم مفسر تھے اور ان دو حضرات میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جزوی طور پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی بڑھ کر مفسر قرآن تھے کیونکہ انہوں نے ۸۶ سورتوں کی تفسیر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی ہے بخاری شریف میں ہے کہ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "استقرؤا القرأن من اربعة من عبدالله بن مسعود....." (بخاری ج۱: ص۵۳۱:) جو لوگ قرآن مجید پڑھنا چاہیں وہ چار اشخاص سے پڑھیں ❶ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خود ارشاد فرمایا: اگر دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی قرآن کا ماہر موجود ہو اور مجھے سواری میسر ہو جائے تو میں وہاں پہنچ کر قرآن کریم کی تفسیر کا علم حاصل کروں گا۔

❷ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں ترجمان القرآن سے یاد کیا جاتا ہے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پیچھے سے ڈھیلے اور پانی کا انتظام فرمایا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کس نے انتظام کیا تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا نام ظاہر فرمایا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہو گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا فرمائی: "اللهم علمه الكتاب"۔ (بخاری ج۱: ص۵۳۱:)

آپ کی دعا کا یہ نتیجہ تھا کہ اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کم سن تھے اللہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن کا عظیم مفسر بنا دیا، بخاری میں روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شوریٰ کا انتخاب فرمایا تو شوریٰ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بھی تھا حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کیا کہ طلحہ، زبیر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جب شوریٰ میں شامل ہو گئے تو بچوں کا شوریٰ پر قبضہ ہو جائے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا آپ اکابر حضرات تشریف رکھتے ہیں مجھے بتائیں کہ سورہ نصر میں کون سی راز کی بات ہے؟ سب اکابر حضرات خاموش رہے جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "فيه اجل رسول الله" کہ اس میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ہے حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم کے عرض و طول اور عمق کو پہچانتے تھے ہم لوگ صرف طول اور عرض کو جانتے ہیں۔

⓬ تعریف تفسیر

لفظ "تفسیر" "فَسْرٌ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کھولنا اور اس علم میں چونکہ قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اس لئے اسے علم تفسیر کہتے ہیں۔ پھر اس علم میں زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تفصیلات کا اضافہ ہوتا گیا اب علم تفسیر جن تفصیلات کو شامل ہے ان کا لحاظ کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے علم تفسیر کی اصطلاحی تعریف یوں فرمائی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنْ كَيْفِيَّةِ النُّطْقِ بِأَلْفَاظِ الْقُرْآنِ وَمَدْلُوْلَاتِهَا وَاحْكَامِهَا الْاَفْرَادِيَّةِ وَالتَّرْكِيْبِيَّةِ وَمَعَانِيْهَا الَّتِيْ تُحْمَلُ عَلَيْهَا حَالَةَ التَّرْكِيْبِ وَتَتِمَّاتٍ لِذٰلِكَ (روح المعانی، ص:۸، ج۔۱)

یعنی علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے ان کے مفہوم ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جو ان الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لئے جاتے ہیں نیز ان معانی کا تکملہ ناسخ و منسوخ شان نزول، اور مبہم قصوں کی توضیح کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی تفسیر کے لئے تاویل کا لفظ استعمال ہوا ہے وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ۔ تفسیر اور تاویل کا لفظ بالکل ہم معنی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے؟

۲۱ تفسیر و تاویل میں فرق

① امام ابوعبیدہ رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ یہ دونوں لفظ بالکل مترادف ہیں اور دوسرے حضرات نے ان دونوں میں فرق بیان کرنے کی کوشش فرمائی ہے مگر اتنی زیادہ آراء ظاہر ہوتی ہیں کہ ان کا نقل کرنا بھی مشکل ہے۔ مثلاً ② تفسیر ایک ایک لفظ کی انفرادی تشریح کا نام ہے اور تاویل جملے کی مجموعی تشریح کا نام ہے ③ تفسیر اس آیت کی ہوتی ہے جس میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال نہ ہو، اور تاویل کا مطلب یہ ہے کہ آیت کی جو مختلف تشریحات ممکن ہیں ان میں سے کسی ایک کو دلیل کے ساتھ اختیار کرلیا جائے لیکن حق یہ ہے کہ سب سے زیادہ رائے ابوعبیدہ کی درست ہے واللہ اعلم۔

۲۲ تاویل اور تحریف کے درمیان فرق

تأویل: "اَوْلٌ" سے مشتق ہے "اَوْلٌ" کا معنی رجوع اور اصطلاحی معنی "صرف الکلام عن الظاهر الی احتمال غیر ظاهر غیر مخالف لکتاب الله وسنة رسول الله"۔ یعنی کلام کو ظاہر سے ایسے احتمال کی طرف پھیرنا جو غیر ظاہر ہو لیکن قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو۔

تحریف: حرف سے مشتق ہے اور حرف کا معنی طرف ہے اور طرف کا معنی کنارہ۔ اور اصطلاحی معنی "صرف الکلام عن الظاهر الی احتمال غیر ظاهر مخالف لکتاب الله وسنة رسول الله"۔ یعنی کلام کو ظاہر سے ایسے احتمالات کی طرف پھیرنا جو غیر ظاہر ہوں لیکن قرآن وحدیث کے خلاف ہوں۔

۲۳ موضوع تفسیر

اس کا موضوع قرآن کریم ہے اس حیثیت سے کہ اس کے مطالب ومعانی کو معلوم کیا جائے۔

۲۴ غرض وغایت

قوت علمیہ وقوت عملیہ کی تکمیل تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

۲۵ ماخذ تفسیر

مفسر اول : قرآن کریم کا پہلا مفسر خود قرآن کریم ہے۔ "کما قیل القرآن یفسر بعضه بعضاً" **دوم** : نبی کریم ﷺ ہیں بحکم "لتبين للناس" چنانچہ آپ ﷺ وقتاً فوقتاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تفسیر و تاویل کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ **سوم** : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو کہ حضور پُرنور ﷺ کے کلام وموقع نزول وغیرہ سے خوب واقف تھے اور آپ ﷺ کی صحبت کی بدولت فہم صحیح کی دولت سے مالامال تھے۔ **چہارم** : تابعین کرام رحمہم اللہ جنہوں نے مدتوں تک حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں رہ کر دین کو سیکھا اور دین کو آنکھوں سے دیکھا۔ **پنجم** : تبع تابعین جو کہ موثوق بہم ہیں ان کی تفسیر بھی عمدہ شمار کی جاتی ہے اور اسی دور میں تصانیف، تفاسیر کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا یہ لوگ صحابہ اور تابعین کے اقوال کی رعایت کرتے تھے۔

فائدہ: طالبان تحقیق کے لیے قرآن کریم کی صحیح تفسیر معلوم کرنے کے لیے یہ پانچ ماخذ اور اصول ہیں جن کی صحت اور مقبولیت کسی دلیل کی محتاج نہیں تفسیر معارف الفرقان کا اہم مقصد فرق باطلہ کی تردید ہے اس لئے آیات قرآنیہ سے ہمارا استدلال بھی انہی اصولوں کی روشنی میں ہوگا ہم جس آیت کو جس جس مقام پر اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کریں گے، اس کی تفسیر اپنی طرف سے

نہیں کریں گے بلکہ اس کام کے لیے قرآن کریم اور احادیث نبی کریم ﷺ اور ارشادات صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم و اقوال ائمہ مفسرین نقل کریں گے۔

تفسیر بالرائے

علم تفسیر کے بارے میں جو چیز سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئی وہ تفسیر بالرائے ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و سلف کی روحیں لرزتی تھیں تفسیر بالرائے کا مطلب یہ نہیں کہ قرآنی مطالب میں عقل و بصیرت سے بالکل کام نہ لیا جائے تعقل و تفکر کی تو قرآن میں دعوت جابجا موجود ہے۔ تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں کہ سیاق وسباق اور قواعد عربیت سے صرف نظر کرتے ہوئے کسی آیت کا ایسا مفہوم و مطلب بیان کیا جائے جو دین کے مقرر کردہ اصولوں سے متصادم ہو یا کم از کم اس آیت کے بارے میں سلف کی متفقہ رائے کے مخالف ہو جیسا کہ فرق مرزائیہ اور منکرین حدیث اور اہل بدعت اور سرسید احمد خان اور آج کل کے نیچری لوگ کرتے ہیں۔ ہر زمانہ میں کچھ نہ کچھ ایسے لوگ موجود رہے ہیں جنہوں نے آیت کی من مانی تفسیریں کیں مراد خداوندی کو اپنی قیاس آرائیوں میں گم کرنا چاہا مگر دست قدرت نے سواد اعظم کے قلم سے ہمیشہ ایسے فتنوں کی مدافعت فرمائی ہے۔ آپ اس تفسیر میں بھی اس کا بخوبی مشاہدہ کریں گے۔

تفسیر بالرائے کی چند مشہور قسمیں:

اس کی چند مشہور قسمیں یہ ہیں جو شریعت اسلام میں ناجائز اور حرام ہیں۔

پہلی صورت : یہ ہے قرآن کی تفسیر کرنے والا ایسا شخص ہو جو اہلیت نہ رکھتا محض اپنی رائے اور من مانی سے تفسیر کرنا شروع کردے۔

دوسری صورت : یہ ہے کسی آیت کی تفسیر رحمت عالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کے اقوال اور افعال سے صراحۃً ثابت ہے، مگر وہ شخص اس کو نظرانداز کر کے محض اپنی عقل سے معنی بیان کرنا شروع کردے۔

تیسری صورت : کسی آیت کی تفسیر صحابہ اور تابعین سے کوئی صریح تفسیر منقول نہیں ان میں لغت اور زبان وادب کے اصول کو پامال کر کے تشریح بیان کرنا شروع کردے۔

چوتھی صورت : جو شخص قرآن وسنت سے احکام مستنبط کرنے کے لئے اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور وہ اجتہاد کرنے لگ جائے۔

پانچویں صورت : قرآن کی متشابہات جن کی تشریح اور توضیح کا علم سو فیصد اللہ کو ہے ان کی تشریح اور توضیح جزم اور وثوق سے شروع کردے اور اس پر مصر ہو۔

چھٹی صورت : جہاں پر اللہ نے تفسیر کرنے میں عقل اور فکر کو اجازت دی ہے وہاں قطعی دلائل کو نظرانداز کر کے محض اپنے عقل سے تفسیر کرنا شروع کردے اور دوسرے مجتہدین کی آراء کو یقینی طور سے باطل قرار دے، اور اپنی ذاتی رائے کو یقینی طور سے درست کہے۔

ساتویں صورت : قرآن کی ایسی تفسیر کرے جس سے اسلام کے اجماعی مسلّم طے شدہ احکام مجروح ہونے لگیں یہ سب صورتیں تفسیر بالرائے کی ہیں حضور ﷺ نے ان سب قسموں کو اس حدیث پاک میں جمع فرمایا ہے : مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ جو شخص قرآن کریم کی تفسیر میں بغیر علم کے کوئی بات کہے بس چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

تفسیر بالرائے کی تشریح میں ملا علی قاریؒ مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں: "ای من تلقاء نفسه من غير تتبع اقوال الائمة من اهل اللغة والعربية المطابقة للقواعد الشرعية بل بحسب ما يقتضيه عقله وهو مما يتوقف على النقل بانه لا مجال للعقل فيه كاسباب النزول والناسخ والمنسوخ وما يتعلق بالقصص

والاحکام او بحسب مایقتضیه ظاهر النقل مما یتوقف علی العقل کالمتشابهات التی اخذ المجسمة بظواهرها واعرضوا عن استحالة ذلك فی العقول او بحسب مایقتضیه بعض العلوم الالهیة مع عدم معرفة بقیتها وبالعلوم الشرعیه فیما یحتاج لذلك"۔

تفسیر بالرائے یہ ہے کہ لغت وعربیت کے ائمہ کے اقوال جو قواعد شرعیہ کے موافق ہیں ان کو معلوم کئے بغیر اس طرح تفسیر کرے کہ:

❶ جو اپنی عقل کہتی ہے اس کو لیتا ہے حالانکہ وہ ایسی بات ہو سکتی ہے جس کا تعلق نقل سے ہو اور عقل کو اس میں مجال نہ ہو مثلاً اسباب نزول اور ناسخ ومنسوخ اور قصص واحکام سے متعلق مقام ہو۔

❷ یا نقل کے ظاہر کو لیتا ہے حالانکہ وہ امر عقلی قواعد پر موقوف ہو جیسا کہ مجسمہ نے متشابہات کے ظاہری معنی کو لیا اور ظاہری معنی کے محال عقلی ہونے کو نظر انداز کر دیا۔

❸ یا بعض علوم الٰہیہ کے مطابق بات کو لیا ہو حالانکہ اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے جن دیگر علوم الٰہیہ وعلوم شرعیہ کی ضرورت ہے ان سے وہ بے خبر ہے۔

تفسیر بالرائے کی تشریح میں ابن نقیب رحمۃ اللہ علیہ الاتقان فی علوم القرآن: ص: ۱۸۳، ج ۲ میں فرماتے ہیں: "قال ابن النقیب جملة ما تحصل فی معنی حدیث التفسیر بالرائے خمسة اقوال۔ احدها التفسیر من غیر حصول العلوم التی یجوز معها التفسیر۔ الثانی تفسیر المتشابه الذی لا یعلمه الا الله۔ الثالث التفسیر المقرر لمذهب الفاسد بأن یجعل المذهب اصلاً والتفسیر تابعاً فیرد الیه بای طریق امکن وان کان ضعیفاً۔ الرابع التفسیر بأن مراد الله کذا علی القطع من غیر دلیل۔ الخامس التفسیر بالاستحسان والهوی"۔

ابن نقیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کی پانچ صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: تفسیر کیلئے ضروری علوم کو حاصل کئے بغیر جو تفسیر کی جائے۔

دوسری صورت: وہ متشابہ کہ جس کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا اس کی تفسیر کرنا۔

تیسری صورت: وہ تفسیر جو کسی فاسد مذہب (وفکر) کو ثابت کرنے کیلئے ہو کہ اپنے فاسد مذہب اور فکر کو اصل بنایا جائے اور تفسیر کو تابع کیا جائے۔

چوتھی صورت: بغیر دلیل کے یہ کہنا کہ اس لفظ یا آیت سے اللہ تعالیٰ کی قطعی طور پر یہی مراد ہے۔

پانچویں صورت: ہوائے نفس کے ساتھ تفسیر کرنا۔

⓶ تفسیر میں گمراہی کے اسباب

کوئی شخص صرف عربی زبان جاننے سے قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتا جب تک کہ ماہرین سے قرآن کی تفسیر کا علم حاصل نہ کرے جس طرح ایک شخص انگریزی کے جاننے سے میڈیکل کے کتب کا مطالعہ کرنے سے ڈاکٹر نہیں بن سکتا نہ اسکو دنیا ڈاکٹر کہتی ہے جب تک ماہرین سے علم حاصل نہ کرے اسی طرح اگر کوئی شخص انجینئرنگ کے فنوں کی کتب کا مطالعہ کرنے سے انجینئر نہیں بن سکتا ہے جب تک کہ کسی ماہر سے تربیت حاصل نہ کرے تو اسی طرح محض عربی زبان جاننے سے آدمی قرآن کا مفسر نہیں بن سکتا جب تک کسی ماہر صاحب علم سے ایسے علوم حاصل نہ کرے جو قرآن کی تفسیر کے لئے ضروری ہیں آج کل گمراہی کے اسباب بھی یہی ہیں جو علوم تفسیر کے لیے ضروری ہیں ان کو حاصل کئے بغیر ہر شخص قرآن کی تفسیر کرنے کا دعویدار ہے۔

۲۸ شانِ نزول

اس میں متقدمین ومتاخرین کا اختلاف ہے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ سبب نزول کو عام معنی پر مستعمل کرتے تھے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جن چند امور پر آیت صادق آتی ہے ان میں سے بعض واقعات جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں یا بعد میں واقع ہوتے تھے اس کو سبب نزول کہہ دیتے تھے اور اس موقع پر جمیع قیود کا منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں تھا بلکہ اصل حکم کا منطبق ہونا کافی تھا۔ اور کبھی ایک حادثہ جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں واقع ہوا اور آپ ﷺ نے اس کا حکم اس آیت سے مستنبط کر کے وہاں اس آیت کو پڑھ لیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو بھی سبب نزول کہتے تھے گو اس حادثہ سے بیشتر یہ آیت نازل ہو چکی تھی اور کبھی اس صورت میں صحابہ یہ بھی کہتے تھے کہ اس حادثہ میں اللہ نے یہ آیت نازل کی اور یہ اس لئے ایسے امر میں آنحضرت ﷺ کے دل میں اس آیت نازل شدہ کا القاء کرنا بھی ایک قسم کی وحی اور نزول ہے اور ایسے مواقع پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہے۔

اور کبھی محدثین اس موقع کو (کہ جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آیت کو مناظرہ میں سند پکڑا تھا یا انہوں نے اس کو آیت کی مثال میں ذکر کیا تھا یا آنحضرت ﷺ نے وہاں اپنی کلام شریف میں آیت کے بطور استشہاد پڑھا تھا) شان نزول کہہ دیتے ہیں اور درحقیقت یہ سبب نزول نہیں بس ان امور کا احاطہ کرنا مفسر کے لئے کچھ ضروری نہیں بلکہ درحقیقت سبب نزول وہ آیت کا یا سورۃ کا بندوں کی حاجت اور ضرورت ہے کیونکہ مقصود اصلی نزول قرآن سے نفوس بشریہ کی تہذیب اور عقائد باطلہ کا بطلان اور اعمال فاسدہ کی نفی ہے۔ پس لوگوں میں عقائد باطلہ کا پایا جانا آیات مخاصمہ کے نزول کا سبب ہے اور اعمال فاسدہ کا پایا جانا اور باہم معاملات کا پیش آنا آیات احکام کے نزول کا سبب ہے، اور لوگوں کا نڈر رہنا، یا اس کی رحمت سے ناامید ہونا آیات تذکیر بایام اللہ والآء اللہ کے نزول کا سبب ہے۔

الغرض مفسر کو دو باتوں کا اہتمام ضروری ہے۔ ❶ اول یہ کہ جن آیات میں اس قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور جو قصص متفرق جگہ پر مختلف عنوانات سے مذکور ہیں اور وہاں ان کے معلوم کیئے بغیر پورا مطلب قرآن کا سمجھ میں نہیں آتا تو ان حوادث وقصص کو مختصر طور پر بروایت صحیحہ بیان کردے۔ ❷ دوم جہاں تخصیص عام وغیرہ تصرفات قصص میں ہیں وہاں ان کی تشریح کردے تا کہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجائے اور آیات احکام میں احکام کو وضاحت کے ساتھ بیان کردے اور آیات تذکیر بالآء وقائع حشریہ ہیں ان کی صورت بیان کردے۔

۲۹ ناسخ ومنسوخ کا پہچاننا

واضح ہو کہ نسخ کے معنی لغت میں کسی شئ کا کسی شئ کے ساتھ مٹنا ہے پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ وقس معاً تو اس معنی لغوی کے لحاظ سے نسخ کا بہت سے معانی پر اطلاق کرتے تھے۔ اول: یہ کہ ایک آیت کا وصف دوسری آیت سے انتہائے عمل میں بدل جائے۔ دوم: معنی متبادر چھوڑ کر دوسری آیت سے معنی غیر متبادر مراد لئے جائیں۔ سوم: کسی قید کو اتفاقی بیان کیا جائے۔ چہارم: عام کو خاص بنادیا جائے۔ پنجم: منصوص میں اور جس کو اس پر ظاہراً قیاس کیا گیا ہے کوئی فرق بیان کردیا جائے۔ ششم: جاہلیت کی رسم کو مٹایا جائے۔ ہفتم پہلی شریعت کو اٹھادیا جائے، پس ان عام معانی کے لحاظ سے نسخ کا اطلاق بہت سی آیات پر ہوسکتا ہے اس لئے علماء نے پانچ سو آیات کو منسوخ شمار کیا ہے لیکن متاخرین نے جب نسخ کے معنی پر خوب غور کیا تو خاص اول معنی کو باقی رکھا پس اس اعتبار سے آیات منسوخہ بہت ہی کم ہیں محققین کے نزدیک کل پانچ آیات منسوخ ہیں۔

❶ سورۂ بقرہ میں آیت "كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ...الخ" اس آیت میں وصیت فرض تھی

جب آیت میراث نازل ہوئی تو یہ حکم اٹھ گیا اور آیت میراث جو اس کی ناسخ ہے وہ یہ ہے "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۔۔۔الخ اور حدیث "لاوصية لوارث" اس کی مبین ہے۔ ❷ ۔۔۔"وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ" اس آیت میں ایک سال بھر کی عدت فرض تھی یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہو گئی "اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا" اس آیت میں حکم آ گیا کہ جس عورت کا خاوند مرجائے صرف چار مہینے دس دن تک عدت میں رہے۔

❸ ۔۔۔سورۃ انفال میں یہ آیت "اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ۔ (آیت۔۶۵)

اس آیت میں ابتدائے اسلام کا ذکر ہے کہ اپنے سے دس گنا لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنا لازمی تھا پھر بعد کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بوجھ ہلکا کر دیا کہ اگر تم میں سے سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب ہونے والے ہوں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر غالب آئیں گے۔

❹ ۔۔۔سورۃ احزاب کی آیت "لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ ۔۔۔الخ (کہ جس میں آنحضرت ﷺ کو سوائے موجودہ بیویوں کے اور نکاح کرنا منع تھا) منسوخ ہو گئی اس سے پہلی آیت اس کی ناسخ ہے اور وہ بعض کہتے ہیں اس آیت سے "اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ"۔ ❺ ۔۔۔سورۃ مجادلہ میں سے یہ آیت "اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ ۔۔۔الخ منسوخ ہے اس کے بعد آیت سے اس آیت میں یہ حکم تھا کہ جب کوئی رسول سے سرگوشی کرے تو پہلے کچھ صدقہ دے پھر یہ حکم جاتا رہا ان آیات کے علاوہ کوئی آیت منسوخ نہیں بلکہ عام کی تخصیص وغیرہ قیودات کا فرق ہے کہ جس کو نسخ نہیں کہہ سکتے۔ اکثر مفسرین نے نسخ کی تین صورتیں ذکر کی ہیں، جن کا بیان سورۃ البقرہ آیت: ۱۰۶ کے ذیل میں دیکھیں۔

⓺⓪ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا آپس میں تناسخ کے اقسام

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا آپس میں بھی تناسخ واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں واقع ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ❶ ۔۔۔اول نسخ الکتاب بالسنۃ جیسا کہ یہ آیت "لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ ۔۔۔الخ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوخ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو خبر دی ہے کہ خدا نے ان کو جس قدر عورتیں چاہیں مباح کر دیں (رواہ عبدالرزاق والنسائی واحمد والترمذی وحاکم اقول فیہ نظر) اس لئے کہ اس آیت کی ناسخ اس سے پہلی آیت ہے۔ ❷ ۔۔۔دوم نسخ السنۃ بالکتاب جیسا کہ بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنا سنت سے ثابت تھا اس کو قرآن کی اس آیت نے منسوخ کر دیا "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" اور کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ (مقدمہ تفسیر حقانی)

⓺⓵ علم محاورات

یہ سب سے مشکل فن ہے اپنی زبان کے محاورات پر بخوبی مطلع ہونا۔ چہ جائے کہ غیر کی زبان کے محاورات دیکھے عرب میں حجاز کی زبان اور اس پر قریش کے زبان زد محاورات کہ جن کو قرآن نے ادا کیا ہے عرب کے نزدیک عجب لطف رکھتے تھے حتی المقدور مفسر کو ان محاورات کا جاننا از بس ضروری ہے جو محاورات نہیں جانتے وہ مطلب فہمی میں بڑی دقت اٹھاتے ہیں اب چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں جو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

❶ ۔۔۔"مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا" کہ زمین پر کوئی ایسا چلنے والا جاندار نہیں کہ جس کی پیشانی خدا نے نہ پکڑ رکھی ہو۔ بظاہر ناصیہ، پکڑنا ہر دابہ کا سمجھ میں نہیں آتا مگر جو یہ جانے گا کہ 'ناصیہ' پکڑنا محاورہ عرب میں 'قبضہ' کرنا ہے تو اس کے نزدیک کچھ دقت نہیں کیونکہ ہر دابہ خدا کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ❷ ۔۔۔"قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ" جو محاورہ نہیں جانتا وہ یوں ترجمہ کرے

کا، مارا گیا آدمی اس کو کس چیز نے کافر کر دیا، مگر جو محاورہ دان "قُتِلَ" کو جملہ دعائیہ اور "مَآ اَكْفَرَهٗ" کو فعل تعجب جانتا ہوگا تو وہ یوں کہے گا، مارا جائے آدمی کیا ہی ناشکر ہے۔

۳ ... "تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ" کے بھی یہی معنی سمجھنا چاہئیں یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں جیسا کہ اردو میں کہتے ہیں فلاں کو خدا غارت کرے بڑا ہی قرآن کا دشمن ہے۔ ۴ ... "فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ" اس سے یہ مراد نہیں کہ درحقیقت کسی کے مرنے پر آسمان وزمین روتے ہیں بلکہ آسمان وزمین کا رونا عرب میں محاورہ ہے افسوس وحسرت کے لئے یعنی کسی نے ان کی بداطواری کی وجہ سے ان کے مرجانے پر کچھ افسوس اور رنج ظاہر نہ کیا۔ فتأمل۔

۵ ... اور یہ بھی محاورہ ہے کہ خطاب کے صیغے لائے جائیں اور ان سے کوئی شخص خاص مقصود نہ ہو بلکہ عام مراد ہو۔

۶ ... اور یہ بھی کہ کبھی ایسے امر کو جس کے دلائل متفکر کے نزدیک ظاہر ہوتے ہیں بمنزلہ محسوس کے قرار دے کر لوگوں کو مخاطب بنایا جاتا ہے "اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا"۔ ۷ ... اور اسی طرح کبھی کنایہ کے طور پر معنی مراد کو صورت محسوس میں لاتے ہیں "وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ" شیطان کو چوروں کے سردار کے ساتھ تشبیہ دے کر سوار و پیدل کا دوڑانا بیان کیا۔ ۸ ... "اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا ... وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا" خدا نے سچ مچ کی دیوار کفار کے آگے پیچھے کھڑی نہ کر دی تھی نہ کوئی لوہے کا طوق ان کی گردن میں ڈالا تھا بلکہ ان کی ظلمت کفر واعراض کو دیوار وطوق سے تشبیہ دی ہے۔

۹ ... "وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ" یہ مراد نہیں کہ ان کے دل گلوں میں آ گئے تھے بلکہ شدت خوف میں عرب کا یہ محاورہ ہے جس طرح ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ ناک میں دم آ گیا۔ ۱۰ ... "وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ" یہاں یہ مراد نہیں کہ بازو یا ہاتھ سمیٹ کر بیٹھ، بلکہ یہ محاورہ ہے اس معنی میں کہ خاطر جمع رکھ۔

۱۱ ... اور کبھی مخاطب کے ادعاء کو چھوڑ کر اصل مقصود میں کلام کیا کرتے ہیں جس کو "الکلام علی مجارات الخصم"، کہتے ہیں جیسا کہ "لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" جن غلط معبودوں کو وہ الٰہ کہتے ہیں ان کو ان کے ادعاء پر اسی لفظ سے تعبیر کر کے ان کی الوہیت باطل کی، ہماری زبان میں جیسے کوئی سیادت کا ادعا کرے اور مخاطب اس کو بھی تلفظ سید خطاب کرے اس سے یہ مقصود نہیں کہ اس نے اس کی سیادت تسلیم کر لی۔

۱۲ ... اور جملہ خبریہ کو نہ اخبار کی غرض سے بلکہ تمسخر کی راہ سے تکذیب کے لئے بیان کیا کرتے ہیں "انك لانت العليم الرشيد وذق انك عزيز كريم" جیسا ہماری زبان میں کہتے ہیں آپ بڑے اچھے آدمی ہیں یا آپ مرشد ہیں یعنی بڑے اور چالاک یا کہتے ہیں بہت خوب یعنی ہرگز نہیں جو لوگ ان محاورات سے واقف نہیں وہ اپنی نادانی سے قرآن کے ان مزیدار فقروں پر اعتراض کرتے ہیں۔

فائدہ: قرآن مجید میں اگرچہ مخاطب بالذات وہی لوگ ہیں جو اس وقت موجود تھے مگر علم الٰہی میں جو چیز آئندہ آنے والی ہے وہ بھی موجود ہے اس لئے آئندہ آنے والی نسلیں قیامت تک مخاطب ہیں اور گو اکثر مقام پر مذکر کے صیغے بولے گئے ہیں مگر عورتیں بھی مراد ہیں۔ اور اسی طرح کو کسی آیت کا شان نزول کوئی خاص حادثہ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کسی خاص شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہو لیکن جب تک تخصیص کے قرائن نہ پائے جائیں گے اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا خصوصیات مورد کو نہیں دیکھا جائے گا پس احکام الٰہی میں

عرب وعجم، امیر وفقیر، غلام وآقا سب برابر ہیں۔ (مقدمہ تفسیر حقانی)

۶۲ چند قابل گرفت اردو تراجم و تفاسیر

① مولانا شیخ حسن علی پنجابی۔ ② ڈپٹی نذیر احمد دھلوی۔ ③ مرزا حیرت دھلوی۔ ④ محمد علی قادیانی۔ ⑤ سر سید احمد خان دھلوی ⑥ حکیم محمد احسن امروہی مرزائی۔ ⑦ کنز الایمان احمد رضا خان بریلوی۔

(۱) سر سید احمد خان زندیق اور ملحد شخص تھا۔ (۲) مولانا ابو لکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن۔

مولانا ابو الکلام آزاد کو اوہام پرستی نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔۔۔۔۔ اخیر اُصراط مستقیم سے ورے ورے شاہراہ عمل پر گامزن کر دیا۔ دیکھیں (یتیمۃ البیان فی شئ من القرآن)

عنایت اللہ مشرقی کی تفسیر (التذکرۃ) تفسیر ماجدی مولانا عبد الماجد دریا آبادی۔ مصنف عقائد میں بھی تصلب اور مضبوطی نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے اس تفسیر پر کھلا اطمینان نہیں رکھنا چاہیئے۔

تفہیم القرآن مودودی صاحب مصنف دینی علوم میں رسوخ وکمال نہیں رکھتے تھے۔ موصوف کے لئے دائمی جہالت اور شرمندگی کے داغ نمایاں ہیں۔ جو ان کتب تصنیفات کا لازمی جز ہے وغیرہ۔ (دیکھیں یتیمۃ البیان تالیف حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اردو ترجمہ حضرت سلیمان بنوری ص:۱۱) تفسیر جواہر القرآن تالیف سجاد بخاری منسوب مولانا غلام اللہ خان صاحب، چنانچہ سجاد بخاری صاحب تفسیر جواہر القرآن کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ: آئندہ صفحات میں تفسیر جواہر القرآن کے نام سے قرآنی معارف اور تفسیری فوائد کا جو بیش بہا خزینہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے وہ قدوۃ السالکین، رئیس المفسرین حضرت الشیخ مولانا حسین علی قدس سرہ المتوفی ۱۳۶۲ھ کے تفسیری نکات پر مشتمل ہے جن کی ترتیب وتدوین کا کام حضرت کے تلمیذ خاص شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب نے احقر الانام کے ذمہ لگایا اور قدم قدم پر رہنمائی فرماتے رہے۔ (جواہر القرآن: ص۔۵) سجاد بخاری صاحب کی اس تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ تفسیر جواہر القرآن حضرت شیخ القرآن کی تالیف نہیں ہے کہ اس کو حرف بہ حرف حضرت شیخ کی طرف منسوب کیا جائے بلکہ سجاد بخاری صاحب کی عبارت سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر جواہر القرآن کا کام صرف سجاد بخاری صاحب نے ہی کیا ہے، بلکہ میاں محمد الیاس صاحب جو حضرت شیخ القرآن کے سوانح نگار ہیں وہ تفسیر جواہر القرآن کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا موصوف (یعنی حضرت شیخ القرآن) نے اپنا سارا تصنیفی اور تحریری کام مولانا سید بخاری سے کروایا۔ (مقدمہ تسہیل بلغۃ الحیران: ص ۵۱۲: مطبوعہ اشاعۃ اکیڈمی پشاور) اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ تفسیر جواہر القرآن کے مؤلف حضرت شیخ القرآن نہیں ہیں بلکہ سجاد بخاری صاحب ہیں اس لئے کہ وہ آخر تک ان میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں اور بقول ان کے خود شیخ القرآن تفسیر جواہر القرآن سے مطمئن نہ تھے۔ (دیکھیں ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی نومبر ۱۹۸۱ بحوالہ ماہنامہ نغمہ توحید گجرات: ج:۴: شمارہ ۳ ص ۵۶ : ماہ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ ستمبر ۱۹۹۲ء)

سجاد بخاری صاحب مقدمہ تفسیر جواہر القرآن: ص:۱ پر تفسیر جواہر القرآن کے متعلق لکھتے ہیں کہ نظر ثانی وترتیب جدید سید ابو احمد سجاد بخاری، اس سے بھی ثابت ہوا کہ انہوں نے خود اس تفسیر میں تبدیلیاں اور ترتیب جدید کا اہتمام کیا ہے۔ نیز یہ بات یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ ہم نے تفسیر معارف الفرقان میں جواہر القرآن کے حوالہ سے جو حوالہ جات پیش کئے ہیں ان کی نسبت مولانا غلام اللہ خان صاحب کی طرف کی ہے چونکہ تفسیر جواہر القرآن انہیں کے نام سے منسوب ہے، اور گذشتہ حوالہ جات کی روشنی میں تفسیر جواہر القرآن کے مرتب کے مضطرب ہونے کی وجہ سے حیثیت مشکوک بنادی گئی ہے اس لئے ہمارے مخاطب سجاد بخاری صاحب ہی ہوں گے۔

مولانا عبدالشکور ترمذیؒ ؛ہدایۃ الحیران فی رد تفسیر جواہر القرآن :ص ۱۷۳، ۱۷۴، میں لکھتے ہیں جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ اس تفسیر میں اکثر وبیشتر وہ عقائد ونظریات موجود ہیں جو معتزلہ کے ہیں جب کہ مصنف معتبر علمائے اہل سنت کی طرف منسوب ہیں عوام الناس جب اس تفسیر کو پڑھیں گے تو وہ ان عقائد ونظریات کے بارے میں یہی سمجھیں گے کہ علماء دیوبند اہل سنت والجماعت کے بھی عقائد ہیں جو اس تفسیر میں موجود ہیں اس لئے اس تفسیر سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

رہبروں کا بھیس بدلے رہزن تھے تاک میں　　　　کاروان لٹنے سے پہلے راز افشا ہو گیا

۰۳ چند قابل قدر عربی اردو تفاسیر

۱ تفسیر ابوسعود۔ ۲ تفسیر البحر المحیط۔ ۳ تفسیر کبیر علامہ رازیؒ۔ ۴ احکام القرآن قرطبی۔ ۵ تفسیر مظہری۔ ۶ روح المعانی ۷ ابن کثیر۔ ۸ ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دھلوی مع فوائد۔ ۹ ترجمہ شیخ الہند مع تفسیر عثمانی۔ ۱۰ تفسیر معارف القرآن مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن ادریس کاندھلویؒ۔ ۱۱ حضرت تھانوی کی تفسیر بیان القرآن۔ ۱۲ اور موجودہ دور میں آسان اور عام فہم تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی۔ اور استاذ محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ کے دروس جو حضرت کی زندگی میں ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن کے نام سے شائع ہونا شروع ہوئے تھے۔ الحمد للہ اب اسکی کئی جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ جو مبتدی کے لئے قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے اساسی اور بنیادی درجہ رکھتی ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے تمام اکابر کے فیوضات کو قیامت کی صبح تک قائم ودائم رکھے۔

۰۴ تعارف حضرات مفسرین از طبقہ علمائے تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ

۱ حضرت مجاہد رحمہ اللہ ان کی کنیت ابوالحجاج ہے والد کا نام جبر یا جُبیر ہے ولادت ۲۱ھ ہے انہوں نے رئیس المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ تفسیر پڑھی ہے یہ اگرچہ تابعین میں سے ہیں مگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ان کی قدر کرتے تھے اور ان پر رشک کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی سواری کی رکاب کو پکڑ کر فرمایا کاش! کہ میرا بیٹا سالم اور میرا غلام نافع حافظہ میں تم جیسے ہو جائیں آپ کی وفات سجدہ کی حالت میں ۱۰۳ھ کو ہوئی۔

۲ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے استفادہ کیا ہے جن میں سے عبادلہ ثلاثہ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی ہیں عبادت میں معروف ہیں رات کو نماز میں کثرت سے رونے کی بناء پر آپ کی بینائی میں نقص آ گیا تھا خلیفہ عبدالملک بن مروان کی فرمائش پر انہوں نے ایک تفسیر لکھی تھی جس کو خلیفہ نے شاہی خزانہ میں محفوظ کرا دیا تھا، ان کی مرسل روایات بھی قابل اعتماد ہیں۔ یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے عطاء رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ کی مراسیل کی بنسبت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی مرسلات زیادہ پسند ہیں اور آپ رحمہ اللہ کو ۹۴ھ میں حجاج بن یوسف نے شہید کر دیا، جس کا واقعہ معروف ہے۔

۳ عکرمہ رحمہ اللہ آپ عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو انتہائی محنت سے تعلیم دی یہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے چالیس سال طالب علمی میں گزارے ہیں، حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تابعین میں چار آدمی سب سے زیادہ عالم تھے عطا رحمہ اللہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، عکرمہ رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے علم حاصل کیا ہے جن میں حضرت علی، حضرت حسن بن علی، حضرت ابوہریرہ، حضرت معاویہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے کبار صحابہ شامل ہیں۔

فائدہ: بعض محدثین نے عکرمہ رحمہ اللہ پر کچھ اعتراضات کئے ہیں جن کی وجہ سے بعض مستشرقین نے یہ تاثر لیا ہے کہ عکرمہ رحمہ اللہ

کی تفسیری روایات ناقابل اعتماد ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے مقدمہ فتح الباری میں اس مسئلہ پر کافی وشافی بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو اعتراضات وارد کئے جاتے ہیں ان کا مدار تین اعتراضات پر ہے پھر ان تینوں کا جواب دیا ہے۔

اعتراض ① عکرمہ رحمۃ اللہ حکام سے انعام وصول کر لیتے تھے حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کی بناء پر ان کی روایات کو رد کر دیا جائے۔ اعتراض ② کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف بعض غلط باتیں منسوب کر دی ہیں۔ تو اس اعتراض کا منشاء ایک غلط فہمی ہے وہ یہ کہ انہوں نے ایک حدیث دو آدمیوں سے سنی ہوتی تھی ایک موقع پر وہ ایک شخص سے روایت کرتے پھر کوئی اسی حدیث کے بارے میں سوال کرتا تو دوسرے شخص سے روایت کر دیتے اس سے بعض لوگ یہ سمجھے کہ عکرمہ رحمۃ اللہ حدیث گھڑتے ہیں حالانکہ دونوں مرتبہ ان کی روایت درست تھی۔

اعتراض ③ کہ عکرمہ رحمۃ اللہ عقیدۃً خارجی تھے۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ الزام کسی قابل اعتماد ذریعہ سے ثابت نہیں ہوا اور اس اعتراض کا منشاء یہ ہوا کہ انہوں نے بعض فقہی مسائل میں ایسا مسلک اختیار کیا جو خارجیوں کے مطابق تھا اسلئے بعض لوگوں نے آپ کو خارجیوں کی طرف منسوب کر دیا، لہٰذا تحقیقی بات یہی ہے کہ عکرمہ رحمۃ اللہ کی روایات قابل قبول ہیں یہی وجہ ہے کہ جو محدثین نقد رجال میں بہت سخت ہیں مثلاً امام بخاری رحمۃ اللہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ انہوں نے بھی ان سے بلاخوف وخطر روایات لی ہیں، اور اپنی کتب میں ذکر کی ہیں۔

④ حضرت طاؤس : رحمۃ اللہ علیہ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن اور والد کا نام کیسان ہے انہوں نے عبادلہ ثلاثہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے علم حاصل کیا تھا یہ علم کے ساتھ عبادت میں بھی بہت مشہور تھے، علامہ نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی جلالت قدر اور فضیلت وفور علم، صلاح وتقویٰ، قوت حافظہ، اور احتیاط پر علماء کا اتفاق ہے، انہوں نے چالیس حج کئے ہیں ۱۰۵ھ منیٰ یا مزدلفہ میں ان کا انتقال ہوا ان کے جنازے میں حکام سے لے کر علماء تک ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ نے ان کا جنازہ مسلسل اپنے کندھے پر اٹھائے رکھا، حتیٰ کہ ان کی ٹوپی گر گئی اور چادر پھٹ گئی۔

⑤ حضرت عطاء بن ابی رباح: رحمۃ اللہ علیہ ان کی کنیت ابومحمد ہے دینی علوم کی کتابوں میں جب صرف عطاء کا نام آتا ہے تو اس سے مراد اکثر یہی ہوتے ہیں انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین سے علم حاصل کیا اور خاص طور پر علم فقہ میں بہت مشہور ہوئے، اور عبادت میں نہایت معروف تھے ابن جریج رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ بیس سال تک مسجد کا فرش ان کا بستر رہا، البتہ ان کی جو مراسیل روایات ہیں ان کے متعلق امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ سب سے کمزور مراسیل ہیں اور وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی۔

⑥ حضرت سعید بن المسیب: رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے عبادت کا یہ حال تھا کہ چالیس سال تک کوئی اذان ایسی نہیں ہوئی کہ جو انہوں نے مسجد میں نہ سنی ہو، چالیس مرتبہ حج کیا ہے کبھی کسی امیر کا انعام قبول نہیں کیا خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے تیسرے سال میں آپ کی ولادت ہوئی اس لئے انہوں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے احادیث سنی ہیں اور ان کی مرسل احادیث عندالاحناف مطلقاً قابل اعتماد ہیں اس لئے کہ یہ ہمیشہ ثقہ راویوں سے ہی روایات نقل کرتے تھے آپ کی سن وفات کے بارے میں ۹۱ھ سے لے کر ۱۰۵ھ تک مختلف اقوال ہیں۔

⑦ حضرت محمد بن سیرین : رحمۃ اللہ علیہ ان کے والد حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور آپ کی والدہ بی بی صفیہ

حضرت صدیق اکبر ؓ کی آزاد کردہ باندی تھیں آپ کا تقویٰ اور ورع ضرب المثل ہے حضرت انس ؓ کی وصیت تھی کہ مجھے بعد الوفات غسل محمد بن سیرین دے اور آپ بالاتفاق تفسیر، حدیث، فقہ کے امام ہیں۔ آپ کی وفات بصرہ میں ۹: شوال ۱۱۰ھ کو ہوئی۔

⑧ حضرت زید بن اسلم ؒ یہ ابن عمر ؓ کے آزاد کردہ غلام تھے متعدد صحابہ ؓ سے روایت کرتے ہیں علم تفسیر کے بڑے عالم تھے اور بالاتفاق ثقہ ہیں، آپ کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی۔ حضرت ابو حازم ؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت زید بن اسلم ؒ کی مجلس میں چالیس فقہاء کے ساتھ رہتے تھے البتہ ان کی تفسیری روایات جو ان کے بیٹے عبدالرحمٰن سے مروی ہیں وہ پوری طرح قابل اعتماد نہیں عبدالرحمٰن کو محدثین نے اس کے تقویٰ کے باوجود ضعیف کہا ہے۔

⑨ ابو العالیہ ؒ ان کا نام رفیع بن مہران الریاحی ہے آنحضرت ﷺ کی وفات کے دو سال بعد مسلمان ہوئے حضرت علی ؓ اور ابن مسعود ؓ جیسے کبار صحابہ سے روایت کرتے ہیں ابن عباس ؓ ان کو چارپائی پر اپنے ساتھ بٹھاتے تھے ان کے ثقہ ہونے پر علماء کا اتفاق ہے ۹۳ھ میں وفات پائی۔

⑩ حضرت عروہ بن الزبیر ؒ مدینہ طیبہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے ہیں، حضرت عائشہ ؓ کے بھانجے ہیں بالاتفاق ثقہ ہیں، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور روزہ ہی کی حالت میں ۹۴ھ میں وفات پائی۔

⑪ حضرت حسن بصری ؒ آپ کی کنیت ابو سعید ہے والد کا نام یسار ہے آپ کی والدہ حضرت خیرہ حضرت ام سلمہ ؓ کی آزاد کردہ باندی تھیں اس لئے انہوں نے کبھی کبھی حضرت ام سلمہ ؓ کا دودھ بھی پیا ہے آپ کی عبادت و زہد پر ملفوظات مشہور ہیں آپ کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔

⑫ حضرت قتادہ ؒ کنیت ابو الخطاب اور والد کا نام دعامہ ہے آپ پیدائشی نابینا تھے اس کے باوجود زبردست قوت حافظہ رکھتے تھے اور یہ خود فرماتے ہیں کہ میرے کانوں نے کوئی ایسی بات نہیں سنی جسے میرے دل نے یاد نہ کر لیا ہو، البتہ بعض اوقات روایات میں تدلیس کرتے تھے آپ کی وفات ۱۱۸ھ کو طاعون کی وباء سے واسط شہر میں ہوئی۔

⑬ حضرت محمد بن کعب القرظی ؒ یہ نبی ﷺ کی حیات ہی میں پیدا ہو چکے تھے انہوں نے دیگر کبار صحابہ ؓ کے علاوہ حضرت علی ؓ اور ابن مسعود ؓ اور ابن عمر ؓ اور ابن عباس ؓ سے بھی روایات نقل کی، ہیں علامہ نووی ؒ فرماتے ہیں کہ ان کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے مدینہ طیبہ میں ۱۰۸ھ اور ۱۲۰ھ کے درمیان وفات پائی۔

⑭ حضرت علقمہ ؒ آپ کی کنیت ابو شبل اور والد کا نام قیس ہے فقیہ الوقت حضرت ابن مسعود ؓ کے خاص شاگرد تھے بالاتفاق ثقہ ہیں آپ نے ایک قرآن کریم کا نسخہ اور ایک گھوڑا ورثہ میں چھوڑا اور خاص طور پر علم فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے آپ کی وفات کے بارے میں ۶۲ھ سے لے کر ۷۳ھ تک مختلف اقوال ملتے ہیں۔

⑮ حضرت اسود ؒ ان کی کنیت ابو عمرو والد کا نام یزید ہے یہ بھی ابن مسعود ؓ کے خاص شاگرد ہیں حضرت علقمہ ؒ کے بھتیجے ہیں اور ابراہیم نخعی ؒ کے ماموں ہیں اور بالاتفاق ثقہ ہیں عبادت اور زہد میں بہت مشہور ہیں انہوں نے عمر میں اسی مرتبہ حج یا عمرہ کے لئے حرمین کا سفر کیا ہے رمضان شریف کے اندر دو راتوں میں اور رمضان کے علاوہ چھے راتوں میں ختم قرآن کرتے تھے ۷۵ھ کے لگ بھگ آپ کی وفات ہوئی۔

⑯ مرۃ الہمدانی ؒ کنیت ابو اسماعیل والد کا نام شراحیل ہے خلفائے ثلاثہ یعنی حضرت عمر ؓ عثمان ؓ اور علی ؓ سے بھی روایت کرتے ہیں لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے زیادہ علم حاصل کیا ہے عبادت کثرت سے کرتے تھے آپ کی یومیہ رکعات

کی تعداد بعض نے پانچ سو اور بعض نے چھ سو بتائی ہے ۹۰ھ میں وفات پائی ہے۔

⑰ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ ان کی کنیت ابو عبداللہ اور والد کا نام ہرمز یا کاؤس ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں دو حضرات کو سب سے زیادہ قابل اعتماد قرار دیا گیا ہے۔

① ایک سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ ② اور دوسرے ان کے غلام حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ بالاتفاق ثقہ ہیں ان کے متعلق خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نافع کے ذریعہ ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تیس سال خدمت کی ہے ۱۱۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

⑱ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا پورا نام ابو عمرو عامر بن شراحیل الشعبی ہے آپ کوفہ کے مشہور فقہائے تابعین میں سے ہیں تقریباً پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زیارت کی ہے حافظہ غیر معمولی طور پر قوی تھا آپ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص اساتذہ میں سے ہیں اور آپ کی جلالت قدر پر اتفاق ہے۔

⑲ حضرت ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ پورا نام ابو محمد عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ہے آپ نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے احادیث روایت کی ہیں خود فرماتے ہیں کہ میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملاقات کی ہے اور بالاتفاق امام اور ثقہ ہیں آپ کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی ہے۔

⑳ حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ آپ کا پورا نام ابوالولید عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی ہے آپ تبع تابعین میں سے ہیں حضرت عطاء کے ساتھ سترہ سال رہے حضرت عطاء سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہم کس سے مسائل پوچھا کریں تو حضرت عطاء نے آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اگر یہ نوجوان زندہ رہے تو ان سے، ہر ماہ میں فقط تین دن روزہ کے بغیر رہتے تھے ورنہ پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے اور ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے علوم کی تدوین کی ہے ان کے بارے میں محققین کا یہ فیصلہ ہے کہ جو روایات انہوں نے صراحتہً "حدثنی" یا "اخبرنی" کے الفاظ سے نقل کی ہیں وہ تو ٹھیک ہیں البتہ جو روایات "عن" کے لفظ سے نقل کی ہیں وہ مشتبہ ہیں لیکن بحیثیت مجموعی آپ قابل اعتماد راوی ہیں چنانچہ صحاح ستہ میں آپ کی روایات بکثرت موجود ہیں۔

㉑ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ آپ کا پورا نام ابوالقاسم الضحاک بن مزاحم الہلالی ہے اور ان کا نام ضحاک اس لئے رکھا گیا ہے کہ آپ دو سال بطن مادر میں رہے جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے دانت نکل چکے تھے اور آپ ہنس رہے تھے اور ضحاک کے معنیٰ ہیں بہت ہنسنے والا صحیح قول کے مطابق ان کی کسی صحابی سے بھی ملاقات نہیں ہوئی اور اکثر علماء نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے البتہ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے مگر ان کی جرح کا منشاء یہ ہے کہ یہ براہ راست صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملاقات نہیں ہوئی ہے ورنہ یہ بذات خود ثقہ ہیں البتہ خود ان کے تفسیری اقوال قابل قبول ہیں ان کی وفات ۱۰۲ھ اور ۱۰۶ھ کے درمیان ہوئی ہے۔

⑮ قرون اولیٰ کے ضعفاء یا مختلف فیہ مفسرین

① سدی کبیر: ان کا پورا نام یہ ہے ابو محمد اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمہ اور کتب تفسیر میں جب صرف لفظ سدی آتا ہے تو اس سے مراد عموماً یہی ہوتے ہیں ان کو تفسیر قرآن کی درس و تدریس کا خاص ذوق تھا البتہ علم تفسیر اور روایات کے معاملہ میں ان کے قابل اعتماد ہونے اور نہ ہونے کے متعلق دو قسم کی رائے ہے۔ بعض محدثین نے ان کی توثیق کی ہے جن میں سے یحییٰ بن سعید

القطان رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ بھی ہیں اور بہت سارے علماء نے ان پر جرح فرمائی ہے جن میں سے امام شعبی رحمہ اللہ اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ اور امام عقیلی رحمہ اللہ دیگر حضرات ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں ساری بحث کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ یہ صدوق ہیں مگر ان کو روایات میں وہم ہوتا ہے اور ان پر شیعہ ہونے کا الزام بھی ہے اور محدثین کی اصطلاح میں صدوق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو جھوٹا تو نہ ہو لیکن اس کا حافظہ بھی معیاری نہ ہو لہٰذا ان کی صحیح حیثیت یہ ہے کہ یہ قوت حافظہ کے اعتبار سے محدثین کے معیار پر پورا نہیں اترتے لیکن امام جوزجانی رحمہ اللہ کے علاوہ ان کو کذاب کسی نے نہیں کہا ان کی وفات ۱۲۷ھ کو ہوئی ہے۔

❷ سدی صغیر ان کا نام محمد بن مروان ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے عبدالرحمٰن بن زید کے آزاد کردہ غلام تھے ان کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے ان کے متعلق "لیس بثقة" سے لے کر "وکان یضع الحدیث" تک الفاظ منقول ہیں۔

❸ مقاتل: مقاتل نام کے دو صاحب مشہور ہیں۔ ① مقاتل بن حیان: ان کی کنیت ابوبسطام ہے راجح قول کے مطابق یہ ثقہ ہیں لیکن تفسیری کتب میں ان کا حوالہ کم آتا ہے۔ ② مقاتل بن سلیمان: (متوفی ۱۵۰ھ) ان کی کنیت ابوالحسن ہے ان کے اقوال و روایات کتب تفسیر میں زیادہ ہیں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام شعبہ رحمہ اللہ کے علاوہ اکثر محدثین نے ان کو ناقابل اعتبار بتایا ہے ان کے متعلق "لیس بثقة" اور "متروك الحدیث" اور "لیس بالقوی" اور "لاشئی البتة" اور "کذاب" کے الفاظ منقول ہیں، نیز ان پر یہ اعتراض بھی ہے کہ یہ فرقہ مجسمہ میں سے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہ قرار دیتے تھے۔

سوال: جب ان پر اتنی شدید جرح اور تنقید ہے تو پھر کتب تفسیر میں ان کے اقوال کثرت کے ساتھ کیوں نقل کئے جاتے ہیں؟

جواب: اگرچہ روایات حدیث میں ان پر بھروسہ نہیں ہے لیکن ان کی معلومات وسیع تھیں اور ان کی زندگی کا بڑا مشغلہ تفسیر ہی تھا اور اس بارے میں مختلف طریقوں سے معلومات جمع کی تھیں اس لئے ان کی تفسیر میں بعض کام کی باتیں بھی نکل آتی ہیں اس لئے ان کی معلومات مفسرین ذکر کر دیتے ہیں تاکہ محقق علماء ان میں کوئی صحیح اور مفید بات پائیں تو قبول کرلیں ورنہ رد کر دیں۔

❹ ربیع بن انس رحمہ اللہ ان کا نام ربیع بن انس البکری الحنفی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں خلاصہ یہ ذکر کیا ہے کہ "صدوق له اوهام، رمی بالتشیع" وہ سچ بولتے ہیں مگر ایک تو ان کو روایات میں وہم ہوجاتا ہے دوسرے ان پر تشیع کا الزام ہے۔

❺ عطیہ العوفی رحمہ اللہ اس کا پورا نام ابوالحسن عطیہ بن سعد بن جنادہ ہے یہ تابعی ہے اور ان کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے ان کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں صدوق مگر غلطیاں بہت کرتے ہیں شیعہ تھے اور مدلس تھے ان کی وفات ۱۱۱ھ کو ہے۔

❻ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم۔ ان کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے اور ان کے بارے میں بھی فیصلہ ہے کہ یہ ضعیف ہیں اور علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے ضعف پر اجماع ہے امام ابن خذیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا اصل کام عبادت اور زہد ہے مگر روایت حدیث میں مستحق ترک ہیں۔

❽ کلبی۔ ان کا پورا نام ابوالنضر محمد بن السائب بن بشر بن عمرو بن عبدالحارث ہے کوفہ کے باشندہ تھے ۱۴۶ھ کو وفات پائی علم تاریخ اور انساب اور تفسیر میں مشہور ہیں علماء ان کے ناقابل اعتبار ہونے پر متفق ہیں صرف امام ابن عدی رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ بعض ثقہ لوگوں نے گوارا کیا ہے البتہ حدیث میں ان کی روایات منکر ہیں ان پر سب سے سنگین الزام یہ ہے کہ یہ جھوٹی روایات بیان کیا کرتا تھا۔ اور ان پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ غالی قسم کا شیعہ تھا اور یہ خود اپنے آپ کو سبائی کہتا تھا اور یہ کہا کرتا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات نہیں ہوئی اور اس وقت بادلوں میں ہیں اور قرب قیامت اتریں گے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ

کتابوں میں ان کا ذکر کرنا درست نہیں تو ان سے استدلال کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟۔(ماخوذ از علوم القرآن)

۲۶ ہدایۃ القاری

قال ابن عباس رضی اللہ عنہ لابد للقاری من اربعۃ اشیاء۔۔۔ الخ

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قرآن کریم کے پڑھنے والے کے لئے چار چیزوں کا التزام ضروری ہے۔ ❶ اخلاص نیت۔ ❷ خشوع وخضوع۔ ❸ طہارۃ ظاہرہ وباطنہ۔ ❹ علم اور عمل کے اضافہ اور زیادتی کے لئے اللہ سے دعا مانگنا۔

اسباب نزول قرآن کریم

اسباب نزول تین ہیں۔ ❶ طریق اصلاح عقائد باطلہ۔ ❷ طریق اصلاح اعمال فاسدہ۔ ❸ طریق اصلاح غفلۃ عن اللہ۔

مقصد قرآن کریم: اصلاح المعاد باصلاح امور ثلاثۂ مذکورہ۔

خلاصہ قرآن کریم: تعلیم العبدیت اور تعارف الالوہیت۔

❶ تشریح طریق اصلاح عقائد باطلہ: عقائد باطلہ کی اصلاح دلائل سے ہوگی اور دلائل جمع ہے دلیل کی دلیل کہتے ہیں جس سے دعویٰ ثابت کیا جائے، دعویٰ یا موضوع سورۃ اس سورۃ کا مرکزی مضمون ہوتا ہے جس کے گرد مکمل سورۃ کا مضمون گھومتا ہے جسکی وجہ سے وہ سورۃ دوسری تمام سورتوں سے ممتاز نظر آتی ہے۔ قرآن کریم میں اکثر وبیشتر چار مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

❶ توحید: جیسے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ"۔ ❷ اثبات رسالت خاتم الانبیاء ﷺ جیسے "وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا۔۔۔ الخ۔ ❸ صداقت قرآن: جیسے۔۔۔ "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ ۔۔۔ الخ

❹ اثبات قیامت: اس کو بعث بعد الموت بھی کہتے ہیں جیسے "كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی" جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اسی طرح مردوں کو بھی زندہ کریگا۔

عقائد باطلہ کی اصلاح کے لئے ابتداً تین قسم کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔

❶ دلیل عقلی تحقیقی: اس کا مطلب یہ ہے کہ فریق مخالف محض عقل سے دعویٰ سمجھ سکتا ہو اور عقل اس کو سمجھنے پر مجبور کردے۔

"کما قال تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔۔۔ الخ (بقرہ ۲۱)

ترجمہ: اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے (اس) پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس آیت میں "اعْبُدُوْا ۔۔۔ الخ دعویٰ ہے آگے "الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ۔۔۔ الخ سے دلائل عقلیہ کا ذکر ہے جو اس بات پر دال ہیں کہ جو ذات ان تمام مذکورہ تصرفات پر قادر ہے وہی ذات صرف عبادت کے لائق ہے۔

❷ دلیل عقلی الزامی: اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو فریق مخالف سے استفہام کے طور پر بیان کیا جائے اور اس کے تسلیمی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب بیان کیا جائے اس کو دوسرے لفظوں میں طریق مناظرہ اور علم الخاصمہ بھی کہتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۔۔۔ الخ (سورۃ یونس۔ آیت ۳۱)

ترجمہ: آپ (ﷺ ان مشرکین سے) کہہ دیجئے کہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا (یہ بتلاؤ) وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو جاندار (چیز) کو بیجان (چیز) سے نکالتا ہے اور بے جان چیز کو جاندار سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے (ان سے یہ سوالات کیجئے) بس وہ ضرور جواب میں کہیں گے کہ ان سب افعال کا فاعل اللہ ہے۔

③ دلیل نقلی: اس کا مطلب یہ ہے کہ جس سے دعویٰ ثابت کرنے کے لئے نقل پیش کی جائے اور وہ تین قسم پر ہے۔

① دلیل نقلی از کتب سابقہ: کما قال تعالیٰ "وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا" (بنی اسرائیل آیت ۲) ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توراۃ) دی اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا کہ تم میرے سوا اپنا کوئی کارساز مت قرار دو۔

② دلیل نقلی از اہل کتاب: کما قال تعالیٰ: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ۔ (البقرہ۔۱۲۱)

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ و انجیل) دی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔

③ دلیل نقلی از وحی خاتم الانبیاء ﷺ کما قال تعالیٰ: قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ۔۔۔ الخ (سورۃ المؤمن آیت۔۶۶)

ترجمہ: آپ (ان مشرکوں کو سنانے کیلئے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کردی گئی ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کو اللہ کے علاوہ پکارتے ہو جبکہ میرے پاس رب کی نشانیاں آچکیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا کہ میں (صرف) رب العالمین کے سامنے سر جھکالوں۔

فائدہ: ① قرآن کریم میں دعویٰ توحید کو ثابت کرنے کے لئے مذکورہ دلائل کو بیان کیا گیا ہے تا کہ فریق مخالف کو انکار کی گنجائش باقی نہ رہے دلیل عقلی اس لئے بیان کی گئی ہے تا کہ ثابت ہو جائے کہ دعویٰ توحید عین عقل کے مطابق ہے۔ اور دلیل نقلی اس لئے بیان کی گئی ہے تا کہ ثابت ہو جائے کہ دعویٰ توحید بیان کرنے میں صرف آنحضرت ﷺ کیلئے نہیں بلکہ آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام نے اس مسئلہ کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے اور دلیل وحی اس لئے بیان کی گئی ہے تا کہ مخالفین کے اعتراضات کا سد باب ہو جائے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ ضروری صرف توحید کا مسئلہ بیان کرنا تھا اور بھی تو مسائل تھے تو اس کا جواب دیا کہ یہ حکم خداوندی ہے اور تعمیل حکم میں کامیابی ہے۔

فائدہ: ② سراج الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی اصطلاح میں طریق اصلاح عقائد باطلہ کا نام علم المخاصمہ ہے مخاصمہ کا لغوی معنی جھگڑا کرنے کو کہتے ہیں اس کے اصطلاحی معنی شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرماتے ہیں: "علم المخاصمة اعنى ان النفوس السفلية اذا تولدت بينها شبهات تدافع بها الحق كيف يحل تلك العقد.

ترجمہ: علم مخاصمت یعنی وہ علم جس میں یہ بتایا جائے کہ جب نالائق لوگوں میں ایسے شبہات پیدا ہو جائیں جن سے امر حق میں تردد واقع ہو تو اس کو کس طرح سے دور کیا جائے۔ اور ان نالائق لوگوں سے مراد فرق اربعہ یعنی مشرکین، یہود، نصاریٰ، منافقین ہیں۔

پھر علم المخاصمہ کی دو قسمیں ہیں:

① پہلی قسم یہ ہے کہ باطل عقائد و نظریات کے حاملین کے عقائد و نظریات کو واضح لفظوں میں بیان کیا جائے پھر ان

کی صراحتاً قباحت بیان کی جائے اور ان سے نفرت کا اظہار کیا جائے۔ جیسے سورۃ کہف آیت ۴۔۵ میں ہے "قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا" یہ مخالفین کا باطل نظریہ وعقیدہ تھا تو "مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ الخ" سے ان کے باطل نظریہ کا بطلان اور رد ہے۔

❷ اور دوسری قسم یہ ہے کہ مخالفین کے شیطانی شبہات کو ذکر کیا جائے اور دلائل کے ذریعے ان کے جوابات ذکر کئے جائیں۔ جیسے سورۃ زخرف آیت ۲۰ میں ہے قَالُوا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ۔

شیطانی شبہ: یہ کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم کو دوسری چیزوں کی پرستش سے روک دیتا جب ہمیں نہیں روکا تو ثابت ہوا کہ یہ کام بہتر ہے اور اسکو پسند ہے؟ جواب شبہ: یہ ہے کہ یہ تو ٹھیک ہے بغیر اللہ کے چاہنے کے کچھ نہیں ہوسکتا لیکن اس چیز کا تمہارے حق میں بہتر ہونا اس سے نہیں نکلتا۔ مشیت اور رضا میں لزوم ثابت کرنا کوئی علمی اصول نہیں یہ محض اٹکل پچو کے تیر ہیں۔ کیونکہ چاہت میں اختیار ہوتا ہے اور رضا میں اختیار نہیں ہوتا۔

فائدہ: احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے منکرین کے شکوک وشبہات دور کرنے کے لئے یا کسی بھی خاص موضوع پر گفتگو کرنی ہو تو اس کا نام علم مخاصمہ اور علم مناظرہ ہے اس کا ثبوت قرآن کریم کی سینکڑوں آیات سے ملتا ہے سردست قرآن کریم کے صرف تین حوالہ یاد رکھیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ نمرود کے ساتھ ہوا جو اس زمانے میں اپنے آپ کو رب کہلانے کا دعویٰ کرتا تھا جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کے تیسرے پارے آیت: ۲۵۸: میں موجود ہے، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات اور بتوں کی الوہیت کی نفی پر اپنی بت پرست مشرک قوم سے مناظرہ کیا جس کی تفصیل پارہ: ۱۷: سورۃ انبیاء آیت: ۵۲: سے شروع ہے، اور اسی طرح سورۃ آل عمران کے شروع میں تقریباً ساٹھ یا باسٹھ آیات میں آنحضرت ﷺ کا وفد نجران سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی نفی پر مناظرہ ہوا وفد نجران اپنے مؤقف میں ناکام ثابت ہوا۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے مناظرے کیے اسی طرح گذشتہ ادوار سے لیکر اب تک ہر اہل باطل کے ساتھ مناظرہ کا سلسلہ جاری رہا ہے اور قیامت تک احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے جاری رہے گا اس لئے حضرت شاہ صاحب نے اپنی مایہ ناز تصنیف الفوز الکبیر میں قرآن کریم کے بنیادی اصول وقواعد میں علم المخاصمہ کا اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور فن مناظرہ پر متعدد کتب تصنیف کی گئی ہیں جن سے علم مناظرہ کے اصول وقواعد پر خوب آگاہی ملتی ہے، اور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی کی کتاب "الانتباہات المفیدہ" بھی اس فن میں بے حد مفید ہے۔

بعض حضرات یہ اشکال کرتے ہیں کہ فقہاء کرام نے مناظرہ کو مکروہ لکھا ہے اور بعض نے حرام تک بھی لکھا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مکروہ ہونا یا حرام ہونا اس وقت ہے جب کہ فریق مخالف کو صرف مغلوب کرنا مقصود ہو یا اظہار علم مطلوب ہو یا مال ومتاع اور لوگوں میں اپنی شہرت مقصود ہو تو یہ حرام ہے، اور اگر ان مقاصد میں سے کوئی مقصد نہ ہو بلکہ مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا، آخرت کی سعادت عوام الناس کو غلط عقائد سے بچانا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں "الدر المختار للحصکفی: ص: ۴۰۹: ج۹: کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء"۔

اور بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ مناظرہ کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ کوئی مانتا نہیں بلکہ اس کا الٹا نقصان ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ باطل سے مناظرہ کرنے کا مقصد منوانا اور ہدایت دینا نہیں ہوتا بلکہ حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے اور عوام الناس کو مطمئن کرنے کے لیے کہ ہمارے عقائد ونظریات کی بنیاد قرآن وسنت کے عین مطابق ہے تاکہ عوام الناس کا دین اور ایمان محفوظ رہے اور اہل باطل کے شبہات سے مغلوب نہ رہیں، آنحضرت ﷺ کا مناظرہ، مباہلہ جب وفد نجران سے ہوا تو انہوں

نے بھی آنحضرت ﷺ کی بات کو نہیں مانا تھا، اسی طرح جب ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو لاجواب کر دیا تو انہوں نے ماننے کی بجائے کہا "حرقوہ وانصروا الھتکم" اور اسی طرح نمرود بھی لاجواب ہو کر اپنی ضد پر ہمیشہ قائم رہا، جب اہل باطل سے مناظرہ کیا جاتا ہے تو بہت سارے لوگوں کے شبہات دور بھی ہوتے ہیں مناظر کا کام احقاق حق صحیح معنی میں خیر خواہی کے ساتھ پہنچانا ہوتا ہے منوانا اور ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جیسے عام مبلغ بھی اپنے وعظ و نصائح کے ذریعے حق کی طرف دعوت دیتا ہے اور مناظر بھی احقاق حق کی دعوت دیتا ہے مگر اس کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ دلائل کے ساتھ باطل کے شبہات کو دور کرتا ہے تو علم مناظرہ کا سیکھنا اور آگے سکھانا اور مناظرہ کرنا شریعت اسلام کے عین مطابق ہے نہ یہ کہ کوئی خلاف شرع امر ہے۔

مناظر فریق مخالف کی چالوں پر نظر رکھے

اخلاص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے مناظرہ کرے، مخالفین کو کبھی کمزور نہ سمجھیں بلکہ مخالف کے جواب کے لیے بھرپور تیاری رکھے مخالفین کا کام ہمیشہ فریب کاری، عوام الناس کو مغالطہ آمیزی میں مبتلاء کرنے کی کوشش کرنا ہوتا ہے مناظر کو چاہئے کہ مخالف کی چال بازیوں پر بھی خوب نظر رکھے۔ امام المناظرین حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی نے اپنا واقعہ سنایا کہ بہاولنگر کی طرف عبد اللہ روپڑی کے ساتھ مناظرہ تھا اس نے ایک حدیث پیش کی میں نے اس کے ایک راوی پر جرح کی تو روپڑی صاحب جرح کے دوران قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو گیا، میں جرح کے اقوال پیش کرتا وہ کہتا اللہ میری توبہ، اللہ میری توبہ یہ اس راوی کو اتنا برا کہہ رہا ہے وہ عوام الناس کو تاثر دے رہا تھا کہ امین ایک محدث کے بارے میں اتنی بڑی بدگوئی کر رہا ہے۔ میں بھی اس کی چالبازی کو سمجھ گیا تو میں نے بھی قبلہ رخ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا شروع کر دی کہ اے اللہ! روپڑی سے توبہ کرانا میرا کام تھا، اس کی دعا کو قبول کرنا تیرا کام ہے، وہ فوراً بیٹھ گیا۔ (اصول مناظرہ)

۲ **تشریح طریق اصلاح اعمال فاسدہ** : یعنی حلال و حرام کی تفصیل اور بیان مامورات و منہیات حضرت شاہ صاحب کی اصطلاح میں اس کا نام علم الاحکام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں پیدائش سے لے کر یعنی طہارت کے مسئلہ سے لے کر میراث و وصیت کے مسئلہ تک کا ذکر کیا ہے اس مجموعہ کا نام شریعت ہے ان احکامات کی افادیت اور اہمیت کی بنیاد پر انہیں بالترتیب فرض، واجب، مستحب قرار دیا گیا اور جو چیزیں انسان کی طبیعت یا روحانیت کے لئے مضر تھیں انہیں درجہ بدرجہ حرام، مکروہ تحریمی یعنی جو حرام کے قریب ہے اور مکروہ تنزیہی یعنی جو حلال کے قریب ہے اور جو چیزیں بالذات نقصان دہ نہیں تھیں انہیں مباح قرار دیا گیا۔ "کماقال تعالیٰ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا" الخ (مائدہ۔۲) یہ مباح کی مثال ہے۔ پھر یہ احکام شریعت دو قسم پر ہیں۔

۱ **نظری** : جن کا تعلق ہاتھ، پاؤں کے ساتھ نہیں بلکہ ان کا تعلق دل کے اعتقاد و یقین کے ساتھ ہے تمام اعتقادیات اس میں داخل ہیں۔ ۲ **عملی** : جن اعمال کے کرنے میں اعضاء کا بھی تعلق ہے، جیسے عبادات وغیرہ۔

پھر یہ احکام عملیہ دو قسم پر ہیں:

۱ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں، جیسے زبان سے شہادتین کا اقرار، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد وغیرہ۔

۲ وہ احکام جو بندوں کے ساتھ مخصوص اور متعلق ہیں۔ پھر ان کی تین قسمیں ہیں۔

۱ **تہذیب اخلاق** : اس سے مراد وہ احکامات ہیں جو ایک ہی شخص کے حالات و معاملات کی درستگی سے متعلق ہیں، جیسے چوری نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، حسد اور کینہ سے باز رہنا، خوش اخلاقی سے پیش آنا، لوگوں کی زیادتیوں کو برداشت کرنا، توکل و قناعت سے زندگی بسر کرنا، عدل و انصاف کو اپنی زندگی کا شیوہ بنانا وغیرہ۔

❷ تدبیر منزل : اس سے مراد وہ احکام ہیں جو ایک گھر کی معاشرت اور انتظام سے تعلق رکھتے ہیں جیسے باپ بیٹے سے کس طرح پیش آئے؟ میاں بیوی کیسے زندگی بسر کریں؟ نکاح، بیع، شراء، قرض وامانت وغیرہ کے معاملات میں فریق ثانی سے کیسے برتاؤ کیا جائے؟ ❸ سیاست مدنیہ :اس سے مراد وہ احکام ہیں جو شہر اور ملک کے متعلق ہوں یعنی چور، ڈاکو، اور نقص امن کرنے کی کیا سزا ہے؟ غاصب کے ساتھ یوں کرنا چاہئے؟ اپنے بادشاہ اور امیر کی اطاعت اس طرح کی جاتی ہے؟ پس حکمت نظری وحکمت عملی بتمام وکمال قرآن پاک میں مذکور ہے۔ طہارت ظاہری و باطنی حدود وقصاص میراث وطلاق کے متعلق کوئی بات قرآن نے نہیں چھوڑی اور اس طرح جو چیزیں ناپاک اور نجس طبعی تھیں ان کی حرمت اور پاک صاف چیزوں کی حلت بیان کردی ہے۔

④ تشریح طریق اصلاح غفلۃ عن اللہ :اس کے دو طریق ہیں۔

❶ انذار (تخویف)۔ ❷ تبشیر۔ پھر یہ انذار (تخویف) دو قسم پر ہے۔ ❶ دنیوی۔ ❷ اخروی۔

① انذار دنیوی :جس میں امم سابقہ کی ہلاکت کا ذکر ہوگا۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ ... الخ (مریم ۹۸) ترجمہ: اور ہم نے ان سے قبل بہت سے گروہوں کو (عذاب وقہر سے) ہلاک کردیا (سو) آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان کی کوئی آواز سنتے ہیں؟

② انذار اخروی :"کما قال تعالیٰ ﴿وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾ ... الخ (مریم۔۸۶)

ترجمہ: اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔

فائدہ: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اصطلاح میں انذار دنیوی کا نام علم التذکیر بایام اللہ ہے۔ اس کی دو شقیں ہیں: (۱) یعنی احکام الٰہی کی تعمیل کرانے کیلئے گرفت خداوندی سے ڈرایا جاتا ہے اور مجرمین کو سزا دینے کا ذکر فرمایا ہے۔ (۲) اور فرمانبرداروں پر عنایات وانعامات کی بارش کے واقعات کا علم۔ ہم اس کی شق اول کو کبھی تخویف دنیوی سے بھی تعبیر کریں گے۔ اور شق ثانی کو تبشیر دنیوی سے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اصطلاح میں انذار اخروی کا نام علم التذکیر بمابعد الموت ہے یعنی حشر نشر، حساب ومیزان اور جنت ودوزخ کے ذریعے یاددہانی ونصیحت کرنے کا علم، تاکہ دنیا سے دل سرد ہوکر خدا سے خوف ومحبت پیدا ہو، اور نافرمانی سے طبیعت رک کر تعمیل فرمان پر کمربستہ ہوجائے اور ہم کبھی اس کو تخویف اخروی سے تعبیر کریں گے۔

تبشیر دو قسم پر ہے۔ ❶ دنیوی۔ ❷ اخروی۔

❶ تبشیر دنیوی :جس میں اس امت مرحومہ پر انعامات الٰہیہ دنیویہ کا ذکر ہے۔ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾: (سورۃ نصر آیت ۱) ترجمہ: اے محمد ﷺ جب خدا کی مدد اور (مکہ کی) فتح آپہنچی۔

❷ تبشیر اخروی: یعنی جس میں انعامات اخرویہ کا ذکر ہو۔ کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾۔ (کہف آیت ۱۰۷)

ترجمہ: بےشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ان کی مہمانی کیلئے فردوس (یعنی بہشت کے باغ) ہوں گے۔

فائدہ: ان دونوں کا نام علم التذکیر بآلاء اللہ ہے یعنی احسانات وعنایات ربانی کی یاددہانی کے ذریعے قلوب میں اطاعت کا میلان وجذبہ پیدا کرنا اور آسمان وزمین کی تخلیق اور فریق مخالف کے مناسب (حال) چیزوں کے انعامات کی وضاحت اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا علم۔

قرآن کریم کا اسلوب بیان

قرآن کریم کا انداز خطاب کبھی تو مشفقانہ ہوگا اور کبھی حاکمانہ اور کبھی حکیمانہ جس طرح باپ بیٹے کو سمجھانے میں نرمی کرتا ہے اور اس قدر اس کے ذہن نشینی کرتا ہے کہ نقش برسنگ ہو جائے اور جب تک اس کی سمجھ میں نہ آجائے مختلف طرق وامثلہ سے مقصود کو دہرایا جاتا ہے اور اس کے سمجھنے میں جو چیز رکاوٹ بن رہی ہے اس کو دفع کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالی نے بھی ہر بات کو مختلف طرق وامثلہ سے واضح فرمایا ہے۔

شکایات منکرین

یہ علم المخاصمہ کی دوسری قسم ہے اس میں کبھی تو منکرین کی شکایات کا بیان ہوگا جس کی ابتداء اکثر قول سے ہوگی اور کبھی شکوہ کے ساتھ جواب شکوہ بھی مذکور ہوگا۔ کما قال تعالی وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ ۔۔الخ (سورۃ الملک آیت ۲۵،۲۶)

ترجمہ: (شکوہ) اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ (جواب شکوہ) کہہ دو اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے۔

تنبیہ وتادیب

اور کبھی تنبیہ وتادیب کا ذکر ہوگا بطور تعلیم کے یہ تین قسم پر ہے۔

❶ انبیاء علیہم السلام: جیسے اللہ تعالی نے نوح علیہ السلام سے فرمایا "فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ"۔ (سورۃ الھود ۴۶) ترجمہ: اے نوح (علیہ السلام) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق مت پوچھو میں تجھے نصیحت کرتا ہوں تا کہ نا سمجھ لوگوں میں نہ ہو جائے۔

تنبیہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم: کے متعلق ارشاد فرمایا "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ"۔ (سورۃ التوبہ۔ ۴۳)

ترجمہ: اللہ تعالی تجھے معاف فرمادے آپ نے انہیں کیوں اجازت دی۔ بعض نے اس کو تادیب وتنبیہ پر حمل کیا ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ" بطور محاورہ کے ذکر کیا گیا ہے تادیب وتنبیہ مقصود نہیں اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی بلکہ جلالت شان ظاہر ہوتی ہے کہ ایسے معمولی فروگذاشت پر تنبیہ ہوئی نیز جس کو کمال تک پہنچانا مقصود ہو اس کی ہر حرکت وسکون پر دارو گیر کی جاتی ہے۔

❷ تنبیہ وتادیب مؤمنین: "هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ" (سورۃ آل عمران ۱۱۹)

ترجمہ: سن لو تم ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں۔ ❸ تنبیہ منکرین: "اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى"۔ (العلق ۹۔۱۰)

ترجمہ: کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے ایک بندہ کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔

تسلی

جب مخالفین ومعاندین بات نہ مانیں تو طبعی طور پر تکلیف ہوتی ہے تو رحمت خداوندی دستگیری فرماتی ہے اور مضبوطی قلب واطمینان کے لئے یوں تسلی دیتی ہے برائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا "وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ" (الفاطر۔ ۴)

ترجمہ: اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بھی کئی رسول جھٹلائے گئے۔ اور کبھی تسلی برائے مؤمنین ہوتی ہے جیسے فرمایا

"اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ... الخ" (آل عمران۔۱۴۰)

ترجمہ: اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو انہیں بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔

ربط آیات

اس مسئلے میں بھی علمائے تفسیر کے درمیان قدرے اختلاف پایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات درر منثورہ ہیں یا منظومہ جو علمائے کرام درر منثورہ (یعنی بکھرے ہوئے موتی) ہونے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات بینات حسب حاجت نجماً نجماً مثل شاہی فرامین کے نازل ہوئی ہیں لہٰذا ان میں ربط کو ضروری قرار دینا لا حاصل ہے ہاں ایک قصہ کی آیات آپس میں ضرور مرتبط ہوتی ہیں۔ جو علمائے تفسیر ربط کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہر قائل کا کلام بار بط ہوتا ہے تو حضرت سبحانہ کا کلام بے ربط کیسے ہو سکتا ہے اور یہ حضرات تمام آیات وسور میں ربط دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ (هٰكذا فی روح المعانی)

ربط کا معنی: ربط کا معنی تعلق اور مناسبت کے ہیں اور مناسبت کا معنی لغت میں مشاکلت اور مقاربت کے ہیں مقصد یہ ہوا کہ دو جملوں یا آیتوں کا باہمی تعلق معلوم کیا جائے ربط کبھی عام ہوتا اور کبھی خاص کبھی حسی اور کبھی عقلی اور کبھی محض تلازم ذہنی ہوتا ہے جیسا کہ سبب مسبب، علت ومعلول، نظیرین وضدین وغیرہ ذٰلک من العلاقات۔ الغرض ربط آیات ایک ذوقی چیز ہے جس کا صاحب ذوق لوگ خوب اہتمام کرتے ہیں جس طرح شیخ الاسلام حافظ الحدیث والقرآن حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے دورہ تفسیر کے دوران ہر سورت کا گذشتہ سورۃ کے ساتھ پانچ ربط ہر رکوع کا گذشتہ رکوع کے ساتھ پانچ ربط اور آیات کا گذشتہ آیات کے ساتھ ربط کے ذریعے آیات قرآنی کو موتیوں کی لڑی میں پرو دیتے تھے، حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کے دورہ تفسیر میں شرکت کا موقع ملا حضرت کے دورہ تفسیر کے اثرات در و دیوار سے ظاہر ہوتے تھے۔ (سبحان اللہ)

بیان ربط کا فائدہ: یہ ہے کہ اجزاء کلام کے باہمی ارتباط سے کلام میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ دیوار کے مختلف اجزاء کو مربوط کرنے سے دیوار مستحکم ہو جاتی ہے اس تمہید کے بعد آپ اس قاعدہ کو یاد رکھیں گے تو مناسبت و ربط کا اصول آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ ایک آیت کے بعد دوسری آیت کو دیکھئے اگر وہ پہلی آیت کا تکملہ و تتمہ ہے حکم یا قصہ یا استدلال کے لحاظ سے تو اس کی مناسبت ظاہر ہے اگر دونوں آیتیں ایک دوسرے کی تفسیر یا تشریح یا بدل پیش کرتی ہیں تو بھی مناسبت ظاہر ہے ہاں اگر دونوں جملے بذات خود مستقل ہیں تو اب دیکھنا چاہئے کہ ایک جملہ کا دوسرے حروف پر مشترکہ عطف کے ساتھ عطف کیا گیا ہے یا نہیں؟ اگر عطف کیا گیا تو ضرور معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان کوئی نہ کوئی وجہ عطف پائی جائے گی جسے آسانی کیساتھ تلاش کیا جاسکتا ہے اور اگر دونوں میں عطف نہیں تو ضرور کوئی نہ کوئی ربط ان روابط میں سے ہوگا۔ (اصطلاحات القرآن، ص:۸ سوحضرت بہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور نیز یاد رکھیں کہ وہ تعلق مندرجہ ذیل تعلق و روابط میں سے کوئی نہ کوئی ربط اور تعلق ہوگا اور اس کی چار قسمیں ہیں:

❶ تنظیر۔ یعنی ایک شیٔ کو دوسری شیٔ کے لیے نظیر بنانا، چنانچہ عقلاء کی یہ شان ہے کہ وہ ایک نظیر کو دوسری نظیر سے لاحق کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ انفال میں ہے "كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ"۔ (آیت ۵) اور اس سے پہلی آیت میں ہے "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" ظاہراً ان دونوں آیات میں ربط نظر نہیں آتا مگر تنظیر کی بنیاد پر دونوں آیات آپس میں مرتبط ہیں وہ اس طرح کہ پہلی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ اللہ کے حکم کے موافق مال غنیمت تقسیم کریں، اور امور سیاسیہ میں کسی کی مخالفت اور طعن کی پرواہ نہ کریں کیونکہ امور مصلحت عوام کی سمجھ میں نہیں آتے، اس لئے آپ کو جیسے اللہ تعالیٰ

نے حکم دیا آپ اسی طرح حکم کی تعمیل کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنگ بدر کے لیے گھر سے نکلنے کا حکم دیا، اور بعض طبائع کو یہ بات ناگوار گذری تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے طبائع کے خلاف پرواہ نہ کی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پایہ تکمیل پہنچایا، تعمیل حکم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فتح اور کامیابی عطاء فرمائی تو اسی طرح یہاں بھی تعمیل حکم کی وجہ سے برکات کا ظہور ہوگا۔

❷ مضادت۔ یعنی ایک چیز کو ذکر کر کے پھر اس کی ضد کو بیان کرنا کیونکہ ضابطہ ہے "وبضدها تتبين الاشياء" اضداد کے بیان کرنے سے چیز کی حقیقت واضح ہوتی ہے جیسے سورۃ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ" اور اس سے پہلے ہے "فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" بظاہر ان آیات میں ربط معلوم نہیں ہوتا، مگر یہاں ربط پوشیدہ ہے اور وہ ربط تضاد ہے یعنی پہلے اہل ایمان کے اوصاف ونتائج کو بیان کیا ہے پھر اس کے بعد کفار کے ذکر کرنے سے مؤمنین کی حقیقت ظاہر ہوگئی۔

❸ استطرادی۔ یعنی ایک مضمون بیان ہو رہا ہے تو اس کی مناسبت سے دوسرا مضمون تبعاً بیان کر دینا پھر اصل مضمون کی طرف لوٹ آنا جیسے سورۃ اعراف میں حضرت آدم علیہ السلام کی داستان کو بیان فرمایا اس میں لباس وتقویٰ کا ذکر استطراداً وتبعاً بیان کیا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حوا علیہم السلام کے لباس وغیرہ کا ذکر کیا تو تبعاً اس مناسبت سے انسان کے ظاہری وباطنی لباس کا بھی ذکر کر دیا کیوں کہ ظاہری لباس انسان کی زینت ہے تو باطنی لباس تقویٰ بھی انسان کے لیے سب سے اعلیٰ زینت ہے۔

❹ حسن تخلص۔ یعنی ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونا یہ انتقال ایسا خوبصورت ہو کہ سننے والے کو انتقال مضمون کا احساس بھی نہ ہو جس سے دونوں مضامین کا اتحاد ظاہر ہوتا ہو، قرآن کریم میں بہت سے مقام پر یہی طرز بیان واقع ہے اور یہ ایک ایسی خوبی ہے کہ اس میں بڑے بڑے فصحاء وبلغاء حیران رہ گئے ہیں جیسے سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین اور امم سابقین کا تذکرہ فرمایا جس کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شروع ہوا ان کا اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو کوہ طور پر لے جانا، پھر ان کی دعا تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ میری رحمت تو ہر چیز کے لیے عام ہے مگر میرا عذاب بھی ہے جس کو چاہوں تو عذاب پہنچاؤں، اب اس جگہ اللہ تعالیٰ نے حسن تخلص فرمایا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کے مناقب وفضائل بیان کرنا شروع کر دیئے کہ اے موسیٰ! یہ رحمت خاصہ صرف آپ کی امت کا حصہ نہیں ہے بلکہ یہ تو آنے والے نبی کی امت کا بھی حصہ ہے جن کے اوصاف یہ ہیں دیکھیں سورۃ اعراف آیت ۱۵۶، ۱۵۷۔

پھر جس نبی کے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے صفات بیان کئے چونکہ اس کی اتباع میں کامیابی منحصر تھی اس لئے آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی نبوت ورسالت کا اعلان کریں چنانچہ سورۃ اعراف آیت ۱۵۸ میں اس کی تصریح موجود ہے، پھر اس کے بعد آیت ۱۵۹ میں پہلے مضمون کی طرف رجوع کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان کو شروع فرما دیا ہے، تو ربط قرآن کا یہ بھی کلام الٰہی کا خصوصی طرز بیان ہے جس میں عقول انسانی متحیر ہیں اور اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

⓬ قرآن کریم کی تمام سورتوں کا آپس میں اجمالی ربط

قرآن کریم انسان کی ظاہری وباطنی ترقی واصلاح کیلئے ایک جامع قانون ہے اس کی ہر سورت ہر قصہ وداستان میں عبادات، اعتقادات، معاملات اخلاقیات کے متعلق احکام ومسائل موجود ہیں۔ ان سب کی تفصیل تو اپنے اپنے مقام پر آئے گی مگر ہم صرف سورتوں کا اجمالی ربط پہلے بیان کر دیتے ہیں۔

① فاتحہ: یہ قرآن کریم کی پہلی سورۃ ہے اس میں خداوند کریم نے اپنے بندوں کو یہ سکھایا ہے کہ طلب ہدایت واصلاح کیلئے ہم سے اس طرح درخواست کرو۔ اور اجمالاً تین طبقات کا ذکر فرمایا ہے ۱۔ منعم علیہم۔ ۲۔ مغضوب علیہم۔ ۳۔ ضالین۔

② بقرہ : یہ فاتحہ کے بعد ہے اس میں اس درخواست کی منظوری ہے اور ہدایت کی کتاب کا عطا ہونا اور ہدایت کے اصول ومسائل کا بیان ہے۔

③ آل عمران : اس سورۃ میں گذشتہ سورۃ کے مضامین توحید، رسالت، جہاد، اور انفاق فی سبیل اللہ کی تفصیلات، منکرین توحید ورسالت نصاریٰ کے شبہات کے جوابات، اور مبدا ومعاد وآخرت کا بیان ہے نیکی وبدی کی جزا وسزا مذکور ہے جسکا اہل ہدایت کو جاننا ضروری ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کا بیان ہے، تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب ہے۔

④ نساء : سورۃ سابقہ کا خاتمہ مضمون تقویٰ پر ہوا ہے اس سورۃ کو اسی مضمون سے شروع کیا ہے اس میں محل تقویٰ میں ایک تو وہ معاملات ہیں جو مخالفین کے ساتھ واقع ہوتے ہیں دوسرے معاملات باہمی، تیسرے معاملات مابین اللہ والعبد۔

⑤ مائدہ : سورۃ نساء کا خاتمہ اس وعدہ پر ہے کہ ہم تم سے شرائع کو بیان کرتے ہیں اس سورۃ کو اس امر سے شروع کیا ہے کہ ہمارے بیان کردہ شرائع کی پوری طرح بجا آوری کرو یہ مناسبت تو دونوں سورتوں کے آغاز وانجام میں ہے باقی پوری سورتوں میں بھی اشتمال علی الشرائع سے ربط ظاہر ہے۔ اور اس سورۃ میں نفی شرک فعلی اور اعتقادی کے ساتھ یہود ونصاری کے شبہات اور ان سے مقاطعہ کا بیان ہے۔

⑥ انعام : سورۃ سابقہ کا خاتمہ ابطال شرک اور بیان توحید پر ہوا اس میں اثبات توحید ورسالت واصول شرائع مذکور ہیں اثبات توحید ورسالت کیلئے قصص ہیں اثبات قرآن، اثبات بعث کا بھی بیان ہے اسی سلسلہ میں ان مضامین کی تائید واثبات کے لئے منکرین کے عناد اور ان کی وعید، مکذبین کے حالات، ہلاکت مخالفین کے رسوم قبیحہ کا ذکر ہے دین حق کی تعیین ہے۔

⑦ اعراف : سورۃ سابقہ کا خاتمہ دین حق کی تعیین وترغیب وترہیب پر ہوا تھا اس سورۃ میں دین حق کی تبلیغ کا حکم ہے اور معاد ونبوت اور مشرکین کے عناد وفساد کا ذکر ہے۔

⑧ انفال : سورۃ سابقہ میں مشرکین کے جہل وفساد وعناد کا ذکر تھا، اس میں اس وبال کا بیان ہے جو اس جہل وعناد کی وجہ سے ان پر آیا اور اس کے متعلق احکام ہیں منکرین ومؤمنین دونوں کو تذکیر نعم ونقم سے بھی خطاب ہے۔

⑨ توبہ : انفال میں مشرکین کے عناد ووبال کا ذکر ہے اس میں اعلان نقض عہد اور محاجہ کفار بالسنان کا بیان ہے۔

⑩ یونس : سورۃ سابقہ میں محاجہ کفار بالسنان کا تذکرہ تھا اس میں محاجہ کفار باللسان کا بیان ہے اور ابطال شرک وبیان توحید ورسالت ہے اور دین حق کی طرف اشارہ ہے۔

⑪ ہود : اس میں دین حق کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور اس کے اظہار کا موجب اتمام حجت ہونا مذکور ہے آخر میں تسلیہ رسول کا وعدہ ہے۔

⑫ یوسف : سورۃ ہود میں جو تسلیہ کا وعدہ تھا یہ سورۃ اس کا ایفا ہے چونکہ کفار کے اقوال وافعال سے حضور ﷺ کو اذیت ہوتی تھی اور کفار اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتے تھے اس پر حضور ﷺ کو حزن وملال ہوتا تھا اس سورۃ میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے آپ کو تسلی دی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ مخالفین کی مخالفت سے اہل حق کو ضرر نہیں ہوتا آخر میں توحید، رسالت، وعدہ، وعید حقیقت قرآن کا بالاجمال ذکر ہے۔

⑬ رعد : اس میں سورۃ یوسف کے آخری مضامین کی تکمیل کی گئی ہے لیکن رسالت کا بیان اس میں بھی بالاجمال ہے حقیقت قرآن اور وعدہ، وعید کا بیان ہے۔

⑭ ابراہیم : اس میں مضمون رسالت کی تکمیل اور توحید ومعاد کا ذکر ہے۔

⑮ حجر : معاد کے بعد سزا وجزا کے بیان کی ضرورت تھی وہ اس سورۃ میں ہے اور توحید اور حقیقت قرآن وتسلیہ رسول ﷺ ہے۔

⑯ نحل : سورۃ سابقہ کا خاتمہ توحید اور عدم توحید کی وعید کے مضمون پر ہوا تھا اسمیں مضامین توحید ہیں۔
⑰ بنی اسرائیل : سورۃ سابقہ کے مضامین توحید کی اس میں تکمیل کی گئی ہے اور بعض واقعات ترغیب وترہیب کیلئے بیان کئے گئے ہیں۔
⑱ کہف : سورۃ سابقہ کا خاتمہ مضمون توحید پر ہوا تھا اس میں مضامین توحید کے ساتھ ابطال شرک وبیان رسالت وحقارت دنیا، جزاوسزا، ذم تکبر اور جدال وغیرہ ہیں۔
⑲ مریم : سورۃ کہف کا خاتمہ بیان توحید ورسالت پر ہے اس میں ان کا اثبات اور معاد کا بیان ہے۔
⑳ طٰہٰ : سورۃ مریم کے مضامین کی تکمیل اور ان کا بیان مدلل بطرز جدید ہے۔
㉑ انبیاء : اس میں توحید ونبوت اور معاد کی تحقیق ہے۔
㉒ حج : سورۃ سابقہ کا خاتمہ مضمون انذار پر ہوا تھا اس سورۃ کو اسی مضمون سے شروع کیا ہے نبوت کے متعلق شبہات کے جوابات کا ذکر، بعث وحساب، جنت ودوزخ وقیامت کا ذکر ہے۔
㉓ مؤمنون : سورۃ حج کا خاتمہ صلوٰۃ وزکوٰۃ کے بیان پر ہے اس میں ان کی تاکید وتفصیل ہے اور بیان آثار قدرت الٰہیہ، مکارم اخلاق وغیرہ کے مضامین ہیں۔
㉔ نور : سورۃ سابقہ کے آخر میں بیان تھا کہ خلق انسان میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس کو احکام کا مکلف کیا جائے اور آخرت میں جزاوسزا دی جائے اس سورۃ میں احکام عملیہ اور توحید ورسالت پر ایمان لانے کا بیان ہے اور مناقب مطیعین اور مقاصد عاصیاں (مجرمین کی برائیوں کا ذکر) ہے۔
㉕ فرقان : سورۃ سابقہ میں مطالب عاصیان تھے اس میں ذم شرک ومشرکین ہے اور رسالت کا بیان، اعمال فاضلہ ومعاد کا ذکر وجواب شبہات متعلق رسالت ہے۔
㉖ شعراء : رسالت وقرآن کی حقانیت، دلائل توحید، توبیخ منکرین۔
㉗ نمل : سورۃ سابقہ کا خاتمہ اثبات وحی ورسالت پر تھا اسمیں ان مضامین کی تکمیل ہے اور اثبات توحید ومعاد ہے۔
㉘ قصص : دلائل توحید تذکیر آخرت۔
㉙ عنکبوت : سورۃ سابقہ کا خاتمہ اس امر پر ہوا تھا کہ منکرین سعی کرتے ہیں کہ دین حق سے منحرف ہو جائیں اس سورۃ میں استقامت علی الدین کے متعلق احکام ہیں۔
㉚ روم : سورۃ سابقہ میں استقامت علی الدین کے موانع کے متعلق احکام تھے اس میں بعض واقعات ایسے بیان ہوئے ہیں جو اہل ایمان کی تقویت وفرحت کا باعث ہوں اور کفار کے تعنت وعناد کی تکذیب، اثبات توحید، اور بعض اعمال ومدح قرآن ہے۔
㉛ لقمان : سورۃ سابقہ کا خاتمہ مدح قرآن پر ہوا اس کو اسی مضمون سے شروع کیا ہے اور ذم شرک ذکر ومعاد اور لقمان کو حکمت عطاء ہونے کا ذکر ہے وہ حکمت کیا تھی؟ معرفت حق۔
㉜ سجدہ : کتاب حکمت کی حقیقت کا اثبات، تسلیہ رسول وتوبیخ منکرین وجواب مطاعن منکرین۔
㉝ احزاب : سورۃ سابقہ کا اختتام کفار کے اس طعن کے جواب پر تھا کہ وہ رسول کریم ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ جس فیصلے کو کہتے ہیں یعنی فیصلہ آخرت وہ کب ہوگا اور یہ اعتراض حقارت وتذلیل سے کرتے تھے اس سورۃ میں ان کے جواب میں حضور ﷺ کی منصوریت ومحبوبیت کا ذکر ہے۔
㉞ سباء : سورۃ سابقہ کا خاتمہ حمد الٰہی پر تھا اس کی ابتدا حمد سے ہے اور بیان توحید ورسالت وحقیقت قرآن وتسلیہ رسول

وترہیب کفار واثبات توحید۔

(۳۵) فاطر :سابقہ مضمون اثبات توحید کی تکمیل وابطال شرک وتسلیہ رسول۔

(۳۶) یٰسین :سورۃ سابقہ کا خاتمہ کفار کے استکبار وانکار نبوت پر ہوا تھا اس میں اثبات رسالت تسلیہ رسول اثبات توحید ہے۔

(۳۷) صافات :دلائل توحید وبعث ورسالت۔

(۳۸) ص :منکرین رسالت کی مذمت، اثبات رسالت، تسلیہ رسول توحید ومجازاۃ۔

(۳۹) زمر :اثبات توحید، ابطال شرک، مذمت مکذبین۔ (۴۰) مؤمن :توحید پر استدلال تہدید مجادلین فی الحق، تسلیہ رسول۔

(۴۱) حم سجدہ :توحید ورسالت وتسلیہ رسول ترغیب صبر وغیرہ حقیقت قرآن توبیخ منکرین۔ (۴۲) شوریٰ :توحید وابطال شرک بعث وجزاء، مذمت انہماک فی الدنیا، ترغیب طلب آخرت۔

(۴۳) زخرف :تحقیر دنیا تہدید منکرین، ابطال شرک اثبات وحی ورسالت۔

(۴۴) دخان :اثبات توحید ووعید منکرین۔ (۴۵) جاثیہ :توحید وثبوت ومعاد۔ (۴۶) احقاف :توحید ومعاد۔

(۴۷) محمد :سورۃ سابقہ کا اختتام ذم منکرین پر تھا اس سورۃ کی ابتداء اسی مضمون سے ہے۔

(۴۸) فتح :سورۃ سابقہ کے ختم میں بذل النفس واموال فی سبیل اللہ کی ترغیب تھی اس سورۃ میں اس بذل کے چند مواقع مذکور ہیں، واصلاح آفاق بالجہاد۔

(۴۹) حجرات :پہلی سورۃ میں اصلاح آفاق بالجہاد ہے اس میں اصلاح النفس بالارشاد ہے۔

(۵۰) ق :سورۃ سابقہ کا خاتمہ اشارہ وقوع مجازاۃ پر تھا اس میں بعث وجزا کا مضمون ہے، اس کا امکان، اس کا وقوع، اس کے واقعات وغیرہ۔

(۵۱) ذٰریات :تحقیق معاد، ذم منکرین، وجزا فریقین وعید یوم موعود۔

(۵۲) طور :پہلی سورۃ وعید یوم موعود پر ختم ہوئی تھی اس کی ابتدا اسی مضمون پر ہے اس کے بعد مؤمنین کیلئے وعدہ ہے اور بحث مجازاۃ وتوحید ورسالت۔

(۵۳) نجم :مضامین توحید ورسالت ومجازاۃ۔

(۵۴) قمر :پہلی سورۃ کا خاتمہ قرب ساعۃ کے مضمون پر تھا اس کی ابتدا اسی سے ہے ومضامین نقم ہیں۔

(۵۵) رحمٰن :پہلی سورۃ میں مضامین نقم زیادہ تھے اس میں مضامین نعم ہیں۔

(۵۶) واقعہ :سورۃ سابقہ میں نعم دنیویہ کے بعد قیامت ودوزخ وجنت کا بیان تھا اس میں نعم دنیا سے پہلے ان کا ذکر ہے۔

(۵۷) حدید :سورۃ سابقہ کا خاتمہ تسبیح پر تھا اس کی ابتداء تسبیح سے ہے وہاں امر تھا یہاں خبر ہے۔

(۵۸) مجادلہ :سورۃ سابقہ کا خاتمہ بیان صفت باری تعالیٰ پر تھا اس کا افتتاح اس سے ہے۔

(۵۹) حشر :سورۃ سابقہ کا خاتمہ منافقین پر تھا اور ان کا یہود سے محبت رکھنا مذکور تھا یہاں یہود کے بغض وعقوبت وغیرہ کا ذکر ہے۔

(۶۰) ممتحنہ :سورۃ سابقہ میں منافقین کی یہود سے دوستی رکھنے کی مذمت تھی اس میں مسلمانوں کو کفار سے تعلقات دوستی اور مشرکات سے نکاح کرنے کی ممانعت ہے۔

(۶۱) صف :سورۃ سابقہ میں کفار سے دوستی رکھنے کی ممانعت تھی اس میں کفار سے مقاتلہ کا بیان ہے۔

۶۲ جمعہ :سورۃ سابقہ میں کفار کا مستحق عقوبت وقتل ہونا مذکور تھا اسمیں یہود کا مستحق مذمت اور وعید ہونا مذکور ہے۔
۶۳ منافقون :سورۃ سابقہ میں یہود کا ذکر تھا اس میں ان کے دوستوں منافقین کا ذکر ہے۔
۶۴ تغابن :پہلی سورۃ کا خاتمہ تحصیل آخرت کی ترغیب اور تعطیل آخرت پر ترہیب پر ہے اس میں اہل تحصیل وتعطیل کے مجازاۃ کی تفصیل اور مضمون ترغیب وترہیب کی تکمیل ہے اور ازواج واولاد کا عدو ہونا مذکور ہے۔
۶۵ طلاق :سورۃ سابقہ میں ازواج واولاد کا عدو ہونا مذکور تھا اس میں ان کے بعض حقوق کا ذکر ہے۔
۶۶ تحریم :سورۃ سابقہ کے مضامین کی تکمیل اور حقوق رسالت۔
۶۷ ملک :سورۃ سابقہ میں حقوق رسالت کا ذکر تھا اس میں حقوق توحید اور اس کے ایفاء واضلال پر جزا وسزا کا بیان ہے اور منکرین توحید کی طرف روئے سخن ہے۔
۶۸ قلم :پہلی سورۃ میں منکرین توحید کی طرف روئے سخن تھا اس میں منکرین نبوت کی طرف ہے اور کفار کے لئے عقوبت دینویہ واخرویہ کا ذکر ہے اور اثبات مجازات کفار۔
۶۹ حاقہ :مجازاۃ کی تحقیق اور اس کا وقت اور واقعات مذکور ہیں اور حقانیت قرآن۔
۷۰ معارج :مجازاۃ اور بعض اعمال موجبہ مجازاۃ کا بیان ہے۔
۷۱ نوح :سورۃ سابقہ میں موجبات عقوبت کا بیان ہے اس میں حضرت نوح کی تکذیب پر عقوبت کا ذکر ہے کفر پر استحقاق عقوبت دینویہ اور تسلیہ رسول وعقوبت انکار رسالت ہے۔
۷۲ جن :توحید ورسالت ومجازاۃ سے ترغیب۔
۷۳ مزمل :سورۃ سابقہ میں کفار کو توحید ورسالت ومجازاۃ پر ایمان لانے کی ترغیب تھی اس میں ان کے ایمان نہ لانے پر تسلیہ رسول ہے۔
۷۴ مدثر :سورۃ سابقہ میں تسلیہ رسول مقصوداً اور انذار کفار تبعاً تھا اس میں انذار مقصوداً اور تسلیہ تبعاً مذکور ہے۔
۷۵ قیامہ :سورۃ سابقہ کا خاتمہ بیان آخرت پر ہوا اس میں احوال آخرت کی تفصیل ہے اور اثبات مجازاۃ کفار ہے۔
۷۶ دہر :تفصیل مجازاۃ وترغیب وذکر قیامت۔
۷۷ مرسلات :وقوع وتفصیل کے اسباب وکیفیات مجازات۔
۷۸ نباء :قیامت کا بیان اور واقعات جزا وسزا۔
۷۹ نازعات :واقعات سورۃ سابقہ کے مکذبین کی تخویف وتکذیب وتسلیہ رسول۔
۸۰ عبس :سورۃ سابقہ میں قیامت کے متعلق مضامین تھے اس میں بھی وہی مقصود ہے۔
۸۱ تکویر :اس میں سوابق ولواحق واقعات قیامت کا بیان ہے۔
۸۲ انفطار :اس میں سورۃ سابقہ کے بیان کی تفصیل اور مجازاۃ۔
۸۳ مطففین :مجازاۃ اعمال کا بیان ہے اور ان میں سے اہتمام کیلئے بعض اعمال متعلق حقوق العباد کا ذکر ہے۔
۸۴ انشقاق :تفصیل مجازات۔
۸۵ بروج :پہلی سورۃ میں فریقین کے مجازات تھے اس میں اہل ایمان کا تسلیہ اور کفار کیلئے وعید ہے۔

(۸۶) طارق : تحقیق وعید کیلئے اعمال کا محفوظ رہنا اور امکان بعث و وقوع بعث۔

(۸۷) اعلیٰ : عمل تذکیر بالقرآن فلاح آخرت، تہیہ للآخرۃ۔

(۸۸) غاشیہ : تہیہ للآخرۃ کرنے اور نہ کرنے والوں کی سزا و جزا و اثبات قدرت و بعث مجازات۔

(۸۹) فجر : سورۃ سابقہ میں مجازاۃ فریقین کا ذکر ہے اس میں معظم مقصود فریقین کے اعمال موجبہ مجازاۃ کا بیان ہے۔

(۹۰) بلد : سورۃ سابقہ میں اعمال موجبہ مجازات کا بیان تھا اس سورۃ میں بھی یہی بیان ہے مگر وہاں کثرت اعمال شر تھے یہاں کثرت اعمال خیر ہے۔

(۹۱) شمس : سورۃ سابقہ اعمال ایمانیہ و کفریہ کے مجازاۃ آخرویہ کا بیان تھا اس میں مجازاۃ کفریہ پر مجازاۃ دنیویہ کے احتمال کا بیان ہے۔

(۹۲) لیل : اس میں بھی سورۃ سابقہ کے مضمون کی تکمیل ہے اور مہمات اصول و فروع کا عنوان کلی سے بیان ہے اور ان کی تصدیق و تکذیب پر وعدہ و وعید ہے۔

(۹۳) ضحیٰ : سورۃ سابقہ کا خاتمہ ان افضال پر ہے جو مؤمنین پر ہوں گے جس میں رسول اور متبعین رسول دونوں شامل ہیں اس میں صرف ان افضال کا ذکر ہے جو رسول پر ہوئے ہیں اور بعض اعمال خیر کا ذکر ہے۔

(۹۴) الم نشرح : اس میں سورۃ سابقہ کے مضامین کی تکمیل ہے آنحضرت ﷺ پر جو افضال الٰہی ہیں ان کی طرف اشارہ ہے اس کے بعد دو حکم مؤکد ہیں جو تکمیل و ترقی کے رکن ہیں۔

(۹۵) تین : سورۃ سابقہ میں رسول پر افضال الٰہی کا ذکر تھا اس میں عام انسانوں اور عمل صالح کر کے ترقی کرنے والوں کے انعام کا ذکر ہے۔

(۹۶) اقرأ : اس میں انسان پر افضال کا ذکر اور اس کی ترقیات اور سرکشی کا ذکر ہے۔

(۹۷) قدر : اس میں انسان پر اس فضل کا ذکر ہے جو سورۃ سابقہ میں "عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" کے عنوان سے مذکور ہے یعنی کتاب ہدایت اس کو دی گئی۔

(۹۸) بینہ : سورۃ قدر میں کتاب ہدایت کے نزول کا ذکر ہے جس کے اہل کتاب منتظر تھے اس سورۃ میں ان سے مطالبہ ہے کہ اب باطل کو چھوڑ کر اس پر ایمان لاؤ اور اہل ایمان کی جزا کا ذکر ہے۔

(۹۹) زلزال : پہلی سورۃ کا خاتمہ اہل ایمان کی جزا کے ذکر پر ہے اس میں جزا کے ملنے کا وقت بتایا گیا ہے اور نیکی اور بدی کے انجام کا ذکر ہے۔

(۱۰۰) عادیات : سورۃ سابقہ میں نیکی و بدی کا انجام اس طرح بتایا گیا ہے کہ جس کو قبول کرنے میں کسی سلیم الطبع کو تامل نہیں ہوسکتا اس میں نہ قبول کرنے والوں کی ہٹ دھرمی اور سرکشی اور ان پر اہل ایمان غازیوں کی تاخت (حملہ) کا ذکر ہے پھر قبروں سے اٹھنے اور خدا کے حضور میں حاضر ہونے کا ذکر ہے۔

(۱۰۱) قارعہ : سورۃ سابقہ میں خدا کے حضور میں حاضر ہونے کا ذکر تھا اس میں اس وقت کا بیان ہے یعنی قیامت اور اس کے ہولناک حوادث کی خبر دی گئی ہے۔

(۱۰۲) تکاثر : سورۃ سابقہ میں انسان کو ہولناک وقت سے خبردار کیا گیا تھا اس میں بتایا گیا ہے کہ حرص دنیوی نے تجھ کو غافل کر دیا ہے تم سے خدا کی نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا۔

۱۰۳ عصر : سورۃ سابقہ میں حرص اموال وغیرہ سے انسان کی غفلت کا ذکر اور ہونے والے سوال کا ذکر تھا کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ حصول اموال وجاہ ہی ہے جو کچھ ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ ان کا حاصل کرنا کامیابی نہیں بلکہ ان پر حرص موجب خسارہ ہے۔

۱۰۴ ہمزہ : سورۃ عصر میں کہا گیا تھا کہ انسان خسارہ میں ہے یہاں خسارہ میں پڑنے کے اسباب کا بیان ہے۔

۱۰۵ فیل : سورۃ ہمزہ میں جو اخلاق رذیلہ بیان ہوئے ہیں وہ قریش میں بہت رائج تھے ان کے بیان کے بعد اس ہولناک واقعہ کا ذکر ہے جس سے قریش کو بچایا گیا ورنہ وہ بالکل برباد ہو جاتے۔

۱۰۶ قریش : اس میں قریش سے مطالبہ ہے کہ جیسا سورہ سابقہ میں مذکور ہے کہ ہم نے تم کو اصحاب فیل سے بچایا جو تمہارے معبد کو ڈھانے آئے اب تم بت پرستی کو چھوڑ کر اس گھر کے رب پر ایمان لے لاؤ۔

۱۰۷ ماعون : پہلی سورۃ میں قریش کو اپنا انعام یاد دلایا ہے اس میں ان امراض روحانیہ کا ذکر ہے جو انسان کی ظاہری و باطنی خرابی کا باعث ہوتے ہیں اور یہ امراض قریش میں پھیلے ہوئے تھے بعض بدنصیب ایسے امراض میں مبتلاء تھے کہ جو دنیا میں اپنا ذکر خیر چھوڑ جانے کا کوئی سامان نہیں کرتے تھے۔

۱۰۸ کوثر : پہلی سورۃ میں ایسے بدنصیبوں کا ذکر تھا جو اپنا ذکر خیر چھوڑنے کا کوئی سامان نہیں کرتے اس میں یہ مذکور ہے کہ ایسے بھی خوش نصیب ہیں کہ جن کے سینوں میں حکمت کی نہریں جاری ہیں اور وہ اپنے ذکر خیر کی وجہ سے ہمیشہ رہیں گے ان بدنصیبوں کی طرح بے نشان نہ ہوں گے اور رسول کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کامیاب ہیں۔

۱۰۹ کافرون : سورۃ سابقہ میں بتایا گیا ہے کہ اے رسول تمہارے لئے ہر قسم کی کامیابی ہے اور تمہاری عظمت وشوکت قرار پا چکی ہے اس میں کہا جاتا ہے کہ تم علی الاعلان ان کافروں سے کہہ دو کہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کر سکتا خواہ تم کیسی ہی سعی کرو کتنا ہی لالچ دو اور مجھے تم سے بھی امید نہیں کہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے۔

۱۱۰ نصر : سابقہ سورتوں میں جو رسول کو اشارۃ کامیابی کی بشارت دی گئی تھی اس میں اس کو شرح کے ساتھ بیان کیا ہے اور دنیا میں بھی خدا کا حکم قبول کرنے والوں کیلئے نصرت ہے۔

۱۱۱ لہب : سابقہ سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں بھی خدا کا حکم قبول کرنے والوں کیلئے نصرت ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ اس کے حکم سے سرتابی کرنے والوں کیلئے دونوں جہان میں خسارہ ہے اور مشرکین بڑے ہی خسارہ میں ہیں۔

۱۱۲ اخلاص : سورۃ سابقہ میں ابولہب وغیرہ مشرکین کا بوجہ شرک خسارہ میں ہونے کا ذکر تھا اس میں توحید خالص بتائی گئی کہ اس پر ایمان لاؤ نفع کی راہ یہ ہے۔

۱۱۳، ۱۱۴ فلق وناس : ان دونوں سورتوں میں سورۃ اخلاص کے مضمون توحید کی دوسرے طرز پر تکمیل کی گئی ہے۔ کہ جب آپ توحید کو بیان کریں گے تو مشرکین آپکی جان اور ایمان کے دشمن بن جائیں گے تو سورۃ فلق میں حفاظت جان کے وظیفہ کا ذکر ہے اور سورۃ ناس میں حفاظت ایمان کے وظیفہ کا بیان ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

عبدالقیوم قاسمی معارف اسلامیہ کراچی

① سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ⑤

آیاتها ٧ — رکوعها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ① الرَّحْمٰنِ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پرورش کرنے والا ہے سب جہانوں کا ﴿۱﴾ جو بے حد مہربان

الرَّحِيْمِ ② مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③ اِيَّاكَ

نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۲﴾ جو مالک ہے انصاف (جزا) کے دن کا ﴿۳﴾ ہم خاص

نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ④ اِهْدِنَا

تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ﴿۴﴾ اے پروردگار ہدایت کر ہم کو (دکھا ہم کو)

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑤ صِرَاطَ الَّذِيْنَ

سیدھا راستہ ﴿۵﴾ ان لوگوں کا راستہ

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ⑥ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ

جن پر تو نے انعام کیا ان لوگوں کا راستہ نہ دکھا جن پر تیرا غضب ہوا

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦

اور نہ گمراہوں کا ﴿۷﴾

ع ۱

نام اور کوائف : یہ سورہ فاتحہ مکی ہے اور اس میں ایک رکوع اور سات آیات ہیں۔ ترتیب نزول میں :۵: ویں نمبر پر ہے اور ترتیب تلاوت میں پہلے نمبر پر ہے۔

سورۃ کا مفہوم : لفظ سورۃ (س) کے ساتھ آیا ہے اور اس کا معنی ہے "قطعة من الأيات" یعنی آیتوں پر مشتمل ایک ٹکڑا یا حصہ گویا چند یا زیادہ آیتیں مل کر ایک ٹکڑا بن جائیں تو اسے سورۃ کہا جاتا ہے کسی سورۃ کے لئے کم از کم تین آیات کا ہونا ضروری ہے جیسے سورۃ عصر، سورۃ الکوثر اور سورۃ النصر، تین تین آیات پر مشتمل ہیں اور سورۃ بقرہ سب سے لمبی سورۃ ہے اور اس کی دو سو چھیاسی آیات ہیں۔ اور سورۃ کے ہر ٹکڑے کو آیت کہتے ہیں جس طرح سورتیں چھوٹی بڑی ہوتی ہیں اسی طرح آیتیں بھی چھوٹی بڑی ہوتی ہیں چھوٹی آیت ایک لفظ کی بھی ہو سکتی ہے جیسے "الٓمّٓ" یا "حٰمٓ" اور ایک حرف بھی آیت ہو سکتا ہے جیسے "قٓ۔ نٓ" وغیرہ اور بعض آیات اتنی لمبی ہوتی ہیں کہ پورے ایک رکوع پر مشتمل ہوتی ہیں جیسے سورۃ مزمل کے دوسرے رکوع والی آیت ہے۔

آیت کے معانی : آیت کے کئی معانی آتے ہیں، علامت، دلیل، عبرت، معجزہ، حکم وغیرہ، تاہم ان تمام تر معانی کے باوجود جب آیت کا لفظ سورۃ کے ساتھ بولا جاتا ہے تو اس کا معنی سورۃ کا ایک حصہ یا جزء ہوتا ہے کیونکہ بہت سی آیات سے مل کر سورۃ ترتیب پاتی ہے۔

سورتوں اور آیات کی ترتیب : قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں سب سے پہلی سورۃ فاتحہ ہے دوسرے نمبر پر سورۃ بقرہ ہے پھر آل عمران اور سورۃ نساء ہے یہ ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دی ہوئی نہیں ہے بلکہ یہ ترتیب آنحضرت ﷺ کی مقرر کردہ ہے۔ (تفسیر اتقان: ج:۱: ص:۶۲: مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

اس کو ترتیب توقیفی کہتے ہیں اسی طرح ہر سورۃ میں آیت کی جو ترتیب ہے مثلاً پہلے "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ" اس کے بعد "الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" پھر "مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ" یہ ترتیب بھی توقیفی ہے۔ (تفسیر اتقان: ج:۱: ص۔۲۰)

حدیث شریف میں ہے آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے کہ اس آیت کو فلاں مقام پر رکھ دو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس فرمان کے مطابق آیات کو ترتیب دی ہے۔ (ترمذی: ج:۱: ص۔۲۴۰)

سورتوں کے اقسام بلحاظ طوالت : قرآن کریم کی پہلی سات سورتیں سبع طوال کہلاتی ہیں یعنی سات لمبی سورتیں سورۃ بقرہ سے سورۃ یونس تک اس کے بعد سورۃ نمل تک کو مثانی کہتے ہیں اس کے بعد حجرات تک کی سورتوں کو مئین کہتے ہیں، مئین وہ سورتیں کہلاتی ہیں جو کم از کم سو آیات پر مشتمل ہوں اس کے بعد "وَالنَّاس" تک کی مفصلات کہلاتی ہیں پھر مفصلات کے تین حصے ہیں سورۃ الحجرات سے سورۃ البروج تک طوال مفصل سورۃ البروج سے سورۃ البینہ تک اوساط مفصل اور پھر آخر تک قصار مفصل یعنی چھوٹی سورتیں کہلاتی ہیں۔

قرآن کریم کی سورتوں کے مختلف اسماء کی وجہ تسمیہ : بعض سورتوں کے اسماء ان کے ابتدائی حروف سے لئے گئے ہیں۔ مثلاً "قٓ، صٓ، طٰهٰ، يٰسٓ" وغیرہ اور بعض سورۃ کے اسماء ان کی پہلی آیت کے لفظ پر رکھے گئے ہیں جیسے "سورة القيمة، سورة الواقعة" وغیرہ اور کسی سورۃ کا نام اس میں کوئی واقعہ مشہور ہے اس کی وجہ سے رکھا گیا ہے مثلاً "بقرة، اسراء، اعراف، ال عمران" یا کسی پیغمبر کا نام مذکور ہے اس کی وجہ سے مثلاً "سورة نوح سورة محمد" وغیرہ۔

سورۃ فاتحہ کا نام اور وجہ تسمیہ : اس کا ایک نام: فاتحہ ہے کیونکہ قرآن کریم کا افتتاح (یعنی شروع) اسی سے ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا نام :"اَلۡحَمۡدُ" ہے کیونکہ الحمد سے شروع کی جاتی ہے۔ اس کا تیسرا نام :"ام القرآن" یا "ام الكتاب" ہے "ام" ہر چیز کی اصل کو کہتے ہیں کیونکہ اس سورۃ کے مضامین پورے قرآن کے لئے بمنزلہ اصل اور جڑ کے ہیں اور اس سورۃ فاتحہ میں پورے قرآن کریم کے مضامین کا اجمالی خاکہ موجود ہے جس کی تفصیل پورا قرآن کریم ہے۔ اس کا چوتھا نام :"سبع مثانی" ہے یعنی سات

آیتیں دہرائی ہوئی کیونکہ اس سورۃ کو نماز کی ہر رکعت میں دہرایا جاتا ہے۔ اس کا پانچواں نام : "**کافیہ**" ہے کیونکہ قرآن کریم کے سارے مضامین پر اجمالی طور پر کافی ہے۔ اس کا چھٹا نام "**سورۃ الکنز**" ہے کنز کے معنی خزانہ کے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ میرے عرش کے خزانوں میں ایک خزانہ ہے۔ اس کا ساتواں نام : "**سورۃ الشفاء**" ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا فاتحہ موت کے علاوہ ہر بیماری کا علاج ہے۔ اس کا آٹھواں نام : "**سورۃ الاساس**" ہے اساس کا معنی بنیاد ہے کیونکہ یہ سورۃ پورے قرآن کریم کی بنیاد ہے۔

فضائل سورۃ فاتحہ ❶ حضرت ابو سعید بن المعلی سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا : میرے ساتھ آئیں، تجھے قرآن کی سب سے بڑی سورۃ مسجد سے نکلنے سے پہلے سکھادوں گا میں ساتھ ہو گیا۔ جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ سورۃ "الحمد للہ رب العلمین" ہے اور وہی سبع المثانی اور وہی قرآن عظیم ہے جو مجھ پر نازل ہوئی۔ (مشکوٰۃ ص ۱۸۴ ج ۱) ❷ حضرت ابی بن کعب ﷛ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ میں تمہیں ایسی سورۃ سکھاؤں گا جو نہ تو تورات میں نازل ہوئی نہ زبور میں اور نہ اس جیسی کوئی اور سورۃ قرآن میں ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۸۷ ج ۱)

فوائد سورۃ فاتحہ : بزار اپنی مسند میں انس بن مالک ﷛ سے لائے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ : جو شخص (سوتے وقت) اپنا پہلو زمین سے لگا کر فاتحہ اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلے ہر مصیبت سے امان پائے سوائے اس کے کہ موت اس کے مقدر میں ہو۔ قطب الارشاد حضرت بہلوی ﷫ لکھتے ہیں کہ : مشائخ کے اعمال مجربہ میں مذکور ہے کہ سورۃ فاتحہ اسم اعظم ہے ہر مطلب کی خاطر اسے پڑھا جاسکتا ہے اور اس کے دو طریقے ہیں ❶ سنت فجر اور فرض کے درمیان "بسم اللہ" کی میم کو "الحمدللہ" کی لام کے ساتھ ملا کر ۴۱ بار چالیس روز تک پڑھے۔ جو مطلب بھی ہوگا حاصل ہو جائے گا۔ اگر شفاء مریض پر جادو کھولنے کے لئے ہو تو پانی پر دم کر کے انہیں پلائیں۔ ❷ چاند کی پہلی اتوار کو سنت فجر اور فرض فجر کے مابین بغیر قید اتصال یعنی "بسم اللہ" کی میم کو "الحمدللہ" کی لام کے ساتھ ملائے بغیر ستر مرتبہ پڑھیں، اس کے بعد ہر روز اسی وقت دس، دس مرتبہ کم کرتے جائیں، حتیٰ کہ اتوار کو ختم ہوگی، اگر پہلے مہینے میں مطلب حاصل نہ ہو، تو دوسرے اور تیسرے مہینے میں بھی ایسا ہی کریں ان شاء اللہ مطلب براری ہوگی۔ پرانے امراض میں چالیس دن تک گلاب اور مشک و زعفران کے ساتھ چینی کے پیالہ میں لکھ کر دھو کر پلانا مجرب ہے، اور دانتوں کے درد، سر کے درد، پیٹ کے درد اور دوسرے دردوں پر سات بار پڑھ کر دم کرنا بھی مجرب ہے۔ (الکلمۃ الراجحہ ص ۲۴۲، ۲۴۳)

حسین لطیفہ : سورۃ فاتحہ میں حسب ذیل سات حروف نہیں لائے گئے۔ جیم خا، ظا، فا، زا، ثا، شین۔ ان ساتوں حروف کی دلالت جہنم کے طبقات پر ہے گویا فاتحہ شریف پڑھنے والا ان سات طبقات دوزخ، جہنم، خزی، لظی، فراق، زقوم، ثبور، شہیق سے نجات پا گیا۔ (الکلمۃ الراجحہ : ص۔ ۲۴)

مکی اور مدنی آیتوں اور سورتوں میں فرق : حضرات مفسرین کی اصطلاح میں مکی آیات کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ کے بغرض ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئیں اور مدنی آیات کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئیں۔ بعض لوگ مکی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جو شہر مکہ میں نازل ہوئیں اور مدنی کا مطلب یہ ہے کہ جو شہر مدینہ میں نازل ہوئیں لیکن یہ مطلب درست نہیں اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں مگر وہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اس لئے انہیں مکی کہا جاتا ہے۔

چنانچہ جو آیات منیٰ، عرفات، یا سفر معراج کے دوران نازل ہوئیں وہ بھی مکی کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ جو آیتیں سفر ہجرت کے دوران مدینہ کے راستے میں نازل ہوئیں ان کو بھی مکی کہا جاتا ہے اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں جو شہر مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں

مکروہ مدنی ہیں۔ چنانچہ ہجرت کے بعد آپ ﷺ کو بہت سے سفر پیش آئے جن میں آپ ﷺ مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل دور بھی تشریف لے گئے ان تمام مقامات پر نازل ہونے والی آیتیں مدنی ہی کہلاتی ہیں یہاں تک ان آیتوں کو بھی مدنی کہا جاتا ہے جو فتح مکہ یا غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر خاص شہر مکہ یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ قرآنی آیت "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا" مدنی ہے حالانکہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (البرہان: ج:۱، ص:۱۸۸؛ مناہل العرفان: ج:۱، ص۔۱۸۸)

پھر بعض سورتیں تو ایسی ہیں کہ وہ پوری کی پوری مکی یا پوری کی پوری مدنی ہیں مثلاً سورۃ مدثر پوری مکی ہے اور سورۃ آل عمران پوری مدنی، لیکن بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری سورۃ مکی ہے لیکن ان میں ایک یا چند آیات مدنی بھی آگئی ہیں اور بعض مرتبہ اس کے برعکس بھی ہوا ہے مثلاً سورۃ اعراف مکی ہے۔ لیکن "وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ" سے لے کر "وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ" تک کی آیات مدنی ہیں اسی طرح سورۃ حج مدنی ہے۔ لیکن اس میں چار آیتیں یعنی "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ" سے لے کر "عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ" تک مکی ہیں اس سے واضح معلوم ہوا کہ کسی سورۃ کا مکی یا مدنی ہونا اس کا اکثر آیتوں کے اعتبار سے ہے جس جس سورۃ کی ابتدائی آیات ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں ہیں ان کو مکی کہا گیا ہے اگرچہ بعد میں اس کی بعض آیتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں۔ (مناہل العرفان: ج:۱، ص:۱۹۲؛ بحوالہ مقدمہ معارف القرآن، م، ش، و)

مکی اور مدنی آیات کی خصوصیات : بعض خصوصیات قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض اکثری ہیں جو خصوصیات قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں وہ یہ ہیں۔ ❶ ہر وہ سورۃ جس میں لفظ "كَلَّا" موجود ہے جس کا معنی ہے ہرگز نہیں، وہ مکی سورۃ ہے اور یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور یہ سورتیں قرآن کریم کے آخری نصف حصہ میں ہیں۔ ❷ ہر وہ سورۃ جس میں حنفی مسلک کے مطابق کوئی سجدہ کی آیت آئی ہے وہ مکی ہے۔ ❸ سورۃ بقرہ کے علاوہ ہر وہ سورت جس میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ مذکور ہے وہ مکی سورۃ ہے۔ ❹ ہر وہ سورۃ جس میں جہاد کی اجازت اور اس کے احکام مذکورہ ہیں وہ مدنی ہے۔ ❺ ہر وہ سورۃ جس میں منافقوں کا ذکر ہے وہ مدنی ہے۔ اور مندرجہ ذیل خصوصیات عمومی اور اکثریہ ہیں یعنی کبھی ان کا خلاف بھی ہو جاتا ہے مگر اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے۔

❶ مکی سورتوں میں عموماً "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ" (اے لوگو) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے اور مدنی سورتوں میں "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" (اے ایمان والو) کے الفاظ سے خطاب ہوتا ہے۔ ❷ مکی آیتیں اور سورتیں عموماً چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہیں اور مدنی آیات اور سورتیں طویل اور مفصل ہیں۔ ❸ مکی سورتیں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات، حشر و نشر کی منظر کشی، آنحضرت ﷺ کو صبر و تسلی کی تلقین اور پچھلی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں اور ان میں احکام و قوانین کم بیان ہوئے ہیں اس کے برعکس مدنی سورتوں میں خاندانی و تمدنی قوانین، جہاد و قتال کے احکام اور حدود و فرائض بیان کئے گئے ہیں۔ ❹ مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے اور مدنی سورتوں میں اہل منافقین سے ہے۔

❺ مکی سورتوں کا اسلوب بیان پُرشکوہ ہے اس میں استعارات و تشبیہات اور تمثیلات زیادہ ہیں اور ذخیرۃ الفاظ بہت وسیع ہیں اس کے برخلاف مدنی سورتوں کا انداز نسبتاً سادہ ہے مکی اور مدنی سورتوں کے انداز و اسلوب میں یہ فرق دراصل حالات ماحول اور مخاطبوں کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے مکی زندگی میں مسلمانوں کا واسطہ زیادہ تر بت پرستوں سے تھا اور کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی اس لئے اس دور میں زیادہ زور عقائد کی درستگی اخلاق کی اصلاح اور قرآن کریم کی شان اعجاز کے اظہار پر زور دیا گیا۔ برخلاف مدینہ منورہ کے کہ اس میں اسلامی ریاست وجود میں آچکی تھی لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے علمی سطح پر بت پرستی کا ابطال ہو چکا تھا اور زیادہ تر نظریاتی مقابلہ اہل کتاب سے تھا اس لئے یہاں احکام و قوانین اور حدود و فرائض کی تعلیم اور اہل کتاب کی تردید پر زیادہ توجہ دی گئی اور اسی کے مطابق اسلوب بیان اختیار کیا گیا۔ (معارف القرآن: ج:۱، ص۔۲۸)

تعوذ : قرآن کریم کے شروع کرنے سے پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ... الخ پڑھنا چاہئے اس کا ثبوت نص قطعی سے ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا "فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (النحل ۹۸) تو تعوذ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان نیکی کا کام کرتا ہے تو شیطان قسم قسم کے وساوس دل میں ڈالتا ہے تو شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لئے تعوذ پڑھنا چاہئے۔ انسان کا دشمن دو طرح کا ہوتا ہے ایک ظاہری جس کا مقابلہ کرنا آسان ہوتا ہے دوسرا باطنی اور وہ شیطان ہے اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہے کیونکہ نظر نہیں آتا اسلئے تلاوت کلام پاک کے وقت تعوذ پڑھ لینا چاہئے پتہ نہیں کہ کس وقت حملہ کر کے نیکیاں ضائع کر دے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ابلیس نے اپنی جگہ پانی پر بنا رکھی ہے چھوٹے چھوٹے شیطان اس کے پاس آتے ہیں اور اپنی اپنی کارگزاریاں بیان کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں سے فلاں غلط کام کروایا کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کام کروایا لیکن شیطان (ابلیس) ان پر خوش نہیں ہوتا کہ اچانک ایک چھوٹا سا شیطان آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں آدمی کو مشرک بنایا ہے تو ابلیس خوش ہو کر اس کو گلے لگاتا ہے۔ (مستدرک)

تسمیہ : بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ جزء قرآن ہے یا سورۃ؟ اس کے متعلق اتنی بات یاد رکھیں کہ سورۃ نمل کی (آیت ۳۰) "اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کے متعلق تمام محدثین وفقہاء کرام متفق ہیں کہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے اور یہ جزء قرآن ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ "بِسْمِ اللّٰهِ" ہر سورۃ کا جزء ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے پیروکار کہتے ہیں کہ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" قرآن کا جزء تو ہے مگر ہر سورۃ کا جزء نہیں بلکہ فصل سور کے لئے ہے۔

حنفیہ کی دلیل : عن ابن عباس رضی اللہ عنہ كان النبی ﷺ لايعرف فصل السورة حتىٰ ينزل عليه بسم الله الرحمن الرحيم وفی رواية لايعرف انقضاء السورة (ابوداؤد، حاکم) وقال الحاكم صحيح علىٰ شرط الشيخين"۔ اس کے علاوہ مستدرک حاکم حدیث نمبر ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰ بھی احناف کے دلائل ہیں۔

(دیکھیں ص ۹۷، ۹۸ ج ۱)

بسم اللہ کی با کے معانی : اگر با مصاحبت کی ہو تو معنیٰ ہوگا اللہ کے نام کے ساتھ اور اگر با برکت کی ہو تو معنیٰ ہوگا اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ اور اگر با استعانت کی ہو تو معنیٰ ہوگا کہ اللہ کے نام کی مدد کے ساتھ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جار مجرور کا متعلق "اَسْتَعِيْنُ" فعل مؤخر ہے تاکہ مشرکین کی تردید ہو جائے وہ غیر اللہ کی مدد مانگتے تھے اور اس میں حصر ہے کیونکہ متعلق کا حق مقدم ہونے کا ہے اور جس کا حق مقدم ہو اس کو مؤخر کر دیا جائے تو وہ حصر کا فائدہ دیتا ہے کہ صرف اللہ ہی کے نام سے مدد مانگتا ہوں۔

وجہ تقدیم الرحمٰن علی الرحیم : ① اختصاص باللہ تعالیٰ۔ ② تقدیم الدنیا علی الآخرہ۔

تخصیص اسماء ثلاثہ : یعنی لفظ "اللہ، رحمٰن، رحیم، لفظ "اللہ" میں اشارہ ہے مباحث الٰہیہ کی طرف اور "رحمٰن" میں اشارہ ہے مباحث نبوت ورسالت کی طرف اور لفظ "رحیم" میں اشارہ ہے مباحث آخرت اور قیامت کی طرف۔

اشارات تسمیہ۔ ① عظمت واہمیت قرأت قرآن۔ ② فناء نفس۔ ③ بقاء ذات حق۔ ④ احتیاج عبد۔ ⑤ غناء حق۔ ⑥ تعلیم عبدیت۔ ⑦ تعارف الوہیت۔ (آثار خیر: ص ۵۳)

موضوع سورۃ : تعلیم المسئلہ۔ یعنی سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں ان میں طریقہ سوال سکھایا گیا ہے کہ جس سے سوال کرنا ہو تو پہلے اس کی تعریف کی جائے پھر اس کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کیا جائے کہ آپ کا اور میرا یہ رشتہ ہے پھر مقصود بیان کیا جائے کہ میں اس مقصد کے لئے آیا ہوں یہی طرز کلام بادشاہوں کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ پہلی تین آیات "اَلْحَمْدُ" تا "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور تعریف کا ذکر ہے آیت "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا ذکر ہے آیت

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" تا "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" تک مطلوب ومقصود کا ذکر ہے۔

خلاصۂ سورۃ ❶ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں بنیادی طور پر تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں توحید رسالت، اور قیامت ان کو اصل الاصول کہتے ہیں یہ سورۃ پورے قرآن کریم کے مضامین کا اجمالی نقشہ ہے پہلی دو آیتوں میں توحید کا ذکر ہے تیسری آیت میں قیامت کا ذکر ہے چھٹی آیت میں رسالت کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے نقش قدم پر چلنے کا ذکر ہے اور آیت نمبر سات میں مردود دین الٰہی کا ذکر ہے۔ (ترجمہ حضرت لاہوری)

خلاصۂ سورۃ ❷ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس سورۃ میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ ❶ حق تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا اعتراف "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" تا "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" ❷ اپنی عبدیت اور احتیاج کا اقرار "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ"۔ ❸ اپنے مطلب کا اظہار "اِهْدِنَا" تا آخر۔

خلاصۂ سورۃ ❸ ... ❶ بیان صفات الٰہیہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" تا "الرَّحِيْمِ"۔ ❷ احوال آخرت وقیامت "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" ❸ مباحث نبوت ورسالت، ایمان وکفر، سعادت وشقاوت، ہدایت وضلالت "اِهْدِنَا" سے آخر تک۔

مضامین کے اعتبار سے قرآن مجید کے حصص اربعہ

مضامین کے اعتبار سے قرآن کریم کے چار حصے ہیں اور ہر حصہ الحمد سے شروع ہوتا ہے۔ **پہلا حصہ**: سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ مائدہ کے آخر تک ہے اس حصہ میں زیادہ تر خالقیت باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ **دوسرا حصہ**: سورۃ انعام سے لے کر بنی اسرائیل کے آخر تک ہے اس حصہ کا مرکزی مضمون ربوبیت باری تعالیٰ ہے۔ **تیسرا حصہ**: سورۃ کہف سے سورۃ احزاب کے آخر تک ہے اس میں اکثر تصرف باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ **چوتھا حصہ**: سورۃ سبا سے آخر قرآن تک ہے اس میں زیادہ تر مالکیت باری تعالیٰ اور نفی شفیع قہری کا ذکر ہے۔ پھر قرآن کریم کا خلاصہ اور نچوڑ حوامیم سبعہ ہیں یعنی جو سات سورتیں حم سے شروع ہوتی ہیں جن کا مضمون حصر النداء فی ذات باری تعالیٰ ہے کہ تمام مشکلات میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہے پھر حوامیم سبعہ کا اصل دارومدار ومبداء سورۃ زمر ہے جس کا مضمون حصر العبادۃ فی ذات باری تعالیٰ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

حصص اربعہ کا سورۃ فاتحہ پر انطباق

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" میں خالقیت باری تعالیٰ کا ذکر ہے کیونکہ اسم ذات سے اس کی صفت لازمہ مشہورہ مراد ہوتی ہے۔ "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" میں ربوبیت باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: میں تصرف باری تعالیٰ کا ذکر ہے "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں مالکیت باری تعالیٰ اور نفی شفیع قہری کا بیان ہے۔

اسباب نزول قرآن کریم کا سورۃ فاتحہ پر انطباق

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" میں طریق اصلاح عقائد باطلہ کا بیان ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳: میں طریق اصلاح غفلۃ عن اللہ کا ذکر ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ: میں طریق اصلاح اعمال فاسدہ کا بیان ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاحات کا سورۃ فاتحہ پر انطباق

سورۃ فاتحہ ام الکتاب ہے اس سورۃ میں اول سے آخر تک علم المخاصمہ کا ذکر ہے یعنی تمام فرق باطلہ جو قیامت تک آتے رہیں گے ان کی تردید ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ❶ اس میں مشرکین کی تردید ہے کہ غیروں کے گیت گاتے ہو جو تمام تعریفوں کا مستحق ہے اس

کی تعریف سے کیوں روگردانی کرتے ہوارے اکھاتے رب کا ہوگیت کسی اور کے گاتے ہو۔

❷ اس میں دہریوں کی بھی تردید ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ وجود باری تعالیٰ نہیں یہ تمام کارخانۂ کائنات خود بخود قائم ہے اور قائم رہے گا اس کا کوئی چلانے والا نہیں۔ اس کی تردید کے لیے فرمایا "الحمد للہ" ای "الحمد للخالق" کیونکہ پہلے گزر چکا ہے اس سے مراد اس کی صفت مشہور خالق مراد ہے تو جب خالق موجود ہے تو انکار صانع غلط ہوا، "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" اس سے بھی تردید ہوئی کہ سب کو پالنے والا اور ان کا خالق و مربی صرف اللہ ہی ہے۔

❸ اس میں مجوس کی بھی تردید ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ایک خالق خیر ہے جس کو "یزدان" کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر ہے جس کو "اہرمن" کہتے ہیں جب فرمایا "الحمد للخالق" سب کو پیدا کرنے والا صرف ایک اللہ خالق ہے تو دو کی تردید ہوگئی۔

❹ اس میں قدریہ کی بھی تردید ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر انسان اپنے اپنے فعل کا موجد اور خالق ہے قضاء قدر سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو فرمایا "الحمد للخالق" کہ سب کا خالق صرف اللہ ہی ہے۔ "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" سے لیکر "مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" تک میں فرقہ جہمیہ کی تردید ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا تو وجود ہے مگر صفات نہیں ہیں۔

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ: میں کرامیہ اور مرجیہ کی تردید ہے وہ کہتے ہیں کہ نہ کوئی نیکی نفع دے گی اور نہ کوئی برائی نقصان دے گی تو فرمایا "مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" پھر روز جزاء کیوں قائم ہوگا؟ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ: میں زمانہ قدیم زمانہ حدیث کے مشرکین کی تردید ہے۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ: میں خوارج، منکرین صحابہ رضی اللہ عنہم، غیر مقلدین، منکرین حدیث کی تردید ہے۔ اور "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ" یہود کی تردید ہے۔ اور "ضَآلِّیْنَ" میں نصاریٰ کی تردید ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: میں تذکیر بالآء اللہ۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ: میں تذکیر بما بعد الموت "اِیَّاكَ نَعْبُدُ" میں علم الاحکام "صِرَاطَ الَّذِیْنَ" میں تذکیر بایام اللہ کا ذکر ہے۔

سورۃ فاتحہ کی آیات کا باہمی ربط اور طریق معرفت اللہ

ان آیات کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ موتیوں کی طرح ایک آیت دوسری آیت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ جب انسان کہتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" تو اللہ کا نام آیا اب دستور کائنات ہے کہ جب کسی کا نام آتا ہے تو اس کی معرفت حاصل کی جاتی ہے تا کہ اس کی پوری پہچان حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا شوق ہوا اس کی ذات تو وراء الوریٰ ہے آنکھوں سے اوجھل ہے نظر نہیں آتی تو اس کی معرفت اور پہچان صفات سے ہوگی اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے یہاں چار صفات کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی صفت کہ وہ "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ہے کہ سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ دوسری صفت کہ وہ "اَلرَّحْمٰنِ" ہے کہ دنیا میں تصرف کرنے والا ہے۔ اور تیسری صفت "اَلرَّحِیْمِ" ہے کہ وہ آخرت میں تصرف کرنے والا ہے۔ چوتھی صفت "مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" ہے کہ اللہ تعالیٰ روز جزاء کا مالک ہے جس میں یہ صفات ہیں اسی کا نام اللہ ہے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان حاصل ہوگئی تو اب اس سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔

طریق ملاقات اللہ: یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی سے ملاقات کا ارادہ ہو تو اس کے لئے چار چیزوں کی اشد ضرورت پڑتی ہے۔ ❶ زادراہ: یعنی ضروری سامان جو ضروریات کے لئے کام آئے۔ ❷ سواری: جس پر سوار ہو کر سفر کر کے منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ ❸ رفیق سفر: جو سفر کے ساتھی ہوں تا کہ ان کی معاونت سے سفر بہتر طریقے پر ہو۔

❹ **راہزن سے بچنے کا سامان:** ڈاکو، چور سے بچنا تاکہ نقصان سے محفوظ رہے تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے زادراہ ضروری ہے تو زادراہ کا ذکر "اِیَّاكَ نَعْبُدُ" میں ہے یعنی اللہ کی عبادت کرنا یہ سامان ہے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے طے کرنے کا۔ اور سواری کا ذکر "اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" میں ہے یعنی مدد اللہ تعالیٰ سے چاہنا، یہ سواری ہے اس پر انسان سوار ہو کر اللہ تعالیٰ سے مل سکے گا اگر اللہ تعالیٰ سے مدد نہ مانگے تو منزل مقصود تک نہ پہنچے گا۔ اور رفیق سفر کا ذکر "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" میں ہے کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعام کیا ہے ان کو اپنے سفر کا ساتھی بناؤ، ان کی صحبت اختیار کرو، منزل مقصود حاصل کرلو گے۔

اور راہزنوں کا ذکر "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ" میں ہے کہ جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا ہے اور گمراہ ہیں سیدھی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں ان سے بچو اگر ان کی صحبت میں آئے تو دین سے ہاتھ دھو بیٹھو گے یہ دین کے چور ہیں اسلام میں نقب لگاتے ہیں جب ان امور کو بجالاؤ گے تو کامیابی سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔ (از شیخ درخواستی رحمہ اللہ)

تشریح الفاظ فاتحہ: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" میں "الف لام"، کونسا ہے؟ اس کے سمجھنے سے پہلے ایک فائدہ یاد رکھنے کے قابل ہے "الف لام" چار قسم پر ہے: جنسی، استغراقی، عہد خارجی، عہد ذہنی۔ ❶ الف لام جنسی وہ ہے جس کے مدخول سے ماہیت وحقیقت مراد ہو افراد نہ ہوں جیسے "اَلرَّجُلُ خَیْرٌ مِّنَ الْمَرْاَةِ" کہ جنس مرد بہتر ہے جنس عورت سے۔

❷ استغراقی وہ ہے جس کے مدخول سے تمام افراد مراد ہوں جیسے "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" بیشک تمام انسان گھاٹے میں ہیں۔

❸ عہد خارجی وہ ہے جس کے مدخول سے بعض معین افراد مراد ہوں جیسے "فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ" پھر فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی۔ ❹ عہد ذہنی جس سے غیر معین افراد مراد ہوں جیسے "وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ" اور اس سے ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ: حقیقی تعریفیں اللہ ہی کے لئے مخصوص ہیں، یہاں پر "الف لام"، تعریف کا جنس کے لئے ہو تو معنی یہ ہوگا کہ حمد کی حقیقت اور جنس اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے کیونکہ ہر صاحب کمال کو اس نے وجود بخشا ہے اور کمال سے نوازا ہے اور کمال اور صاحب کمال کی پرورش فرمائی ہے اور اپنی خصوصی رحمت سے ان کمالات کو باقی رکھا ہے اور انسان کے سامنے ایک حقیقت کا دروازہ کھول کے رکھ دیا ہے کہ ان ساری چیزوں کے پردے میں ایک ہی دست قدرت کارفرما ہے تو ساری تعریفیں درحقیقت اسی ایک قادر مطلق کی ہیں ان کو کسی دوسرے کی تعریف سمجھنا نظر وبصیرت کی کوتاہی ہے۔ تو ظاہر ہوا، جب ساری کائنات میں لائق حمد درحقیقت ایک ہی ذات ہے تو عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہو سکتی ہے اور اس میں مخلوق پرستی کی جڑ بھی کاٹ دی گئی اور معجزانہ انداز سے ایمان کے سب سے پہلے رکن توحید باری کا نقش اس طرح جما دیا گیا جو دعویٰ ہے اس میں غور کرو تو وہی اپنی دلیل بھی ہے "فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ" اور جن علماء نے "الف لام"، کو استغراق کے لئے لیا ہے تو انہوں نے اس طرح ترجمہ کیا ہے کہ سب تعریف واسطے اللہ کے یعنی حمد کی تمام اجناس واقسام ازل سے ابد تک اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔

حمد اور مدح میں فرق: حمد وہ تعریف ہے جو افعال اختیاریہ پر ہو، مدح وہ ہے جو افعال غیر اختیاریہ پر ہو۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تفسیر عزیزی (پارہ الم) میں لکھتے ہیں: کہ الحمد للہ کے آٹھ حرف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں پس جو شخص خلوص نیت کے ساتھ ان آٹھ حرفوں کو پڑھے گا حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت کے آٹھ دروازوں کا مستحق بنائیں گے۔ "لِلّٰهِ"، میں "لام"، اختصاص کے لئے ہے یعنی اللہ کے لئے خاص ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے جو ذات واجب الوجود کے ساتھ مختص ہے اور اس کی تمام صفات کمالیہ کے لئے جامع ہے اور وہ ذات تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے۔

تربیت کا مفہوم: "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" لفظ "رَبّ" کے لغوی معنی تربیت و پرورش کرنے والے کے ہیں اور تربیت کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھایا جائے یہاں تک کہ وہ حد کمال کو پہنچ جائے۔

تربیت کی قسمیں: تربیت کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ کسی چیز کو اپنی منفعت کے لئے پالا جائے یہ تربیت مخلوق کے شایاں شان ہے۔ دوسری تربیت یہ ہے کہ کسی چیز کو اسی کے فائدے کے لئے پرورش کیا جائے۔ یہ قسم خالق کے شایانِ شان ہے، کیونکہ مرتبہ وہی سب سے زیادہ بلند ہے جو اپنی مخلوقات سے استکمال پائے یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے "مَنْ لَمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ" (مشکوٰۃ ص ۱۹۵، ج۱) ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "رب" اللہ تعالیٰ کے اکمل صفات میں سے ہے جو کچھ سنا یا دیکھا جاتا ہے وہ سب کچھ اسی مبارک نام کے انوارات ہیں۔ اور یہ لفظ "رَبّ" اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے کسی مخلوق پر بغیر اضافت کے رب کا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ساری مخلوق خود اپنی تربیت میں محتاج ہے تو وہ دوسروں کی کیا تربیت کرے گی۔ "اَلْعٰلَمِیْنَ" عالم کی جمع ہے اور عالم سے مراد مثلاً عالم جن، عالم ملائکہ، عالم انس وغیرہ سب عالم اجناس مراد ہیں۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: سراج الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں "اَلرَّحْمٰن" کا معنی بہت مہربان "اَلرَّحِیْمِ" کا معنی نہایت رحم کرنے والا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام مخلوقات کی پرورش کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے وہ کسی مجبوری یا دباؤ کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ سب کچھ اس کی صفت رحمت کا تقاضا ہے اگر پوری کائنات نہ ہو تو اس کا کچھ نقصان نہیں ہے اور ہو جائے تو اس پر کچھ بار نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اَلرَّحْمٰن" اس کو کہتے ہیں جو بن مانگے عطا کرے "اَلرَّحِیْمِ" اس کو کہتے ہیں جو نہ مانگنے والوں سے ناراض ہو جائے۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں "اَلرَّحْمٰن" عام صفت ہے اور "اَلرَّحِیْمِ" خاص صفت ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ "اَلرَّحْمٰن" ہے کہ مؤمن کافر سب کو دے رہا ہے یہ ساری زمین خدائی دسترخوان ہے ہر ایک اس سے کھا رہا ہے موحد بھی مشرک بھی آخرت میں اللہ تعالیٰ "اَلرَّحِیْمِ" ہے صرف مؤمنوں کو جنت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ "وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا"۔

ازالہ شبہ: شبہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے تو اس نے قبائح اور غموم کو پیدا ہی کیوں کیا اور ہمیں حاجتیں دی ہی کیوں؟ جواب: حقیقتاً یہ ہماری کوتاہ فہمی ہے تکلیفیں اس طرح ہیں جیسے باپ اپنی اولاد کی تادیب کرتا ہے، باپ کو کوئی بھی ظالم نہیں کہتا، بلکہ اسے پدر مہربان ہی کہا جاتا ہے، اور تادیب شفقت ہی کا جزو سمجھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تکالیف بھی اسی طرح ہمارے لئے عین رحمت اور شفقت ہیں۔

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ: وہ مالک ہے روز جزا کا۔ **مالک کا معنی:** "مٰلِكِ" کو "مِلْك" سے بنایا گیا ہے جس کا معنی ہے کسی شے پر ایسا قبضہ ہو کہ وہ اس میں تصرف کرنے کی جائز قدرت رکھتا ہو۔ (قاموس) زمخشری کہتا ہے کہ اس میں عمومی اشارہ پایا جاتا ہے کہ روز جزاء میں تمام کائنات اور تمام امور کی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔ (تفسیر کشاف، ص:۱۲، ج۔۱)

اس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ملک اور ظاہری حکومت بھی نصیب نہیں ہوگی "لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" (المؤمن ۱۶) آج کس کی حکومت ہوگی؟ بس ایک اللہ ہی کی ہوگی نہ کوئی کسی کا خادم رہے گا نہ مخدوم نہ کوئی کسی کا آقا رہے گا نہ غلام تمام کائنات کی ملک اور مُلک صرف ایک ذات باری تعالیٰ کا ہوگا۔

انسان پر تین حالات گزرتے ہیں: ہر انسان پر تین حالات گزرتے ہیں، ماضی، حال، مستقبل، پہلی دو آیات "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" اور "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" میں انسان کو اس بات پر متنبہ کیا گیا کہ وہ اپنے زمانہ ماضی اور حال میں صرف اللہ

تعالیٰ کا ہی محتاج رہا ہے کہ اس کا ماضی میں وجود نہیں تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے وجود عطا کیا۔ اور تمام کائنات میں سے اس کو بہترین شکل وصورت اور عقل وبصیرت سے نوازا، اور زمانہ حال میں اس کی تربیت اور پرورش کا سلسلہ جاری ہے اور تیسری آیت "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں یہ بتادیا کہ مستقبل میں بھی تو خدا ہی کا محتاج ہے تو ان تین آیتوں سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آگئی کہ انسان اپنی زندگی کے تینوں ادوار میں اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج ہے تو اس کا طبعی اور عقلی تقاضا بھی یہی ہے کہ عبادت بھی صرف اسی کی کی جائے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ: عبادت کا مفہوم: عبادت کہتے ہیں "اَقْصٰى غَايَةُ التَّعْظِيْمِ" یعنی انتہائی درجے کی تعظیم مگر یہ تعظیم اس اعتقاد کے ساتھ ہونی چاہئے کہ جس ذات کی تعظیم کی جارہی ہے وہ واجب الوجود، قادر مطلق، علیم کل اور نافع وضار تمام اشیاء میں تصرف کرنے والی ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (تفسیر بیضاوی، ج:۱، ص:۹)

اس میں تمام قولی فعلی عبادتیں شامل ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں: عبادت دراصل عابد اور معبود کے درمیان نسبت کی درستگی کا نام ہے۔ (تفسیر عزیزی سورۃ بقرہ، ج:۱، ص:۱۱۷)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عبادت کہتے ہیں کمال محبت کے ساتھ کمال اطاعت کرنا۔

نعبد اور نستعین سے پہلے ضمیر منفصل لانے کی وجوہات ❶ "اِيَّاكَ" ضمیر "نَعْبُدُ" اور "نَسْتَعِيْنُ" کا مفعول ہے ضمیر منفصل کو فعل سے مقدم لانے سے معنی میں حصر پیدا ہو گیا ہے۔ اہل بلاغت کہتے ہیں جس چیز کا حق مؤخر ہو اس کو مقدم کیا جائے تو وہ حصر کا فائدہ دیتی ہے معنی یہ ہوگا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ ❷ عبادت حق ذات باری تعالیٰ ہے۔ ❸ نظر عابد صرف ذات باری تعالیٰ پر ہونی چاہئے۔

نعبد کے جمع لانے کی وجوہات ❶ جماعت کی شمولیت ہے یعنی سورۃ فاتحہ پڑھنے والا ایک شخص ہوتا ہے مگر صیغہ جمع متکلم لا کر دوسروں کو بھی اپنے ساتھ شریک کرلیا کہ ساری مخلوق کا تو ہی معبود ہے اور ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں مگر جو لوگ مشرک ہیں وہ گمراہ ہیں اور غلطی پر ہیں ان سب کا معبود حقیقی بھی تو ہی ہے ساری بنی نوع انسان کی طرف سے اور سارے جنات اور فرشتوں کی طرف سے بلکہ ساری مخلوق کی طرف سے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ صرف تو ہی عبادت کے لائق ہے۔ ❷ واضع کے لئے۔
❸ وقع قبولیت کے لئے آگے فرمایا ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں گویا کہ اس آیت میں شرک فی العبادۃ اور شرک فی الاستعانت دونوں کی نفی علیٰ وجہ الکمال ہے۔

نعبد کے نستعین سے پہلے لانے کی وجوہات ❶: "نَعْبُدُ" کو "نَسْتَعِيْنُ" سے پہلے لانے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حاجت طلب کرنے سے پہلے عبادت کو قبولیت دعا کیلئے وسیلہ بنانا زیادہ مفید ہے۔ ❷ رفع احتمال خود پسندی یعنی جب بندہ عبادت کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے تو اس میں ایک قسم کا دعویٰ پایا جاتا ہے تو اس دعوے کی تردید کرنے کیلئے کہا کہ یہ عبادت بھی محض تیری توفیق اور مدد سے پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے۔ ❸ رفعت شان عبادت۔ ازالہ شبہ: بعض ملحد یہ کہا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے تو اسے عبادت کی بھی پرواہ نہیں، پھر ہم کیوں عبادت کی مشقت ومحنت میں مبتلا ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ذات وصفات الٰہی کے کمال کا تقاضا یہ ہے کہ جو نقصان سے خالی نہیں وہ اس کے سامنے تذلل کرے اور انتہائی تعظیم بجالائے کیونکہ حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر چیز کو اپنے محل میں رکھا جائے، اور کمالات خداوندی کا محل یہ ہے کہ انکی انتہائی تعظیم بجالائی جائے اور نقصان انسانی کا محل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جو نقصان سے منزہ ہے انتہائی تذلل سے پیش آئے اگر ایسا نہ کیا جائے تو خلاف حکمت ہوگا۔

استعانت کا مفہوم: استعانت دو قسم پر ہے مافوق الاسباب، اور ماتحت الاسباب۔ ❶ مافوق الاسباب کا مطلب یہ ہے کہ عالم اسباب کی چیزوں سے قطع نظر کرکے اگر کسی کو نفع یا نقصان پہنچے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا مثلاً اگر کسی شخص نے کسی

دوسرے کو قتل کر دیا یا تلوار اور بندوق سے اس کا کام تمام کر دیا یا دریا میں ڈبو دیا یا آگ میں جھونک دیا اور وہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ عالم اسباب کے تحت ہوا ہے اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانا یا پیاسے کو پانی پلانا یا بیمار کو دوائی دے دینا۔ اور اس کی بظاہر مایوس کن حالت سنور گئی تو یہی کہا جائے گا کہ یہ سلسلہ اسباب و مسببات کے مطابق ہوا ہے مگر ان تمام تر چیزوں کی عدم موجودگی میں جب کوئی بظاہر سبب نظر نہ آتا ہو اور ہم دیکھیں کہ کسی کو نفع یا نقصان ہو رہا ہے یا ہم اپنی تدبیر کے موافق نافع اور سودمند چیزیں ہی استعمال اور اختیار کرتے ہیں۔

لیکن وہ تمام ہمارے خلاف پڑتی ہیں تو یہ کہا جائے گا کہ یہاں ایک ایسی زبردست قدرت کا ہاتھ ہے جس کے سامنے کسی کا بس اور چارہ نہیں اور یہ معاملہ مافوق الاسباب ہوگا۔ ❷ ماتحت الاسباب استعانت کا جواز شرعی نصوص سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی زندہ کے پاس ہی موجود ہو اور ان سے ایسی چیز طلب کرے جو عادۃ اس کے بس اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ جیسے سورۃ مائدہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد گرامی ہے۔ "وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔

شیخ الہند قطب العالم حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدہ

اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اسکی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے ہے۔

استعانت کی پانچ قسمیں ہیں

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ لکھتے ہیں استعانت کی پانچ صورتیں ہیں دو خالصتاً کفر اور شرک ہیں اور دو حرام ہیں مگر چوتھی صورت میں کفر کا شبہ قوی ہے اور پانچویں صورت مباح و جائز ہے۔ اب تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

استعانت کی پہلی اور دوسری صورت کفر و شرک ہے

﴿الف﴾ کسی غیر اللہ کو فاعل مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر مدد چاہنا۔ ﴿ب﴾ کسی کو قادر بعطاء الٰہی مان کر مستقل بالعرض سمجھ کر مدد چاہنا۔ یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ خدا تعالیٰ نے اس مخلوق کو ایسی قدرت اور اختیار دیا ہے کہ جو امور طاقت بشریہ سے باہر ہیں ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے وہ بعد عطاء الٰہی کے ان امور میں مستقل اور مختار ہے حق تعالیٰ کے علم و ارادہ کو اب اس میں کچھ دخل نہیں۔ یہ دو صورتیں کفر اور شرک ہیں۔ مشرکین عرب بھی ملائکہ اور بتوں کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" ۔ یعنی ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔

استعانت کی تیسری اور چوتھی صورت حرام ہے

﴿الف﴾ عقیدہ میں اس غیر کو نہ مستقل بالذات سمجھے اور نہ مستقل بالعرض لیکن معاملہ اس کے ساتھ مستقل بالذات کا سا کرے مثلاً اس کو یا اس کی قبر کو سجدہ کرے یا اس کے نام کی نذر مانے۔ ﴿ب﴾ استعانت بالغیر میں اس غیر کے مستقل سمجھنے کا ایہام ہوتا ہو جیسے روحانیات سے مدد مانگنا اگرچہ یہ شخص مستقل نہ سمجھتا ہو لیکن چونکہ مشرکین ارواح کو فاعل مستقل سمجھ کر مدد مانگتے ہیں اس لئے ان

کے شعار کا اظہار اور اس کی تائید ہوگی یہ دو صورتیں حرام ہیں بلکہ چوتھی صورت کے کفر ہونے کا قوی شبہ ہے۔

استعانت کی پانچویں صورت مباح و جائز ہے

جو امور طاقت بشریہ کے تحت میں داخل ہوں (جیسا کہ استعانت ماتحت الاسباب میں گذر چکا ہے) اور کارخانہ عالم کے اسباب کے ساتھ مربوط و متعلق ہوں اور کسی شخص کو ان کے فاعل مستقل ہونے کا توہم بھی نہ ہوتا ہو خواہ وہ امور عادیہ سے ہوں جیسے روٹی کی امداد سے بھوک رفع کرنا اور پانی کی امداد سے پیاس رفع کرنا اور دوا سے مرض کا علاج کرنا وغیرہ اور خواہ وہ امور شرعیہ سے ہوں جیسے دعا اور رقیہ و تعویذ اور صبر و نماز وغیرہ یہ صورت استعانت کی جائز و مباح ہے۔ (آثار خیر، ص ۲۹۸ تا ۳۰۰)

اہل بدعت کا استعانت بالغیر پر استدلال اور اس کا کئی وجوہ پر ابطال

مولوی نعیم الدین مراد آبادی اپنی تفسیر میں "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کے تحت لکھتا ہے کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عون الٰہی کے مظہر ہیں بندے کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے عقیدہ باطلہ ہے کیونکہ مقربان حق کی امداد، امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے ہیں تو قرآن پاک میں "اَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ" اور "اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" کیوں وارد ہوتا احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی۔ (کنز الایمان، ص ۱؛ طبع مکتبہ رضویہ کراچی)

یہ تفسیر کئی وجوہ کی بناء پر باطل ہے۔ ❶ ایک وجہ تو یہ ہے کہ عربی کا ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہاں "نَسْتَعِيْنُ" کا مفعول اور معمول "اِيَّاكَ" ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لئے مقدم ہے کہ حصر کا فائدہ دے اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں ہی مختص ہو جائے اور ابتدائی جملوں میں خود مولوی صاحب نے بھی کافی حد تک اقرار بھی کیا ہے مگر اس سے ان کی بریلویت اور بدعت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس سے ان کے ایک بڑے عقیدے پر ضرب کاری لگتی ہے تو فوراً پینترا بدل کر یہ لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگنا شرک ہے عقیدۂ باطلہ ہے الخ اس نے یہ کہہ کر قرآن کریم میں تحریف کر کے اپنے لئے چور دروازہ کھول لیا ہے۔

❷ دوسری وجہ یہ ہے کہ مولوی نعیم الدین نے جو تفسیری احتمال "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کا بیان کیا ہے وہی احتمال بعینہٖ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" میں بھی جاری ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو سجدہ کرتا ہے یا نماز روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں ہاں مگر ان حضرات کو صرف تقرب الٰہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں درست نہیں ہے؟ اور کس دلیل سے، اور اگر یہ غلط ہے تو پھر غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کس طرح حق ہے اور اس استعانت کو غلط کہنا کس طرح عقیدہ باطلہ ٹھہرا؟ تو جس طرح عبادت غیر اللہ باطل ہے اسی طرح مافوق الاسباب استعانت بھی باطل ہے۔

❸ تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اقسام شرک میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکین اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے مثلاً بیمار کی شفا اور فقیر کی غنی وغیرہ اور ان کے لئے نذریں مانتے تھے اور ان کی وجہ سے وہ اپنی مرادیں پوری ہونے کی امید رکھتے تھے اور برکت حاصل کرنے کی امید پر وہ ان کے نام ورد کے طور پر پڑھتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب کر دیا کہ وہ اپنی نماز میں "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" پڑھیں اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَلَا

تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا'' کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو مت پکارو اور دعا سے یہاں عبادت مراد نہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ استعانت مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم صرف اس کو پکارو گے پس وہ تمہاری تکلیف کو دور کر دے گا۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ص:۶۲، طبع مصر)

اس عبارت سے واضح معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے استعانت شرک ہے۔ باقی "اَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ" اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ذوالقرنین نے سد سکندری کے مقام کے قریب پہنچ کر لوگوں کی درخواست سنی کہ یاجوج ماجوج انہیں ستاتے ہیں تو انہوں نے اس درہ میں ایک بند قائم کیا تا کہ لوگ یاجوج ماجوج کی تکلیف سے بچ جائیں، اور ان لوگوں نے آپ کے لئے مالی امداد کا بھی کہا تو حضرت ذوالقرنین نے فرمایا کہ مجھے مال کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ عطا فرمایا ہے ہاں بدنی طور پر میری امداد کرو "اَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ" تو یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی کہتے ہیں اس ظاہری استعانت سے مطلق یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا عوام الناس کو مغالطہ دینا ہے۔

اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہاں باء سبب کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ تم صبر اور صلوٰۃ کے سبب اور ذریعہ سے استعانت کرو، یہ تو صرف ذریعہ ہیں مستعان ہرگز نہیں مستعان تو صرف ایک اللہ کی ذات ہے جیسا کہ "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" اور "وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ" اور "اللّٰهم انا نستعينك" وغیرہ۔

الغرض کتب احادیث میں ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے جس سے مافوق الاسباب اہل اللہ سے استعانت مانگنے کا ذکر ہو۔ اگر ہو تو ثبوت لایا جائے یہ محض قوم کو دھوکہ دینا ہے۔

استعانت بالغیر پر پیر مہر علی شاہ کا فیصلہ: آخر میں بریلوی مسلک کے ایک مسلم پیر و مرشد کا حوالہ عرض کرتا ہوں جو اپنی جماعت میں علم و تحقیق اور شرف و فضیلت میں بہت مشہور تھے وہ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (المتوفی:۱۳۵۶ھ) ہیں وہ لکھتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ وہ کام کر دیتا ہے لیکن یہ بات ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں اور جو کچھ چاہیں ہو جائے کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابو طالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لاویں اور ظہور میں ایسا نہ آیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب آپ (ﷺ) کو کل اختیار نہیں تو ولی کو کس طرح ہو، یہ تب ہے کہ نعوذ باللہ، نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دے کر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدہ اسلام ہے۔ انتہی بلفظہ (مکتوبات طیبات معروفہ بمہر چشتیہ از پیر مہر علی شاہ صاحب: ص ۲۷: مطبوعہ حجازی پریس لاہور)

پیر صاحب ایک برہمن نجومی کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہماری شریعت نے ایسے امور کو اسی وجہ سے فضول کہا ہے کہ نہ حصول خیر کسی کے ہاتھ میں ہے نہ دفع ضرر کسی کے اختیار میں جو کچھ ہے خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے پس سعادت اور اس کے خلاف کے جاننے سے کیا فائدہ ہے۔ الخ (مہر منیر: ص ۲۵، ۸۴ طبع گولڑہ شریف ضلع اسلام آباد تاریخ اشاعت دسمبر ۲۰۰۶ء)

مولوی نعیم الدین کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربان حق کی امداد، امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں الخ یہ سراسر جھوٹ کا پلندہ ہے کیونکہ مقربان حق کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود کا غیر ہے اور وہ غیر اللہ ہیں تو یہ استعانت بالغیر کیوں نہیں؟ الغرض مافوق الاسباب استعانت اللہ تعالیٰ کا ہی خاصہ ہے باقی جس سے بھی مانگی جائے وہ شرک ہے۔ (محصلہ تنقید متین)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ: چلا ہم کو سیدھے راستہ پر۔ **اولین استعانت:** انسان اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی صفات ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے کہ اے اللہ ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

انسان کو سب سے پہلے کونسی استعانت کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی رہنمائی فرمائی اور انکی زبان سے کہلوایا کہ اے مولیٰ کریم سب سے پہلے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہمیں سیدھے راستے پر چلا، گویا کہ انسان کی سب سے پہلی ضرورت صراط مستقیم ہے جس پر چلنے کیلئے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔

ہدایت کا مفہوم: ہدایت کے دو طریقے ہیں۔ ❶ ایک طریقہ "ارائۃ الطریق" ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو راستہ معلوم نہیں ہے کوئی دوسرا شخص اس کو راستہ دکھادے کہ یہ راستہ تمہاری منزل مقصود کی طرف جاتا ہے۔ ❷ ہدایت کا دوسرا طریقہ "ایصال الی المطلوب" ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی رہنمائی اس طریقے سے کی جائے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے منزل مقصود تک پہنچایا جائے یہ ہدایت اور رہنمائی کا بہترین طریقہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

دیانند سرسوتی کا طلب صراط مستقیم پر اعتراض: اعتراض یہ ہے کہ مسلمان ساری زندگی صراط مستقیم کی دعا کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زندگی بھر سیدھا راستہ نہیں ملتا یہ اعتراض دیانند سرسوتی آریہ سماج نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا تھا اور بعض عیسائی اور دیگر متعصب قسم کے لوگ بھی کرتے رہتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "اهدنا" کئی معنوں میں آتا ہے اس کا معنی راستہ دکھانا بھی ہے اور منزل مقصود تک پہنچانا بھی ہے اور اس کا معنی ثابت قدم رکھنا بھی آتا ہے۔ دیکھیں۔ (کشاف: ج:۱: ص:۱۵؛ تفسیر طبری: ج:۱: ص:۷۳؛ تفسیر مظہری: ج:۱: ص:۹)

تو یہاں ہدایت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں سیدھے راستے کی توفیق عطا فرما اور پھر اس پر ثابت قدم رکھ تو راستہ معلوم ہوجانے کے بعد اس پر ثابت قدم رہنا بھی ضروری ہے بسا اوقات راستہ معلوم ہوجانے کے بعد بھی انسان گمراہ ہوجاتا ہے جیسے غلام احمد پرویز، مرزا قادیانی اور بعض دیگر باطل فرقے ہیں۔

تعارف قادیانی و لاہوری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی شخص منصب نبوت پر فائز نہیں ہوسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ مرتد اور زندیق ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا، ۱۸۹۹ء میں ظلی بروزی نبی ہونے کا اور بالآخر ۱۹۰۱ء میں مستقل صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کیا جس کی تفصیل سورۃ آل عمران میں آئے گی۔ مرزا اپنے ان جھوٹے دعوؤں کی بناء پر کافر و مرتد اور زندیق ٹھہرا، اور اس کو نبی ماننے والے بھی کافر و مرتد اور زندیق ٹھہرے۔

مرزا کو ماننے والے دو طرح کے لوگ ہیں:

(۱) قادیانی۔ (۲) لاہوری۔

قادیانی مرزا کو اس کے تمام دعوؤں میں سچا مانتے ہیں، لہٰذا جو لوگ اسلام سے برگشتہ ہو کر قادیانی ہوئے وہ مرتد کہلائیں گے اور جو پیدائشی قادیانی ہیں وہ زندیق کہلائیں گے۔ لاہوریوں اور قادیانیوں کا اصل جھگڑا حکیم نورالدین کے بعد مسئلہ خلافت پر ہوا، قادیانی خاندان نے مرزا محمود کو خلافت سونپ کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی، جب کہ لاہوری گروپ محمد علی لاہوری کی خلافت کا خواہاں تھا، ورنہ دونوں گروپ مرزا کو اپنے دعوؤں میں سچا مانتے ہیں۔

اگر لاہوری کہیں کہ ہم قادیانی کو نبی نہیں مانتے، اول تو یہ بات خلاف حقیقت اور غلط ہے اور تسلیم بھی کرلی جائے تو وہ اس کو مجدد، مہدی، اور مامور من اللہ وغیرہ ضرور مانتے ہیں اور جھوٹے مدعی نبوت کو صرف مسلمان سمجھنے سے آدمی کافر و مرتد ہوجاتا ہے، لہٰذا قادیانی

جماعت کے دونوں گروہ قادیانی اور لاہوری کافر و مرتد ہیں۔

جھوٹے مدعی نبوت کے پیروکار کا حکم:

حضور اکرم ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی شخص کسی جھوٹے مدعی نبوت سے دلیل یا معجزہ کا مطالبہ کرے تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ مطالبہ عقیدہ ختم نبوت میں شک کے مترادف ہے۔

تَنَبَّأَ رَجُلٌ فِي زَمَنِ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ امْهِلُونِي حَتّٰى أَجِيئَ بِالعلامات فقال ابوحنیفه ﷫ مَن طَلَبَ مِنْه عَلَامَةً فَقَدْ كَفَرَ لقول النبی ﷺ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔ (مناقب الامام الاعظم)

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس نے کہا مجھے مہلت دو تا کہ میں دلائل لے آؤں، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: جس نے اس سے دلیل کا مطالبہ کیا تو بیشک اس نے کفر کیا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

قادیانی کا نبوت پر استدلال

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ: اے اللہ ہم کو سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا جن پر تو نے اپنی نعمت نازل کی۔ گویا ہم کو بھی وہ نعمتیں عطاء فرما جو پہلے لوگوں کو عطا کی گئیں۔ اب سوال یہ ہوتا کہ وہ نعمتیں کیا تھیں قرآن مجید میں ہے "يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا"۔ (مائدہ۔ ۲۰) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم تم اپنے خدا کی نعمت یاد کرو جب اس نے تم میں نبی بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا۔ تو ثابت ہوا کہ نبوت اور بادشاہی دونوں نعمتیں ہیں جو خدا تعالیٰ کسی قوم کو دیا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں دعا سکھائی ہے اور خود ہی نبوت کو نعمت قرار دیا ہے اور دعا کا سکھانا بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی قبولیت کا فیصلہ فرما چکا ہے۔ لہٰذا امت محمدیہ میں نبوت ثابت ہوئی۔

(احمدیہ پاکٹ بک: ص ۴۶۷، ۴۶۶ آخری ایڈیشن)

● جواب: اس آیت میں منعم علیہم کی راہ پر چلنے اور قائم رہنے کی دعا ہے نہ کہ نبی بننے کی اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے طریق عمل کو نمونہ بنائیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"۔ (احزاب۔ ۲۱)

● جواب: گر انبیاء کی پیروی سے آدمی نبی بن سکتا ہے تو کیا خدا کی پیروی سے خدا بن جائے گا؟ جیسا کہ خدا کا فرمان ہے "وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ"۔ (انعام: ۱۵۳) اور کیا گورنر کے راستے پر چلنے والا گورنر بن سکتا ہے؟ یا چپڑاسی کے راستہ پر چلنے والا چپڑاسی بن جاتا ہے؟

● جواب: نبوت دعاؤں سے نہیں ملا کرتی۔ اگر نبوت دعاؤں سے ملے تو نبوت کسبی ہو جائے گی۔ حالانکہ نبوت وہبی ہے "اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ"۔ (الانعام ۱۲۴)

● جواب: حضور ﷺ نے بھی یہ دعا مانگی تھی حالانکہ آپ ﷺ اس سے پہلے نبی بن چکے تھے۔ آپ ﷺ کا ہر نماز میں "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کے الفاظ سے دعا کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس سے حصول نبوت مراد نہیں۔

● جواب: "اِهْدِنَا" صیغہ جمع کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی بنائے اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کی بھی دعا قبول نہ کی کیونکہ اگر دعا قبول ہوئی ہوتی تو مرزا قادیانی کے سب پیروکاروں کو نبی ہونا چاہیے تھا مگر ایسا نہ ہوا اور اگر سب نبی ہی بن

جائیں تو پھر امتی کہاں سے آتے؟ کیا مرزائیوں میں سے کوئی نبوت چھوڑ کر امتی بننے کے لئے تیار ہے؟

● جواب: یہی دعا عورتوں کو بھی سکھائی گئی ہے تو کیا وہ بھی منصب نبوت پر فائز ہو سکتی ہیں؟
اگر جواب نفی میں ہے تو پھر یہ دعا انہیں کیوں سکھائی گئی ہے؟ اور اگر ہاں میں ہے تو یہ تمہارے خلاف ہے۔

● جواب: نبوت اور بادشاہت دونوں خدا کی نعمت ہیں جیسا کہ مرزائی سوال میں بھی اعتراف کیا گیا ہے تو مرزائی بتائیں کہ ان کے قول کے مطابق مرزا نبی تو بنا مگر بادشاہ نہ بنا تو کیا آدھی دعا قبول ہوئی؟

● جواب: شریعت اور کتاب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت بلکہ عظمیٰ ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے "وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ"۔ (البقرہ۔۲۳۱)
تو پھر قادیانیوں کے ہاں اس پر پابندی کیوں ہے؟ اگر دعا سے نبوت لینی ہے تو پھر نعمت تامہ یعنی تشریعی نبوت لینی چاہیے تا کہ مکمل نعمت حاصل ہو حالانکہ مرزائی اس کے قائل نہیں۔

● جواب: مرزا قادیانی اس آیت کے تحت لکھتا ہے۔
"پس اس آیت سے بھی کھلے کھلے طور پر یہی ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ اس امت کو ظلی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تا کہ انبیاء کا وجود ظلی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا ان کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو۔ (شہادت القرآن: رخ ص:۵۲ سے ج۔۶)
اس آیت سے مراد مرزا قادیانی وہ ظلی نبی لیتا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں چلے آتے ہیں۔ جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی۔ مگر مرزا کی امت حضور پاک ﷺ کے بعد اور مرزا سے پہلے کسی کو بھی نبی تسلیم نہیں کرتی۔ معلوم ہوا کہ مرزا کچھ کہتا ہے اور اس کی امت کچھ کہتی ہے۔ اب مرزائی فیصلہ کریں کہ وہ درست کہتے ہیں یا ان کا متنبی مرزا؟
نعمت سے مراد نبوت کا ملنا نہیں۔ کیونکہ یہ نعمت حضرت عیسیٰ اور مریم علیہا السلام پر بھی نازل ہوئی "اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ"۔ (المائدہ۔۱۱۰)
اے عیسیٰ میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کی۔ ایسا ہی زید بن حارثہ پر انعام ہوا "وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ"۔ (الاحزاب ۳۷)
اسی طرح سب مسلمانوں پر انعام الٰہی ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے "وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا" (آل عمران۔۱۰۳) ان سب مقامات پر نعمت ملنے کا ذکر ہے۔ لیکن اس سے نبوت لازم نہیں آتی اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی نعمت سے مراد نبوت ملنا لازم نہیں۔

● جواب: اس دعا میں منعم علیہم گروہ کی طرح استقامت کی راہ پر گامزن رہنے کی تمنا ہے کیونکہ جو ممکن انعامات ہیں اسی راہ پر ملیں گے مثلاً ہر قسم کے انوار و برکات اور محبت و یقین کامل اور تائیدات سماویہ اور قبولیت اور معرفت تامہ عزیمت و استقامت کے انعام جو امت محمدیہ کے لئے مقرر ہیں۔

● جواب: اگر نبوت طلب کرنے کی دعا ہے تو غلام احمد قادیانی نبی بن جانے کے بعد یہ دعا کیوں مانگتا تھا۔ کیا اسے اپنی نبوت پر یقین نہ تھا۔؟

● جواب: مرزا قادیانی نے لکھا "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" تو دل میں یہی ملحوظ رکھو کہ میں صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت کی راہ طلب کرتا ہوں۔ (تحفہ گولڑویہ روحانی: رخ ص:۲۱۸، ج۔۱۷)
مسیح موعود کی پخ تو خود دجال (مرزا قادیانی) نے خود لگائی ہے لیکن "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کا معنی مرزا کی راہ طلب کرنا

نہ کہ مرزا (مسیح موعود) بنتا۔ پس مرزا کے اس اقرار سے مرزائیوں کی دلیل کا مرزائیوں کے دلوں کے طرح خانہ خراب ہو گیا۔

اس آیت میں منعم علیہم کی نعمت طلب کرنے کی تعلیم نہیں دی گئی۔ بلکہ ان کے راستے پر چلنے کی دعا سکھائی گئی ہے انبیاء کا راستہ شریعت و مذہب ہے کہ وہ اس کی پابندی اور اتباع کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اگر نبوت طلب کرنے کی تعلیم دینی مقصود ہوتی تو "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کی بجائے "اعطنا ما انعمت علیهم" ہوتا۔

● جواب: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" یہ دعا نبی کریم ﷺ نے بھی مانگی بلکہ یہ دعا مانگنا آپ ﷺ نے امت کو سکھلایا۔ لیکن یہ دعا آپ ﷺ نے اس وقت مانگی جب آپ ﷺ نبی منتخب ہو چکے تھے۔ قرآن مجید آپ ﷺ پر اترنا شروع ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دعا سے نبی نہیں بنے تو پھر اس دعا کا فائدہ کیا ہوا؟

● مزید یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ چودہ سو سال میں کسی ایک کی یہ دعا قبول ہوئی یا نہ ہوئی اگر ہوئی تو وہ کون ہے جو اس دعا سے نبی بنا؟ اور اگر قبول نہ ہوئی تو پھر یہ امت خیر امت کہاں ہوئی؟ اور اگر مرزائی کہیں کہ صرف مرزا کی دعا قبول ہوئی۔ تو پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر مرزا کے حق میں قبول ہوئی تو مکمل کیوں نہ قبول ہوئی؟ تیسرا حصہ کیوں قبول ہوئی؟

کیونکہ بادشاہت اور نبوت مستقلہ بھی نعمت ہیں یہ دونوں نعمتیں مرزا کو کیوں نہ ملیں؟ مرزا میں وہ کون سی خامیاں تھیں جن کی وجہ سے مرزا کو ان نعمتوں سے محروم رکھا گیا؟ قابل غور ٹھوکر اور گرو چیلہ مرزائیوں کے لاہوری گروپ کے گرو مسٹر محمد علی لاہوری نے اپنی نام نہاد (تفسیر بیان القرآن: ص:۵: ج۔۱) میں لکھا ہے:

یہاں (منعم علیہم میں) نبی کا لفظ آجانے سے بعض لوگوں کو یہ ٹھوکر لگی ہے کہ خود مقام نبوت بھی اس دعا کے ذریعے سے مل سکتا ہے۔ اور گویا ہر مسلمان ہر روز بار بار مقام نبوت کو ہی اس دعا کے ذریعے سے طلب کرتا ہے۔

یہ ایک اصولی غلطی ہے اس لئے کہ نبوت محض موہوبہ ہے اور نبوت میں انسان کی جدو جہد اور اس کی سعی کو کوئی دخل نہیں۔

ایک وہ چیزیں ہیں جو وہبی طور پر ملتی ہیں اور ایک وہ جو انسان کی جدو جہد سے ملتی ہیں۔ نبوت اول میں سے ہے۔

محمد علی لاہوری کا کہنا کہ "بعض لوگوں کو ٹھوکر لگی" یہ اصولی غلطی ہے یہ ٹھوکر کسی اور کو آج تک کبھی نہیں لگی یہ تو صرف اور صرف محمد علی کے چیف گرو مرزا قادیانی کو لگی ہے۔ اس اصولی غلطی اور ٹھوکر کا مرتکب صرف اور صرف مرزا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مرزا کی تحریر ملاحظہ ہو۔ "افسوس کہ حال کے نادان مسلمانوں نے اپنے اس نبی مکرم کا کچھ قدر نہیں کیا اور ہر ایک بات میں ٹھوکر کھائی۔ وہ ختم نبوت کے ایسے معنی کرتے ہیں جس سے آنحضرت ﷺ کی ہجو نکلتی ہے نہ کہ تعریف۔

گویا آنحضرت ﷺ کے نفس پاک میں افاضہ اور تکمیل نفوس کے لئے کوئی قوت نہ تھی اور وہ صرف خشک شریعت کو سکھلانے آئے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس امت کو یہ دعا سکھلاتا ہے "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ"۔ پس اگر یہ امت پہلے نبیوں کی وارث نہیں اور اس انعام میں سے ان کو کچھ حصہ نہیں تو یہ دعا کیوں سکھلائی گئی۔

(حقیقت الوحی: رخ: ص:۱۰۴ ج۔۲۲)

دعا سکھانے کا فلسفہ تو محمد علی اپنے گروجی سے سیکھیں ہاں ہمیں یہ ضرور بتانا ہے کہ متضاد باتوں کو گرو اور چیلہ دونوں ٹھوکر قرار دے رہے ہیں۔ اب کون سچا ہے؟ یہ فیصلہ قارئین خود کر لیں۔ (قادیانی شبہات کے جوابات: ص ۱۳۶ تا ۱۴۰ ج۔۱)

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ :راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔

انعام یافتہ طبقات اربعہ

دنیا کا ایک مسلم اصول ہے کہ انسان اپنی فطرتی قوتوں کی تکمیل اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک پوری طرح اس کے سامنے کوئی نمونہ موجود نہ ہو اس نمونہ کو دیکھ کر ہی انسان اپنی غلطیوں کی اصلاح کرسکتا ہے چنانچہ قرآن کریم نے بطور نمونہ کے چار جماعتوں کا ذکر فرمایا کہ یہ انعام یافتہ ہیں کہ ان کے راستے پر انسان چل کر کامیاب ہوسکتا ہے اور اپنی صحیح معنوں میں فطری تقاضوں کی تکمیل اور اصلاح کرسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورۃ نساء کی اس آیت میں ان چار طبقوں کا ذکر ہے :

"وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ"۔

(ابن کثیر، ج:۱، ص۔۲۶) یعنی نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ انسان ان چاروں گروہوں کے راستے پر چلنے کی درخواست کرتا ہے۔

پہلا انعام یافتہ گروہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے :انبیاء علیہم السلام کی ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں مکمل گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے گناہ سرزد نہیں ہوسکتا اگر نبی سے معمولی سی غلطی بھی ہوجائے تو اس کی فوراً اصلاح کردی جاتی ہے اس قسم کی معمولی بھول کو لغزش کہا جاتا ہے۔ کتب عقائد کے حوالے سے جہاں تک گناہ کا تعلق ہے وہ نبی کی ذات سے نہ نبوت سے پہلے ہوتا ہے اور نہ نبوت کے بعد نبی کو معمولی لغزش پر تنبیہ ہوجاتی ہے اور اسے اس پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا۔

عام انسان اور نبی میں یہی فرق ہے کہ بڑے سے بڑا مجتہد بھی غلطی سے خالی نہیں ہوسکتا وہ ساری عمر خطاء پر رہ سکتا ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گارنٹی حاصل نہیں ہوتی مجتہد کو اپنے درجے کے مطابق اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب ضرور حاصل ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے غلطی سے ہٹادے بہر حال انبیاء گناہوں سے پاک ہوتے ہیں مگر انسان ہوتے ہیں البتہ ان میں علمی، عملی اور عقلی قوتیں کمال درجے کی ہوتی ہیں۔

دوسرا انعام یافتہ گروہ صدیقین کا ہے :صدیق راست باز کو کہتے ہیں اور یہ وہ شخصیت ہوتی ہے جس کی قوت علمی اور نظری نبی کے قریب قریب ہوتی ہے یوں سمجھ لیجیے کہ صدیق کا ظرف ایک ایسا صاف آئینہ ہوتا ہے جس پر نبی کے علوم کا عکس پڑتا ہے ملاحظہ فرمالیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی عدم موجودگی میں بالکل ویسی بات کرتے تھے جیسی حضور ﷺ کی زبان سے نکلی تھی۔ معاہدۂ حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑے پریشان ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اتنی کمزور شرائط پر صلح کررہے ہیں کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بالکل ایسا ہی ہے مگر اے عمر! جان لو کہ میں اللہ کا نبی ہوں "ولن یضیعنی اللہ" اور اللہ مجھے ضائع نہیں کرے گا یہ جو کچھ ہو رہا ہے اسی میں مصلحت ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کا ذکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا اور کہا کہ مسلمانوں کو اتنی کمزور شرائط پر صلح نہیں کرنی چاہئے۔

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا "اے عمر تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضور علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں "ولن یضیعہ اللہ" اور اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا، مطلب یہی تھا کہ جو کچھ حضور علیہ السلام کررہے ہیں مسلمانوں کی اسی میں بہتری ہے آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی وہی الفاظ نکلے جو حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے ادا ہوئے تھے تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صدیق کا ذہن اور دماغ اتنا شفاف آئینہ ہوتا ہے جس پر نبی کے علوم کا عکس پڑتا ہے اور اس کی بات نبی کی بات سے مل جاتی ہے

ایسے شخص کو صدیق کا لقب دیا گیا ہے۔

تیسرا انعام یافتہ گروہ شہداء کا ہے: شہداء کی قوت عملیہ کو کمال حاصل ہوتا ہے جس طرح نبی کی قوت عملی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اسی طرح شہید کی قوت عملی بھی اس کے قریب قریب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ شہید اپنے دین اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی جان پر بھی کھیل جاتے ہیں اور اسی طرح وہ حق وصداقت کی گواہی دینے والے بن جاتے ہیں جان کا نذرانہ پیش کرنے والا اس بناء پر شہید کہلاتا ہے۔

انعام یافتہ چوتھا گروہ صالحین کا ہے: ان کی قوت علمی اور عملی اگرچہ اعلیٰ درجہ کی نہیں ہوتی مگر ان میں کامل درجہ کا اتباع پایا جاتا ہے ایسے لوگ انبیاء علیہم السلام کے خاص متبعین ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو فاسد اعتقادات اور برے اخلاق سے دور رکھتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ صالح اس شخص کو کہا جاتا ہے جو خالق کا بھی حق ادا کرتا ہے اور مخلوق کا بھی حق ادا کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ یاد الٰہی میں مصروف رہتا ہے عام اصطلاح میں ایسے لوگوں کو ولی کہا جاتا ہے یہی صالحین ہیں اور باقی لوگ ان سے کمتر درجہ کے ہوتے ہیں۔

علامات مشترکہ: اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور ان کے رزق کا خود کفیل ہوتا ہے ایسے طریق پر کہ سب لوگوں سے ممتاز رکھتا ہے، اور مسافرت میں ان کا انیس ہوتا ہے اور انہیں ایسی عزت نفس عطا فرماتا ہے جسکی وجہ سے وہ ملوک و امراء کی خدمت کے لئے کسی طرح راضی نہیں ہوتے انکی ہمت بلند فرماتا ہے، اسی وجہ سے وہ دنیا کی مکروہات سے آلودہ نہیں ہوتے، اور ان کا شرح صدر کر دیتا ہے، اسی بنا پر وہ تکالیف وشدائد سے تنگ دل نہیں ہوتے اور انکے مکانات میں ان کے کلام وافعال کی برکت ان کے ہم محبتوں اور انکی اولاد میں پے در پے ظاہر ہوتی رہتی ہے انکی دعائیں اکثر قبول ہوتی ہیں۔

صراط مستقیم کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعہ کا نام ہے

"صراط مستقیم" کی تعیین کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ صراط رسول یا صرف صراط قرآن کیونکہ قرآن کریم حقیقت میں صراط مستقیم کی تشریح ہے اور آنحضرت ﷺ کی پوری تعلیمات اس کی تفصیل ہیں مگر قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ قرآن کا راستہ اختیار کرو یا رسول کا راستہ اختیار کرو بلکہ صراط مستقیم کی تعیین کے لئے فرمایا انبیاء کے علاوہ صدیقین شہداء اور صالحین کا طریقہ بھی اختیار کرو۔ اس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تعلیم وتربیت محض کتابوں اور روایتوں سے نہیں ہوتی بلکہ رجال ماہرین کی صحبت اور ان سے سیکھ کر حاصل ہوتی ہے جس طرح دنیا کا مشاہدہ ہے کہ محض کتاب سے تعلیم حاصل کر کے کوئی کپڑا سینا نہیں جانتا بلکہ ٹیلر ماسٹر کے پاس جا کر سیکھے گا پھر کپڑا سینا آئے گا اسی طرح ڈاکٹر محض کتاب پڑھ کر ڈاکٹر نہیں بن سکتا اس طرح اگر کوئی محض قرآن وحدیث کا مطالعہ کر کے انسانی تربیت وتعلیم کے لئے کافی سمجھتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے بلکہ قرآن وحدیث کے ماہرین کے پاس جانا ہوگا اور ان کی صحبت اختیار کرنی ضروری ہے۔

اور اگر محض کتاب کافی ہوتی تو رسولوں کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی کتاب کے ساتھ رسول کو معلم بنا کر بھیجنا صراط مستقیم کو متعین کرنے کے لئے اور اپنے مقبول بندوں کی فہرست دینا اس بات کی دلیل ہے کہ محض کتاب کافی نہیں ہے بلکہ ماہر سے سیکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ ساری بات کا حاصل یہ ہے کہ دو چیزوں کی اشد ضرورت ہے۔ ❶ کتاب اللہ ❷ رجال اللہ۔ کتاب اللہ میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے احکام موجود ہیں اور رجال اللہ یعنی اللہ والے ان سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ انہیں قرآن وحدیث کے مشہور اصولوں سے پرکھا جائے اگر وہ اس معیار پر پورے اتریں تو ان سے کتاب اللہ کا مفہوم اور عمل سمجھا جائے ورنہ نہیں۔

آج لوگوں میں اختلاف کا بڑا سبب یہ ہے بعض نے کتاب اللہ کو تھام لیا ہے اور رجال اللہ سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور بعض نے رجال

اللہ کو معیارِ حق سمجھ کر کتاب اللہ سے آنکھیں بند کرلیں جس کا نتیجہ گمراہی ہے اللہ تعالیٰ دونوں کا دامن تھامنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ : نہ وہ لوگ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہ۔

مغضوب علیہم اور ضالین لوگوں کی نشاندہی: مغضوب علیہم وہ شخص یا گروہ ہے جو جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے ایسے لوگ حقیقت سے واقف ہوتے ہیں۔ ضالین ان لوگوں کو کہتے ہیں جو بے خبری میں گمراہ ہوجاتے ہیں ان کے پاس صحیح راستہ پہچاننے کا علم نہیں ہوتا۔ یہ دونوں گروہ مردود ہیں حدیث شریف میں یہودیوں کو مغضوب علیہم اور عیسائیوں کو ضالین کہا گیا ہے۔ (ترمذی رقم الحدیث۔۲۹۵۴)
اور یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (ابن کثیر: ص:۸۰ ج:۱ طبع بیروت)

سورۃ فاتحہ کے اختتام پر یہود و نصاریٰ کے طریقوں سے بچنے کی دعا کرائی گئی ہے ہم سب مسلمان غور کریں کہ ان دونوں جماعتوں کے طریقے سے کس قدر دور ہیں اور انعام یافتہ طبقات جس کا اوپر ذکر ہوچکا ہے ان کے طریقوں سے کتنے قریب ہیں حکومت، سیاست، شکل وصورت، لباس، کسب مال، تجارت، معیشت ومعاشرت۔ غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں غور کرلیں آج عوام اور خواص میں سے ہر ایک غور وفکر کرلے کہ ہم نماز میں اللہ تعالیٰ سے ان کے طریقوں سے بچنے کی دعا کرتے ہیں مگر نماز کے باہر ان کے طریقوں کو زندگی میں لانے کی کوشش کرتے ہیں بہت بڑے غور کا مقام ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

سورۃ فاتحہ میں اسمائے حسنیٰ کے اشارات

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کے پانچ نام ہیں:
(۱) اللہ۔ (۲) رب۔ (۳) رحمٰن۔ (۴) رحیم۔ (۵) مالک۔ اور بندے کے صفات بھی پانچ بیان کی گئیں:
(۱) عبادت۔ (۲) استعانت۔ (۳) طلب ہدایت۔ (۴) استقامت۔ (۵) طلب نعمت وپناہ از غضب۔ ان کے باہمی تعلق کو یوں خیال فرمائیے۔ (۱) عبادت کا تعلق اللہ سے ہے۔ (۲) استعانت کا تعلق رب سے ہے۔ (۳) طلب ہدایت کا تعلق رحمٰن سے ہے۔ (۴) طلب استقامت کا تعلق رحیم سے ہے۔ (۵) طلب نعمت وپناہ از غضب کا تعلق مالک سے ہے۔

انسان سے مناسبت: اسی طرح آدمی بھی پانچ چیزوں سے مرکب ہے۔
(۱) بدن۔ (۲) نفس شیطانی۔ (۳) نفس سبعی۔ (۴) نفس بہیمی۔ (۵) جواہر ملکی۔

اسکی مختصر تشریح بھی ملاحظہ ہو (۱): جوہر ملکی کا اطمینان اسم اللہ کی تجلی سے ہوتا ہے "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (رعد۔۲۸) اللہ ہی کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ (۲) نفس شیطانی کی نرمی وانقیاد اسم رب کی تجلی سے حاصل ہوتا ہے "رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ" (مؤمنون ۹۷) ترجمہ: اے میرے رب! میں شیطانی وساوس سے تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں۔
(۳) نفس سبعی کی اصلاح اسم رحمٰن کی تجلی سے متعلق ہے۔ "اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ" (فرقان۔۲۶) ترجمہ: ملک حقیقتاً آج رحمٰن ہی کا ہے۔ (۴) نفس بہیمی کی اصلاح اسم رحیم کی تجلی سے ملحق ہے "وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" (قصص۔۷۳) ترجمہ: اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ آرام کرسکو اور پھر اس کا فضل طلب کرو اور شکر کرو۔ (۵) بدن سے غلاظت وکثافت کا ازالہ صفت مالکیت کی تجلی سے متعلق ہے "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" (مؤمن۔۱۶) ترجمہ: آج ملک کی مالکیت کس کی ہے؟ خدائے یکتا وبرتر کی ہے جب آدمی ان اسماء کی تجلیات سے مہذب واصلاح یافتہ ہوجاتا ہے اور اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ:

❶ بدن کی اطاعت کے لئے "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" کہتا ہے۔ ❷ نفس بہیمی کی اطاعت کے لئے (تا کہ ترک لذات کر سکے) "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کہتا ہے۔ ❸ اور نفس سبعی کی استعلاء سے خلاصی کیلئے "اِهْدِنَا" کہتا ہے۔ ❹ اور مکائد نفس شیطانی کے دفعیہ کی خاطر طلب استقامت کرتا ہے۔ ❺ جوہر ملکی (عقل) کی اصلاح کی خاطر ارواح مقدسہ کی موافقت ڈھونڈتا ہے اور "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کہہ کر ارواح خبیثہ سے دوری چاہتا ہے۔

(الکلمۃ الراجحۃ فی تفسیر سورۃ فاتحہ حضرت بہلوی رحمہ اللہ)

ضاد کی جگہ ظا پڑھنے والے کی امامت

مولوی نعیم الدین مرادآبادی بریلوی "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مسئلہ: جو شخص ضاد کی جگہ ظا پڑھے اس کی امامت جائز نہیں۔ (محیط برہانی، کنزالایمان ترجمہ: ص:۱۱: مکتبہ رضویہ کراچی)

جواب: ❶ جس وقت محیط کا لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے محیط برہانی مراد ہوتی ہے جس کے مصنف امام محمد الملقب برضی الدین برہان الاسلام الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۴۴ھ) تھے انہوں نے یہ کتاب چالیس جلدوں میں لکھی تھی پھر اس کا انہوں نے خلاصہ لکھا جس کا نام انہوں نے خود "الذخیرۃ البرہانیہ" رکھا۔ (ملاحظہ ہو الفوائد البہیہ: ص ۱۹۰)

یہ بات یاد رہے کہ چالیس جلدوں والی کتاب صدیوں سے نایاب ہے مولوی نعیم الدین نے ان کا مجمل حوالہ پیش کیا ہے ممکن ہے کہ ان کو حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ (وغیرہ) کے اس حوالہ سے شبہ ہوا ہو مگر اس میں تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ محیط میں ہے کہ امام فضلی رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو "ضاد" کی جگہ "ظا" یا اصحاب النار کی بجائے اصحاب الجنۃ یا ان دونوں کے برعکس پڑھتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی امامت جائز نہیں اور اگر جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے تو کافر ہو جائیگا میں کہتا ہوں کہ دیدہ دانستہ ایسا کرنے میں اس کے کفر میں تو کوئی کلام نہیں جبکہ اس لفظ میں "ضنین" کی طرح دو لغت نہ ہوں کیونکہ اس میں "ضنین" اور "ظنین" پڑھنے کا اختلاف مشہور ہے بہر حال "ضاد" اور "ظا" کے تبدیل کرنے میں خاصی تفصیل ہے۔

(شرح فقہ اکبر: ص ۱۶۷: طبع میر محمد کراچی)

اس سے واضح معلوم ہوا کہ معاملہ صرف "ظا" اور ضاد ہی کا نہیں جیسا کہ مولوی نعیم الدین نے سمجھا ہے بلکہ دیگر اغلاط کا بھی یہی حکم ہے۔ حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ظا اور ضاد"، کا معاملہ مطلق نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

جواب: ❷ اب ہم ان کے گھر کی گواہی پیش کرتے ہیں چنانچہ اہل بریلویت کی مسلم دینی مقتدر شخصیت حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحبؒ سے سوال کیا گیا (۶) اگر "ضاد" کی جگہ ظا پڑھا جائے تو نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ (فتاویٰ مہریہ: ص۔۱۳۱)

اس کے جواب میں حضرت پیر صاحب لکھتے ہیں کہ (۶) مخفی نہ رہے کہ اکثر مشائخ کے نزدیک مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ اگر قرأۃ میں ایک حرف کی بجائے دوسرا حرف تبدیل کیا اور ان میں مخرج کے لحاظ سے امتیاز کرنا مشکل ہے تو قاری معذور ہوگا اور نماز فاسد نہ ہوگی ورنہ فاسد ہو جائے گی مثلاً صاد اور طا کے درمیان فرق آسان ہے لہذا ان میں سے ایک کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا مفسد نماز ہے اور ضاد اور ظا میں امتیاز آسان نہیں لہذا آپس میں تبدیل کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی جیسا کہ شرح منیۃ اور درمختار کی عبارات مذکورہ سے واضح ہے۔

(فتاویٰ مہریہ: ص:۱۳۳: طبع کتب خانہ درگاہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ جولائی ۲۰۱۰، مکتوبات طیبات: ص:)

خلاصہ کلام: حضرت پیر صاحب کی تحریر کے بعد مزید کچھ لکھنے کی ضرورت تو نہیں رہی تاہم مسئلہ کی مزید وضاحت اور اہل علم کی تسلی کے لئے کچھ لکھ دیتے ہیں کہ "ضاد" کو "ظاء" کے مشابہ پڑھنے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کا نماز کا فاسد ہونے میں کافی اختلاف ہے

لیکن عموم بلویٰ کی وجہ سے جب کہ اصلی مخرج سے نکالنے کی تمیز وقدرت ہی نہ ہوتو اکثر مشائخ کا قابل اعتماد قول اور فتویٰ یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی ہاں قادر کو اس کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر حرف اپنے مخرج سے نکالے امام ہو یا منفرد، مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان مسئلہ سب کے لئے برابر ہے۔

نیز علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں میں فرق رکھ سکتا ہے پھر غلط پڑھتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں اور فرماتے ہیں اسی پر اعتماد کرنا چاہیے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (محصلہ روح المعانی: ج: سوم ص: ۹۱: طبع مصر)

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علماء کرام کا صحیح مذہب یہ ہے کہ "ضاد: اور ظاء" میں جو فرق ہے اگر اس میں کوئی کمی رہ جائے تو معاف ہے کیونکہ یہ دونوں حرف قریب المخرج ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ج:۱: ص:۵۹: طبع بیروت) فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر "ضالین" کو "ظاء" اور "ذال" کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دالین (دال سے) پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (فتاویٰ قاضی خان: ج:۱: ص:۷۰، طبع نولکشور) بہر کیف اس حرف کو اپنے مخرج سے نکالنے کی مدت العمر کوشش جاری رکھنی چاہیئے۔

مسئلہ ضاد اور ظا میں متقدمین اور متاخرین کا ضابطہ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جواہر الفقہ میں اس مسئلہ کے بارے میں ضابطہ متقدمین اور ضابطہ متاخرین دونوں تحریر کرتے ہیں: ضابطہ متقدمین کے بارے میں لکھتے ہیں متقدمین کے قول کے مطابق جب کوئی شخص "ضاد"، کو "ظا"، خالص سے بدل دے یا "دال"، پڑھے دونوں صورتوں میں معنی پر غور کیا جائے گا اگر تغیر فاحش پیدا ہو گیا کہ مراد بالکل بدل گئی تو فساد نماز کا حکم دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ (ص:۳۲ ج:اول)

تغیر فاحش کی امثلہ بیان کرتے ہوئے: ص: ۳۳ ج اول: پر لکھتے ہیں نیز فتاویٰ قاضی خان میں ہے: "وكذا لو قرأ غير المغظوب بالظاء او بالذال تفسد صلوته ولو قرأ الظالين بالظاء اوبالذال لا تفسد صلوته ولو قرأ دالين بالدال تفسد صلوته"۔ (قاضی خان: ص:۷۰ ج:۱: بحوالہ جواہر الفقہ)

ترجمہ: اور اسی طرح اگر "غیر المغظوب" "ظا" یا "ذال" کے ساتھ پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر "ظالین" "ظا" یا "ذال" کے ساتھ پڑھا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر دالین دال کیساتھ پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اس سے واضح معلوم ہوا "ضاد، ظا، ذال"، کو عموم بلویٰ اور ان کے درمیان تمیز مشکل ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی جگہ پر پڑھنے کی گنجائش دی گئی ہے اور "الضالین" کو "الظالین" پڑھا گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ امداد الفتاویٰ میں لکھتے ہیں: "ولا الضالین" میں "ظا"، کا پڑھنا جو مفسد نہیں ہے اس کی بنا یہ نہیں ہے کہ "ضاد" کی جگہ عمداً "ظا" کا پڑھنا جائز ہے ورنہ "مغضوب علیهم" اور "ضالین" میں کیا فرق تھا کہ "مغضوب علیهم" میں تو "ظا" کو مفسد بتا رہے ہیں اور "ضالین" میں غیر مفسد بلکہ مبنیٰ اس کا یہ ہے کہ "ضالین" میں فساد معنی نہیں ہوتا جیسا قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ "ظل بالظأ" کے معنی "لیل" اور "جنح اللیل" اور "سواد السحاب" کے بھی ہیں پس "ظالین" کے معنی مثلاً "داخل فی الظلمات" ہوں گے جو حاصل ہے "ضلال بالضاد" کا یہ افعال ناقصہ "ظل یظل" سے ہوگا بمعنی "الکائنین" اور خبر مقدر ہوگی "فی ضلال" یا "فی غضب" بقرینہ "مغضوب علیهم" کے جیسے "ائذا ظللنا" یا "بالظأ" کی قرآۃ میں بھی یہ توجیہ ہوگی جیسا آگے مذکور ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی خان "والعدیات ضبحا" وغیرہ میں "ظا" کو مفسد کہا اور جہاں جہاں مادہ "ضلال" کا آیا ہے جیسے "ومن یضلل اللہ" اور "ائذا ضللنا" اس میں غیر مفسد کہا ورنہ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہر جگہ عدم فساد اسی مادہ کے ساتھ خاص کیا گیا چنانچہ "ائذا ظللنا" میں خود "ظللنا بالظأ" کا ہونا ایک قرآۃ ہونا بھی نقل کیا

ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس قرأۃ کی رعایت سے ہر جگہ اس مادہ میں تاویل صحت معنی کی گئی ہے اس وجہ سے مفسد نہیں کہا۔ آگے لکھتے ہیں پس بناء مذکور پر ارجح یہاں بھی عدم فساد ہوگا۔ فتدبر وتشکر۔ (امداد الفتاویٰ: ص: ۱۷۴، ج ۱)

جواہر الفقہ میں ضابطہ متاخرین کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: عوام جو مخارج اور صفات سے واقف نہیں بوجہ ناواقفیت یا عدم التمیز کے اگر ان کی زبان سے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف نکل جائے خواہ کوئی حرف ہو اور وہ یہ سمجھے کہ میں نے وہی حرف نکالا ہے جو قرآن شریف میں ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی (حسب ضابطہ متاخرین) اور جو شخص واقف ہے اور صحیح حرف نکالنے پر قادر بالفعل ہے اور پھر بھی جان بوجھ کر یا بے پروائی سے غلط حرف نکالتا ہے تو جس جگہ معنی میں تغیر فاحش پیدا ہو جائے گا حسب ضابطہ متقدمین اس کی نماز فاسد قرار دی جائے گی۔

الغرض عوام کے حق میں متاخرین کے قول پر فتویٰ ہے اور خواص فقہاء قرآء کے حق میں متقدمین کے قول پر جو شخص مخارج اور صفات سے واقف ہو وہ خواص میں داخل ہے خواہ عرف عام میں اس کو قاری نہ کہتے ہوں اور جو اس سے ناواقف ہے وہ اس بارے میں عوام میں داخل ہے اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم ہو۔ ص: ۳۸۰ پر لکھتے ہیں خلاصہ فتویٰ کے تحت جس کا حاصل یہ ہوا کہ عوام کی نماز تو بلا کسی تفصیل و تنقیح بہر حال صحیح ہو جاتی ہے خواہ "ظا" پڑھیں یا "ذال" وغیرہ کیونکہ وہ قادر بھی نہیں اور سمجھتے بھی یہی ہیں کہ ہم نے اصلی حرف ادا کیا ہے اور قرآء مجودین اور علماء کی نماز کے جواز میں تفصیل مذکور ہے کہ اگر غلطی قصداً یا بے پروائی سے ہو تو نماز فاسد ہے اور سبقت لسانی یا عدم تمیز کی وجہ سے ہو تو جائز و صحیح ہے۔ (جواہر الفقہ: ص: ۳۷۹، ج: اول)

❶ گیارہ جلدوں پر مشتمل محیط کا حوالہ: "والحاصل من الجواب فی جنس هذه المسائل ان الکلمة مع حرف البدال اذا کانت لا توجد فی القرآن والحرفان من مخرج واحد او بینهما قرب المخرج ویجوز ابدال احد الحرفین عن الآخر، لا تفسد صلاته عند بعض المشائخ۔ وعلیه الفتویٰ۔ (المحیط البرهانی ص: ۳۶۴: ج: ۱ تالیف العلامة الشیخ الامام محمود بن احمد بن عبد العزیز عمر بن مازة البخاری رحمه الله المتوفی ۶۱۶ھ مکتبه رشیدیه کوئٹه)

حاصل عبارت یہ ہے دو حرف جن کا مخرج ایک ہو یا دونوں قریب المخرج ہوں اگر وہ ایک دوسرے کی جگہ پر تبدیل ہو جائیں تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی اور اسی پر فتویٰ ہے۔

❷ پچیس جلدوں میں مفصل محیط کا حوالہ: القسم الثانی من هذا الوجه: ان یکون مع مخالفة فی المعنی نحو ان یأتی بالظاء مکان الضاد، او الضاد مکان الظاء فالقیاس ان تفسد صلاته، وهو قول عامة المشائخ رحمهم الله تعالیٰ واستحسن بعض مشایخنا رحمهم الله وقالوا بعدم الفساد للضرورة فی حق العامة، خصوصاً للعجم وهذا فی الحروف المتقاربة فی المخرج واما فی الحروف المتباعدة فی المخرج فقد یغیر المعنیٰ نحو ان یقرأ نیشرك مكان نیسرك تفسد صلاته۔

۱۲۳۷۔ والحاصل من الجواب فی جنس هذه المسائل ان الکلمة مع حروف البدل اذا کانت لا توجد فی القرآن والحرفان من مخرج واحد او بینهما قرب المخرج ویجوز ابدال احدی الحرفان عن الآخر لا تفسد صلاته عند بعض المشائخ، وعلیه الفتویٰ۔ (المحیط البرهانی المجلد الثانی: کتاب الصلوٰة: ص: ۶۱، ۶۲: ادارة القرآن، تالیف: الامام برهان الدین ابی المعالی محمود بن صدر الشریعة ابن مازه

البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (ولادت ۱۰۰ھ المتوفی ۶۱۶)

ترجمہ، اور ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کے ذکر کرنے کی دوسری قسم یہ ہے کہ دونوں حرف معنی میں مخالف ہوں جیسے ضاد کی جگہ ظا یا ظا کی جگہ ضاد ذکر کرنا تو اس صورت میں قیاس کا تقاضا اور اکثر مشائخ کا قول یہ ہے کہ ایسے آدمی کی نماز فاسد ہو جائے گی اور بعض مشائخ نے عوام الناس خصوصاً عجمیوں کے حق میں ضرورت کی بنا پر استحساناً عدم فساد کا قول اختیار کیا ہے اور یہ (عدم فساد) ان حروف کے بارے میں ہے جو قریب المخرج ہیں لیکن ان حروف میں جو مخرج کے اعتبار سے بعید ہیں تو بعض اوقات اس سے معنی تبدیل ہو جاتا ہے جیسے "نیسرلك" کی جگہ "نیشرلك" پڑھنا تو ایسے آدمی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۲۳۷۔ اس قسم کے مسائل کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بدلے ہوئے حروف کے ساتھ جب کلمہ قرآن میں موجود نہ ہو اور دونوں حرفوں کا ایک مخرج ہو یا دونوں کا مخرج قریب ہو اور ان دو حرفوں میں سے ایک کو دوسرے سے تبدیل کرنا بھی جائز ہو تو بعض مشائخ کے نزدیک اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے۔

مسئلہ ضاد پر ایک اہم اشکال : وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اہل عرب پر ابتداً نازل ہوا ہے تو اس کو انہی کے طریقہ پر پڑھنا چاہئے وہ چونکہ ضاد کو دال پڑھتے ہیں اور بہت سے مصری اساتذہ تجوید وقراۃ کا طریقہ کار بھی یہی ہے کہ جو طالب علم ضاد مشابہ بالظاء پڑھتا ہے اس کو اپنی عادت کے مطابق خوب سختی سے منع کرتے ہیں ہاں البتہ کوئی طالب علم ضاد کو خالص دال کے مخرج سے نکالے تو بہت خوش ہوتے ہیں کہ یہی صحیح ہے؟

جواب، ہمارے لئے طریقہ اور معیار لحن زمانہ نزول قرآن کے اہل عرب کا ہے نہ کہ تجوید وقرآت اہل عرب۔

اولاً : اس لئے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "اقروء ا القرآن بلحون العرب واصواتها"۔
(مشکوۃ المصابیح: ص:۱۹۱: ج۔۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کو عرب کی فصیح لغتوں اور صحیح اور بے تکلف لہجوں اور بے تکلف آوازوں میں پڑھو۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ لحن کے مطلب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ لحن عرب سے زمانہ نزول قرآن کے عرب مراد ہیں جن کے لحون ماہر قراء کی سند کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں موجودہ عرب مراد نہیں کیونکہ یہ لوگ غیر عرب حروف وحرکات کو اپنی زبان میں داخل کر چکے ہیں۔ (حاشیہ التحفۃ المرضیہ شرح المقدمۃ الجزریہ۔ ۸۲)

آج کل اہل عرب "ق" کی جگہ "گ" اور "ف" کی جگہ "پ" اور "ض" کی جگہ "ذ" بولتے ہیں اور اہل مصر "ج" کی جگہ "گ" کہتے ہیں اور بعض بے احتیاطی سے قرآن کی تلاوت کرتے وقت بھی ایسی غلطیاں کر جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

حاصل یہ نکلا کہ لحون اہل عرب سے مراد یہی زمانہ نزول قرآن کے اہل عرب ہیں نہ کہ آج کے دور کے اور نہ تو ان کی تجوید کو کہیں معیار بنایا گیا ہے۔ ثانیاً: محققین اہل مصر نے بھی اس ضاد مشابہ بالدال کو ضاد محدثہ (نئی پیداوار) قرار دیا ہے۔
(دیکھیں کتاب لحن العلامۃ الزبیدی: ص۔۲۲۶: ۲۲۵)

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کو مجبوراً ضاد بعینہ ظا پڑھوانا چاہتے ہیں حالانکہ یہ ان کا خیال درست نہیں کیونکہ سلف وخلف سے مخارج وصفات کی روشنی میں جو متواتر طریقہ ضاد کی ادا کا چلا آیا ہے کہ یہ سننے میں ان دونوں کی آوازیں مشابہ ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ ابن تیمیہ، ص: ۲۵۰، ج: ۲۳: میں لکھتے ہیں کہ: یہ دونوں حرف سننے میں ایک جیسے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ قراءت خلف الامام

امام صاحب نماز میں فاتحہ پڑھے اس کے ساتھ سورۃ بھی ملائے:

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْأُولَيَيْنِ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ"۔ (بخاری: ص:۱۰۵؛ ج:۱؛ باب القراءۃ فی الظہر؛ مسلم: ص:۱۸۵؛ ج:۱؛ مشکوۃ ص:۷۹؛ ج۔۱)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورۃ پڑھتے تھے۔

منفرد فاتحہ پڑھے اس کے ساتھ اور قرأت بھی کرے: حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک اعرابی کو نماز کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا! "إِذَا قُمْتَ فَتَوَجَّهْتَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ وَبِمَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَقْرَأَ"۔ (ابوداؤد: ص:۱۳۱؛ ج:۱؛ باب من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود)

ترجمہ: جب تو نماز کے لئے کھڑا ہوا اور قبلہ کی طرف رخ کرے تو تکبیر کہہ پھر فاتحہ پڑھ اور جو اللہ چاہے تو قرآن پڑھے۔ یہ حدیث (مسند احمد: ص:۳۴۰؛ ج:۴) میں ان الفاظ سے مروی ہے۔ "إِذَا اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا شِئْتَ" (نصب الرایہ: ص:۳۶۴؛ ج:۱) ترجمہ: جب تو قبلہ رخ ہو تو تکبیر کہہ پھر فاتحہ پڑھ پھر جو تو چاہے قرآن پڑھ۔

مقتدی امام کی قراۃ کے وقت خاموش رہے امام کی قراۃ مقتدی کی قراۃ ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" (اعراف آیت ۲۰۴:)

ترجمہ: اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحمت ہو۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ یہ آیت خطبہ و وعظ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یا مطلق قرأت کے سلسلہ میں اتری ہے یا نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے راجح قول یہ ہے کہ یہ فرض نماز کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! "إِنَّهَا نَزَلَتْ فِي الصَّلٰوةِ الْمَفْرُوْضَةِ"۔ (کتاب القراءۃ ص:۷۳؛ امام بیہقی)

ترجمہ: یہ مذکورہ آیت فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ درج ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (تفسیر ابن جریر: ص:۱۰۳؛ ج:۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (دار قطنی) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ۔ (تفسیر ابن مردویہ) حضرت مجاہد رحمہ اللہ حضرت ضحاک رحمہ اللہ حضرت نخعی رحمہ اللہ، حضرت قتادہ رحمہ اللہ، حضرت شعبی رحمہ اللہ حضرت سدی رحمہ اللہ، حضرت عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ۔ (تفسیر ابن کثیر: ص:۲۸۱؛ ج۔۲)

علامہ ابن تیمیہ حنبلی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ۔ (ص:۱۴۳؛ ج:۱) میں اور علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے المغنی (ص:۶۰۵؛ ج۔۱) میں امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے! "أَجْمَعَ النَّاسُ عَلٰى أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي الصَّلٰوةِ"۔ (نصب الرایہ: ص:۱۴؛ ج:۲؛ مع الحاشیہ)

ترجمہ: اس پر لوگوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی۔ جمہور مفسرین نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر بیضاوی، تفسیر کشاف، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر ابوسعود، تفسیر خازن وغیرہ میں اسی قول کو راجح قرار دیا گیا ہے کہ آیت کا شان نزول نماز ہے۔ ظاہر ہے کہ نماز میں امام صاحب بالاجماع قرأت کرتا ہے۔ قرآن مجید کی اس نص قطعی سے واضح ہوا کہ جب امام صاحب قرأت کرے تو مقتدی پر لازم اور واجب ہے کہ وہ توجہ کرے اور خاموش رہے "استمعوا" اور "انصتوا" امر کے صیغے ہیں اور علمائے اصول کے قول کے مطابق مطلق امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

مگر غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین اور کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

جواب: اس آیت کریمہ کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ کفار اور مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ کئی وجوہات کی بنا پر باطل اور مردود ہے۔

❶ یہ تفسیر بالرائے اور بدعت سیئہ اور آیت کریمہ کی حقیقت کے انکار کے مترادف ہے۔ ❷ قرآن کریم میں کوئی ایسا حکم موجود نہیں جس کی تعمیل صرف کفار پر واجب ہو اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا ممنوع ہو۔ ❸ اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہ آیت کفار اور مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے تو کیا کفار کو حکم ہے کہ تلاوت قرآن کے دوران شور وغل نہ کریں اور مسلمان خوب شور وغل کریں صد افسوس۔ ❹ اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہ آیت کفار اور مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے تو اس میں صرف ان کو منحصر کرنا اور مسلمانوں کو اس سے نکالنا کون سا طریق انصاف ہے حالانکہ اس کا شان نزول واضح بتارہا ہے کہ یہ مؤمنوں کی نماز کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ❺ اس آیت کو کفار کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں چونکہ علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے کسی حکم اور آیت کو اس کے شان نزول کے ساتھ مخصوص کرنا علمی غلطی ہے ہاں اگر آیت کا مفہوم سمجھ نہ آئے تو الگ بات ہے قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ایسی ہیں جن کا سبب نزول خاص ہے مگر حکم عام ہے جیسے "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ الخ" ہے یہ آیت اگرچہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لئے ابوت کی نفی کیلئے نازل ہوئی تھی مگر اس کا حکم عام ہے کہ قیامت تک تمام بالغ مردوں کی آپ سے نسبی ابوت کی نفی ہے نہ کہ صرف حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے لہذا اس آیت کو کفار کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں احادیث نبویہ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس مسئلہ کو کھول کر بیان کیا ہے کہ نماز میں امام صاحب کا فریضہ قرأت کرنا اور مقتدی کا فریضہ خاموش رہنا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا "لِيَؤُمَّكُمْ اَحَدُكُمْ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا"۔ (مسلم: ص:۱۷۴؛ ج:۱؛ باب التشهد فی الصلوٰۃ)

ترجمہ: کہ تم میں سے ایک تمہارا امام بنے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔ امام مسلم رحمہ اللہ اس حدیث کی صحت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں اور مشائخ وقت کا اجماع نقل کرتے ہیں آپ کے الفاظ یہ ہیں "اِنَّمَا وَضَعْتُ هٰهُنَا مَا اَجْمَعُوْا عَلَيْهِ"۔

ترجمہ: کہ میں نے یہاں (صحیح مسلم میں) صرف وہی حدیث درج کی ہے جس پر مشائخ کا اجماع ہے۔

درج ذیل محدثین وفقہاء بھی اس حدیث کی صحت کے قائل ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (مسند احمد: ص:۸۶؛ ج-۲) تنوع العبادات لابن تیمیہ رحمہ اللہ (ص-۸۶) امام نسائی رحمہ اللہ (بحوالہ فتح الملہم: ص:۲۲؛ ج:۲؛ حاشیہ نصب الرایہ: ص:۱۵؛ ج-۲) مفسر ابن جریر رحمہ اللہ (تفسیر ابن جریر ص:۱۱۰؛ ج-۹) علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ (محلی: ص:۲۱۰؛ ج-۳) محدث منذری رحمہ اللہ (بحوالہ عون المعبود: ص:۲۳۵؛ ج-۱) مفسر ابن کثیر شافعی رحمہ اللہ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۰ ج ۲)

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ امام اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ (بحوالہ تنوع العبادات ابن تیمیہ رحمہ اللہ) حافظ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ (فتح الباری شرح بخاری: ص:۲۰۱؛ ج-۲) علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ (مغنی: ص:۶۰۵؛ ج-۱) علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ (بحوالہ المحنۃ العبر؛ ص-۷۹) علامہ ابن تیمیہ حنبلی رحمہ اللہ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ص:۴۱۲؛ ج:۲؛ تنوع العبادات: ص-۸۶) علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری: ص:۵۶؛ ج-۳) اہل حدیث کے رہنما علامہ نواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ (بحوالہ عون المعبود شرح ابوداؤد: ص:۲۳۳؛ ج-۱)

اس حدیث کی صحت کے مزید حوالوں کے لئے۔ (فتح الملہم شرح مسلم: ص:۲۲؛ ج:۲؛ معارف السنن شرح ترمذی: ص ۳۰۲؛ ج:۳؛ نصب الرایہ مع الحاشیہ: ص ۱۵؛ ج ۲؛ فصل الخطاب علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ص ۱۰۷؛ حسن الکلام: ص ۱۲۲۱؛ ج:

۱: تالیف استاذ محترم محقق العصر علامہ محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا"۔ (نسائی، ص:۱۰۷، ج:۱)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو، اس حدیث کے متعلق امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ھو عندی صحیح۔

(مسلم، ص:۱۷۴، ج:۱)

خلاصہ کلام: قرأۃ خلف الامام کی ممنوعیت اسی (۸۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، شامی میں بحوالہ خزائن منقول ہے: ومنع المؤتم من القرآن ماثور عن ثمانين نفرا من كبار الصحابة منهم المرتضى والعبادلة وقد دون اهل الحديث أسماءهم۔ (شامی، ص:۴۰۲، ج:۱)

دلیل غیر مقلدین: حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی مرفوع صحیح حدیث ہے "لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ"۔ (صحاح ستہ)

ترجمہ: کہ اس شخص کی نماز نہیں ہے جس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔ بظاہر اس قسم کی عام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا لازم ہے۔ محققین نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

جواب: ❶ بیشک یہ حدیث عام ہے لیکن دلائل وقرائن کی بناء پر عام کی تخصیص کا قانون سب کے ہاں مسلم ہے قرآن وحدیث میں تخصیص عام کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ ❶ ارشاد ربانی ہے "ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ"۔ (الملک۔۱۶)

ترجمہ: کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو جس کی حکومت آسمان میں بھی ہے۔ اس آیت کریمہ میں "من" کا لفظ عام ہے لیکن اس سے مراد صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ ❷ ارشاد نبوی ہے "اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ"۔ (بخاری: ص ۱۰۰۳، ج۔۲)

ترجمہ: تم سے پہلے لوگ محض اس لئے ہلاک ہوئے کہ (الخ) اس حدیث میں "من" کا لفظ عام ہے اور مراد خاص ہے یعنی گنہگار لوگ۔ اسی طرح "لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ" اگرچہ عام ہے مگر مذکورہ بالا آیات کریمہ اور صحیح احادیث وآثار کے قرینہ سے اس عام میں تخصیص ہے اس سے مراد منفرد اور امام ہے۔ مقتدی اس سے مستثنیٰ ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "مَعْنٰى قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اِذَا كَانَ وَحْدَهٗ"۔ (ترمذی، ص:۴۲، ج:۱، باب ما جاء فی ترک القراءۃ خلف الامام)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کا ارشاد "لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ" کا مقصد یہ ہے کہ جب تنہا نماز پڑھے تب فاتحہ ضروری ہے یعنی مقتدی کو یہ حدیث شامل نہیں۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے یہی تشریح نقل کی ہے "قَالَ سُفْيَانُ لِمَنْ يُّصَلِّيْ وَحْدَهٗ"۔ (ابوداود، ص:۱۲۶، ج:۱، باب ما جاء من ترک القراءۃ فی الصلوۃ)

ترجمہ: کہ یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے مقتدی کو شامل نہیں۔

جواب: ❷ اور اگر حدیث "لا صلوۃ" کو عام رکھا جائے اور کہا جائے کہ یہ مقتدی کو بھی شامل ہے تو پھر آیت کریمہ "فَاِذَا قَرَاْنٰهُ" الخ اور حدیث مرفوع "مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ" کی دلالت سے "قرأت" کو عام تسلیم کرنا ہوگا کہ قرأت حقیقی ہو یا حکمی۔ مقتدی کے لئے آیت "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ" اور صحیح حدیث "وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا" کی وجہ سے قرأت

حقیقی تو ممنوع ہے لیکن صحیح حدیث "مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ" کی بناء پر قرأت حکمی اس کے لئے کافی وافی ہے۔

جواب: ❸ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حرف "مَن" عموم میں نص قطعی نہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ حدیث کس کے حق میں ہے امام اور منفرد کے بارے میں یا مقتدی کے حق میں تو جب ہم نے دیکھا کہ اس حدیث میں یہ زیادتی بھی مل گئی "لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا" کہ جس شخص نے سورۃ فاتحہ اور اس سے زیادہ کچھ اور نہ پڑھا تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ اگر غیر مقلدین کے نزدیک مقتدی کیلئے سورت فاتحہ اور "فصاعدًا" اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنا جائز ہے تو یہ حکم مقتدی کو بھی شامل ہے ورنہ یہ حدیث صرف اور صرف اس شخص کے بارے میں ہوگی جس کو سورت فاتحہ کے ساتھ "فصاعدًا" کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے اور وہ صرف امام یا صرف منفرد ہے اس سے مقتدی ہرگز مراد نہیں کیونکہ غیر مقلدین کے نزدیک بھی مقتدی کو سورت فاتحہ کے علاوہ اور کچھ بھی پڑھنا جائز نہیں تو اس "فصاعدًا" کی زیادتی نے یہ بات متعین کر دی ہے کہ حرف "مَن" سے مراد امام یا منفرد ہے مقتدی اس سے یقیناً خارج ہے۔ یہ زیادت بطریق امام معمر صحیح مسلم: ص: ۶۹: ج ۱: و ابوعوانہ: ص: ۱۲۴: و نسائی: ص: ۱۰۵: ج ۱: وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے۔

بعض حضرات نے اس زیادتی کے سلسلے میں یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ امام معمر متفرد ہیں (جزء القرأۃ: ص: ۳: کتاب القرأۃ: ص: ۱۱: تلخیص الحبیر: ص: ۸۷: تعلیق المغنی: ص: ۱۲۲: ج: ۱: تحقیق الکلام: ص: ۲۳: و ابکار المنن: ص: ۱۲۲) اور مؤلف خیر الکلام نے بھی امام بخاری کے حوالہ سے اس کو شاذ کہا ہے۔ (ص: ۸۷: وغیرہ)

جواب: امام معمر متفرد ہیں خود ان کے قواعد اور مسلمات کے خلاف ہیں۔ ❶ معمر بالاتفاق ثقہ، ثبت اور حجۃ ہیں اور ثقہ کی زیادتی بالاتفاق قابل قبول ہوتی ہے۔ ① چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ان الزيادة من الثقة مقبولة"۔ (مستدرک حاکم: ص: ۳۰۷: ج ۱) ② امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "والزيادة مقبولة"۔ (بخاری: ص: ۲۰۱: ج ۱)

❷ امام زہری کے تمام تلامذہ میں معمر زیادہ قابل اعتماد ہیں لہذا یہ زیادتی صحیح اور معتبر ہے اور جن راویوں نے یہ زیادتی نقل نہیں کی اصل ان کا قصور ہے۔ ❸ "فصاعدًا" کی زیادتی دیگر ثقہ راویوں سے بھی مروی ہے چنانچہ یہ "فصاعدًا" کی زیادت سفیان بن عیینہ سے بسند صحیح مروی ہے۔ (ابوداود: ص: ۱۱۹: ج ۱)

علاوہ ازیں "فصاعدًا" کی زیادت امام اوزاعی اور شعیب بن ابی حمزہ سے بھی مروی ہے۔ (کتاب القرأۃ: ص ۱۱)

فصاعدًا: کے بجائے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت سے "مَا تَيَسَّرَ" کی زیادت بھی مروی ہے۔

(ابوداود: ص: ۱۱۸: ج: ۱: مسند احمد: ص: ۵۳: ج: ۳: سنن الکبریٰ: ص: ۶۰: ج: ۲ اور معرفت علوم الحدیث: ص: ۹۷: وغیرہ) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں اس کی سند قوی ہے۔ (فتح الباری: ص: ۲۰۲: ج ۲)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ "اسناده صحيح"۔ (تلخیص الحبیر: ص: ۸۷)

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "مَا تَيَسَّرَ" کی زیادت بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (شرح المہذب: ص: ۲۹۳: ج ۳)

قاضی شوکانی امام ابن سید الناس سے جو الشیخ العلامه المحدث الحافظ الادیب البارع تھے۔ (تذکرہ: ص: ۲۸۵: ج ۴) میں نقل کرتے ہیں کہ "اسناده صحيح ورجاله ثقات"۔ (نیل الاوطار: ص: ۲۰۶: ج ۲)

اس کی سند صحیح اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مولانا شمس الحق صاحب لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام ابن حبان رحمہ اللہ اور علامہ ابن سید الناس وغیرہ اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ (عون المعبود: ص: ۳۰۰: ج ۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ جا کر لوگوں میں یہ اعلان کرو "اَنْ لَّا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ مَا تَیَسَّرَ"۔ (مواردالظمان:ص۔۱۲۶)

الغرض اس زیادت کا انکار کرنا تعصب کے علاوہ سراسر اصول شکنی اور مسلمات کی خلاف ورزی ہے جو قطعاً قابل قبول نہیں۔

امام کے پیچھے آمین بالجہر کہنا

غیر مقلدین کا امام کے پیچھے چھ رکعتوں میں باآواز بلند آمین کہنا اور گیارہ رکعتوں میں آہستہ کہنا نہ قرآن کریم اور نہ حدیث قولی اور نہ صحاح ستہ اور نہ خلفاء راشدین اور نہ خلافت راشدہ کے پورے دور سے ثابت ہے اور نہ کر سکتے ہیں۔ غیر مقلدین کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سورۃ فاتحہ ختم کرتے تو آمین کہتے تھے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تھے پھر مسجد گونج جاتی تھی۔ (ابن ماجہ:ص۔۶۱)

پہلی بات : تو یہ ہے کہ اس میں صراحۃً مقتدی کا لفظ موجود نہیں اور صرف قیاس کرنا یہ شیطان کا کام ہے۔

دوسری بات : یہ ہے کہ یہی روایت ابوداؤد: ص:۱۴۹: ج:۱؛ اور مسند ابویعلی، آثار السنن ص:۹۴: ج:۱: پر موجود ہے مگر وہاں پر گونج پیدا کرنے والا جملہ نہیں ہے۔

تیسری بات : یہ ہے کہ اس کی سند کا راوی بشر بن رافع ہے۔ علامہ ذہبی، امام بخاری، امام احمد، امام ابن معین اور امام نسائی رحمہم اللہ سے اس کا ضعیف اور مجروح ہونا نقل کر کے پھر ابن حبان سے تو یہ نقل کیا ہے کہ "یروی اشیاء موضوعۃ" بالکل جھوٹی حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال: ص:۲۸: ج ۲: رقم الترجمہ ۱۱۹۶؛ تہذیب لابن حجر: ج:۱: ص ۲۸۳: رقم الترجمہ ۸۲۳)

اور علامہ ابن عبد البر نے کتاب الانصاف میں لکھا ہے کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کی روایات کا شدت سے انکار کیا جائے اور اٹھا کر پھینک دیا جائے۔

چوتھی بات : یہ ہے اسکا دوسرا راوی ابن عم ابی ہریرہ ہے جو مجہول ہے۔ **پانچویں بات** : یہ ہے کہ یہ جملہ قرآن کے صراحۃً خلاف ہے کیونکہ اس روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی آواز تو صرف پہلی صف تک گئی لیکن آپ کے خیال میں مقتدیوں کی آواز آنحضرت ﷺ کی آواز سے اتنی زیادہ بلند تھی کہ مسجد گونج اٹھی اس جھوٹی روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام معاذ اللہ کھلم کھلا قرآن کی مخالفت کرتے تھے کیونکہ قرآن میں ہے "لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ... الخ" یعنی اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو ورنہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔

اب یہ جھوٹی روایت بتاتی ہے کہ صحابہ کرام خاص طور پر مسجد میں اور خاص حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر اس قرآنی حکم کی مخالفت کرتے تھے اور اپنی نمازوں کو برباد کر دیتے تھے۔ **چھٹی بات** : یہ ہے کہ اس جھوٹی روایت میں مسجد نبوی ﷺ کے گونجنے کا ذکر ہے حالانکہ گونج پختہ اور گنبد دار عمارت میں پیدا ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے دور میں مسجد نبوی کی چھت پتوں کی تھی جس میں گونج پیدا ہونا محال ہے اس حدیث کا پہلا جملہ ہے "تَرَكَ النَّاسُ التَّامِيْنَ" لوگوں نے آمین چھوڑ دی۔

اس جملہ سے غیر مقلدین آمین بالجہر پر ثبوت پیش کرتے ہیں حالانکہ اس جملہ سے بھی ان کا استدلال درست نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا بلکہ کہا کوئی شخص بھی بلند آواز سے آمین کہنے والا نہ تھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا وصال ۵۹، ۵۸، ۵۷ھ منقول ہے اور آپ نے دور خلافت راشدہ کو بھی دیکھا تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور

کبار تابعین میں ایک شخص بھی بلند آواز سے آمین نہ کہتا تھا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ۹۰ھ تک عام ہے۔ اور جبکہ بخاری: ص ۲۶۳: ج ۱ حاشیہ میں ۱۱۰ھ تک لکھا ہے۔ اور اس وقت لوگ صحابہ کرام یا تابعین ہی تھے۔ (ماخوذ تجلیات صفدر)

موقف احناف و دلائل کہ مقتدی کو آمین آہستہ کہنا چاہیے

حضرت عطاء تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "امین دعاء"۔ (بخاری: ص ۱۰۷: ج ۱)

ترجمہ: آمین دعا ہے۔ اور دعا کا اصول وقاعدہ اخفاء ہے۔

ارشاد ربانی ہے "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (اعراف ۵۵) ترجمہ: عاجزی کے ساتھ اور آہستہ اپنے رب سے دعا کرو۔ دوسرے مقام پر ارشاد رحمانی ہے "اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا" (مریم ۳) ترجمہ: جب حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو آہستہ پکارا۔ مشہور مفسر امام رازی رحمہ اللہ شافعی المسلک ہونے کے باوجود آمین آہستہ کہنے کے مسئلے میں حنفیہ کے موافق وہمنوا ہیں، اور اس موافقت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے حنفیہ کا استدلال بہت قوی اور صحیح ہے۔

قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِخْفَاءُ التَّامِيْنِ اَفْضَلُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ اِعْلَانُهٗ اَفْضَلُ وَاحْتَجَّ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلٰى صِحَّةِ قَوْلِهٖ. قَالَ فِيْ قَوْلِهٖ (امين) وَجْهَانِ اَحَدُهُمَا اَنَّهٗ دُعَاءٌ وَالثَّانِيْ اَنَّهٗ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِنْ كَانَ دُعَاءً وَجَبَ اِخْفَائُهٗ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" وَاِنْ كَانَ اِسْمًا مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَجَبَ اِخْفَائُهٗ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً" فَاِنْ لَّمْ يَثْبُتِ الْوُجُوْبُ فَلَا اَقَلَّ مِنَ النَّدْبِيَّةِ وَنَحْنُ بِهٰذَا الْقَوْلِ نَقُوْلُ". (تفسیر کبیر: ص ۲۸۱: ج ۱۳)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آہستہ آمین کہنا افضل ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا اظہار کرنا افضل ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے قول کی صحت پر یوں استدلال کیا ہے کہ آمین میں دو وجہیں ہیں پہلی یہ ہے کہ وہ دعا ہے اور دوسری یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے پس اگر آمین دعا ہے تو واجب ہے کہ آہستہ پڑھی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے تب بھی اس کا اخفاء واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے سو اگر وجوب ثابت نہ ہو تو استحباب سے کیا کم ہوگا اور ہم بھی اسی قول کے قائل ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "فَرَفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّكْبِيْرِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا قَرِيْبًا وَّهُوَ مَعَكُمْ الخ" (ملاحظہ ہو کتاب المغازی: ص ۶۰۵: ج ۲: کتاب الدعوات، کتاب القدر، کتاب التوحید اور مسلم: ص ۳۴۶: ج ۲: کتاب الذکر، ابوداؤد، ترمذی مسند احمد) ترجمہ: (کہ غزوہ خیبر سے واپسی پر) لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے آپ پر رحم کرو تم بہرے اور غائب ہستی کو تو نہیں پکار رہے ہو بلکہ تم تو اس ہستی کو پکار رہے ہو جو قریب ہے سننے والی ہے اور تمہارے ساتھ ہے (لہٰذا تمہاری پکار اور دعا آہستہ ہونی چاہیے) یہ حدیث بخاری شریف کے متعدد ابواب میں مروی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ"۔ (مسند احمد ص ۱۷۲: ج ۱، ص ۱۸۰: ج ۱، ابن حبان البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ سب سے بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو۔
امام جلال الدین سیوطی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ (الجامع الصغیر: ص:۸: ج۔۲)
علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ (السراج المنیر : ص : ۲۶۲: ج: طبع مصر) ایک حدیث میں "خَیْرُ الدُّعَاءِ الْخَفِیُّ" کہ سب سے بہتر آہستہ دعا ہے۔ (صحیح ابن حبان، فتح الملہم شرح مسلم: ص:۵۲: ج:۲)
قرآن وحدیث کی ان ہدایات کی روشنی میں دعا کا اصول وادب اخفاء ہے البتہ جہاں پر شارع علیہ السلام کی طرف سے دعا کے جہر کی تعیین کردی جائے تو وہاں پر جہر ہی مطلوب ہوگا۔ بعض احادیث میں آمین بالجہر کا ذکر ہے محققین نے مختلف توجیہات لکھی ہیں۔
❶ بعض اوقات لوگوں کی تعلیم کے لئے جہر کیا گیا کیونکہ وہ دور تصنیف وتالیف کا نہیں تھا کہ آپ کے پاس آنے والے کو کوئی کتاب عنایت فرمادیں بلکہ وہ عملی طور پر بتادیا جاتا تھا تاکہ ان کو معلوم ہوجائے کہ اس مقام پر آمین کہی جاتی ہے درج ذیل احادیث سے اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "قَالَ اٰمِین حَتّٰی یَسْمَعَ مَنْ یَّلِیْہِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ"۔ (ابوداؤد: ص:۱۴۲: ج:۱: ابن ماجہ)
ترجمہ: آنحضرت ﷺ آمین فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف میں جو لوگ آپ کے قریب ہوتے وہ سنتے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: "فَقَالَ اٰمِین مَا اُرَاہُ اِلَّا لِیُعَلِّمَنَا"۔ (کتاب الاسماء والکنی: ص:۱۹۷: ج:۱: للحافظ ابی بشر الدولابی)
ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے (جہر سے) آمین فرمایا میرے خیال میں آپ ہمیں تعلیم دینا چاہتے تھے (اس لئے جہر کیا) یہ حدیث مذکورہ توجیہ کی واضح دلیل ہے۔ حافظ ابن قیم حنبلی رحمۃ اللہ علیہ زاد المعاد میں فرماتے ہیں عہد نبوت میں مقتدیوں کی اطلاع کے لئے قابل اخفاء امور کا بعض اوقات جہر کیا جاتا تھا "وَمِنْ ھٰذَا اَیْضاً جَھْرُ الْاِمَامِ بِالتَّامِیْنِ"۔ ترجمہ: اور انہی امور میں سے امام صاحب کا جہر سے آمین کہنا بھی ہے۔ الغرض لوگوں کی اطلاع وتعلیم کیلئے قابل اخفاء امور کا جہر واظہار بہت سی احادیث سے ثابت ہے مثلاً ظہر یا عصر کی نماز میں قرأت کا جہر خود آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ (بخاری: ص:۱۰۵: ج:۱: ص:۱۰۷: مسلم: ص:۱۸۵: ج۔۱)
خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا "سبحٰنک اللّٰھم" جہر سے پڑھنا۔ (مسلم: ص:۱۷۲: ج۔۱)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نماز جنازہ میں (بغرض دعا) فاتحہ جہر سے پڑھنا۔ (نسائی: ص:۲۸۱: ج۔۱)
حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا "اعوذ باللّٰہ... الخ جہر سے پڑھنا۔ (کتاب الام: ص:۹۳: ج:۱: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ) تو آمین کا جہر بھی اس باب میں داخل ہے۔ (فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ص:۵۲: ج:۲: معارف السنن شرح جامع ترمذی: ص:۴۰۶: ج۔۲)
❷ دوسری توجیہ یہ ہے کہ جہر کی احادیث بیان جواز پر محمول ہیں یا ابتدائی دور پر محمول ہیں، آخری دور کا عمل اور راجح عمل آمین کا اخفاء ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نے اختیار کیا۔

الحمدللہ سورۃ فاتحہ کی تفسیر مکمل ہوئی

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ

نام اور کوائف :اس سورۃ کا نام سورۃ البقرہ ہے، مدنی زندگی میں ۸۷ ویں نمبر پر سورۃ مطففین کے بعد نازل ہوئی ہے اور مصحف عثمانی کی ترتیب تلاوت کے لحاظ سے یہ دوسری سورۃ ہے اس سورۃ میں ۴۰ رکوع اور ۲۸۶ آیات ہیں۔

وجہ تسمیہ : بقرہ عام طور پر گائے کے لیے بولا جاتا ہے تاہم عربی زبان میں یہ لفظ گائے اور بیل دونوں کے لیے مشترک ہے، اگر وضاحت کرنی ضروری ہو تو بیل کیلئے "ثور" کا لفظ بھی بولا جاتا ہے اس سورۃ میں چونکہ بقرہ کا ذکر ہے اس لیے یہ نام رکھا ہے۔

ربط آیات ❶ سورۃ فاتحہ کے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے، دوسرے حصے میں بندے کی طرف سے اس بات کا اقرار ہے کہ وہ صرف اسی کا عبادت گزار ہے اور اسی کی مدد کا طالب ہے، تیسرے حصے میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے "اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ" "اے پروردگار اسیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرما، تو اس میں دعا کا ذکر ہے اور "ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ" سے اجابت دعا کا ذکر ہے۔

سورۃ فاتحہ کا سورۃ بقرہ کی ابتداء کے ساتھ ربط

❷ :سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں تربیت روحانی اور جسمانی کا ذکر تھا۔ کما قال تعالیٰ: "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ" اور اس سورۃ بقرہ کی ابتداء میں تربیت روحانی کا ذکر ہے۔ کما قال تعالیٰ :"ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ"۔

سورۃ فاتحہ کے آخر کا سورۃ بقرہ کے آخر کے ساتھ ربط

❸ :فاتحہ کے آخر میں دعا کا ذکر تھا۔ کما قال تعالیٰ :"اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ" اس سورۃ بقرہ کے آخر میں بھی دعا کا ذکر ہے۔ کما قال تعالیٰ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ الخ

سورۃ فاتحہ کی ابتداء کا سورۃ بقرہ کے آخر کے ساتھ ربط

❹ :سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں توحید خداوندی کا ذکر تھا۔ کما قال تعالیٰ :"اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ" اور اس سورۃ بقرہ کے آخر میں بھی توحید خداوندی کا ذکر ہے۔ وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ الخ

سورۃ بقرہ کی ابتداء اور انتہاء کا آپس میں ربط

❶ :سورۃ بقرہ کی ابتداء میں متقین کے لئے ہدایت کا ذکر ہے۔ کما قال تعالیٰ :"ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ" اور سورۃ بقرہ کے آخر میں متقین کے نمونے کا ذکر ہے۔ کما قال تعالیٰ:"اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ" اس سے مراد خاتم الانبیاء ﷺ اور صحابہ کرام اور قیامت تک آنے والے مسلمان ہیں۔

❷ :سورۃ بقرہ کی ابتداء میں غیب پر ایمان رکھنے والوں کے اوصاف کا ذکر ہے۔ کما قال تعالیٰ :"یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ" اور سورۃ بقرہ کے آخر میں اس غیب کی تشریح کا ذکر ہے۔ کما قال تعالیٰ"کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ" الخ

سورۃ بقرہ میں سورۃ فاتحہ کے اجمال کی تفصیل کی ایک جھلک

مثلاً سورۃ فاتحہ کی ابتداء "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" میں اجمالاً ذکر، شکر اور دعا کا ذکر تھا تو اس سورۃ بقرہ میں ان چیزوں کا تفصیلاً ذکر ہے فرمایا "فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ" الخ (آیت - ۱۵۲) پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو۔ دعا کے متعلق ارشاد ربانی ہے "اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" الخ (آیت - ۱۸۶) دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: میں ربوبیت عامہ کا ذکر تھا اس کی تفصیل سورۃ بقرہ میں موجود ہے فرمایا۔ ❶ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ الخ (آیت - ۲۱) اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔ ❷ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا الخ (آیت - ۲۹) اللہ وہ ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے پیدا کیا۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: میں رحمت عمومیہ اور خصوصیہ کا ذکر تھا۔ اس سورۃ بقرہ میں اس رحمت کے اظہار کا بیان ہے جس کا اشارہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی داستان کی طرف ہے۔ چنانچہ فرمایا: "فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ" (آیت - ۳۷) پھر اس کی توبہ قبول فرمائی ہے بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد باری ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (آیت ۱:۱۶۳) جس کے سوا کوئی معبود نہیں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ: میں قیامت کا ذکر تھا اور سورۃ بقرہ میں اس کی تفصیل کے متعلق ارشاد باری ہے: "وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ" (آیت - ۲۸۴) اور اگر تم اپنے دل کی بات ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے اللہ تم سے اس کا (قیامت کے دن) حساب لے گا۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ: میں اجمالاً شریعت کے تمام احکام شرعیہ کا ذکر تھا۔ اور اس سورۃ بقرہ میں ان احکامات کی تفصیل کا بیان ہے، مثلاً طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، اعتکاف، حج وعمرہ، بیع وشراء، وصیت، نکاح، طلاق، میراث، خلع، رجعت، ایلاء، عدت، رضاع، نفقات، قصاص، قتال، گواہوں کا تقرر، رہن، نذر وغیرہ۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ: میں اجمالاً استعانت کا ذکر تھا۔ اور اس کی تفصیل علم الاخلاق کو شامل ہے جس کی تشریح وتوضیح سورۃ بقرہ میں مذکور ہے۔ مثلاً توبہ، صبر، شکر، وغیرہ یہ سب چیزیں توفیق ومدد الٰہی سے پایہ تکمیل کو پہنچتی ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ: میں اجمالاً دعا کا ذکر تھا اللہ پاک نے سورۃ بقرہ میں تحویل قبلہ کی شکل میں دعا کو قبول فرمایا، کما قال تعالیٰ: "قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ" (آیت - ۱۴۲) کہہ دو مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ: میں اجمالاً منعم علیہم کا ذکر تھا اس کی تفصیل کے متعلق سورۃ بقرہ میں ارشاد فرمایا يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ "(آیت - ۱۴۲) وہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے یعنی جو لوگ بغیر کسی علت اور دلیل کے احکام شرعیہ کو مانتے ہیں وہ منعم علیہم ہیں۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ الخ میں اجمالاً گمراہوں کا ذکر تھا اس کی تفصیل سورۃ بقرہ کی آیت "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ الخ سے بیان کی ہے۔

موضوع سورۃ: اصلاح الیہود فی ضمن علم المخاصمہ اور اہل ایمان کے لئے احکام ضروریہ۔

سورۃ بقرہ کا اجمالی خلاصہ

اس سورۃ میں چالیس رکوع ہیں رکوع نمبر ایک سے اٹھارہ تک یہود کو دعوت الی الکتاب بطرز علم المناظرہ ومخاصمہ دی گئی ہے اور رکوع نمبر اٹھارہ سے انیس تک تہذیب اخلاق کا بیان ہے پھر انیس سے تیئیس رکوع تک تدبیر منزل کا بیان ہے پھر تیئیس سے اکتیسویں

رکوع تک سیاست مدنی کا بیان ہے اس میں قانون ملک داری اور ملک گیری کی تفصیلات کو واضح کیا گیا ہے پھر اکتیسویں رکوع سے چالیسویں رکوع تک خلافت کبریٰ کا بیان ہے اس میں امیر کا تقرر اور اس کے فرائض منصبی وغیرہ کو شاندار طرق سے واضح کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

توضیح خلاصہ سورۃ بقرہ

اس سورۃ میں سینکڑوں ہزاروں مضامین کا بیان ہے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں یہود کی اصلاح علم مخاصمہ اور مناظرہ کے ضمن میں، انعام یافتہ طبقات کے اوصاف اور ان کے نتائج، کفار اور ان کے نتائج، منافقین کے امراض اور ان کے اقسام اور ان کے نتائج، توحید، رسالت، قیامت، صداقت قرآن، ختم نبوت، انسان کے مکلف ہونے پر وحی کی ہر موڑ پر دستگیری کی ضرورت، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور خلافت ارضی، فرشتوں کا امتحان، ابلیس کا مردود بارگاہ الٰہی ہونا، بنی اسرائیل کے اسلاف پر انعامات، اور موجودہ بنی اسرائیل کی شرارتوں وخباثتوں اور ضد وعناد کا تذکرہ اور ملت ابراہیمی اور تعمیر کعبۃ اللہ، تعلیم کے ارکان اربع۔ ❶ معلم اس کا ذکر "رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ" میں بیان فرمایا۔ ❷ متعلمین اس کا ذکر "وَكَذَٰلِكَ جَعَلۡنَٰكُمۡ أُمَّةٗ وَسَطٗا الخ میں بیان فرمایا۔ ❸ تعلیم گاہ اور مدرسہ کا ہونا اس کا ذکر "وَإِذۡ جَعَلۡنَا ٱلۡبَيۡتَ مَثَابَةٗ لِّلنَّاسِ الخ میں بیان فرمایا۔ ❹ نصاب تعلیم اس کا ذکر "ذَٰلِكَ ٱلۡكِتَٰبُ لَا رَيۡبَۛ فِيهِ" میں بیان فرمایا۔ تحویل قبلہ اور اس کی حکمتیں، شہید کے فضائل، تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور جملہ عبادات، نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کے مسائل، تحریمات الٰہیہ، قانون ملک داری یعنی معاشرتی امور، مثلاً نکاح، طلاق، قسم، ایلاء وغیرہ کے احکام، عقوبات میں قصاص، دیت کے احکام اور اصلاح معاشرہ کے لیے جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ کا ذکر، اور سیاست ملک، خلافت کبریٰ کے اصول، قوانین مملکت، انتخاب امیر، اور فوجی اصلاحات کے قوانین، غیر اللہ کی نذر ونیاز کی ممانعت، اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان کی پہچان، مؤید توحید کے لئے نظائر مثلاً داستان ابراہیم علیہ السلام ونمرود اور عزیر علیہ السلام، سخاوت کی ترغیب، اور ابقاء صدقات کی شرائط اور بخل کی مذمت، سود کی حرمت اور اس کے نتائج، تجارت کے منافع اور قوانین دستاویز اور گواہوں کا تقرر اور رہن کے احکام اور سورۃ کے آخر میں جامع دعا ہے جس پر سورۃ کا خاتمہ ہے۔

فضائل سورۃ بقرۃ: ❶ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (یعنی ذکر وتلاوت سے گھروں کو خالی نہ رکھو جیسا کہ قبریں خالی ہوتی ہیں) بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس گھر میں سورۃ بقرہ تلاوت کی جاتی ہے۔ (سنن ترمذی: ص ۴۰۸ ؛ ابن کثیر: ج ۱: ص ۵۳ ؛ تفسیر منیر: ص ۱۷ ؛ ج ۱: خازن: ص ۲۰ ؛ ج ۱)

❷ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے لوگوں کے لئے سفارش کرنے والا بن کر آئے گا، دو روشن چیزوں کو پڑھو یعنی سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کو کیونکہ وہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے بادل ہوں یا جیسے پرندوں کی دو جماعتیں صف بنائے ہوئے ہوں اپنے لوگوں کے لئے خوب زوردار سفارش کریں گی۔ سورۃ بقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کر لینا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے۔ اور اہل باطل اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ (صحیح مسلم: ج ۱: ص ۲۷۵ ؛ وابن کثیر: ص ۵۵: ج ۱ ؛ وخازن: ص ۹: ج ۱)

اہل باطل کے بس میں نہیں یعنی وہ اسے حفظ نہیں کر سکتے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اہل باطل سے جادوگر مراد ہیں (مظہری: ص ۴۴۸ ؛ ج ۱: وتفسیر منیر: ص ۱۷: وخازن: ص ۲۰ ؛ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ سورۃ بقرہ کے پڑھنے والے پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا۔ ❸ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر چیز کا ایک بلند حصہ ہوتا ہے اور قرآن کا بلند حصہ سورۃ بقرہ ہے اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی سب

آیتوں کی سردار ہے اور وہ آیت الکرسی ہے جس گھر میں پڑھی جائے گی اس میں سے شیطان ضرور بھاگ جائے گا۔ (الترمذی فی السنن: ص :۸۰ ج۔ والحاکم وصححہ کمافی درمنثور :ج ۱: ص۔ ۲۰) سورۃ بقرہ کو سب سے بڑی سورۃ ہونے کے اعتبار سے قرآن کا بلند حصہ فرمایا نیز اس اعتبار سے بھی کہ اس میں احکام کثیر تعداد میں مذکور ہیں اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس میں جہاد کا حکم ہے جس سے رفعت اور بلندی حاصل ہوتی ہے۔ ❻ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۃ نساء سورۃ حج اور سورۃ نور کو سیکھو کیونکہ اس میں فرائض ہیں۔ (درمنثور)

❺ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۃ بقرہ قرآن کی ''کوہان'' ہے اور اس کی بلندی ہے اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی اسی فرشتے نازل ہوئے تھے اور بالخصوص آیت الکرسی تو اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے سے نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر :ج ۱: ص۔ ۵۳)

② سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ⑧⑦

آیاتها ۲۸۶ | رکوعاتها ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚۛ فِيْهِ ۚۛ

الم ﴿۱﴾ یہ کتاب، نہیں شک اس میں

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

یہ رہنمائی کرتی ہے متقیوں کی ﴿۲﴾ جو ایمان رکھتے ہیں

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور جو روزی ہم نے

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

ان کو دے رکھی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۳﴾ اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

اس چیز پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور اس چیز پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④ۭ

اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ﴿۴﴾

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ

یہی لوگ ہیں ہدایت پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اور یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں ﴿۵﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ان کے لیے برابر ہے

أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ

کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿۶﴾ اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے انکے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور انکی آنکھوں پر

غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ع

پردہ ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ﴿۷﴾

خلاصہ رکوع ❶ صداقت قرآن، مستفیدین من القرآن اور ان کے صفات، منصفین اہل کتاب کے فضائل، متقین کا دنیوی اور اخروی نتیجہ، محرومین عن القرآن، کفار کا قرآنی تعلیمات سے محرومی کا سبب۔ (ماخذ آیات ۲: تا۷)

﴿۱﴾ "الٓمّٓ" بحث حروف مقطعات: اصولی طور پر قرآن کریم کی آیات تین قسم کی ہیں۔ پہلی قسم کی آیات محکمات ہیں، دوسری قسم کی آیات متشابہات ہیں اور تیسری قسم کی آیات مقطعات ہیں۔ محکمات: کا مطلب یہ ہے کہ ایسی آیات کے الفاظ بھی معلوم ہوں اور ان کا مطلب اور مراد بھی معلوم ہو گویا یہ آیات بالکل واضح ہیں قرآن کریم کی اکثر آیات محکمات ہیں۔ متشابہات: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے الفاظ کا معنی تو معلوم ہے مگر ان کی حقیقت پوشیدہ ہے مثلاً: آیت کریمہ "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" میں "رحمٰن" "عرش" اور استویٰ" کے معنی تو معلوم ہیں مگر جلوہ گر ہونے کی کیفیت ذہن انسانی کے بس کی بات نہیں، ایسی آیات متشابہات کہلاتی ہیں۔

مقطعات: اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مفرد حروف ہیں حروف تہجی کی طرح جدا جدا پڑھے جاتے ہیں اس لئے مقطعات (جدا جدا) کہلاتے ہیں یہ قرآن کریم کی انتیس سورتوں کے ابتداء میں آئے ہیں جیسے "الٓمّٓ" سے سورۃ بقرہ شروع ہے حروف مقطعات کے بارے میں زیادہ کرید نے کا حکم نہیں ہے، حروف مقطعات کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

حروف مقطعات کے بارے میں سراج الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: صحابہ کرام میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس نے حروف مقطعات کی کرید وجستجو کی ہو جس طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا انہوں نے تسلیم کرلیا مگر بعض لوگوں کے ذہن ان کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں کہ پھر ان کے نازل کرنے کا کیا مقصد ہے؟ تو بعض حضرات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے معانی پوچھے اور بعض نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تو انہوں نے ان کے ذہن کو قرآن کریم کے قریب کرنے کے لئے کچھ معانی بتائے اس کے بعد دوسرے مفسرین نے بھی اپنے اپنے ذوق کے مطابق ان الفاظ کے معانی بیان فرمائے ہیں مگر ان میں سے کوئی معنی قطعی اور یقینی نہیں ہے صرف احتمال اور ظن غالب ہی کہا جاسکتا ہے۔

حضرت مجاہد کا قول ہے کہ "الٓمّٓ" قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے، حضرت شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ (ابن کثیر: ص۵۸: ج۔۱)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "الف" لفظ اللہ کا پہلا حرف ہے اور "لام" اللہ کے نام "لطیف" کا پہلا حرف ہے اور "میم" "مجید" کا پہلا حرف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ "الف" سے آلاء اللہ، یعنی اللہ کی نعمتیں اور "لام" سے لطف اللہ، یعنی اللہ کی مہربانی اور "میم" سے "مجید اللہ" یعنی اللہ کی بزرگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن ان میں سے کوئی بات آنحضرت ﷺ سے منقول نہیں ہے۔

مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں ایک نہایت ہی غلط بات لکھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "الٓمٓ" کا معنی پہلے زمانے میں تو معلوم تھا مگر بعد میں سارے لوگ بھول گئے یہ تو بالکل ہی غلط بات ہے۔

سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع کرنے کی حکمت: حضرات مفسرین نے حروف مقطعات کے ذریعے سورتیں شروع کرنے کی ایک حکمت یہ لکھی ہے کہ اہل عرب کو بتانا تھا کہ یہ کتاب جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی ہے اس کے کلمات ان ہی حروف سے مرکب ہیں جو تمہاری گفتگو اور محاورات میں استعمال ہوتے ہیں تم فصیح و بلیغ ہو اس جیسی کتاب تو بنا کر لاؤ تم اتنے بڑے بڑے ماہرین ہو کر اس جیسی کتاب بنا کر نہیں لا سکتے تو ایک امی جس نے کسی سے کچھ نہ پڑھا ہو اس کے بارے میں کیسے کہتے ہو کہ اس نے اپنے پاس سے بنالیا اگر یہ کلام کسی غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم لوگ اس جیسا کلام بنانے سے کیوں عاجز رہ جاتے اس کے علاوہ بھی مفسرین نے حکمتیں بیان کی ہیں۔

الغرض ہر چیز میں کچھ اسرار ہوتے ہیں اس کتاب مبین میں اسرار یہ مقطعات ہیں جو صرف عاشق و معشوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔

میاں عاشق و معشوق رمز یست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

حروف مقطعات کے بارے میں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ المتوفی ۱۰۳۴ھ جو ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: یہ فقیر قرآن مجید کے حروف مقطعات کے بارے میں کیا لکھے ان حروف میں ہر ایک حرف رموز میں سے ایک پوشیدہ رمز ہے۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی: ص ۲۳۰) تفسیر حقانی میں حروف مقطعات کی کافی تفصیل ہے شائقین دیکھ لیں۔ علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اور بہت سے مفسرین آخری بات یہ فرماتے ہیں کہ "اللہ اعلم بمرادہ" کہ "الٓمٓ" اور دیگر حروف مقطعات کی مراد اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آمنا بذلك وصدقنا: ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ ہماری عقل ناقص ہے لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ ہم ان کے معنی ضرور ہی معلوم کر سکیں اس کا احسن طریقہ یہ ہے کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیا جائے کہ ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے وہ بہتر جانتا ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ "آمنا وصدقنا"۔

﴿۲﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ: یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ ذٰلِكَ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں پر "ذٰلِكَ" "هٰذا" کے معنی میں ہے یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام عربی زبان میں اکثر استعمال ہوتے ہیں اور اس وقت "ذٰلِكَ" کا معنی ہے "یہ"۔

(ابن کثیر ج ۱: ص ۶۳ و مظہری: ج ۱: ص ۱۷ و تفسیر المنیر: ج ۱: ص ۷۲ و معالم التنزیل: ص ۱۷: ج ۱)

الْكِتٰبُ: سے مراد قرآن کریم ہے۔ (ابن کثیر ج ۱: ص ۶۳: معالم التنزیل: ص ۱۷: ج ۱)

ذٰلِكَ: اشارہ بعید استعمال کرنے میں نکتہ: کہ یہ کتاب اپنی بے مثال جامعیت عجیب و غریب حقائق و معارف اور اسرار و غوامض دقائق اور لطائف پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ہماری نظر و فکر، فہم و ادراک کی جولانگاہ سے بہت ہی بلند و برتر ہے یہ وہی کتاب ہے جس کی خبر کتب سابقہ میں انبیاء و رسل نے دی ہے۔

قرآن کریم کے تین کمالات: حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ لکھتے ہیں یہاں سے قرآن کریم کے تین کمالات بیان کئے گئے ہیں۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ: میں کمال لفظی کا ذکر ہے کہ قرآن فصاحت و بلاغت میں معجزہ ہے۔ "لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ" میں کمال معنوی کا ذکر ہے کہ اس کے براہین و دلائل اور میزان عقل و فطرت سلیمہ کے مطابق ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے شکوک و شبہات سے

منزہ ہیں۔ ''هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ'' میں کمال تاثیر کا ذکر ہے کہ قرآن نے۔ ۲۳۔سالہ قلیل عرصہ میں عرب جیسی جاہل ضدی قوم کے دلوں کو مقناطیس کی طرح ہدایت کی طرف کھینچا اور اعلیٰ تقویٰ تک پہنچا دیا۔ (آثار خیر: ص ۷۴)

لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ : قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے اور ان کے جملہ مضامین کے سچے اور عقل سلیم کے مطابق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں گویا کہ سب یقینی ہیں کوئی تقلیدی اور ظنی نہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کلام کے قابل اشتباہ ہونے کی دو وجہیں ہوتی ہیں، ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کلام میں کوئی غلطی اور خرابی ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کلام کے سننے والے کے فہم میں کوئی قصور ہو دوسری صورت میں محل شک حقیقت میں سمجھنے والے کا فہم ہے۔(تفسیر عثمانی ص ۳ ج ۱)

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں اگر کوئی کرتا ہے تو محض اس کے ذہن کا فتور ہے۔اس کی مثال استاذ محترم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح سمجھائی کہ شہد بہت میٹھا ہوتا ہے اگر صفراوی مزاج آدمی ہوا اور وہ بخار میں مبتلا ہو اس کو اگر شہد چٹاؤ تو وہ کہے گا کہ شہد کڑوا ہے حالانکہ شہد کڑوا نہیں ہے معلوم ہوا کہ اس کا مزاج کڑوا ہے، تو اسی طرح قرآن کریم میں کوئی شک وشبہ نہیں مگر ان بدحواسوں کے ذہن میں فتور اور شک ہے اس وجہ سے کہتے ہے کہ قرآن کریم میں شک ہے۔

دوسری بات کا جواب: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر پر قرآن کریم کو نازل فرمایا اس کے یاد کرانے اور آپ کے دل ودماغ میں محفوظ کرنے کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے، تو آپ ﷺ نے اسی طرح قرآن کریم کو سمجھا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا۔ چنانچہ سورۃ قیامۃ کی آیت نمبر ۱۷: میں ہے''اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ'' لہذا قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ: مستفیدین من القرآن : اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن صرف متقیوں کے لیے ہدایت ہے سورۃ لقمان کی آیت : ''هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ'' میں ہے کہ نیک لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور سورۃ یونس کی آیت نمبر :۵۷: ''وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ'' میں ہے کہ تمام مومنوں کے لیے ہدایت ورحمت ہے سورہ بقرہ کی آیت نمبر :۱۸۵: میں ہے ''هُدًى لِّلنَّاسِ'' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم سب کے لیے ہدایت ہے خواہ مؤمن ہوں یا کافر ہوں فاسق ہوں یا فاجر ہوں تو بظاہر ان آیات میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ قرآن کریم تمام انسانیت کے لیے یکساں سرچشمۂ ہدایت ہے مگر اس سے استفادہ اور انتفاع متقین، محسنین اور مومنین کرتے ہیں۔

(محصلہ ابن کثیر: ص:۶۴: ج:۱؛ وابو سعود: ص ۲۲ ج:۱؛ ومظہری: ص:۱۸: ج۔۱)

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ہدایت کے دو معنی ہیں، جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں گزر چکا ہے کہ ''اراءۃ الطریق'' (یعنی راستہ دکھلانا) خواہ منزل مقصود تک رسائی ہو یا نہ ہو، اور دوسرا معنی ہے ''ایصال الی المطلوب'' (یعنی مقصود تک پہنچا دینا) پہلا معنی عام ہے قرآن کریم نے حق وباطل کا راستہ صاف صاف واضح کر دیا اسی کو فرمایا ''هُدًى لِّلنَّاسِ'' مگر دوسرا معنی صرف مؤمنین، محسنین اور متقین کے لیے خاص ہے۔

تقویٰ کا معنی: تقویٰ کے لغوی معنی بچنے اور حفاظت کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ان چیزوں سے بچنے کو تقویٰ کہتے ہیں جو آخرت کے اعتبار سے نقصان دہ ہیں خواہ ان کا تعلق عقائد واخلاق سے یا اقوال وافعال واحوال سے ہے چونکہ ضرر اور نقصان کے درجات مختلف ہیں اس لئے تقویٰ کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ ① انسان کفر سے توبہ کرے اسلام میں داخل ہو اور اپنے آپ کو جہنم کے دائمی عذاب سے بچائے۔ ② انسان اپنے آپ کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور صغیرہ گناہوں کے اصرار سے محفوظ کرے۔ ③ انسان اپنے دل کو ہر اس چیز سے بچالے جو یاد الٰہی سے غافل کرتی ہو۔

تقویٰ کے معنی کی مثال سے تشریح : آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بڑے قاری تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا حضرت تقویٰ کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ''اَمَا سَلَکْتَ طَرِیْقًا ذَا شَوْكٍ'' کیا آپ کو کبھی ایسے راستہ پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں ہر طرف کانٹے دار جھاڑیاں ہوں؟ تو انہوں نے جواب دیا ہاں! بہت دفعہ ایسے راستہ پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا پھر آپ نے وہاں کیا کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''شَمَّرْتُ وَاجْتَهَدْتُ'' میں نے دامن سمیٹ لیا اور پوری کوشش کی کہ کانٹے میرے جسم کے کپڑوں میں نہ الجھنے پائیں، اور میں سلامتی سے ایسے راستہ سے نکل گیا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''فذلک التقویٰ'' تقویٰ اسی کو کہتے ہی کہ دنیا میں پھیلے ہوئے کفر و شرک، گمراہی و بدعت، اور دیگر خرابیوں سے انسان بچ کر نکل جائے۔ بس جو شخص ان چیزوں سے دامن بچا کر نکل گیا وہی متقی ہے۔
(ابن کثیر: ص ۶۵: ج ۱: و معالم التنزیل: ص ۱۸: ج ۱)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں متقی وہ شخص ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجالائے۔ (ابن کثیر: ص ۶۴: ج ۱)

ہدایت اور گمراہی کے اعتبار سے انسان تین گروہوں میں تقسیم ہیں

پہلا گروہ مؤمنین متقین کا ''وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' تک اسی گروہ کے اوصاف اور انجام اور نتائج کا ذکر ہے جنہوں نے ہدایت الٰہی کو ظاہری و باطنی طور پر قبول کیا۔ ''اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا'' سے ''عَذَابٌ عَظِیْمٌ'' تک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جنہوں نے ہدایت الٰہی کا ظاہراً بھی اور باطناً بھی انکار کیا یہ لوگ کسی طریقہ پر بھی ہدایت قبول کرنے پر آمادہ نہیں انہیں کافر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان دو آیات میں ان کا حال اور انجام بیان فرمایا ہے، انسانوں کا تیسرا گروہ جو صرف زبان سے ہدایت ربانی کا اقرار کرتا ہے مگر دل سے تسلیم نہیں کرتا یہ لوگ منافق کہلاتے ہیں۔ آئندہ کی تیرہ آیات یعنی ''وَمِنَ النَّاسِ'' سے ''اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' تک منافقین کی خرابیاں اور ان کی سازشوں اور چال بازیوں کا حال بیان فرمایا۔

﴿۳﴾ مؤمنین کے صفات : پہلی صفت یہ ہے کہ ''اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ علم کا معنی جاننا، دلائل معجزات کے ذریعہ کفار و مشرکین کو بھی علم حاصل تھا یہ ایمان نہیں، معرفت کا معنی پہچاننا یہود کو بھی معرفت حاصل تھی ''کما قال تعالیٰ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ الخ یہ بھی ایمان نہیں۔ ایمان لغت میں تصدیق کو کہتے ہیں'' کما قال تعالیٰ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا الخ اصطلاح شرع میں ''جمیع ما جاء به النبی ﷺ'' کو بواسطہ نبی کریم ﷺ دل کی خوشی و اختیار سے ماننا تصدیق میں بوساطت نبی کریم ﷺ برضا و رغبت اختیاری ماننا ایمان ہے بشرطیکہ بایں معنی ماننا ہو جو شریعت سے ثابت ہو۔ (آثار خیر: ص ۴۹)

صورت و حقیقت ایمان : حضرات صوفیاء کرام کے نزدیک صورت ایمان، تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ہے، اور حقیقت ایمان اطمینان نفس ہے اطمینان نفس سے مراد یہ ہے کہ مقتضائے شریعت مقتضائے طبیعت بن جائے یعنی نفس اس درجہ کا مطمئن ہو جائے کہ اللہ اور اس کے رسول کا ہر حکم اس کو لذیذ اور شیریں معلوم ہونے لگے، اور اس کی معصیت اور نافرمانی کا ادنیٰ سا خیال اور معمولی سا وسوسہ بھی آگ میں جلنے سے بدرجہا زیادہ شاق و گراں نظر آنے لگے۔ مندرجہ ذیل نصوص سے حقیقت ایمان مراد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا : (سورۃ النساء آیت۔ ۱۳۶)

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ۔ (الفجر: ۲۷) ترجمہ: (ارشاد ہوگا) اے اطمینان والی روح۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ (سورۃ الحجرات آیت ۷) ترجمہ: لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں اچھا کر دکھایا ہے۔

مدار نجات : مدار نجات کے لیے ایمان صوری ضروری ہے نہ کہ حقیقی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ" الخ (آثار خیر: ص۔ ۵۰)

یعنی جس نے "لا الہ الا اللہ" کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا اگر چہ زنا اور چوری کرے۔ معاذ اللہ ان کاموں سے اجازت مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی طرح کفر و شرک کے دائرہ سے نکل آئے۔

اہل قبلہ کون ہیں؟ : یہ جو مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں اہل قبلہ وہ لوگ ہیں جو تمام اصول دین اور متواترات و ضروریات دین پر ایمان رکھتے ہوں، اور کسی ایک امر دینی کے منکر و مکذب اور مؤول نہ ہوں تو وہ کافر نہیں ہیں، اور اگر وہ ضروریات دین کے منکر یا مؤول ہوں اگر چہ ان کی ساری زندگی عبادت میں گزر چکی ہو وہ بہر حال کافر ہیں۔ چنانچہ حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ "اِعْلَمْ اَنَّ الْمُرَادَ بِاَهْلِ الْقِبْلَةِ الَّذِيْنَ اتَّفَقُوْا عَلٰى مَا هُوَ مِنْ ضَرُوْرِيَاتِ الدِّيْنِ الخ (شرح فقہ اکبر: ص۔ ۱۵۴ طبع میر محمد کراچی)

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ اہل قبلہ سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین پر متفق اور ان کے قائل ہوں۔ اور علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ (المتوفی بعد ۱۲۳۹ھ) اہل قبلہ کے جملہ کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرات متکلمین رحمہم اللہ کی اصطلاح میں اہل قبلہ وہ شخص ہے جو ضروریات دین یعنی ایسے امور کی تصدیق کرتا ہو جن کے ثبوت اور شہرت کا علم شرع سے ہو چکا ہو پس جس شخص نے بھی ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کیا مثلاً: حدوث عالم یا حشر الاجساد یا اللہ تعالیٰ کے علم جزئیات یا فرضیت صلوٰۃ وصوم کا تو وہ شخص اہل قبلہ میں سے نہیں ہوتا اگر چہ وہ عبادات میں محنت کرتا ہو اور اسی طرح جس شخص نے تکذیب کی نشانیوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا مثلاً بت کو سجدہ کیا یا کسی شرعی کام کی اہانت اور استہزاء کی تو وہ شخص اہل قبلہ میں سے نہ ہو گا، اور اہل قبلہ کی عدم تکفیر کا معنیٰ یہ ہے کہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اور نیز مخفی اور غیر مشہور امر کے انکار کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے گی، یہی حضرات محققین کی تحقیق ہے سو اس کو محفوظ کر لو۔ (نبراس: ص۔ ۳۴۲ حقانیہ ملتان)

ایسے ہی منکر ضروریات دین کی تکفیر کی گئی ہے۔ (دیکھئے شرح عقائد جلالی: ص: ۱۰۶ وغیرہ) اور یہ ضروری نہیں کہ خارج از اہل قبلہ کھلے طور پر اسلام کا مخالف ہو اور عبادت اور تقویٰ وغیرہ ترک کر دے۔

احتیاط برائے تکفیر اہل قبلہ : چنانچہ امام زین العابدین ابن نجیم المصری (المتوفی ۹۷۰ھ) لکھتے ہیں خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کئی وجوہ کفر کی اور صرف ایک وجہ اسلام کی ہو تو مفتی کو اس وجہ کی طرف مائل ہونا چاہئے جو اسلام کی ہے کیونکہ مسلمان کے بارے میں حسن ظنی سے کام لینا چاہئے۔ بزازیہ میں یہ بات زائد لکھی گئی ہے کہ اگر وہ شخص خود ہی کفر کی وجہ کو متعین کر دے تو اس کو تاویل کفر سے محفوظ نہیں کر سکتی۔ (البحر الرائق: ج:۵: ص۔ ۱۲۵)

اور اعلیٰ حضرت بریلوی کو بھی حضرات فقہاء کے اس اصول کلی سے اتفاق ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ شرح فقہ اکبر میں ہے "قَدْ ذَكَرُوْا اَنَّ الْمَسْئَلَةَ الْمُتَعَلِّقَةَ بِالْكُفْرِ اِذَا كَانَ لَهَا تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ اِحْتِمَالًا لِلْكُفْرِ وَاِحْتِمَالٌ وَاحِدٌ فِيْ نَفْيِهٖ فَالْاَوْلٰى لِلْمُفْتِيْ وَالْقَاضِيْ اَنْ يَّعْمَلَ بِالْاِحْتِمَالِ النَّافِيْ" فتاویٰ خلاصہ و جامع الفصولین و محیط و فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے "اِذَا كَانَتْ فِي الْمَسْئَلَةِ وُجُوْهٌ تُوْجِبُ التَّكْفِيْرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ يَمْنَعُ التَّكْفِيْرَ فَعَلَى الْمُفْتِيْ وَالْقَاضِيْ اَنْ

يَمِيلَ إِلَى ذَٰلِكَ الْوَجْهِ وَلَا يُفْتِي بِكُفْرِهِ تَحْسِينًا لِلظَّنِّ بِالْمُسْلِمِ ثُمَّ إِنْ كَانَتْ نِيَّةُ الْقَائِلِ الْوَجْهَ الَّذِي يَمْنَعُ التَّكْفِيرَ فَهُوَ مُسْلِمٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَا يَنْفَعُهُ حَمْلُ الْمُفْتِي كَلَامَهُ عَلَى وَجْهٍ لَا يُوجِبُ التَّكْفِيرَ" اسی طرح فتاویٰ بزازیہ و بحرالرائق و مجمع الانہر و حدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے۔ تاتارخانیہ و بحر و سل الحسام و تنبیہ الولاۃ وغیرہا میں ہے: "لَا يُكَفَّرُ بِالْمُحْتَمِلِ لِأَنَّ الْكُفْرَ نِهَايَةٌ فِي الْعُقُوبَةِ فَيَسْتَدْعِي نِهَايَةً فِي الْجِنَايَةِ وَمَعَ الْاِحْتِمَالِ لَا نِهَايَةَ"۔ بحرالرائق و تنویر الابصار و حدیقہ ندیہ و تنبیہ الولاۃ و سل الحسام وغیرہا میں ہے: "وَالَّذِي تَحَرَّرَ أَنَّهُ لَا يُفْتِي بِكُفْرِ مُسْلِمٍ أَمْكَنَ حَمْلُ كَلَامِهِ عَلَى مَحْمَلٍ حَسَنٍ الخ بلفظہ۔ (حسام الحرمین، ص ۳۶،۳۵)

الغرض اعلیحضرت بریلوی نے بھی اقرار کیا ہے کہ حضرات فقہاء کرام کتنے محتاط ہیں کہ اگر ایک کلمہ کے سو پہلو اور احتمال ہوسکتے ہیں ننانوے کفر کے اور صرف ایک ہی اسلام کا ہو تو وہ فرماتے ہیں کہ قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی، بایں وجہ کہ شاید قائل کی مراد وہ پہلو اور احتمال ہو جو اسلام کا ہے، ہاں اگر وہ خود ہی کفر کی وجہ متعین کر دے تو پھر کسی مفتی اور قاضی کا فتویٰ اسے کفر سے نہیں بچا سکتا۔
(محصلہ ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب)

عقائد میں غلطی : تمام اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فروعی مسائل میں خطاء اجتہادی (بشرطیکہ کسی مجتہد سے نیک نیتی کی وجہ سے واقع ہو) قابل مؤاخذہ نہیں، اور نہ صرف ایسا شخص معذور تصور ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر پائے گا۔ لیکن اصول دین، ضروریات دین اور عقائد کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے کیونکہ ان میں دیانت کے ساتھ غلطی بھی قابل معافی نہیں ہے، اور نہ اس باب میں جہالت اور لاعلمی کی بناء پر کوئی شخص معذور سمجھا جا سکتا ہے، اور اسی طرح قرآن کریم، حدیث مشہور، اجماع اور قیاس جلی کا مخالف بھی معذور نہیں ہوسکتا، اگرچہ وہ اپنے دعویٰ پر خبر غریب پیش کرتا ہو۔ چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی الشافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں "لِأَنَّ الْمُخْطِئَ فِي الْأُصُولِ وَالْعَقَائِدِ يُعَاتَبُ بَلْ يُضَلَّلُ أَوْ يُكَفَّرُ لِأَنَّ الْحَقَّ فِيهَا وَاحِدٌ إِجْمَاعًا"۔ (التلویح، ص ۱۰۰)

ترجمہ: اصول اور عقائد میں خطا کرنے والا قابل سزا ہے بلکہ اس کی تضلیل یا تکفیر کی جائے گی اس لیے کہ عقائد اور اصول میں حق صرف ایک ہی ہے (اور فروع کی طرح ان میں حق متعدد نہیں ہے تاکہ موجب سزا نہ ہو) علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں "وَمَا خَالَفَ الْقُرْآنَ وَالْمُتَوَاتِرَ مِنَ السُّنَّةِ وَجَبَ تَأْوِيلُهُ وَإِنْ لَمْ يَقْبَلِ التَّأْوِيلَ كَانَ بَاطِلًا" (انباء الاذکیاء، ص ۱۰)

ترجمہ: کہ جو حدیث قرآن کریم اور متواتر حدیث کے مخالف ہو اس کی تاویل کرنی واجب ہے، اگر تاویل ممکن نہ ہو تو وہ حدیث خود ہی باطل ہو جائے گی، لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ اصول دین اور عقائد اور اسی طرح قرآن کریم، حدیث متواتر، اجماع اور قیاس جلی کے مقابلہ میں اگرچہ خبر غریب بھی پیش کی جاتی ہو تب بھی وہ باطل اور مردود ہوگی اور اس باب میں مخالف یا مخطی ہرگز معذور نہیں ہوسکتا۔

خبر غریب کی تعریف : خبر غریب وہ حدیث ہے جس کا راوی کہیں نہ کہیں ایک ہو۔ (خیر الاصول)
اس سے صاف صریح پتہ چل گیا کہ ایسی حدیث خود بخود باطل ہو جائے گی۔

مدار تکفیر : حضرات فقہاء کرام کے نزدیک موجب تکفیر شرائع اسلام، ضروریات دین، اصول دین اور قطعی دلائل مثلاً کتاب اللہ، حدیث متواتر اور اجماع قطعی کا انکار یا اس کی تاویل کرتا ہو۔ اس کے ضمن میں حدیث متواتر کی تعریف سمجھ لیں۔

حدیث متواتر کی تعریف : یہ وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو عقل سلیم محال سمجھے۔ (خیر الاصول)

مدار تکفیر کی تفصیل : چنانچہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ (المتوفی ۱۸۹ھ) لکھتے ہیں "وَمَنْ أَنْكَرَ شَيْئًا مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ

فَقَدْ اَبْطَلَ قَوْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ"۔ (سیر الکبیر ج:۴،ص۔۳۶۵) ترجمہ: جس نے شرائع اسلام میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کیا تو اس نے لاالہ الا اللہ کے قول کو باطل کر دیا۔ حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں "اَلْاِتِّفَاقُ عَلٰی اَنَّ مَا کَانَ مِنْ اُصُوْلِ الدِّیْنِ وَضُرُوْرِیَّاتِہٖ یُکَفَّرُ الْمُخَالِفُ فِیْہِ"۔ (مسائرہ ج:۲،ص:۲۱۲،مصری)

ترجمہ: اس پر اتفاق ہے کہ اصول دین اور ضروریات دین میں جو شخص مخالفت کرتا ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی، ان دونوں عبارتوں سے بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے نزدیک ہر چیز کا انکار یا ہر مخالفت موجب کفر نہیں ہوتی، بلکہ صرف ان اشیاء کا انکار کفر ہے جن کا ثبوت ادلہ قطعیہ سے ہو، اور جو امور ضروریات دین اور اصول دین میں سے ہوں صرف ان کا انکار کرنا یا ان کی تاویل کرنا کفر ہے۔

کیا ضروریات دین میں تاویل کفر سے بچا سکتی ہے؟

ضروریات دین کے اندر تاویل بھی جحود اور انکار کی طرح خالص کفر ہے۔ علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ الخیالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۷۰ھ) اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۶۷ھ) فرماتے ہیں "وَالتَّاوِیْلُ فِیْ ضُرُوْرِیَّاتِ الدِّیْنِ لَا یَدْفَعُ الْکُفْرَ"۔ (خیالی،ص:۱۴۶ مع الحاشیہ)

ترجمہ: اور ضروریات دین میں تاویل کفر سے نہیں بچا سکتی۔ اور شیخ الصوفیہ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۲۸ھ بھی تاویل فاسد کو کفر قرار دیتے ہیں (ملاحظہ ہو فتوحات مکیہ ص:۸۵۷، ج۔۲) اور سراج الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تاویل دو قسم کی ہے ایک وہ تاویل ہے جو قرآن کریم اور سنت اور اتفاق امت کی کسی قطعی دلیل کے موافق ہو۔ اور دوسری وہ تاویل ہے جو کسی قطعی دلیل کے مخالف ہو تو ایسی تاویل زندقہ ہے، نیز تحریر فرماتے ہیں کہ اگر وہ ملحد ظاہری طور پر تو اس کو مانتا ہے مگر ضروریات دین میں سے کسی چیز کی ایسی تفسیر کرتا ہے جو حضرات صحابہ اور تابعین رحمہم اللہ اور امت کے اجماع کے خلاف ہو تو ایسا شخص زندیق کہلائے گا۔ (مسوی،ص:۱۰۹، ج۔۲)

اور حضرت علامہ السید محمد انور شاہ صاحب کشمیری ثم دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

"اَلتَّاوِیْلُ فِیْ ضُرُوْرِیَّاتِ الدِّیْنِ لَا یُقْبَلُ وَیُکَفَّرُ الْمُتَاَوِّلُ فِیْھَا"۔ (اکفار الملحدین:ص۔۵۷)

ترجمہ: ضروریات دین میں تاویل قابل قبول نہیں ہے اور ضروریات دین میں تاویل کرنے والے کی باقاعدہ تکفیر کی جائے گی۔ اور فریق مخالف کے اعلیحضرت مولوی احمد رضا خان صاحب (المتوفی ۱۳۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ "احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے"۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ شفاء شریف میں ہے: "اِدِّعَاءُہٗ التَّاوِیْلَ فِیْ لَفْظٍ صَرَاحٍ لَا یُقْبَلُ" صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ نہیں سنا جاتا شرح شفائے قاری میں ہے "ھُوَ مَرْدُوْدٌ عِنْدَ قَوَاعِدِ الشَّرْعِیَّۃِ" ایسا دعویٰ شریعت میں مردود ہے نسیم الریاض میں ہے "لَا یُلْتَفَتُ لِمِثْلِہٖ وَیُعَدُّ ھَذَیَانًا" ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا اور وہ ہذیان سمجھی جائے گی۔ فتویٰ خلاصہ و فصول عمادیہ اور جامع الفصولین وفتاویٰ ہندیہ وغیرہ میں ہے "وَاللَّفْظُ لِلْعِمَادِیْ، مَنْ قَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللهِ اَوْ قَالَ بِالْفَارْسِیَّۃِ من پیغمبرم یُرِیْدُ بِہٖ من پیغام می برم یُکَفَّرُ" یعنی اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہے اور معنی یہ لے کہ میں پیغام لے جاتا ہوں قاصد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا یہ تاویل نہ سنی جائے گی۔ "فَاحْفَظْ اِنْتَھٰی بِلَفْظِہٖ"۔ (حسام الحرمین:ص۔۳۸،۳۷)

غرضیکہ اس قاعدہ پر حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ اور موافق و مخالف سبھی متفق ہیں کہ ضروریات دین میں اور قطعیات میں اور اسی

طرح صریح الفاظ میں تاویل ہرگز قابل سماعت نہیں، اور ایسی تاویل کسی کو کفر سے نہیں بچا سکتی قائل بہرحال کافر ہوگا لاشک فیہ ولاریب، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء کرام اور تابعین اور اجماع امت کے خلاف کسی چیز کی تفسیر کرنا زندقہ اور الحاد ہے اور اسی تحریف اور الحاد پر اہل بدعت کی عمارت قائم ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ "مِثْلُ طَوَائِفَ مِنْ اَهْلِ الْبِدَعِ اِعْتَقَدُوْا مَذَاهِبَ بَاطِلَةً وَعَمَدُوْا اِلَى الْقُرْاٰنِ فَتَاَوَّلُوْهُ عَلٰى رَاْيِهِمْ وَلَيْسَ لَهُمْ سَلَفٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ لَا فِيْ رَاْيِهِمْ وَلَا فِيْ تَفْسِيْرِهِمْ"۔

ترجمہ: جیسے اہل بدعت کے کئی گروہ پہلے غلط عقائد اختیار کرتے ہیں اور پھر ان کی ترویج کے لیے قرآن کریم سے دلائل لاتے ہوئے اپنی باطل رائے کے اثبات کے لیے تاویلات سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ حضرات صحابہ کرام اور تابعین وغیرہم نہ تو ان اہل بدعت کی رائے سے متفق ہیں اور نہ ان کی تفسیر سے۔ (بحوالہ ازالۃ الریب)

تعریف علم غیب: جو علم بلاواسطہ اور بغیر کسی ذریعہ کے ہو اسے علم غیب کہیں گے اور جو واسطہ اور ذریعہ کے ساتھ حاصل ہو مثلاً: اطلاع خداوندی یا بواسطہ جبریل یا کشف والہام کے ذریعہ سے قلب پر وارد ہو وہ اطلاع غیب، اظہار غیب، انباء غیب تو کہلائے گا مگر علم غیب نہیں کہلائے گا۔ علم غیب کا اطلاق ذاتی علم پر کیا جاتا ہے عطائی علم کو نہ آج تک کتب شریعت میں علم غیب کہا گیا ہے، اور نہ اسے علم غیب کہنا جائز ہے۔ علامہ صدر الدین اصفہانی رحمۃ اللہ نہج الباطل واہمال کشف الباطل میں فرماتے ہیں کہ "مِنْ ضُرُوْرِيَّاتِ الدِّيْنِ اَنَّ عِلْمَ الْغَيْبِ مُخْتَصٌّ بِاللّٰهِ تَعَالٰى"۔ (بحوالہ تفسیر بے نظیر: ص۔۵)

علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور ضروریات دین میں سے ہے اور ضروریات دین کے منکر کے متعلق پہلے گزر چکا ہے کہ اس کا منکر کافر ہے اگرچہ اہل قبلہ ہی کیوں نہ ہو۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ جو چیزیں انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ عطا کردی جاتی ہیں، یا جو چیزیں اولیاء کرام کو الہام یا کشف کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتی ہیں، ان پر غیب کا اطلاق نہیں ہوتا، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہیں، فرشتے ہیں، برزخ ہے اور آخرت کا دن اور اس کے تمام معاملات یہ سب غیب ہیں، اور جب کسی کو کسی بات کی اطلاع کردی جائے تو وہ غیب نہیں رہتا، اور علم غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ ایمان والوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جن باتوں کی خبر دی، اور آنحضرت ﷺ نے جو باتیں بتائیں ہیں ماضی کے متعلق ہوں یا مستقبل کے ان سب کو مانتے ہیں، اور ان پر ایمان لاتے ہیں بغیر دیکھے صرف خبر پر ایمان لے آنا یہی ایمان بالغیب ہی معتبر ہے۔ یہودی حق کو جانتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی ہیں مگر مانتے نہیں، وہ ایمان نہیں لاتے قرآن کریم میں ہے "يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" (آنحضرت ﷺ) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے۔

متقیوں کی دوسری صفت: یہ بیان فرمائی "وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ" یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں نماز قائم کرنا یہ ہے کہ نماز کے فرائض وواجبات وسنن اور مستحبات سب کو خوب دھیان سے اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ لکھتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے "اِقَامَةُ الصَّلٰوةِ اِتْمَامُ الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَالتِّلَاوَةِ وَالْخُشُوْعِ وَالْاِقْبَالِ عَلَيْهَا فِيْهَا" یعنی نماز کا قائم کرنا یہ ہے کہ رکوع سجدہ پورا پورا ادا کیا جائے اور تلاوت بھی صحیح ہو اور نماز میں خشوع بھی ہو اور نماز پڑھتے وقت نماز کا دھیان بھی ہو۔ (تفسیر ابن کثیر: ج:۱؛ ص۔۶۸)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ: مؤمنین متقیوں کی تیسری صفت۔ ربط آیات: اوپر عبادات بدنیہ میں سب سے اہم اور سب سے بڑی عبادت نماز کا ذکر تھا۔ اب یہاں سے مالی فرائض (زکوٰۃ وعشر، مصارف، حج، جہاد) اور واجبات (صدقہ فطر، نفقہ

عیال، نفقہ زوجہ اور نفقہ محارم وغیرہ) نفلی صدقات سب اس میں داخل ہیں۔

خلاصہ آیت : ”اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ“ میں تمام اعمال صالحہ کی جزء ایمان کا ذکر تھا۔ ”وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ“ میں حسن اعمال کا ذکر تھا ”وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ“ میں حسن اخلاق کا ذکر ہے۔

اہل بدعت کا گیارہویں پر استدلال اور اس کا رد

مولوی نعیم الدین مراد آبادی کنز الایمان کے حاشیہ پر لکھتے ہیں ”وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ“ گیارہویں، فاتحہ، تیجہ، چالیسواں وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔ (کنز الایمان، ص۔۴)

یہ ان کی نہایت جسارت اور قلت تدبر اور تحریف تفسیر کی واضح مثال ہے فقہاء مذاہب اربعہ علی الخصوص فقہاء احناف کثر اللہ سوادھم ان کو بدعت اور مکروہ کہتے ہیں، یہ بات الگ ہے کہ ذکر و تسبیح، تلاوت، درود شریف اور صدقہ وخیرات کے ذریعہ میت کو ایصال ثواب جتنا چاہے کرے اور میت کو ثواب بخشیں یہ بلاشبہ صحیح اور درست ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر کے حوالے سے لکھتے ہیں : اہل میت کی طرف سے کھانے کی دعوت مکروہ ہے اس لیے یہ تو خوشی کے موقع پر مشروع ہے نہ کہ غمی کے موقع پر، امام احمد اور ابن ماجہ میں حضرت جریر بن عبداللہ صحابی سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ ہم میت کے گھر میں جمع ہونا اور ان کے کھانا تیار کرنے کو نوحہ شمار کرتے تھے۔ (ابن ماجہ: ص۱۱۶، قدیمی)

مولوی نعیم الدین صاحب کتنی بڑی جسارت سے بدعات کو قرآن کریم کی تفسیر میں داخل کررہے ہیں میں صرف یہاں چند عبارتیں نقل کرتا ہوں تا کہ ان کی اور ان کی جماعت کو تسلی ہوجائے۔

مولوی احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ ① : چنانچہ وہ لکھتے ہیں: امام بزازی وجیز میں فرماتے ہیں ا ”یُکْرَہُ اِتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِی الْیَوْمِ الْاَوَّلِ وَالثَّالِثِ وَبَعْدَ الْاُسْبُوْعِ“ یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ وممنوع ہیں۔ (بلفظہ احکام شریعت حصہ سوم: ص:۱۵، ۳۰ ناشر شبیر برادرز لاہور)

باقی یہ رسومات ہندوانہ رسوم ورواج کی غمازی کرتی ہیں تحفۃ الہند سے چند حوالے اور اس کے مطالعے کی ترغیب۔ اور ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ”شریعت میں تو ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی یہ تعین عرفی ہے جب چاہیں کرلیں انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت وبدعت ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ قلمی مؤلفہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی ص ۱۰۰ ج ۳، ہو کتاب الحظر والاباحۃ)

مزید دیکھیں مولوی احمد رضا کی احکام شریعت حصہ سوم: ص ۱۳ ۳۰/ ۱۴/ ۳۱۴/ ۱۵/ ۳۱۶ ناشر شبیر برادرز اردو بازار لاہور)

اعلیٰ حضرت بریلوی کا فتویٰ ② : چنانچہ وہ لکھتے ہیں رہا کھانا دینے کا ثواب وہ اگرچہ اس وقت موجود نہیں تو کیا ثواب پہنچانا شاید ڈاک یا پارسل میں کسی چیز کا بھیجنا سمجھا ہوگا کہ جب تک وہ شئی موجود نہ ہو کیا بھیجی جائے؟ حالانکہ اس کا طریقہ صرف جناب باری میں دعا کرنا ہے کہ وہ ثواب میت کو پہنچائے۔ اگر کسی کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ کیا جائے گا ثواب نہ پہنچے گا تو یہ گمان اس کا محض غلط ہے۔ (حیاۃ احمد رضا ص ۱۴۰، الحجۃ الفائحۃ لطیب التعین والفاتحۃ: ص ۱۴، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۷ھ ۱۸۸۹ء)

احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ ③ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: اگر فاضل حلبی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے دیار کا رسم ورواج دیکھتے تو غمی کی ان دعوتوں پر حرمت قطعی کا حکم لگاتے اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اس کی اجازت دینے میں شیطان مردود کے لئے ایک دروازہ کھول دینا ہے اور مسلمانوں اور بالخصوص نادار مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال دینا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ ہم کو صراط

مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد والہ اجمعین۔ (احکام شریعت، ص ۱۹۷، ج ۳)

احمد رضا خان نے اپنے فتاویٰ جات پر کتنا عمل کیا ہے ہم انکے مکتوب وصایا شریف کی ایک جھلک قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں کہ موصوف "یَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ" کا عین مصداق ہیں یا نہیں؟ چنانچہ وصایا شریف میں لکھواتے ہیں:

(۱۴) رضا حسین، حسنین اور تم سب محبت اور اتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین و مذہب جو میرے کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے اللہ توفیق دے۔ والسلام: ۲۵: صفر ۱۳۴۰ھ روز جمعہ مبارکہ ۱۲: بجکر ۲۱: منٹ پر یہ وقتی وصایا قلمبند ہوئے۔ بقلم خود بحالت صحت وحواس۔ (وصایا شریف: ص ۱۰، مطبع حسنی بریلی میں چھاپا اور شائع کیا)

اس عبارت نے معلوم ہوا کہ اعلیٰحضرت کا دین اور مذہب شریعت اسلامی سے جدا ہے اور اس دین پر جو ان کی کتابوں سے ظاہر ہے مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اعلیٰ حضرت نے عقائد سے لیکر اعمال تک اور عبادات سے لیکر اخلاق تک دین و مذہب شریعت اسلامی کا نقشہ بالکل جدا پیش کیا ہے اس کا نمونہ وصایا شریف کی صرف ایک عبارت (تفصیل کا یہ موقع نہیں) نظر قارئین کرتا ہوں آپ خود ہی فیصلہ کریں گے کہ اعلیٰ حضرت کس شریعت پر قائم رہے ہیں اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے کو اہم فرض بتایا ہے وہ شریعت یہ ہے چنانچہ وصایا شریف میں لکھواتے ہیں: ۱۲: اعزا سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین باران اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں: دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ، خواہ بکری کا شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فیرنی، ارکی پھریری، دال مع ادرک ولوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کر دیا جیسے مناسب جانو مگر بطیب خاطر میرے لکھنے پر مجبوراً نہ ہو۔ (ص ۹-۱۰)

اب قارئین کرام کی خدمت میں درخواست ہے کہ خانصاحب کی اس زرین وصیت پر عمل کریں یا ان کے اوپر کے مذکورہ فتاویٰ جات پر اور ان فتاویٰ جات میں خصوصاً تیسرے فتویٰ پر جبکہ خود اپنی اس وصیت کے آخر میں تحریر کراتے ہیں کہ میرے اس لکھوانے پر مجبوراً نہ ہو، جبکہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ اپنی کتب کی تعلیمات پر عمل کرنے کو فرض سے اہم فرض قرار دے رہے ہیں۔ اس سے واضح معلوم ہوا کہ اعلیٰحضرت جھوٹ بولتے بھی تھے اور لکھواتے بھی تھے اور لکھتے بھی تھے۔ حالانکہ احناف فقہاء کرام اور حضرات صوفیاء کرام کے نزدیک بھی میت کی رسومات سوم، چہلم اور برسی وغیرہ صرف بدعت ہی نہیں بلکہ بعض حضرات حرام تک بھی کہتے ہیں مگر صد افسوس بدعت پرستوں پر دین میں چور دروازہ کھول کر الٹا بدعات کے مخالفین کو گستاخانہ خطابات سے نوازتے ہیں ہائے افسوس۔

مشہور بریلوی مولوی محمد صالح کا فتویٰ: کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے سے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ رسم سوائے ہندوستان کے اور کسی اسلامی ممالک میں رائج نہیں۔ انتھٰی بلفظہ (تحفۃ الاحباب: ص۔ ۱۲۲)

دیانند سرسوتی کا حوالہ: یہاں ایک مزہ دار حوالہ ان رسومات پر دیانند سرسوتی کا بھی ملاحظہ فرمائیں کہ ان کا قارورہ کن سے جاملا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ (۴) ہاں برہمنوں نے پریت کرم (مردہ کے متعلق رسوم) اپنی روزی کی خاطر جاری کئے ہیں چونکہ یہ وید کے مطابق نہیں اس لئے قابل تردید ہیں (بلفظہ) (ستیارتھ پرکاش ص ۵۳۷)

اس سے واضح ثابت ہوا کہ یہ مردہ کے متعلق رسوم مثلاً: تیجہ، ساتواں، دسواں، برسی وغیرہ اور کھانا سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنا وغیرہ یہ وید کی تعلیم کے خلاف ہے، اور قابل تردید ہیں، یہ تو برہمنوں نے اپنے پیٹ کے دھندے اور روزی کی خاطر جاری کی ہیں، جیسے بعینھا یہ بدرسوم، ختمی ملاؤں نے اپنی روزی اور پیٹ کے دھندے کی خاطر نہ صرف یہ کہ ایجاد کئے ہیں، بلکہ سنگینوں کی نوکوں سے انکی حفاظت کرتے ہیں، جبکہ رسوم میں یہ سب امور بدعات ہیں اور فقہاء ملت سختی سے انکی تردید کرتے ہیں یہ بات یاد رکھنا قیامت کی صبح

تک اھل بدعت یہ بات باحوالہ ثابت نہیں کرسکتے کہ ایصال ثواب کا کھانا سامنے رکھ کر اس پر قرآن کریم پڑھنے کا ثبوت فلاں صحابی یا فلاں امام یا کم از کم فلاں معتبر فقیہ سے ہے ادھر ادھر کی باتوں میں ناخواندہ لوگوں کو خوب الجھانے کی ناکام کوشش کریں گے۔ اور اس کاروائی کو ایسا ضروری سمجھیں گے کہ اسکو اہل سنت والجماعت کی علامت قرار دیں گے اور ایسا نہ کرنے والوں کو وہابیت کی توپ سے داغیں گے، یہ رسم قل کا ایسا التزام کریں گے کہ نماز جمعہ اور جماعت چھوٹ جائے تو کوئی پرواہ نہیں مگر سوئم وغیرہ ہاتھ سے ہرگز نہ چھوٹیں گے۔ اور یہ کہ کئی لوگ محض ناک اور دکھلاوے کی خاطر اور ناموری کی خاطر یہ کاروائی کریں گے اور بجائے فقراء کے امیروں اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھاجی کے طور پر کھلائیں گے وغیرہ۔

فائدہ: دنوں کی تعیین دو قسم پر ہے ۱۔ حقیقی۔ ۲۔ عرفی۔ تعیین حقیقی وہ ہے جس کو در حقیقت عوام نے از خود متعین کیا ہوتا ہے کہ رسم قل تیسرے دن ہوگی، عموماً رشتہ دار احباب کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ لوگ خود بخود چلے آتے ہیں اور اس رسم کے نہ ہونے پر ناراض ہو کر چلے جاتے ہیں۔ تعیین عرفی :اسکو کہتے ہیں جو ہر جگہ سب کے لئے متعین نہ ہو بلکہ اپنی مصلحت کے پیش نظر کوئی دن مقرر کر کے رشتہ داروں اور احباب کو اطلاع دی جائے جیسے شادی اور جلسہ وغیرہ میں ہوتا ہے کہ ہر ایک کو اطلاع دیئے بغیر پتہ نہیں ہوتا کہ یہ کاروائی کب ہوگی ہم تعیین عرفی کے اعتبار سے ایصال ثواب کے منکر نہیں ہیں، تعیین حقیقی کا انکار کیا ہے اور کرتے رہیں گے تاکہ ایصال ثواب کا راستہ بند نہ ہو اور ہم کہتے ہیں کہ مرنے والے کی موت سے لے کر زندہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک ایصال ثواب کیا کرے، یہ نہیں ہے کہ صرف انہی ایام مخصوصہ میں مردوں کے لئے انتظام کیا جائے۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اور جس کام پر صاحب شرع سے ترغیب اور وقت کی تعیین موجود نہ ہو وہ فعل عبث اور آنحضرت ﷺ کی سنت کے مخالف ہو وہ حرام ہے پس ہرگز وہ جائز نہیں۔ (فتاوی عزیزی ج:۱ ص۔ ۹۴)

علامہ ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ ان مطلق احکام میں قید لگانا جن کی قید کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے اپنی رائے سے شریعت بنانے کے مترادف ہے اور خصوصاً جب کہ اس کے مقابلہ میں دلیل موجود ہو (پھر آگے فرمایا) کیونکہ جو چیز سنت نہیں اس کے سنت ہونے کا اعتقاد کرنا اور اس پر ایسے انداز سے عمل کرنا جیسے سنت پر (پابندی سے) عمل کیا جاتا ہے تبدیل شریعت کے مساوی ہے۔ (الاعتصام ج:۱ ص۔ ۲۸۴)

احکام میں قید لگانے کی تشریح: علامہ شاطبیؒ تقیید فی المطلقات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: فاذا اجتمع فی النافلة ان تلتزم التزام السنن الرواتب اما دائما اوقات واما محدود علیٰ وجه محدود واقیمت فی الجماعة فی المساجد التی تقام فیها الفرائض اوالمواضع التی تقام فیها السنن الرواتب فذالك ابتداع والدلیل علیه انه لم یأت عن رسول صلی الله علیه وسلم ولا عن اصحابه ولا عن التابعین لهم باحسان فعل هذا المجموع هکذا مجموعاً (الاعتصام ص ۲۸۴، ج ۱)

جب نوافل میں یہ چیز جمع ہو جائے کہ ان پر ایسا التزام کیا جائے جیسا کہ سنن مؤکدہ میں ہوتا ہے ہمیشہ التزام ہو۔ یا متعین اوقات میں اور مخصوص طریقہ پر اور وہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ پڑھے جاتے ہوں جہاں فرائض پڑھے جاتے ہیں یا ان جگہوں میں پڑھے جائیں جہاں سنن مؤکدہ پڑھے جاتے ہیں تو یہ کاروائی بدعت ہوگی اور اسکی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ اور آپ کے اخلاص کے ساتھ پیروی کرنے والے تابعین سے اکھٹے ہو کر اجتماعی صورت میں یہ کاروائی ثابت نہیں ہے۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ نوافل جیسا عمل التزام کرنے سے بدعت ہے تو جو چیز آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ سے اس طریقہ پر ثابت نہیں ہے تو کیا اس کے بدعت ہونے میں شک ہے الغرض میرے

خیال میں سب بدعتی سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دین ناقص چھوڑا ہے یہ اس کی تکمیل کے در پے ہیں (العیاذ باللہ) حضور ﷺ سے اپنے آپ کو ذی فہم سمجھتے ہیں۔ ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ''۔

نماز کے فضائل واحکام

اس آیت کے ذیل میں نماز کے احکام تفصیلاً عرض کیے دیتے ہیں

فضیلت نماز:

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اَرَاَیْتُمْ لَوْاَنَّ نَھْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَغْتَسِلُ فِیْہِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا ھَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِہٖ شَیْءٌ؟ قَالُوْا : لَایَبْقٰی مِنْ دَرَنِہٖ شَیْءٌ۔ قَالَ فَذٰلِکَ مَثَلُ الصَّلٰوتِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللہُ بِہِنَّ الْخَطَایَا۔ (بخاری:ج:۱:ص:۷۶:رقم الحدیث ۵۲۸:۔ ومسلم عن ابی ہریرہؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : مجھے بتلاؤ کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو اس کے بدن پر میل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کچھ بھی میل باقی نہیں رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہی حال پانچوں نمازوں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے گناہوں کو صاف فرما دیتے ہیں۔

نماز کی اقسام

نماز کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ نماز جو رکوع اور سجدے والی ہو۔ (۲) وہ نماز جو رکوع اور سجدے والی نہیں ہے۔ جیسے نمازِ جنازہ وغیرہ

پھر ایسی نماز جو رکوع اور سجدے والی ہے اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) فرض نماز: ہر روز کی پانچ نمازیں۔ اور جمعہ کے دن جہاں جمعہ فرض ہے وہاں ظہر کی جگہ نمازِ جمعہ ادا کرنا۔ (۲) واجب نماز: جیسے نمازِ وتر، نماز عیدین، ان نوافل کی قضاء کرنا جو شروع کرنے کے بعد توڑ دیئے ہوں۔ اور طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنا اور وہ نفل جن کے پڑھنے کی نذر مان لی ہو۔ (۳) نفل: فرض اور واجب کے علاوہ باقی نمازیں، جیسے نمازِ تہجد (یہ نماز بڑی فضیلت اور برکت کی حامل ہے) اور نمازِ چاشت اور نمازِ زوال، نمازِ اوابین، نمازِ استخارہ، نماز حاجت، نماز توبہ، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو وغیرہ۔

فرضیت نماز کی شرائط:

نماز کے فرض ہونے کی تین شرطیں ہیں جس شخص میں یہ تینوں شرائط پائی جائیں اس پر نماز پڑھنا فرض ہے:

(۱) مسلمان ہونا: لہٰذا کافر پر نماز فرض نہیں۔ (۲) بالغ ہونا۔ لہٰذا نابالغ پر نماز فرض نہیں ہے۔ (۳) عقل مند ہونا : لہٰذا مجنون پر نماز فرض نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ نابالغ بچے پر اگرچہ نماز فرض نہیں ہے تاہم والدین کو چاہیے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دیں۔ اور جب دس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے مار پیٹ کے ذریعے نماز پڑھوائیں تاکہ نماز فرض ہونے سے پہلے پہلے نماز کی عادت ہو جائے۔

نمازوں کی تعداد (رکعات اور اوقات)

اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں جن کی رکعات اور ان کے اوقات کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ نمازِ فجر: نمازِ فجر میں دو رکعتیں پڑھنا فرض ہے۔ رات کے آخری حصے میں صبح ہونے سے پہلے مشرق کی جانب افق

(آسمان کا کنارہ) پر مشرق سے مغرب کی طرف اگر لمبی سفیدی دکھائی دے۔ جو کچھ دیر کے بعد ختم ہو جاتی ہے اس کو "فجر کاذب" کہتے ہیں اس وقت فجر کا وقت شروع نہیں ہوتا۔ پھر تھوڑی دیر بعد آسمان کے افق اور کنارے پر جب سورج اٹھارہ درجے زیر افق ہوتا ہے تو چوڑائی میں سفیدی نمودار ہوتی ہے اور جب سورج پندرہ درجے زیر افق رہ جاتا ہے تو وہ روشنی تیزی سے بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اور تھوڑی دیر میں بالکل اجالا ہو جاتا ہے۔ تو جس وقت سے یہ چوڑی سفیدی دکھائی دے تو اس کو "فجر صادق" کہتے ہیں۔ فجر صادق کے طلوع ہونے سے فجر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور طلوع آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ اور جب آفتاب کا ذرا سا کنارہ نکل آتا ہے۔ تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

۲: نمازِ ظہر:

نماز ظہر میں چار رکعتیں پڑھنا فرض ہے۔ زوال شمس (دوپہر ڈھل جانے) کے بعد سے ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور جتنا سایہ ٹھیک دوپہر کے وقت ہوتا ہے جسے سایہ اصلی بھی کہتے ہیں اسے چھوڑ کر جب تک ہر چیز کا سایہ دوگنا نہ ہو جائے ظہر کا وقت رہتا ہے۔ سایہ اصلی چھوڑ کر جب ہر چیز کا سایہ دوگنا (مثلِ ثانی) ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یہ تفصیل حضرتِ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق ہے۔ اور اسی بات پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

حضرتِ امامِ اعظم کے دونوں جلیل القدر شاگرد حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ سایہ اصلی کو چھوڑ کر جب ہر چیز کا سایہ اس سے ایک گنا (مثلِ اول) ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ احتیاط اس میں ہے کہ ظہر مثلِ اول سے پہلے پہلے پڑھ لی جائے۔ البتہ مسافر اس سہولت سے یہ فائدہ اٹھا سکتا ہے کہ ظہر کو مثلِ ثانی کے اخیر میں پڑھ لے اور مثلِ ثانی کے پورا ہونے پر عصر اول وقت میں ادا کر لے۔ یوں جمع کرنے سے مسافر کو سہولت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور نماز بھی اپنے اپنے وقت میں ادا ہو جاتی ہے۔

سایہ اصلی کا مطلب:

مشرق سے سورج نکل کر جتنا بلند ہوتا رہتا ہے اسی قدر مخالف سمت میں ہر چیز کا سایہ گھٹتا رہتا ہے یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سایہ گھٹنا موقوف ہو جاتا ہے۔ یہ ٹھیک زوال کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت جو سایہ بظاہر رکا ہوا محسوس ہوتا ہے اسے "سایہ اصلی" کہتے ہیں۔ پھر سورج جب ہر چیز سے ڈھل کر مغرب کی سمت ہوتا ہے۔ تو چند منٹ سایہ رکنے کے بعد مشرقی جانب بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔

۳: نمازِ عصر:

نماز عصر میں چار رکعتیں پڑھنا فرض ہے اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق جب ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو عصر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور سورج کے غروب ہونے تک رہتا ہے۔ سورج جب غروب کے قریب ہوتا ہے تو اس کا رنگ بدل جاتا ہے اور دھوپ زرد پڑ جاتی ہے اور سورج پر نظریں جمانا آسان ہوتا ہے اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ تاہم اسی دن کی عصر اگر کسی وجہ سے رہ گئی تو ادا کرنے کی گنجائش ہے۔

۴: نمازِ مغرب:

نماز مغرب میں تین رکعتیں پڑھنا فرض ہے۔ سورج غروب ہونے پر مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جب تک مغربی جانب آسمان کے کنارے پر سرخی (جسے شفق احمر کہتے ہیں) باقی رہے اس وقت تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔ پھر جب سرخی ختم

ہوجائے تو مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کی نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ مغرب کی نماز جلدی ادا کرنا مستحب ہے۔ اتنی دیر کرنا کہ خوب تارے نکل آئیں مکروہ ہے۔ مذکورہ بالا تفصیل صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور امام محمدؒ) کے نزدیک ہے۔

جبکہ امامِ اعظم ابو حنیفہؒ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ مغرب کی جانب سرخی کے غائب ہوجانے کے بعد شمالاً جنوباً جو سفیدی ظاہر ہوتی ہے (جسے شفق ابیض کہتے ہیں) اس وقت تک مغرب کی نماز کا وقت رہتا ہے۔ جب یہ سفیدی چھپ جائے تو عشاء کی نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ مغرب کی نماز شفق احمر ختم ہونے سے پہلے پہلے پڑھ لے۔ اور عشاء کی نماز ''شفق ابیض'' کے غائب ہونے کے بعد پڑھے تاکہ تمام ائمہ کے ارشادات کے مطابق نماز صحیح ہوجائے۔

۵: نمازِ عشاء

نمازِ عشاء میں چار رکعتیں پڑھنا فرض ہے۔ شفق کے غروب ہونے کے بعد جب مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے تو عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ جو صبح صادق کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔

نمازِ وتر:

نمازِ وتر واجب ہے اور اس کی ادائیگی کا وقت عشاء کا وقت ہے مگر یہ فرضوں کے تابع ہے۔ لہٰذا عشاء کے فرضوں سے پہلے وتر ادا کرنا جائز نہیں ہے اگر کسی نے ایسا کرلیا تو فرضوں کے بعد اس کا اعادہ کرنا لازم ہے۔

نمازوں کے مستحب اوقات

نمازِ فجر کا مستحب وقت:

مردوں کے لیے مستحب ہے کہ فجر کی نماز ایسے وقت شروع کریں جب روشنی پھیل جائے۔ اور اس قدر وقت باقی ہو کہ اگر نمازِ فجر میں چالیس پچاس آیات کی اچھی طرح تلاوت کی جائے اور نماز سے فراغت کے بعد اگر نماز کا اعادہ کرنا چاہیں تو طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے چالیس پچاس آیتیں نماز میں پڑھ سکیں۔

اور عورتوں کے لیے ہمیشہ ''غلس'' یعنی اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھنا مستحب ہے۔

نمازِ ظہر کا مستحب وقت:

موسمِ گرما میں ظہر کی نماز اس قدر تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے کہ گرمی کی تیزی کا وقت ختم ہوجائے۔ اور موسمِ سرما میں اول وقت پڑھ لینا مستحب ہے تاہم اگر آسمان پر بادل ہوں تو تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے تاکہ سورج کے زوال کا مکمل یقین ہوجائے۔ البتہ جمعہ کی نماز ہمیشہ اول وقت پڑھنا ہی مستحب ہے۔

نمازِ عصر کا مستحب وقت:

عصر کی نماز کا دیر سے ادا کرنا مستحب ہے، تاہم اتنی دیر درست نہیں کہ دھوپ کا رنگ بدل جائے اور سورج میں زردی آجائے۔

نمازِ مغرب کا مستحب وقت:

مغرب کی نماز میں جلدی کرنا اور سورج غروب ہوتے ہی پڑھنا مستحب ہے البتہ بادل والے دن تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔

نمازِ عشاء کا مستحب وقت:

عشاء کی نماز میں ایک تہائی رات تک تاخیر کرنا مستحب ہے اور اس کے بعد آدھی رات تک تاخیر مباح ہے اور آدھی رات

کے بعد تاخیر مکروہ تحریمی ہے۔

نماز وتر کا مستحب وقت:

اگر کوئی شخص نماز تہجد کا عادی ہو اور اسے اخیر رات میں اٹھنے کا مکمل بھروسہ ہو تو اس کو وتر کی نماز تہجد کے نوافل کے بعد ادا کرنا مستحب ہے۔لیکن اگر آنکھ کھلنے کا اعتبار نہ ہو تو عشاء کے بعد سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لینا چاہیے۔

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے :

وہ اوقات جن میں سرے سے کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔وہ تین اوقات ہیں ان میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ قضاء نماز پڑھنا۔وہ اوقات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عین طلوع شمس کے وقت۔(۲) ٹھیک زوال کے وقت۔(۳) عین غروب شمس کے وقت۔البتہ اگر عصر کی نماز نہ پڑھی ہو تو سورج غروب ہوتے وقت بھی پڑھ سکتے ہیں۔ان تینوں اوقات میں جس طرح کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اسی طرح سجدۂ تلاوت بھی جائز نہیں ہے۔اگر کوئی چیز ایسی ہے جو واجب ہی ان تینوں ممنوع اوقات میں ہوئی ہو تو پھر اسے کراہت کے ساتھ ادا کرنا جائز ہے۔جیسے کسی شخص نے ان اوقات میں آیتِ سجدۂ تلاوت کی اور سجدہ بھی کر لیا تو سجدہ ادا تو جائے گا مگر مکروہ ہوگا۔اسی طرح اگر ان اوقات میں کوئی جنازہ آ گیا تو اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے:

درج ذیل اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(۱) طلوعِ فجر کے بعد فجر کی دو سنت کے علاوہ نفل نماز پڑھنا۔نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک۔

(۲) نمازِ عصر کے بعد غروب آفتاب تک۔(۳) جمعہ کے دن جب خطیب خطبہ دینے کے لیے نکلتا ہے اس کے فرض نماز سے فارغ ہونے تک۔(۴) اقامت کے دوران۔لیکن اس سے فجر کی سنتیں مستثنیٰ ہیں وہ اقامت کے دوران پڑھنا اور اقامت ہو چکنے کے بعد جماعت والی جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ پڑھنا جب کہ جماعت فجر ملنے کا یقین ہو بلا کراہت جائز ہے کیونکہ ان کی بڑی اہمیت ہے اور احادیثِ مبارکہ میں ان کی بڑی تاکید آئی ہے۔(۵) نمازِ عید سے پہلے کسی قسم کی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔خواہ عیدگاہ میں ہو یا گھر میں البتہ نمازِ عید سے فراغت کے بعد عیدگاہ میں بدستور مکروہ ہے۔تاہم گھر میں آ کر پڑھنا جائز ہے۔

(۶) جب وقت اس قدر تنگ ہو کہ نفل نماز میں مشغولی کی وجہ سے فرض فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(۷) کھانا موجود ہو اور سخت بھوک کی حالت ہو کہ کھانا نہ کھانے کی صورت میں اس طرف دھیان لگا رہے۔

(۸) پیشاب پاخانہ وغیرہ کے تقاضے کے وقت ہر قسم کی نماز مکروہ ہے۔خواہ فرض ہو یا نفل۔(۹) اسی طرح پیٹ میں گیس (ریح) ہو اور اسے روکے رکھنا اور اسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔(۱۰) ایسی چیز کی موجودگی کے دوران نماز پڑھنا مکروہ ہے جو اس کے خشوع میں خلل ڈالے اور نماز میں اپنی طرف متوجہ کرے۔

(۱۱) حاجی کے لیے میدانِ عرفات میں یوم عرفہ (۹ ذی الحج) کو ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان کوئی نفل پڑھنا۔یہ یاد رہے کہ یہ مسئلہ اس وقت ہے جب ظہر اور عصر کو جمع کرنے کی تمام شرائط پائی جائیں۔آج کل شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے حنفی حاجی چونکہ ظہر اور عصر اپنے اپنے وقت میں خیموں کے اندر باجماعت ادا کرتے ہیں۔لہٰذا ان کے لیے نوافل پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

(۱۲) حاجی کے لیے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان کوئی نفل پڑھنا۔

نوٹ : فجر اور عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر ان اوقات میں قضا نماز پڑھنا اور سجدۂ تلاوت ادا کرنا مکروہ نہیں ہے۔

﴿٤﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ منصفین اہل کتاب کے فضائل و چوتھی صفت مؤمنین ومتقین
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ عہد رسالت میں مؤمنین متقین حضرات دو طرح کے تھے۔ایک وہ جو پہلے مشرکین میں سے تھے پھر مشرف باسلام ہوئے، دوسرے وہ جو پہلے اہل کتاب یہودی یا نصرانی تھے پھر مسلمان ہو گئے اس سے پہلی آیت میں پہلے طبقے کا ذکر تھا اور اس آیت میں دوسرے طبقے کا ذکر ہے اس لئے اس آیت میں قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ پچھلی آسمانی کتابوں پر بھی ایمان لانے کی تصریح فرمائی گئی۔(ابن کثیر: ج١:ص٧٠، مظہری ج١:ص٢٠)

ایمان بالقرآن :اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ وحی اور آپ سے پہلے نازل کردہ وحی پر علیحدہ علیحدہ ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ اس لیے کہ دونوں حکم الگ الگ ہیں۔سابقہ وحی پر ایمان لانا اجمالاً کافی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ وحی پر تفصیلاً ایمان لانا ضروری ہے۔مثلاً (١) قرآن کریم عربی میں ہے (٢) یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے (٣) یہ اللہ کی آخری کتاب ہے (٤) یہ قرآن کامل ہے اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوا (٥) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب سے امت کو دیا ہے جو ہمارے سامنے ہے (٦) انسانوں کے ہاتھوں میں آنے کی وجہ سے اس میں کوئی کمی بیشی نے راہ نہیں پائی (٧) قرآن ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک ہے۔یاد رکھیں اگر کوئی اس تفصیل سے قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتا اس کو اسلام میں داخل نہیں سمجھا جائے گا اب ہدایت کی راہ صرف قرآن کریم میں منحصر ہے کسی سابقہ کتب میں نہیں ہے اس لیے یہاں دو طرح کی وحی کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے۔

خلاصہ :یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے نمبر پر توحید اور دوسرے نمبر پر رسالت اور تیسرے نمبر پر قرآن کریم پر ایمان رکھے۔ایمان بالقرآن پر بندہ نے معارف التبیان میں پانچ دلائل لکھے ہیں وہاں دیکھیں۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ :پانچویں صفت مؤمنین ومتقین :یہ الفاظ جامع عقائد پر مشتمل ہیں۔ ① دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں بلکہ ایک وقت پر ختم ہو جائے گا۔② دنیا کے بعد دوسرا عالم آئے گا اس میں پوری نوع انسانی بیک وقت دوبارہ زندہ ہو گی اور اپنی تمام عمر کے اعمال کے حساب دے کر پورا پورا بدلہ پائے گی۔③ نیک جنت میں اور بد جہنم میں جائیں گے۔④ کامیابی اور ناکامی کا معیار دنیوی اچھے برے حالات پر نہیں بلکہ معیار آخری فیصلہ ہے، لہٰذا فخر وطن غیر معقول۔ ⑤ مراقبہ آخرت تمام عقائد، اخلاق اعمال کی اصلاح کی جڑ ہے۔

﴿٥﴾ متقین کا دنیوی اور اخروی نتیجہ :فلاح سے مراد کامل ہے یعنی اپنی مراد کو پہنچ جانا۔
اس آیت میں کلمہ "علیٰ" ہے استعلاء کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف نور ہدایت پر حاوی اور متمکن ہیں۔"اُولٰٓئِكَ" کو مکرر لائے ہیں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح یہ لوگ ہدایت پر متمکن ہیں اسی طرح فلاح کے بھی کامل درجہ پر فائز ہیں۔

﴿٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں اہل ایمان کے اوصاف کا ذکر تھا اب ان دو آیات میں ان کفار کا ذکر ہے جو محرومین عن القرآن ہیں اور اللہ کے علم میں ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہو گا۔

کفر کی تعریف : کفر کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں، ناشکرے کو بھی کافر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اپنے محسن کے احسان کو چھپاتا ہے، شریعت کی اصطلاح میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی چیز کے انکار کرنے کا نام کفر ہے، اور ایمان کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور اس کا ثبوت قطعی یقینی ہے ان سب چیزوں کی دل سے تصدیق کرنا اور حق سمجھنا اس لئے جو شخص آنحضرت ﷺ کی ان تعلیمات میں سے جن کا ثبوت یقینی اور قطعی ہے کسی ایک کو بھی حق نہ

سمجھے اور اس کی تصدیق نہ کرے وہ کافر کہلائے گا۔ نوٹ : کفر کے اقسام کا تفصیلاً ذکر سورۃ یونس کے پہلے رکوع میں آئے گا۔

ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ :الخ ابشار اور انذار کا معنی :لفظ "ابشار" ایسی خبر دینے کو کہتے ہیں جس سے سرور پیدا ہو، "انذار" ایسی خبر دینے کو کہتے ہیں جس سے خوف پیدا ہو اور اردو زبان میں اس کا ترجمہ ڈرانے سے کیا جاتا ہے مگر نذیر مطلق ڈرانے کو نہیں کہتے بلکہ ایسا ڈرانا جو شفقت اور رحمت کی بناء پر ہو جیسے اولاد کو آگ سے، سانپ، بچھو اور درندوں سے ڈرایا جاتا ہے۔ اس لئے جو ڈاکو، چور، ظالم، کسی انسان کو دھمکاتے ڈراتے ہیں، اس کو "انذار" اور ان لوگوں کو "نذیر" نہیں کہا جاتا، انبیاء علیہم السلام کو خصوصیت سے "نذیر" کا لقب دیا جاتا ہے کہ وہ ازراہ شفقت آئندہ آنے والے مصائب سے ڈراتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کے لیے اس لفظ کو اختیار کرنے میں اس کی ہدایت ہے کہ ایک مصلح اور مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ مخاطب کی خیر خواہی کے ساتھ ہمدردی سے گفتگو کرے محض ایک کلمہ پہنچا دینا مقصد نہ ہو۔ (معارف القرآن: ص:۱۱۷: ج۔۱)

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے حالانکہ انہی کفار میں سے لوگ ایمان لائے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں "اَلَّذِيْنَ" میں "الف لام" موصول عہد کیلئے ہے اس سے مراد متعین قسم کے لوگ ہیں مثلاً: ابوجہل، عتبہ وغیرہ یہ حکم عام نہیں بلکہ خاص ہے۔ (روح المعانی: ج:۱: ص:۱۶۲ : کشاف: ص:۷۹ ج۔۱)

اس پر اشکال ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو پھر آپ ﷺ کو مامور کیوں کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ" کہ ان لوگوں کے حق میں کوئی فائدہ نہیں "سواء علیك" نہیں فرمایا کہ آپ کے حق میں فائدہ نہیں بلکہ آپ کو اس تبلیغ کرنے کا پورا پورا اجر ملے گا۔

﴿۷﴾ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ :الخ قرآن سے محرومین کی کیفیت : یہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں پھر یہ ایمان قبول نہ کرنے اور ہدایت قبول نہ کرنے سے بے قصور ہوئے پھر ان کو سزا کیوں دی جائے گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (سورۃ حم سجدہ آیت ۵:) میں ہے "وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ" الخ اور یہ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے ہمارے اور آپ کے درمیان میں پردہ ہے۔ تو انہوں نے خود ایمان لانے سے انکار کر دیا کہ توحید، رسالت اور قیامت سے ہمارے دلوں پر پردے ہیں اللہ تعالیٰ کا قانون ہے "نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى" آدمی جس طرف جانا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کی طرف توفیق دے دیتے ہیں توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور ارادہ انسان کا خود نتیجہ ہے اس کو فرمایا "وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ" یعنی آخر کار اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ سورۃ الرعد (آیت ۱۱:) میں ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ" بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ نہ بدلیں جو ان کے جیوں میں ہے۔ تو انہوں نے خود اپنی حالت تبدیل نہیں کی لہٰذا وہ خود قصور وار ہیں۔ اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ سورۃ ہود (آیت ۲۸:) میں ہے "اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ" تو کیا ہم اس کے لئے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں حالانکہ تم اس سے بیزار ہو، اور اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو ان پر پیش کر دیا تھا مگر انہوں نے خود قبول نہیں کیا تھا۔

اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے "کل مولود یولد علی الفطرة" کہ ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے پھر بعد میں ماحول اور تربیت یا والدین کی وجہ سے یہودی، مجوسی، سکھ، عیسائی، وغیرہ بن جاتا ہے، تو یہ خود اس کا اپنا قصور ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا لہٰذا اس کے کفر اختیار کرنے کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ اس پر خدائی مہر لگا دیتے ہیں۔

یہاں پر ایک اور اشکال وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "قُلُوْبِهِمْ" اور "اَبْصَارِهِمْ" کو جمع ذکر فرمایا اور "سمع" کو مفرد کیوں لائے ہیں؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ "سمع" مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق قلیل و کثیر سب پر ہوتا ہے۔ (بیضاوی:ج:۱ص:۲۷؛ قرطبی:ج:۱؛ص:۱۹۰؛ تفسیر منیر؛ص:۷۷:ج۔۱)

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ "دل" اور "بصر" کا تعلق کثیر اشیاء سے اور سمع (یعنی کان) کا صرف ایک چیز سے ہے یعنی آواز کے سننے کے ساتھ، اس لئے مفرد لائے ہیں۔ (تفسیر عزیزی سورۃ البقرہ،ص:۱۹۱،ج۔۱)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ

اور بعض لوگوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت پر حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں ﴿۸﴾ وہ دھوکا دیتے ہیں اللہ کو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَ

اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور حقیقت میں وہ نہیں دھوکا دیتے مگر اپنی جانوں کو، اور وہ سوچتے بھی نہیں ﴿۹﴾ ان کے دلوں میں بیماری ہے

هُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي

اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں ﴿۱۰﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو

الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲ وَاِذَا

تو کہتے ہیں بیشک ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ﴿۱۱﴾ سنو! بیشک یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں مگر یہ سمجھتے نہیں ﴿۱۲﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے

قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ

ایمان لاؤ اس طرح جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں! بیشک یہی لوگ بیوقوف ہیں

وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

لیکن یہ جانتے نہیں ﴿۱۳﴾ اور جب یہ ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ اور جب یہ تنہا ہوتے اپنے شیطانوں (سرداروں) کے پاس تو کہتے ہیں

مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۴ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۵

ہم تمہارے ساتھ ہیں بیشک ہم تو ہنسی کرتے ہیں ﴿۱۴﴾ اللہ ان کے ساتھ ہنسی کرتا ہے اور مہلت دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں وہ سرگرداں ہو رہے ہیں ﴿۱۵﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۶ مَثَلُهُمْ

یہی لوگ ہیں جنہوں نے خریدا ہے گمراہی کو ہدایت کے بدلے۔ پس نہیں فائدہ دیا ان کو ان کی تجارت نے نہیں تھے یہ لوگ ہدایت پانیوالے ﴿۱۶﴾ ان منافقوں کی مثال

كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ

اس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی۔ جب آگ نے اس کے آس پاس کو روشن کردیا تو اللہ نے ان کی روشنی زائل کردی اور ان کو

ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ

اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ بھی نہیں دیکھتے ﴿۱۷﴾ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں، پس وہ نہیں لوٹیں گے ﴿۱۸﴾ یا ان کی مثال آسمان کی طرف سے اترنے والی اس بارش کی ہے

فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ

جس میں تاریکیاں، گرج اور بجلی کی چمک ہے۔ یہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں بادل کی کڑک سے

حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ

موت کے ڈر سے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیر نیوالا ہے ﴿۱۹﴾ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو اچک لے۔

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

جب وہ ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے ہیں۔ اور جب ان پر تاریکی چھا جاتی ہے تو کھڑے ہوجاتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے

لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع۲

تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو لے جائے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۲۰﴾

﴿۸﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں کھلے کافروں کا ذکر تھا یہاں سے تیرہ آیات میں ایسے منکرین ومنافقین کا ذکر ہے جو ظاہر میں اپنے آپ کو مؤمن اور مسلمان کہتے تھے مگر حقیقت میں مؤمن نہ تھے ان لوگوں کا نام قرآن میں منافقین رکھا گیا ہے۔

خلاصہ رکوع ۲ امراض منافقین واقسام وامثلہ۔ ماخذ آیات ۸ تا ۲۰

منافق کی تعریف : منافق کا لفظ نفق سے لیا گیا ہے۔ "نَفَقٌ" بمعنی تنگ راہ، سرنگ اور سرنگ کہتے ہیں جس میں دونوں طرف سے راستہ ہو چونکہ منافق اسلام میں ایک دروازہ سے داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے نکل جاتے ہیں اس لیے ان کے اس عمل کا نام نفاق رکھا گیا۔ (مفردات القرآن: ج:۲، ص:۱۰۷۳، قاموس القرآن: ص:۶۱۲، لغات القرآن: ص۔۳۳۱)

منافقت کفر کی بدترین وخبیث ترین قسم ہے اس میں کفر بھی ہے جھوٹ بھی ہے دھوکہ دہی بھی ہے وغیرہ۔

اقسام نفاق ① اعتقادی منافق جو دل میں تکذیب وانکار کرے اور زبان سے اقرار کرے۔ ② جس کے دل میں تردد وشک ہو مگر زبان سے اقرار ہو۔ ③ دل وزبان سے اقرار عمل غیر مطابق۔ ④ حالی حضوری، غیوبۃ میں حال یکساں نہ رہنا، کمافی الحدیث حنظلہ رضی اللہ عنہ۔ پہلی دونوں قسمیں خالص کفر کی ہیں، تیسری قسم فسق ہے اور چوتھی قسم غلبہ خشیت اور تقویٰ کی ہے۔

ملحد وزندیق کی تعریف : جو شخص الفاظ قرآن مانے اور معنی حسب خواہش تبدیل کرے وہ قرآن کریم کی اصطلاح میں ملحد ہے اور اصطلاح حدیث میں زندیق ہے۔ (آثار خیر)

وَمِنَ النَّاسِ: امراض منافقین ① حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے احباب سے ایک مرتبہ کہا لوگو! اللہ سے ڈرو اور نفاق چھوڑ دو بظاہر مسلمان اور دل میں کافر رہنا بہت اندیشہ کی بات ہے انہوں نے جواب دیا کہ اے ابوالحسن ہماری طرف نفاق منسوب کرتے ہو اور باوجود اس کے کہ ہم سچے مسلمان ہیں، تم ہمیں کافر کہتے ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کلام

کے رد کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ

مولوی نعیم الدین کا استدلال انبیاء کو بشر کہنا کفار کا دستور ہے

مولوی نعیم الدین مرد آبادی لکھتا ہے کہ: مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے اس لئے قرآن کریم میں جا بجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور درحقیقت انبیاء کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔ (حاشیہ کنز الایمان: ص:۵)

اس کا ایک جواب: تو یہ ہے کہ یہاں نہ تو لفظ بشر ہے اور نہ انبیاء کرام کا ذکر ہے بلکہ یہاں تو مِنَ النَّاسِ کے لفظ سے منافقین کی تردید کا ذکر ہے مولوی نعیم الدین مراد آبادی نے اپنی پرانی عادت کے موافق اپنا غلط عقیدہ ٹھونسنے کی لاحاصل کوشش کی ہے جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ قرآن و حدیث اور اجماع امت کے مسلم اصول اور عقائد اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ بشر و انسان کو حقیر اور ذلیل سمجھنے والا سب سے پہلے ابلیس لعین ہے اور بشر کو اعلیٰ شان کا سمجھنا فرشتوں اور فرشتہ صفت لوگوں کا کام ہے ان کے فضائل و کمالات کا منکر ابلیس کے طریق کار پر گامزن ہے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

اور اس کا دوسرا جواب: خود مولوی نعیم الدین مراد آبادی کی تحریر سے دیکھیں ماشاء اللہ وہ اس فتویٰ کی زد میں خود ہیں چنانچہ اسی حاشیہ قرآن کے: ص:۷۸۳ سورۃ تغابن آیت: ۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: انہوں نے بشر کے رسول ہونے کا انکار کیا اور یہ کمال بے عقلی و نافہمی ہے پھر بشر کا رسول ہونا تو نہ مانا اور پتھر کا خدا ہونا تسلیم کرلیا۔

اس کا تیسرا جواب: مولوی نعیم الدین مراد آبادی اپنی کتاب کتاب العقائد میں لکھتے ہیں انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی (پیغام الٰہی) آتی ہے۔ (کتاب العقائد، ص:۷، طبع مکتبہ مہریہ رضویہ جامکے روڈ نزد مسجد نور ڈسکہ ضلع سیالکوٹ اشاعت اول اگست ۲۰۰۱ء)

اب ان حوالہ جات کے بعد تو کسی چیز کی گنجائش نہیں تاہم یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ احمد رضا خان نے نفی الفئی میں اور پیر کرم شاہ ازھری آف بھیرہ شریف نے تفسیر ضیاء القرآن میں بھی آنحضرت ﷺ کو بشر تسلیم کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ باقی رہی یہ بات کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا یہ کفار ہی کا دستور ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اپنے جیسے سے مراد جنس بشر اور نوع انسانیت کے لحاظ سے بشریت مراد ہے تو قرآن کریم کی نص قطعی ہے۔ "قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ" اس میں مماثلت مومنوں اور کافروں سب کے لئے ثابت ہے کیونکہ قرآن کریم تمام مکلف مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ ہے اور اس کے احکام مومنوں اور کافروں سب کے لئے ہیں۔ اور علماء اصول کا یہ قاعدہ اپنی جگہ ہے "العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد" اور حدیث پاک میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منصب صحابہ کرام ؓ سے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ"۔ (بخاری ص ۸۵ ج ا، مسلم ص ۲۱۳: ج:۱) کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں، تو جب آپ حضرات صحابہ کرام ؓ جیسے مومنوں کی طرح بشر ہیں تو یقیناً وہ بھی آپ کی طرح ہی بشر ہیں اس میں شک وشبہ کی کیا مجال اور کیا گنجائش ہے؟ اور اگر اپنے جیسے سے مراد درجہ شان اور کمال ہے تو خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں آپ کی کوئی نظیر اور مثل نہیں، لا شک فیہ۔

ہمارا دعویٰ ہے قرآن کریم میں ایک ایسے مقام کی نشاندہی کریں جس میں یہ واضح حکم موجود ہو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جنس بشر اور نوع انسانیت کے لحاظ سے اپنے جیسا بشر کہنے والا کافر ہے۔ دیدہ باید؟ ہاں البتہ کفار حضرات انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہتے تھے وہ ان کو نبوت و رسالت کا انکار کر کے کہتے تھے اس پر دو دلائل۔ ۱: سورۃ ص کی آیت: ۸: دیکھیں۔ ۲: سورۃ قمر کی آیت۔ ۲۵ دیکھیں ہم

نے اس مسئلہ پر فریق مخالف کی کتب اور قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء سے مکمل بحث بحوالہ سورۃ الکہف کے آخری آیت میں اور سورۃ مریم آیت :۱۷: کے ذیل میں لکھ دی ہے دیکھیں۔

﴿۹﴾ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ۔۔۔الخ مرض۔ ۲ یہ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ دھوکہ تو وہاں دیا جاسکتا ہے جہاں کوئی حالات سے ناواقف ہو اللہ تو علیم کل ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اصل عبارت ہے "یخادعون نبی اللہ" نبی کو حذف کر کے لفظ اللہ کو جو کہ مضاف الیہ ہے اس کے قائم مقام ٹھہرایا ہے۔(التفسیر المعبر: ص:۷۹: ج:۱: بحر محیط: ص:۵۶: ج۔۱) مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ کے رسول کو دھوکہ دیتے ہیں، وہ اس طرح کہ زبان سے کہتے ہیں ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ کے پیروکار اور فدائی ہیں مگر دل میں کفر اور نفاق بھرا ہوا ہے رسول کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دینا گویا کہ اللہ تعالیٰ کو ہی دھوکہ دینا ہے اس کی مثال یوں سمجھیں قرآن میں ہے "اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ"۔(فتح آیت۔۱۰) یعنی اے پیغمبر! جو لوگ آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہیں وہ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔(مدارک: ص:۲۷: ج۔۱) اسی طرح فرمایا "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اس طرح اللہ کو دھوکا دینے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اللہ کے رسول کو دھوکا دیتے ہیں۔ (کشاف: ص:۵۸: ج۔۱)

علم اور شعور میں فرق : علم کے معنی کسی چیز کی حقیقت کو پہچاننا، اور علم عقل والوں کی صفت ہے جبکہ شعور کا معنی ہے کسی چیز کو حواس خمسہ ظاہرہ کے ساتھ معلوم کرنا، تو یہاں منافقوں سے شعور کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ منافقین کے پاس علم تو کیا شعور بھی نہیں جس میں حیوان بھی شریک ہوتے ہیں یعنی یہ لوگ حیوانات سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ حیوانات کے پاس کم از کم شعور تو ہے ان کے پاس وہ بھی نہیں۔

﴿۱۰﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ :مرض۔ ۳ : ان کے دلوں میں عناد بالاسلام کا مرض ہے جس میں کفر، نفاق، حسد حب جاہ ومال وغیرہ سب شامل ہیں۔ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ ۔۔۔الخ نتیجہ دنیوی: حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آزار (یعنی مرض) یہ تھا کہ جس دین کو دل نہ چاہتا تھا ناچار قبول کرنا پڑا، اور دوسرا آزار اللہ نے زیادہ کیا کہ حکم دیا جہاد کا جن کے خیر خواہ تھے ان سے لڑنا پڑا۔ (موضح القرآن)

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ : نتیجہ اخروی : حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں :اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا "وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" یعنی کافروں کے لئے بڑا عذاب ہے۔ اور منافقوں کے لئے فرمایا "عَذَابٌ اَلِيْمٌ" یعنی منافقوں کے لئے دردناک عذاب ہے، تو اس میں وجہ فرق کیا ہے؟ تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک وجہ تو یہ ہے کہ کافروں نے اپنی استعداد کو بگاڑ کر بالکل محرومی کی حالت اختیار کر لی ہے، لہٰذا ان کے لئے شروع سے آخر تک بڑا ہی عذاب ہوگا، جہاں تک منافقین کا تعلق ہے ان میں استعداد تو موجود تھی مگر انھوں نے اپنی استعداد کو ضائع کر دیا جب سزا کی نوبت آئے گی تو ان کو اس کا احساس ہوگا کہ افسوس ہمارے اندر استعداد تو موجود تھی مگر ہم نے اس کو نظر انداز کر دیا لہٰذا ان کو دردناک عذاب ہوگا یعنی جس قدر احساس ہوگا اسی قدر تکلیف ہوگی۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کافروں نے تو ایمان کا ذائقہ چکھا ہی نہیں، وہ تو شروع سے آخر تک کافر ہی رہے بخلاف منافقوں کے کہ انھوں نے اگرچہ دل سے ایمان قبول نہیں کیا مگر زبان سے تو ایمان کا ذائقہ چکھا ہے، اور جو آدمی کسی چیز کا ذائقہ چکھ لیتا ہے اس کا حکم اور ہوتا ہے، لہٰذا ان کے لئے "عَذَابٌ اَلِيْمٌ" مقرر کیا گیا۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے بکثرت پھل پیدا ہونے والے علاقے کے لوگ کسی ایسے علاقے میں چلے جائیں جہاں پھل نہ

ہوں تو انہیں احساس محرومی ہوتا ہے اور ان کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ بڑا مشہور واقعہ ہے کہ ابدالی نے جب پانی پت کا معرکہ فتح کیا تو دلی کے بعض لوگوں نے کہا کہ آپ یہیں ٹھہر جائیں تو انہوں نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا "ایں جا انار قندھار کجا است" یعنی یہاں قندھار کے انار کہاں ہیں، چونکہ وہ قندھاری انار کا ذائقہ چکھ چکے تھے اس لیے وہاں ٹھہر کر اس ذائقے سے محروم نہیں ہونا چاہتے تھے یہی حال منافقین کا ہوگا آخرت میں سوائے احساس کے کچھ بھی نہیں ہوگا۔

﴿۱۱﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا ۔۔۔الخ مرض۔۴ : ان کے دلوں میں چوتھا مرض "فساد فی الارض" کا یعنی کفر کو اسلام کے مساوی رکھنا چاہتے ہیں تا کہ باغی اور وفادار برابر کے حقوق پائیں۔ قَالُوْٓا الخ منافقین کا دعویٰ اصلاح : یہی ان کے خیال اور دعویٰ میں اصلاح ہے حالانکہ یہ حقیقت میں "فساد فی الارض" ہے۔ ﴿۱۲﴾ منافقین کے دعویٰ اصلاح کا رد بلیغ۔ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ منافقین کی جہالت شعوری۔

﴿۱۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا الخ منافقین کے لئے ترغیب ایمان۔ كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ ۔۔۔الخ نمونہ ایمان: قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے صحابہ کرام کا ایمان معیار اور نمونہ ہے تمام مفسرین کرام کا اتفاق ہے کہ لفظ "اَلنَّاسُ" سے مراد صحابہ کرام ہیں جو نزول قرآن کے وقت ایمان لائے تھے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی ایمان معتبر ہے جو صحابہ کرام کے ایمان کی طرح ہو صحابہ کرام کا ایمان ساری امت کے لیے کسوٹی ہے جو صحابہ کرام کے ایمان جیسا ایمان نہیں لائے اس کو مؤمن نہیں کہا جائے گا اور منافق انہیں بیوقوف خیال کرتے تھے۔ (روح المعانی: ص:۲۰۸ :ج:۱؛ ابن کثیر: ص:۸۱:ج ۱ :مظہری :ص: ۲۷:ج ۱ :معالم التنزیل: ص:۲۳:ج ۱: کشاف ص:۶۴:ج:۱: خازن: ص:۲۹ :ج:۱: مدارک: ص:۲۹ :ج:۱: بحر المحیط: ص:۶۶: ج :۱: جلالین :ص:۵:ج۔۱)

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ الخ جواب منافقین۔ اَلَآ اِنَّهُمْ الخ تردید منافقین۔ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ: منافقین کی جہالت علمی۔

یہاں اس آیت کے ذیل میں چند باتیں یاد رکھنا ضروری ہیں:

(۱) صحابی کی تعریف: صحابی اسے کہتے ہیں جس نے بحالتِ ایمان حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی ہو یا حضور اکرم ﷺ کو اس نے بحالتِ ایمان دیکھا ہو، اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔ اور صحابیت کا ثبوت مختلف طرف سے ہے۔ (۱) کسی کا صحابی ہونا خبر متواتر سے ثابت ہو جیسے خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ ایسے صحابہ جن کے صحابی ہونے پر خبر متواتر ہے ہزاروں لوگ اس کے ناقل ہیں (۲) کسی شخصیت کے صحابی ہونے پر خبر مشہور ہو یا اس طرح کی شہرت ہو جو خبر تواتر تک نہ پہنچتی ہو (۳) کوئی صحابی یا تابعی کہے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے (۴) کوئی معروف العدالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی شخصیت یہ کہے کہ میں صحابی ہوں۔ مقدمہ ابن صلاح ۱۴۶۔ الکفایہ خطیب بغدادی ص ۲۰۔

(۲) انبیاء کے بعد افضل ترین لوگ: انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد انسانوں میں سب سے افضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

(۳) صحابہ کرامؓ میں ترتیب فضیلت: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، پھر سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، پھر عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوسرے تمام صحابہ سے افضل ہیں، ان چھ صحابہ کے نام یہ ہیں : حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔ پھر اصحاب بدر، پھر اصحاب اُحد، پھر اصحاب بیعت رضوان، پھر فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والے اور غزوات میں شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم، فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

(۴) تمام صحابہؓ عادل اور متقی تھے : تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل، مومن کامل اور جنتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :
"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ"۔ (الانفال :۷۴)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، اور وہ جنہوں نے انہیں آباد کیا اور ان کی مدد کی سب صحیح معنی میں مؤمن ہیں ایسے لوگ مغفرت اور باعزت رزق کے مستحق ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبۃ : ۱۰۰)

ترجمہ : مہاجرین اور انصار میں سے وہ لوگ جو پہلے ایمان لائے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی زبردست کامیابی ہے۔ اس آیت کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے مہاجر ہونے کا کوئی شک ہے؟ یقیناً نہیں ہے۔ کرنے والے کافر اور منافق تو ہوسکتے ہیں مسلمان نہیں۔ "وَالصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ مُطْلَقًا لِظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاِجْمَاعِ مَنْ يُّعْتَدُّ بِهٖ۔ (مرقاۃ المفاتیح۔ ۵/۵۱۷)

ترجمہ : اور تمام کے تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عادل ہیں مطلقاً کتاب وسنت کی ظاہری نصوص اور قابل اعتماد علماء کے اجماع کی وجہ سے۔ لَيْسَ فِي الصَّحَابَةِ مَنْ يَّكْذِبُ وَغَيْرُ ثِقَةٍ۔ (عمدۃ القاری ۲ : ۱۰۵)

ترجمہ : صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا کہ جو جھوٹ بولتا ہو اور غیر معتمد ہو۔

(۵) کوئی ولی کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا : قیامت تک کوئی بڑے سے بڑا ولی کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا، جس طرح کوئی ولی یا صحابی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ (الحدید۔۱۰)

ترجمہ : تمام (صحابہ) سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے۔

قال تعالیٰ فی حق الصحابۃ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (البینۃ :۸)

ترجمہ : اللہ نے صحابہ کے بارے میں فرمایا : کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِي لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِي فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ"۔
(صحیح مسلم، رقم الحدیث ۲۵۴۰، باب: تحریمۃ سب الصحابہ)

ترجمہ : ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی مت دو، میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر (اللہ کی راہ میں) سونا خرچ کردے تو ان میں سے کسی ایک کے مٹھی برابر یا اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

(۶) صحابہؓ معیار حق ہیں : تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برحق، معیار حق اور تنقید سے بالاتر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (الانفال۔ ۴) ترجمہ : یہی صحیح معنی میں مؤمن ہیں۔

"فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا" (البقرہ۔ ۱۳۷) ترجمہ: اگر یہ لوگ بھی اس طرح ایمان لے آئیں جیسا کہ تم لائے ہو تو یہ راہ راست پر آجائیں۔ اور یہاں ارشاد فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔ (بقرہ۔ ۱۳)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اس طرح ایمان لے آؤ جیسا کہ دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جیسے بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ خوب اچھی طرح سن لو کہ یہی لوگ بے وقوف ہیں، لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے۔

(۷) صحابہؓ کے باہمی اختلافات: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات و مشاجرات امانت، دیانت تقویٰ، خشیت الٰہی اور اختلاف اجتہادی پر مبنی ہیں، ان میں سے جن سے خطاء اجتہادی ہوئی وہ بھی اجر کے مستحق ہیں، اس لیے کہ مجتہد مخطی کو بھی ایک اجر ملتا ہے اور نہ اس سے خطاء اجتہادی پر دنیا میں مواخذہ ہوتا ہے نہ آخرت میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ"۔ (الفتح ۲۹:)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔

"يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ"۔ (التحریم۔ ۸)

ترجمہ: اس دن جب اللہ نبی کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔

(۸) صحابہ پر تنقید: کسی شخص کو صحابہ کی خطائے اجتہادی پر تنقید کرنے کا کوئی حق نہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ: "عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مغفل قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَللّٰهَ اللّٰهَ فِىْ اَصْحَابِىْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِىْ"۔ (جامع ترمذی۔ ۲۸۷۰۶)

ترجمہ: عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو (تنقید کا) نشانہ نہ بنانا۔

(۹) صحابہ کرامؓ محفوظ تھے: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین محفوظ عن الخطاء ہیں، یعنی صدور معصیت سے محفوظ ہیں یا مواخذہ اخروی سے محفوظ ہیں۔ کسی بھی صحابی سے اللہ تبارک و تعالیٰ آخرت میں کوئی مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ"۔ (التحریم۔ ۸) ترجمہ: اس دن جب اللہ نبی کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔

اشکال: جب صحابہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہ کہا ہے پھر حضرت سعد بن معاذؓ کی قبر کیوں تنگ ہوئی؟

جواب (۱) ان کے درجات کو بلند کرنے کے لیے (۲) ان کی فضیلت کو واضح کرنے کے لیے اور عوام الناس کو موت کی سختی سے ترہیب کے لیے۔ یہ دونوں چیزیں "رضی اللہ عنہ" کے خلاف نہیں ہیں اس حدیث میں واضح موجود ہے کہ ان کی تعظیم کے لیے ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتوں نے شرکت کی۔ سبحان اللہ پھر حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے قبر کو کشادہ کردیا تھا۔ واللہ اعلم۔

(١٠) صحابہؓ امت کے چنیدہ لوگ :نبوت ورسالت کے لیے جس طرح حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کا انتخاب فرمایا، اسی طرح مقام صحابیت پر فائز کرنے کے لیے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کے خاص بندوں کو منتخب فرمایا ہے۔
حدیث پاک میں ہے کہ :عن جابر بن عبد اللہ قال :قال صلی اللہ علیہ وسلم :إِنَّ اللهَ اخْتَارَ أَصْحَابِي عَلَى الْعَالَمِينَ سِوَى النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ "۔(مجمع الزوائد ١٠ : ٢٠) ترجمہ :جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل کے علاوہ تمام عالمین پر میرے صحابہ کو فوقیت دی ہے۔
﴿١٤﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ ...الخ منافقین کا مرض۔ ٥۔سلوک المنافقین بالمؤمنین والکفار :شیطانوں سے مراد، ان کے سردار ہیں۔(مظہری :ص :٢٧ :ج:١ :التفسیر المنیر :ص٨٦ :ج:١ :معالم التنزیل :ص:٢٣ :ج :١: کشاف ص :٦٤ :ج :١ :خازن :ص ٢ :٩ :ج:١ :جلالین :ص:٥ :ج۔١)
منافق لوگ جب مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم تمہاری طرح مؤمن ہیں اور جب اپنے رؤسا کے پاس جاتے تو کہتے کہ کہاں کا ایمان کیسی مسلمانی ہم تو مسلمانوں سے دل لگی کرتے ہیں اور اپنا ایمان ظاہر کر کے ان کو احمق بناتے ہیں ۔إِنَّمَا نَحْنُ ...الخ منافقین کا استہزاء۔﴿١٥﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ...الخ جواب استہزاء :یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ کسی کے ساتھ ہنسی کرنا تو ناجائز ہے تو یہاں ہنسی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے کی گئی ہے اور ہنسی کرنا تو عیب ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو تمام عیوب سے پاک ہیں؟ جواب بعض مفسرین فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ "الله يجازيهم "یعنی اللہ تعالیٰ ان کے مذاق کا بدلہ دے گا اس کو مشاکلت کہتے ہیں کہ جیسا سلوک منافقین نے مسلمانوں سے کیا ویسا سلوک ہم ان کے ساتھ کریں گے۔اس کی مثال جیسے قرآن کریم میں ہے "وَجَزَٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا" برائی کی جزاء اس جیسی برائی ہے۔
(کمالین حاشیہ جلالین :ص:٥ :ج:١ :معالم التنزیل :ص:٢٤ :ج:١ :مظہری :ص:٢٨ :ج:١ :ابن کثیر :ص:٨٢ :ج۔١)
دوسرا مطلب بعض مفسرین نے یوں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ حقیقی طور پر استہزاء فرمائیں گے۔حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قیامت کے دن منافقین دوزخ کے گڑھے میں پہنچ جائیں گے۔تو جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا گویا کہ انہیں جنت میں جانے کی اجازت مل گئی جنتی ان منافقوں کی طرف دیکھیں گے تو کہیں گے کہ واقعی انہیں جنت میں داخلے کی اجازت مل گئی ہے چنانچہ وہ دوڑ کر دروازے پر پہنچیں گے مگر اتنے میں دروازے بند ہو جائیں گے یہ حقیقی طور پر ان سے استہزاء ہوگا۔
(معالم التنزیل :ص:٢٤ :ج :١ :ابو سعود :ص:٥٧ :ج:١ :خازن :ص:٣٠ :ج۔١)

﴿١٦﴾ نتیجہ نفاق :حماقت ہے کہ انہوں نے شامت اعمال کی وجہ سے ہدایت کے بدلہ گمراہی کو خریدا۔
﴿١٧ :١٨﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي الخ منافقین کے اقسام اور ان کی امثلہ :یہاں سے پختہ منافقین کی مثال کا ذکر ہے جو دل سے تکذیب اور زبان سے اقرار کرتے تھے منافقوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا اور انہیں دنیاوی فائدہ بھی پہنچ گیا مثلاً جان ومال محفوظ ہو گیا تا کہ مسلمان ان سے تعرض نہ کریں اسکو ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو اندھیری رات میں آگ جلائے اور اس روشنی سے راستہ دیکھنے کا فائدہ حاصل کرنا چاہے لیکن وہ روشنی اللہ تعالیٰ نے ختم فرما دی اور یہ آگ جلانے والا اندھیروں میں حیران کھڑا رہ جائے نہ کچھ دیکھ سکے منافقوں نے اپنے طور پر بڑی ہوشیاری کی کہ ایمان ظاہر کر کے دنیا کا کچھ فائدہ اٹھا لیا لیکن دل میں جو کفر گھسا ہوا ہے اس کی وجہ سے موت کے بعد جن مصیبتوں میں گرفتار ہوں گے اس کو نہ سوچا اور کفر میں بڑھتے بڑھتے اس درجہ پر پہنچ گئے کہ بہرے بھی ہیں کہ حق سننے کے قابل نہ تھے اور گونگے بھی ہیں جن کے منہ سے کلمہ حق ادا نہیں ہو سکتا اور اندھے بھی ہیں جو راہ حق نہیں دیکھ سکتے

اپنا نفع ونقصان جاننے اور سمجھنے سے غافل ہیں، ان کے بارے میں اب نہ سوچا جائے کہ وہ حق کی طرف رجوع کریں گے اور سچے دل سے مسلمان ہوں گے۔

زندہ کافر سماع نافع سے محروم تھے

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ کفار اس دنیا میں نزول قرآن کے زمانہ جبکہ وہ بقاعدہ زندہ تھے تو آپ ﷺ کے وعظ ونصیحت کو سنتے تھے اور ان کے کان آنکھیں اور دل بھی کچھ موجود تھے۔ مگر وہ سماع قبول سماع نافع سے محروم تھے مطلق سماع سے محروم نہیں تھے، ایسی آیات سے یہ ثابت کرنا کہ مردہ نہیں سنتے یہ خود کشیدہ مطلب ہے۔ زندہ کافروں سے سماع نافع کی نفی ہے اس پر دس دلائل سورۃ انعام کی آیت ۳۶ کی تفسیر کے ذیل میں دیکھیں، اور فریق مخالف کے دلائل کے جوابات بھی وہاں ملاحظہ کریں۔ نیز بندہ ناچیز کی معارف التبیان میں بھی نمبروار تیرہ دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

﴿۱۹، ۲۰﴾ منافقین متر ددین: ان آیتوں میں منافقین کی دوسری قسم متر ددین کی مثال پیش فرمائی جیسے تیز بارش ہو اندھیریاں چھائی ہوئی ہوں گرج بھی ہو اور بجلی کی چمک بھی ہو موت کا سامنا ہو جو لوگ وہاں موجود ہوں کڑک کی آواز سے خوفزدہ ہو رہے ہوں اور ڈرتے بھی ہوں کہ ابھی موت آجائے گی کڑک کی آواز کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے ہوں، سخت بجلی ان کی آنکھوں کی روشنی سلب کرنے کو ہے اسی حیرانی اور پریشانی میں کھڑے کھڑے جب ذرا بجلی چمکتی ہے تو اس روشنی میں ایک دو قدم چل لیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو حیران وسرگردان کھڑے رہ جاتے ہیں۔ منافقوں کی یہی حالت ہے جب غلبہ اسلام کو دیکھتے ہیں اور اس کا نور پھیلتا ہوا نظر آتا ہے تو اس کی طرف بڑھنے لگتے ہیں پھر جب دنیا کی محبت زور پکڑتی ہے اور دنیاوی فائدے نظر آتے ہیں تو کفر اختیار کر لیتے ہیں اور ایمان کی طرف بڑھنے سے رک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم وقدرت سے سب کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اس کی طرف بڑھنا اس کا دین قبول کرنا لازم ہے وہ چاہے تو دیکھنے اور سننے کی ساری قوتیں ختم فرمادے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

الغرض بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی مثال ان منافقوں کے بارے میں پیش فرمائی ہے جو بہت مضبوطی کے ساتھ کفر پر جمے ہوئے تھے ان کے بارے میں فرمایا "وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ" اور دوسری مثال ان منافقوں کے بارے میں ہے جن کو اسلام کے بارے میں تردد تھا کبھی اس کی حقانیت دل میں آتی تو اس کی طرف مائل ہونے لگتے اور جب دنیاوی اغراض سامنے آتیں اور دنیا کی محبت زور پکڑ لیتی تو وہ میلان ختم ہو جاتا اور کفر ہی پر جمے رہ جاتے تھے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں مثالیں ایک ہی قسم کے منافقوں کی ہیں۔ "او" "و" کے معنی میں ہے جیسے "وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا" یہاں بھی "او" "و" کے معنی میں ہے یا لفظ "او تخییر" کے لئے ہیں یعنی اختیار کے لئے ہے تو اب خواہ وہ مثال بیان کرو خواہ یہ مثال بیان کرو اختیار ہے۔ اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ "او" یہاں پر تساوی یعنی برابری کے لئے ہے جیسے عربی زبان کا محاورہ ہے "جَالِسِ الْحَسَنَ اَوِ ابْنَ سِیْرِیْنَ" زمخشری بھی یہی توجیہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ ان دونوں مثالوں میں جونسی مثال چاہو بیان کرو دونوں ان کے حال کے مطابق ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں مثالیں منافقوں کے مختلف احوال وافعال کی طرح ہیں تو یہ دونوں مثالیں دو قسم کے منافقوں کی ہیں جو ان کے احوال اور صفات سے بالکل مشابہ ہیں۔ (ابن کثیر: ص ۹۰، ج ۱)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

اے لوگو! عبادت کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تاکہ تم بچ جاؤ ﴿۲۱﴾

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

وہی رب جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا ہے۔ اور آسمان کی طرف سے پانی اتارا ہے

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

پھر اس پانی کے ذریعے پھلوں سے تمہارے لیے روزی نکالی ہے۔ پس نہ ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کیلئے شریک، اور تم جانتے ہو ﴿۲۲﴾

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ

اور اگر تم اس چیز سے شک میں ہو جس کو ہم نے نازل کیا ہے اپنے بندے (یعنی حضرت محمد ﷺ) پر، پس لاؤ تم ایک سورۃ اس کی مانند اور بلاؤ اپنے مددگاروں کو

كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا

اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو ﴿۲۳﴾ پھر اگر تم نہ کر سکے اور ہرگز نہ کرسکو گے، پس بچو

النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے، جو کفر کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿۲۴﴾ اور آپ خوشخبری سنادیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا

اور جنہوں نے اچھے عمل کیے کہ بیشک ان کے لیے باغات ہیں جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں جب بھی وہ ان بہشتوں میں پھلوں سے روزی دیئے جائیں گے

مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ

تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے ہمیں روزی دی گئی اور وہ اس میں دیئے جائیں گے ایک دوسرے کے مشابہ پھل، اور ان کیلئے

فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ

ان بہشتوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے ﴿۲۵﴾ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا اس بات سے کہ بیان کرے

مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

مثال مچھر کی یا اس سے بڑی۔ بہر حال جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے

رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا

ان کے رب کی طرف سے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا پس وہ کہتے ہیں، کیا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ساتھ؟ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اسکے سبب سے بہتوں کو

وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ

اور ہدایت دیتا ہے اس کے سبب سے بہتوں کو اور نہیں گمراہ کرتا اسکے سبب سے مگر فاسقوں کو ﴿۲۶﴾ وہ جو توڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کو

مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ

اسکو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور زمین میں فساد کرتے ہیں،

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ

یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۲۷﴾ کس طرح تم کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حالانکہ تم بے جان تھے پس اللہ نے تم کو زندگی بخشی۔ پھر وہ تم پر موت طاری کرتا ہے

ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ

پھر وہ تم کو دوبارہ زندہ کریگا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿۲۸﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب، پھر وہ

اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

متوجہ ہوا آسمان کی طرف پس برابر کردیا ان کو سات آسمان۔ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۲۹﴾

﴿۲۱﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا ۔۔۔ الخ ربط آیات: سورۃ بقرہ کی ابتدائی بیس آیات میں قرآنی ہدایت کو ماننے والے اور نہ ماننے والے تین گروہوں کا کچھ حال بیان فرمایا گیا، اب یہاں سے اکیسویں اور بائیسویں آیت میں ان گروہوں کو خطاب کر کے دعوت توحید پیش کی گئی ہے جس کے لئے قرآن کریم نازل ہوا ہے، اس میں مخلوق پرستی سے باز آنے اور ایک خدا کی عبادت کی طرف دعوت کچھ اس انداز سے دی گئی ہے کہ اس میں دعویٰ کے ساتھ ساتھ اس پر واضح دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں، جن میں ادنیٰ سمجھ والا انسان بھی ذرا غور کرے تو توحید کے اقرار کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

خلاصہ رکوع ③ دعوت الی التوحید، تذکیر بالآء اللہ، تذکیر بما بعد الموت، آنحضرت ﷺ کی رسالت، صداقت قرآن، منکرین کے شبہات اور ان کے جوابات۔ انعامات الٰہیہ ۱، ۲، ماخذ آیت ۲۱ تا ۲۹

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا: میں انسانوں کے تین گروہوں کو خطاب ہے اور ہر مخاطب کے لئے اس جملہ کا معنی و مطلب جدا جدا ہے۔ مثلاً جب کہا گیا کہ اپنے رب کی عبادت کرو تو کفار کے لئے اس خطاب کے معنی یہ ہوئے کہ مخلوق پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کرو۔ اور منافقین کے لئے اس کے یہ معنی ہوئے کہ نفاق چھوڑ کر اخلاص پیدا کرو گناہگار مسلمانوں کے لئے معنی یہ ہوئے کہ گناہ سے باز آجاؤ اور کامل اطاعت اختیار کرو۔ اور متقی مسلمانوں کے لئے اس جملے کے معنی یہ ہوئے کہ اپنی اطاعت اور عبادت پر ہمیشہ قائم رہو اور اس میں ترقی کی کوشش کرو۔ (کشاف، ص: ۸۹، ج: ۱)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا: دعویٰ توحید: اور آگے چار دلائل کا ذکر ہے۔ ① "الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ" ② "الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا" ③ "وَالسَّمَاءَ بِنَاءً"۔ ④ "وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً" الخ یہ چاروں دلائل عقلی ہیں آخری تین کو آفاقی کہتے ہیں جن کا تعلق زمین و آسمان میں غور و فکر سے ہے اور پہلی دلیل کو نفسی کہتے ہیں جس کا تعلق تمہارے نفسوں اور تمہارے بدن سے ہے یہ چاروں دلائل تذکیر بالآء اللہ سے تعلق رکھتے ہیں جن سے انعامات خداوندی یاد دلا کر مسئلہ توحید کو سمجھایا گیا ہے۔ اور آخر میں چاروں انعامات کا نتیجہ ذکر فرمایا "فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا" کہ اللہ نے تم پر ہر طرح کے انعامات کی بارش کی ہے تو پھر تم کسی کو اللہ کی ذات و صفات میں شریک نہ کرو۔ أَنْدَادًا: "ند" کی جمع ہے "ند" کا معنی شریک بھی ہے کہ اللہ کے شریک نہ بناؤ اور "ند" کا معنی مثیل بھی ہے کہ اللہ کے مثیل نہ بناؤ۔ (التفسیر المنیر، ص: ۹۵، ج: ۱؛ روح المعانی، ص: ۲۵۸، ج: ۱)

نکتہ: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مِنْ قَبْلِكُمْ" "من بعدکم" نہیں فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی دوسری امت یا دوسری ملت نہیں ہوگی کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد نہ کوئی

نبی مبعوث ہوگا نہ اس کی کوئی جدید امت ہوگی۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ : نتیجہ :عبادت کے ثمرہ اور نتیجہ کا ذکر فرمایا کہ تم متقی بن جاؤ گے۔
یہاں اشکال ہوتا ہے کہ ترجی اور امید وہاں ہوتی ہے جہاں نتیجے سے بے خبری ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو تمام چیزوں کے انجام کا علم ہے تو یہ کیوں فرمایا کہ شاید تم متقی بن جاؤ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "لعل" بندوں کے کلام میں ہو تو ترجی کے معنی میں ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحقیق اور یقین کے معنی میں ہوتا ہے۔ (تفسیر جلالین:۶،ج:۱؛ جمل:ج:۱؛ص۔۲۶)
دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کا کوئی عمل اپنی ذات میں نجات و جنت کی قیمت نہیں بن سکتا بلکہ فضل خداوندی اس کا اصل سبب ہے ایمان و عمل کی توفیق ہونا اس فضل خداوندی کی علامت ہے علت نہیں ہے۔
﴿۲۲﴾ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ... الخ نزول ماء کے سلسلے میں رفع تعارض :اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے اور سورہ اعراف کی آیت "سَحَابًا ثِقَالًا" وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے لہٰذا آیات میں تعارض ہوا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہر اونچی چیز کو آسمان سے تعبیر کیا جاتا ہے چونکہ بادل اونچے ہوتے ہیں تو اس لئے کہہ دیا کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بارش تو بادلوں سے ہوتی ہے مگر اس کا سبب آسمان ہے وہ اس طرح کہ سورج آسمان میں ہے اس کی شعاعیں سمندروں پر پڑتی ہیں جس کی وجہ سے بخارات اُٹھتے ہیں جب وہ بخارات جمع ہوجاتے ہیں تو ان کو بادل کہتے ہیں جب برستے ہیں تو بارش کہتے ہیں تو حقیقت میں بارش بادلوں سے ہوتی ہے نہ کہ آسمان سے۔ (روح المعانی:ج:۱؛ص۔۲۵۴)
﴿۲۳﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا... الخ رسالت محمدیہ (ﷺ) کا بیان۔ ربط آیات : گزشتہ آیات میں توحید کا اثبات تھا اب ان آیات میں رسالت محمدیہ ﷺ اور صداقت قرآن کا اثبات ہے، وہ اس طرح کہ اللہ نے قرآن کریم کا ذکر فرمایا جس نے خالص عربی زبان والوں کو چیلنج کیا کہ میری ایک سورۃ ہی کا مثل و نظیر لے کر آؤ، یہ چیلنج سنتے ہی ساری دنیا کی زبان پر مہر لگ گئی ایسے خاموش ہوئی گویا کہ انہیں سانپ سونگھ گیا ہے، اور باوجود شدید العناد ہونے کے ایک سورۃ تو کیا ایک آیت بھی نہ لا سکے اس سے قرآن کریم کا کلام اللہ اور اس کا صادق اور برحق ہونا ثابت ہوا اور جب قرآن کی صداقت ثابت ہوئی تو پیغمبر ﷺ کی نبوت بھی ثابت ہوگئی کیونکہ قرآن آپ کی نبوت کا کھلے لفظوں میں اعلان کرتا ہے پس یہ آیت دعویٰ نبوت بھی ہے اور دلیل نبوت بھی ہے۔
رفع تعارض :اس آیت میں اور سورۃ یونس کی آیت (نمبر ۳۸) میں بھی ایک سورۃ کے متعلق چیلنج ہے کہ قرآن جیسی ایک ہی سورۃ بنا کر دکھادو اور سورۃ ھود کی آیت (نمبر ۱۳) میں "فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ... الخ کہ قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر دکھادو، اور سورۃ الاسراء کی آیت (نمبر ۸۸) میں ہے "بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ" میں پورے قرآن کے متعلق چیلنج کیا گیا ہے تو ان آیات میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے اگرچہ پہلے سورۃ بقرہ پھر یونس و ہود پھر اسراء ہے مگر ترتیب نزول اس کے برعکس ہے اولاً سورۃ اسراء نازل ہوئی جس میں "بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ" کہا گیا پھر سورۃ ہود کا نزول ہوا جس میں "فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ" کہا گیا پھر یونس اور سورۃ بقرہ نازل ہوئیں جن میں "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ" فرمایا گیا تو اس ترتیب سے پہلے پورے قرآن کے متعلق پھر دس سورتوں کے متعلق جب اس سے بھی عاجز آگئے تو پھر ایک سورۃ کے متعلق چیلنج کیا گیا۔ (تفسیر منیر:ص:۱۰۳،ج:۱)
نیز تعارض وہاں ہوتا ہے جہاں زمانہ ایک ہو یہاں مختلف زمانوں میں چیلنج کیا گیا ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں اور اگر اس صورت کے برعکس ہو تو پھر اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ" کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی سورۃ بنادو جو الفاظ و معانی فصاحت

وبلاغت میں قرآن کریم کے مثل ہوتی یہ لوگ اس طرح کی سورت پیش کرنے سے عاجز آگئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا اگر ایسا نہیں کر سکتے تو دس سورتیں ایسی پیش کردو جو صرف الفاظ قرآن کے مثل ہوں اگر چہ اس میں مذکورہ تمام امور نہ ہوں مگر وہ اس سے بھی عاجز آگئے۔

(روح المعانی: ص:۲۶۳، ج۔۱)

باقی "بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ" مطلق ہے جو "بِسُوْرَةٍ" اور "بِعَشْرِ سُوَرٍ" دونوں کو شامل ہے اسی طرح "فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ" سے مراد بھی مطلق قرآن ہے جو ایک سورۃ اور دس سورتوں دونوں کو شامل ہے۔

سُؤال: یہاں اللہ تعالیٰ نے "نَزَّلْنَا" بصیغہ تفعیل کیوں فرمایا "انزلنا" بصیغہ افعال کیوں نہیں فرمایا؟

جَوَابْ: یہ آیت چیلنج ہے اور چیلنج حریف کے مزعومات اور شبہات کو سامنے رکھ کر ہوتا ہے، یہاں حریف مقابل کفار ہیں جن کو یہ شبہ تھا کہ یہ کلام انسانی کلام کے اسلوب پر ہے، یعنی جس طرح انسان دنیا میں شاعر اور خطیب جستہ جستہ اپنے خطبے اور دیوان مرتب کرتے ہیں، اسی طرح محمد ﷺ قرآن بھی تھوڑا تھوڑا سناتے ہیں، اور بقول خود ان پر اسی طرح اترتا ہے لہٰذا یہ کلام الٰہی نہیں ہوسکتا کلام الٰہی تو یکبار آتا جیسا کہ توراۃ و انجیل۔ پس اس شبہ کا ازالہ اسی وقت ہوسکتا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ "نَزَّلْنَا" فرماتے اور اس کے تدریجی نزول کی شکل میں تو مقابلہ بہت آسان ہے، اگر یہ کلام بشر ہے تو تم بھی تو بشر ہی ہو اس کی جیسے ایک ہی سورۃ لاؤ۔ عَبْدِنَا: یہاں "عبد" کی اضافت ہے یاد رہے کہ اضافت کبھی مضاف کا رتبہ بڑھانے کے لئے ہوتی ہے جیسے "عَبْدُ السُّلْطَانِ رَكِبَ" سلطان کی جانب مضاف ہونے کی وجہ سے "عبد" کی شان اونچی ہوگئی، اسی طرح یہاں اضافت کا فائدہ تعظیم مضاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب "عبد" کی اضافت کر کے خود "عبد" کی شان بڑھادی۔

انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے لیے قرآن کریم میں چار قسم کے لفظ مستعمل ہوئے ہیں

بشریت خاتم الانبیاء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے لئے قرآن کریم میں چار قسم کے الگ الگ الفاظ استعمال ہوئے ہیں ❶ بشر ❷ عبد ❸ انسان ❹ رجل ایک ہی آدمی کو کہا گیا ہے یہ چاروں الفاظ اگر چہ مختلف ہیں مگر مطلب و مفہوم کے اعتبار سے ایک ہیں۔ یہ چار الفاظ قرآن کریم میں حضرات انبیاء کرام پر استعمال کیے گئے ہیں اور تمام مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے مراد انبیاء کرام ہیں کہ وہ جنس بشر سے تعلق رکھتے تھے یعنی ظاہری، باطنی، بیرونی، ہر لحاظ سے جنس بشر اور حقیقی بشر تھے اس پر قرآنی ۲۲ دلائل ہم نے اپنی تصنیف معارف التبیان سورۃ بقرہ آیت ۲۳ کے ذیل میں لکھے ہیں دیکھیں۔ "وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اس جگہ شہداء سے یا تو عام حاضرین ہیں کہ سارے جہان میں جس جس سے تم اس کام میں مدد لینا چاہتے ہو لے سکتے ہو یا اس سے مراد ان کے بت ہیں جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ قیامت کے دن ہمارے لئے سفارش کریں گے۔ (مظہری ص:۳۷، ج:۱، بحر محیط: ص:۱۰۶، ج۔۱)

امامت علی (رضی اللہ عنہ) کیلئے شیعہ کا تحریف آیت

اصول کافی میں امام باقر سے روایت کی گئی ہے کہ "نَزَلَ جِبْرَائِيْلُ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ هٰكَذَا اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا (فِيْ عَلِيٍّ) فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ"۔ (اصول کافی: ص ۴:۱۷، ج ۱، طبع طہران)

تَرْجَمَہ: جبرئیل محمد ﷺ پر یہ آیت اس طرح لیکر نازل ہوئے تھے کہ اس میں "علیٰ عبدنا" کے بعد "فاتوا" سے پہلے "فی علی" کا لفظ تھا (اور اسی طرح اس آیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا ذکر تھا۔ شیعہ کے نزدیک اس آیت میں "فی علی"

کا لفظ ساقط کر دیا گیا ہے یہ تحریف قرآن کر دی گئی ہے۔ العیاذ باللہ اور ایسی کئی آیات اصول کافی میں درج ہیں جن سے ثابت کیا گیا ہے کہ ان میں ولایت و امامت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر تھا جن سے ان کو ساقط کر دیا گیا ہے۔ مسئلہ امامت کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۴ میں دیکھیں۔

﴿۲۴﴾ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا : نتیجہ دلائل سابق : یعنی خواہ تم کتنا ہی انفرادی اور اجتماعی قیامت تک زور لگاؤ تمہاری مجال نہیں کہ اس کی مثال بنا سکو جب یہ نہیں کر سکتے تو پھر میری نبوت کی تصدیق کرو، اور اس کو کلام ربی اور وحی الٰہی سمجھو اور تم ذرا غور کرو کہ ایک یتیم مسکین امی جس کا سارا عرب مخالف اور دشمن ہو ایسا عظیم الشان دعویٰ بغیر تائید الٰہی کے کیسے کر سکتا ہے؟

وَالْحِجَارَةُ : یہاں مراد گندھک کے سخت پہاڑ اور بڑے بڑے بدبودار پتھر ہیں جن کی آگ بہت تیز ہوتی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان پتھروں کو زمین و آسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی آسمان اول پر پیدا کیا گیا تھا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہیں جن کی تصویریں وغیرہ بنائی جاتی ہیں اور ان کی پرستش کی جاتی تھی، امام رازی رحمہ اللہ اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں پتھر سے گندھک کے پتھر مراد لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ مقصد آگ کی تیزی اور عذاب کی سختی ہے۔ (ابن کثیر: ج:۱: ص۔۹۷)

أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ : تردید معتزلہ : معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ جنت اور دوزخ اب موجود نہیں جس وقت ان کی ضرورت پڑے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو تیار فرمائیں گے۔ لیکن اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت و دوزخ اب بھی موجود ہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ان کے لئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے "أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ" "أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ" یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جنت اور دوزخ پہلے سے موجود ہیں۔ (ابو سعود: ج:۱: ص ۸۳) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنت اور دوزخ کے وجود پر بہت سی صحیح متواتر احادیث مروی ہیں۔ (محصلہ ابن کثیر: ج ۱: ص:۹۸: مظہری: ص:۸ سع ج ۱: بحر محیط: ص:۱۰۹ ج۔۱)

﴿۲۵﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الخ مؤمنین کے لئے بشارت۔ ربط آیات : گزشتہ آیات میں کافروں اور دشمنان دین کی سزا، عذاب اور رسوائی کا ذکر تھا، اب یہاں سے ایمانداروں اور نیک صالح لوگوں کی جزا، ثواب اور کامیابی کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ جب ترغیب، وعدہ اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں تو اس کے ساتھ ترہیب، وعید اور انذار کا بھی ذکر فرماتے ہیں تا کہ خوف اور رجاء سے مل کر ایمان میں ایک اعتدال کی کیفیت پیدا ہو جائے اسی دستور سے گزشتہ آیات میں کافروں کے لیے انذار اور وعید کا ذکر تھا اور آئندہ آیات میں اہل ایمان کے لئے بشارت اور ترغیب کا ذکر ہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ : نیک اعمال تو بے شمار ہیں تاہم بنیادی طور پر ان سے فرائض مراد ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان اور توحید کی درستگی کے بعد فرائض اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج نیک اعمال ہیں، ان میں صلہ رحمی، قربانی، صدقہ خیرات حسن اخلاق وغیرہ سب شامل ہیں، اور ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر اس لئے فرمایا کہ بشارت کا پورا استحقاق تب ہوگا جب ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی ہوں۔ مُتَشَابِهًا: حضرات مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پھلوں کے "متشابہ" سے مراد یہ ہے کہ جنت کے پھل صورت و شکل میں دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے، جب اہل جنت کو ملیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو دنیا میں ہمیں ملا کرتے تھے، مگر دنیا کے پھلوں سے ذائقہ اور لذت میں مختلف ہوں گے صرف نام میں مشترک ہوں گے۔

(معالم التنزیل، ص:۲۸: ج:۱: خازن: ص: ۸ سع ج۔۱)

أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ : سے مراد یہ ہے کہ وہ دنیا کی تمام ظاہری اور اخلاقی گندگیوں سے پاک ہوں گی، بول و براز، حیض و نفاس اور ہر ایسی چیز سے پاک ہوں گی جس سے انسان کو نفرت ہوتی ہے۔ وَهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : جنت کی نعمتیں آنی فانی نعمتوں کی طرح

نہ مجھو جن کے فنا ہو جانے یا سلب ہو جانے کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے، بلکہ یہ لوگ ان نعمتوں میں ہمیشہ ہمیشہ خوش وخرم رہیں گے۔

فائدہ: ہر ایک انسان کو تین چیزوں کا جاننا ازحد ضروری ہے۔ **پہلی چیز:** وہ کہاں سے آیا ہے۔ **دوسری چیز:** وہ کہاں رہتا ہے۔ **تیسری چیز:** اس نے کہاں جانا ہے۔ "الَّذِیْ خَلَقَکُمْ" میں اشارہ ہے تم عدم سے آئے ہو اور "الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا" سے اشارہ ہے کہ چند دن زمین پر ٹھہرنا ہے اور "فَاتَّقُوا النَّارَ" سے اشارہ ہے کہ عالم آخرت کی طرف جانا ہے لہٰذا عذاب الٰہی سے بچنے کی کوشش کرو۔ (معارف القرآن کاندھلوی: ص:۱۰۴، ج۔۱)

﴿۲۶﴾ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ... الخ مچھر کی مثال پر ازالہ شبہ: ربط آیات:** گزشتہ آیات میں کفار کی سزا اور اہل ایمان کی جزا کا ذکر تھا، اب یہاں سے کفار کے ایک اشکال کا حکیمانہ جواب دیا جا رہا ہے۔ منکرین ومعاندین جب قرآن کریم کی ایک سورۃ کا مثل بھی نہ لا سکے تو انہوں نے اعتراض کر دیا حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عنکبوت (مکڑی) اور ذباب (مکھی) کا قرآن کریم میں تذکرہ فرمایا تو مشرکین کہنے لگے کہ اس میں تو مکڑی اور مکھی کا تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس حقیر خسیس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے؟ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ (ابن کثیر: ص:۱۰۱، ج۔۱)

حقیقت میں وہ لوگ مثال دینے والے کی عظمت کو اور جس چیز کی مثال دی گئی اس کی حقارت کو سامنے رکھ کر قیاس دوڑانے لگے پھر نتیجہ نکالا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ان چیزوں کا ذکر نہیں ہو سکتا۔ **بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا:** اس لفظ کے معنی یہ ہیں کہ مچھر ہو یا اس سے بھی زیادہ اس جگہ زیادہ سے مراد یہ ہے کہ حقارت میں زیادہ ہو۔ (مظہری: ص:۲۰، ج:۱؛ تفسیر منیر: ص:۱۰۹، ج:۱)

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا: حاکمانہ جواب: یعنی اللہ تعالیٰ اپنی خاص ہدایت اور توفیق اور لطف ومہربانی سے بہت سے بندوں کو سرفراز فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام کی تصدیق کرتے ہیں، اور اس کی تمثیلات کو حق اور عین ہدایت جانتے ہیں اس کا مذاق نہیں اڑاتے۔ اور بہتوں کو ان تمثیلات سے گمراہ کرتا ہے یعنی اپنی توفیق اور لطف ومہربانی سے محروم کرتا ہے جو اس کی اطاعت کی حدود سے نکل جاتے ہیں۔ یہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ فریقین کے لئے "كَثِيْرًا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اگر فی الواقع اضلال کثیر افراد کا ہوا ہے تو ہدایت یافتہ قلیل ہوئے یا اس کے برعکس میں دونوں کو کثیر کیوں کہا گیا ہے؟ اس کے جواب میں قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں جگہ کثرت حقیقی مراد ہے اور اس میں کیا شبہ ہے کہ اہل ہدایت بھی فی نفسہ خاص تعداد میں ہیں اور اہل ضلالت بھی، گو اہل ضلالت کے مقابلہ میں اہل ہدایت قلیل ہیں ارشاد باری ہے "وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ" کہ میرے شکر گزار بندے کم ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں جگہ کثرت اضافی مراد ہو مگر پہلے "كَثِيْرًا" سے معنوی کثرت مراد ہو، چنانچہ گمراہ ازروئے تعداد حسی ہدایت یافتہ سے بڑھے ہوئے ہیں اور ہدایت یافتہ معنوی شرف میں گمراہوں سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ: اطاعت سے خارج ہونے والوں کو فاسق کہتے ہیں، فاسق کا لفظ کافر اور مؤمن عاصی دونوں کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق مؤمن کے فسق سے زیادہ خطرناک ہے مگر اس آیت میں فاسق سے مراد کافر ہے۔ کیونکہ کافر فاسق حدود ایمان سے خارج ہوتا ہے اور مؤمن عاصی حدود ایمان سے خارج نہیں ہوگا مگر حدود اطاعت سے خارج ہوتا ہے۔

﴿۲۷﴾ **الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ... الخ فاسقین کے صفات** ❶ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے وہ عہد مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی زبانی تاکید کی کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جانو اور ایک مانو اور اس کے پیغمبروں کی تصدیق کرو اس عہد کا ذکر ہے سورۃ آل عمران (آیت۔۸۱) میں موجود ہے۔ (کشاف: ص:۱۲۰، ج۔۱) دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے توراۃ میں یہودیوں سے آنحضرت پر ایمان لانے کا لیا تھا۔ (مظہری ج:۱، ص:۴۳، معالم التنزیل

ج ۱ ص۔ ۳۰) تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ عہد ہے جو "الست بربکم" والا ہے۔ (ابن کثیر ج:۱ ص۔ ۱۰۵)
وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ .. الخ ❷ اس سے معلوم ہوا کہ جن تعلقات کو قائم رکھنے کا شریعت اسلام نے حکم دیا ہے ان کو قائم رکھنا ضروری اور قطع کرنا حرام ہے غور کیا جائے تو دین و مذہب نام ہی حدود و قیود کا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ❸ کے الفاظ میں وجہ فساد عالم بتلایا ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔
❶ لوگوں کو ایمان سے نفرت دلانا اور مسلمانون کے مخالفین کو لڑائی پر تیار کرنا اور کافروں کو مسلمانوں کے حالات سے باخبر کرنا۔ اور صحابہ کرام میں عیب تلاش کرنا تھا کہ لوگ ان سے بداعتقاد ہو کر دین سے نفرت کریں۔ ❷ مال کے لالچ کی خاطر عوام میں بد رسمیں اور بدعتیں ایجاد کرنا۔ ❸ شہوت پرستی، ناحق قتل، وغیرہ یہ سب امور فساد فی الارض ہی ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ : نتیجہ : یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔
﴿۲۸﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ ... الخ انعامات الٰہیہ۔ ❶ ربط آیات : گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت کے دلائل واضحہ اور مخالفین کے خیالات باطلہ کا رد تھا، یہاں سے اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کا ذکر ہے، اس پر تعجب کیا گیا ہے کہ ان لوگوں نے اگرچہ بظاہر خدا کا انکار نہیں کیا مگر آنحضرت ﷺ کا انکار کیا تو اس کو اللہ تعالیٰ کے انکار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سوال : پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں موت کو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کی موت اس دائمی زندگی کا دروازہ ہے جس کے بعد موت نہیں تو اس لحاظ سے موت بھی ایک نعمت ہے۔ اَمْوَاتًا : اموات، میت کی جمع ہے مردہ اور بے جان چیز کو کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان بے جان ذرات کو کہاں کہاں سے جمع کیا پھر ان میں جان ڈالی ان کو زندہ انسان بنایا یہ اس کی ابتداء پیدائش کا ذکر ہے۔ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ الخ اس عالم میں تمہاری عمر کا مقررہ وقت پورا ہونے کے بعد پھر تمہیں موت دے گا اور پھر ایک عرصہ کے بعد قیامت کے دن تمہارے جسم کی جو بھی صورت ہوگی خواہ منتشر ذرات کی ہو اس کو جمع کر کے اٹھائے گا۔ موت کا معنیٰ : زمانہ جاہلیت میں اسلام سے پہلے مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ موت صرف عدم کا نام ہے کہ موت آئی تو ہر چیز فنا ہوگی نہ روح باقی رہی اور نہ وجود باقی رہا اسلام نے اس معنیٰ کی نفی کی ہے۔ اسلام نے موت کا معنیٰ یہ بیان کیا ہے کہ موت کے بعد ہر چیز محفوظ اور اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے خواہ وہ ذرات کی شکل میں ہو یا کسی اور صورت میں ہو موت محض عدم کا نام نہیں بلکہ اس کا وجود ہے۔ جیسا کہ سورۃ الانعام آیت ۶۱۔ ۶۲ میں ہے دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ "الذی خلق الموت و الحیوۃ" (ملک۔ ۲) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا ہے، اور یاد رکھیں جو چیز پیدا ہوتی ہے اس کا وجود ہوتا ہے جیسے ہوا کا وجود ہے۔ اگرچہ نظر نہیں آتی اسی طرح موت کا بھی وجود ہے اگرچہ نظر نہیں آتی جب اس کا وجود ثابت ہو گیا تو اب اس کا آنا ایک فعل ہوا اور پھر ختم ہو جانا بھی ایک فعل ہوا ایسے ہی کسی انسان کا کہیں سے آنا اور جانا کمرے سے نکلنا یہ انسان کے افعال ہیں بالکل اسی طرح موت ہے یہ بھی ایک فعل ہے جو آئی پھر ختم ہوگی۔ اس فعل کو دوام نہیں ہے اب جب وہ قبر برزخ میں آیا تو موت والا فعل ختم اب حیات فی الجملہ والا فعل شروع ہے قیامت تک، پھر قیامت کے دن حیات مطلقہ دیکر اٹھایا جائے گا۔ اس معنیٰ کو اچھی طرح یاد رکھیں۔

حیات برزخی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں دنیا کی زندگی اور موت کے بعد صرف

ایک حیات کا ذکر ہے جو قیامت کے دن ہونے والی ہے قبر کی زندگی جن کے ذریعہ قبر کا سوال وجواب اور قبر میں ثواب وعذاب ہونا قرآن کریم کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے ثابت ہے اس کا ذکر نہیں وجہ یہ ہے کہ یہ برزخی زندگی اس طرح کی زندگی نہیں ہے جو انسان کو دنیا میں حاصل ہے یا آخرت میں پھر ہوگی بلکہ ایک درمیانی صورت ہے مثل خواب کی زندگی کے ہے، اس کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بھی کہا جاسکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی اس لئے کوئی مستقل زندگی نہیں جس کا جداگانہ ذکر کیا جائے۔

(معارف القرآن، ص ۱۷۳، ج ۱)

﴿۲۹﴾ هُوَ الَّذِیْ... الخ نعمت ❷ نعمت سامان حیات جسمانی کو ذکر فرمایا۔ یعنی تمہاری زندگی کے گزارنے کے لیے رہنے کو آسمان وزمین، مکان اور مطعومات ومشروبات قسم قسم کے ملبوسات وغیرہ عطاء فرمائے۔ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ... الخ۔

تخلیق آسمان: "اِسْتَوٰی" کے لفظی معنی سیدھا ہونے کے ہیں اس سے مراد زمین کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تخلیق کا قصد راست فرمایا جس میں کوئی حائل اور مانع نہ تھا اس آیت میں زمین کی پیدائش پہلے اور آسمانوں کی پیدائش بعد میں ہونا بلفظ "ثم" بیان کیا گیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ (تفصیل سورۃ النازعات میں دیکھیں) نوٹ: اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے پر چالیس ایجابی دلائل اسی مقام پر معارف التبیان میں دیکھیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ

اور اس وقت کو خیال میں لاؤ جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا تحقیق میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں فرشتوں نے عرض کیا کیا زمین میں (ایسوں) کو بنائیگا جو

يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْۤ اَعْلَمُ مَا لَا

اس میں فساد کریں گے۔ اور خون بہائیں گے اور ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں تیری تعریف کے ساتھ اور تیری تنزیہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ

جانتے ﴿۳۰﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سارے نام سکھادیئے۔ پھر پیش کیا ان کو فرشتوں پر۔ پس کہا مجھے

بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ

ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو ﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا پاک ہے تیری ذات نہیں ہے ہمارے پاس علم مگر وہ جو تو نے ہم کو سکھلایا ہے بے شک

اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ

تو ہی علم والا اور حکمت والا ہے ﴿۳۲﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! بتلا دے ان کو ان چیزوں کے نام پس جب اس نے ان کو ان چیزوں کے نام بتلا دیئے

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْۤ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا

تو فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو اور میں جانتا ہوں اس چیز کو جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۗ وَكَانَ

جس کو تم چھپاتے ہو ﴿۳۳﴾ اس بات کو اپنے دھیان میں لاؤ جب کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو آدم کے لئے پس سجدہ کیا انہوں نے مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ

کفر کرنے والوں میں سے تھا ﴿۳۴﴾ اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور تم دونوں اس میں سے وسعت اور کشادگی سے کھاؤ جہاں سے بھی

شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا

چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا پس ہو جاؤ گے تم دونوں ظلم کرنے والوں میں سے ﴿۳۵﴾ پس پھسلایا ان دونوں کو شیطان نے اس سے۔ پس ان کو اس نعمت سے نکالا

مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ

جس کے اندر وہ تھے اور ہم نے کہا اتر جاؤ بعض تمہارے بعض کے لیے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے

وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانے کی بات ہے ﴿۳۶﴾ پس آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے پس اللہ تعالیٰ نے رجوع کیا آدم کی طرف مہربانی کے ساتھ بے شک وہ رجوع کرنے والا بے حد مہربان ہے ﴿۳۷﴾

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

ہم نے کہا تم سب زمین پر اتر جاؤ پس جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئیگی پس جس نے میری ہدایت کی پیروی کی ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۴

اور نہ وہ غم کھائیں گے ﴿۳۸﴾ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۳۹﴾

حضرت آدم علیہ السلام کو دولت علم دی اور مسجود ملائکہ بنایا

﴿۳۰﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ ... الخ ربط آیات : گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے خاص اور عام نعمتوں کا ذکر کیا اور انسان کو ناشکری اور نافرمانی سے بچنے کی ہدایت کی۔ اس آیت سے آخر رکوع تک حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی اسی سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ نعمت دو قسم کی ہوتی ہے ایک صوری یعنی جو محسوس ہو جیسے کھانا پینا، روپیہ پیسہ اور مکان وجائیداد۔

دوسری معنوی جیسے عزت وآبرو، مسرت علم۔ گزشتہ آیات میں صوری اور ظاہری نعمتوں کا ذکر تھا اب معنوی نعمتوں کا ذکر ہے کہ ہم نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو دولت علم دی اور مسجود ملائکہ بنانے کی عزت دی اور تم کو ان کی اولاد ہونے کا فخر عطا کیا۔

خلاصہ رکوع ۴ مکالمہ خداوندی، نعمتِ الٰہیہ۔ ۳۔ تشریح مکالمہ، استفسار ملائکہ، مشاغل ملائکہ، اجمالی حاکمانہ جواب خداوندی، کیفیت تعلیم حضرت آدم، اقرار عجز وقصور ملائکہ، مکالمہ خداوندی، تفصیلی حاکمانہ جواب خداوندی، فرشتوں کو آدم کے لیے سجدہ کا حکم، تشریح حکم، تعمیل، انکار ابلیس، آدم وحوا کا دار الاقامہ، پرہیز، نتیجہ بد پرہیزی، عداوت شیطان، نتیجہ عداوت، حاکمانہ تجویز خداوندی، قیام عارضی، شفقت خداوندی، حکیمانہ فیصلہ خداوندی، نتائج مستفیدین من الهدایت وغیر مستفیدین من الهدایت۔ ماخذ آیات ۳۰ تا ۳۹

فرشتوں کی حقیقت

اہل اسلام کے نزدیک فرشتے اللہ تعالیٰ کے محترم اور مقرب بندے ہیں جو نور سے پیدا کئے گئے ہیں، جو گناہوں سے معصوم ہیں

خطاء اور نسیان سے محفوظ ہیں۔"لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ" کھانے اور پینے سے پاک ہیں۔
(فتح الباری ج ۶، ص ۲۱۷)

اور تذکیر و تانیث سے مبرا ہیں قرآن کریم میں فرشتوں کے حق میں مذکر کی ضمیر کا استعمال تشریف و تکریم کی وجہ سے ہے جس طرح بعض انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور نبوت کے لئے منتخب فرمایا اسی طرح بعض فرشتوں کو رسالت پیغمبری کے لئے منتخب فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ا"اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔"

وَاِذْ قَالَ۔۔۔الخ مکالمہ خداوندی: نعمتِ الٰہیہ ۳: معنوی: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خلقت آدم کی کیفیت اور ان کی تعظیم و اکرام کی کیفیت کا ذکر ہے۔اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ: تشریح مکالمہ: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے "جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ" کے بجائے "خالق فی الارض" کیوں نہیں فرمایا حالانکہ "خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ" کے مناسب یہی الفاظ تھے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ" اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت دینے کا ذکر ہے اور خلافت کے معنی دو چیزوں کے بغیر نہیں پائے جاتے ایک جسم عنصری جو عالم خلق سے ہے اور دوسری چیز روح آسمانی جو عالم امر سے ہے۔اور لفظ "خَلَقَ" صرف ایک چیز محض خلقت کے بیان پر دلالت کرتا ہے اور یہاں چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کو بیان کرنا مقصود تھا تو اس کے لئے لفظ "جَاعِلٌ" زیادہ مناسب ہے اور دوسری جگہوں پر چونکہ خلقت کو بیان کرنا مقصود ہے اس وجہ سے لفظ "خَلَقَ" ذکر ہے۔ (عزیزی ص: ۱۰۳ ج ۱)

سُوَال: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ لیا حالانکہ مشورہ تو نقص کی علامت ہے اور اللہ کی ذات اس سے پاک ہے؟

جَوَاب: یہاں مشورہ لینا حقیقت میں مقصود نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے مگر مشورہ کی صورت بنائی گئی ہے جس میں مخلوق کو تعلیم دینا مقصود تھا، علاوہ ازیں فرشتوں کی مجلس میں اس واقعے کے اظہار کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے فرشتے یہ سمجھتے تھے کہ ہم سے زیادہ افضل و اعلم کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ پیدا نہیں فرمائیں گے۔

خلافت ارضی کا مسئلہ

زمین کا انتظام اور اس میں اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرنے کے لئے اس کی طرف سے کسی نائب کا مقرر ہونا ضروری ہے اقتدار اعلیٰ تمام کائنات اور پوری زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔جیسا کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" اور "لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اور "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" وغیرہ زمین کے انتظام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب آتے ہیں جو باذن خداوندی زمین پر سیاست و حکومت اور بندگانِ خدا تعالیٰ کی تعلیم و تربیت کا کام کرتے ہیں اور احکام الٰہیہ کو نافذ کرتے ہیں اس خلیفۃ و نائب کا تقرر بلا واسطہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور اس میں کسی کے کسب و عمل کا کوئی دخل نہیں اس لئے پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت کسبی چیز نہیں جس کو اپنی سعی اور عمل سے حاصل کیا جا سکے بلکہ حق تعالیٰ ہی خود اپنے علم و حکمت کے تقاضے سے خاص خاص افراد کو اس کام کیلئے چن لیتے ہیں جن کو اللہ اپنے نبی و رسول یا خلیفۃ و نائب قرار دیتے ہیں یہ خلیفۃ اللہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے اس کے احکام معلوم کرتا ہے اور پھر ان کو دنیا میں نافذ کرتا ہے۔

یہ سلسلہ خلافت و نیابت کا حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی انداز سے چلتا رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ خلافت و نیابت تا قیامت ہے آپ کی وفات کے بعد نظام عالم کیلئے جو نائب ہو گا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہو گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد نیابت زمین اور نظم حکومت کے لئے انتخاب کا طریقہ شروع ہو گیا یہ امت جسے خلافت کے لئے منتخب کر دے وہ خلیفہ رسول کی حیثیت سے نظام عالم کا واحد ذمہ دار ہوگا اور خلیفہ سارے عالم کا ایک ہی ہو سکتا ہے۔ خلفاء راشدین کے آخری عہد تک سلسلہ خلافت صحیح اصول پر چلتا رہا اس لئے ان کے فیصلے ایک محکم دستاویز اور امت کے لئے حجت مانے جاتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سنت کو خلافت راشدہ کے بعد بادشاہت کا آغاز ہوا مختلف خطوں میں مختلف امیر بنائے گئے ان میں سے کوئی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جاسکتا ہے اور جب پوری دنیا کے مسلمانوں کا اجتماعی طور پر کسی ایک فرد پر جمع ہونا مشکل ہو گیا اور ہر ملک اور ہر قوم کا الگ الگ امیر بنانے کی رسم چل گئی تو مسلمانوں نے اس کا تقرر اسی اسلامی نظریہ کے تحت جاری رکھا کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جس کو امیر منتخب کرے وہی اس ملک کا امیر اور اولوالامر کہلائے گا۔ قرآن کریم کے اس ارشاد "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" کے عموم سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

مغربی جمہوریت اور اسلامی شورائیت میں فرق

عام جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور ان کے ممبران بالکل آزاد و خود مختار ہیں، محض اپنی رائے سے جو چاہیں اچھا یا برا قانون بنا سکتے ہیں، اسلامی اسمبلی اور اس کے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اصول و قانون کے پابند ہیں اس اسمبلی یا مجلس شوریٰ کی ممبری کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں اور جس شخص کو یہ منتخب کریں اس کیلئے بھی کچھ حدود و قیود ہیں پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن و سنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہوسکتی ہے اس کے خلاف کوئی قانون بنانے کا ان کو اختیار نہیں۔ (محصلہ معارف القرآن، ص:۱۸۶، ج:۱، م ش ہ)

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا: استفسار ملائکہ: سوال: فرشتوں کو کیسے پتہ چلا کہ یہ خلیفہ فساد اور خون ریزی کرے گا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ فرشتوں نے جنوں کے حال پر قیاس کیا کیونکہ جن دو ہزار سال پہلے پیدا ہو چکے تھے، اور بعض نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا "اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً" تو انہوں نے کہا "ربنا وما یکون الخلیفة" اے ہمارے رب خلیفہ کیسا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یکون له ذریة یفسدون فی الارض ویتحاسدون یقتل بعضهم بعضا" اس کی اولاد ہوگی زمین میں فساد کریں گے اور ایک دوسرے سے حسد کریں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے اس کے بعد فرشتوں نے عرض کیا "اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ"۔

اور بعض نے اس کا تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فرشتوں کو لوح محفوظ کی باتوں کا پتہ تھا اور عام فرشتوں نے اپنے سرداروں سے بعض لوح محفوظ کی باتیں سیکھ لی تھیں اس وجہ سے انہوں نے کہا زمین میں فساد کرے گا۔ (عزیزی: ص ۳۰۵، ج۔۱)

حضرت آدم علیہ السلام کا مختصر تعارف: حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جو تفسیر عزیزی میں لکھا ہے میں اس کا خلاصہ لکھ دیتا ہوں حضرت اسرافیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کے خمیر کے لئے ایک مشت خاک کی لا کر خانہ کعبہ کی جگہ پر رکھ دی، فرشتوں کو حکم ہوا اس کا گارا بناؤ، اور چالیس دن تک اس خاک پر بارش برسی انتالیس دن تک تو غم اور رنج کی بارش برسی اور ایک دن خوشی کی بارش برسی اس وجہ سے اولاد آدم کو غم اور الم بہت زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم ہوتی ہے پھر اس کیچڑ کو خشک کیا، مکہ اور طائف کے درمیان وادی نعمان متصل عرفات کے رکھ دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے حضرات آدم علیہ السلام کا قالب اور صورت بنائی فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہ دیکھی تھی، اس کے ارد گرد پھرتے تھے، اور اس کی خوبصورتی پر حیران تھے، ابلیس بھی اس قالب کو دیکھنے کے

لئے آیا، اور کہا اس قالب سے کیا تعجب کرتے ہو، ایک جسم ہے اندر سے خالی ہے، مگر سینہ کی بائیں طرف ایک خالی جگہ ہے اس کو میں نہیں جانتا، اس میں کیا چیز پوشیدہ ہے؟ پھر اس کے بعد روح کو حکم ہوا کہ اس قالب میں داخل ہو جا، سب سے پہلے روح سر میں آئی، تو حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی، اور الہام سے کلمہ "الحمد للہ" زبان پر جاری ہوا، اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا "یرحمك الله" جب روح کمر تک پہنچی تو کود کر اٹھے اور زمین پر گر پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ" یعنی انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے پھر جب روح سارے بدن میں پھیل گئی، تو حکم ہوا کہ فرشتوں کے پاس جاؤ، اور ان کو "السلام علیکم" کہو فرشتوں نے جواب دیا "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" حکم ہوا کہ یہی کلمات تحیۃ تیرے اور تیری اولاد کے لئے مقرر ہیں۔

(تفسیر عزیزی سورۃ بقرہ ص:۲۰۶ ج ۱)

لفظ آدم کے عربی اور عجمی کا اختلاف

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ الاتقان میں لکھتے ہیں کہ لفظ "آدم" کے عربی عجمی ہونے میں اختلاف ہے جوالیقی نے لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے نام بجز آدم، صالح، شعیب اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب عجمی ہیں عربی ہونے کی صورت میں بعض نے اُدمۃ (گندم گونی) سے مشتق مانا ہے کیونکہ حضرت آدم گندم گوں تھے۔ اور بعض "ادیم الارض" (سطح زمین) سے کیونکہ اسی سے ان کا پتلا بنایا گیا جو لوگ اسے عربی تسلیم نہیں کرتے ان میں بعض اسے سریانی زبان کا لفظ قرار دیتے ہیں اور بعض عبرانی کا، ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی عمر ۹۶۰ سال کی ہوئی اور نووی رحمہ اللہ نے تدریب میں لکھا ہے کہ ان کی عمر ایک ہزار سال ہوئی ہے۔

(الاتقان فی علوم القرآن حوالہ قاموس القرآن: ص ۱۸)

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ ...الخ مشاغل ملائکہ۔ تسبیح اور تقدیس میں فرق: تسبیح کا تعلق اعمال وطاعات لسانیہ وبدنیہ سے ہے اور تقدیس کا تعلق قلبیہ سے ہے۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ: سے یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ ملائکہ کا اس سے عجب اور افتخار میں مبتلا ہونا معلوم ہوتا ہے یہ تو اچھا نہیں ہے؟ "بِحَمْدِكَ" سے اس کا جواب دیا کہ الٰہی ہم تیری اس توفیق پر تیرا شکر ادا کرتے ہیں ہم اپنی تسبیح کو محض اپنا پیدا کردہ عمل سمجھ کر اس پر اتراتے نہیں ہیں۔

تسبیح ملائکہ پر انسان کو فضیلت بقول شیخ اکبر رحمہ اللہ

① ملائکہ کی تسبیح صرف ایسے اسماء سے ہے جن کا ان کو علم دیا گیا ہے "إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا" اور انسان کی ان اسماء اور صفات کے ساتھ ہے جن کا تعلق نعمت وعذاب، موت وہلاکت صحت ومرض، طعام وشراب جیسے رزاق، مطعم، محی، ممیت وغیرہ۔ ② ملائکہ کی تسبیح اضطراری، بخلاف انسان کے۔ ③ ملائکہ کی تسبیح بلا مزاحمت کے، بخلاف انسان کے کہ قوۃ شہویہ وغضبیہ کی مزاحمت سے۔

قَالَ إِنِّي ...الخ اجمالی حاکمانہ جواب: میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔

﴿۳۱﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ...الخ کیفیت تعلیم آدم علیہ السلام حضرات مفسرین نے تعلیم اسماء کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم اس طرح دی کہ پہلے تمام انواع اور وسائل معاش مثلاً گائے کے بارے میں تعلیم دی کہ وہ دودھ کے لئے ہے اور گھوڑا سواری کیلئے وغیرہ۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم حضرت آدم علیہ السلام کو دی، اور امتحان فرشتوں سے لے رہے ہیں یہ تو انصاف کے خلاف ہے؟ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بیان القرآن میں یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم دی لیکن فرشتوں کی استعداد نہ تھی اس لئے وہ اخذ نہ کر سکے لیکن حضرت

آدم علیہ السلام نے ان کو یاد کرلیا کیونکہ ان میں اخذ کرنے کی استعداد تھی۔

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں استعداد کیوں نہ رکھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ مذکر ہیں نہ مؤنث اگر ان میں یہ استعداد رکھ دیتے تو پھر وہ فرشتے نہ رہتے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے علم غیب کی نفی

اہل بدعت اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا علم دیا تھا تو یہی علم غیب ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جو چیز بتائی جاتی ہے وہ غیب نہیں ہوتی اس کو اطلاع غیب یا انباء الغیب کہتے ہیں۔ اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان اشیاء کے ناموں کا علم تھا مگر ان کی مقدار اور تعداد کا علم نہیں تھا مثلاً ”گھوڑا“ اس نام کا علم تھا مگر دنیا میں کتنے گھوڑے پیدا ہوں گے اس کا علم نہیں تھا۔ اگر تمہارے پاس تعداد کی دلیل ہے تو لاؤ؟ ”هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ“۔

فَقَالَ أَنبِئُونِي :الخ تبکیت خداوندی :اس سے فرشتوں کی عاجزی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے ملائکہ کو خاموش کرنا اور اس پر متنبہ کرنا ہے کہ وہ خلافت کے امور سے عاجز ہیں اس لئے یہ حکم دے کر خاموش کرا دیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں آثار التنزیل ص ۲۶ ج ۲۔

علم کی اقسام اور اس کے فوائد

حضرت بنوری رحمہ اللہ بصائر و عبر میں لکھتے ہیں کہ :علم، دین کا ہو یا دنیا کے کسی شعبے کا وہ بہر حال انسانیت کے لیے تمغۂ فضیلت اور طرۂ امتیاز ہے اور تعلیم کا مقصد فضل و کمال سے آراستہ ہونا اور میراث انسانیت کا حاصل کرنا ہے، موضوع کے لحاظ سے علم کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں (۱) دینی علوم اور (۲) دنیاوی علوم۔

دینی علوم کے اصل ثمرات و برکات تو آخرت ہی میں ظاہر ہوں گے تاہم جب تک دنیا میں اسلام کی عزت و رفعت کا دور دورہ رہا دنیا میں بھی اس کی منفعتیں ظاہر ہوتی تھیں، علماء دین، قاضی، قاضی القضاۃ، مفتی اور شیخ الاسلام کی حیثیت سے محاکم عدلیہ اور محاکم احتساب کے مناصب پر فائز ہوتے تھے، ملک و ملت کے لیے ان کا وجود سایہ رحمت سے کم نہیں تھا، ان کی خدا ترسی، حق پسندی اور عدل پروری کی بدولت معاشرہ میں امن و عافیت کی فضا قائم تھی اور اسلام کے عادلانہ احکام کا نفاذ بہت سے معاشرتی امراض سے حفاظت کا ضامن تھا۔

الغرض دینی مناصب کے لیے علماء دین ہی کا انتخاب و تقرر ہوتا تھا اور آج بھی جن ممالک میں اسلامی نظام کسی حد تک رائج ہے اس کے کچھ نمونے موجود ہیں اور دنیوی علوم جن کا تعلق براہ راست دنیا کے نظام سے تھا مثلاً فلسفہ، منطق، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی ہیئت، حساب، طب و جراحت وغیرہ ان کے لیے تو حکومتی مناصب بے شمار تھے۔

اور علوم کی یہ تقسیم کہ کچھ علوم دینی ہیں اور کچھ دنیاوی، محض موضوع کے لحاظ سے ہے، مگر اس کے معنی دین و دنیا کی تفریق کے ہرگز نہیں، چنانچہ دنیوی علوم اگر بے ہودہ اور لایعنی نہ ہوں اور انہیں خدمت خلق، اصلاح معاش اور تدبیر سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ بھی بالواسطہ رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور دین و دنیا کی تفریق ختم ہو جاتی ہے اور اس کے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کمانا ہو تو یہ علوم بھی بالواسطہ دنیا کے علوم کی صف میں آ جاتے ہیں اور اس کے لیے احادیث نبویہ میں سخت سے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے: ”من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله لا يتعلمه

الا ليصيب به عرضا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة.يعني ريحها"۔
(مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی ص ۳۷، ط: قدیمی)
جس شخص نے وہ علم سیکھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو سکتی ہے اور پھر اس کو متاع دنیا کا ذریعہ بنایا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے: "من طلب العلم ليجاري به العلماء او ليماري به السفهاء او يصرف وجوه الناس اليه ادخله الله النار"۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی ص۔ ۳۴، ط: قدیمی)
جس شخص نے اس غرض سے علم حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے یا کم عقلوں سے بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کرے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو آگ میں ڈالیں گے۔

بہر حال ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ دینی علوم بھی دنیا کے علوم بن جاتے ہیں اور دنیوی علوم بھی رضائے الٰہی اور طلب آخرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور دین و دنیا کی تفریق ختم ہو جاتی ہے، گویا اصل مدار مقاصد و نیات پر ہے کہ اگر مقصد رضائے الٰہی ہے تو دنیوی علم بھی دین کے معاون و مددگار اور صنعت و حرفت کے تمام شعبے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے وسائل بن جاتے ہیں۔

علوم خواہ قدیم ہوں یا جدید اور دینی ہوں یا دنیوی ان سب سے مقصد رضائے الٰہی کے مطابق ایک صالح معاشرہ کا قیام ہونا چاہیے اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص جس شعبہ زندگی سے منسلک ہو وہ اس شعبہ سے متعلق بقدر ضرورت دینی مسائل سے بھی واقف ہو، مسلمان تاجر ہو تو تجارت سے متعلقہ دینی مسائل کا عالم ہو، انجینئر ہو تو عالم ہو، طبیب اور ڈاکٹر ہو تو عالم ہو، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو خلافت راشدہ کا تابناک دور ہے ایک قانون یہ تھا: "لا يبع في سوقنا هذا من لم يتفقه في الدين"۔ (سنن الترمذی، ابواب صلوۃ الجمعۃ، باب ماجاء فی فضل الصلوۃ الجمعۃ ج ۱: ص ۱۱۰، ط: قدیمی
جو شخص فقہ (دینی مسائل کا ماہر) نہ ہو اس کو ہماری بازار میں خرید و فروخت کی اجازت نہیں۔

گویا دنیا کمانے کے لیے بھی علم دین کی ضرورت ہے تاکہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز ہو سکے اور خالص سود، سودی کاروبار اور غیر شرعی معاملات میں مبتلا نہ ہو۔

الغرض ایک دور ایسا تھا کہ ہر ہنر و کمال کا مقصد آخرت اور رضائے الٰہی تھا اور اب ایک دور ایسا آ گیا ہے کہ ہر چیز کا مقصد دنیا ہی دنیا بن کر رہ گیا بلکہ اب تو اس میں بھی اس قدر تنزل رونما ہوا ہے کہ دنیا کی بھی تمام حیثیتیں ختم ہو کر رہ گئیں اب تو واحد مقصد صرف پیٹ رہ گیا ہے، دنیا کے ہر علم و ہنر اور فضل و کمال کا منتہائے مقصود بس یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ جہنم بھر جائے۔

جدید تعلیم اور اس کا مقصد: قدیم اصطلاح میں تو دینی علم ہی علم کہلانے کا مستحق تھا، دنیاوی علوم کو فنون یا ہنر سے تعبیر کیا جاتا تھا، مگر آج کی اصطلاح یہ ہو گئی ہے کہ قدیم علوم کے ماہر کو عالم کہا جاتا ہے اور جدید علوم کے ماہرین کو تعلیم یافتہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ امریکہ اور یورپ وغیرہ کے جو ممالک جدید علوم کے امام ہیں وہاں آج بھی کسی تعلیم یافتہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ کسی اسکول میں ٹیچر، کسی کالج میں پروفیسر یا سرکاری دفتر میں ملازم ہو بلکہ وہاں تعلیم کا مقصد ہنر و کمال کی تحصیل سمجھا جاتا ہے تاکہ ہر شعبہ حیات میں ہنر و کمال کے مالک افراد موجود ہوں، ان ممالک میں ٹیکسی ڈرائیور اور بسوں کے کنڈیکٹر بھی گریجویٹ ہوتے ہیں، یہ کہیں بھی نہیں سمجھا جاتا کہ بی اے یا ایم اے ہونے کے بعد دکان پر بیٹھنا یا کارخانے میں جانا یا ڈرائیور بننا باعث توہین ہے، پھر نہ معلوم ہمارے ملک میں یہ کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ جو شخص تعلیم یافتہ یا گریجویٹ ہو اس کے لیے سرکاری

ملازمت لازم ہے ورنہ اس کی حق تلفی اور اس کی ڈگری کی توہین متصور ہوگی۔

برطانوی دور میں اس جدید تعلیم کا مقصد بلاشبہ یہی سمجھا گیا تھا کہ اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں سے تیار ہونے والے افراد سرکاری مشینری کے کل پرزے بنیں گے، کیونکہ اس جیسے ملک میں حکومت کی انتظامی ضرورت پوری کرنے کے لیے ان کو ایک ایسی نسل کی ضرورت تھی جس سے ان کی حکومت کا کاروبار چل سکے وہ انگلستان سے اتنے انگریز یہاں نہیں لاسکتے تھے کہ اتنے بڑے بر کوچک کا تمام کام سنبھال سکیں، انہیں دنیا کے دوسرے ممالک پر بھی حکمرانی کرنی تھی، کلیدی مناصب تو ضرور وہ اپنوں ہی کو دیا کرتے تھے یا پھر ان کو جو سو فیصد ان کے حاشیہ بردار بن جائیں گے، مگر نیچے درجہ کے لیے انہیں یہیں سے آدمی مہیا کرنے تھے، علاوہ ازیں اس جدید تعلیم سے انگریز کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی لوگ انگریزی تہذیب وتمدن کے اتنے دلدادہ ہو جائیں کہ ظاہر و باطن میں انگریزی ہی انگریز نظر آئیں اور لارڈ میکالے کی پیش گوئی پوری ہو جائے۔

الغرض یہ ذہنیت انگریزی دور کی پیداوار ہے کہ تعلیم حاصل کرنا صرف ملازمت کے لیے ہے، ظاہر ہے کہ تعلیم کی رفتار میں ہر سال تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور سرکاری مناصب اور ملازمتیں محدود ہیں، تعلیمی تناسب سے ان میں اضافے کا امکان نہیں، نہ یہ ممکن ہے کہ تمام تعلیم یافتہ افراد کو سرکاری ملازمتوں میں کھپایا جاسکے اور یہ تو طلبہ کا مسئلہ تھا، اس پر مستزاد یہ کہ طالبات بھی اب تعلیم کے میدان میں اسی تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہیں اور وہ بھی ملازمت کی خواہاں ہیں، جب نئی نسل کو مستقبل تاریک نظر آتا ہے تو ان میں بے چینی پھیلتی ہے اور اس کا نتیجہ اس عبرت ناک منظر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو گزشتہ دنوں کراچی یونی ورسٹی میں تقسیم اسناد کے موقعہ پر دیکھنے میں آیا کہ گورنر تک کے لیے آبرو بچانا مشکل ہو گیا، یہ ہیں جدید تعلیم کی برکات! اور یہ ہیں تعلیم یافتہ حضرات (ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار) یہ صورت حال تمام اہل دانش اور ارباب اقتدار کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ اگر جدید نسل کے اس ذہنی کرب کا صحیح حل تلاش نہ کیا گیا تو اس کے نتائج اس سے زیادہ ہولناک ہوں گے۔

جدید نسل کی بے چینی اور ذہنی کرب کے اسباب:

ہمارے نزدیک کرب و بے چینی کے متعدد اسباب ہیں۔ سب سے اہم تو یہ ہے کہ جدید تعلیمی اداروں میں دینی ماحول، دینی تربیت اور دینی ذہن وفکر کی ضرورت کو کبھی محسوس نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس نئی نسل کو دین سے بیزار کرنے کے تمام اسباب ووسائل مہیا کیے گئے، دین کو ملائیت کا نام دے کر نوخیز ذہنوں کو اس سے نفرت دلائی گئی، علمائے دین کے لیے طرح طرح کے القاب تجویز کر کے انہیں تعلیم یافتہ طبقہ کی نظر میں گرانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، ذرائع نشر و اشاعت کو تمام حدود و قیود سے آزاد کر کے انہیں بد دینی کا مبلغ بنا دیا گیا، اس پر مستزاد یہ کہ لادینی نظریات کا پرچار کرنے کے لیے مستقل ادارے قائم ہوئے اور سرکاری طور پر ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی گئی۔ اب خود سوچئے کہ جس نوخیز نسل کے سامنے گھر کا پورا ماحول بے دین ہو، تعلیم گاہوں میں دینی ماحول کا فقدان ہو، گلی کوچوں سڑکوں اور بازاروں سے بے دینی کا غلیظ اور مسموم دھواں اٹھ رہا ہو، زندگی کے ایک ایک شعبہ سے دین کو کھرچ کھرچ کر صاف کر دیا گیا ہو، والدین سے اساتذہ تک اور صدر سے چپڑاسی تک نئی نسل کے سامنے دینداری، خداترسی اور خوف آخرت کا کوئی نمونہ سرے سے موجود نہ ہو اور جس ملک میں قدم قدم پر فواحش ومنکرات، بے حیائی و بداخلاقی اور درندگی و شیطانیت کا سامان موجود ہو کیا آپ وہاں کی نئی نسل سے دینداری، شرافت اور انسانی قدروں کے احترام کی توقع کر سکتے ہیں؟ جس نسل کا خمیر تخریب سے اٹھایا گیا ہو، کیا وہ کوئی تعمیری کارنامہ انجام دے سکتی ہے؟ جو خود معاشرہ کے عمومی بگاڑ کی پیداوار ہو کیا وہ کسی درجہ میں بھی معاشرہ کی اصلاح کے لیے مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے؟

تم لاکھ تعلیمی ترقی اور اعلیٰ تہذیب کے ڈھنڈورے پیٹو، لیکن خوب یاد رکھو تعلیم کا ماحول جب تک دینی نہیں ہوگا نئی نسل کے سامنے والدین، اساتذہ اور اہم شخصیتوں کی شکل میں اخلاق و انسانیت اور دینداری و خدا خوفی کے اعلیٰ نمونے جب تک موجود نہیں ہوں گے، تعلیم میں جب تک دینی تربیت مطمح نظر نہیں ہوگی اور جب تک اخلاق و اعمال، جذبات و عواطف اور رجحانات و میلانات کی اصلاح نہیں ہوگی تب تک یہ مصیبت روز افزوں ہوتی جائے گی، تعلیم سے جب اسلامی روح نکل جائے، اخلاق تباہ ہوجائیں، انسانی قدریں پامال ہوجائیں اور مقصد زندگی صرف حیوانیت اور شکم پروری رہ جائے تو اس تعلیم کے یہ دردناک نتائج ظاہر نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟

صد حیف! کہ آج انسانیت کی پوری مشین پیٹ کے گرد گھومنے لگی ہے، آج کی تمام تعلیم، تمام تربیت اور تمام تہذیب کا خلاصہ یہ ہے کہ حیوانی زندگی کے تقاضے کیسے پورے کیے جائیں، دین جاتا ہے تو جائے، اخلاق مٹتے ہیں تو مٹیں، انسانیت پامال ہوتی ہے تو ہو مگر ہمارے حیوانی تقاضے اور نفسانی خواہشات بہرحال پوری ہونی چاہئیں، نہ دین سے تعلق، نہ اخلاق سے واسطہ، نہ انسانیت کا شعور، نہ افکار صحیح، نہ خیالات درست، نہ خدا کا خوف، نہ آخرت کی فکر، نہ مخلوق سے حیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جدید تعلیم اور اس کے چند مہلک ثمرات :

اسی جدید تعلیم اور اس کے لادینی نظام نے لسانی عصبیت اور صوبہ پرستی کی لعنت کو جنم دیا، جس کی وجہ سے مشرقی بازو کٹ گیا اور اب کراچی اور سندھ میں بھی شب و روز اس کے دردناک مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں، نہ معلوم اس بدنصیب قوم کا انجام کیا ہوگا۔ انسانی اقدار اور احترام انسانیت کا شعور پیدا کرنے کے لیے دین و مذہب کے سوا کوئی چارہ نہیں، آخرت کی نجات اور دنیا کی سعادت صرف اسلامی تعلیمات اور اسلامی ہدایات و احکامات میں مضمر ہے، اس کے سوا خسارہ ہے، تعلیم کا مقصد روح کی بالیدگی، نفس کی پاکیزگی، سیرت و کردار کی بلندی اور ظاہر و باطن کی طہارت اور نظافت ہونا چاہیے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ اس تعلیمی قالب میں دینی روح بطور مقصد جلوہ گر ہو اور جب تم اپنے وسائل کی پوری قوت سے دین کو ختم کر رہے ہو اور دین کا مضحکہ اڑا کر اسے رسوا کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہو تو اس کے بدترین نتائج کے لیے بھی تیار ہو۔

﴿۳۲﴾ اقرار عجز و قصور ملائکہ : ہمارا سوال اعتراض کی غرض سے نہیں تھا بلکہ نامعلوم کو معلوم کرنے کی غرض سے تھا، کیونکہ جو شخص کسی چیز سے جاہل ہوتا ہے وہ اس مجہول چیز کے بارے میں اعتراض نہیں کرتا بلکہ استفسار کرتا ہے۔ (بیضاوی، ص: ۶۵، ج۔۱)

﴿۳۳﴾ مکالمہ خداوندی: فرمایا اے آدم بتادے ان کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتا دیا ان کو ان کے نام۔ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ---الخ تفصیلی جواب : کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ جو تم نہیں جانتے وہ میں جانتا ہوں اس کی دلیل یہ ہے کہ میں آسمان و زمین کے غیب اور پردے کی باتیں جانتا ہوں اور تمہارے ظاہری اور باطنی احوال کا علم رکھتا ہوں اور ظاہر ہے کہ جو ہستی ان تمام مغیبات کا علم رکھتی ہے وہ یقیناً ان چیزوں کا علم رکھتی ہے جو ملائکہ نہیں جانتے۔

﴿۳۴﴾ وَاِذْ قُلْنَا ---الخ حکم خداوندی : اور جب ہم نے حکم دیا ملائکہ کو۔ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ: تشریح حکم: کہ سجدہ کرو آدم کے سامنے۔ فَسَجَدُوْٓا : تعمیل حکم : تو سب نے سجدہ کیا۔ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ---الخ انکار ابلیس : پس ابلیس کہ وہ نہ مانا اور بڑا بننے لگا، فرشتوں سے سجدہ حضرت آدم کے فضل کا اعتراف کرانے کے لئے کیا گیا۔

(بیضاوی، ص: ۶۶، ج۔۱)

اقسام سجدہ

سجدہ دو قسم پر ہے۔ ① سجدہ عبادت، یہ غیر اللہ کے لیے کرنا کفر ہے۔ ② سجدہ تعظیمی، حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ تعظیمی تھا، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام شرائع اور ادیان میں جائز تھا حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں "وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا" سے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد سجدہ تعظیمی ہے اور یہ ہماری شریعت میں ناجائز ہے اور یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ (ابن کثیر: ص:۱۲۲؛ ج۱)

اس پر سوال ہوتا ہے کہ یہ سجدہ تعظیمی کون سے حکم سے منسوخ ہوا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ مشہورہ سے سجدہ تعظیمی کا حرام ہونا ثابت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لو کنت آمر احداً ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجھا"۔ (ترمذی؛ ص:۱۳۸؛ ج۱؛ مشکوٰۃ ص:۲۸۱؛ ج۲)

یعنی اگر غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرتی۔ اس شریعت میں سجدہ تعظیمی مطلقاً حرام ہے یہ حدیث اکیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

❶ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ❷ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔ ❸ سراقہ بن مالک بن جعشم۔ ❹ عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ❺ ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ ❻ عبداللہ ابن ابی اوفی۔ ❼ طلق بن علی رضی اللہ عنہ۔ ❽ ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ ❾ انس رضی اللہ عنہ۔ ❿ ابن عمر رضی اللہ عنہما امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث ابوہریرہ حسن ہے۔ ⓫ ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ۔ (مخرج ابونعیم نقل از خصائص کبریٰ؛ ۵۷؛ ج:۲) ⓬ یعلیٰ بن مرۃ۔ مخرج (ابونعیم وطبرانی نقل از خصائص کبریٰ؛ ۵۷؛ ج۲) ⓭ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ۔ (ابوداؤد؛ ص:۲۹۱؛ ج۱) ⓮ عصمۃ۔ (طبرانی نقل از نیل الاوطار شوکانی: ص:۲۲۱؛ ج:۱) ⓯ بریدہ رضی اللہ عنہ۔ (مستدرک حاکم، کنز العمال ص:۲۳۶؛ ج۲۱) ⓰ جابر بن عبداللہ۔ (مخرج صحیح عبد بن حمید: ص: ۲۴۰ ج۲۱) ⓱ زید بن ارقم۔ (طبرانی: ص: ۲۴۰ ج۲۱) ⓲ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (طبرانی اوسط والکبیر۔ مجمع الزوائد: ص:۹؛ ج۹) ⓳ صہیب رضی اللہ عنہ۔ (طبرانی۔ بوادر النوادر: ص:۲۰۸؛ ج۱) ⓴ عقبہ بن مالک۔ ㉑ غیلان بن مسلم (طبرانی۔ بوادر النوادر: ص:۲۰۸: ج۱)۔ اور اصول حدیث کی مشہور کتاب تدریب الراوی میں ہے کہ جس روایت کو دس صحابہ کرام نقل کریں وہ حدیث متواتر ہو جاتی ہے جو حکم میں قرآن حکیم کی طرح قطعی ہوتی ہے اس روایت کے اکیس راوی ہیں ہماری ناقص تلاش کے موافق۔

اور مولوی نعیم الدین مراد آبادی کنز الایمان کے حاشیہ ص۔ ۱۲۔ پر لکھتا ہے کہ سجدہ تحیت پہلی شریعتوں میں جائز تھا ہماری شریعت میں منسوخ کیا گیا ہے کیونکہ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق کو نہ چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرے۔ (بحوالہ مدارک)

اعلیٰ حضرت بریلوی کا سجدہ تحیت کے متعلق فتویٰ

چنانچہ وہ اپنی کتاب حرمت سجدہ تعظیم کے آخری صفحہ پر لکھتے ہیں "اقول" یعنی ایسے متکبر خدا فراموش خود پسند اپنے لئے سجدے کے خواہشمند غالباً شرع سے آزاد بے قید و بند ہوتے ہیں یوں تو آپ ہی کافر ہیں اور اگر کبھی ایسے نہ بھی تھے تو حرام قطعی یقینی اجماعی کو اچھا جان کر اب ہوئے۔ (ولعیاذ باللہ تعالیٰ) الحمدللہ یہ نفس سجدہ تحیت کے حکم میں ستر نص ہیں کہ سجدہ اللہ واحد قہار ہی کے لئے ہے اور اس کے غیر کے لئے مطلقاً کسی نیت سے ہو حرام، حرام، کبیرہ، کبیرہ، کبیرہ۔

مگر آج اہل بدعت عوام مزارات پر سجدے کرتے ہیں مثلاً لاہور میں داتا صاحب کا دربار ہی لے لو یہاں تو انہوں نے مشرکین کی بت پرستی کو بھی مات کر دی ہے اور اس کو ان کے زعم کے مطابق اہل سنت کا شعار سمجھا جاتا ہے اور اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی اس

میں ملوث ہیں اور اس کو کار ثواب اور ذریعہ نجات سمجھتے ہیں ان کو چاہیئے کہ کم از کم اپنے علماء کے فتاوی جات کی طرف نظر رکھیں مگر کیا کیا جائے کہ ان کے علماء کو بھی آج ہمت نہیں کہ عوام کو اس ناجائز اور حرام امر سے روکیں۔

سؤال: ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو شیطان فرشتوں میں شامل نہیں تھا تو یہ حکم گویا صرف فرشتوں کو دیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ سورۃ کہف (آیت۔۵۰) میں فرماتے ہیں "كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ" تو جب حکم میں شامل نہیں تھا تو پھر عتاب کیوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ اعراف (آیت ۱۲ :) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ" کس چیز نے منع کیا تجھ کو کہ نہ سجدہ کیا تو نے جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کو بھی سجدہ کرنے کا حکم تھا جب اس نے حکم نہ مانا تو مستحق عتاب وسزا ٹھہرا۔

مسئلہ: ابلیس کا کفر محض عملی نافرمانی کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ حکم ربی سے معارضہ اور مقابلہ تھا یہ بلا شبہ کفر ہے۔

مسئلہ: ابلیس کو علم ومعرفت میں طاؤس الملائکہ کہا جاتا تھا مگر تکبر، خود پسندی نے اس کو تباہ کر ڈالا۔ (روح المعانی: ص: ۱۳۳ ج:۱)

فائدہ: بعض اوقات کسی گناہ کے وبال سے تائید حق انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو اس کی ہر کوشش اور عمل گمراہی کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ **مسئلہ:** انسان کا ایمان وہی معتبر ہے جو آخر عمر اور اول منازل آخرت کے ساتھ رہے موجودہ ایمان وعمل اور علم ومعرفت پر غرور نہیں کرنا چاہیئے۔ (روح المعانی : ص ۱۳۳ ج۔۱)

﴿۳۵﴾ **وَقُلْنَا يَا آدَمُ ... الخ حضرت آدم وحواء کا دار الاقامہ** :اور ہم نے کہا اے آدم! رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں "اسکن" کا مشتق منہ "سکنیٰ" ہے جس کے معنی ہیں مسکن بنانا رہائش اختیار کرنا۔ حضرت آدم علیہ السلام جس جنت میں مقیم تھے اور جہاں سے انہیں زمین پر اترنے کا حکم دیا گیا وہ جنت کون سی جنت ہے، جمہور علماء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ یہ "جنت الماویٰ" ہے جس کا وعدہ آخرت میں مسلمانوں کے لیے کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آیات واحادیث کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے اور اس جگہ جنت کو الف لام کے ساتھ ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اسی مشہور جنت کا ذکر ہے۔ قصص القرآن (ص ۳۹ : حصہ اول)۔

وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ... الخ پرہیز : کسی خاص درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس کے قریب نہ جاؤ مقصد یہ تھا کہ اس کا پھل نہ کھاؤ، یہ کونسا درخت ہے قرآن کریم نے متعین نہیں فرمایا اور نہ کسی مستند حدیث میں اس کی تعیین ہے۔ ائمہ تفسیر میں سے کسی نے گندم، کسی نے انگور کا، کسی نے انجیر کا، مگر جس کو قرآن وحدیث نے مبہم چھوڑا ہے اس کو متعین کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ : نتیجہ بد پرہیزی :ایسا کرو گے تو تم اپنا نقصان کرو گے ظلم سے مراد ترک اولیٰ ہے تناول شجرہ کا ترک کرنا اولیٰ تھا آدم علیہ السلام نے تناول کر کے ترک اولیٰ کا ارتکاب کیا اور اس وجہ سے اعزاز کم ہو گیا اور نعمتوں سے محروم کر دیئے گئے اور "لَا تَقْرَبَا" کی نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تفسیر پسند فرمائی ہے۔ (کبیر : ص : ۴۵۳ : ج۔۱)

﴿۳۶﴾ **فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا ... الخ عداوت شیطان** : "زَلَّة" کے معنی عربی لغت میں لغزش کے ہیں "اِزْلَال" کے معنی کسی کو لغزش دینا معنی یہ ہوگا کہ شیطان نے حضرت آدم وحواء کو لغزش دے دی قرآن کریم کے الفاظ واضح بتا رہے ہیں کہ حضرت آدم وحواء کی یہ لغزش اور خلاف ورزی عام گناہگاروں کی طرح نہ تھی بلکہ شیطانی تلبیس میں آ کر ایسے اقدام کی نوبت آ گئی "عَنْهَا" میں لفظ "عن" بمعنی سبب ہے یعنی اس درخت کے ذریعہ سے شیطان نے آدم وحواء کو لغزش میں مبتلا کر دیا۔

(ابن کثیر : ص: ۱۲۵: ج:۱: مظہری: ص: ۵۷: ج۔۱)

یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ وہ تو پہلے سے مردود ہو چکا تھا وہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کے پاس کیسے پہنچ گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کے پہنچنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر ملاقات کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان جنات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنات کو بہت سے تصرفات دیئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی قوت جنیہ کے ذریعے مسمریزم کی صورت سے آدم وحواء کے ذہن کو متاثر کیا ہو۔ سوال: قرآن کی آیت "وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف وسوسہ ہی نہیں تھا بلکہ اس نے آدم وحواء سے زبانی گفتگو کر کے اور قسمیں کھا کر متاثر کیا؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اگر چہ ابلیس جنت سے نکال دیا گیا تھا لیکن پھر بھی اس کا ایک گنہگار اور نابکار مخلوق کی حیثیت میں جنت کے اندر داخل ہونا اس کے مردود ہونے کے منافی نہیں ہے اس لیے اس نے اسی حیثیت سے اندر جا کر حضرت آدم وحوا سے گفتگو کی اور ان کو لغزش میں ڈال دیا۔ آیت "اهبطوا منها جميعًا" اسی کی تائید کرتی ہے کہ عاصی کی حیثیت سے ابھی تک اس کا داخلہ ممنوع نہیں تھا۔ (قصص القرآن ص ۷۳ حصہ اول) اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس درخت کی وہ ممانعت یاد نہ رہی ہو جو ابتدائے آفرینش کے وقت کی گئی تھی، اس احتمال کی تائید کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا" (سورۃ طٰہٰ آیات ۱۱۵) یعنی آدم علیہ السلام بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کسی قسم کے گناہ کا قصد وارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ان سے بھول اور نسیان ہو گیا تھا۔ واللہ اعلم

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کا مفہوم

تفسیر کبیر میں امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عصمت کا تعلق چار چیزوں سے ہے: ❶ عقائد۔ ❷ تبلیغ احکام۔ ❸ فتویٰ اور اجتہادات۔ ❹ افعال وعادات سیرت وکردار۔ **پہلی قسم عقائد کے متعلق**: اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ابتداء ہی سے توحید وایمان پر قائم ہوتے ہیں، اُن کے دل کفر وشرک سے پاک ومنزہ اور یقین ومعرفت سے لبریز ہوتے ہیں، اُن کے مبارک چہرے معرفتِ خداوندی اور قرب الٰہی کے انوارات وتجلیات سے ہر وقت جگمگاتے رہتے ہیں، آج تک کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوت اور رسالت کے لئے ایسے شخص کو منتخب فرمایا ہو جو منصب نبوت سے پہلے کفر وشرک کی نجاست میں ملوث ہوا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے! "وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ" (سورۃ انبیاء آیت ۵۱:) یہ آیت اس بات کی طرف مشیر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ قبل از بعثت نبی نہیں ہوتے مگر اللہ تعالیٰ کے ولی اور مقرب ضرور ہوتے ہیں۔ اس لئے امت محمدیہ کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے دل کفر وشرک سے بالکل محفوظ ہوتے ہیں البتہ فرقہ امامیہ کے نزدیک بطور تقیہ انبیاء کے لئے کفر جائز ہے۔ (معاذ اللہ) (تفسیر کبیر: ج ۱: جز: ۲ طبع دار الفکر)

دوسری قسم تبلیغ احکام: اس بارے میں تمام امت محمدیہ کا اتفاق ہے کہ احکام الٰہیہ کی تبلیغ میں انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں نہ اُن سے قصداً کوئی غلطی ہو سکتی ہے اور نہ سہواً، تندرست ہوں یا مریض، خوش ہوں یا ناراض کسی حالت میں بھی اُن سے غلطی صادر نہیں ہوتی ورنہ وحی الٰہی سے اعتماد اٹھ جائے گا یہی وجہ ہے کہ نزول وحی کے وقت فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ شیطان وغیرہ کی مداخلت سے بالکل محفوظ رہیں۔ **تیسری قسم فتویٰ اور اجتہاد**: اس کے متعلق علماء کرام کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کبھی کبھی امور غیر منصوصہ میں اجتہاد فرماتے ہیں اگر کسی وقت کوئی اجتہادی خطا ہو جاتی ہے تو فوراً وحی کے ذریعہ متنبہ کر دیئے جاتے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ انبیاء سے کوئی اجتہادی خطا ہوئی ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلع نہ کیا ہو۔

چوتھی قسم افعال وعادات: اس کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ کبائر سے بالکل پاک ہوتے ہیں البتہ

صغائر یعنی خلاف اولیٰ امور کبھی کبھی سہواً اور نسیاناً ان سے صادر ہوتے ہیں، ظاہراً وہ بھی معصیت معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں ان سے مقصود بھی امت کے کسی مسئلہ کے بارے رہنمائی ہوتی ہے مثلاً آنحضرت ﷺ سے ظہر یا عصر کی نماز میں سہو کا پیش آنا بظاہر غفلت معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں سجدہ سہو کا حکم بتلانا مقصود تھا۔ آنحضرت ﷺ کو نماز میں سہو نہ پیش آتا تو امت کو سجدہ سہو کا حکم کیسے معلوم ہوتا؟ اسی طرح اگر آپ کی نماز فوت نہ ہوتی تو فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا مسئلہ کیسے معلوم ہوتا؟ اس اعتبار سے سہو اور نسیان عین شفقت اور عین رحمت ہے، اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''یٰلیتنی کنت سھو محمد'' کاش کہ میں آنحضرت ﷺ کا سہو ہو جاتا یعنی آنحضرت ﷺ کا سہو میری یاد سے کہیں بہتر ہے اس سے معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کا نسیان کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا اس درخت کو کھانا بہت بڑی حکمت پر مبنی تھا۔ (بحوالہ معارف القرآن کاندھلوی رحمہ اللہ ص:۹ ۱۳: ج:۱)

داستان آدم میں اشارات : حضرت آدم علیہ السلام کے نسیان وسہو سے اولاد آدم کے لئے توبہ واستغفار اور گریہ وتضرع کی مشروعیت کی گئی، شیخ عبدالوھاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سعادت وشقاوت دونوں مقدر ہو چکی تھیں ان کا اظہار مخلوق کے سامنے ضروری تھا، حضرت آدم علیہ السلام سے سعادت کا افتتاح ہوا، ابلیس سے شقاوت کا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''من سن سنة حسنة'' صرف آدم علیہ السلام کو امام التائبین بنا کر تمام تائبین کا ثواب دینا مقصود تھا اور ابلیس کو امام المتکبرین بنا کر تمام متکبرین کا بارگناہ دینا مقصود تھا اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کو نسیان وتوبہ کو نوبت آئی۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حق تعالیٰ کسی کے ساتھ ارادہ خیر فرماتے ہیں تو بظاہر اس کو کسی ذنب میں مبتلا فرماتے ہیں درحقیقت ان کی باطنی مرض موجودہ یا متوقع اعجاب وکبر کا علاج مقصود ہوتا ہے اور پھر توفیق توبہ دے کر اس کو ترقی درجات دینا مقصود ہوتا ہے، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ ہوا کہ سہو ونسیان سے اکل شجر کی خطاء کے بعد تین سو سال توبہ واستغفار گریہ وزاری میں مشغول رہے حق تعالیٰ شانہ نے شان عطا فرما کر برگزیدہ بنایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى﴾ (طٰہٰ) (آثار خیر: ص۔ ۷۸۔ ۷۹)

ترجمہ: اور آدم نے اپنے رب کی بجا آوری میں قصور کیا اور غلطی میں پڑ گیا پھر اس کے رب نے اسے سرفراز کیا پھر اس کی توبہ قبول کی اور راہ دکھائی۔ ف: لغت کی مشہور کتاب لسان العرب اور اقرب الموارد وغیرہ میں ہے ''المعصية يصدر، وقد تطلق على الزلة مجازاً'' معصیت مصدر ہے اور کبھی مجاز کے طور پر لغزش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح ''غویٰ'' کے معنی یہاں ''ضل یا خاب'' کے ہیں پس اگر یہاں ''ضل'' مراد تو اس کا اردو ترجمہ ''بہک گیا'' کیا جائے گا اور ''خاب'' مراد ہیں تو نقصان میں پڑ گیا'' فصیح ترجمہ ہے (قصص القران ج ۱ ص ۴۷) ﴿وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ ... الخ حاکمانہ تجویز الٰہی: اس میں ''اھبطوا'' کے مخاطب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء ہیں اور اگر شیطان کو اس وقت تک آسمانوں سے باہر نہیں کیا گیا تھا تو وہ بھی اس خطاب میں شامل ہے اس صورت میں باہم عداوت ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ شیطان کے ساتھ تمہاری عداوت کا سلسلہ دنیا میں بھی جاری رہے گا۔ اور اگر بقول بعض اس واقعہ کے وقت سے پہلے ہی شیطان کو نکالا جا چکا تھا تو پھر اس کلام کا رخ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی طرف اور حضرت حواء کی طرف ہوگا کہ ان کو بطور عتاب یہ بتایا گیا کہ ایک سزا تو یہ ہے کہ جنت سے زمین پر اتارا گیا۔ دوسری سزا یہ ہے کہ آپ کی اولاد کے درمیان باہم عداوتیں بھی ہوں گی، اور ظاہر ہے اولاد کی باہم عداوت ہونے سے والدین کا لطف زندگی بھی ختم ہو جاتا ہے تو یہ بھی ایک قسم کی معنوی اور روحانی سزا ہوگی۔ ﴿وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾: قیام عارضی: مطلب یہ ہے کہ زمین پر جا کر بھی دوام نہ ملے گا بلکہ کچھ مدت کے بعد اس گھر کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کے کلمات

﴿۳۷﴾ فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۔۔۔الخ شفقت خداوندی : ربط آیات : گزشتہ آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش اور زمین پر اترنے کا ذکر تھا یہاں سے آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر ہے۔ "كَلِمٰتٍ" سے مراد وہ کلمات ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کو بغرض توبہ بتائے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مشہور قول یہ ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف آیت ۲۳)۔ (ابن کثیر، ص:۱۲۸؛ ج:۱؛ بیضاوی ص۔۷۰)

فَتَابَ : توبہ کے اصلی معنی رجوع کرنے کے ہیں اور جب توبہ کی نسبت بندے کی طرف کی جاتی ہے تو اس میں تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ❶ گزشتہ گناہوں پر ندامت۔ ❷ حال میں اس کا چھوڑنا۔ ❸ اور مستقبل میں اس کے نہ کرنے کا پختہ عزم اور ارادہ کرنا، یہاں توبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس کے معنی ہیں توبہ قبول کرنا۔

تواب اور توبہ میں فرق : تواب کا لفظ بندے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے بھی، جب بندے کے لئے استعمال ہوگا تو معنی ہوگا گناہوں سے اطاعت کی طرف رجوع کرنے والا، جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو معنی ہوگا توبہ قبول کرنے والا۔

﴿۳۸﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۔۔۔الخ حکیمانہ فیصلہ : سوال ہوتا ہے کہ اس لفظ کو مکرر لانے کا کیا فائدہ اور حکمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر اتارنے کا ذکر بطور عتاب اور سزا کے تھا اس لئے اس کے ساتھ انسانوں کی باہمی عداوت کا ذکر بھی کیا گیا تھا۔ اور یہاں زمین پر اتارنے کا ذکر ایک عالی مقصد خلافت الٰہیہ کے تکمیل کے لئے اعزاز کے ساتھ ہے اس لئے اس کے ساتھ ہدایت بھیجنے کا ذکر ہے جو خلافت الٰہیہ کے فرائض منصبی میں سے ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر پہلے اتارنے کا حکم بطور عتاب اور سزا کے تھا مگر جب اللہ تعالیٰ نے انکی لغزش معاف فرمادی تو ان کا نزول زمین کے حاکم اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہوا یہ وہ حکمت ہے جس کا ذکر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت فرشتوں سے کیا جاچکا تھا کہ ان کو زمین پر خلیفہ بنانا تھا۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ : نتائج مستفیدین من الهدایت : اس آیت میں ہدایت قبول کرنے والوں کے لئے دو انعام مذکور ہیں ایک یہ کہ ان پر کوئی خوف نہ ہوگا دوسرا وہ غمگین نہ ہوں گے۔

خوف اور حزن میں فرق : خوف اپنی ذات کے لئے ہوتا ہے اور حزن دوسروں کے لئے ہوتا ہے اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" اس لئے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غار ثور میں فکر اپنی ذات کے لئے نہ تھی، دوسرا فرق یہ ہے "الحزن علی ما فات اور الخوف علی ما ات" اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نہ ان پر غم ہوگا اور نہ خوف۔ جبکہ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام بھی "نفسی نفسی" اور "سلم سلم" کی آواز لگائیں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے جلال کا رعب ہے اور ان کے دل بالکل مطمئن ہوں گے اس کی مثال یوں سمجھئے ایک شخص چوری کرتا ہے عدالت میں گواہوں کی موجودگی میں جرم ثابت ہوا اب اس کو ڈر ہے کہ سزا ملے گی اور ایک شخص وہ ہے جو اس نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ اس پر ایسے ہی عدالت کا رعب ہے، بالکل ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے جلال کا انبیاء علیہم السلام پر رعب ہوگا خوف ہوگا۔

﴿۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔۔۔الخ نتائج غیر مستفیدین من الهدایت : اس آیت میں یہ بتلا دیا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کی پیروی نہیں کریں گے ان کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہوگا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر انعام کیں اور پورا کرو میرے عہد کو میں پورا کروں گا تمہارے عہد کو اور خاص مجھ ہی

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٤٠﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا

سے ڈرو ﴿۴۰﴾ اور ایمان لاؤ اس چیز پر جس کو میں نے نازل کیا ہے اور وہ ان (اصل غیر محرف شدہ) کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہیں اور نہ

تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿٤١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ

ہو تم پہلے کفر کرنے والے اس کے ساتھ اور مت خریدو میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت اور خاص مجھ ہی سے پس ڈرتے رہو ﴿۴۱﴾ اور نہ ملاؤ حق کو

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ

باطل کے ساتھ اور تم حق کو چھپاتے ہو اور تم جانتے ہو ﴿۴۲﴾ اور قائم کرو نماز کو اور دو زکوۃ اور رکوع کرو

الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا

رکوع کرنے والوں کے ساتھ ﴿۴۳﴾ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو فراموش کرتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ کیا تم

تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿٤٥﴾ الَّذِيْنَ

نہیں سمجھتے ﴿۴۴﴾ اور مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ اور بے شک یہ نماز البتہ بھاری ہے مگر ان لوگوں پر جو عاجزی کرنے والے ہیں ﴿۴۵﴾ وہ لوگ

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿٤٦﴾

جو یقین رکھتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور بے شک وہ اسی پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ﴿۴۶﴾

بنی اسرائیل پر نعمت خاصہ کا بیان

﴿۴۰﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا ... الخ ربط آیات: یہاں تک نعمت عامہ معنویہ کا ذکر تھا جس کے ضمن میں حضرت آدم علیہ السلام کا پورا واقعہ بیان کیا گیا، اب یہاں سے بنی اسرائیل پر نعمت خاصہ کا ذکر ہے کیونکہ بنی اسرائیل تمام فرقوں سے بنی آدم میں ممتاز اور اہل علم و کتاب و نبوت اور انبیاء علیہم السلام کو پہچاننے والے سمجھے جاتے تھے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار نبی ان میں آئے تھے اور پورے عرب والوں کی نظریں انکی طرف تھیں کہ حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے جو انعامات و احسانات پشت در پشت فرمائے وہ انعامات اور احسانات یہاں سے اس لئے یاد دلائے جارہے ہیں تا کہ وہ شرما کر ایمان لے آئیں پہلے ان انعامات و احسانات کو یہاں سے اجمالاً بیان کیا گیا ہے پھر اگلے رکوع سے تفصیلاً ان کا ذکر (پھر اجمالاً بطور خلاصہ مضمون) پارے کے ختم کے قریب تک چلا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی: ص:۸۴ ج۔۱)

خلاصہ رکوع ۵ اہل کتاب کو تذکیر بالآء اللہ سے دعوت الی الکتاب دی گئی ہے، اس میں آٹھ اوامر اور چار نواہی کا ذکر ہے۔ ماخذ آیات ۴۰ : تا ۴۶۔

اسرائیل کا معنی: یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے "اسراء" کے معنی ہیں بندہ اور "ایل" کے معنی

ہیں اللہ، تو اس طرح یہ لفظ عبد اللہ کے ہم معنی ہے یعنی اللہ کا بندہ، زمخشری کہتا ہے اسرائیل نام ہے اور یعقوب لقب۔ (تفسیر کشاف: ج:۱: ص۔ ۱۳۰) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی نسل سے یہودیوں کے جو بارہ خاندان ہوئے وہ بنی اسرائیل کہلائے۔ (قاموس القرآن: ص۔ ۵۵)

اُذْكُرُوْا... الخ امر اوّل تذکیر نعم۔ یہ انعام یاد کرو یعنی ان انعامات میں غور کرو اور ان کا شکر ادا کرو اور انعام کو خصوصی طور پر بنی اسرائیل کی طرف منسوب کرنا اس لئے ہے کہ انسان طبعی طور پر حاسد اور غیور واقع ہوا ہے اگر اس کی توجہ ان انعامات کی طرف مبذول کرائی جائے جو دوسروں پر ہوئے تو اس کی غیرت اور حسد اس کو ناراضگی پر آمادہ کر سکتے ہیں لیکن جب اس کی توجہ ان انعامات کی جانب کرائی جاتی ہے جو خود اس پر ہوئے ہیں تو اس کو انعام کی محبت شکریہ پر آمادہ کرتی ہے۔ (بیضاوی: ص۔۷۲، ج۔۱)

فَائِدَہ: آپ کو تراجم میں ملے گا میری نعمتیں یا میری نعمت، کوئی تعارض نہیں کیونکہ نعمت مصدر ہے اس کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے اور نعمت سے مراد عمومی مفہوم ہے جو نعم عامہ اور خاصہ جو بنی اسرائیل سے مختص تھیں یہ لفظ دونوں کو شامل ہے۔ واللہ اعلم

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْ الخ امر دوم ایفائے عہد: اس سے مراد وہ وعدہ ہے جس کا ذکر سورۃ مائدہ کی (آیت۔ ۱۲) میں ہے "وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا"۔ تَرْجَمَہ: اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کئے اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے۔ اور "وَاُوْفِ بِعَهْدِكُمْ" سے مراد وہ عہد ہے جس کا ذکر آگے یوں ہے "لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ"۔

تَرْجَمَہ: تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کر دوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کر دوں گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

وَاِيَّایَ فَارْهَبُوْنِ :امر سوم مقدمہ تقویٰ :اور مجھ ہی سے ڈرو اس آیت میں یہ تصریح نہیں کہ کن اشیاء میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو بلکہ یہ محذوف کر دیا گیا بقصد تعمیم تاکہ یہ مستفاد ہو کہ ہر قسم کے امور میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا چاہئے۔

﴿۴۱﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ :الخ امر چہارم دعوت الی القرآن :قرآن کریم "مُصَدِّقٌ" ہے اور تورات وانجیل مُصَدَّق ہیں اگر تم قرآن کریم کا انکار کرتے ہو تو گویا تم نے تورات وانجیل کا بھی انکار کر دیا کیونکہ "مُصَدِّق" کے انکار سے "مُصَدَّق" کا انکار ہوتا ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ :الخ نہی اوّل از انکار قرآن :اور تم اس کتاب کے انکار کرنے والوں میں پہل کرنے والے مت بنو۔ یہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ انکار کرنے والوں میں سب سے پہل اہل مکہ کر چکے تھے پھر یہودیوں کو "اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ" کیسے فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب میں سب سے پہلے منکر یہودی بنے تھے کیونکہ اہل کتاب کی دو جماعتیں تھیں، یہود اور نصاریٰ ان دونوں میں سے یہود کو سب سے پہلے مسلمان ہونا لازم تھا اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہود کو سب سے پہلے دعوت کا پیغام پہنچا تھا دوسری وجہ یہ تھی کہ یہود اپنی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات کو احسن طریقہ پر پہچانتے تھے اور بہ نسبت نصاریٰ کے یہ لوگ اہل علم تھے۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا: نہی دوم از دین فروشی: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کثیر مال لے سکتے ہو بلکہ یہ بتانا ہے کہ دنیا کی کوئی حقیقت نہیں حدیث شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی حقیقت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ (ترمذی) اور اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ میری آیات

میں تبدیلی اور تحریف نہ کرو اور کتمان حق نہ کرو جیسا کہ اب تک کرتے رہے ہو اور عوام سے اس کے ذریعہ مالی منافع حاصل کرتے ہو۔ (بیضاوی ص ۴۷)

قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے

اس آیت کے ذیل میں یہ مسئلہ بھی یاد رکھیں کہ تعلیم قرآن پر اجرت و معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں فقہاء امت کا اس میں اختلاف ہے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ جائز قرار دیتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ منع فرماتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو ذریعہ معاش بنانے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن متاخرین حنفیہ جواز کا فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ پہلے قرآن کریم کے معلمین کو بیت المال سے وظیفہ دیا جاتا تھا اب وہ نظام ختم ہو گیا ہے اب اگر وہ ذریعہ معاش میں لگ جائیں تو تعلیم قرآن کا سلسلہ یکسر بند ہو جائے گا اس وجہ سے تعلیم قرآن اور اسی طرح اذان اور تعلیم حدیث و فقہ وغیرہ کی تعلیم پر تنخواہ لینا جائز ہے۔ (درمختار، شامی)

ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن پر اجرت لینا بالاتفاق جائز نہیں

قرآن کریم پڑھنا ایک عمدہ عبادت ہے اور پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخشا جا سکتا ہے مگر ختم قرآن یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا اجرت کے ساتھ حرام ہے کیونکہ اس پر کسی عام دینی ضرورت کا مدار نہیں اور اجرت لے کر پڑھنا حرام ہے تو اس طرح پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گناہ گار ہوتے ہیں اور جب پڑھنے والے کو کوئی ثواب نہ ملا تو میت کو وہ کیا پہنچائے گا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس بات پر فقہاء کی بہت سی تصریحات نقل کی ہیں اور خیر الدین رملی رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ایصال ثواب کے لئے قبر پر قرآن پڑھوانا یا اجرت دے کر ختم قرآن کرانا صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اور اسلاف امت رحمہم اللہ سے کہیں منقول نہیں اس لئے بدعت ہے۔ (شامی)

ایصال ثواب پر دلائل ① وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةِ اَشْیَاءَ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْلَهٗ۔

(رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۳۲ ج۱ کتاب العلم فصل الاول رقم الحدیث ۹)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ ① صدقہ جاریہ۔ ② علم جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ ③ صالح اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے۔

② وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ یَا رسول اللّٰهِ اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ (رواہ ابوداؤد والنسائی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۶۹ باب فضل الصدقۃ فصل الثانی رقم الحدیث ۲۲)

ترجمہ: اور حضرت سعد بن عبادہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ام سعد یعنی میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے ان کے ایصال ثواب کے لئے کونسا صدقہ بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی، چنانچہ حضرت سعد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر کنواں کھودوا، اور کہا کہ یہ ام سعد کے لئے صدقہ ہے۔

③ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم مَا الْمَیِّتُ فِی الْقَبْرِ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ فَاِذَا اَلْحَقَتْهُ کَانَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنَ

الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا وَاِنَّ اللہَ تَعَالٰی لَیُدْخِلُ عَلٰی اَھْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَھْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ ھَدِیَّةَ الْاَحْیَاءِ اِلَی الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَھُمْ

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان بحوالہ معارف الحدیث ص ۲۲۳ ج ۵ رقم الحدیث ۲۷۸ کتاب الاذکار والدعوات)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں مدفون مردے کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور مدد کے لئے چیخ پکار رہا ہو، وہ بیچارہ انتظار کرتا ہے کہ ماں یا باپ یا بھائی، یا کسی دوست آشنا کی طرف سے دعا کی رحمت و مغفرت کا تحفہ پہنچے، جب کسی طرف سے اس کو دعا کا تحفہ پہونچتا ہے تو وہ اس کو دنیا و مافیھا سے زیادہ عزیز و محبوب ہوتا ہے۔ اور دنیا میں رہنے بسنے والوں کی دعاؤں کی وجہ سے قبر کے مردوں کو اتنا عظیم ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی مثال پہاڑوں سے دی جاسکتی ہے۔ اور مردوں کے لئے زندوں کا خاص ہدیہ ان کے لئے دعائے مغفرت ہے۔

ان تینوں احادیث نبویہ سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد مذکورہ اعمال کے ذریعہ سے مرنے والے کو ثواب بخشا جاسکتا ہے اور دنیوی زندگی کے ختم ہونے سے ان اعمال کے ثواب کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور مرنے والا برابر نفع حاصل کرتا رہتا ہے۔ اس لئے اولاد اور دیگر دوست واحباب اور اقارب ومتعلقین مؤمنین کو ترغیب دی گئی ہے کہ مرنے والوں کے لئے ثواب کے اعمال کرتے رہیں تاکہ تمہارے یہ تحفے قبروں میں جنت تک مرحومین کو پہنچتے رہیں۔ اور کبھی حق تعالیٰ شانہ اپنے بعض بندوں کو اس کا مشاہدہ بھی کراتے رہتے ہیں۔ اس پر کئی واقعات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا نور اللہ مرقدہ نے فضائل اعمال، فضائل صدقات میں تحریر کیے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقائق پر یقین نصیب فرمائے اور ان سے کامل فائدہ اٹھانے کے لئے قبول فرمائے۔

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے آپ اپنے لئے اور عام مؤمنین اور مؤمنات کے لئے بخشش کی دعا کیا کریں۔ فرمایا "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ" اور یہی حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے لئے ہے۔

ایصالِ ثواب کے مسائل

❶ مل کر قرآن خوانی کو فقہاء نے مکروہ کہا ہے، اگر کی جائے تو سب آہستہ پڑھیں تاکہ آوازیں نہ ٹکرائیں۔ کذا فی القنیۃ۔
(بحوالہ ھندیہ ج ۵ ج ۳۱۷، کتاب الکراھیۃ)

❷ آدمی جو کچھ پڑھا ہو اس کا ثواب پہنچا سکتا ہے، خواہ نیا پڑھا ہو، یا پرانا پڑھا ہو۔
(شامی ج:۲ ص ۲۴۳، مطلب فی القراءۃ للمیت واھداء ثوابھا لہ)

❸ ایصالِ ثواب کے لئے پورا قرآن پڑھوانا ضروری نہیں۔ جتنا پڑھا جائے اس کا ثواب بخش دینا صحیح ہے۔ (شامی ج ۲ ص ۲۴۳)

❹ کسی دوسرے کو پڑھنے کے لئے کہنا صحیح ہے، بشرطیکہ اس کو گرانی نہ ہو، ورنہ درست نہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے شامی ص ۲۴۳ ج ۲ مطلب فی القراءۃ للمیت۔

❺ قبرستان میں قبر پر پہنچنے کے بعد میت کو سلام بھی کہنا چاہئے کم از کم یہ الفاظ ضرور کہہ دینے چاہئیں "السلام علیکم یا اھل القبور" (شامی ج ۲ ص ۲۴۳)

❻ قادیانی کے قرآن کریم پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے سے میت کو ثواب نہیں ملے گا، اس لئے کہ اس کے اعمال باطل ہیں مرتد ہونے کی وجہ سے۔ (دیکھیں شامی ص ۷۶ ج ۲)

⑦ جن کو ایصال ثواب کیا جارہا ہے اگر انکی قبر کا بھی علم نہیں تب بھی جائز ہے۔ (ردالمحتار، ج ۲، ص۔ ۲۴۳)
⑧ ایصال ثواب کی رقم مستحق کو خاموشی سے دے دی جائے، یا کسی دینی مدرسہ میں دے دی جائے۔ (عالمگیری ص ۱۷۱ ج۔۱)
⑨ برادری کو کھانا اکثر بطور رسم دنیا کو دکھانے کے لئے ہوتا ہے اس لئے ثواب نہیں ملتا (شامی ص ۲۴۰، ج ۲، طبع ایچ ایم سعید کراچی)
⑩ دفن سے پہلے ایصال ثواب جائز ہے۔ (شامی ص ۲۴۳ ج ۲)

وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ : امر پنجم تقویٰ : اور مجھ سے بچتے رہو، یعنی ایمان لا کر اور حق کی پیروی کر کے اور دنیا سے اعراض کرو۔ نکتہ: قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلی آیت میں فرمایا "وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ" اور اس آیت میں فرمایا "وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ" اس میں فرق یہ ہے کہ پہلی آیت میں مخاطب عالم و جاہل سب ہی ہیں اور اس کے عموم میں خوف خدا کا حکم دیا گیا ہے، اور دوسری آیت میں مخاطب علماء ہیں اس لئے ان کو راہ سلوک کی خاص الخاص چیز تقویٰ کا حکم دیا گیا۔

﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ ... الخ نہی سوم از تلبیس حق : اگر "تلبسوا" باب "سَمِعَ" سے ہو تو معنی پہننا، اور اگر "ضرب" سے ہو تو معنی گڈمڈ کرنا۔ (ابن کثیر، ص: ۱۳۲، ج: ۱؛ منیر، ص: ۱۴۹، ج۔ ۱)

مطلب یہ ہے کہ حق بات کو غلط باتوں کے ساتھ گڈمڈ کر کے اس طرح پیش کرنا کہ جس سے مخاطب مغالطہ میں پڑ جائے جائز نہیں، اسی طرح کسی خوف یا طمع کی وجہ سے حق بات کا چھپانا حرام ہے۔ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ ... الخ نہی چہارم از حق پوشی : حق کے مٹنے کے دو طریقے ہیں : پہلا طریقہ یہ ہے کہ حق اور باطل کو خلط ملط کر دیا جائے اس میں بدعت کی قباحت کو بیان کر دیا گیا ہے۔ دوسرا طریقہ حق کو مٹانے کا یہ ہے کہ حق پر پردہ ڈال دیا جائے۔

بدعت کی تعریف

حضرت مولانا کریم بخش صاحب (المتوفی ۱۳۶۵ھ) لکھتے ہیں اصطلاح شریعت میں بدعت ہر وہ فعل دین ہے جس کو قرون ثلاثہ کے اہل حق کی اکثریت نے قبول نہ کیا ہو یا ان پاک زمانوں میں اس کو خلاف دین کہا گیا ہو یا خود ان زمانوں کے بعد پیدا ہو جس میں عقیدۃً غیر ضروری کو ضروری سمجھا جائے یا ضروری کو غیر ضروری۔ (حقیقت الایمان، ص۔ ۳۸)

بدعت کی قباحت : بدعت اس وجہ سے قبیح ہے کہ بدعت سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے اور گناہ کرنے سے دین کا نقشہ نہیں بدلتا، مجمع الزوائد کی روایت ہے جس کے تمام راوی صحیح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند فرما دیا ہے چونکہ وہ اس بدعت کو دین سمجھ کر کرتا ہے تو اسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔

سنت اور بدعت کا باہم تقابل

جب کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز سنت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ بدعت نہیں اور جب کہا جائے کہ یہ چیز بدعت ہے تو اس کا معنی ہوا کہ یہ چیز خلاف سنت ہے۔ آنحضرت ﷺ کا طریقہ سنت ہے اور یہ ہمیں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوگا اور آنحضرت ﷺ نے خلفاء راشدین کے طریقہ کو بھی سنت فرمایا ہے۔ اور کسی چیز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے تین زمانے کے لوگوں کو "خیر القرون" فرمایا ہے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگردوں کے شاگرد (ان کو تابعین رحمہم اللہ اور تبع تابعین رحمہم اللہ کہا جاتا ہے) ان تین زمانوں میں بغیر روک ٹوک کے جس چیز پر

مسلمانوں کا عمل رہا ہو وہ سنت کے دائرہ میں آتا ہے۔ سنت کی اس تشریح و توضیح سے بدعت کی حقیقت خود بخود معلوم ہو جاتی ہے یعنی جو چیز آنحضرت ﷺ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں معمول و مروج نہ رہی ہو اس کو دین کی بات سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

یہاں ایک بات کا سمجھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جس مسئلہ میں آنحضرت ﷺ سے ایک سے زیادہ صورتیں منقول ہوں وہ سب سنت ہیں ان میں سے کسی ایک کو سنت کہنا اور دوسری کو بدعت کہنا جائز نہیں اور جس کام کا آنحضرت ﷺ کا اکثری معمول تھا مگر دوسرا کام آپ ﷺ نے کبھی ایک مرتبہ کیا ہو تو اس صورت میں سنت تو آپ کا اکثری معمول ہوگا مگر دوسرا کام بیان جواز کے لئے ہوگا۔ اور یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جو مسائل قرآن و حدیث سے اہل استنباط استخراج کرتے ہیں وہ بدعت میں داخل نہیں کیونکہ وہ قرآن و حدیث سے ثابت اور ظاہر کئے گئے ہیں۔

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تحقیق

بدعت حسنہ وہ دینی کام جس کا مانع آنحضرت ﷺ کے بعد زائل ہو گیا ہو، یا اس کا داعیہ محرک اور سبب بعد کو پیش آیا ہو اور کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے اس پر روشنی پڑتی ہو اور ان میں سے کسی دلیل سے اس کا ثبوت ملتا ہو تو وہ بدعت حسنہ اور بالفاظ دیگر لغوی بدعت ہوگی جو مذموم نہیں ہے۔

اور جس چیز کا محرک اور داعیہ اور سبب آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں موجود تھا مگر آپ نے وہ دینی کام نہیں کیا اور حضرات صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ نے بھی باوجود کمال عشق و محبت اور محرکات و اسباب کے نہیں کیا تو وہ کام بدعت قبیحہ اور بدعت شرعیہ کہلائے گا جو ہر حالت میں مذموم اور ضلالت و گمراہی ہوگا باقی غیر مجتہد کا اجتہاد خصوصاً اس زمانہ میں ہرگز کسی بدعت کو حسنہ نہیں قرار دے سکتا۔ چنانچہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس کی تصریح کی ہے "در نصاب الفقه می آرند هر آنچه بدعت حسنه مجتهدان قرار دادہ اند همان صحیح است و اگر کسے دریں زمانه چیزے بدعت حسنه قرار دهد خلاف است زیرا که در مصفیٰ میگوید که کل بدعة ضلالة فی زماننا" (انتہیٰ) (فتاویٰ جامع الروایات۔ والجنہ: ص۔ ۶۰)

یعنی نصاب الفقہ میں ہے کہ بدعت حسنہ وہ ہے جس کو حضرات مجتہدین نے بدعت حسنہ قرار دیا ہو اور اگر کوئی شخص اس زمانے میں کسی چیز کو بدعت حسنہ قرار دے گا وہ حق کے خلاف ہے کیونکہ مصفیٰ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس عبارت سے صراحت کے ساتھ یہ بات واضح ہو گئی کہ بدعت حسنہ صرف وہی ہوگی جس میں حضرات مجتہدین کا اجتہاد کارفرما ہوگا اور اجتہاد و قیاس صرف ان احکام اور مسائل میں ہی ہو سکتا ہے جو غیر منصوص ہوں اور ان کے دواعی اور اسباب آنحضرت ﷺ اور خیر القرون میں موجود نہ ہوں بلکہ بعد کو ظہور پذیر ہوئے ہوں اس نئی تہذیب کے زمانہ میں جو شخص بدعت کو حسنہ قرار دیتا ہے اس کا قول سراسر باطل اور مردود ہے اور ایسی چیز کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں — نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

اور یہی وہ بدعت ہے جس کے متعلق حضرت مجدد الف ثانیؒ (وغیرہ) فرماتے ہیں کہ: "چیزے که مردود باشد حسن از کجا پیدا کند"۔ (مکتوبات حصہ سوم: ص۔ ۷۲) یعنی جو چیز مردود ہے وہ حسن اور خوبی کہاں سے پیدا کرے گی۔

(راہ سنت: ص ۱۰۰، ۱۰۱)

امور تعبدی پر کسی فعل کو قیاس کر کے از خود کرنا بدعت ہے

لا یقاس علی الامور التعبدی

وضاحت :اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت میں بعض امور ایسے ہیں جو عبادات میں داخل ہیں۔ عبادات کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے۔ جو امور قرآن وسنت میں بطور عبادت کے آئے ہیں ان پر قیاس کر کے کوئی دوسرا فعل شروع کرنا بدعت اور ناجائز ہے۔ مثلاً شریعت میں نماز میں ایک رکعت میں دو سجدے ہیں اب کوئی کیسی ہی اچھی نیت سے ایک سجدہ کا اضافہ کر کے ادا کرنا شروع کردے تو اس کا یہ عمل بدعت ہوگا۔

حوالہ جات :امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں فانها محمولة على التعبد على حسب ما تلقى عن النبي ﷺ والسلف الصالح كالصلوات حين وضعت بعيدة عن مدارك العقول في اركانها وترتيبها وازمانها وكيفياتها ومقاديرها وسائر ماكان مثلها حسبما يذكر في باب المصالح المرسلة من هذا الكتاب ان شاء الله تعالى.

بے شک اس کو (امور) تعبدی پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ نبی ﷺ اور سلف صالحین نے پہنچایا جس طرح کہ نمازیں کہ ان کو مقرر کیا گیا ہے کہ عقول ان نمازوں کے ارکان، اور ترتیب اور زمانہ اور کیفیات اور مقدار کو پانے سے قاصر ہیں اور تمام وہ امور جو اس کی مثل ہیں جیسا کہ اس کتاب میں ان شاء اللہ مصالح مرسلہ کے باب میں ذکر کیا جائے گا۔

فلا يدخل العبادات الراى والاستحسان هكذا مطلقا لانه كالمنافى لوضعها ولان العقول لا تدرك معانيها على التفصيل :۔ پس رای اور استحسان کو عبادات میں داخل نہیں کیا جائے گا مطلق طور پر کیونکہ یہ عبادت کے مقرر کرنے کے خلاف ہے۔ اور اس لیے بھی کہ عقول ان عبادات کے معانی کی تفصیل کو نہیں پا سکتی۔ (شاطبی، ابو اسحاق بن موسیٰ الاعتصام ج۱: ص۱۹۱: دار الکتاب الغزنی طبع ۱۹۹۸ء)

یعنی جس طرح نمازوں کے اوقات، ان میں رکعتوں کی تعداد، ان کے اوقات وغیرہ یہ سب امور تعبدی ہیں، قیاس کو اس میں دخل نہیں، بایں معنیٰ کہ ان کو شارع نے براہ راست وضع کیا ہے کسی اور شے کو ان امور تعبدی پر قیاس کر کے بطور عبادت شروع نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح محدث ابوشامہ لکھتے ہیں: لا يجوز القياس في شريعة الصلوات :نمازوں کی مشروعیت میں قیاس درست نہیں (ابوشامہ، المقدسی، عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن ابراہیم۔ الباعث علی انکار البدع والحوادث ص ۲۴۲ :۔ دار مجد الاسلام۔ ساہرہ۔ یعنی نماز کی ہیئت کی مشروعیت، اس کے ارکان، کہاں رکوع کرنا اور کہاں سجدہ کرنا ہے، یہ سب امور شارع کی طرف سے بیان کیے گئے ہیں۔ چند مثالیں :

(۱) احادیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کا عمل مبارک سوموار کے دن روزہ رکھنے کا ملتا ہے، اہل بدعت اس پر قیاس کر کے مروجہ جشن میلاد کے قائل ہیں۔ روزہ رکھنا ایک امر تعبدی، امور تعبدی کا ثبوت ادلہ صحیحہ ہی سے ہو سکتا ہے، اس پر قیاس کر کے مروجہ جشن میلاد منانا بدعت بنے گا۔ (۲) قرآن مجید کی تلاوت امر تعبدی ہے، اس پر قیاس کر کے چالیسویں وغیرہ کے لیے جمع ہونا بدعت بنے گا۔ مزید چند امثلہ ملاحظہ فرمائیں۔ اول :شریعت نے ایک چیز ایک موقع پر تجویز کی ہے، جب ہم محض اپنی رائے اور خواہش سے اس کو دوسرے موقع پر تجویز کریں گے تو وہ بدعت بن جائے گی۔ مثلاً درود شریف نماز کے آخری التحیات میں پڑھا

جاتا ہے، اگر ہم اجتہاد لڑائیں کہ درود شریف کوئی بری چیز تو نہیں اگر اس کو پہلی ''التحیات'' میں پڑھ لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ تو ہمارا یہ اجتہاد غلط ہوگا، اور پہلی التحیات میں درود شریف پڑھنا بدعت کہلائے گا۔ فقہاء امت نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے پہلی التحیات میں درود شریف شروع کرلے تو اگر صرف ''اللھم صل علی'' تک پڑھا تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، کیونکہ یہ فقرہ مکمل نہیں ہوا، لیکن اگر ''علی محمد'' تک پڑھ لیا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا، اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز دوبارہ لوٹانی ہوگی۔

یا مثلاً کوئی شخص یہ اجتہاد کرے کہ ''الصلوٰۃ و السلام علیك یا رسول الله'' روضۂ اقدس پر پڑھا جاتا ہے اگر کوئی اپنے وطن میں بیٹھا یہی پڑھتا رہے تو کیا حرج ہے؟ اس کا یہ اجتہاد بھی ''بدعت'' کہلائے گا۔ اس لیے کہ فقہاء امت نے ان الفاظ کے ساتھ سلام بھیجنے کا ایک خاص موقع مقرر کر دیا ہے، اگر اس موقع کے علاوہ بھی یہ صحیح ہوتا تو شریعت اس کی اجازت دیتی اور سلف صالحین اس پر عمل کرتے۔

اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت سالم بن عبید صحابیؓ کی مجلس میں ایک صاحب کو چھینک آئی تو اس نے کہا ''السلام علیکم'' آپ نے فرمایا ''تجھ پر بھی اور تیری ماں پر بھی'' وہ صاحب اس سے ذرا بگڑے تو آپ نے فرمایا: میں تو وہی بات کہی ہے جو ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کسی کو چھینک آئی اور وہ ''السلام علیکم'' کہتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ''تجھ پر بھی اور تیری ماں پر بھی'' اور پھر ارشاد فرماتے کہ جب کسی کو چھینک آئے تو اسے ''الحمد لله'' کہنا چاہیے، سننے والوں کو ''یرحمك الله'' کہنا چاہیے اور اسے جواب میں پھر ''یغفر الله لی ولکم'' کہنا چاہیے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۰۶)

مطلب یہ کہ ''السلام علیکم'' کا جو موقع شریعت نے تجویز کیا ہے اس سے ہٹ کر دوسرے موقع پر سلام کہنا ''بدعت'' ہے۔

اسی کی ایک مثال قبر پر اذان کہنا ہے، سب جانتے ہیں کہ شریعت نے نماز پنج گانہ اور جمعہ کے سوا عیدین، کسوف و خسوف، استسقاء اور جنازہ کی نمازوں کے لیے بھی اذان و اقامت تجویز نہیں کی۔ اب اگر کوئی شخص اجتہاد کرے کہ جیسے پانچ نمازوں کے اعلان و اطلاع کے لیے اذان کی ضرورت ہے وہی ضرورت یہاں بھی موجود ہے۔ لہٰذا ان نمازوں میں اذان کہنی چاہیے تو اس کا یہ اجتہاد صریح غلط ہوگا۔ اس لیے کہ جو مصلحت اس کی عقل شریف میں آئی ہے اگر وہ لائق اعتبار ہوتی تو شریعت ان موقعوں پر بھی ضرور اذان کا حکم دیتی۔

یا مثلاً کوئی شخص یہ اجتہاد کرے کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اذان سنتے ہی شیطان بھاگ جاتا ہے۔ چونکہ مردے کے پاس سے شیطان کو بھگانا ضروری ہے، اس لیے دفن کے بعد قبر پر بھی اذان کہی جائے۔ تو یہ اجتہاد بھی بالکل الکل پچّو سمجھا جائے گا، کیونکہ اول تو شیطان کا اغوا مرنے سے پہلے تک تھا جو مر گیا شیطان کو اس سے کیا کام؟ دوسرے اگر مصلحت صحیح ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی سمجھ میں بھی آ سکتی تھی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ سے قبر پر اذان کہنا ثابت نہیں، اسی بناء پر فقہاء اہل سنت نے اس کو ''بدعت'' کہا ہے۔ علامہ شامیؒ ''باب الاذان'' میں لکھتے ہیں کہ ''خیر رملی نے بحر الرائق کے حاشیے میں لکھا ہے کہ بعض شافعیہ نے اذان مولود پر قیاس کر کے دفن میت کے وقت اذان کہنے کو مندوب کہا ہے، مگر ابن حجر نے شرح عباب میں اس قیاس کو رد کیا۔'' ردالمحتار ص۳۸۵ ج۱ طبع جدید)

اور دفن میت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ ''مصنف نے دفن میت کا صرف مسنون طریقہ ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے، اس

میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے موقع پر اذان کہنا مسنون نہیں، جس کی آج کل عادت ہو گئی ہے اور ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ "بدعت" ہے۔" (ص ۲۳۵ ج ۲)

اس کی ایک مثال نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج ہے۔ شریعت نے باہر سے آنے والے کے لیے سلام اور مصافحہ مسنون ٹھہرایا ہے مگر مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگ اچانک ایک دوسرے سے مصافحہ و معانقہ کرنے لگیں سلف صالحین میں اس لغو حرکت کا رواج نہیں تھا، بعد میں نہ جانے کس مصلحت کی بنا پر بعض لوگوں میں فجر، عصر، عیدین اور دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج چل نکلا، جس پر علمائے اہل سنت کو اس کے "بدعت" ہونے کا فتویٰ دینا پڑا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح مشکوٰۃ باب المصافحہ میں لکھتے ہیں:

"آنکہ بعضے مردم مصافحہ بعد از نماز ے کنند یا بعد از نماز جمعہ کنند۔ چیزے نیست، بدعت است از جہت تخصیص وقت۔"

ترجمہ: "یہ جو لوگ عام نمازوں کے بعد یا نماز جمعہ کے بعد مصافحہ کرتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں، بدعت ہے۔" (اشعۃ اللمعات ص ۲۲ ص ۴)۔

علامہ علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: ولهذا صرح بعض علمائنا بانها مكروهة، وحينئذ انها من البدع المذمومة۔" (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۰۱)۔

ترجمہ: "اسی بناء پر ہمارے بعض علماء نے صراحت کی کہ یہ مکروہ ہے اس صورت میں یہ مذموم بدعتوں میں سے ہے۔"

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

"وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقيب الصلوٰة مع ان المصافحة سنة وماذاك الا لكونها لم توثر فى خصوص هذا الموضع۔" (ردالمحتار ص ۲۳۵ ج ۲)

ترجمہ: "اور ہمارے بعض علماء (احناف) اور دیگر حضرات نے صراحت کی ہے کہ نمازوں کے بعد جو مصافحہ کرنے کی عادت ہو گئی ہے یہ مکروہ ہے باوجودیکہ اصل مصافحہ سنت ہے اس کے مکروہ و بدعت ہونے کی وجہ اس کے سوا کیا ہے کہ اس خاص موقع پر مصافحہ سلف صالحین سے منقول نہیں۔"

یہ میں نے اس قاعدے کی چند مثالیں ذکر کی ہیں ورنہ اس کی بیسیوں مثالیں میرے سامنے موجود ہیں، خلاصہ یہ کہ شریعت نے جس چیز کا جو موقع تجویز کیا ہے اس کے بجائے دوسری جگہ اس کام کو کرنا "بدعت" ہوگا۔" (اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۰۵ تا ۱۰۸) واللہ اعلم

یہود کی روحانی بیماریاں

﴿۴۳﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ... الخ امر ششم طریق اصلاح نفس علاج حب جاہ۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ : امر ہفتم علاج حب مال: یہودیوں کی عوام میں عموماً اور علماء میں خصوصاً دو روحانی بیماریاں پائی جاتی تھیں پہلی چیز حب جاہ، یعنی عزت و مرتبہ کی محبت اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے "وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" کے ذریعہ سے فرمایا کیونکہ جب نماز میں چھوٹے بڑے امیر و فقیر مل کر ایک صف میں کھڑے ہو کر امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے تو بات اس کو سمجھ آئے گی کہ عزت و مرتبہ والی ذات اللہ کی ہے میں تو ایک عاجز اور کمزور ہوں نماز کی جماعت کے فضائل اور احکام آگے آرہے ہیں۔ دوسری چیز

حب مال ہے یعنی مال و دولت کی محبت یہ دل کی بہت خطرناک بیماری ہے اس کا علاج "وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" سے فرمایا کیونکہ جب یہ شخص زکوٰۃ کے ذریعہ مال خرچ کرتا رہے گا تو مال دولت کی محبت ختم ہو جائے گی۔ انشاء اللہ زکوٰۃ کے مسائل کی تفصیل سورۃ توبہ میں آئے گی۔

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ :امر ہشتم خشوع و خضوع :اوران میں حسد کی بیماری بھی پیدا ہوگئی تھی بار بار یہی خیال ہوتا تھا کہ اگر ہم نے آنحضرت ﷺ کی اتباع اختیار کرلی تو اس پر دوام اختیار کرنا پڑے گا اور آپ کی غلامی کرنی پڑے گی اور چونکہ مال وجاہ کی محبت خوب رچ چکی تھی اور آپ کی فتوحات کو اپنی تنزلی کا سبب سمجھ کر حسد کے مارے جلتے رہتے تھے۔ تو خشوع وخضوع کا حکم دیا چونکہ یہ عمل باطنی ہے اور تواضع باطنی میں اہل تواضع کی معیت کو بڑا دخل اور تاثیر عظیم ہے اس لئے "مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" کا بڑھانا نہایت برموقع ہے اس تواضع باطنی سے حسد وغیرہ میں کمی آئے گی یہی مرض ان میں زیادہ تھا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہودیوں کی نماز میں سجدہ تو تھا مگر رکوع نہیں تھا۔ اس لئے رکوع کا حکم دیا اور "راکعین" کے لفظ سے امت محمدیہ کے نمازی مراد ہیں جن کی نماز میں رکوع بھی ہے تو اب اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم بھی امت محمدیہ کے نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرو یعنی پہلے ایمان قبول کرو پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو۔ (ابن کثیر: ص ۱۳۳، ج۔۱)

فائدہ :اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے امام کی اقتداء میں رکوع پالیا فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز ہوگی۔

نماز کی جماعت کے فضائل واحکام

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ (رواہ البخاری: ج:۱: ص۔۷۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :جماعت کی نماز اکیلے نماز سے ستائیس گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ جماعت کم سے کم دو آدمیوں کے مل کر نماز پڑھنے کو کہتے ہیں اس طرح کہ ان میں ایک شخص تابع ہو اور دوسرا متبوع۔ متبوع کو "امام" اور تابع کو "مقتدی" کہتے ہیں۔

● جماعت سے نماز پڑھنا مردوں کے لیے اکثر کے نزدیک واجب ہے اور بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے لیکن ایسی سنت مؤکدہ جس کی تاکید واجب کے قریب ہے۔ ● امام کے سوا ایک آدمی کے نماز میں شریک ہو جانے سے جماعت ہو جاتی ہے خواہ وہ آدمی مرد ہو یا عورت، غلام ہو یا آزاد، بالغ ہو یا سمجھدار نابالغ بچہ۔ البتہ جمعہ وعیدین میں امام کے علاوہ کم سے کم تین آدمیوں کے بغیر جماعت نہیں ہوتی۔

ضروری تنبیہ :یاد رہے کہ جس طرح جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے اسی طرح مسجد کی حاضری بھی واجب ہے۔ لہٰذا جو لوگ صرف جماعت کو واجب سمجھتے ہوئے گھروں یا دفتروں یا نماز کے لیے مخصوص جگہوں میں جماعت کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور مسجدِ شرعی میں جماعت کے لیے حاضر نہیں ہوتے وہ ایک واجب کے ترک کی وجہ سے گناہ گار ہوتے ہیں۔ اگرچہ نماز کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔

نماز کی جماعت کن لوگوں پر واجب ہے اور دیگر احکام

عاقل بالغ آزاد مردوں پر جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے جن کو کوئی عذر نہ ہو اور وہ کسی حرج اور مشقت کے بغیر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے پر قادر ہوں۔

ترک جماعت کے عذر: ذیل میں وہ عذر ذکر کیے جاتے ہیں جن کی وجہ سے جماعت چھوڑنا جائز ہو جاتا ہے۔ تاہم اگر کوئی

عذر کی حالت میں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو بہت بڑی فضیلت کی بات ہے:(۱) مسجد کے راستے میں سخت کیچڑ ہو کہ چلنا سخت دشوار ہو۔(۲) بارش بہت زور سے برستی ہو۔

تنبیہ جب تک بارش اور کیچڑ کے باوجود مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہو تو جماعت سے نماز پڑھنے کی ہمت کرنی چاہیے۔

(۳) سخت سردی ہو کہ باہر نکلنے یا مسجد تک جانے میں کسی بیماری کے پیدا ہو جانے کا یا بڑھ جانے کا خوف ہو۔

(۴) مسجد جانے میں مال واسباب کے چوری ہو جانے کا خوف ہو۔(۵) مسجد جانے میں کسی دشمن کے مل جانے کا خوف ہو۔

(۶) مسجد جانے میں کسی قرض خواہ کے مل جانے کا خوف ہو اور اس سے تکلیف پہنچنے کا خوف ہو بشرطیکہ اس کا قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔(۷) اندھیری رات ہو کہ راستہ دکھائی نہ دیتا ہو لیکن اگر روشنی کا سامان خدا نے دیا ہو تو جماعت نہ چھوڑنی چاہیے۔

(۸) رات کا وقت ہو اور بہت سخت آندھی چل رہی ہو۔(۹) کسی مریض کی تیمارداری کرتا ہو کہ اس کے جماعت میں چلے جانے سے اس مریض کی تکلیف یا وحشت کا خوف ہو۔(۱۰) کھانا تیار ہو یا تیاری کے قریب ہو اور بھوک ایسی لگی ہو کہ نماز میں جی نہ لگنے کا خوف ہو۔(۱۱) پیشاب یا پاخانہ زور کا معلوم ہوتا ہو۔(۱۲) کوئی ایسی بیماری ہو کہ جس کی وجہ سے چل پھر نہ سکے یا نابینا ہو یا پیر کٹا ہو لیکن جو نابینا بے تکلف مسجد تک پہنچ سکے تو جماعت ترک نہ کرنی چاہیے۔(۱۳) سفر کا ارادہ رکھتا ہو اور خوف ہو کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں دیر ہو جائے گی قافلہ نکل جائے گا۔ یا ریل چل دے گی اور دوسری ریل پکڑنا یا تو ممکن نہیں یا اس میں سخت حرج ہے۔

تنبیہ: خود سفر ترک جماعت کے لیے عذر نہیں بلکہ جو سفر میں ہوں وہ خود جماعت کا اہتمام کریں۔

امامت کے صحیح ہونے کی شرطیں:(۱) مسلمان ہو۔(۲) بالغ ہونا، بالغ کی امامت جب کہ اس کے پیچھے بالغ مقتدی ہوں صحیح نہیں البتہ جو لڑکا ابھی بالغ نہ ہوا ہو اور اس کی عمر پندرہ سال ہو چکی ہو وہ تراویح کی جماعت کرا سکتا ہے۔

لیکن اگر اتنی عمر کے لڑکے کی امامت کی وجہ سے کسی بھی فتنہ کا اندیشہ ہو تو بچنا بہتر ہے۔

(۳) عاقل ہو۔ مست یا بے ہوش یا دیوانے کی امامت صحیح نہیں۔(۴) مرد ہو۔ اگر عورت امام ہو اور اس کے پیچھے مرد مقتدی ہوں تو ان کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ اور اگر عورت کے پیچھے مقتدی صرف عورتیں ہوں تو یہ جماعت مکروہ تحریمی ہے۔

(۵) اتنی قرأت کرنے پر قادر ہو جو نماز کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے۔ لہٰذا ایسے اُمّی اور ان پڑھ کا ایسے شخص کی امامت کرنا جو قرآن کریم پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا ہو صحیح نہیں ہے۔(۶) نماز کی شرطوں میں سے کوئی شرط اس سے نہ چھوٹ رہی ہو جیسے "طہارت" "ستر عورت (ستر چھپانا) وغیرہ۔(۷) کسی قسم کا عذر لاحق نہ ہو، جیسے دائمی نکسیر، مسلسل پیشاب کے قطرات آنا۔ اور مسلسل ہوا خارج ہوتے رہنا۔(۸) قرآن کریم کے حروف صحیح مخارج سے ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ لہٰذا ایسے شخص کو جو تلاوت کے دوران "ر" کو "غ" یا "لام" پڑھتا ہو۔ اور "س" کو "ث" اور "ف" کو "پ" وغیرہ ایسے شخص کا امام بنانا جو حرف صحیح نہیں پڑھ سکتا ہو صحیح نہیں ہے۔

امام اور مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی ترتیب: ● اگر ایک ہی مقتدی ہو اور وہ مرد ہو یا نابالغ لڑکا تو اس کو امام کے داہنی جانب امام کے برابر کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑا ہونا چاہیے اگر بائیں جانب یا امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔ ● اگر ایک سے زیادہ مقتدی ہوں تو امام کے پیچھے ان کو صف باندھ کر کھڑا ہونا چاہیے اگر امام کے دائیں بائیں کھڑے ہوں اور دو ہوں تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو مکروہ تحریمی ہے اس لیے کہ جب دو سے زیادہ مقتدی ہوں تو امام کا آگے کھڑا ہونا واجب ہے۔

● اگر نماز کے شروع کرتے وقت ایک ہی مقتدی تھا اور وہ امام کے دائیں جانب کھڑا تھا اور اس کے بعد اور مقتدی آ گئے تو پہلے مقتدی کو چاہیے کہ پیچھے ہٹ جائے تا کہ سب مقتدی مل کر امام کے پیچھے کھڑے ہوں اگر وہ نہ ہٹے تو ان مقتدیوں کو چاہیے کہ اس

کو کھینچ لیں اور اگر لاعلمی سے وہ مقتدی امام کے دونوں جانب کھڑے ہوجائیں اور پہلے مقتدی کو پیچھے نہ ہٹائیں تو امام کو چاہیے کہ وہ آگے بڑھ جائے تا کہ وہ مقتدی سب مل جائیں اور امام کے پیچھے ہوجائیں اسی طرح اگر پیچھے ہٹنے کی جگہ نہ ہو تب بھی امام ہی کو چاہیے کہ وہ آگے بڑھ جائے لیکن اگر مقتدی مسائل سے ناواقف ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ میں غالب ہے تو اس کو ہٹانا مناسب نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ جس سے نماز ہی فارت ہوجائے۔ ● اگر مقتدی عورت یا نابالغ لڑکی ہو تو اس کو چاہیے کہ امام کے پیچھے کھڑی ہو خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ۔ ● اگر مقتدیوں میں مختلف قسم کے لوگ ہوں کچھ مرد عورتیں کچھ نابالغ تو امام کو چاہیے کہ اس ترتیب سے ان کی صفیں قائم کرے پہلے مردوں کی صفیں پھر نابالغ لڑکوں کی پھر بالغ عورتوں کی پھر نابالغ لڑکیوں کی۔

ضروری وضاحت: عورتوں کی صفوں کا مردوں سے مؤخر کرنا واجب ہے۔ مگر بچوں کی صفوں کا مردوں کے پیچھے کرنا مستحب ہے۔ لہٰذا بعد میں آنے والے لوگوں کا پہلے سے نماز میں مشغول بچوں کو پیچھے کرنا ضروری نہیں۔

اگر بچوں کے ایک ہی صف میں کھڑا کرنے میں ان کے شور وشغب یا شرارتوں کا اندیشہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ بچوں کو متفرق طور پر بڑوں کی صفوں میں کھڑا کیا جائے۔ ● امام کو چاہیے کہ صفیں سیدھی کرے یعنی صف میں آگے پیچھے ہونے سے منع کرے سب کو برابر کھڑا ہونے کا حکم دے، صف میں ایک کو دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا چاہیے، درمیان میں خالی جگہ نہ رہنی چاہیے۔

● نماز تنہا ایک شخص کا صف کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے بلکہ ایسی حالت میں چاہئے کہ اگلی صف سے کسی آدمی کو کھینچ کر اپنے ہمراہ کرلے لیکن کھینچنے میں اگر احتمال ہو کہ وہ اپنی نماز خراب کرلے گا یا برا مانے گا تو جانے دے۔ ● پہلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے ہاں جب صف پوری ہوجائے تب دوسری صف میں کھڑا ہونا چاہیے۔

امامت کا حقدار کون ہے؟ (۱) سب سے پہلے بادشاہ یا اس کا نائب امامت کے زیادہ حقدار ہیں (بشرطیکہ امامت کی باقی شرائط بھی اس میں پائی جاتی ہوں)۔ (۲) پھر کسی بھی مسجد کا مقرر کردہ امام اپنی مسجد میں امامت کروانے کا زیادہ حقدار ہے۔

(۳) جب گھر میں جماعت ہو رہی ہو تو اس گھر والا امامت کا زیادہ حقدار ہے (بشرطیکہ امامت کی باقی شرائط بھی اس میں پائی جائیں)۔

(۴) اگر حاضرین میں بادشاہ، یا اس کا نائب، یا اس کا مقرر کردہ امام یا صاحب خانہ نہ ہوں تو امامت کا سب سے زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو نماز کے مسائل واحکام کو سب سے زیادہ جانتا ہو۔ (۵) اگر نماز کے مسائل کا علم رکھنے میں سب برابر ہوں تو اس کے بعد جو نماز کے احکام کو جاننے کے ساتھ ساتھ قرآن کا سب سے بڑا قاری ہو۔ (۶) اگر قرآن کے قاری ہونے میں سب برابر ہوں تو اس کے بعد جس کے اندر تقویٰ اور پرہیزگاری زیادہ ہو۔ (۷) اگر تقویٰ اور پرہیزگاری میں سب برابر ہوں تو جس کو قوم منتخب کرلے وہی امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ (۸) اگر عمر میں سارے کے سارے برابر ہوں تو جس کو قوم منتخب کرلے وہی امامت کا زیادہ حق دار ہے یا امامت کے لیے قرعہ اندازی کرنا جائز ہے۔ (۹) اگر اس کے انتخاب میں قوم کا اختلاف ہوجائے تو جس کے بارے میں قوم کے زیادہ افراد کی رائے ہو وہی نماز پڑھائے اور اگر انہوں نے غیر مستحق کو آگے کیا تو اچھا نہیں کیا تاہم نماز بہر صورت ادا ہوجائے گی۔

ان افراد کا بیان جن کی امامت اور جماعت مکروہ تحریمی ہے: (۱) فاسق کی امامت مکروہ ہے۔ فاسق سے مراد وہ شخص جو کھلم کھلا گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے جیسے کہ داڑھی منڈواتا ہے، یا سود کھاتا ہے یا جوا کھیلتا ہے۔

ملاحظہ: محلہ کی مسجد میں اگر بدعتی امام ہو تو یہ جماعت ترک کرنے کا معقول عذر ہے اس صورت میں اگر اہل حق کی کوئی دوسری مسجد قریب ہو یا زیادہ دور نہ ہو اور معمولی مشقت اٹھا کر وہاں جا کر نماز پڑھ سکتا ہو تو وہاں جا کر نماز پڑھے اور اگر وہ دوسری مسجد زیادہ دور ہو اور ہر نماز میں اس مسجد میں جانے سے زیادہ مشقت اور حرج ہو تو اپنے گھر پر جماعت سے نماز پڑھ لے اس صورت میں اگر یہ

نیت ہو کہ اگر عذر نہ ہوتا تو مسجد میں جا کر نماز پڑھتا تو مسجد کا ثواب بھی ملے گا۔

گمراہ فرقوں کی اقتداء میں نماز جائز نہیں:

عوام الناس اہل بدعت کا نام خفیف سمجھتی ہے۔ اہل بدعت کی اقتداء میں نماز ادا کر لیتے ہیں آپس میں علماء کا اختلاف سمجھ کر خدارا آج کے اہل بدعت بریلوی قرآن کریم کی نصوص قطعیہ سے پکے مشرک ہیں۔ لہٰذا اپنی نمازوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۲) غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے چونکہ وہ گمراہ ہیں اور اصحاب رسول ﷺ کے بارے میں ان کا عقیدہ اور اہل تشیع کا ایک ہے۔ تحقیق کر لیں۔ ہم ان شاء اللہ غیر مقلدین کے عقائد ونظریات پر بھی آگے بحث کریں گے۔ آپ خود فیصلہ کریں گے کہ یہ فرقہ گمراہ ہے اور اس کی اقتداء میں کسی حال میں بھی نماز جائز نہیں۔ رضاخانی مماتی پنج پیری، جماعت المسلمین، حزب اللہ، منکرین حیات عیسیٰ علیہ السلام، جماعت اسلامی وغیرہ ان سب کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے۔

(۳) اندھے کی امامت مکروہ ہے ہاں اگر وہ مقتدیوں میں سب سے افضل ہو تو اس صورت میں اس کی امامت مکروہ نہ ہوگی۔

(۴) عالم کے ہوتے ہوئے جاہل کی امامت مکروہ ہے چاہے وہ جاہل شہری ہو یا دیہاتی۔ (۵) اس شخص کی امامت مکروہ ہے جسے لوگ کسی عیب کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوں۔ (۶) مسنون مقدار سے نماز کو زیادہ لمبا کرنا مکروہ ہے۔ (۷) صرف عورتوں کی جماعت مکروہ ہے (یعنی جماعت میں صرف عورتیں ہی شریک ہوں مرد بالکل نہ ہوں) اگر وہ کراہت کے باوجود جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیں تو ان کی امامت کرنے والی ان کے درمیان میں کھڑی ہو۔ اس زمانہ میں فتنے کے اندیشے کی وجہ سے عورتوں کا مسجد کی جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

اقتداء کے صحیح ہونے کی شرط: درج ذیل شرائط کے ساتھ مقتدی کا امام کے پیچھے اقتداء کرنا درست ہے۔

(۱) مقتدی تکبیر تحریمہ کے وقت امام کی اتباع کی نیت کرے۔ (۲) امام کا مقتدی سے کم سے کم اس قدر آگے ہونا کہ امام کی ایڑھیاں مقتدی سے آگے ہوں۔ (۳) امام کی حالت کا مقتدی سے کم نہ ہونا، سو اگر امام نفل نماز پڑھ رہا ہو اور مقتدی فرض نماز، تو اقتداء صحیح نہیں لیکن اگر امام فرض نماز پڑھ رہا ہو اور مقتدی نفل نماز تو اقتداء صحیح ہوگی۔ (۴) امام اور مقتدی دونوں کا ایک ہی وقت میں نماز پڑھنا، لہٰذا امام اگر ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے اور مقتدی اس کے پیچھے عصر کی نماز یا امام عصر کی پڑھ رہا ہے اور مقتدی ظہر کی تو اقتداء صحیح نہیں ہوگی۔ (۵) امام اور مقتدی کے درمیان عورتوں کی صف نہ ہو۔ (۶) امام اور مقتدی کے درمیان اس قدر بڑی نہر کا فاصلہ نہ ہو جس میں کوئی چھوٹی کشتی چل سکتی ہو۔ (۷) امام اور مقتدی کے درمیان اس قدر کشادہ راستہ نہ ہو جس میں سے گاڑی یا بیل گاڑی گزر سکے۔ (۸) امام اور مقتدی کے درمیان ایسی چیز نہ ہو جس کی وجہ سے مقتدی کو امام کے ایک رکن سے دوسرے رکن میں جانے کی خبر ہو تو اقتداء صحیح ہے۔ (۹) وضو سے پڑھنے والے مقتدی کی نماز تیمم سے پڑھنے والے امام کے پیچھے صحیح ہے، پاؤں کو دھونے والے مقتدی کی اقتداء موزوں پر مسح کرنے والے امام کے پیچھے صحیح ہے۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے مقتدی کی نماز بیٹھ کر پڑھنے والے امام کے پیچھے جائز ہے۔ اشارہ سے پڑھنے والے کی نماز اشارہ سے پڑھنے والے امام کے پیچھے جائز ہے۔

ملاحظہ: اگر کسی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ اس صورت میں امام پر لازم ہے کہ وہ دوبارہ نماز لوٹائے اور یہ اعلان کرے کہ میری نماز فاسد ہوگئی تا کہ مقتدی بھی اپنی نماز دوبارہ لوٹائیں۔

جماعت کی نماز میں شامل ہونے کا بیان

جماعت کی نماز میں شامل ہونے کے لیے عموماً نمازی کو تین قسم کے احوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

(۱) یہ نماز شروع کر چکا ہے اور جماعت کھڑی ہو جائے۔ (۲) مسجد میں پہنچے اور پہلے سے جماعت شروع ہو چکی ہے۔
(۳) جماعت کی نماز کھڑی ہو چکی ہے اور یہ شخص مسجد سے نکلنا چاہتا ہے۔
پہلی حالت کا حکم: اگر یہ حالت ہو کہ کوئی شخص تنہا نماز شروع کر چکا ہے اور جماعت کھڑی ہو جائے تو پھر اس کی مختلف صورتیں ہیں: (الف) یہ تنہا اپنے فرض پڑھ رہا ہے کہ جماعت کھڑی ہو جائے۔ (ب) یہ سنتیں پڑھ رہا ہو کہ جماعت کھڑی ہو جائے۔
(یہ یاد رہے کہ دوسری صورت میں فجر اور ظہر کا وقت مراد ہے کیونکہ یہی وہ دو نمازیں ہیں جن میں سے پہلے سنت مؤکدہ ہے)
اگر پہلی صورت ہو کہ فرض پڑھ رہا ہے اور جماعت کھڑی ہو جائے تو دیکھیں گے کہ وہ فرض رباعی (یعنی چار رکعت والی فرض نماز (جیسے ظہر، عصر اور عشاء) ہے یا رباعی نہیں ہے جیسے فجر اور مغرب کی نماز۔
اگر وہ فرض نماز رباعی ہے تو اس کی مختلف حالتیں ہیں۔ جن کے احکام بھی مختلف ہیں: (الف) اگر اس نے نماز شروع ہی کی تھی کہ ابھی تک پہلی رکعت کا سجدہ نہ ہوا ہو تو نماز کو مزید بہتری کی خاطر توڑا جا سکتا ہے۔ (ب) اور اگر اس نے رباعی نماز میں پہلی رکعت سجدے کے ساتھ مکمل کر لی تو اب جماعت کھڑی ہونے کی صورت میں نماز نہ توڑے۔ بلکہ اس ایک رکعت کے ساتھ مزید ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے یہ دو رکعتیں اس کے لیے نفل ہو جائیں گی۔ اور یہ شخص فرضوں کی نیت سے جماعت میں شریک ہو جائے۔
(ج) اگر یہ دو رکعتیں پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو چکا تھا کہ جماعت کھڑی ہو گئی تو اگر اس نے تیسری رکعت کا سجدہ نہیں کیا تھا تو یہ شخص کھڑے کھڑے سلام پھیر کر نماز توڑ دے اور جماعت میں فرض کی نیت سے شامل ہو جائے اور دو رکعتیں جو تنہا پڑھ چکا ہے نفل ہو جائیں گی۔ (د) اور اگر رباعی نماز میں تیسری رکعت کا سجدہ بھی کر چکا تھا کہ جماعت کھڑی ہو گئی یہ شخص اب نماز نہ توڑے بلکہ ایک رکعت اور پڑھ کر چار رکعت پوری کر لے اور یہ چار رکعتیں فرض ادا ہو گئیں۔ اب اگر وقت ایسی نماز کا ہے جس میں فرض کے بعد نفل پڑھنے کی شریعت میں اجازت ہے جیسے ظہر اور عشاء کی نماز کے بعد جائز ہے تو یہ شخص نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہو سکتا ہے۔ اور اگر ایسی نماز ہے جس کے فرض پڑھ لینے کے بعد نفل جائز نہیں ہوتے (جیسے عصر کی نماز) تو جماعت میں نفل کی نیت سے شریک نہ ہو۔
یہ تو تھا مسئلہ رباعی نماز کا، اور اگر نماز رباعی نہ ہو بلکہ دو رکعت والی ہو جیسے فجر یا تین رکعت والی ہو جیسے مغرب تو ان نمازوں میں تنہا فرض نماز شروع کرنے کے بعد جماعت کھڑی ہو جائے تو مطلقاً نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے خواہ ایک رکعت پوری کر چکا ہو یا نہیں، کیونکہ اگر یہ اس وقت دوسری رکعت ملائے گا تو خود جماعت کی نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ البتہ اگر فجر اور مغرب میں اپنی تنہا دو رکعت پوری یا تین رکعت مکمل کر چکا تھا تو اب اپنی نماز مکمل کر لے جماعت میں نفل کی نیت سے شریک نہ ہو۔
وجہ صاف ظاہر ہے کہ فجر میں تو اس لیے کہ فرض پڑھ لینے کے بعد نفل پڑھنا طلوع آفتاب تک مکروہ ہے۔ اور مغرب میں اس لیے درست نہیں ہے کہ شریعت میں تین رکعت نفل پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ اور اگر تین کی بجائے چار رکعت پڑھے گا تو اپنے امام کی مخالفت ہو جائے گی کہ امام تین رکعت پڑھائے اور مقتدی اس کی اقتداء میں اس سے زائد چار رکعت پڑھے اور یہ بھی شرعاً درست نہیں ہے۔
اگر دوسری صورت ہو کہ (یہ ظہر یا فجر کی) سنتیں شروع کر چکا ہے تو فجر میں یہ سنتیں پوری کر لے اور جماعت میں شریک ہو جائے بشرطیکہ سنتوں میں مشغولی کی وجہ سے جماعت فوت ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ جب کہ ظہر کی سنتوں میں یہ دو رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے اور جماعت میں شامل ہو جائے اور ظہر کی سنتوں کی فرضوں کے بعد قضاء کر لے۔ یہی حکم خطبہ جمعہ کا ہے اگر جمعہ کی سنتیں شروع کرنے کے بعد خطبہ جمعہ شروع ہو جائے تو دو رکعت پر سلام پھیر دے اور خطبہ سنے۔ اور اس کے بعد سنتوں کی قضاء کر لے۔

دوسری حالت کا حکم: اگر دوسری حالت ہے کہ یہ شخص جب مسجد پہنچا تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی تو اب اگر فجر کی نماز ہے تو مسجد سے باہر یا مسجد کے کسی کونے میں پہلے سنتیں ادا کرلے پھر جماعت کی نماز میں شریک ہو جائے۔ کیونکہ فجر کی سنتوں کی بڑی تاکید آئی ہے۔ لیکن اگر فجر کی سنتوں میں مشغولی کی وجہ سے جماعت فوت ہو جانے کا خدشہ ہو تو سنتیں چھوڑ دے اور جماعت میں شریک ہو جائے اور طلوع آفتاب کے بعد سنتیں قضاء کرلے۔ ظہر کی نماز ہے تو پہلے جماعت کے ساتھ فرض پڑھے اس کے بعد سنتوں کی قضاء کرلے۔

تیسری حالت کا حکم: اگر تیسری حالت ہے کہ اپنے فرض پڑھ چکا ہے اور اس کے بعد جماعت کھڑی ہو رہی ہے اور یہ شخص مسجد سے نکلنا چاہتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ظہر اور عشاء کا وقت ہے تو اس کے لیے مسجد سے نکلنا مکروہ ہے۔ اسے چاہیے کہ نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہو جائے کیونکہ دیکھنے میں یوں لگتا ہے کہ یہ شخص جماعت کی نماز سے اعراض کر رہا ہے۔

اگر فجر، عصر یا مغرب کا وقت ہے تو اس کے لیے مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ یہ شخص شرعی مجبوری کی بناء پر جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا۔ فجر اور عصر میں فرضوں کے بعد نفل ممنوع ہیں اور مغرب میں نفل ممنوع تو خیر نہیں ہیں البتہ جماعت میں شریک ہو کر تین رکعت نفل کی کوئی صورت جائز نہیں ہے۔ اور چار رکعت پڑھے گا تو اپنے امام کی مخالفت کرے گا اور یہ بھی جائز نہیں ہے۔

ناصح کو خود بھی اچھے عمل کرنے چاہئیں

﴿۴۴﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ ... الخ تنبیہ برائے بے عمل عالم۔ اس آیت میں یہودیوں کے علماء کو خطاب ہے چونکہ یہودی قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کو حق جانتے تھے پوشیدہ طور پر کبھی کبھی اپنی عوام اور رشتہ داروں کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ بھی دیتے تھے اور خود اسلام قبول نہیں کرتے تھے یہاں اگرچہ یہودیوں کی بے عملی کو ذکر کیا گیا ہے مگر حکم عام ہے کہ جو کوئی شخص دوسروں کو بھلائی کا حکم دے اس کو خود بھی اچھے اعمال کرنے چاہئیں، بعض روایات میں بدعمل ناصح کی قباحت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جو لوگوں کو خیر کی طرف بلاتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا وہ اس چراغ کی طرح ہے جس کی بتی جلتی ہے اور لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے مگر بتی خود جل جاتی ہے۔ (ابن کثیر: ص:۱۳۴، ج ۱)

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ: حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو اس جملہ کا مقصود عار دلانا ہے اور دھمکی دینا ہے یہاں کتاب سے مراد توراۃ ہے "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" یعنی کیا تم اپنے عمل کی قباحت کو نہیں سوچتے کہ یہ سوچنا تم کو عمل قبیح سے باز رکھے، یا کیا تمہیں ذرا بھی عقل نہیں ہے جو تم کو اس چیز سے روک دے جس کے انجام کی خرابی کو تم جانتے ہو۔

﴿۴۵﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ... الخ طریق استعانت: آنحضرت ﷺ کی اتباع سے دو چیزیں مانع تھی حب مال اور حب جاہ ان دونوں کا علاج اس آیت میں صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے سے بتایا ہے کہ ایمان لا کر صبر اور نماز کا التزام کرو کہ صبر سے حب مال گھٹ جائے گی کیونکہ مال اس وجہ سے محبوب ہے کہ ذریعہ حصول لذات وشہوات ہے جب ان ہی کے ترک کی ہمت باندھ لو گے تو مال بھی محبوب نہ رہے گا، اور نماز سے حب جاہ ختم ہوگی کیونکہ نماز میں ہر طرح کی پستی وخاکساری ہے۔

صبر کے معانی اور اہل بدعت کا استعانت

غیر اللہ پر استدلال اور اس کا جواب

لفظ صبر تین معانی کے لئے آتا ہے۔ ❶ طاعات پر جمار ہنا خصوصاً فرائض اور واجبات کو پابندی سے ادا کرنا۔ ❷ گناہوں سے پورے اہتمام سے بچنا۔ ❸ مصائب اور مشکلات پیش آئیں تو ان پر صبر کرنا عام طور پر یہ تیسرا معنی زیادہ مشہور ہے۔ اہل بدعت

یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ غیر اللہ سے امداد طلب کرنا جائز نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" تو صبر اور صلوٰۃ بھی تو غیر اللہ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں باسبب کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے مدد مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ ۔۔۔ الخ اس "ھا" ضمیر کے مرجع میں دونوں قول ہوسکتے ہیں۔ ❶ صبر۔ ❷ نماز یعنی صبر اور نماز حضور دل سے بہت بھاری ہیں مگر ان لوگوں پر آسان ہے جو عاجزی کرتے ہیں، اور ڈرتے ہیں جن کا خیال اور دھیان ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ (عثمانی: ص ۸۵: ج ۱)

مگر جمہور مفسرین کے نزدیک "انھا" کی ضمیر "صلوٰۃ" کی طرف راجع ہے اور مرجع کا قریب ہونا مرجح ہے دیکھیں۔

(تفسیر البحر المحیط: ص ۱۸۵: ج ۱: روح المعانی: ص ۳۳۷: ج ۱: التفسیر المنیر: ص ۱۵۳: ج ۱: الخازن والمدارک: ص ۵۱: ج ۱: ابن کثیر: ص ۱۳۷: ج ۱: جلالین: ص ۹: ج ۱: جمل: ص ۹۴: ج ۱)

﴿۴۶﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ ۔۔۔ الخ وصفِ خاشعین: قاموس وغیرہ میں ہے کہ ظن کا لفظ اسماء اضداد میں سے ہے "يَظُنُّوْنَ" کے معنی یقین کرنا۔ (کشاف: ص ۱۳۴: ج ۱: ابن کثیر: ص ۹۳: ج ۱: قرطبی: ج ۱: ص ۲۷۵: معالم التنزیل: ج ۱: ص ۳۸)

کفار کیلئے حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں مجہول کے صیغے استعمال کیے ہیں اس لئے کہ وہ حیات بعد الممات پر عقیدہ نہیں رکھتے مثلاً "ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ" اور اہل ایمان کے لیے معروف کے صیغے استعمال کئے ہیں کیونکہ ان کا حیاۃ بعد الممات کا عقیدہ ہے مثلاً: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ"۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا

اے بنی اسرائیل کی اولاد! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تم پر انعام کیں اور یہ کہ میں نے تم کو فضلیت بخشی جہان والوں کے مقابلے میں ﴿۴۷﴾ اور ڈرو

يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا

اس دن سے کہ نہیں بچائے گا کوئی نفس دوسرے سے کچھ بھی اور نہ قبول کی جائے گی اس سے سفارش اور نہ لیا جائے گا اس سے

عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

فدیہ، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿۴۸﴾ اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم کو نجات دی فرعون والوں سے وہ چکھاتے تھے تم کو بہت بری سزا

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

وہ ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو۔ اور اس بات میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی ﴿۴۹﴾

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا

اور اس بات کو یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو پھاڑ دیا تھا اور ہم نے تمہیں نجات دی اور آل فرعون کو غرق کیا اور تم دیکھ رہے تھے ﴿۵۰﴾ اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے

مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا

موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظلم کرنے والے تھے ﴿۵۱﴾ پھر ہم نے معاف کیا تم کو

عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ

اس کے بعد تاکہ تم شکریہ ادا کرو ﴿۵۲﴾ اور اس بات کو یاد کرو جب ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور فرقان

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ

تاکہ ہدایت پا جاؤ ﴿۵۳﴾ اور اس واقعہ کو یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم کے لوگو! بے شک تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے بوجہ بنا لینے کے

الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ

بچھڑے کو معبود پس توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے پس قتل کرو ایک دوسرے کو یہ بہتر ہے تمہارے پیدا کرنے والے کے پاس۔ پس اس نے رجوع کیا

عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ

تمہارے اوپر بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ﴿۵۴﴾ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز تیری تصدیق نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ کو

جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ

ظاہر پس پکڑ لیا تم کو بجلی نے اور تم دیکھ رہے تھے ﴿۵۵﴾ پھر اٹھایا ہم نے تم کو تمہاری موت کے بعد

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ

تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۵۶﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر بادل کا سایہ کر دیا۔ اور تمہارے اوپر من اور سلویٰ اتارا۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تمہیں روزی دی۔ اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿۵۷﴾

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ

اس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے کہا داخل ہو جاؤ اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں بھی تم چاہو کشادگی سے اور داخل ہو دروازے میں

سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ

سجدہ کرتے ہوئے اور کہو بخشش ہم بخش دیں گے تمہاری غلطیوں کو اور زیادہ دیں گے ہم نیکی کرنے والوں کو ﴿۵۸﴾ پس تبدیل کر لیا ان لوگوں نے

ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ

جنہوں نے ظلم کیا بات کو۔ سوائے اسکے جو ان کو کہی گئی تھی پس نازل کیا ہم نے ان لوگوں پر جنہوں نے ظلم کیا عذاب

ع ۶ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

آسمان کی طرف سے اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿۵۹﴾

﴿۴۷﴾ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا :الخ ربط آیات :اوپر بنی اسرائیل پر اجمالی نعمتوں کا ذکر تھا یہاں سے تفصیلی نعمتوں کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ❻ : تذکیر بالآء اللہ و بما بعد الموت سے یہود کو دعوت الی الکتاب، یہود کا بدوی اور قردی زندگی میں فیل (ناکام) ہونا۔ ماخذ آیات: ۴۷ تا ۵۹+

وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ :الخ نعمت ① تمام دنیا پر فضیلت : تمام جہاں والوں پر فضیلت کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت سے بنی اسرائیل کا وجود ہوا تھا اس وقت سے لے کر نزول قرآن کے اس خطاب تک تمام فرقوں سے افضل ہیں بنی اسرائیل کا کوئی ہم پلہ نہ تھا مگر جب انہوں نے آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کا مقابلہ کیا تو ان کی فضیلت یکسر طور پر ختم ہوگئی اور "مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ" ٹھہرے اور گمراہ ہونے کا لقب پایا اور آنحضرت ﷺ کے اتباع کرنے والے "كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ" کے لقب سے نوازے گئے تو اب اس وقت سے فضیلت تمام امتوں سے آنحضرت ﷺ کی امت کو حاصل ہے۔ (محصلہ تفسیر عثمانی)

﴿۴۸﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا ...الخ گرفتار شدہ آدمی کے رہائی کے طرق اربعہ : حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ جب آدمی گرفتار ہو تو اس کے چھڑانے کے چار طریقے ہوتے ہیں۔ ❶ کوئی اس کا ضامن بن جائے یعنی ضمانت کے طور پر رہا ہو۔

❷ سفارش کے طور پر رہا ہو۔ ❸ جرمانہ تاوان دے کر رہا کیا جائے۔ ❹ زبردستی حملہ کرکے چھڑا لیا جائے۔ یہاں کفار کیلئے چاروں طریقوں کی نفی فرمائی ہے پہلے طریقہ کی نفی "لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا" سے فرمائی کہ کوئی ضامن و کفیل نہ ہوگا۔ دوسرے طریقہ کی نفی "وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ" کہ اس کی طرف سے سفارش قبول نہ ہوگی۔ تیسرے طریقہ کی نفی "وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ" اور ان کی طرف سے فدیہ وجرمانہ نہ لیا جائے گا اور چوتھے طریقے کی نفی "وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ" اور نہ ان کی مدد کی جائے گی (ان کی جان چھڑانے میں)۔ (بیضاوی :ج :۱ :ص۔۷۷)

یہاں ایک اشکال ہے کہ پہلے "نفس" نکرہ مفرد مؤنث کا ذکر ہے اور بعد میں "وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ" جمع کی ضمیر راجع کرتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ "نفس" نکرہ ہے اور نکرہ جب سیاق نفی میں واقع ہو جائے تو اس میں تعمیم پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا اس عموم کی وجہ سے آگے جمع کا صیغہ وضمیر لائے ہیں۔ (روح المعانی :ص :۳۴۱ :ج۔۱)

﴿۴۹﴾ وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ...الخ نعمت ② بنی اسرائیل کی نجات :اوپر "اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ" میں نعمتوں کا اجمالاً ذکر تھا اس کی یہاں سے تفصیل ہے۔ (بیضاوی :ص :۷۷ :ج :۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے ایک بہت بڑے انعام کا ذکر فرمایا ہے، بنی اسرائیل کے تمام قبیلے مصر میں رہتے تھے غیر ملکی ہونے کی وجہ سے مصر کے لوگ یعنی فرعون اور فرعون کی قوم ان پر بری طرح مسلط تھی اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ یہ لوگ مصر میں چار سو سال سے رہ رہے تھے عرصہ دراز کی بدترین غلامی سے حق تعالیٰ شانہ نے ان کو نجات دی یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس دن ان کو نجات ملی وہ یوم عاشورہ تھا یعنی دس محرم کا دن تھا۔ فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب ہے جو قوم قبط اور قوم عمالقہ کا بادشاہ ہوتا تھا۔
(تفسیر خازن ومدارک :ج :۱ :ص۔۵۱)

جیسا کہ ایران کے بادشاہ کا لقب کسریٰ اور روم کے بادشاہ کا لقب قیصر تھا۔ (تفسیر مدارک :ج :۱ :ص۔۵۱)

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام ریان بن ولید تھا۔ (تفسیر کبیر :ج :۱ :ص۔۵۰۵)

اور یہ ایمان بھی لایا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا، جس نے ایمان قبول نہیں کیا تھا۔
(ابن کثیر :ص :۱ :۱۴۲ :ج :۱؛ تفسیر خازن :ج :۱ :ص ۵۱؛ معالم التنزیل :ج :۱ :ص :۸۰؛ بحر محیط :ص :۱۹۳ :ج :۱)

یَسُوْمُوْنَکُمْ۔۔۔الخ اکثر مفسرین اس کا معنی کرتے ہیں لگا دینے اور ہمیشگی کرنے کے آتے ہیں یعنی وہ برابر دکھ دیتے جاتے تھے۔(ابن کثیر:ص ۱۴۱ ج:۱؛ خازن ج:۱؛ ص۔۵۱)

اور صاحب مدارک وغیرہ معنی کرتے ہیں "یؤلونکم ای یعطونکم"۔(تفسیر مدارک ج:۱ ص ۵۱؛ ابن کثیر ج:۱ ص۔۱۴۲)

یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ ۔۔۔الخ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے۔اس کی تین وجوہات مفسرین نے لکھی ہیں:

❶ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا اور نجومیوں نے اس کی تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔ (تفسیر عزیزی:ص ۴۱۰؛ ج ۱)

❷ فرعون نے خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے جس نے ہمارے گھروں کو جلا دیا ہے اور بنی اسرائیل کے گھروں کو چھوڑ دیا ہے۔ (ابن کثیر:ص ۱۴۱؛ ج ۱؛ معالم التنزیل:ص ۳۹؛ ج ۱؛ خازن ج:۱؛ ص ۵۲)

❸ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشینگوئی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو فرعون کے تخت کی تباہی کا سبب بنے گا، بنی اسرائیل چونکہ اس پیشینگوئی کو کتابوں میں پڑھتے تھے تو فرعون کو بھی علم ہوگیا جس کی وجہ سے اس نے قتل اولاد کا سلسلہ شروع کردیا۔ (ابن کثیر:ص ۴۵ ج:۵؛ ص ۵۰۶؛ ۵۰۷ ج ۱؛ جزء۔۳)

وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ۔۔۔الخ اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو یعنی خدمت کے لیے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بارہ ہزار لڑکے قتل کئے اور نوے ہزار عورتوں کے حمل ساقط کرادیئے۔ (تفسیر عزیزی:ص ۴۱۳؛ ج۔۱)

"بلاء" کے چند معنی آتے ہیں اگر "ذلکم" کا اشارہ ذبح کی طرف کیا جائے تو "بلاء" کے معنی نعمت کے ہوں گے اور اگر مجموعہ کی طرف ہو تو معنی امتحان کے ہو جائیں گے۔ (روح المعانی:ص ۲۴۴؛ ج۔۱)

﴿۵۰﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ۔۔۔الخ نعمت ③ فرعون اور آل فرعون کی بربادی: اس آیت میں اجمالی طور پر مصریوں سے بنی اسرائیل کی نجات اور آل فرعون کی بربادی اور ہلاکت کا ذکر ہے۔

داستان حضرت موسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر کی آبادی سے نکل جائیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر سمندر کے کنارے پہنچے، اس وقت سورج طلوع ہو چکا تھا، پیچھے سے فرعون اور آل فرعون کو خبر مل گئی تو انہوں نے تعاقب کیا تو بنی اسرائیل گھبرا گئے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ "اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ" ہم تو پکڑے گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "کَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ" (سورۃ الشعراء آیت۔۶۲) ہرگز نہیں بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور مجھے راستہ بتائے گا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وحی کے ذریعہ فرمایا کہ اپنی لاٹھی کو سمندر میں ماریں اللہ تعالیٰ نے بارہ راستے بنا دیئے، اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے ان راستوں سے عبور کر گئے، جب فرعون اپنے لشکر سمیت دریا کے کنارے پر پہنچا، تو دیکھا کہ بارہ راستے بنے ہوئے ہیں فرعون اور اس کا لشکر سمندر میں داخل ہوا اللہ تعالیٰ نے پانی کو ملنے کا حکم دے دیا، فرعون اپنے لشکر سمیت پانی میں ڈوب گیا، بنی اسرائیل اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا "وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ" فرعون جب ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا ہوں موسیٰ اور ہارون کے رب پر لیکن حق تعالیٰ شانہ نے

اس کا ایمان قبول نہ کیا اور اس کو غرق کر دیا لیکن اس کی لاش کو محفوظ رکھا تا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کیلئے عبرت ہو۔ جیسا کہ (یونس آیت۔ ۹۲) میں ہے "فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً" پس آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تا کہ تیری ذات ان لوگوں کے لئے عبرت ہو جائے جو تیرے بعد آنے والے ہیں۔ مزید اس واقعہ کی تفصیلات (سورۃ طٰہٰ رکوع ۴؛ اور سورۃ الشعراء رکوع۔ ۴) اور سورۃ دخان (رکوع ۱) میں آئیں گی۔

﴿۵۱﴾ وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۔۔۔الخ نعمت ④ :وعدہ عنایت توراۃ :جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر سمندر عبور کر گئے تو ایک میدان میں پہنچ گئے جس کو میدان تیہ کہتے ہیں یہاں بنی اسرائیل چالیس سال سرگرداں پھرتے رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی یہیں ہوئی ہے چالیس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اپنے وطن فلسطین میں جانا نصیب ہوا، یہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا زمانہ تھا الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر توراۃ لینے کے لئے تشریف لے گئے اصل وعدہ تیس راتوں کا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے دس راتیں اور بڑھا دیں سورۃ اعراف (آیت ۱۴۲:) میں ہے "وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً" توراۃ کی تو روزانہ ایک تختی ملتی تھی تیس راتوں کا وعدہ تھا جب وہ پورا ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ شانہ سے ملاقات کی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کی ہوئی تھی جو روزہ کی حالت میں منہ میں رائحہ تھی وہ ختم ہو گئی تھی، کیونکہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو روزہ دار کی منہ کی رائحہ مشک سے بھی زیادہ محبوب ہے اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے دس راتیں اور بڑھا دیں تو چالیس راتیں ہو گئیں۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ ۔۔۔الخ قوم کی گمراہی :جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے پیچھے سامری نے بنی اسرائیل سے جو انہوں نے قوم قبطی سے زیورات مانگ لئے تھے ان کو جمع کر کے گائے کے بچھڑے کی شکل بنا دی اور اس کے منہ میں حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے کی مٹی جو اٹھائی تھی وہ ڈال دی اس مجسمہ سے آواز آنے لگی تو سب کو کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی معبود ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھول کر کوہ طور پر تشریف لے گئے ہیں پیچھے حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو سمجھایا مگر بات ان کو سمجھ نہ آئی یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لے آئے تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو انہوں نے سامری کو بددعا دی۔ (طٰہٰ آیت۔ ۹۷) میں ہے "أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ" الخ جس کا مفہوم یہ ہے کہ (تو جا تیرے لئے زندگی بھر یہ بات طے کر دی گئی کہ تو جسے دیکھے گا اس سے کہنا مجھے نہ چھونا) چنانچہ وہ حیران پریشان جنگل میں پھرتا رہتا تھا جب وہ کسی کو چھو لیتا یا کوئی شخص اس کو چھو لیتا تو ان دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی راکھ سمندر میں بہا دی۔

﴿۵۲﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ ۔۔۔الخ نعمت ⑤ اعلان معافی :اس کا مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل تمہارا شرک جلی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا، اور تمہاری توبہ قبول کی، اور تمہیں فی الفور ہلاک نہ کیا، جیسے آل فرعون کو اس سے کم قصور پر ہلاک کیا۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ :علت معافی :تا کہ تم ہمارا شکر ادا کرو اور احسان مانو یہاں "لعل" ترجی کے لئے نہیں بلکہ "کی" جو غرض اور علت غائی پر دلالت کرتا ہے اس کے معنی میں ہے۔ (بیضاوی: ص:۷۸؛ ج۔۱)

مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے تم سے عفو و درگزر اس لئے کیا تھا کہ تم ہمارا اس انعام و احسان کا شکر ادا کرو گے۔

﴿۵۳﴾ مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ ۔۔۔الخ نعمت ⑥ : یہاں سے مذکورہ بالا دونوں نعمتوں کی تفصیل کا بیان ہے "کتاب" سے مراد توراۃ ہے اور "الْفُرْقَانَ" سے مراد بھی توراۃ ہے یعنی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی۔ بعض حضرات

کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی یہ دونوں معانی درست ہیں۔

(بیضاوی ؛ص ۸۷ ؛ج ۱؛ معالم التنزیل ؛ج ۱؛ ص ۴۲ ؛ ابن کثیر ؛ج ۱؛ ص ۱۴۴؛ بحر محیط ؛ص ۲۰۲ ؛ج ۱؛ النہر الماد ؛ص ۲۰۲ ؛ج ۱)

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "اَلْفُرْقَانَ" سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات مراد ہیں سیاق کلام سے بھی یہ بات دور نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے توراۃ کے علاوہ آپ کے دعویٰ نبوت ورسالت کے لئے معجزات بھی عطا فرمائے۔

(بیضاوی ؛ص ۸۷ ؛ج ۱ ؛روح المعانی ؛ص ۲۵۱ ؛ج ۱)

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ : کتاب دینے کی حکمت : تاکہ تم کتاب میں تدبر کر کے اور اس کی آیات میں غور کر کے راہ پاؤ۔

﴿۵۴﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ... الخ نعمت ⑦ موسیٰ علیہ السلام کا قوم سے مکالمہ برائے توبہ : اس سے مراد خاص لوگ ہیں جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی۔ (معالم التنزیل ؛ص ۴۲ ؛ج ۱ ؛ مظہری ؛ص ۷۱ ؛ج ۱)

بِاتِّخَاذِكُمُ... الخ سبب ظلم۔ فَتُوْبُوْٓا... الخ علاج ظلم۔ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ... الخ طریق علاج : اس سے مراد خودکشی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی وہ اس کو قتل کرے جس نے بچھڑے کی عبادت کی ہے۔ حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ جب قتل کا سلسلہ شروع کیا تو قاتلین کے بچھڑے کی عبادت کرنے والوں میں سے وہ لوگ بھی سامنے آجاتے تھے جو ان کے رشتہ دار اور عزیز واقارب تھے لہٰذا وہ قتل کرنے سے ہچکچاتے تھے اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادل بھیج دیئے تاکہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں، اور صبح سے شام تک قتل کا سلسلہ چلتا رہا۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ الخ شفقت خداوندی اجابت دعا وقبولیت توبہ : حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے بادل ہٹادیئے توبہ کا حکم نازل ہو گیا اس وقت تک ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے تھے، مفسرین کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بچھڑے کی عبادت کرنے والے سب قتل نہیں ہوئے بلکہ ستر ہزار کے قتل ہونے پر توبہ قبول ہو گئی۔

(بیضاوی ؛ص ۹۷ ؛ج ۱؛ ابن کثیر ؛ص ۱۴۵ ؛ج ۱ ؛ مظہری ؛ص ۷۲ ؛ج ۱؛ بحر محیط ؛ص ۲۰۸ ؛ج ۱)

﴿۵۵﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى... الخ بنی اسرائیل کا گستاخانہ رؤیت باری کا مطالبہ : بنی اسرائیل نے کہا آپ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ہمارے پاس اس کی کیا دلیل ہے ہم تو اس وقت مانیں گے جب اللہ تعالیٰ ہم سے خود فرمائیں گے کہ یہ میری کتاب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہ طور پر کلام الٰہی سننے کی غرض سے تشریف لائے تھے وہاں ایک نورانی ابر نمودار ہوا موسیٰ علیہ السلام اس میں مستور ہو گئے وحی کی آواز شروع ہوئی جب انہوں نے کلام الٰہی کو سنا تو انہی ستر افراد نے کہا اے موسیٰ پردے میں سننے کا ہم اعتبار نہیں کرتے جب تک اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے صراحتاً نہ دیکھ لیں۔ فَاَخَذَتْكُمُ... الخ نتیجہ مطالبہ : اس پر ان ستر آدمیوں کو بجلی نے ہلاک کر دیا تھا۔

﴿۵۶﴾ نعمت ⑧ اجابت دعا موسوی : اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوئی انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل دو وجہ سے مورد غضب الٰہی ہو گئے۔ ❶ نبی اور وحی پر عدم اعتماد و یقین تھا۔ ❷ رؤیت باری تعالیٰ کا گستاخانہ مطالبہ جس کی منشاء تکذیب تھا۔ باقی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال "رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ"۔ (سورۃ اعراف آیت۔ ۱۴۳)

❶ یہ درخواست تھی مطالبہ نہ تھا۔ ❷ شوق دیدار میں تھا اس میں کوئی حرج نہیں۔ (آثار خیر: ص۔ ۹۱)

﴿۵۷﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ...الخ نعمت ⑨ انتظام سایہ وبدوی زندگی میں ناکامی: یہاں سے یہود کا بدوی زندگی میں ناکام ہونے کا ذکر ہے جب کوئی قوم ترقی کی منازل طے کرتی ہے تو سب سے پہلے بدوی زندگی کا دور اس پر گزرتا ہے یعنی اس کو پر تکلف طرز معاشرت سے سروکار نہیں ہوتا جنگل کے ساگ پات اناج پر گزر اوقات ہوتا ہے، اور نہایت ہی سادہ قسم کی جھونپڑیاں بنا کر رہتے ہیں، یہود اس موقع پر بھی عصیان الٰہی سے باز نہ آئے، ان کو حکم دیا گیا تھا کہ قوم عمالقہ سے جہاد کرو ان پر یہ حکم گراں گذرا تفصیلات آگے آئیں گی تو اس جرم کی وجہ سے بنی اسرائیل وادی تیہ میں چالیس سال تک رہے، اور ان کے لئے دھوپ اور گرمی میں روزانہ چلنا نہایت تکلیف دہ تھا، اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی ہمارے لئے کچھ سایہ کا انتظام ہونا چاہئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج دیئے، تو بادل ان پر سایہ کرتے، اور یہ لوگ سفر کرتے تجارت یا صنعت وحرفت یا زراعت کا موقع نہیں ملتا تھا۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى : انتظام خوراک من وسلویٰ: اور کھانے کی ضرورت بدستور باقی تھی ان کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے "مَنّ" اور "سَلْوٰی" نازل فرمایا۔ "مَنّ" کے بارے میں علمائے تفسیر کے مختلف اقوال ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی چیز تھی جو درختوں پر نازل ہوجاتی تھی صبح کو جا کر اس میں سے جس قدر چاہتے کھا لیتے تھے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ لوگ جہاں مقیم ہوتے وہاں برف کی طرح ان پر "مَنّ" کا نزول ہوجاتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا تھا اور یہ طلوع فجر سے طلوع شمس تک نازل ہوتا تھا ایک دن کی ضرورت کے بقدر ہر شخص کو لینے کی اجازت تھی اس سے زیادہ کوئی لے لیتا تو وہ خراب ہوجاتا ان کو جمعہ اور ہفتہ کے دن کے لئے لینے کی اجازت تھی۔

(ابن کثیر: ص:۱۴۹، ج:ا، بحر محیط: ص:۲۱۴، ج:ا، روح المعانی: ص:۳۵۷، ج:۱)

سلویٰ: یہ کیا چیز تھی تو کہتے ہیں کہ کوئی پرندہ تھا بٹیر سے مشابہ تھا۔ (النہر الماد: ص:۲۱۴، ج:ا، مظہری: ص:۷۳، ج:۱)

وَمَا ظَلَمُوْنَا الخ... عدل وانصاف باری تعالیٰ: اور ان لوگوں کو یہ حکم ہوا تھا کہ بقدر خرچ لے لیا کریں آئندہ کے لئے جمع کر کے نہ رکھیں مگر ان لوگوں نے حرص کے مارے اس میں بھی خلاف کیا تو رکھا ہوا گوشت سڑنا شروع ہوا اسی کو فرمایا ہے کہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ (بیان القرآن: ص:۳۳، ج:ا)

﴿۵۸﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ : الخ نعمت ⑩ یہود کا قروی زندگی میں ناکامی۔ کھانے پینے کی مطلوبہ چیزوں کا ملنا ہے یہود کے ارتقائے طبعی کی منزل دوم یعنی قصبہ کی زندگی میں ناکام ہونے کا ذکر ہے اس بستی سے مراد بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بیت المقدس ہے۔ (جلالین: ج:ا، ص:۱۵، خازن: ج:ا، ص:۵۶، معالم التنزیل: ص:۴۴، ج:۱)

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد "اریحاء" ہے۔ (مظہری: ص:۷۳، ج:ا، کشاف: ص:۱۴۲، ج:۱) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: پہلا قول ہی صحیح ہے کیونکہ یہ مصر سے آ کر اپنے علاقہ ارض مقدسہ میں جا رہے تھے اور اریحاء ان کے راستہ میں نہیں پڑتا تھا، یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا نہیں ہے بلکہ جب بنی اسرائیل چالیس سال میدان تیہ میں حیران وسرگردان پھرتے رہے تو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ساتھ بیت المقدس میں داخل ہوئے کیونکہ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس سرزمین میں داخل ہوجاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے انہوں نے کہا وہاں بڑے جابر قسم کے لوگ آباد ہیں ہمارے بس کا کام نہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تم جاؤ، اور تمہارا رب جائے، دونوں جا کر قتال کریں ان کی اس حرکت کی وجہ سے ان پر چالیس سال تک

بیت المقدس کی سرزمین حرام کردی گئی۔

وَادْخُلُوا الْبَابَ ...الخ کیفیت دخول : حضرت یوشع کے زمانے میں بیت المقدس فتح ہوا انہوں نے فرمایا کہ اس شہر کے دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے جاؤ اور یہ شکر بدنی ہوا اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عاجزی کے لئے کمر کو جھکا کر جاؤ اور زبان سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے جاؤ (یہ شکر زبانی ہوا) جو یہ دونوں باتیں کرے گا اس کی خطائیں ہم معاف کردیں گے اور نیک بندوں کے لئے ثواب بڑھادیں گے۔ (تفسیر عثمانی : ص:۸۸، ج۔۱)

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ ...الخ کیفیت قول : اور ان کو حکم ہوا تھا کہ "حِطَّة" کہتے ہوئے داخل ہوں جس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ ہم گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور انھوں نے اس حکم کو بدل دیا اور "حِطَّة" کی بجائے "حِنْطَة" کہنے لگے (یعنی گیہوں) اور سجدہ کی جگہ اپنے سرینوں پر پھسلنا شروع کیا۔

﴿۵۹﴾ تتمہ تشریح قول : یعنی جس توبہ و استغفار کا ان کو حکم دیا گیا تھا انھوں نے اس کے بدلہ میں وہ چیزیں طلب کیں جن کی ان کے نفس میں خواہش پیدا ہوتی غلہ وغیرہ۔ فَاَنْزَلْنَا ...الخ نتیجہ ظلم : اس شرارت کی ان کو یہ سزا ملی کہ ان میں طاعون پھوٹ پڑا اور بہت سے آدمی فنا ہو گئے بعضوں نے ہلاک شدگان کی تعداد ستر ہزار بتائی ہے۔ (قرطبی)

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ

اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا پس ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی کے ساتھ پتھر کو مارو۔ پس اس میں

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ

سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے تحقیق جان لیا سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ۔ اللہ کی دی ہوئی روزی سے کھاؤ اور پیو۔

وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ

اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ چلو ﴿۶۰﴾ اور جب کہا تم نے اے موسیٰ! ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے

وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا

ایک ہی قسم کے کھانے پر۔ پس اپنے پروردگار سے ہمارے لیے دعا کر کہ وہ ہمارے لیے وہ چیزیں نکالے جن کو زمین اگاتی ہے اپنی ترکاریوں سے اور اپنی ککڑیوں سے اور اپنے گندم سے

وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا

اور اپنے مسور سے اور اپنے پیاز سے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا تم بدل میں لیتے ہو اس چیز کو جو ادنیٰ ہے اس کے جو بہتر ہے کسی شہر میں اتر جاؤ

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

بے شک تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تم نے مانگا اور ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کی گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب لے کر لوٹے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ

اس وجہ سے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ بات

ع ۷

بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے نافرمانی کی۔ اور حد سے آگے نکل گئے تھے ﴿۶۱﴾

﴿۶۰﴾ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى ...الخ تتمہ نعمت ⑩ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کیلئے طلب پانی۔

خلاصہ رکوع ⊖ یہود کا مصری زندگی میں ناکام ہونا۔ ماخذ آیات ۶۰: تا ۶۱ +

یہ قصہ بھی اسی جنگل تیہ کا ہے پانی نہ ملا تو ایک پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے نکلے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور کسی قبیلے کے افراد زیادہ تھے کسی کے کم تو ہر قوم کے افراد کے موافق ایک چشمہ تھا اور وجہ شناخت بھی موافق تھی کہ پتھر کے فلاں جانب سے فلاں پانی حاصل کرے گا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس پتھر کے چار کونے تھے اور ایک کونے سے تین چشمے جاری ہوتے تھے۔

(تفسیر عزیزی: ص ۲۶۸، ج ۱؛ بحر محیط: ص ۲۲۷، ج ۱)

اگر کوئی کوتاہ نظر اعتراض کرے کہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پتھر سے پانی کے چشمے جاری ہوجائیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اسی طرح وہ پتھر بھی پانی کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا تو انکار کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ (عثمانی: ص ۸۹، ج ۱)

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جس پتھر پر لاٹھی مارنے سے بارہ چشمے جاری ہوئے تھے وہ ہلکا سا پتھر تھا جو چوکور تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھیلے میں رہتا تھا جب پانی کی ضرورت ہوتی تو اسے زمین پر رکھ کر لاٹھی مار دیتے جس سے چشمے جاری ہوجاتے پھر تھیلے میں ڈال دیتے، اس پتھر سے روزانہ چھ لاکھ افراد سیراب ہوتے تھے۔ (معالم التنزیل: ج ۱؛ ص ۴۴)

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تو پتھر سے پانی جاری کیا گیا، بخلاف امام الانبیاء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے انہوں نے پورے جہان کے لیے پانی مانگا تو آسمان سے ان کے لئے پانی برسایا گیا تاکہ اس باران رحمت سے مؤمن و کافر، دوست اور دشمن سب فائدہ حاصل کریں۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا الخ یہ قصہ بھی وادی تیہ کا ہے کھانے سے مراد من وسلویٰ اور پینے سے مراد یہی پانی تھا اور نافرمانی اور ترک احکام کو فتنہ و فساد سے تعبیر فرمایا ہے۔ **فائدہ**: اب یہاں یعنی آیت ۶۱ سے آیت ۱۱۸ سمیت یہود کے ۳۰ مختلف امراض کا ذکر ہے۔

﴿۶۱﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى ...الخ مرض ① : کفران نعمت شہری زندگی میں ناکامی۔

ربط آیات: گزشتہ آیات تک بنی اسرائیل کے لئے انعامات واحسانات کا ذکر تھا اب ان کی بری عادتوں اور شرارتوں اور امراض کا ذکر ہے یہ قصہ بھی وادی تیہ کا ہے "قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ... الخ قوم کا مطالبہ: جب من وسلویٰ سے اکتا کر ان ترکاریوں اور غلوں کی درخواست اور مطالبہ کیا۔ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ ...الخ جواب مطالبہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم ادنیٰ چیز (یعنی مسور پیاز وغیرہ) کو بہتر اور عمدہ (یعنی من وسلویٰ) شے کے بدلہ میں لینا چاہتے ہو حالانکہ وہ ایسا رزق ہے کہ دنیا میں کمانے کی محنت اور مشقت نہیں کرنی پڑتی اور آخرت میں اس پر کوئی حساب وکتاب بھی نہیں۔

اِهْبِطُوْا مِصْرًا ...الخ حکم موسیٰ: اس شہر کے داخل حدود میں کوئی شہر تھا وہاں جا کر رہنے کا حکم ہوا کہ کھاؤ اور کماؤ اس شہر سے مراد بعض حضرات کہتے ہیں کہ وادی سیناء ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مصر ہی مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مشہور شہر ہے جس میں فرعون رہتا تھا۔ ترکیب کے لحاظ سے "مصراً" کو منصرف اور غیر منصرف پڑھنا دونوں جائز ہیں چونکہ ساکن الاوسط ہے۔

(تفسیر منیر: ص ۱۷۲، ج ۱)

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ ...الخ نتیجہ۔

ذلت اور مسکنت میں فرق: ذلت کہتے ہیں کہ آدمی دوسروں کی نظر میں حقیر سمجھا جائے اور مسکنت کہتے ہیں کہ آدمی خود اپنے آپ کو گھٹیا اور حقیر سمجھے۔

یہودیوں پر ابدی ذلت کا مطلب اور اسرائیل کی موجودہ حکومت سے شبہ اور اس کا جواب

امام تفسیر ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ذلت اور مسکنت کا یہ مفہوم نقل کیا ہے کہ یہودی ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں رہیں گے ان کو ٹیکس وغیرہ ادا کرتے رہیں گے خود ان کو کوئی قوت واقتدار حاصل نہ ہوگا یہی مفہوم کم وبیش سورۃ آل عمران میں موجود ہے "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا۟ إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ ٱلنَّاسِ" جمادی گئی ان پر بے قدری جہاں کہیں جائیں گے مگر ہاں ایک ایسے ذریعے سے جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہو، اللہ کے ذریعے سے ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون امن دیا ہے جس سے نابالغ بچے عورتوں یا ایسے عبادت گزار جو مسلمانوں سے نہیں لڑتے وہ محفوظ ومامون رہیں گے۔ اور آدمیوں کے ذریعے سے مراد معاہدہ صلح ہے یہ مسلمانوں سے بھی ہوسکتا ہے کہ جزیہ وغیرہ ادا کرکے رہ سکتے ہیں، اور یہ صورت بھی ہے کہ غیر مسلموں سے معاہدہ صلح کرکے ان کی پشت پناہی میں آجائیں تو مامون رہ سکتے ہیں، صاحب کشاف کے نزدیک بِحَبْلٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ ٱلنَّاسِ کو مستثنیٰ متصل قرار دیا جائے تو مطلب یہی ہے کہ یہود ہمیشہ ہر جگہ ذلیل وخوار ہی رہیں گے سوا ان دو صورتوں کے کہ یا اللہ تعالیٰ کے عہد کے ذریعے ان کے بچے عورتیں وغیرہ اس ذلت وخواری سے نکل جائیں یا معاہدہ صلح کے ذریعہ اپنے آپ کو ذلت وخواری سے بچالیں (جیسا کہ اوپر گزرا ہے) معاہدہ صلح کے ذریعہ ذلت وخواری سے نکلنے کی صورت مسلمانوں سے معاہدہ صلح کرکے بھی ہوسکتی ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوسری قوموں سے معاہدہ صلح کرکے ان کے سہارے ذلت وخواری سے محفوظ رہیں۔

اور اگر اس کو مستثنیٰ منقطع قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنی ذلت اور قومی حیثیت سے تو ذلیل وخوار ہی رہیں گے گو قانون الٰہی کی وسعت کی وجہ سے ان کے بعض افراد اس ذلت سے محفوظ رہیں گے یا دوسرے لوگوں کا سہارا لے کر ذلت وغیرہ پر پردہ ڈال دیں۔ باقی یہ اعتراض بھی رفع ہوگیا کہ قرآن کریم کے قطعی ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی حکومت کبھی قائم نہ ہوگی اور یہ بات واقع کے خلاف ہے چونکہ فلسطین میں ان کی حکومت قائم ہوگئی ہے۔ تو اس کا جواب واضح ہے کہ یہ حکومت دراصل اسرائیل کی نہیں بلکہ امریکا اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں یہ حکومت اپنی ذاتی طاقت سے ایک ماہ بھی زندہ نہیں رہ سکتی یہ تو محض یورپین طاقتوں نے اسلامی بلاک کو کمزور کرنے کیلئے ان کے بیچ میں اسرائیل کا نام دے کر ایک چھاؤنی بنائی ہے، صرف قرآن کریم کے ارشاد "وَحَبْلٍ مِّنَ ٱلنَّاسِ" کے سہارے ان کا اپنا وجود قائم ہے وہ بھی ذلت کے ساتھ اس موجودہ اسرائیلی حکومت سے قرآن کے کسی ارشاد پر ادنیٰ شبہ بھی نہیں ہوسکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی حکومتوں کے مقابلہ میں اسرائیل کی حکومت کی مثال ایک نقطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی، لہٰذا قرآن کریم کا دعویٰ اپنی جگہ سچا ہے۔

(محصلہ معارف القرآن: ص ۲۲۳، ج:۱)

سوال: "وَبَآءُو" جمع کا صیغہ ہے اس کے آخر میں الف کیوں نہیں ہے؟

جواب: مصحف میں ایسے ہی ہے، نیز قرآن کا رسم الخط توقیفی ہے۔ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ الخ سبب ذلت ومسکنت ❶ اس لئے کہ وہ خدا کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ وَيَقْتُلُونَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ... الخ ❷ اور اللہ کے پیغمبروں کو ناحق

قتل کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو انبیاء کو قتل کیا کرتے پھر بازاروں میں جاکر لین دین میں لگ جاتے تھے۔ (ابن کثیر: ج:۱: ص:۱۶۱: بحر محیط: ص:۲۳۶: ج۔۱)

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ: نتیجہ تجاوز حدود الٰہیہ: وقتاً فوقتاً اللہ کی نافرمانیاں کیں اور حدود الٰہیہ سے تجاوز کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ نافرمانی دلوں میں راسخ ہوگئی انبیاء کے قتل اور آیات الٰہیہ کی تکذیب کی دلیری ان میں پیدا ہوگئی۔ شرعی طور پر قتل تین طرح کا ہوسکتا ہے۔ ❶ مرتد کا قتل جب آدمی دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلے تو اس کی سزا شریعت میں قتل ہے۔

❷ محصن (یعنی شادی شدہ) جب زنا کرلے اور اقرار کرے یا اس پر چار گواہ قائم ہوجائیں تو اس کی سزا قتل ہے۔

❸ قصاص میں کسی کو قتل کرنا۔ انبیاء علیہم السلام کا قتل ان تینوں صورتوں میں سے کسی وجہ سے نہیں تھا ان کو ناحق قتل کرتے تھے۔

(تفسیر عزیزی: ص:۴۸۰ ج۔۱)

اشکال: ارتداد کی وجہ سے قتل تو اکراہ فی الدین ہے اور دین میں اکراہ نہیں ہے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ قتل نقض عہد کی وجہ سے کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک دفعہ دین حق کو قبول کرلیا پھر اس عہد کو توڑ دیا ہے۔

جن انبیاء علیہم السلام کو جہاد و قتال کا حکم ہے ان سے نصرت کا وعدہ ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے جہاد و قتال کا حکم دیا ان کے ساتھ وعدہ نصرت فرمایا اور جن انبیاء کرام علیہم السلام کو جہاد و قتال کا حکم نہیں تھا ان کے لئے کوئی عصمت و نصرت کا وعدہ بھی نہیں تھا ان میں سے جس کو چاہا جام شہادت پلا دیا تا کہ ان کے درجات و مراتب میں اضافہ ہو۔ (ملخص روح البیان: ص:۱۰۳: ج:۱: قرطبی: ص:۳۲۲ ج۔۱)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

جو لوگ مسلمان ہوئے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور جو نصرانی ہوئے اور صابی جو شخص بھی ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

اور قیامت کے دن پر اچھے کام کیے۔ پس ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس اور ان پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ

کچھ خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۶۲﴾ اور اس واقعہ کو یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور ہم نے تمہارے اوپر طور کو بلند کیا جو کچھ ہم نے دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو

بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا

اور یاد کرو جو کچھ اس میں ہے تا کہ تم متقی بن جاؤ ﴿۶۳﴾ پھر تم اس کے بعد پھر گئے پس اگر

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا

اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان اٹھانے والوں میں ہوجاتے ﴿۶۴﴾ اور البتہ تحقیق تم جانتے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے ہفتے کے دن زیادتی کی تھی

مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ

پس ہم نے ان کو کہا کہ ذلیل بندر بن جاؤ ﴿۶۵﴾ اور بنا دیا ہم نے ان لوگوں کو عبرت ان کے لیے جو اس وقت موجود تھے

يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝٦٦ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ

اور جو پیچھے آنے والے تھے اور متقیوں کے لئے نصیحت بنا دیا ﴿۶۶﴾ اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے بے شک اللہ تعالیٰ

يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ

تم کو حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو تو انہوں نے کہا۔ کیا تو بناتا ہے ہم کو ٹھٹھا کیا ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا پناہ بخدا۔ اس بات سے کہ میں

مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝٦٧ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ

جاہلوں میں سے ہو جاؤں ﴿۶۷﴾ انہوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے دعا کر ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہے (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے

لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۝٦٨ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

نہ عمر خوردہ (بوڑھی) اور نہ بچھیا (نو عمر) ہو بلکہ اس کے درمیان میں ہو پس کر ڈالو جو تم کو حکم دیا جاتا ہے ﴿۶۸﴾ انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں

يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ۝٦٩

کہ ہمارے لیے بیان کرے کہ اس گائے کا رنگ کیا ہے (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ زرد رنگ کی گائے ہے اس کا رنگ گہرا ہے جو دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے ﴿۶۹﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ

ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہے بیشک گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے اور بے شک

شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝٧٠ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ

اگر اللہ نے چاہا تو ہم راہ پالیں گے ﴿۷۰﴾ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ایسی گائے جو کہ نہ محنت کرنے والی ہو جوتتی (پھاڑتی) ہو زمین کو

وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا

اور نہ سیراب کرتی ہو کھیتی کو۔ صحیح سلامت ہو۔ اور اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ اب آپ ٹھیک بات لائے ہیں پس انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا

وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝٧١ ع ۸ ۱۰

اور وہ ایسا کرنے کے قریب نہیں تھے ﴿۷۱﴾

﴿۶۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ... الخ **ربط آیات** : گزشتہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہودیوں نے انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا تو ان پر مغفرت کا دروازہ بند ہو گیا اب یہاں سے ذکر ہے کہ اب بھی ان کیلئے توبہ اور ایمان کا دروازہ کھلا ہے۔

خلاصہ رکوع : ❶ تمام ملل و مذاہب کی نجات کا معیار ایمان، یہود کے امراض ثلاثہ تولی، حیلہ سازی، تعمق۔ ماخذ آیات: ۶۲، تا ۷۱ +

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا تتمہ و تکملہ ماسابق تمام ملل و مذاہب کی نجات کا معیار ایمان : یعنی اس آیت میں ذلت سے نکلنے اور عزت میں داخل ہونے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ پہلے فرمایا "الَّذِينَ آمَنُوا" وہ لوگ جنہوں نے ایمان

لایا پھر آگے فرمایا ہے مَنۡ اٰمَنَ کہ جو ایمان لائے گا، تو ایک دفعہ ایمان لانے کے بعد دوبارہ ایمان لانا یہ تحصیل حاصل ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو پہلے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لے آئے اور مَنۡ اٰمَنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عام ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان اور دل سے بھی ایمان لائے ہیں اور وہ بھی جو صرف زبان سے ایمان لائے ہیں یعنی منافقین اور مَنۡ اٰمَنَ سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو زبان اور دل دونوں سے ایمان لائے ہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ "من امن بمحمد" (ﷺ) مراد ہے۔

تنبیہ: سلسلہ ایمان میں جن جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اول سے آخر تک سب پر ایمان لائے چونکہ سلسلہ ایمان کی ابتداء اللہ سے ہوتی ہے اور انتہاء آخرت پر ہے اس لئے یہاں صرف ان کی تخصیص کی گئی، اس میں ایمان بالانبیاء اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتب بھی داخل ہے ورنہ ان کا منکر مسلمان نہیں ہوسکتا قرآن کریم کی صدہا نصوص اس پر دال ہیں۔

وجہ تسمیہ یہود: ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا یہ اس کی اولاد ہیں اور اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہودی مشہور ہوئے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ جب ان کے بڑوں نے بچھڑے کی عبادت کی تو اس غلطی پر انہوں نے کہا "اِنَّا هُدۡنَاۤ اِلَيۡكَ" اے مولیٰ کریم! ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں تو "هُدۡنَا" کہنے سے یہودی کہلائے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہود کے معنی جھومنا، چونکہ جب وہ تورات کو پڑھتے تو جھومتے تھے۔ اسی لئے یہودی مشہور ہو گئے۔

(تفسیر کبیر: ج ا: ص: ۵۳۵: معالم التنزیل: ص: ۶۴: ج: ا: ابن کثیر: ص: ۲۶۱: ج۔۱)

الغرض یہودی کب سے کہا جانے لگا، اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہودی مذہب کے بڑے عجیب و غریب عقائد ہیں مثلاً: یہودی اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین مخلوق ہیں، یہودی اللہ کے بیٹے ہیں، دنیا میں اگر یہودی نہ ہوتے تو زمین کی ساری برکتیں اٹھالی جاتیں، سورج چھپالیا جاتا، بارشیں روک لی جاتیں، یہود غیر یہود سے ایسے افضل ہیں جیسے انسان جانوروں سے افضل ہیں، یہودی پر حرام ہے کہ وہ غیر یہودی پر نرمی اور ہمدردی سے پیش آئے، یہودی کے لیے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ غیر یہودی کے ساتھ بھلائی کرے، دنیا کے سارے خزانے یہودیوں کے لیے پیدا کیے گئے، یہ ان کا حق ہے، لہٰذا ان کے لیے جیسے ممکن ہو ان پر قبضہ کرنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ صرف یہودی کی عبادت قبول کرتا ہے، ان کے عقیدہ میں انبیاء کرام علیہم السلام معصوم نہیں ہوتے بلکہ کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔

دجال ان کے عقیدے میں امام عدل ہے اس کے آنے سے ساری دنیا میں ان کی حکومت قائم ہوجائے گی، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں ہیں، حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگاتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا گمان یہ ہے کہ ہم نے انہیں سولی پر لٹکا کر قتل کر دیا، قرآن کریم نے ان کے غلط نظریات کی جابجا تردید کی ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ان کے عقیدہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ زمین وآسمان بنانے کے بعد تھک گئے اور ساتویں دن آرام کیا، اور وہ ساتواں دن ہفتہ کا دن تھا، اس قسم کے اور بھی بہت سارے واہیاتی عقیدے ان کے مذہب کا حصہ ہیں، یہ اہل کتاب ہیں، اور اپنے ان عقائد کی بناء پر کافر ومشرک ہیں۔

وجہ تسمیہ نصاریٰ: ایک قول یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لوگ اذیت دینے لگے تو آپ نے کہا مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ" تو انہوں نے آگے سے کہا "نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ" دوسرا یہ ہے کہ جس محلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہتے تھے اس کا نام ناصرہ تھا۔

(معالم التنزیل ص: ۶۴، ج۔۱)

صاحب کشاف لکھتے ہیں: النصاری وھو جمع نصران۔ یقال رجل نصران، وامرأۃ نصرانۃ، والیاء فی نصرانی للمبالغۃ کالتی فی احمری سموا لانھم نصروا المسیح۔ (کشاف، ص:۱۴۲، ج۔۱)
اور بعض حضرات نے اسی بستی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان لوگوں کو نصاریٰ کہا ہے جو بزعم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انہیں عیسائی یا مسیحی نہیں کہنا چاہیے، اس لیے کہ عیسائی یا مسیحی کا معنی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین، جب کہ فی الواقع یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے روگردانی کی اور انہیں بدل ڈالا، اسی لیے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں انہیں ان دوناموں سے نہیں پکارا گیا بلکہ انہیں نصاریٰ، اہل کتاب اور اہل انجیل کہا گیا ہے۔ اغلب یہی ہے کہ انہیں دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں نصاریٰ کا لقب دیا گیا۔

یہ بزعم خود عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں، انجیل ان کی آسمانی کتاب ہے۔ ان کے عقائد بھی کفروشرک پر مبنی ہیں، مثلاً عقیدہ تثلیث کے قائل ہیں کہ الوہیت کے تین جزء اور عناصر ہیں، باپ، خود ذات باری تعالیٰ بیٹا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام۔ عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر لٹکائے جانے کے قائل ہیں، اس بات کے قائل ہیں کہ آدم علیہ السلام نے جب شجر ممنوع سے دانہ کھایا تو وہ اور ان کی ذریت فنا کی مستحق ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کھایا اپنے کلمہ اور اپنے ازلی بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو جسم ظاہری عطا فرما کر جبریل علیہ السلام کے ذریعے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا، چنانچہ مریم علیہا السلام نے جب اس کلمہ ازلی کو جنا تو وہ الٰہ کی ماں بن گئی، پھر عیسیٰ علیہ السلام نے بے گناہ ہونے کے باوجود سولی پر چڑھنا گوارا کرلیا، تا کہ وہ آدم علیہ السلام کی خطاء کا کفارہ بن سکیں۔

نصاریٰ کے بہت سے گروہ ہیں مثلاً کیتھولک اور پروٹیسٹینٹ وغیرہ، مگر ان اصولی عقائد پر سب متفق ہیں، بعض فروع میں ان کا اختلاف ہے۔ نصاریٰ اہل کتاب ہیں اور اپنے عقیدہ تثلیث، الوہیت مسیح علیہ السلام اور انکار رسالت محمد ﷺ اور دیگر شرکیہ و کفریہ عقائد کی بناء پر کافر اور مشرک ہیں۔ جو شخص انہیں یا یہود کو صحیح مذہب والا سمجھتا ہے یا ان کے بارے میں جنتی ہونے کا یا جہنمی نہ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

جہاں تک حقیقی تورات اور انجیل کا تعلق ہے تو وہ سچی کتابیں ہیں، تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی، لیکن یہ دونوں آسمانی کتابیں اور زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتاری گئی تھی تبدیل کردی گئیں، آج تورات اور انجیل کے نام سے جو کتابیں موجود ہیں یہ وہ آسمانی نہیں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں تھیں، بلکہ محرف اور تبدیل شدہ ہیں، ان کی جو بات قرآن کریم اور احادیث معتبرہ کے مطابق ہو وہ مقبول ہے، ورنہ مردود، اور ان کی جس بات کے بارے میں قرآن وسنت خاموش ہوں، ہم اس کی نہ تصدیق کریں گے نہ تکذیب۔

وجہ تسمیہ صابئین: قال صاحب روح المعانی ھم قوم موحدون یعتقدون تأثیر النجوم ویعرفون ببعض الانبیاء کیحییٰ علیہ السلام۔ وقیل انھم یقرون باللہ تعالیٰ ویقرءون الزبور ویعبدون الملائکۃ ویصلون الی الکعبۃ۔ (روح المعانی، ج:۱، ص۔۲۷۸)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کہ یہ وہ گروہ ہے جو ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور یہی قول اقرب الی الصواب ہے۔ (کبیر، ص:۵۳۱، ج:۱)

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ ۔۔۔الخ نتائج مؤمنین ۱، ۲، ۳: اجر سے مراد وہ اجر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل کی بنیاد پر وعدہ

فرمایا "وَلَا خَوْفٌ الخ" یعنی جس وقت کفار کو عذاب کا اندیشہ ہوگا اور کوتاہی کرنے والوں کو عمر کے ضائع کرنے اور ثواب سے محروم ہونے پر رنج ہوگا، اس وقت مؤمنین کو نہ کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ کوئی رنج ہوگا۔

﴿۶۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ... الخ میثاق بنی اسرائیل یعنی علمی اور عملی کمزوریاں۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات حاصل ہوگئی تو انہوں نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قانون و شریعت کی فرمائش کی تو اللہ تعالیٰ نے توراۃ عطا فرمائی اور اس پر عمل کرنے کا وعدہ لیا اب انہوں نے حیلے بہانے شروع کر دیئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے اطاعت سے انکار کیا تو ان پر پہاڑ کھڑا کر دیا، فرمایا اگر تم توراۃ کو قبول نہیں کرو گے تو یہ پہاڑ تم پر چھوڑ دیا جائیگا۔ (ابن کثیر: ص: ۱۶۴ ج۔۱)

آیت کا مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو جڑ سے اٹھا کر ان کے سروں پر سائے کی طرح کھڑا کر دیا تھا، تو انہوں نے عہد کیا کہ مولیٰ کریم ہم سے مصیبت ٹال دے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تیرے احکام پر عمل کریں گے۔

مودودی صاحب کی غلطی: یہاں پر مولانا مودودی کو غلطی ہوئی ہے وہ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں: کہ پہاڑ کو بنی اسرائیل کے سروں پر معلق نہیں کیا گیا تھا بلکہ بنی اسرائیل کو پہاڑ کے دامن میں اس طرح کھڑا کیا گیا تھا کہ پہاڑ کا کچھ حصہ ان پر جھکا ہوا تھا یہ ان کی غلط فہمی ہے حالانکہ سورۃ اعراف میں "نَتَقْنَا الْجَبَلَ" کا لفظ موجود ہے جس کا مطلب اکھاڑ کر کھڑا کر دینا ہے اور معجزانہ طور پر ایسا ہو جانا کونسی بعید بات ہے۔ یہاں پر ایک اشکال ہے جب دین میں جبر نہیں تو بنی اسرائیل پر اکراہ کیوں کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ ایمان قبول کرنے پر نہیں ہے بلکہ پہلے انہوں نے اپنی خوشی سے ایمان اور اسلام کو قبول کر لیا اور اس کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے ایسا کیا گیا اس لئے باغیوں کی سزا تمام حکومتوں میں عام مخالف دشمن قوموں سے الگ ہوتی ہے ان کے لئے ہر حکومت میں دو ہی راستے ہیں یا اطاعت قبول کریں یا قتل کئے جائیں اس وجہ سے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے کفر کی سزا قتل نہیں ہے۔

(معارف القرآن م ش، د، م، ص: ۲۴۰ ج۔۱)

﴿۶۴﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ: مرض ② اعراض: "تولی" یعنی امراض عہد شکنی اس عہد شکنی کا تقاضا تو یہی تھا کہ تمہیں فوراً ہلاک کیا جاتا مگر ہماری عنایت و رحمت عامہ ہے کہ حیات مستعار کے ختم ہونے تک مہلت ہے۔ (بیان القرآن: ص ۴۷ ج۔۱)

بظاہر اس آیت کے جزاو سزا کے مخاطب وہ یہودی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا عہد شکنی میں داخل ہے اسلئے ان کو بھی عہد شکنوں میں شامل کر کے بطور مثال فرمایا گیا کہ اس پر بھی ہم نے تم پر دنیا میں کوئی عذاب ایسا نازل نہیں کیا جیسا کہ پہلے بے ایمانوں اور عہد شکنوں پر ہوتا رہا ہے یہ محض خدا کی رحمت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے اسلئے بعض مفسرین نے فضل و رحمت کی تفسیر بعثت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کی ہے۔

﴿۶۵، ۶۶﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ ... الخ مرض ③ حیلہ سازی: یہ واقعہ بنی اسرائیل کا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوا تھا، بنی اسرائیل کے لئے ہفتہ کا دن معظم اور عبادت کیلئے مقرر تھا، اور مچھلی کا شکار بھی اس دن ممنوع تھا، یہ لوگ ساحل سمندر پر آباد تھے، اللہ کے حکم سے روگردانی کی، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسخ صورت کا عذاب نازل ہوا، تین دن کے بعد سب ہلاک ہو گئے۔ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا ... الخ تذکیر بایام اللہ: اس واقعہ کو دیکھنے اور سننے والے دو قسم کے لوگ تھے فرمانبردار اور نافرمان، نافرمانوں کو توبہ کرانے کے لئے جزاول کا ذکر فرمایا "نَكَالًا" اور فرمانبرداروں کے لئے فرمانبرداری پر قائم رہنے کیلئے جز دوم کا ذکر فرمایا یہ "مَوْعِظَةً" ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان پر جمعہ کے دن کی عزت وادب کو فرض کیا مگر انہوں نے جمعہ کے دن کو پسند نہ کیا اور ہفتہ کے دن کو پسند کیا، اس دن کی عزت وعظمت کی وجہ سے مچھلی کا شکار کھیلنا حرام کر دیا گیا، ادھر اللہ تعالیٰ کی آزمائش تھی کہ ہفتہ والے دن ساری مچھلیاں اوپر آجایا کرتی تھیں اور وہ اچھلتی کودتی رہتی تھیں اور دوسرے دنوں میں کوئی نظر بھی نہیں آتی تھی ایک مدت تک یہ لوگ خاموش رہے اور شکار کرنے سے رکے رہے۔ اس کے بعد ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ہفتہ والے دن جا کر مچھلی کو پکڑ لیا، اور پھندے کی ڈوری کو کنارے پر کسی چیز سے باندھ دیا اتوار والے دن جا کر نکال لایا اور پکا کر کھائی لوگوں نے خوشبو پا کر پوچھا؟

تو اس نے کہا میں نے تو آج اتوار کو شکار کیا ہے آخر یہ راز کھلا تو اور لوگوں نے بھی اس حیلہ سازی کو پسند کیا اور وہ اس طرح مچھلیوں کا شکار کرنے لگے، پھر تو بعضوں نے دریا کے آس پاس گڑھے کھود لئے، ہفتہ والے دن جب مچھلیاں اس میں آجاتیں تو اسے بند کر دیتے اور اتوار والے دن پکڑ لاتے، کچھ لوگ جو ان میں نیک دل اور سچے مسلمان تھے وہ انہیں روکتے اور منع کرتے رہے لیکن ان کا جواب یہی تھا کہ ہم ہفتہ کو شکار ہی نہیں کھیلتے ہم تو اتوار والے دن پکڑتے ہیں ان شکار کھیلنے والوں اور منع کرنے والوں کے سوا ایک گروہ ان میں اور ہو گیا جو مصلحت وقت برتنے والے اور دونوں فریقوں کو راضی رکھنے والے تھے وہ نہ تو ان کا پورا ساتھ دیتے اور نہ ان کا شکار کھیلتے تھے نہ شکاریوں کو روکتے تھے بلکہ روکنے والوں سے کہتے تھے کہ اس قوم کو کیوں وعظ ونصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب دے گا، اور تم اپنا فرض بھی ادا کر چکے انہیں منع کر چکے جب نہیں مانتے تو اب انہیں چھوڑ دو یہ جواب دیتے کہ ایک تو خدا کے ہاں ہم معذور ہو جائیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ شاید آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں مان جائیں گے اور عذاب خدا سے نجات پالیں گے بالآخر اس مسلم جماعت نے اس حیلہ ساز فرقہ کا بالکل بائیکاٹ کر دیا، اور ان سے بالکل الگ ہو گئے، بستی کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی اور ایک دروازہ اپنے آنے جانے کا رکھا اور ایک دروازہ ان حیلہ باز نافرمانوں کے لئے اس پر بھی ایک مدت گزر گئی۔

ایک دن صبح مسلمان جاگے دن چڑھ گیا تھا مگر اب تک ان لوگوں نے اپنا دروازہ نہیں کھولا تھا اور نہ ان کی آوازیں آرہی تھیں یہ لوگ متحیر تھے کہ آج کیا بات ہے آخر جب زیادہ دیر لگ گئی تو ان لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا تو وہاں عجیب منظر ہے ان کے بچے چھوٹے بندروں کی شکل میں، اور مرد بڑے بندروں کی صورتوں میں، اور عورتیں بندریاں بنی ہوئی تھیں، اور بوڑھے خنزیروں کی صورتوں میں تبدیل ہیں، اور ہر ایک پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد ہے، یہ فلاں عورت ہے، یہ فلاں بچہ ہے وغیرہ اور یہ بھی یاد رہے کہ جب یہ عذاب آیا تو نہ صرف وہی ہلاک ہوئے جو شکار کھیلتے تھے بلکہ وہ بھی ہلاک ہوئے جو مصلحت پسند تھے نہ انہیں منع کرتے تھے اور خاموش بیٹھے ہوتے تھے اور میل جول ترک نہیں کیا تھا۔ واللہ اعلم (ابن کثیر: ص ۱۶۶، ج ۱)

﴿۶۷﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی الخ مرض ④ معاندین کے مکالمات برائے تفتیش وتعمق معاملہ: بنی اسرائیل میں عامیل نامی شخص قتل ہو گیا اور اس کا قاتل معلوم نہیں تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کے ایک ٹکڑے کو اس مردے پر مارو وہ زندہ ہو جائے گا اور اپنا قاتل بتادے گا اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس مردے کو زندہ کیا اور اس نے اپنا قاتل بتادیا کہ مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے مال کا وارث بننے کے لئے۔ (البحر المحیط: ص ۲۴۹، ج ۱)

لفظ "بَقَرَةً" نکرہ مستعمل ہوا ہے جس سے صاف ظاہر تھا کہ تعیین مقصود نہیں بلکہ تعمیل مقصود ہے اگر تخصیص اور تعیین مطلوب ہوتی تو "بَقَرَةً" الف لام کے ساتھ معرفہ لایا جاتا۔ سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گائے ذبح کرنے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: ① : حضرت موسیٰ علیہ السلام وحی کے ذریعے اس شخص کا نام بھی بتا سکتے تھے مگر وہ لوگ تکذیب اور کفر میں مبتلا ہو جاتے

اس لئے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ مردہ جب خود جواب دے گا تو کذب کا احتمال ختم ہو جائے گا۔
جوابُ ۔ ② :اس میں حکمت بھی تھی کہ لوگ سمجھ جائیں کہ گائے ذبح ہونے کے قابل ہے نہ کہ معبود ہونے کے جیسا کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنالیا تھا۔ قَالُوا ۔۔۔الخ مکالمہ بنی اسرائیل :انہوں نے کہا کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ اس گائے کو قاتل سے کیا مناسبت ہے ہم تو کہتے ہیں ایک قاتل کا پتہ بتاؤ۔
قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ ۔۔۔الخ جواب مکالمہ۔ تم اپنے زعم باطل میں اس سوال کو فلسفیانہ سمجھتے ہو حقیقت میں واضح جہالت پر مبنی ہے۔
﴿۶۸﴾ تکلیف آمیز مکالمات اور جواب مکالمات۔ ﴿۷۰﴾ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ۔۔۔الخ حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ "اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" نہ کہتے تو کبھی بھی پتہ نہ چلتا یعنی اس کلمہ کی برکت سے ان کا تحیر اور تردد رفع ہوا۔
﴿۷۱﴾ فَذَبَحُوْهَا : نتیجہ تعمیل حکم۔ پھر انہوں نے اس کو ذبح کر دیا وہ گائے ایک شخص کی تھی جو اپنی ماں کی بہت خدمت کرتا تھا اور نیک بخت تھا اس نے اس کی قیمت اتنی لمبی لی جتنی اس گائے کی کھال میں سونا بھر سکے پھر اس کو ذبح کیا۔ (عثمانی: ص:۹۲: ج۱)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور (اے بنی اسرائیل) اس واقعے کو دھیان میں لاؤ جب تم نے ایک جان کو قتل کر ڈالا تم جھگڑا کرنے لگے (ایک دوسرے کے سر پر دھرنے لگے) اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اس چیز کو جس کو تم چھپاتے تھے ﴿۷۲﴾

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

پس ہم نے کہا کہ مارو اس مردہ کو گائے کے بعض حصہ کے ساتھ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور اسی طرح وہ تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ

سمجھو (اور غور و فکر کرو) ﴿۷۳﴾ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ پس وہ پتھروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہیں

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ

اور بے شک بعض پتھروں میں سے البتہ وہ ہیں کہ جن سے نہریں جاری ہو جاتی اور بے شک ان پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں، ان سے پانی نکلتا ہے

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور بے شک ان پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو ﴿۷۴﴾

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ

(اے اہل ایمان) کیا تم توقع رکھتے ہو کہ (اہل کتاب) ایمان لائیں گے تمہاری بات پر حالانکہ ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سنتے تھے

ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا

پھر اس کو بدل ڈالتے تھے بعد اس کے کہ انہوں نے اس کو سمجھ لیا تھا اور جانتے بھی ہیں ﴿۷۵﴾ اور جب وہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں

اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

ہم بھی ایمان لائے اور جب الگ ہوتے ہیں ان میں سے بعض بعض کے پاس تو کہتے ہیں کیا تم ان (مسلمانوں) کے پاس ایسی چیزیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر ظاہر کی ہیں

لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

تا کہ وہ ان کے ذریعے تمہارے ساتھ تمہارے رب کے ہاں جھگڑا کریں کیا تم سمجھتے نہیں ﴿۷۶﴾ کیا یہ لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ

جس چیز کو یہ چھپاتے ہیں اور جس کو ظاہر کرتے ہیں ﴿۷۷﴾ اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو مگر چند جھوٹی آرزوئیں

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۤ

اور نہیں ہیں وہ مگر گمان کرتے ﴿۷۸﴾ پس ہلاکت ہے ایسے لوگوں کے لیے جو لکھتے ہیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے

ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا

پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ خریدیں اس کے ذریعے تھوڑی قیمت۔ پس ہلاکت ہے ان کے لیے

كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا

جو لکھا ہے ان کے ہاتھوں نے ہلاکت ہے ان کے لئے جو کمایا ہے انہوں نے ﴿۷۹﴾ اور (یہودی) کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو (دوزخ کی) آگ چند دن کے لئے

مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ

(اے پیغمبر) آپ فرما دیجئے کیا تم نے پکڑا ہے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی عہد۔ پس ہرگز نہیں خلاف کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے۔ بلکہ تم

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗـــــَٔــتُهٗ

اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے ﴿۸۰﴾ کیوں نہیں جس شخص نے برائی کمائی اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہوں نے

فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وہی لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۸۱﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

وہی لوگ جنت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۸۲﴾

﴿۷۲﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ ۔۔۔ الخ ربط آیات :اوپر جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کا ابتدائی حصہ اب یہاں بیان کرتے ہیں۔ اس داستان کی ترتیب بدلنے کی وجہ کیا ہے؟ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس پورے واقعہ میں دو بدعنوانیوں کا ذکر ہے ایک قتل کر کے اس کی واردات چھپانے کی کوشش کرنا، دوسرا احکام خداوندی میں خواہ مخواہ حجتیں نکالنا ان دونوں بدعنوانیوں کی طرف توجہ دلانے کے لئے ترتیب بدلی گئی۔ آخری حصہ کو شروع میں بیان کیا ہے اور شروع والے واقعہ کو یعنی احکام کے حصہ کو آخر میں بیان کیا ہے۔ اور اصلی ترتیب قائم رکھنے سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ پہلی بدعنوانی کو اصل مقصود سمجھا جائے، اور دوسری کو اس کا تتمہ سمجھ کر اصل مقصود نہ سمجھا جائے۔

خلاصہ رکوع ۹ مرض ⑤ انکشاف حقیقت الزام قتل، مردہ کو زندہ کرنے کا طریقہ، اثبات بعث بعد الموت، بنی اسرائیل کی قساوت قلبی بعد از مشاہدہ عجائب قدرت، اقسام حجارہ، مرض ⑥ یہود کی علمی کمزوریاں منافق یہود کا فریقین سے مکالمہ، یہود کا اظہار حق کی مخالفت، حماقت یہود، مرض ⑦ یہود کی عوام کا حال، مرض ⑧ علمائے یہود کی شناعت، یہود کا دعویٰ کاذبہ، تنبیہ بردعویٰ کاذبہ، ضابطہ خداوندی اہل ایمان کا نتیجہ۔ ماخذ آیات ۷۲ تا ۸۲+

فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا۔۔۔الخ مرض ⑤ انکشاف حقیقت الزام قتل : حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ انہوں نے خود قتل کر کے رونا پیٹنا شروع کر دیا اور قریبی بستی والوں پر قتل کا الزام لگا دیا اور ان سے دیت بھی طلب کی مگر بستی والوں نے اس قتل میں ملوث ہونے کی نفی کی اس آیت میں اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ تم قتل کا الزام ایک دوسرے پر لگا رہے تھے تو اللہ نے حکم دیا کہ بقرہ ذبح کرو اور یہ آیت ماقبل کے لئے مقصود ہے کہ ان کی مرض اور برائی کو الگ الگ ذکر کیا جائے کہ گائے ذبح نہ کرنے میں گناہ ہے اور آدمی کا قتل کرنا دوسرا گناہ ہے۔

﴿۷۳﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ ۔۔۔الخ مردہ کو زندہ کرنے کا طریقہ :وہ کونسا ٹکڑا ہے جو مقتول کے جسم کے ساتھ لگایا تھا؟ قرآن کریم اور صحیح احادیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کوئی کہتا ہے کہ ران کا گوشت تھا کوئی کہتا ہے دونوں شانوں کے درمیان کا گوشت تھا کوئی کہتا ہے کہ زبان کا گوشت تھا کوئی کہتا ہے کہ دُم کا گوشت تھا وغیرہ لیکن ہماری بہتری اس میں ہے کہ جسے اللہ نے مبہم رکھا ہے ہم بھی مبہم رکھیں اس ٹکڑے کے لگتے ہی وہ مردہ اٹھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جھگڑے کا فیصل بھی اس کو بنایا اور قیامت کے دن جی اٹھنے کی دلیل بھی اس کی بنائی۔ (ابن کثیر :ج ۱ :ص۔۱۷۶)

﴿۷۴﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ۔۔۔الخ قساوت قلبی بعد از مشاہدہ عجائب قدرت :اس آیت میں بنی اسرائیل کی قساوت قلبی بعد از مشاہدہ عجائب قدرت بیان کی گئی ہے کہ اس قدر زبردست معجزے اور نشانہائے قدرت دیکھ کر بھی تمہارے دل سخت پتھر جیسے بن گئے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں یہاں اس آیت میں "اَوْ" شک کیلئے نہیں ہے اس پر اجماع ہے یا تو یہ واؤ کے معنی میں ہے اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ ان کے دل پتھر جیسے اور اس سے زیادہ سخت ہو گئے ہیں یا "اَوْ" بمعنی "بل" ہے اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ ان کے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ (ابن کثیر :ص :۱۷۹:۱۷۸ :ج۔۱)

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ ۔۔۔الخ اقسام حجارہ :اس آیت میں تشبیہ اور تمثیل میں لوہے اور تانبے کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ لوہا اور تانبا آگ پر رکھنے سے پگل جاتا ہے مگر ان کے دل اس قدر سخت ہیں کہ تخویف اور ترہیب کی آگ سے بھی نہیں پگھلتے پتھر کی طرح ہیں جو کسی حال میں بھی نرم نہیں ہوتا، یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اس لئے بعض پتھر ایسے ہیں کہ ان سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں، اور بعض ایسے ہیں کہ اگرچہ ان سے نہریں تو جاری نہیں ہوتیں مگر پھٹ جاتے ہیں پھر ان سے آہستہ آہستہ پانی رستا رہتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اسی طرح بعض قلوب ایسے ہیں کہ ان سے علوم و معارف کی نہریں جاری ہو جاتی ہیں جن سے دنیا سیراب ہو جاتی ہے یہ علمائے راسخین اور ائمہ دین کی شان ہے جن کے کلمات طیبات سے مردہ دلوں کی آبیاری ہوتی ہے۔ اور بعض دل ایسے ہیں کہ ان سے علم و حکمت کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں لاکھوں انسان مستفید ہوتے ہیں یہ علمائے ربانیین کی شان ہے اور بعض دل ایسے ہیں کہ اللہ کی جلالت شان کے سامنے پست ہیں تکبرہ وغیرہ سے پاک ہیں یہ شان عباد اور زہاد

کی ہے۔ مگر ان کا مردہ دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

ازالہ شبہ: پتھر تو فہم اور اک سے خالی ہیں پھر ان کا اللہ کے خوف سے گرنے کا کیا مطلب؟

جواب: اہل حق کا نظریہ ہے کہ جمادات اور حیوانات میں بھی روح ہوتی ہے مگر اس کی حقیقت کو اللہ ہی جانتے ہیں۔ دیکھیں ابن کثیر، قرطبی، بغوی، وغیرہ۔

﴿۷۵﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا ۔۔۔ الخ مرض ⑥ یہود سے ایمان لانے کی امید نہ رکھیں۔ ربط آیات: ماقبل میں بنی اسرائیل کے جرائم کا ذکر تھا اب مؤمنوں سے کہا جارہا ہے ان سے ایمان لانے کی توقع نہ رکھو کیونکہ ان کی ساری صلاحیتیں ختم ہیں نہ ان کی پیروی کی جاسکتی ہے نہ یہ کسی کی پیروی کر سکتے ہیں۔

ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ ۔۔۔ الخ یہود کی علمی کمزوریاں: اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے تورات میں تحریف کی تھی اپنی خواہشات کے مطابق۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اللہ تعالیٰ کا کلام بنی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف کی اور تبدیلی شروع کر دی۔

(معالم التنزیل: ص: ۵۳: ج۔۱)

یعنی انہوں نے یہ کہا کہ یہ چیزیں اگر تم سے ہوسکیں تو کر لینا اور اگر نہ کرسکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ علماء یہود رشوت لے کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتے تھے اگر کوئی شخص رشوت لے آیا تو اس کے مطابق مسئلہ بتادیا اور اگر کوئی نہ لے آیا تو اس کو حق کا مسئلہ بتادیا۔ (ابن کثیر: ص: ۱۸۱: ج۔۱)

یہود نے تحریف لفظی کی تھی یا معنوی؟ اس میں علماء کے دو گروہ ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور یہی بات امام بخاری رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ تحریف معنوی تھی دوسرا گروہ جمہور علماء کا ہے وہ کہتے ہیں کہ تحریف لفظی بھی ہوئی ہے۔ والحق ھذا المذہب۔

﴿۷۶﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ مرض ⑦ منافق یہود کا فریقین سے معاملہ: یہودیوں میں منافق بھی تھے جب یہ لوگ ان لوگوں سے ملاقات کرتے جو ایمان لاچکے ہیں تو ان سے کہتے کہ ہم ایمان لاچکے ہیں اور جب ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو ان کی معیت اور ہم مشربی کے مدعی ہوتے۔ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ الخ یہود کا اظہار حق کی مخالفت: یہودیوں میں سے جو اعلانیہ کافر تھے وہ ان لوگوں کو اس بات پر ملامت کرتے تھے کہ تم اپنی کتاب کی سند یعنی محمد ﷺ کے اوصاف بیان کر کے ان کے ہاتھ میں کیوں دیتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان تمہارے رب کے سامنے تمہاری خبر دی ہوئی باتوں سے تم پر الزام قائم کریں گے کہ پیغمبر آخر الزمان کو سچ جان کر بھی ایمان نہ لائے اور تم کو لاجواب ہونا پڑے گا۔

﴿۷۷﴾ حماقت یہود: حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں اگر ان منافقین نے اپنا کفر مؤمنین سے چھپایا تو کیا؟ اور اگر ان ملامت گروں نے حضور ﷺ کی بشارت وغیرہ کے متعلق مضامین چھپائے تو کیا؟ حق تعالیٰ کو تو سب خبر ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے دونوں مضمونوں سے جابجا مطلع فرمایا۔

﴿۷۸﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ ۔۔۔ الخ مرض ⑧ یہود کی عوام کا حال: یہود میں جو جاہل لوگ تھے ان کو تو خبر نہیں تھی کہ تورات میں کیا لکھا ہے مگر چند آرزوئیں جو اپنے عالموں سے جھوٹی سنی تھیں مثلاً جنت میں صرف یہودی جائیں گے اور کوئی نہیں جائے گا اور ہمارے باپ دادا ہمیں ضرور بخشوائیں گے یہ ان کے محض باطل خیال ہیں اس پر کوئی دلیل نہیں۔

﴿۷۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ ...الخ مرض ⑨ علمائے یہود کی شناعت :علماء یہود جاہل عوام کے موافق اپنی طرف سے باتیں بنا کر لکھ دیتے پھر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے تھے مثلاً تورات میں لکھا تھا کہ نبی آخر الزمان خوبصورت بال، سیاہ آنکھیں، میانہ قد، گندم گوں رنگ والے ہوں گے، انہوں نے پھیر کر یوں لکھ دیا کہ لمبا قد، نیلی آنکھیں، سیدھے بال، تاکہ عوام الناس آپ کی تصدیق نہ کریں اور دنیوی منافع میں خلل نہ آئے۔ لفظ "ویل" نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا مگر یہاں مبتدا واقع ہے چونکہ بددعا کے معنی میں ہے اس لئے مبتدا بنایا گیا۔ (تفسیر منیر :ص ۲۰۲، ج ۱)

ویل: کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اور جہنم کے گڑھے کا نام بھی ہے جس کی آگ اتنی تیز ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو گھل جائیں، ابن ابی حاتمؒ کی روایت میں ہے کہ "ویل" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے۔
(ابن کثیر :ج ۱ :ص ۔۱۸۴)

﴿۸۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ...الخ مرض ⑩ یہود کا دعویٰ کاذبہ :حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود کا نظریہ ہے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے ہر سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہوگا تو صرف سات دن ہمیں دوزخ میں رہنا پڑے گا، اس قول کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں، بعض کہتے تھے کہ ہم صرف چالیس دن آگ میں رہیں گے کیونکہ ہمارے بڑوں نے چالیس دن تک بچھڑے کی پوجا کی تھی وغیرہ۔ (بحر محیط :ص ۲۷۸، ج ۱؛ خازن :ص ۶۶، ج ۱)

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ ...الخ تنبیہ بر دعویٰ کاذبہ :اے محمد ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے! کیا تم لوگوں نے حق تعالیٰ سے اس کے متعلق کوئی معاہدہ لے لیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے۔

﴿۸۱﴾ ضابطہ خداوندی :اس آیت میں "سَيِّئَةً" تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو شامل ہے۔ اور یہاں "سَيِّئَةً" سے مراد شرک ہے۔ (خازن :ص ۶۶، ج ۱)

اور مؤمن عاصی دوزخ میں چند روز سزا بھگت کر جنت میں داخل ہو جائیں گے مگر کافر دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

اہل تشیع کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت نہ ماننے والے اس آیت کی روشنی میں جہنمی ہیں

چنانچہ اصول کافی میں امام جعفر صادق سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے "قَالَ اِذَا جَحَدَ اِمَامَةَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ"۔ (اصول کافی :ص ۴۲۹، ج ۱ : کتاب الحجۃ طبع طہران)

ترجمہ: فرمایا جو لوگ امیر المؤمنین کی امامت کا انکار کریں گے وہ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

شیعہ کا عقیدہ امامت

اہل اسلام کے نزدیک اسلام کے بنیادی پانچ ارکان ہیں۔ ❶ توحید و رسالت۔ ❷ نماز۔ ❸ زکوٰۃ۔ ❹ حج۔ ❺ روزہ رمضان۔ (بخاری :ص ۶، ج ۱؛ مسلم :ص ۳۲، ج ۱) مگر اہل تشیع امامیہ کے نزدیک امام منصوص من اللہ اور مفترض الطاعۃ ہوتا ہے اور تمام شرائط وصفات کمالات سے متصف ہوتا ہے حتیٰ کہ نبوت کے مقام سے بھی اس کا درجہ بالاتر ہوتا ہے جیسا کہ آگے ذکر کیا جائے گا۔ امام ابوجعفر محمد باقر سے مروی ہے "بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ عَلَى الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالْحَجِّ وَالْوِلَايَةِ وَلَمْ يُنَادٰى

بِشَيْءٍ مَا نُوْدِيَ بِالْوِلَايَةِ الخ۔ (اصول کافی ،ص :۱۸، ج:۲، طبع ایران)

تَرْجَمَہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور امامت (یعنی عقیدہ امامت کو تسلیم کرنا) اوران ارکان میں سے کسی رکن کے بارے میں اتنا اہم اعلان اور تاکید نہیں کی گئی جتنی کہ امامت کے بارے میں حضرت امام باقر سے پوچھا گیا کہ ان پانچ ارکان اسلام میں سے کون سا رکن افضل ہے؟ فَقَالَ الْوِلَايَةُ۔ توانہوں نے فرمایا کہ عقیدہ امامت کا ماننا افضل ہے۔
(اصول کافی ،ص :۱۸، ج:۲، طبع ایران)

بارہ ائمہ کے نام

❶ حضرت علی المرتضیٰ بقول شیعہ خود آنحضرت ﷺ نے ان کو غدیر خم کے مقام پر خلافت کے منصب کیلئے نامزد کیا۔ ❷ ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ ❸ حضرت حسن کے چھوٹے بھائی حضرت حسین۔ ❹ پھر ان کے بیٹے حضرت علی بن الحسین (امام زین العابدین)۔ ❺ پھر ان کے بیٹے محمد بن علی (امام باقر)۔ ❻ پھر ان کے بیٹے جعفر صادق۔ ❼ پھر ان کے بیٹے موسیٰ کاظم۔ ❽ پھر ان کے بیٹے علی بن موسیٰ رضا۔ ❾ پھر ان کے بیٹے محمد بن علی تقی۔ ❿ پھر ان کے بیٹے علی بن محمد تقی۔ ⓫ پھر ان کے بیٹے حسن بن علی عسکری۔ ⓬ آخری امام محمد بن الحسن (امام غائب مہدی) جو شیعہ عقیدے کے مطابق ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں پیدا ہو کر چار یا پانچ سال کی عمر میں معجزانہ طور پر غائب ہو گئے اور اب تک وہ غار "سُرَّ مَنْ رَاٰی" میں روپوش ہیں۔ اور یہ بات یاد رہے کہ تاریخی شہادت اور تحقیقی بات یہ ہے کہ حسن بن علی عسکری کا کوئی بیٹا پیدا ہی نہیں ہوا۔ ان کے حقیقی بھائی جعفر بن علی کا یہی بیان ہے اور اسی وجہ سے حسن بن علی کی میراث انہی کو ملی تھی۔

خمینی کا نظریہ ائمہ کے بارے میں

خمینی اپنے ائمہ کے بارے میں الحکومت الاسلامیہ میں "الولایۃ التکوینیہ" کے زیر عنوان لکھتا ہے "فَإِنَّ لِلْإِمَامِ مَقَامًا مَحْمُوْدًا وَدَرَجَةً سَامِيَةً وَخِلَافَةً تَكْوِيْنِيَّةً تَخْضَعُ لِوِلَايَتِهَا وَسَيْطَرَتِهَا جَمِيْعُ ذَرَّاتِ الْكَوْنِ۔" (ص۔۵۲) ترجمہ: امام کو وہ مقام محمود اور وہ بلند درجہ اور ایسی تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم واقتدار کے سامنے سرنگوں اور تابع فرمان ہوتا ہے۔ جبکہ جمہور امت مسلمہ کے نزدیک یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر اس کی حکومت اور فرمان روائی ہے۔ اور ساری مخلوق اس کے تکوینی حکم کے سامنے سرنگوں اور تابع فرمان ہیں یہ شان کسی نبی ورسول کی بھی نہیں۔ آگے اسی عنوان کے تحت لکھتا ہے "وَإِنَّ مِنْ ضَرُوْرِيَّاتِ مَذْهَبِنَا أَنَّ لِأَئِمَّتِنَا مَقَامًا لَا يَبْلُغُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ"۔ (ص۔۵۲)

تَرْجَمَہ: اور ہمارے مذہب (شیعہ اثنا عشریہ) کے ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کو وہ مقام ومرتبہ حاصل ہے جس تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسی عنوان کے تحت آگے لکھتا ہے "وَجَعَلَ لَهُمْ مِنَ الْمَنْزِلَةِ وَالزُّلْفٰى مَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللّٰهُ"۔ (ص ۵۲)

تَرْجَمَہ: اور ان کو وہ مرتبہ مقام عطا فرمایا جس کو بس اللہ ہی جانتا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ خمینی: الحکومت الاسلامیہ: ص۔۹۱ میں لکھتا ہے "لَا يُتَصَوَّرُ فِيْهِمُ السَّهْوُ أَوِ الْغَفْلَةُ" یعنی ان کے بارے میں سہو یا غفلت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ سہو ونسیان بشریت کے لوازم میں ہے انبیاء علیہم السلام بھی اس سے محفوظ نہیں قرآن کریم میں

متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے سہو ونسیان کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

خمینی : الحکومت الاسلامیہ ص : ۱۱۳ میں لکھتا ہے "اِنَّ تَعَالِیْمَ الْاَئِمَّۃِ کَتَعَالِیْمِ الْقُرْاٰنِ لَا تَخُصُّ جِیْلًا خَاصًّا وَاِنَّمَا هِیَ تَعَالِیْمُ لِلْجَمِیْعِ فِیْ کُلِّ عَصْرٍ وَمِصْرٍ وَاِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ یَجِبُ تَنْفِیْذُهَا وَاتِّبَاعُهَا"۔

ترجمہ: ہمارے ائمہ معصومین کی تعلیمات قرآن کی تعلیمات ہی کے مثل ہیں وہ کسی خاص طبقے کے اور خاص دور کے لوگوں کیلئے مخصوص نہیں ہیں اور وہ ہر زمانہ اور ہر علاقے کے تمام انسانوں کے لئے ہیں اور تا قیام قیامت ان کی تنفیذ اور اتباع واجب ہے۔ کتاب الحجۃ اصول کافی میں "باب فرض طاعۃ الائمۃ" کے تحت یہ روایت درج ہے "عَنْ اَبِی الصَّبَّاحِ قَالَ اَشْهَدُ اَنِّیْ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ یَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا اِمَامٌ فَرَضَ اللّٰهُ طَاعَتَهٗ اَنَّ الْحَسَنَ اِمَامٌ فَرَضَ اللّٰهُ طَاعَتَهٗ اَنَّ الْحُسَیْنَ اِمَامٌ فَرَضَ اللّٰهُ طَاعَتَهٗ وَاَنَّ عَلِیَّ ابْنُ حُسَیْنٍ اِمَامٌ فَرَضَ اللّٰهُ طَاعَتَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِیٍّ اِمَامٌ فَرَضَ اللّٰهُ طَاعَتَهٗ"۔

(اصول کافی : ص ۱۸۶ : ج ۱ : طبع تہران)

ترجمہ: ابو الصباح سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ علی امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے اور حسین امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے علی بن حسین (زین العابدین) امام ہیں ان کی اطاعت اللہ نے فرض کی ہے اور ان کے بیٹے محمد بن علی (امام باقر) ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے۔ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ "نَحْنُ الَّذِیْنَ فَرَضَ اللّٰهُ طَاعَتَنَا لَا یَسَعُ النَّاسَ اِلَّا مَعْرِفَتُنَا وَلَا یُعْذَرُ النَّاسُ بِجَهَالَتِنَا مَنْ عَرَفَنَا کَانَ مُؤْمِنًا وَمَنْ اَنْکَرَنَا کَانَ کَافِرًا وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْنَا وَلَمْ یُنْکِرْنَا کَانَ ضَالًّا حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَی الْهُدَی الَّذِی افْتَرَضَ اللّٰهُ عَلَیْهِ مِنْ طَاعَتِنَا الْوَاجِبَۃِ" (اصول کافی : ص ۱۸۷ : ج ۱ : طبع تہران)

ترجمہ: ہم وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری اطاعت فرض کی ہے سب لوگوں کیلئے ہم کو پہچاننا اور ماننا ضروری ہے ہمارے بارے میں ناواقفیت کی وجہ سے لوگ معذور قرار نہیں دیئے جائیں گے جو ہم کو پہچانتا اور مانتا ہے وہ مؤمن ہے اور جو انکار کرتا ہے وہ کافر ہے اور جو ہم کو نہیں پہچانتا اور انکار بھی نہیں کرتا وہ گمراہ ہے یہاں تک کہ وہ راہ راست پر آجائے اور ہماری وہ اطاعت قبول کرلے جو اللہ نے اس پر فرض کی ہے۔

اور امام باقر نے ائمہ کی امامت اور ان کی اطاعت کی فرضیت کا بیان کرنے کے بعد فرمایا "هٰذا دین الله ودین ملائکته"۔ یہی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا دین ہے۔ (اصول کافی : ص ۱۸۸ : ج ۱ : طبع تہران)

اہل تشیع کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی طرح ائمہ معصوم ہوتے ہیں

(اصول کافی کے باب "نادر جامع فی فضل الامام وصفاته" اس باب میں آٹھویں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کا ایک طویل خطبہ ہے اس میں ائمہ کے فضائل وخصائص بیان کرتے ہوئے بار بار ان کی معصومیت کی تصریح کی گئی ہے ایک جگہ فرمایا گیا ہے "اَلْاِمَامُ الْمُطَهَّرُ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْمُبَرَّءُ مِنَ الْعُیُوْبِ"۔ (اصول کافی : ص ۲۰۰ : ج ۱ : طبع تہران)

یعنی امام ہر طرح کے گناہوں اور عیوب سے پاک اور مبرا ہوتا ہے۔ آگے اسی خطبہ میں امام کے بارے میں ہے "فَهُوَ مَعْصُوْمٌ مُؤَیَّدٌ مُوَفَّقٌ مُسَدَّدٌ قَدْ اٰمِنَ مِنَ الْخَطَاءِ وَالزَّلَلِ وَالْعِثَارِ یَخُصُّهُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ لِیَکُوْنَ حُجَّتَهٗ عَلٰی عِبَادِهٖ وَشَاهِدَهٗ عَلٰی خَلْقِهٖ"۔ (اصول کافی : ص ۲۰۳ : ج ۱ : طبع تہران)

ترجمہ: وہ معصوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی خاص تائید وتوفیق اس کے ساتھ ہوتی ہے اللہ اس کو سیدھا رکھتا ہے وہ غلطی بھول چوک اور لغزش سے محفوظ ومامون ہوتا ہے اللہ تعالیٰ معصومیت کی اس نعمت کے ساتھ اس کو مخصوص کرتا ہے تا کہ وہ اس کے بندوں پر اس کی حجت ہو اور اس کی مخلوق پر شاہد ہو۔ یہ اصول کافی اہل تشیع کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر مستند کتاب ہے اس کے مصنف کا نام ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی الرازی ہیں جن کا سن وفات ۳۲۸ھ ۳۲۹ھ ہے اور یہ کتاب شیعوں کے نزدیک امام منتظر ومعصوم کی مصدقہ ہے انہوں نے فرمایا ھٰذَا کَافٍ لِشِیْعَتِنَا کہ یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے بالکل کافی ہے۔
(اصول کافی: ص:۲۵: ج:۱: طبع تہران)

شیعہ مجتہد محقق عمدۃ المحدثین ملا محمد باقر مجلسی لکھتے ہیں:

❶ مرتبہ امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبری است۔ (حیوۃ القلوب: ص:۱۰: ج:۳: طبع تہران)
یعنی امامت کا درجہ نبوت وپیغمبری سے بالاتر ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

❷ "امامت نیز فی الحقیقۃ نبوت است"۔ (ص:۸۱: ج۔۳) یعنی امامت بھی حقیقت میں نبوت ہے۔

❸ "وحق اینستکہ در کمالات شرائط وصفات فرقی میان پیغمبر وامام نیست"۔ (ص:۳: ج۔۳)
اور حق بات یہ ہے کہ پیغمبر اور امام میں کمالات اور شرائط وصفات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ شیعہ امامیہ اثناعشریہ آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ بعض چودہ امام تسلیم کر کے گویا کہ بارہ یا چودہ نبی مانتے ہیں تو پھر ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ پر نبوت کیسے ختم ہوئی؟ اگر شیعہ ختم نبوت کا اقرار بھی کرتے ہیں تو محض تقیہ کی بنا پر۔

اہل حق کا عقیدہ شیعہ امامیہ اثناعشریہ کے بارے میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تفہیمات الٰہیہ: ص: ۲۴۴: ج :۲: میں واضح طور پر لکھتے ہیں درحقیقت شیعہ ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے وہ آنحضرت ﷺ کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں اسی طرح اپنی دوسری کتاب الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین: ص: ۵: طبع احمدی میں بیان فرمایا ہے اور المسوی: ص: ۱۱۰: ج: ۲: طبع دہلی میں امامت کے قائل شیعہ کو زندیق قرار دیا ہے اسی طرح ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فتاوی عزیزی: ص: ۳۷۷: طبع کراچی میں شیعہ کو کافر قرار دیا ہے۔

منکرین امامت اور اسکے نااہل لوگوں کے بارے میں شیعوں کا فتویٰ

شیعہ امامیہ کے نزدیک امامت کا منکر اور نااہل کافر اور دوزخی ہے چنانچہ اصول کافی میں ہے ❶ مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیٰی عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عِیْسٰی بْنِ عَلِیِّ بْنِ الْحَکَمِ عَنْ اَبَانٍ عَنِ الْفُضَیْلِ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ علیہ السلام قَالَ مَنِ ادَّعَی الْاِمَامَۃَ وَلَیْسَ مِنْ اَھْلِھَا فَھُوَ کَافِرٌ"۔ (اصول کافی: ص ۳۷۲: ج۔۱)

ترجمہ: فضیل کہتے ہیں کہ امام صادق نے فرمایا کہ جس شخص نے امامت کا دعویٰ کیا اور وہ اس کا اہل نہیں تھا تو وہ کافر ہے۔

❷ اَلْحُسَیْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُعَلَّی بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُمْھُوْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الْحُسَیْنِ بْنِ الْمُخْتَارِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ جُعِلْتُ فِدَاکَ "وَیَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَرَی الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلَی اللّٰہِ" قَالَ کُلُّ مَنْ زَعَمَ اَنَّہٗ اِمَامٌ وَلَیْسَ بِاِمَامٍ قُلْتُ وَاِنْ کَانَ فَاطِمِیًّا عَلَوِیًّا قَالَ وَاِنْ کَانَ

فَاطِمِیًّا عَلَوِیًّا۔ (اصول کافی: ص: ۳۷۲، ج:۱)

ترجمہ: حسین بن مختار کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق سے پوچھا کہ اس آیت کا مصداق کون ہے؟ اور تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا (روایت نمبر ایک اصول کافی: ص۔۳۷۲) میں ہے "وجوھھم مسودۃ" ان کے منہ کالے ہوں گے) امام نے فرمایا کہ اس آیت کا مصداق ہر وہ شخص ہے کہ جس نے امامت کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ امام نہیں میں نے کہا خواہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ تمام اولاد میں سے ہو؟ فرمایا خواہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہو گویا شیعہ عقیدہ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وہ تمام اولاد جو اس کے خودساختہ عقیدہ امامت کی منکر تھی وہ کافر ہے اور قیامت کے دن ان کے منہ کالے ہوں گے۔

اسی پر اکتفا نہیں بلکہ شیعوں کے نزدیک منکرین امامت حرام زادے ہیں۔ کلینی نے "روضہ کافی" کی روایت نمبر: ۴۳۱: میں امام باقر کی حدیث نقل کی ہے۔ ۴۳۱۔ عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْعَبَّاسِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ حُمَیْدٍ عَنْ اَبِیْ حَمْزَۃَ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ وَاللّٰہِ یَا اَبَا حَمْزَۃَ اِنَّ النَّاسَ کُلَّهُمْ اَوْلَادُ بَغَایَا مَا خَلَا شِیْعَتِنَا۔ (روضہ کافی: ص: ۱۰۹، ج۔۲)

ترجمہ: اللہ کی قسم اے ابوحمزہ لوگ سب کے سب بدکار عورتوں کی اولاد ہیں سوائے ہمارے شیعوں کے۔ علامہ مجلسی کی بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے۔ "اِنَّ حُبَّهُمْ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ عَلَامَةُ طِیْبِ الْوِلَادَةِ وَبُغْضَهُمْ عَلَامَةُ خُبْثِ الْوِلَادَةِ"۔ ترجمہ: آئمہ سے محبت رکھنا ولادت کے پاک ہونے کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا ولادت کے ناپاک ہونے کی علامت ہے۔ اس باب میں ۱۱ سو روایتیں ذکر کی ہیں جنکا خلاصہ یہی ہے کہ شیعوں کا نسب پاک ہے اور جو لوگ امامت کے منکر ہیں ان کا نسب ناپاک ہے اس سے شیعوں کی اہل بیت سے محبت کا اندازہ ہوجاتا ہے مسئلہ امامت کی آڑ میں صحابہ کو تو (سوائے دو چار کے) کافر وظالم کہتے ہی تھے لیکن اس نظریے کی وجہ سے اب اماموں کی اولاد کو بھی نعوذ باللہ ولد الحرام قرار دیتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے ذرا بھی عقل نصیب فرمائی ہو تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شیعہ اہل بیت کے کتنے بڑے مخالف ہیں۔

چند کفریہ فرقوں کا تعارف

یہاں چند باطل کفریہ عقائد کے حامل فرقوں کا تعارف بھی ملاحظہ فرمائیں جو فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

بہائی فرقہ:

بہائی فرقہ مرزا محمد علی شیرازی کی طرف منسوب ہے، محمد علی شیرازی ۱۸۲۰ء میں ایران میں پیدا ہوا، اثنا عشری فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی نے اسماعیلی مذہب کی بنیاد ڈالی۔ محمد علی نے بہت سے دعوے کیے، ایک دعویٰ یہ کیا کہ وہ امام منتظر کے لیے باب یعنی دروازہ ہے، اسی واسطے اس فرقے کو فرقہ بابیہ بھی کہا جاتا ہے، بہائیہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ایک وزیر بہاء اللہ کا سلسلہ آگے چلا، دوسرے وزیر صبح الاول کا سلسلہ نہ چل سکا۔

محمد علی کے دعووں میں سے ایک دعویٰ یہ تھا کہ وہ خود مہدی منتظر ہے، اس بات کا بھی مدعی تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر حلول کئے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی مخلوق کے لیے ظاہر کیا ہے۔ وہ قرب قیامت میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ظہور موسیٰ علیہ السلام کا بھی قائل تھا، دنیا میں اس کے علاوہ کوئی بھی نزول موسیٰ علیہ السلام کا قائل نہیں ہے۔ وہ اپنے بارے میں اس بات کا بھی مدعی تھا کہ وہ اولوا العزم من الرسل کا مثل حقیقی ہے، یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں وہی نوح تھا، موسیٰ علیہ السلام کے

زمانے میں وہی موسیٰ تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں وہی عیسیٰ تھا اور حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں وہی محمد تھا (معاذ اللہ)۔ اس کا ایک دعویٰ یہ تھا کہ اسلام، عیسائیت اور یہودیت میں کوئی فرق نہیں ہے، وہ حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا بھی منکر تھا۔ اس نے البیان نامی ایک کتاب لکھی جس کے بارے میں اس کا کہنا تھا کہ یہ کتاب قرآن کریم کا متبادل ہے۔ ایک دوسری کتاب الاقدس لکھی جس کے بارے میں اس کا دعویٰ تھا کہ یہ کتاب میری طرف بھیجی جانے والی وحی الٰہی پر مشتمل ہے، اس نے تمام محرمات شرعیہ کو جائز قرار دیا اور کتاب وسنت سے ثابت اکثر احکام شرعیہ کا انکار کیا، اسلام کے برخلاف ایک جدید اسلام پیش کرنے کا دعویٰ کیا، انہی تمام باطل دعوؤں پر اس کا خاتمہ ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا عباس المعروف عبد البہاء اس کا خلیفہ مقرر ہوا۔

یہ فرقہ بھی اپنے باطل اور کفریہ نظریات کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

اسماعیلی وآغاخانی :

اسماعیلی مذہب، اسلام کے برخلاف واضح کفریہ عقائد اور قرآن وسنت کے منافی اعمال پر مشتمل مذہب ہے۔ اس مذہب کے بانی پیر صدر الدین ۷۰۰ء میں ایران کے ایک گاؤں سبزوار میں پیدا ہوئے، خراسان سے ہندوستان آئے، سندھ پنجاب اور کشمیر کے دورے کیے اور نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کے حوالے سے ان دوروں میں بڑے بڑے تجربات حاصل کیے، چنانچہ سندھ کے ایک گاؤں کوباڑا کو اپنا مرکز ومسکن قرار دیا، ایک سو اٹھارہ سال کی طول عمر پا کر پنجاب، بھاولپور کے ایک گاؤں اوچ میں اس کا انتقال ہوا، اس نے اسماعلی مذہب کا کھوج لگا کر اسماعیلیوں کو یہ مذہب دیا۔ اس فرقہ کا کلمہ یہ ہے :

اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمدا رسول اللہ و اشھدان امیر المومنین علی اللہ۔ اسماعیلی مذہب کے عقیدہ امامت کے متعلق عجیب وغریب نظریات ہیں، ان کے نظریہ میں امام زمان ہی سب کچھ ہے۔ وہی خدا ہے، وہی قرآن ہے، وہی خانہ کعبہ ہے، وہی بیت المعمور (فرشتوں کا کعبہ) ہے، وہی جنت ہے، قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ اللہ آیا ہے اس سے مراد امام زمان ہی ہے۔

اسماعیلی ختم نبوت کے منکر ہیں، چنانچہ ان کے مذہب کے مطابق آدم علیہ السلام عالم دنیا کے دنوں کے اتوار ہیں، نوح علیہ السلام سوموار ہیں، ابراہیم علیہ السلام منگل ہیں، موسیٰ علیہ السلام بدھ ہیں، عیسیٰ علیہ السلام جمعرات ہیں اور حضرت محمد ﷺ عالم دنیا کے روز جمعہ ہیں اور سنیچر یعنی ہفتہ کے آنے کا انتظار ہے، اور وہ قائم القیامہ ہیں، ان کے زمانہ میں اعمال نہیں ہوں گے بلکہ اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اسماعیلی مذہب کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے :

(۱) دعا کے لیے ہمیشہ جماعت خانہ حاضر ہونا اور وہیں دعا پڑھنا۔ (۲) آنکھ کی نظر پاک ہونا۔ (۳) سچ بولنا۔ (۴) سچائی سے چلنا۔ (۵) نیک اعمال۔

اسماعیلی مذہب میں نماز نہیں ہے، اس کی جگہ دعا ہے، روزہ فرض نہیں، زکوٰۃ نہیں اس کے بدلے مال کا دسواں حصہ بطور دسوند امام زمان کو دینا لازم ہے، حج نہیں ہے، اس کے بدلے میں امام زمان کا دیدار ہے یا اسماعیلیوں کا حج پہلے ایران میں ہوتا ہی تھا اب بمبئی بھی حج کرنے جاتے ہیں۔ اسماعیلی مذہب کی کفریات کی بناء پر ان کو مسلمان سمجھنا یا ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا جائز نہیں۔

ذکری فرقہ:

ذکری فرقے کی بنیاد دسویں صدی ہجری میں بلوچستان کے علاقے تربت میں رکھی گئی، ملا محمد اٹکی نے اس کی بنیاد رکھی جو

۹۷۷ھ میں پیدا ہوا اور ۹۲۰ھ میں وفات پا گیا، ملا محمد اٹکی نے پہلے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا پھر نبوت کا دعویٰ کیا، آخر میں خاتم الانبیاء ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ ذکری فرقے کا بانی ملا محمد اٹکی، سید محمد جونپوری کے مریدوں میں سے تھا، اس کی وفات کے بعد اس نے ذکری فرقے کی بنیاد رکھی، سید محمد جونپوری ۸۴۷ھ میں جونپور صوبہ اودھ میں پیدا ہوا، اس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، اس کے پیروکاروں کو فرقہ مہدویہ کا نام دیا جاتا ہے، اس فرقے کے بہت سے کفریہ عقائد ہیں، مثلاً سید محمد جونپوری کو مہدی ماننا فرض ہے، اس کا انکار کفر ہے، محمد جونپوری کے تمام ساتھی آنحضرت ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں، احادیث نبوی کی تصدیق محمد جونپوری سے ضروری ہے وغیرہ وغیرہ۔

سید جونپوری نے افغانستان میں فراہ کے مقام پر وفات پائی، جونپوری کے فرقہ سے ذکری فرقہ نکلا ہے، ان دونوں فرقوں کے مابین بعض عقائد میں مماثلت پائی جاتی ہے اور بعض عقائد کا آپس میں فرق ہے۔ مثلاً مہدویہ کے نزدیک سید محمد جونپوری فراہ میں وفات پا گیا اور ذکریہ کے نزدیک وہ نور ہے مرا نہیں ہے، مہدویہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں اور ذکریہ کے نزدیک آپ ﷺ نبی ہیں۔ خاتم الانبیاء نہیں، مہدویہ کے نزدیک قرآن کریم آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ کی بیان کردہ تعبیر و تفسیر معتبر ہے اور ذکریہ کے نزدیک قرآن سید محمد جونپوری سے بروایت ملا محمد اٹکی منقول ہے، مہدویہ کے نزدیک قرآن کریم میں مذکور لفظ محمد سے نبی کریم ﷺ مراد ہیں اور ذکریہ کے نزدیک اس سے مراد سید محمد جونپوری ہے، مہدویہ ارکان اسلام نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت کے قائل ہیں اور ذکریہ ان تمام کو منسوخ مانتے ہیں، ذکریہ نے حج کے لیے کوہ مراد کو متعین کیا برکھور ایک درخت کو جو تربت سے مغرب کی جانب ہے، مہبط الہام قرار دیا، تربت سے جنوب کی جانب ایک میدان گل ڈن کو عرفات کا نام دیا، تربت کی ایک کاریز کاریز ہزئی کو زم زم کا نام دیا، یہ کاریز اب خشک ہو چکی ہے، جب کہ مہدویہ ان تمام اصطلاحات سے بے خبر ہیں۔

ذکری فرقہ وجود میں آنے کا سبب دراصل یہ بنا کہ سید محمد جونپوری کی وفات کے بعد اس کے مریدین تتر بتر ہو گئے۔ بعض نے واپس ہندوستان کا رخ کیا اور بعض دیگر علاقوں میں بکھر گئے، انہی مریدوں میں سے ایک ملا اٹکی سرباز ایرانی بلوچستان کے علاقہ میں جا نکلا، ان علاقوں میں اس وقت ایران کے ایک فرقہ باطنیہ جو فرقہ اسماعیلیہ کی شاخ ہے آباد تھی، یہ لوگ سید کہلاتے تھے، ملا محمد اٹکی نے اس فرقہ کے پیشواؤں سے بات چیت کی، مہدویہ اور باطنیہ عقائد کا آپس میں جب ملاپ ہوا تو اس کے نتیجہ میں ایک تیسرے فرقہ ذکری نے جنم لیا، ملا محمد اٹکی اپنے آپ کو مہدی آخر الزمان کا جانشین کہتا ہے۔

اس فرقہ کا کلمہ ہے، لا الہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ۔

قرآن و سنت کے برخلاف عقائد و اعمال پر اس فرقہ کی بنیاد ہے، چنانچہ یہ فرقہ عقیدہ ختم نبوت کا منکر ہے، ان کے مذہب میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے ارکان اسلام منسوخ ہیں، نماز کی جگہ مخصوص اوقات میں اپنا خود ساختہ ذکر کرتے ہیں، اسی وجہ سے ذکری کہلاتے ہیں، ان کے علاقے میں مسلمانوں کو نمازی کہا جاتا ہے کہ یہ ذکر کرتے ہیں اور مسلمان نماز پڑھتے ہیں، رمضان المبارک کو کوہ مراد تربت میں جمع ہو کر مخصوص قسم کے اعمال کرتے ہیں جس کو حج کا نام دیتے ہیں، زکوٰۃ کے بدلے اپنے مذہبی پیشواؤں کو آمدنی کا دسواں حصہ دیتے ہیں۔

ذکریوں کا عقیدہ ہے کہ ان کا پیشوا محمد مہدی نوری تھا، جو عالم بالا واپس چلا گیا، وہ کہتے ہیں نوری بود عالم بالا رفت ان کے عقیدہ کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش پر بیٹھا ہوا ہے، حضور اکرم ﷺ کو معراج اسی لیے کرایا گیا تھا کہ آپ ﷺ محمد مہدی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش پر بیٹھا ہوا دیکھ کر سمجھ لیں کہ سردار انبیاء یہ ہیں، میں نہیں ہوں (معاذ اللہ)

ذکری مذہب چند مخصوص رسموں اور خرافات کا مجموعہ ہے، ان کی ایک رسم چوگان کے نام سے مشہور ہے جس میں مرد وعورت اکٹھے ہو کر رقص کرتے ہیں، ان کی ایک خاص عبادت سجدہ ہے۔

صبح صادق سے ذرا پہلے مرد وعورت یکجا ہو کر بآواز بلند چند کلمات خوش الحانی سے پڑھتے ہیں پھر بلا قیام ورکوع ایک لمبا سجدہ کرتے ہیں جس میں چند مخصوص کلمات پڑھتے ہیں یہ اجتماعی سجدہ ہوتا ہے، اس کے بعد دو انفرادی سجدے کرتے ہیں۔

ذکری فرقہ عقیدہ ختم نبوت اور ارکان اسلام کے انکار، توہین رسالت اور بہت سے کفریہ عقائد کی بناء پر اسماعیلیوں اور قادیانیوں کی طرح زندیق ومرتد ہے، انہیں مسلمان سمجھنا یا ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا جائز نہیں۔ نیز ان کے عقائد اور اس کی تردید آگے سورۃ نساء میں آرہی ہے،

ہندو مذہب: ہندو دھرم دنیا کا قدیم ترین دھرم اور مذہب ہے، اس کا کوئی ایسا داعی یا پیغمبر نہیں جیسا اسلام، عیسائیت، یہودیت وغیرہ کا ہے، ہندو دھرم میں کوئی ایسا متفق علیہ عقیدہ، فلسفہ یا اصول نہیں ہے جس کا ماننا تمام ہندوؤں پر لازم ہو، ہندو دھرم بذات خود ایسا کوئی دھرم یا ادارہ نہیں جو لوگوں کو عبادات اور ضابطہ کا پابند بنائے۔ ہندوستان میں ۱۷۰۰ قبل مسیح آریوں کا پہلا جتھا آیا اس کے بعد یکے بعد دیگرے وہ ہندوستان وارد ہونا شروع ہوئے۔ آریائی قوم اپنے مسلک اور روایتوں کا علم لے کر ہندوستان وارد ہوئی، یہی ہندو دھرم کا ماخذ ہے۔ ہندو مذہب کی قدامت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس لفظ کے استعمال کا ثبوت آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے ۲۳۰۰ سال قبل ملتا ہے۔

ہندو دھرم کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔

ایک تعریف یہ کی گئی ہے: ہندو دھرم وہ ہے جو اصلاً ویدوں، اپنشدوں اور پرانوں وغیرہ سے مؤید ہو اور جو ایشور کو قادر مطلق، غیر متشکل ہونے میں شبہ نہ کرتے ہوئے مختلف روپ اختیار کرنے کی بھی بات مانتا ہو، اسے کسی گرنتھ یا شخص کا قیدی نہیں بتاتا، جو روح کو اس سے الگ نہیں کرتا، اس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنے کے ساتھ علامتوں (مثلاً مورتیوں) کو مسترد نہیں کرتا، جو کرم، یوگ، بھگتی اور گیان کی راہ پر چلتے ہوئے دھرم، ارتھ، اور جو کچھ کو زندگی کا نصب العین بتاتا ہے۔

ہندو دھرم کا اصل ماخذ دھارمک کتب ہیں، بقیہ ماخذ اور بنیادیں انہی پر مبنی ہیں دھارمک کتب کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

(۱) سرتی (۲) سمرتی (۳) دھرم شاستر (۴) دھرم سوتر (۵) رزمیہ تخلیقات (۶) پران (۷) اپنشد، ویدانت وغیرہ ان میں بنیادی کتب پہلی دو یعنی سرتی اور سمرتی، زیادہ تر اصطلاحات انہی کتب کے تحت آجاتی ہیں۔

سرتی: کا معنی ہے، سنی ہوئی باتیں، اس کے ذیل میں وید آتا ہے، کیونکہ ویدوں کو جاننے اور یاد کرنے کا روایتی طریقہ یہ تھا کہ انہیں استاد سے گاتے ہوئے سنا جائے، اس لیے انہیں سرتی کتب کہا جاتا ہے۔ سمرتی: کا معنی ہے یاد کیا ہوا، ویدوں کے علاوہ دیگر کتب کا شمار سمرتی میں ہوتا ہے۔ ویدوں کے علاوہ دیگر اکثر کتب مسلکی نوعیت کی ہیں اور ویدوں کے مقابلہ میں دوسرے درجہ کی اہمیت کی حامل ہیں، ان میں واقعات، کہانیاں، ضابطہ اخلاق عبادت کی رسمیں اور فلسفیانہ مکاتب فکر کی روداد یں وغیرہ پائی جاتی ہیں۔

دھرم شاستر: دھارمک قانون کو کہا جاتا ہے جو نثر میں ہوتا ہے، منظوم قانون کو دھرم سوتر کہا جاتا ہے، رزمیہ تخلیق میں جنگ وغیرہ کا بیان ہوتا ہے جیسے رامائن، مہا بھارت اور گیتا کا شمار رزمیہ اور فلسفیانہ دونوں قسم کی تحریروں میں ہوتا ہے۔

پران: پرانے اور قدیم کو کہتے ہیں اپنشد اور ویدانت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، اپنشد کا معنی ہے علم الٰہی حاصل کرنے کے

لیے استاد کے پاس جا کر بیٹھنا اسے اپنشت بھی پڑھا جاتا ہے، ویدانت کا مطلب ہے وید کا آخری یا اس کے بعد۔ ویدوں کا شمار ہندوؤں میں سب سے قدیم اور بنیادی کتب میں ہوتا ہے وید سنسکرت لفظ سے لیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں علم ومعرفت حاصل کرنا ویدوں کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے مگر اصل وید چار ہیں۔(۱) رگ وید (۲) یجر وید (۳) سام وید (۴) اتھر وید۔ ان چاروں میں سے اصل رگ وید ہے دیگر ویدوں میں اس کے منتروں، اشلوکوں، رسوم اور معلومات کو الگ الگ کر کے مرتب کیا گیا ہے۔ بہت سے ہندو اہل علم ویدوں کو خدا کی طرح غیر مخلوق مانتے ہیں، لیکن اکثر ہندو علماء ان کے ازلی اور غیر مخلوق ہونے کا انکار کرتے ہیں، ان کا دور تخلیق ۲۰۰۰ ۱سال قبل مسیح، ۱۸۰۰ قبل مسیح، ۱۰۰۰ قبل مسیح اور ۶۰۰ قبل مسیح بتلایا گیا ہے۔

ہندوؤں کے عقیدہ میں بے شمار دیوتا اور دیویاں ہیں، ہندو دھرم میں تین خدا ہیں، براہمہ دیوتا عالم کا خالق اور کائنات کا نقطہ آغاز تصور کیا جاتا ہے، اس دیوتا کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے، دوسرا بڑا دیوتا وشنو ہے یہ ویدی معبود ہے، اسے معبود شمس ظاہر کیا گیا ہے، ہندوعقیدے میں یہ رحم کا دیوتا ہے، اشیاء کی حفاظت اور بقاء کا ذمہ دار ہے۔

تیسرا بڑا دیوتا شیو ہے یہ برباد کرنے والا دیوتا سمجھا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ثانوی حیثیت کے اور دوسرے بہت سے دیوتا اور دیویاں ہندو مذہب میں مانے گئے ہیں۔ انہی دیوتاؤں کی بناء پر ہندو دھرم میں بہت سی فرقہ بندیاں ہیں۔

ہندو دیوتاؤں میں گائے کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے، ہندو ویدوں سے لے کر پرانوں، سمرتیوں اور قصص تک میں گائے اور بیل کے گوبر کی عظمت اور پرستش کا ذکر ہے، قدیم ہندوستان میں دھرم ماتما لوگ گائے کے گوبر میں سے دانے چن چن کر کھاتے اور اس کا پانی نچوڑ کر پیتے تھے، تمام دھرم شاستروں میں گائے، بیل کے گوبر اور پیشاب کو پینا گناہوں کی معافی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

ہندو دھرم میں نیوگ کے نام پر زنا کاری کو جائز قرار دیا گیا ہے، نیوگ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو اسے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر وہ چاہے تو کسی غیر مرد سے ہم بستر ہو کر اپنی شہوت کو تسکین دے سکتی ہے، اسی طرح غیر مرد سے وہ اولاد بھی پیدا کرسکتی ہے، اسی طرح عورت کا شوہر زندہ ہو مگر اس سے اولاد پیدا نہ ہوتی ہو تو یہ عورت کسی غیر مرد سے تعلقات استوار کر کے اولاد پیدا کرسکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہندوعقیدے میں اللہ تعالیٰ کی طرح مادہ اور روح کو ازلی وابدی قرار دیا گیا ہے، ہندو دھرم عقیدہ تناسخ کا قائل ہے، تناسخ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اعمال کے مطابق انسانی روح کو مختلف روپ بدلنا پڑیں گے، گناہوں اور نیکیوں کے باعث اسے بار بار جنم لینا اور مرنا پڑے گا، آریوں کا عقیدہ ہے کہ روحوں کی تعداد محدود ہے، اللہ تعالیٰ نئی روح پیدا نہیں کرسکتا، اس بناء پر ہر روح ایک لاکھ چوراسی ہزار مرتبہ مختلف شکلوں میں جنم لیتی ہے، یہ نظریہ ہے کہ روح اپنے گزشتہ اعمال وعلم کی بناء پر حصول جسم کے لیے کبھی تو رحم مادر میں داخل ہوتی ہے اور بعض روحیں مقیم اشیاء پودے وغیرہ میں داخل ہوتی ہیں۔

وحی الٰہی سے بغاوت کے نتیجے میں ہندو دھرم کفر کی تاریکی میں بھٹک رہا ہے اور رب ذوالجلال کو چھوڑ کر مختلف دیوتاؤں کو مان کر شرک جیسے ظلم عظیم کا مرتکب ہے۔

مجوس : مجوس ایک خدا کے بجائے دو خدا مانتے ہیں، ایک خدا کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ خیر اور بھلائی کا پیدا کرنے والا ہے اور اس کو یزدان کہتے ہیں، دوسرے خدا کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ہر برائی اور شر کو پیدا کرتا ہے اس کا نام وہ اہرمن رکھتے ہیں، مجوسیت کے عقیدے کے مطابق آگ بڑی مقدس چیز ہے، اس کو پوجتے ہیں، ہر وقت اس کو جلائے رکھتے ہیں، ایک لمحہ کے لیے بھی اس کو بجھنے نہیں دیتے۔ مجوس آگ کے ساتھ ساتھ سورج اور چاند کی بھی پرستش کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ مذہب بھی باطل اور شرک ہے کہ اس مذہب میں دو خدا مانے جاتے ہیں اور آگ کو پوجا جاتا ہے۔
مسلمانوں کو ان کے ساتھ بہت سے معاملات میں اہل کتاب جیسا معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن ان کا ذبیحہ کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا، اسلام پھیلنے کے ساتھ ساتھ یہ مذہب ختم ہوتا چلا گیا۔

﴿۸۲﴾ اہل ایمان کا نتیجہ۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

اور اس واقعہ کو یاد کرو کہ جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا

وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ

اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مساکین کے ساتھ اور کہو لوگوں کے لئے نیک بات اور نماز کو قائم رکھو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ

اور زکوٰۃ دیتے رہو پھر پھر گئے تم (اے بنی اسرائیل) مگر بہت تھوڑے تم میں سے اور تم اعراض کرنیوالے ہو ﴿۸۳﴾ اور اس واقعہ کو یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ

کہ آپس میں خون ریزی نہ کرو گے اور ایک دوسرے کو اپنے شہروں سے نہ نکالو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تم اس پر

تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ

گواہ ہو ﴿۸۴﴾ پھر تم وہی ہو جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو اور نکالتے ہے تم میں سے ایک گروہ ان کو

دِیَارِهِمْ ۫ تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ

وطنوں سے تم چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیتے ہو حالانکہ

مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ

ان کا نکالنا بھی تم پر حرام ہے کیا تم کتاب کے بعض حصے پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو۔ پس جو کوئی ایسا کرتا ہے تم میں سے تو اس کا بدلہ

مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی

سوائے اس کے نہیں ہے کہ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن سخت عذاب کی طرف

اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا

لوٹائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو ﴿۸۵﴾ یہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خریدا ہے

بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

پس ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿۸۶﴾

﴿۸۳﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۔ ۔ ۔ الخ مرض ⑪ ربط آیات: اوپر بنی اسرائیل کی امراض اور خرابیوں اور کجرویوں کا ذکر تھا آگے بھی انہی کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ⑩ یہود کی عملی کمزوریاں اور ان کا انجام۔ ماخذ آیات ۸۳ : تا ۸۶+

مرض ⑪ کی تشریح بنی اسرائیل سے عہود دشمانیہ اور ان کی عہد شکنی ❶ "لَا تَعْبُدُونَ" اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے۔ ❷ "وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا"۔ "إِحْسَانًا" مفعول مطلق ہے فعل محذوف کے لئے یعنی "احسنوا احساناً"۔ (تفسیر منیر: ص ۲۰۸: ج ۱)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تفسیر عزیزی میں ایک فقہی ضابطہ لکھتے ہیں کہ اگر والدین ترک فرائض واجبات کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کرو کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ" (رواہ مالک واحمد) کہ مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے گی خالق کی نافرمانی میں اور اگر ترک سنت کا حکم دے دیں تو کبھی مان لو مثلاً ترک جماعت کا حکم دیں، اور اگر ترک مستحب کا حکم دیں تو ان کی اطاعت کو مقدم سمجھو اور مستحب کام کو چھوڑ دو۔ (تفسیر عزیزی سورۃ بقرہ)

❸ وَذِي الْقُرْبَىٰ ❹ وَالْيَتَامَىٰ ❺ وَالْمَسَاكِينِ الخ فقیر اور مسکین میں فرق: فقیر وہ ہے جو ایک دن کی روزی کا مالک نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ساتویں پارے میں قسم کا کفارہ ذکر کرتے ہوئے مسکین کا ذکر کیا ہے۔ ❻ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں سے بات کرو تو بات نرم کرو، خوش روئی، اور کشادہ دلی سے کرو چاہے مخاطب نیک ہو یا بد ہو، سنی ہو یا بدعتی، ہاں دین کے معاملہ میں مداہنت اور اس کی خاطر سے حق پوشی نہ کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو یہ ہدایت نامہ دیا کہ "فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا" تو آج جو کلام کرنے والا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہیں اور مخاطب کتنا ہی برا ہو فرعون سے زیادہ خبیث نہیں۔

(معارف القرآن م،ش، د: ص: ۲۸۴ : ج ۱)

مدارات اور مداہنت میں فرق: اپنی دنیوی اور جسمانی راحت اور منفعت کو دوسرے کی دنیوی راحت اور منفعت کے خیال سے چھوڑ دینا اس کا نام مداراۃ ہے۔ اور کسی دنیوی لحاظ کی خاطر اپنے دین کو چھوڑ دینا اور اس میں سستی کرنا اس کا نام مداہنت ہے، مدارات شریعت میں مستحسن اور پسندیدہ ہے اور مداہنت قبیح اور مذموم ہے۔ ❼ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ۔ ❽ وَآتُوا الزَّكَاةَ۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ ۔ ۔ ۔ الخ عہد شکنی: پھر تم نے ان مضبوط اور محکم عہدوں سے روگرانی کی مگر تھوڑے افراد ان عہدوں پر قائم رہے۔ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ: اے بنی اسرائیل احکام الٰہی سے اعراض کرنا تمہاری عادت بلکہ طبعیت بن گئی ہے۔ (عثمانی: ص ۹۴: ج ۱)

خلاصہ آیت یہ ہے کہ اس آیت میں انسان کا اللہ سے تعلق اور دیگر انسانوں سے تعلق کا ذکر ہے، اللہ سے قلب کا تعلق ایمان، بدن کا تعلق صلوٰۃ، مال کا تعلق زکوٰۃ ہے، اور بندوں سے تعلق جان کا والدین واقرباء، مال کا یتامیٰ اور مساکین لسان کا عام انسانوں سے گفتگو۔

مواعظ ونصائح

دوسرے کے کام آنا اپنا فائدہ ہے خواہ والدین بھی کیوں نہ ہوں: یورپ اور امریکہ میں یہ کیوں سننے میں آتا ہے کہ اکثر اوقات بیٹا باپ کو چھوڑ دیتا ہے اور جب اتفاق سے ان کی ملاقات کسی ہوٹل میں ہو جاتی ہے تو دونوں اپنا اپنا بل خود ادا کرتے ہیں۔ اس طرز عمل کے پیچھے یہ نظریہ کارفرما ہوتا ہے کہ "جب مجھے آپ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا تو میں آپ کی خدمت کیوں کروں؟ کیوں آپ کے لیے پیسے خرچ کروں، اور کیوں اپنا وقت صرف کروں؟ جب مجھے آپ سے کوئی مادی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا

تو آپ کے لیے کیوں محنت کروں؟'' لیکن اسلام نے اس نظریہ کو بالکل بدل دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ وَاَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۔ ''(لوگوں کے ساتھ) نیکی اور احسان کرو، اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (سورۃ البقرہ آیت۔۱۹۵) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں کسی مسلمان بھائی کے ساتھ اس کے کسی کام کو پورا کرنے کے لیے چلوں اور اس وقت تک چلتا رہوں جب تک کہ اس کا کام پورا نہ ہو جائے تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں اپنی اس مسجد میں پورا ایک مہینہ اعتکاف میں بیٹھوں۔'' ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔'' ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پیدل کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک باندی نے آپ کو روک کر کہا کہ ''مجھے آپ سے ایک کام ہے۔'' تو آپ نے کھڑے ہو کر اس کی بات سنی اور کام معلوم کیا۔ پھر آپ اس کے ساتھ اس کے آقا کے گھر تشریف لے گئے اور اس کا کام پورا کرایا۔

نبی کریم ﷺ اسی طرح سب لوگوں سے ملتے تھے اور ان سے اگر کوئی تکلیف بھی پہنچتی تھی تو اس کو برداشت فرماتے تھے۔ اس کے باوجود لوگوں سے میل جول میں آپ کا دل شفقت بھرا ہوتا، زبان ایک داعیٔ حق کی طرح شیریں ہوتی اور آنکھیں پرنم ہوتیں۔ آپ کے برتاؤ سے محسوس ہوتا تھا کہ آپ اور دوسرے لوگ جسدِ واحد کی طرح ہیں۔ غمزدہ کے غم میں آپ برابر کے شریک ہوتے، بیمار کی بیماری، غریب کی غربت اور حاجتمند کی ضرورت کا پورا خیال رکھتے تھے۔

قبیلہ مضر کی داستان: ذرا ایک منظر دیکھئے آپ مسجد میں اپنے اصحاب کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہیں۔ اس وقت آپ کو دور سے کچھ لوگ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ غور سے دیکھا اور وہ قریب آئے تو معلوم ہوا کہ وہ قبیلہ مُضر کے لوگ ہیں جو نجد کی طرف سے آرہے ہیں۔ شدید غربت کی وجہ سے انہوں نے دھاری دار چادروں کو بیچ میں سے چیر کر بطور قمیص کے پہن لیا ہے۔ یعنی اتنے غریب تھے کہ ان کے پاس سوئی دھاگہ کے لیے بھی پیسے نہیں تھے کہ ان کپڑوں کے ٹکڑوں کو سی کر قمیص بنا لیتے۔ لہٰذا بس سر نکالنے کے لیے ان چادروں کو بیچ سے پھاڑ کر پہن لیا تھا کہ بدن کا باقی حصہ ڈھک جائے۔ ان کے پاس نہ قمیص و پاجامہ تھا اور نہ اوڑھنے کی چادر اور عمامہ۔

رسول اللہ ﷺ نے جب ان کی غربت، بھوک اور پریشانی کی یہ حالت دیکھی تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، فوراً اٹھے اور اپنے گھر جا کر ایسی چیزیں تلاش کرنے لگے جن سے ان کی مدد کی جا سکے۔ مگر وہاں کچھ نہ ملا تو دوسرے گھر جا کر ایسی چیزیں ڈھونڈیں مگر وہاں بھی کچھ نہ ملا تو آپ واپس مسجد میں تشریف لے آئے اور ظہر کی نماز پڑھانے کے بعد آپ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر فرمائی۔

حمد و ثنا کے بعد فرمایا: دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ ۔ وَالۡاَرۡحَامَ ۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ۔ (سورہ نساء آیت۔۱)

''لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو۔ اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۔

(سورۃ الحشر آیت ۱۸ ،) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (یعنی روز قیامت) کے لیے کیا

(سامان) بھیجا ہے۔ اوراس سے ڈرتے رہو وہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔"
پھر آپ نے چند دوسری آیات سنائیں اور ناصحانہ کلمات فرمائے اور پھر باآواز بلند ان کو مخاطب کر کے فرمایا :صدقہ وخیرات کرو قبل اس کے کہ تم خیرات نہ کرسکو، اور تمہارے صدقہ کرنے میں رکاوٹ حائل ہوجائے۔درہم، دینار، گندم اور جو جس کو جو توفیق ہو خیرات میں دے اور خیرات میں دی جانے والی کسی چیز کو حقیر نہ سمجھو۔" پھر آپ نے خیرات میں دی جانے والی چیزوں کی تفصیل بیان فرمائی، یہاں تک کہ فرمایا :"خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہو وہ بھی خیرات میں دے سکتے ہو۔" ابھی آپ منبر پر تھے کہ ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے اور انھوں نے روپے پیسوں سے بھرا ہوا بٹوہ آپ کو پیش کیا۔آپ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔
آپ نے یہ بٹوہ لے کر فرمایا :"جس نے سب سے پہلے نیکی کی راہ نکالی اور اس پر عمل کیا تو اس کو بڑا اجر ملے گا اور جو لوگ اس کی نکالی ہوئی راہ پر عمل پیرا ہوں گے ان کا اجر بھی اس کو ملے گا، لیکن ان لوگوں کا اجر کم نہیں کیا جائے گا۔اور جس نے کوئی برائی کی راہ نکالی تو جو لوگ راہ پر چلیں گے ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پر پڑے گا، لیکن ان لوگوں کا بوجھ کسی طرح کم نہیں ہوگا۔"
یہ سننا تھا کہ سب لوگ اٹھ کر اپنے گھروں میں گئے اور خیرات کے لیے جو مل سکا اٹھا لائے۔کوئی درہم ودینار لایا، کوئی کھجوریں اور اناج لایا اور کوئی کپڑے لے آیا۔کچھ دیر میں ہی آپ کے سامنے دو ڈھیر لگ گئے۔ایک اناج اور کھانے پینے کی چیزوں کا اور دوسرا کپڑوں کا۔یہ دیکھ کر آپ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا جیسے چودھویں کا چاند ہو۔پھر آپ نے وہ تمام اشیاء اور رقوم ان غرباء میں تقسیم فرمادیں۔(صحیح مسلم،ج:۱،ص:۱۲۷۷،رقم الحدیث۔۱۰۱۷)
جی ہاں! یہ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل۔آپ لوگوں کی حاجات وضروریات پوری کرنے کے لیے انتھک محنت فرماتے، اپنا وقت لگاتے اور خود اپنا مال بھی صرف کرتے۔اس طرح ان کے دلوں میں جگہ بنا لیتے۔یہ تو اپنے گھر سے باہر کے اجتماعی کاموں میں آپ کا طرز عمل تھا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی زندگی کا معمول:ایک مرتبہ کسی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے گھر میں کیا طرز عمل تھا"؟ تو انھوں نے بتایا کہ "آپ ہمیشہ اپنے اہل خانہ کی ضروریات پوری کرنے میں لگے رہتے اور گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے۔"
میں قارئین سے کہوں گا کہ آپ بھی لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے کے لیے یہی خدمت والا طریقہ کیوں نہ اپنائیں مثلاً کسی کو ہسپتال جانا ہے۔آپ اس کو ساتھ لے کر ہسپتال پہنچادیں کوئی مشکل میں پھنسا ہوا شخص آپ سے مدد طلب کرتا ہے تو آپ اس کی مدد کردیں۔جب یہ لوگ دیکھیں گے کہ آپ ان کی بے لوث خدمت کررہے ہیں، مشکل وقت میں ان کی مدد کررہے ہیں اور یہ سب بغیر کسی لالچ کے بے غرضی سے کررہے ہیں تو وہ آپ سے محبت کرنے لگیں گے، آپ کو دعائیں دیں گے اور اگر کبھی آپ کو ضرورت پڑی تو آپ کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔سچ ہے کہ لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا ان کے دلوں کو رام کرلینا ہے۔
﴿۸۵،۸۴﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ :مرض ⑫ یہود سے عہود ثلاثہ اور اس کی عہد شکنی ❶ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ ❷ طاقتور کمزور کو گھر سے نہ نکالے۔ ❸ اگر تمہارا کوئی آدمی قیدی ہوجائے تو اس کو فدیہ دے کر چھڑاؤ۔تو مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے تین گروہ تھے ایک بنی قریظہ اور دوسرا بنی نضیر اور تیسرا بنی قینقاع یہ آپس میں لڑتے رہتے تھے، اور مشرکین کے مدینہ میں دو گروہ تھے ایک "اوس" اور دوسرا "خزرج" یہ دونوں بھی آپس میں دشمن تھے۔بنی قریظہ تو اوس کے دوست بن گئے اور بنو قینقاع اور بنو نضیر نے خزرج سے دوستی کی تھی لڑائی میں ہر ایک گروہ اپنے اپنے موافق دوستوں کی حمایت کرتا جب ایک کو دوسرے پر غلبہ ہوتا تو

کمزور کو جلاوطن کرتے ان کے گھر گرا دیتے اور اگر کوئی قیدی ہو کر پکڑا جاتا تو سب مل جل کر مال جمع کر کے اس کا فدیہ دے کر قید سے اس کو چھڑاتے تھے تو انہوں نے اس تیسری خصوصیت پر عمل درآمد کیا لیکن پہلی اور دوسری بات کو بالکل ترک کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ تَظٰهَرُوْنَ : اصل میں "تَتَظٰهَرُوْنَ" تھا ارشاد الصرف اور صرف کی دیگر کتب میں ہے کہ باب تفاعل اور تفعل کے مضارع میں ایک تاء کا حذف کرنا جائز ہے اس لئے ایک "تا" کو حذف کیا گیا ہے۔

بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ : اثم اور عدوان میں فرق: اللہ تعالیٰ کے حق کو توڑنا "اثم" (گناہ) اور بندے کے حق کو توڑنا "عدوان" ہے۔ (جلالین ج:۱ ص۔۱۳)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اَفَتُؤْمِنُوْنَ" سے مراد یہ ہے کہ کیسی حماقت اور ظلم کی بات ہے کہ اپنے بھائیوں کو اگر غیر کے پاس پاتے ہو تو فدیہ دے کر سب کو چھڑاتے ہو اور پھر خود اپنے ہاتھ سے انہیں قتل کر ڈالتے ہو۔ (معالم التنزیل: ص: ۵۷، ج۔۱)

بِبَعْضِ الْكِتٰبِ : سے مراد فدیہ کا واجب ہونا ہے "وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ" سے مراد قتل اور جلاوطن کرنے کی حرمت ہے۔

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ... الخ نتیجہ دنیوی : بنی قریظہ کیلئے یہ رسوائی ہوئی کہ قتل ہوئے اور قید ہوئے اور بنی نضیر کے لئے یہ ہوا کہ مقام اذرعات اور اریحا میں نکال دیے گئے وہاں ان پر جزیہ مقرر ہوا۔ (مظہری: ص: ۹۱، ج۔۱)

یہود کی رسوائی: عالم انسانیت چار بنیادی فرقوں اور طبقات میں تقسیم ہے: اللہ تعالیٰ نے ان چار طبقات کی ہدایت کے لیے دو چیزیں عطائی فرمائی (۱) رجال اللہ اور (۲) کتاب اللہ جو ہدایت کے دو اہم جزو ہیں اور دنیا میں چار قسم کے لوگ اور جوان کے ضمن میں ہیں وہ سب ان دونوں سے اکھٹے فائدہ حاصل کر کے اُخروی نجات پا سکتے ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو دونوں کو ہدایت کا عنصر مانیں اور دونوں سے اپنا تعلق برقرار رکھیں، کتاب اللہ سے بھی اور رجال اللہ سے بھی، ایسا نہ ہو کہ صرف رجال اللہ کو لیں، کتاب اللہ کو چھوڑیں یا کتاب اللہ کو پلے باندھ لیں اور رجال اللہ کو چھوڑ دیں، بلکہ دونوں کے ساتھ اپنے تعلق کو برقرار رکھنے والے ہوں ان کا ذکر سورۃ آل عمران میں آئے گا۔ اور (۲) وہ لوگ جو کتاب اللہ کا بھی انکار کر دیں اور رجال اللہ سے بھی انقطاع اختیار کر لیں، نہ رجال اللہ کو مانیں اور کتاب اللہ کا بھی انکار کر دیں اور رجال اللہ سے بھی انقطاع اختیار کر لیں، نہ رجال اللہ کو مانیں۔ ایسے لوگوں کا ذکر بھی سورۃ آل عمران ۱۶۴ کے ذیل میں آئے گا۔

(۳) وہ لوگ جو کتاب اللہ کو تو ہاتھ میں لیں لیکن رجال اللہ سے انقطاع اور احتراز کر لیں۔ (۴) وہ لوگ جو صرف رجال اللہ کو اتباع کے لیے اپنا محور قرار دیں اور ان ہی سے عقیدت اور محبت کا تعلق رکھیں، اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیں۔ اب یہاں سے ان دو طبقات کا ذکر کرتے ہیں تو یہ چار اقسام کے لوگ ہیں، اگر ہم تاریخ عالم پر شروع سے آخر تک نظر ڈالیں تو انہیں چار اقسام کے لوگ ہمیشہ پائے گئے اور پائے جائیں گے۔

تیسرا طبقہ : اب ہم تیسرے طبقے کا بیان شروع کرتے ہیں پہلے اور دوسرے طبقہ کا ذکر سورۃ آل عمران میں آئے گا۔ انشاء اللہ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے ایک عنصر کو لیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا، ان میں سے سب سے پہلا نمبر قوم "یہود" کا ہے، قوم یہود نے "کتاب اللہ" کو تو تھاما لیکن رجال اللہ سے انقطاع اختیار کیا اور ان سے احتراز کیا، چنانچہ قوم یہود کی تاریخ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو، اس ملت کو علمی امت بنایا، پیغمبر بھی آئے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے مقدس کتاب "توراۃ" کی صورت میں عطا فرمائی اور توراۃ میں فقہی اور علمی مسائل بیان فرمائے، اور علم کی خاصیت یہ ہے کہ یہ تعلّی (بلندی) چاہتا ہے، اگر اس کی اصلاح کرنے کے لیے رجال اللہ نہ ہوں تو عموماً یہ علم والا شخص غرور و تکبر میں مبتلاء ہو جاتا ہے، چنانچہ ہوا یہ کہ جب ان کا علمی غرور اور

نخوت بڑھی تو انہوں نے رجال اللہ سے انقطاع اختیار کیا اور ان کا نظریہ بن گیا کہ ہمارے لیے بس کتاب اللہ ہی کافی ہے ہمیں کسی "رجال اللہ" سے نہ کتاب سیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ سمجھنے کی ضرورت، گویا "حسبنا کتابُ اللہ" یہ ان کا نعرہ بن گیا اور کتاب اللہ میں اتنے منہمک ہوئے کہ رجال اللہ کا انہوں نے انکار کیا اور رجال اللہ کی اتباع اور پیروی کو ذہنی غلامی سے تعبیر کیا، اقتداء اور پیروی کو انہوں نے "شخصیت پرستی" کا نام دے دیا، حالانکہ جب یہ لوگ رجال اللہ سے کٹے، اور اس کو شخصیت پرستی سمجھنے لگے تو اس سے بدتر چیز "خود پرستی" کا نام دے دیا، حالانکہ جب یہ لوگ رجال اللہ سے کٹے، اور اس کو شخصیت پرستی سمجھنے لگے تو اس سے بدتر چیز "خود پرستی" میں مبتلا ہو گئے، خود پرستی تو شخصیت پرستی سے کہیں زیادہ بری چیز ہے، اس محرومی کا ثمرہ آپ دیکھئے، قرآن پاک پر نظر ڈالئے، جب یہ قوم خالی کتاب اللہ سے جڑی اور رجال اللہ سے کٹی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جن جن چیزوں سے محروم کیا، جن جن آفات میں مبتلاء کیا، قرآن کریم میں اس کی تفصیل ذکر فرمائی گئی ہے۔

قوم یہود کا زوال درجہ بدرجہ :(۱) سب سے پہلی مصیبت یہ نازل ہوئی کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے سمع وطاعت (سن کر عمل کرنے کا جذبہ) والی کیفیت کو چھین لیا، چنانچہ یہ یوں کہنے لگے: "سَمِعنَا و عَصَینَا"(۲) اور جب اس چیز میں مزید مبتلا ہوئے، علمی غرور اور تکبر اور بڑھتا گیا تو یہ کیفیت ہو گئی کہ جو حکم ان کو خواہش نفس کے خلاف آتا اس کو ٹھکرا دیتے تھے، جو مرضی کے موافق ہوتا اس کو لے لیتے، چنانچہ آگے اسی سورۃ کی آیت (۸۷) میں ہے۔ فرمایا :" اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ "۔(البقرۃ :۸۷)

ترجمہ:" کہ جب بھی رسول کوئی ایسا حکم لے آئے جس کو تمہارے نفس نہیں چاہتے تھے تو تم نے تکبر کیا اور اس کا انکار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے نفس کے خلاف جو حکم دیا تھا اس کو ٹھکرا دیا، چنانچہ یہ ان پر نازل ہونے والا دوسرا وبال تھا۔"

(۳) رجال اللہ اور شخصیت مقدسہ سے انقطاع کا تیسرا وبال یہ ہوا کہ وہ شخصیت مقدسہ جن سے ان میں اعتدال کی کیفیت پیدا ہوتی کٹ گئے، تو ان کی فہم الٹ گئی، وہ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح سمجھنے لگے، حق کو باطل اور باطل کو حق کہنے لگے، کیونکہ ان کے پاس صرف الفاظ باقی رہ گئے تھے، کتاب اللہ کے نور سے، اس کے معانی اور حقیقت سے محروم کر دیئے گئے اور انسان جب معنی اور حقیقت سے محروم ہو جائے اور صرف لفظ باقی رہ جائیں تو پھر حق و باطل کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:" سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا "۔(الاعراف :۱۴۶)

ترجمہ:" میں اپنی آیات کو ان لوگوں سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرنے والے ہوں، اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں، اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا راستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس کو راستہ بنا لیں۔"

ان کی فہم اس قدر الٹ گئی کہ ہدایت کے راستے کو اپنانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور جہاں کہیں ان کو ٹیڑھا راستہ نظر آتا اس کو اپنا راستہ بنا لیتے، تو حق کا باطل نظر آنا اور باطل کا حق نظر آنا، یہ فہموں اور عقلوں پر نازل ہونے والا وہ عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے قوم یہود پر تب نازل کیا جب کہ انہوں نے رجال اللہ سے انقطاع کیا اور علمی امت ہونے کی بنا پر وہ غرور اور تکبر میں مبتلا ہو گئے، کیونکہ ان کی علمیت، قابلیت، مطالعہ، تحقیق اپنی ذات کے لیے نہیں تھی، بلکہ دوسروں کے لیے تھی، قرآن نے ایک اور مقام پر فرمایا مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعۃ :۵) ان کے علماء کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جو اپنی پشت پر کتابیں لادے ہوئے ہے، جس گدھے نے اپنی پشت پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں لادی ہوئی ہوں، اس سے

اس کی ذات کو تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، وہ تو گدھا ہے دوسروں کے لیے اٹھا کر لے جاتا ہے، تو ان کا مطالعہ، ان کی تحقیق، ان کا نالج، ان کی ریسرچ وہ دوسروں کے لیے تھی، اپنی ذات کے لیے نہیں، غرور تکبر اور نخوت میں وہ اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت ختم ہوگئی۔

(۴) اور پھر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بالآخر وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے لگے، قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ"۔ (اعراف۔۱۴۶)

ترجمہ: "کہ آیات کی تکذیب کرنے لگے اور ان سے غافل ہو گئے"۔ دیکھیے بزعم خود وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم کتاب اللہ کو تھامے ہوئے ہیں، لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ اسی کتاب اللہ کو ہی وہ ٹھکرانے لگے، کتاب اللہ کا نعرہ لگانے والا ہی سب سے پہلے کتاب اللہ کو ٹھکرانے والا بن گیا۔ (۵) اور پھر یہ مہلک ثمرہ برآمد ہوا کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کے جرم کا ارتکاب کرنے لگے چنانچہ اللہ نے ارشاد فرمایا "يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ"۔ (المائدۃ :۱۳) کہ وہ کتاب اللہ میں تحریف کرنے لگے، پانچ مصیبتیں اب تک ذکر کی گئی ہیں۔

(۶) چھٹی چیز قوم یہود پر یہ آئی کہ جب وہ رجال اللہ سے کٹ گئے تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے رجال اللہ سے احتراز کیا بلکہ رجال اللہ سے بغض و عداوت کے نتیجہ میں قتل تک نوبت آپہنچی انہوں نے رجال اللہ کو قتل کیا: چنانچہ اسی سورۃ بقرہ کی آیت (۸۷) میں ارشاد فرمایا: فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ (البقرہ:۸۷) بعض رجال اللہ کی تو انہوں نے تکذیب کی اور بعض رجال اللہ کو انہوں نے قتل کر دیا۔

(۷) علمی نخوت اور غرور جو کتاب اللہ سے جڑ کر اور رجال اللہ سے انقطاع کی وجہ سے ان میں پیدا ہوا تھا اس کی اصلاح نہ ہوئی تو اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اللہ نے ان کے دلوں سے نرمی رقت اور لینیت جو خاص ایمان کا خصوصیات تھیں، ان کو نکال لیا، وہ نرمی اور رقت القلب جس کی وجہ سے آدمی خاکساری ظاہر کرتا ہے، اس کے بجائے ان میں قساوت قلبی پیدا ہوگی چنانچہ اسی سورۃ کی آیت (۷۴) میں گزر چکا ہے۔ فرمایا: "ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً"۔ (البقرہ :۷۴)

ترجمہ: "پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے اور ایسے ہوئے جیسے پتھر بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی زیادہ۔"

چنانچہ جب دلوں کی یہ حالت ہوگئی اور دل اس حد تک پہنچ گئے کہ اب ان پر ہدایت کی کوئی بات اثر نہیں کرے گی تو ذلت اور گمراہیوں کی کھائیوں میں جا گرے، چنانچہ اللہ نے اسی سورۃ بقرہ کی آیت (۶۱) میں فرمایا: وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرۃ :۶۱) اب ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے مورد بن گئے۔

قوم یہود پر یہ سارا وبال اور رسوائی اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے کتاب اللہ کو تھاما اور رجال اللہ سے نہ صرف یہ کہ انقطاع کیا بلکہ ان کے مقابلے پر آگئے، ان کی کو تکلیفیں پہنچائیں، ان کو ستایا، ان کو قتل کیا، ان کی تکفیر کی جس کے نتیجہ میں دنیا میں ذلتیں اٹھانی پڑی اور اخروی سزا الگ ہے۔ اب چوتھے طبقہ نصاریٰ کا حال بھی یاد رکھیں۔

چوتھا طبقہ: جنہوں نے رجال اللہ کو تھاما اور کتاب اللہ کو چھوڑ دیا، اس کا مصداق نصاریٰ اور عیسائی ہیں، نصاریٰ کو اللہ نے علمی امت کے بجائے عملی امت بنایا، ان کو کتاب بھی عطا فرمائی انجیل کی صورت میں اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں شخصیت مقدسہ بھی عطا فرمائی، دونوں چیزیں ان کے پاس تھیں، اور کتاب میں جو احکام عطا فرمائے تھے ان میں زیادہ تر اصلاح باطن، تزکیہ نفس، اخلاق کی باتیں تھیں، فقہی جزئیات سے ہٹ کر زیادہ تر اصلاح کی باتیں، تصوف کی باتیں، طریقت کی باتیں تھیں، تو ظاہری

تربیت اور علاج کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت میں شخصیت مقدسہ عطاء فرمائی، لیکن ہوا یہ کہ آہستہ آہستہ یہ قوم شخصیت کے حوالے سے اعتدال سے ہٹ گئی اور اس میں یہ لوگ اتنا غلوٗ اختیار کرنے لگے کہ شخصیت پرستی میں مبتلا ہو گئے، انہوں نے کتاب اللہ کو تو چھوڑ دیا اور شخصیت کو اتنا تھاما کہ اس شخصیت کے بارے میں تذلل کے آخری کنارے پر پہنچ گئے، جب آدمی شخصیت کو اتنا تھامے گا، اتنی محبت وعقیدت اس سے قائم ہوگی کہ جس میں تذلل (عاجزی) کی آخری حدوں کو چھونے لگے تو اس غلو میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے کتاب اللہ کی ضرورت ہے اور یہ اس کو چھوڑ چکے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کتاب اللہ سے کٹ کر شخصیت پرست ہو کر رہ گئے، ان کا یہ نظریہ ہو گیا کہ کتاب اللہ ”کتاب ساکت“ ہے اور رجال اللہ ”کتاب ناطق“ ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ بولنے والی کتاب کی بجائے گونگی بہری کتاب سے رہنمائی حاصل کریں، چنانچہ انہوں نے ”شخصیت مقدسہ“ کو اتنا تھاما کہ اب ان کی اقتداء کے لیے اس شخصیت کی ہر قسم کی عادات، حرکات وسکنات ہی مقتداء بن گئیں۔ کتاب، قانون اور شریعت کو چھوڑ دیا، شخصیت کے بعض افعال ذاتی بھی ہوتے ہیں، اس کے بعض افعال معذوری، مجبوری کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن شخصیت پرستی کرنے والا جب غلوٗ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ ان ساری چیزوں کو ان کے مرتبے سے ہٹا کر اس کے ہر عمل وفعل کو مقتداء بنالیتا ہے، چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ آہستہ آہستہ یہ پورا دین نصرانیت رواجی دین بن گیا، اور اس کے اندر طرح طرح کی بدعات شامل ہو گئیں، اصل دین باقی نہ رہا۔ تو شخصیت کی غلوٗ کی حد تک اتباع میں جب انہوں نے کتاب اللہ کو چھوڑا تو بدعات اور خرافات پیدا ہو گئیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا سورۃ حدید میں ہے ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۖ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ (الحدید: ۲۷)

ترجمہ: ”وہ رہبانیت جو انہوں نے اختیار کی تھی وہ ہم نے ان پر نازل نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے اپنے زعم میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ایک راستہ بنالیا تھا، لیکن اس کی حدود کی انہوں نے رعایت نہ رکھی، (شخصیت پرستی میں جب انسان مبتلا ہوتا ہے تو حدود کی رعایت اس سے نہیں ہو سکتی) جو صحیح طور پر ایمان لانے والے تھے ان کو ہم نے اجر دیا اور اکثر لوگ فسق میں مبتلا ہو گئے۔

کتاب اللہ سے بیگانگی دوسرے لفظوں میں شریعت سے دوری اور ”رجال اللہ“ سے حد سے بڑھ کر عقیدت ہوئی تو بدعات سے بڑھ کر اب شرک میں مبتلا ہوئے، پہلے غلوٗ، اس کے بعد بدعت بنی، قرآن نے رہبانیت کو بدعت کہا، چنانچہ فرمایا: ”ابتدعوھا“، اب جب بدعت اور خرافات پیدا ہو گئیں، اس سے آگے چل کر شرک کی بنیاد پڑ گئی، چنانچہ انہوں نے جب ”کتاب اللہ“ کو چھوڑا اور ”رجال اللہ“ کو سب کچھ سمجھ لیا، تو انہوں نے یہ سمجھا کہ رجال اللہ جس کا حکم کر دیں، وہ ہی امر آخر ہے اور جس سے منع کر دیں وہی درحقیقت حرام ہے، یوں انہوں نے حلال وحرام کا اختیار رجال اللہ کو دے دیا اور ان کو حاکم مطلق سمجھنے لگے، ان کے اشاروں کو اللہ کے فرمان کی طرح حیثیت دینے لگے، ان کی ہر بات کو حکم خداوندی سمجھنے لگے جس کے نتیجے میں وہ شرک فی الحکم میں مبتلا ہو گئے، اور ”شرک فی الحکم“ میں مبتلا ہونے کو قرآن نے یوں ذکر فرمایا چنانچہ قرآن نے فرمایا: ”﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا﴾“ (التوبۃ: ۳۱)

ترجمہ: ”(شخصیت پرستی کا نتیجہ یہاں تک پہنچا کہ) انہوں نے اپنے احبار کو (یعنی علماء کو) اور اپنے پیروں کو (رھبان سے مراد پیر ہیں) اللہ کو چھوڑ کر رب بنالیا اور مسیح بن مریم کو بھی یہ مرتبہ دے دیا حالانکہ ان کو تو حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں۔“

تو بات دراصل یہ ہوئی کہ انہوں نے شخصیت مقدسہ ہی کو حلال وحرام کا معیار بنالیا، ان کو اختیار دیا کہ جس چیز کو چاہیں وہ حلال کریں۔ آج بھی بہت سے لوگ ہیں کہ جو بات پیر نے کہہ دی بس وہی ہے چاہے کوئی مفتی، کوئی عالم مسئلہ بتلائے، فتویٰ

دے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے بس جو پیر صاحب فرمادے وہ حرف آخر ہے۔ الحمد للہ ہمارے علماء و بزرگ اس سے بچے ہوئے ہیں، آپ بدعتیوں میں دیکھیے یہی ہو رہا ہے جس کی تفصیل آگے ذکر کی جائے گی۔

غرض جب نصاریٰ "شرک فی الحکم" میں مبتلا ہوئے اور غلو بڑھتا گیا اور اللہ کے احکام اور کتاب اللہ کو نظر انداز کرنے لگے تو نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شرک فی الذات کا بھی ارتکاب کرنے لگے اور شخصیت مقدسہ کو خدائی میں شریک کرنے لگے، چنانچہ قرآن نے فرمایا: "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ"۔ (المائدہ ۷۳) ترجمہ: "وہ کافر ہوں کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے ایک ہیں (ان میں حضرت مسیح بھی ہیں)۔" اور پھر اس سے بڑھ کر عین خدا کہنے لگے: "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ"۔ (المائدۃ ۷۲)

ترجمہ: "کہنے لگے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہیں۔"

جب خالق اور مسیح ان کے نزدیک ایک بن گئے تو پھر انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام میں بھی الوہیت کی جتنی صفات اور خواص تھے سارے تسلیم کر لیے کہ زندہ بھی یہ کرتے ہیں، موت بھی دے سکتے ہیں، مغفرت بھی کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ساری صفات ان میں مان لیں۔

خلاصہ بحث یہ نکلا کہ ابھی ہم نے اقوام عالم پر نظر ڈالی تو ہمیں یہ نظر آیا کہ ایک قوم جو استکبار اور جحود میں آگے بڑھی تو وہ انبیاء اور شخصیات کے قتل تک جا پہنچی، اللہ تعالیٰ کے غضب اور غصہ کا مورد بنی، اور ایک قوم وہ تھی جو کتاب اللہ سے کٹ کر شخصیت سے اتنی جڑی کہ تذلل، نیازمندی اور عقیدت میں اتنا غلو کیا کہ شرک، کفر، بدعات اور انتہادرجہ گمراہی میں مبتلا ہوئے، پہلی قوم "یہود" اور دوسری قوم "نصاریٰ" ہے۔ ﴿۸۶﴾ نتیجہ اخروی:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ہم نے ان کے پیچھے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بینات (واضح اور کھلی باتیں) دیں

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ

اور ہم نے ان کی پاک روح کے ساتھ تائید کی۔ کیا جب بھی تمہارے پاس رسول کوئی ایسی چیز لے کر آیا جسے تمہارے نفس نہیں چاہتے تھے تو تم نے تکبر کیا

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ

پس ایک فریق کو تم نے جھٹلا دیا اور ایک کو قتل کر دیا ﴿۸۷﴾ اور انہوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ نہیں، بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ہے

بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

ان کے کفر کی وجہ سے پس بہت تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں ﴿۸۸﴾ اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب آئی اس چیز کی تصدیق کرنے والی ہے

مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ښ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ

جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح مانگتے تھے اور جب ان کے پاس وہ چیز آئی

مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُوا

جب انھوں نے پہچان لیا تو اس کے ساتھ کفر کیا، پس کفر کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ ﴿۸۹﴾ وہ بری چیز ہے جس کے بدلے میں انھوں نے اپنے نفسوں کو بیچا ہے کہ کفر کرتے ہیں

بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَن يُنَزِّلَ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ

اس چیز پر جس کو اللہ نے اتارا ہے سرکشی کرتے ہوئے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اتارتا ہے۔

فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٩٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا

پس یہ لوگ غضب پہ غضب لے کر لوٹے اور کافروں کے لئے ذلت ناک عذاب ہے ﴿۹۰﴾ اور جب ان (اہل کتاب) سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ

بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ

اس چیز پر جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے (یعنی قرآن) تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی (یعنی توراۃ) اور ان کے سوا کا انکار کرتے ہیں حالانکہ برحق ہے

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ اللَّهِ مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾

اور تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے، پس تم کیوں قتل کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو اس سے پہلے اگر تم ایمان والے ہو ﴿۹۱﴾

وَلَقَدْ جَاءَكُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾

البتہ تحقیق تمہارے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کھلی نشانیاں لائے پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظلم کرنے والے تھے ﴿۹۲﴾

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ۖ

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو اٹھایا۔ پکڑو جو ہم نے دیا ہے تم کو مضبوطی کے ساتھ اور سنو

قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم

انھوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور نہ مانا اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلادی گئی ان کے کفر کی وجہ سے۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ

بِهِ إِيمَانُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾ قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ

بری بات ہے جس کے لیے تمہارا ایمان تمہیں حکم دیتا ہے اگر تم ایمان والے ہو ﴿۹۳﴾ آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر

خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا

دوسرے لوگوں کے سوا صرف تمہارے لیے خالص ہے۔ پس تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو ﴿۹۴﴾ اور وہ اس موت کی ہرگز تمنا نہیں کریں گے کبھی بھی

بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ

اس وجہ سے کہ جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظلم کرنے والوں کو ﴿۹۵﴾ اور البتہ تم ان لوگوں کو زندگی پر زیادہ حریص پاؤ گے لوگوں سے بھی

حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ

اور ان سے بھی زیادہ حریص جنہوں نے شرک کیا ان میں سے ہر کوئی پسند کرتا ہے کہ اسے ہزار سال عمر دے دی جائے حالانکہ عمر اسے خدا کے عذاب سے دور کرنے والی نہیں ہے

مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

اگر اس کو اتنی عمر دے دی جائے اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ یہ کام کرتے ہیں ﴿۹۶﴾

ع ۱۱

﴿۸۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ۔۔۔ الخ ربط آیات : پہلے رکوع میں بنی اسرائیل کی خرابیوں کا ذکر تھا اب یہاں سے ذکر ہے کہ ہم نے ان میں پے در پے یکے بعد دیگرے انبیاء کرام کا سلسلہ جاری فرمایا تا کہ ان کی عقائد ونظریات میں جو خرابیاں اور نقائص پیدا ہو چکے تھے ان کی اصلاح، تربیت اور علاج ہو اس کیلئے توراۃ عطاء کی پھر یہ سلسلہ نبوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جا کر ختم ہوا مگر انہوں نے کسی کی بات نہ مانی۔

خلاصہ رکوع ⑪ مرض ۱۳۔ بنی اسرائیل کیلئے سامان ہدایت، یہود کی مختلف خرابیوں کا علاج، نتیجہ تکبر، مرض۔ ۱۴۔ یہود کی امراض مستمرہ، مرض ۱۵۔ اثبات رسالت خاتم الانبیاء وصداقت قرآن، تکمیل تمنا، حسد، یہود سے مکالمہ، جواب مکالمہ، ازالہ شبہ۔ مرض: ۱۶۔ ۱۷ امرض ۱۸ :۔ مرض ۱۹۔ یہود کی دعوت مباہلہ، پیشینگوئی، کیفیت حرص۔ ماخذ آیات ۸۷: تا ۹۶ +

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا : مرض ⑬ بنی اسرائیل کیلئے سامان ہدایت: ہم نے بنی اسرائیل کی ہدایت اور اصلاح کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ روشن کتاب دی۔ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ : یہود کی مختلف خرابیوں کا علاج: اور ان کے چلے جانے کے بعد ان کے مختلف نقائص اور خرابیوں کی اصلاح وعلاج اور تربیت کیلئے مسلسل انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو یاد دلاتے رہے اور شریعت موسوی کی پیروی اور اس پر استقامت کی تلقین کرتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ نبوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ختم ہوا مگر یہ لوگ اپنی ہوا پرستی پر قائم رہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ لغوی تحقیق: وَقَفَّيْنَا : اور ہم پیچھے، پے در پے بھیجا۔ "تقفية" سے جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ (لغات القرآن: ص ۲۴۸: قاموس القرآن: ص۔ ۴۲۴)

مِنْۢ بَعْدِهٖ: اس کے بعد یہ تاکید کیلئے بڑھایا گیا ہے کیونکہ "قفینا" میں خود پیچھے آنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔

الْبَيِّنٰتِ : اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں، جیسے مادر زاد اندھے اور برص والے کو ٹھیک کر دینا، اور مردوں کو زندہ کر دینا وغیرہ۔ اور ایک تفسیر ہے کہ "بینات" سے مراد انجیل ہے۔ (مظہری: ج:۱: ص: ۹۲ خازن: ص: ۲۴۸: قاموس القرآن: ص۔ ۴۲۴)

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ : حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ (ابن کثیر: ج:۱: ص۔ ۱۹۳)

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم نے روح القدس کے ذریعہ عیسیٰ بن مریم کی تائید کی اس تائید سے مراد علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو اوپر اٹھا لیا۔ (مدارک: ج:۱: ص۔ ۶۸)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ولادت کے وقت میں شیطان سے حفاظت کی گئی پھر ان سے دم کرنے سے حمل عیسوی قرار پایا۔ اور تفسیر جلالین میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور ان کی حفاظت کرتے تھے۔

اسْتَكْبَرْتُمْ ۔۔۔ الخ نتیجہ تکبر : جیسے تکذیب عیسیٰ اور قتل حضرت یحییٰ وزکریا علیہم السلام۔ (جلالین: ج :۱: ص۔ ۱۴)

﴿۸۸﴾ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ : مرض ⑭۔ یہود کی امراض مستمرہ : اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ ہمارے دلوں

پر پردے ہیں یعنی یہ دل علم سے بھر پور ہیں اب اس نئے علم کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ سے جواب ملا۔
(ابن کثیر، ج ا، ص ۱۹۴، خازن، ص ۶۹، ج ۱، معالم التنزیل، ص ۵۸، ج ۱)

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہمارے دل علم کے برتن ہیں جو بات سنتے ہیں اس کو محفوظ کر لیتے ہیں مگر تمہاری بات کو نہ ہی سمجھتے ہیں اور نہ ہی محفوظ کرتے ہیں اس لئے کہ تمہاری بات میں نہ کوئی خیر ہے نہ بھلائی ورگرنہ ضرور محفوظ اور قبول کر لیتے اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا۔
(مظہری، ج ۱، ص ۔۹۴)

﴿۸۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ۔۔۔الخ مرض ۵۔ اثبات رسالت خاتم الانبیاء وصداقت قرآن۔

جب کبھی یہودی اور عرب کے مشرکوں کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہودی کہتے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کے سچے عظیم الشان رسول کتاب لے کر آنے والے ہیں ہم ان کے ساتھ مل کر تمہارا نام ونشان مٹا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے اے اللہ اس نبی کو جلدی بھیج جس کی صفات ہم توراۃ میں پاتے ہیں ہم ان پر ایمان لا کر بازو مضبوط کر کے تیرے دشمن سے بدلہ لیں گے یہ بات مشرکوں سے کہا کرتے تھے اس نبی کا زمانہ بالکل قریب ہے مگر جس وقت آپ ﷺ تشریف لائے اور آپ کو تمام صفات سے پہچان لیا تو انہوں نے عرب سے حسد کی مرض کی وجہ سے نبوت کا انکار کر دیا اللہ تعالیٰ کی پھٹکار میں آ گئے اور مشرکین مدینہ کو ایمان نصیب ہوا بالآخر حضور ﷺ کے ساتھ مل کر یہود پر غالب آ گئے۔

مسئلہ توسل

استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ نے تسکین الصدور میں بڑی بسط سے بحث فرمائی ہے میں اس کا خلاصہ لکھ دیتا ہوں دعا کا مسنون طریقہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ پہلے دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرے، اور اس کے بعد درود شریف پڑھے اور اس کے بعد نہایت اخلاص اور تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت وضرورت طلب کرے دل میں جتنی رقت ہوگی دعا مؤثر ہوگی اور جس قدر غفلت ہوگی دعا غیر مؤثر ہوگی اور آخر میں درود شریف پڑھے ہاتھ منہ پر پھیر لے اس بات میں اہل اسلام کا کوئی اختلاف اور جھگڑا نہیں ہے اختلاف اس بات میں ہے کہ دعا میں یہ کہا جا سکتا ہے یا نہیں کہ مثلاً اے اللہ تو بوسیلہ آنحضرت ﷺ یا بطفیل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا برکت حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یا بحرمت حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ یا بجاہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ میرا کام کر دے یا اس قسم کا کوئی مفہوم ہو جس کو اپنی زبان لغت اور عرف کے اعتبار سے ادا کرے تو آیا یہ درست ہے یا نہیں؟ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کی پیروی کرنے والوں نے انکار کیا ہے اس پر انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "القاعدة الجليلة في التوسل والوسيلة" اس کے علاوہ اپنی دیگر تصانیف میں اجمالاً اور تفصیلاً اس مسئلہ پر بحث کی ہے مگر علامہ سبکی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں طفیل اور توسل سے انکار کا قول ان سے پہلے کسی عالم نے نہیں کیا۔ (شفاء السقام، ص ۔۱۲۰)

یہاں یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ توسل کا مسئلہ صرف جواز کا درجہ رکھتا ہے نہ ضروری ہے نہ ناجائز۔ حضرت استاذ محترم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تسکین الصدور میں لکھتے ہیں ا توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال جائز ہے اس میں صرف نزاع لفظی ہے کیونکہ جو حضرات توسل بالذات کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہرگز نہیں کہ مثلاً آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کو (العیاذ باللہ تعالیٰ) وصف نبوت اور رسالت اور ان دینی خدمات سے جو آپ نے اپنی حیات طیبہ میں سرانجام دی ہیں ان سے الگ کر کے توسل کیا جائے یا معاذ اللہ آپ پر ایمان لانے اور آپ سے محبت کرنے کی شرط سے صرف نظر کر لی جائے یہ کسی کے وہم

وگمان میں نہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیگر مقبول بندوں کو ان کی مذہبی سرگرمیاں اور خلق خدا کی ہدایت کی کوشش سے جدا کر کے محض ان کی ذات ہی کو ملحوظ رکھا جائے ایسا ہرگز نہیں بلکہ جہاں بھی ان حضرات سے توسل ہو گا وہاں ان کی تمام خوبیاں اور عادات کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

اقسام توسل : توسل کی حکم کے لحاظ سے کئی قسمیں ہیں ❶ ایک قسم خالص شرک ہے۔ ❷ ایک قسم مکروہ ہے۔ ❸ ایک قسم جائز ہے۔ ❶ شرک یہ ہے کہ کوئی کہے یا اللہ میرا یہ کام کر دے آنحضرت ﷺ کے وسیلے سے اور آپ کے طفیل سے اور یہ سمجھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب ہیں، مختار مطلق، اور حاضر ناظر ہیں، یا کسی اور کے متعلق بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ عالم الغیب اور مختار مطلق ہے اور حاضر و ناظر تو یہ خالص شرک ہے۔ ❷ اگر کوئی شخص لفظ وسیلے اور طفیل کا لیتا ہے مگر مراد کی تعیین نہیں کرتا یعنی عالم الغیب، مختار مطلق اور حاضر و ناظر ہونے کی تعیین نہیں کرتا تو یہ مکروہ ہے۔ ❸ اگر آپ کو حاضر و ناظر، مختار مطلق، عالم الغیب نہیں سمجھتا۔ اور یہ کہتا ہے کہ میرا آپ کی رسالت پر ایمان ہے مجھے آپ سے محبت ہے تو یہ وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔ اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی نفس توسل اور توسل کی بعض صورتوں کا انکار نہیں کر سکے اور وہ ان کو درست سمجھتے ہیں : مثلاً وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں "أَسْئَلُكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ أَيْ أَسْئَالُكَ بِإِيْمَانِي بِهٖ وَبِمَحَبَّتِهٖ" الخ۔ (القاعدة الجليلة: ص۔ ۳۸)

یعنی میں تجھ سے تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کا معنی یہ ہے کہ چونکہ میرا آپ پر ایمان ہے اور آپ سے محبت ہے اسلئے اس کی وجہ سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

اکابرین علماء دیوبند کے نزدیک توسل جائز ہے

چنانچہ المہند علی المفند جو علماء دیوبند کے نزدیک ایک اجماعی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء اولیاء وصدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں یا بعد وفات بایں طور کہے کہ یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں اسی جیسے اور کلمات کہے چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے ہمارے شیخ شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ ثم المکی نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں۔ (ص۔ ۱۳: ۱۲)

سوال: اکثر آدمی شجرہ خاندان کا ہر صبح و شام پڑھتے ہیں کیسا ہے؟

جواب: شجرہ پڑھنا درست ہے کیونکہ اس میں بتوسل اولیاء کے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اس کا کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ۱۳۰۱ ہجری نبوی ﷺ۔ رشید احمد۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۸۰، ۷ : حصہ اول : میر محمد کتب خانہ کراچی)

حضرت گنگوہی کے شاگرد رشید جلیل القدر عالم حامی توحید وسنت اور ماحی شرک وبدعت حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ جو سینکڑوں علماء کے استاد و مرشد تھے اپنی املائی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "وحل مشکلے از حق تعالیٰ طلب نمودن بتوجہ بزرگان بجا است وعین رضا است الی ان قال بداں اے برادر گفتن یا رسول اللہ بطریق تعشق وتوسل خارج از بحث است"۔ (بلغة الحیران : ص۔ ۳۵۴)

ترجمہ: کسی مشکل کا حل اللہ تعالیٰ سے بزرگوں کے توسل سے طلب کرنا بجا اور عین رضا ہے، پھر آگے فرمایا کہ اے بھائی جان لے کہ یا رسول اللہ بطور محبت اور توسل کے کہنا اختلافی بحث سے خارج ہے (کیونکہ وہ جائز ہے)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ انبیاء وصالحین کے وسیلہ سے دعا کرنا مستحب ہے کہ حق تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرمادے فقط۔ (فتاویٰ دارالعلوم : ج : ۵، ص : ۴۴۱۔ ۴۴۲)

باقی دیگر فقہائے کرام نے عموماً اور فقہائے احناف نے خصوصاً یہ بیان کیا ہے کہ توسل کے موقع پر بحق فلاں کا لفظ استعمال کرنا مکروہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ وغیرہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر ضروری ہے کہ نیکیوں پر بندوں کو ثواب دے اور بدیوں پر عذاب دے چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "لَا یَجِبُ عَلَی اللّٰهِ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ"۔ (مرقاۃ ج:۱، ص۔۹۸)

ترجمہ: کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں بخلاف معتزلہ کے کہ وہ وجوب کے قائل ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کا کوئی حق عائد نہیں ہوتا ہاں البتہ محض اپنے ارادہ سے جس حق کا وعدہ کیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے نہ اس میں کوئی کلام ہے اور نہ اس میں کوئی جبر لازم آتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے "حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ" (سورۃ یونس آیت۔۱۰۳) **ترجمہ**: ہم پر حق ہے ہم مؤمنوں کو نجات دیں گے اور یہ حق بھی بحسب وعدہ ہے اس معنی میں کوئی قباحت نہیں ہاں یہ سمجھ کر کہنا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق لازم ہے یہ مکروہ ہے چنانچہ (ہدایہ، ج:۴، ص:۲۱۱؛ فتاویٰ سراجیہ: ص۔۷۲) پر اس کی تصریح موجود ہے۔ (تسکین الصدور، ص۔۴۲۰)

حدیث شریف سے توسل کا ثبوت دلائل اہل حق

❶ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلًا ضَرِيْرَ الْبَصَرِ اَتَی النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اُدْعُ اللّٰهَ لِيْ اَنْ يُّعَافِيَنِيْ (اِلٰی قَوْلِهٖ) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ الخ قال ابو اسحاق هذا حديث صحيح"۔

ترجمہ: اور فوائد نشر الطیب مصنفہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ سے نقل کیے جاتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجت میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نابینا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے آپ نے فرمایا اگر تو چاہے اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے اور اگر چاہے تو دعا کردوں اس نے عرض کیا کہ دعا ہی کردیجئے آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت پڑھے اور یہ دعا کرے اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ محمد ﷺ نبی رحمت کے۔ اے محمد میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ پوری ہووے اے اللہ آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔

ف: اس سے توسل صراحتہً ثابت ہوا اور چونکہ آپ کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے اسی طرح توسل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔ (نشر الطیب، ص۔۲۴۸)

انجاح الحاجۃ (حاشیہ ابن ماجہ) میں ہے کہ اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے کتاب الدعوات میں نقل کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور بیہقی نے تصحیح کی ہے اور اتنا زیادہ کیا ہے کہ وہ کھڑا ہو گیا اور بینا ہو گیا۔ (حوالہ بالا)

❷ (دوسری روایت) انجاح الحاجۃ میں بعد تصحیح حدیث مذکورہ کے کہا ہے کہ طبرانی نے کبیر میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سابق الذکر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کام کو جایا کرتا تھا اور وہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے اس عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے فرمایا تو وضو کرکے مسجد میں جا اور وہی دعا اوپر والی سکھلا کر کہا کہ یہ پڑھ چنانچہ اس نے بھی کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جب پھر گیا تو انہوں نے بڑی تعظیم و تکریم کی اور کام پورا کردیا۔

فائدہ: اس سے توسل ذات سے بعد الوفات بھی ثابت ہوا۔ (نشر الطیب)

فائدہ: یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ زندہ شخصیت پر توسل تو اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نیک اور مقرب و مقبول بندہ ہے اگر وہ وفات پا جاتا ہے تو کیا موت کے ساتھ اسکی نیکی اور مقبولیت بھی زائل ہو جاتی کہ ان کے مرنے کے بعد توسل کو لغو اور

ناجائز قرار دیا جائے۔

❸ عَنْ اُمَيَّةَ بْنِ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ اُسَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ اَنَّهٗ كَانَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ
رواہ فی شرح السنۃ۔ (مشکوٰۃ ص۔۴۴۷)

ترجمہ: امیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فتح کی دعا کیا کرتے تھے بتوسل فقراء مہاجرین کے روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں۔ فائدہ: عادۃ توسل اہل طریق میں مقبولان الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی بھی یہی حقیقت اور غرض ہے الخ (التکشف: ص۔۴۴۲)

❹ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ابْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ
(رواہ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ ص۔۴۴۷)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مجھ کو (قیامت کے روز) غرباء میں ڈھونڈنا کیونکہ غرباء کی ایسی فضیلت ہے کہ رزق اور دشمنوں پر غلبہ غرباء ہی کے طفیل سے میسر ہوتا ہے روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

ترجمہ: ۳، ۴ والی حدیثوں سے ثابت ہوا کہ مقبولان الٰہی کی ذوات سے بھی توسل جائز ہے۔

❺ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ ظَنَّ اِنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰى مَنْ دُوْنَهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ اِنَّمَا يَنْصُرُ اللهُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِضَعِيْفِهَا بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَاِخْلَاصِهِمْ۔ (نسائی: ص: ۶۴: ج۔۲) وھو عند البخاری بلفظ هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ۔

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے خیال آیا کہ مجھے دوسرے صحابہ پر فضیلت ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد فرماتا ہے اس کے کمزور بندوں اور ان کی دعاؤں کو اخلاص کے طفیل۔ روایت کیا اس کو نسائی نے اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ تم کو نصرت اور رزق دیا ہی جاتا ہے کمزوروں کے طفیل۔ ف: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی ذات اور اعمال واخلاص کے وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ ...الخ تکمیل تمنا: پھر جب ان کے پاس وہ چیز خود بخود آپہنچی یعنی نبی امی اور قرآن جس کو آنے سے پہلے ہی خوب پہچان چکے تھے اور اس کے ظہور کے منتظر تھے آتے ہی محض حسد اور عناد کی وجہ سے ان کا انکار کر بیٹھے۔

نصیب شاہ سلفی کا عقیدہ توسل پر اعتراض

فوت شدہ انبیاء کرام واولیاء کے نام سے وسیلہ پکڑنا اور دعا مانگنا اقسام بدعت میں سے ہے دور فاروقی میں قحط کی وجہ سے عباس رضی اللہ عنہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے دعا کرائی جب کہ قبر نبی ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں ہی واقع ہے مگر اس مسجد سے نکل کر استسقاء کے لیے گئے اور فوت شدہ نبی کو چھوڑ کر زندہ عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کو وسیلہ بنایا۔ (بخاری فی الاستسقاء)

اسی طرح خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں انہوں نے یزید بن الاسود الجرسی رضی اللہ عنہ سے دعا کرائی یا یزید ارفع یدیك الی الله فرفع یدیه و دعا و دعوا فسقوا قال شیخ الاسلام ولم یذکر احد من العلماء انه یشرع التوسل والاستسقاء بالنبی والصالح بعد موته ولا مغیبه فهذا من الشرك و هو من دین النصاری۔

فتاویٰ ۱۴ صفحہ ۵۲ میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علماء میں کسی سے یہ ثابت نہیں کہ نبی یا صالح ولی کے مرنے یا غائب ہونے کے بعد اس کا وسیلہ پکڑنا مشروع ہو۔ چند سطور کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے خوف یا مصیبت کے وقت

اطمینان قلب کے لیے اپنے شیخ کو پکارا تو یہ شرک اور نصاریٰ کے دین کی ایک قسم ہے۔ موازنہ کیجئے ص۔ ۵۔

جواب :اس اعتراض میں فریق مخالف نے دو حدیثیں اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول پیش کیا ہے۔

فریق مخالف کی اپنی کتب اور عقائد سے ناواقفی :فریق مخالف اگر اپنے اکابر کی کتب کا مطالعہ کر لیتے تو وہ علماء دیوبند پر اعتراض نہ کرتے کیونکہ ان احادیث کے بارے میں ان کے اکابر کی آراء موجود ہیں، جو ہمارے عقیدے کی تائید کرتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) علامہ وحید الزمان کی رائے :غیر مقلدین کے پیشوا حضرت علامہ وحید الزمان شاہ صاحب پیش کردہ حدیث "وانا نتوسل الیك بعم نبیا" کی تشریح کرتے ہوئے تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری پارہ ۴ ص۔ ۷۷ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :

اس حدیث سے نیک بندوں کا وسیلہ لینا ثابت ہوا۔ بنی اسرائیل بھی قحط میں اپنے پیغمبر کے اہل بیت کا توسل کرتے۔ اللہ تعالیٰ پانی برساتا ہے اس سے یہ نہیں نکلتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا توسل آپ کی وفات کے بعد منع تھا۔ کیونکہ آپ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دعا سکھائی اس میں یوں "یا محمد انی اتوسل بك الی ربی" اور اس صحابی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد یہ دعا دوسروں کو سکھائی مگر ہمارے اصحاب میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اس طرف گئے ہیں کہ اموات وقبور کا توسل جائز نہیں نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ کی قبر کا توسل کیا اور خلاف کیا ان کا بہت سے اکابر محدثین اور علماء نے اور یہ کہا کہ ایک امر کا منقول نہ ہونا اس کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتا جبکہ اصل وسیلہ کا جواز شرع سے ثابت ہے الخ (تیسیر الباری پارہ ۴ ص ۷۷ : کا حاشیہ اور ۲: ص۔ ۳۸۵ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں : مسلم ۲ صفحہ ۲۸۲ کی روایت میں یوں ہے یا اللہ میں اس (یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ) سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ، ہم گنہگاروں کے پاس کوئی نیکی نہیں ہے بجز اس کے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے ہیں یا اللہ اپنے حبیب کی دعا پوری کر اور ہم کو آخرت کے عذاب سے امام حسن رضی اللہ عنہ کے طفیل بچادے، یارب العالمین۔
(تیسیر الباری ۲ ص۔ ۳۸۵)

(۲) نذیر حسین دہلوی کی رائے :غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل مولانا نذیر حسین دہلوی اپنی مشہور کتاب معیار الحق کے آخر میں لکھتے ہیں ہٰذا آخر ما الهم الله خالق الثقلین عبدہ العاجز محمد نذیر حسین عافاہ الله فی الدارین بجاہ سید الثقلین (معیار الحق ص ۴۱۹) اس عبارت میں "بجاہ سید الثقلین" سے توسل صراحۃً مذکور ہے۔ لہٰذا فریق مخالف کا موقف غلط ثابت ہوا اور ہماری موقف سو فیصد صحیح ثابت ہوا۔ ان دونوں حوالوں کو بغور پڑھیں۔ الحمد للہ مسئلہ صاف ہے باقی ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ہم صرف خیر خواہی سے بتا سکتے ہیں۔ منوانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

﴿۹۰﴾ مطلب یہ ہے کہ حسد اور طمع کی وجہ سے کفر کے بدلہ میں اپنی جانوں کو فروخت کر ڈالا۔

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ الخ یہود غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے، دو اسباب سے۔ ❶ کفر یعنی اپنی کتاب کا انکار کر کے کافر ہوئے۔ ❷ حسد کہ انہوں نے قرآن کا انکار کیا اور آپ کی بعثت سے حسد کیا۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ :عذاب کے ساتھ مُّهِيْنٌ کی قید سے یہ بتانا مقصود ہے کہ عذاب کفار کے ساتھ خاص ہے کیونکہ گناہ گار مؤمن کی عذاب صرف پاک کرنے کے لئے ہو گا ذلت کے لئے نہیں ہو گا۔

﴿۹۱﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ الخ مرض ⓾ حسد :یہود سے مکالمہ برائے قرآن :جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ اس پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے یعنی قرآن کریم۔ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الخ جواب مکالمہ اور دعویٰ :یہودی کہتے تھے کہ ہم پر نازل کی گئی ہے اس کو تو ہم مانتے ہیں لیکن اس کے علاوہ جو تم پر نازل کی گئی ہے اس کو نہیں مانتے اللہ تعالیٰ نے اس کا اس کا

ایک تحقیقی اور کئی جوابات الزامی دیئے ہیں۔ "وَهُوَ الْحَقُّ" تحقیقی جواب یہ ہے کہ تم قرآن کریم کا انکار کرتے ہو جو کہ کتب سابقہ کے لئے "مُصَدِّق" ہے تو جب تم "مُصَدِّق" کا انکار کرتے ہو تو اس سے "مُصَدَّق" کا انکار لازم آیا۔

الزامی جوابات قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ... الخ جواب ❶ اچھا اگر تم کہتے ہو کہ ہمیں "بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا" پر ایمان ہے تو تم انبیاء کو کیوں قتل کرتے ہو؟ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ... الخ جواب ❷ مرض ⑰ تمہارے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام واضح دلائل لے کر آئے پھر بھی تم نے بچھڑے کی عبادت شروع کی کیا یہ "بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا" پر ایمان ہے؟

﴿۹۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا... الخ جواب ❸ مرض ⑱ جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور ہم نے کوہ طور کو تمہارے اوپر اٹھایا اور ہم نے کہا کہ پکڑو اس چیز کو جو ہم نے تمہیں دی ہے اس کے بعد تم نے نقض عہد کیا، کیا یہ ایمان ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم نے مطلب کی بات مانی اور باقی چھوڑ دی۔ وَاُشْرِبُوْا... الخ مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں کے ریشہ ریشہ میں وہی گوسالہ پیوست ہو گیا تھا ان کے سابق کفر کی وجہ سے (جبکہ دریائے قلزم سے اتر کر انہوں نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر درخواست کی کما فی سورۃ الاعراف "اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا... الخ" یعنی کہ ہمارے لئے کوئی ایسا مجسم معبود تجویز کر دیا جائے۔

﴿۹۴﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ... الخ مرض ⑲ یہود کو دعوت مباہلہ: اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو آجاؤ ہم اور تم مل کر موت کی دعا کریں کہ دونوں فریقوں میں جو بھی جھوٹا ہو گا وہ ابھی فوراً مر جائے گا۔

﴿۹۵﴾ پیشینگوئی جب بات سامنے آئے گی تو اس (موت) پر آمادہ نہیں ہونگے اور راہ فرار اختیار کرلیں گے۔ مفسر ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہودی موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے اور دوزخ میں اپنا اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتے اور مباہلہ کے لئے نکلتے تو واپس ہو کر نہ جاتے اور اہل و مال کچھ بھی نہ پاتے۔

﴿۹۶﴾ کیفیت حرص: عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہودی تو ایک ایک ہزار سال کی عمریں چاہتے ہیں لیکن یہ لمبی عمریں انہیں عذاب خداوندی سے نجات نہیں دیتیں اگرچہ ابلیس کے برابر بھی عمر پالیں۔ (محصلہ ابن کثیر: ص۱۹۹ تا ۲۰۲)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا

آپ کہہ دیجئے جو شخص جبرائیل علیہ السلام کا دشمن ہے۔ پس بے شک یہ (قرآن پاک) اسی نے آپ کے دل پر نازل کیا ہے اللہ کے حکم سے یہ تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو

بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

اس سے پہلے ہیں اور یہ اہل ایمان کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے ﴿۹۷﴾ جو شخص دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا

وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ

اس کے رسولوں کا اور جبرائیل کا اور میکائیل کا پس بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کے ساتھ دشمنی رکھنے والا ہے ﴿۹۸﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آپ کی طرف واضح نشانیاں نازل کیں۔

بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور اس کے ساتھ نہیں کفر کرتے مگر نافرمان لوگ ﴿۹۹﴾ کیا جب انہوں نے کوئی عہد کیا اس کو ان میں سے ایک گروہ نے پھینک دیا۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے ﴿۱۰۰﴾ اور جب ان کی طرف اللہ کی طرف سے رسول آیا جو تصدیق کرتا ہے اس چیز کی جو

مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ۙ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ

ان کے پاس ہے تو کتاب یافتہ لوگوں میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا

كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ

گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ﴿۱۰۱﴾ اور انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جو شیاطین سلیمان (علیہ السلام) کی بادشاہی میں پڑھتے تھے اور سلیمان (علیہ السلام)

سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى

نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین کفر کرتے تھے۔ اور لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور وہ چیز جو اتاری گئی تھی

الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا

بابل کے مقام پر دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اور وہ کسی کو نہیں سکھاتے تھے یہاں تک کہ دونوں کہتے تھے بے شک

نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُم

ہم تو آزمائش ہیں پس تم کفر نہ کرنا۔ پس لوگ ان دونوں سے ایسی چیزیں سیکھتے تھے جسکے ذریعے مرد اور عورت کے درمیان جدائی ڈالتے تھے اور وہ

بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ

اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے مگر اللہ کے حکم سے اور وہ ان سے ایسی چیزیں سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی اور فائدہ نہیں پہنچاتی۔

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ

اور البتہ تحقیق انہوں نے جان لیا اس شخص کو جس نے اس (سحر) کو خریدا ہے اس کیلئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور وہ بری چیز ہے جسکے بدلے میں انہوں نے

أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ

اپنی جانوں کو بیچا ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی ﴿۱۰۲﴾ اگر یہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثواب اور بہتر اجر تھا

۱۲ ع ۷ ۱۲

لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٣﴾

اگر یہ سمجھتے ﴿۱۰۳﴾

عبد اللہ بن سلام کے تین سوال

﴿۹۷﴾ قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ ... الخ ربط آیات: اوپر سے یہود کی قباحتوں کا تذکرہ چلا آرہا ہے۔ اب بھی انہیں کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۲ ازالہ شبہ، سب عداوتوں کا وبال، ازالہ شبہ، مرض ۲۰ یہود کی عہد شکنی، یہود کا خدائی تعلیم سے انحراف اور شیطان کا اتباع، ترغیب ایمان وتقویٰ۔ ماخذ آیات ۹۷ تا ۱۰۳+

ازالہ شبہ وشان نزول :حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کے حوالے سے تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اس وقت حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خبر سنتے ہی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ (ﷺ) سے تین باتیں پوچھنا چاہتا ہوں ان کا جواب نبیوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پہلی بات یہ تھی کہ قیامت کی نشانی کیا ہے؟ دوسری بات یہ تھی کہ جنتیوں کو پہلا کھانا کیا ملے گا؟ تیسری بات یہ تھی کہ کونسی چیز ہے جو بچے کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے کبھی باپ کی طرف؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان تین باتوں کو جواب ابھی جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ وہ تو ہمارا دشمن ہے آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کردے گی۔ دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے۔ تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے یہ جواب سنتے ہی حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور پکار اٹھے "اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ" پھر عرض کیا آقا یہودی بڑے بیوقوف ہیں۔ اگر ان کو میرا اسلام لانا معلوم ہو جائے گا تو مجھے برا بھلا کہیں گے آپ پہلے انہیں قائل کریں آپ کے پاس جب یہودی آئیں تو آپ ان سے پوچھیں کہ عبد اللہ بن سلام کیسا شخص ہے؟ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا تو انہوں نے کہا بڑا بزرگ اور باخبر آدمی ہے بزرگوں کی اولاد میں سے ہے، وہ تو ہمارا سردار ہے اور سرداروں کی اولاد میں سے ہے، آپ نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر تمہیں اسلام قبول کرنے میں تامل ہوگا، وہ کہنے لگے "نعوذ باللہ نعوذ باللہ" وہ مسلمان کیوں ہونے لگے، حضرت عبد اللہ بن سلام جو ابھی تک چھپے ہوئے تھے، باہر آ کر زور سے کلمہ پڑھا، انہوں نے سن کر شور مچایا یہ بھی برا اور اس کا خاندان بھی برا ہے، حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور مجھے اسی چیز کا ڈر تھا۔ بخاری شریف میں ہے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! "جبر"، "میك إسراف" کے معنی "عبد" یعنی بندے کے ہیں اور "ایل" کے معنی اللہ کے ہیں تو جبرئیل کے معنی عبد اللہ کے ہوئے۔ بعض لوگوں نے اس کے خلاف بھی معنی کئے ہیں یعنی "ایل" کے معنی عبد کے ہیں اور ان سے پہلے کے الفاظ خدا کے نام ہیں۔ (ابن کثیر ص:۲۰۴: ج:۱؛ مظہری: ص:۱۰۲: ج۔۱)

فَائِدَة: قرآن کریم میں چھ فرشتوں کے نام مذکور ہیں چار تو یہاں مذکور ہیں جبرائیل، مکائیل، ھاروت، ماروت، اور پانچواں رعد ہے جو سورۃ رعد میں مذکور ہے اور چھٹا مالک ہے یہ جہنم کا انچارج ہے اور جنت کا انچارج رضوان ہے اس کا نام قرآن میں نہیں ہے۔ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ ...الخ بذریعہ جبرائیل۔ مُصَدِّقًا الخ جامعیت قرآن۔

هُدًى الخ صداقت قرآن۔ لِلْمُؤْمِنِينَ : مستفیدین من القرآن۔ فائدہ: اس آیت کے شان نزول کی مناسبت سے چند مفید حقائق بھی مواعظ ونصائح کی صورت میں یاد رکھیں۔

مواعظ ونصائح

شیطان کا وسوسہ: عہد رسالت کا واقعہ ہے کہ صحرا میں ایک اعرابی خیمہ زن تھا۔ وہاں اس کی بیوی دردزہ میں چلا رہی تھی۔ اس کا خاوند اس کے سرہانے بیٹھا بچہ کے پیدا ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ بالآخر کافی تکلیف اٹھانے کے بعد اس بے چاری نے بچہ

جنا۔ لیکن کالے رنگ کا تھا۔ خاوند نے اپنے آپ کو دیکھا، پھر اپنی بیوی کو دیکھا تو دونوں سفید گورے رنگ کے تھے۔ وہ حیران کہ یہ بچہ کالا کیسے پیدا ہو گیا۔ شیطان نے اس کے دل میں وسوسے ڈالے شاید یہ بیٹا تیرے نطفہ سے نہیں بلکہ کسی اور کے نطفہ سے ہے۔ شاید اس عورت نے کسی کالے آدمی سے بدکاری کی ہو گی جس سے یہ حمل ٹھہر گیا!!

یہ شخص سخت پریشانی کے عالم میں مدینہ منورہ گیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں آپ کے پاس دیگر صحابہؓ بھی بیٹھے تھے۔ اس نے کہا: ''یارسول اللہ! میری بیوی نے کالا بچہ جنا ہے۔ جب کہ ہمارے گھرانے میں کوئی کالے رنگ کا نہیں ہے۔''!! رسول اللہ ﷺ نے اس کو غور سے دیکھا آپ اس کو بآسانی نصیحت فرما سکتے تھے کہ دوسروں کے بارے میں بدظنی نہیں کرنی چاہیے اور اپنی بیوی پر شک وشبہ کی بنیاد پر بدکاری کا الزام نہیں لگانا چاہیے۔ لیکن آپ نے اس کو سمجھانے کے لیے دوسرا طریقہ اختیار فرمایا۔ وہ یہ کہ خود اسی سے اس مشکل کو حل کروایا۔

آپ نے مثالیں دے کر خود اس کے منہ سے جواب نکلوانے کا طریقہ سوچا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ کونسی مثال دینا اس شخص کے لیے مناسب ہو گا؟ کیا عام درختوں سے مثال پیش کی جائے؟ یا کھجور کے درختوں سے؟ یا فارس اور روم کے لوگوں سے؟ آپ نے اس کو پھر غور سے دیکھا تو اس پر صحرائی زندگی کے آثار نظر آئے۔ یعنی وہ ایسا گنوار نظر آیا جس کا دماغ اپنی بیوی کے سلسلہ میں پریشان تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! ہیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا وہ کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا: سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ان میں کوئی کالے رنگ کا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا؟ نہیں۔

آپ نے فرمایا: اچھا کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! ہے۔ آپ نے فرمایا: بتاؤ وہ کہاں سے آیا؟ آپ کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ جب تمہارے سب اونٹ نر اور مادہ سرخ رنگ کے ہیں، اور کوئی دوسرے رنگ کا نہیں ہے، تو سرخ رنگ کی مادہ نے یہ خاکی رنگ کا بچہ کیسے جن دیا، جس کا رنگ نہ ماں سے ملتا ہے اور نہ باپ سے؟ اس اعرابی نے تھوڑی دیر سوچا۔ پھر کہنے لگا: ''پیچھے کوئی رگ ہو گی جس کا اثر آیا ہو گا۔'' یعنی اس کے اجداد میں کوئی خاکی رنگ کا ہو گا وہی مشابہت اس کی نسل کے خون میں چلی آ رہی ہو گی جواب اس خاکی بچہ میں ظاہر ہوئی۔

آپ نے فرمایا: تو عین ممکن ہے کہ تمہارے بیٹے کی رنگت میں بھی کسی پچھلی رگ کا اثر آیا ہو۔ جب اس شخص نے یہ جواب سنا تو تھوڑی دیر غور کیا، اب اس کی سمجھ میں آیا کہ اس کا دیا ہوا جواب ہی اس مسئلہ کا جواب ہے۔ اب وہ اس جواب سے مطمئن ہو گیا اور اسے اپنی بیوی کی پاکبازی کا یقین آ گیا، اور وہ خوش خوش اپنی بیوی کے پاس چلا گیا۔ ایک اور دن کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ اس وقت نیکیوں کی مختلف اقسام کا ذکر فرما رہے تھے۔ اس ضمن میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ''تم میں سے جب کوئی مباشرت کرتا ہے تو وہ بھی صدقہ (یعنی باعث ثواب) ہے''۔ یعنی جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے مجامعت کرتا ہے تو اس کا بھی اجر ملتا ہے۔

یہ سن کر صحابہ کرامؓ کو بڑا تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگے: یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اس پر بھی اس کو اجر ملتا ہے؟! اس تعجب والی بات کا آپ نے ان کو ایسا جواب دیا جس سے ان کو احساس ہوا کہ جو بات وہ سوچ رہے ہیں وہ آپ کے ذہن میں بھی ہے۔ لہٰذا اس جواب کو تسلیم کرنے کے لیے انہیں زیادہ بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں پڑی۔ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ اپنی شہوت کسی حرام طریقہ سے پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ نہیں ہوتا؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں، ضرور ہوتا۔ ''آپ نے فرمایا: تو اسی لیے جب وہ حرام طریقہ سے بچا اور اس نے جائز طریقہ پر شہوت پوری کی تو اس کو اجر ملے گا۔''

بحث و گفتگو کا مفید طریقہ: کسی دوسرے آدمی کے ساتھ بحث و گفتگو کرنے کا ایک عمدہ اور مفید طریقہ یہ بھی ہے کہ پہلے ان باتوں کو طے کر لیا جائے جن پر دونوں متفق ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک سے ہی ایک واقعہ پیش کرتے ہیں۔ صلح حدیبیہ سے پہلے آپ عمرہ کے ارادہ سے ایک ہزار چار سو اصحاب کی معیت میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن راستہ میں قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اس کے بعد وہ سب واقعات پیش آئے جو صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں مشہور ہیں۔

قریش کی طرف سے جس شخص نے صلح کی شرائط منظور کی تھیں وہ سہیل بن عمرو تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور سہیل کے مابین صلح کی جن شرائط پر اتفاق ہوا تھا ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) سب مسلمان بغیر عمرہ کیے یہیں سے واپس مدینہ چلے جائیں۔ (۲) اہل مکہ میں سے اگر کوئی اسلام قبول کرے گا اور ہجرت کر کے مدینہ جانا چاہے تو مسلمان اس کو مدینہ میں نہیں ٹھہرے دیں گے۔ (۳) اور اگر کوئی مسلمان اسلام سے مرتد ہو کر مشرکین کے پاس جانا چاہے تو اہل مکہ کو پناہ دے سکتے ہیں۔ اسی طرح کی اور شرائط جن سے بظاہر مسلمانوں کی شکست اور ذلت نظر آتی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت قریش مکہ مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد سے خائف تھے، اور جانتے تھے کہ اگر مسلمان چاہیں تو مکہ فتح کر سکتے ہیں۔ اسی لیے وہ صلح کی بات چیت میں نرمی اور منافقانہ رویہ برتنے پر مجبور ہوئے۔ ورنہ میرا تو خیال ہے کہ ان کو اس میں کامیابی کی ذرا بھی امید نہیں تھی، وہ اس معاہدہ کی ایک چوتھائی شرائط منوانے سے بھی ناامید تھے اسی لیے اکثر صحابہؓ ان شرائط کو پسند نہیں کر رہے تھے۔ لیکن وہ کوئی اعتراض نہیں کر سکتے تھے کیونکہ جو ہستی معاہدہ طے کر کے لکھوا رہی تھی وہ کوئی بات اپنی خواہش نفس سے نہیں کرتی تھی بلکہ وحی الٰہی کی پابند تھی۔

اس وقت حضرت عمرؓ بہت بے چین تھے، کبھی وہ دائیں طرف دیکھتے، کبھی بائیں طرف دیکھتے کہ کس سے بات کی جائے۔ آخر ان سے صبر نہیں ہو سکا۔ وہ فوراً اٹھے اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے اور ان سے اس سلسلہ میں گفتگو کرنا چاہی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے دانائی سے کام لیا اور ایک دم اعتراض نہیں کیا، بلکہ پہلے ان باتوں کا ذکر کیا جن پر دونوں متفق تھے، انہوں نے پہلے حضرت ابو بکرؓ سے ایسے سوالات کیے جن کا جواب ان کی طرف سے لازماً "ہاں"، "صحیح" اور "کیوں نہیں" میں ملنا تھا۔

انہوں نے کہا: یا ابو بکر! بتاؤ کیا آنحضرت ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ جواب ملا: کیوں نہیں۔ انہوں نے پوچھا: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ جواب ملا: کیوں نہیں۔ انہوں نے پوچھا: کیا وہ (اہل مکہ) مشرکین نہیں ہیں؟ جواب ملا: کیوں نہیں۔

انہوں نے پوچھا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ جواب ملا: کیوں نہیں۔ انہوں ے پوچھا: کیا وہ (اہل مکہ) باطل پر نہیں ہیں؟

جواب ملا: کیوں نہیں۔ اب انہوں نے پوچھا: پھر ہم کیوں اپنے دین میں یہ ذلت آمیز شرائط قبول کریں؟

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: اے عمر! مجھے یہ بتاؤ کیا وہ رسول اللہ نہیں ہیں؛ حضرت عمرؓ نے کہا: ہاں! ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: تو ان کی رکاب تھامے رکھو۔ کیونکہ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یعنی تابع بن کر ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہو اور کبھی ان کی مخالفت نہ کرو)۔

حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا: میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ حضرت عمرؓ وہاں سے چلے گئے اور کوشش کی کہ اس معاملہ میں صبر سے کام لیں۔ لیکن ان سے پھر صبر نہ ہو سکا۔ اور وہ اب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور باری باری وہی سوالات کیے جو حضرت ابو بکرؓ سے کر چکے تھے۔ جب سب سے آخری سوال کیا کہ: پھر ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت آمیز سلوک کیوں برداشت کریں؟

آپ نے فرمایا: "میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں ہرگز اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ اور وہ مجھے بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور معاہدہ لکھ دیا گیا۔ پھر مسلمان مدینہ منورہ واپس آ گئے کچھ عرصہ گزرا تھا کہ قریش نے وہ معاہدہ توڑ دیا، اور رسول اللہ ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے، اور بیت اللہ کو بتوں سے پاک کر دیا اب حضرت عمرؓ کو احساس ہوا کہ انہوں نے اُس وقت جو اس معاہدہ پر اعتراض کیا تھا وہ درست نہیں تھا۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اس روز مجھ سے جو گستاخانہ معروضات پیش ہوئی تھیں ان کا کفارہ کرنے کے لیے میں نے بہت عبادات کیں، روزے رکھے، صدقہ و خیرات کی، نمازیں پڑھیں اور غلام آزاد کیے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ قبول فرمائے گا۔"

کتنا اچھا طرز عمل تھا حضرت عمرؓ کا!! اور ان سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا، ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم ان بزرگوں کے مثالی طرز عمل سے کس طرح مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں ،مثلاً اگر آپ کا بیٹا قرآن مجید حفظ کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہا اور آپ چاہتے ہیں کہ اس کے شوق میں اضافہ کریں تو اصل نصیحت سے پہلے بعض ان باتوں کا ذکر کریں جن پر آپ دونوں متفق ہیں۔

کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنائے؟ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ جنت میں تمہارے درجات بلند ہوں؟ وہ یقیناً جواب میں یہی کہے گا: ہاں! کیوں نہیں۔ جب وہ یہ جواب دے تو اپنی نصیحت کو ایک تجویز کی شکل میں اس طرح پیش کیجئے: اگر ایسا ہے تو کاش تم تحفیظ القرآن کے مدرسہ میں باقاعدہ جاتے۔ کتنا اچھا ہوتا۔ اسی طرح اگر آپ دیکھیں کہ آپ کی بیوی پردہ کی زیادہ پابندی نہیں کرتی تو اس کو بھی نصیحت کرنے سے پہلے چند ایسی باتوں کا ذکر کریں جس پر آپ دونوں متفق ہوں۔ مثلاً کہیں: مجھے معلوم ہے تم ایک مسلمان عورت ہو اور نیک کاموں کو پسند کرتی ہو وہ کہے گی: ہاں بے شک۔ آپ کہیں گے: "الحمدللہ اور تم ایک باعفت عورت بھی ہو اور اللہ سے محبت کرتی ہو"۔ وہ کہے گی: ہاں بخدا الحمدللہ۔ اب آپ اپنی نصیحت کو ایک تجویز کی شکل میں پیش کریں اور کہیں: "اگر ایسا ہے تو کاش تم پردہ کا زیادہ اہتمام کرتیں، اور اپنی ستر پوشی کا زیادہ خیال رکھیں۔" نصیحت کا یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کی وجہ سے لوگ غیر شعوری طور پر ہماری بات ماننے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

﴿۹۸﴾ سب عداوتوں کا وبال: یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کے دوسرے ملائکہ یا اس کے رسولوں سے یا خود میکائیل سے جن کی دوستی کا دم بھرتے ہیں یا جبرائیل سے جو لوگ عداوت رکھتے ہیں ان سب عداوتوں کا وبال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کا دشمن ہے۔

﴿۹۹﴾ ازالہ شبہ: کہ آپ پر کوئی دلیل نازل نہیں ہوتی جس کو ہم بھی جانتے ہوں تو اس کا جواب دیا کہ ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے دلائل واضح نازل کئے ہیں جن کو وہ خوب جانتے ہیں مگر ضد کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

﴿۱۰۰﴾ اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا... الخ مرض ⑳ یہود کی عہد شکنی: یہاں سے بعض یہودیوں کی بدعنوانیوں کا ذکر ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ لیا مگر انہوں نے اس کو توڑ دیا۔

﴿۱۰۱﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ الخ تتمہ سابق و رسالت خاتم الانبیاء: اس "رسول" سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ مُصَدِّقٌ الخ جامعیت قرآن۔ نَبَذَ فَرِيْقٌ ... الخ حماقت اہل کتاب: یعنی توراۃ میں آپ کی نبوت کی خبر ہے تو اس حالت میں آپ پر ایمان لانا عین توراۃ پر عمل تھا، وہ بھی کتاب اللہ جانتے ہیں مگر باوجود اس کے بھی ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو اس طرح سے پس پشت ڈال دیا گویا کہ ان کو اس کے کتاب اللہ ہونے کا علم اصلی نہیں کتٰبَ اللّٰهِ: اس کتاب سے مراد قرآن کریم ہے یا توراۃ۔

﴿۱۰۲﴾ وَاتَّبَعُوْا ... الخ یہود کا خدائی تعلیم سے انحراف اور شیطان کی اتباع: یہاں سے بنی اسرائیل کی ایک اور خرابی

کو بیان کرتے ہیں کہ وہ خدائی تعلیم چھوڑ کر جادو کیا کرتے تھے، اور عوام الناس اس کو کرامت سمجھتی تھی۔ تَتْلُوا: یہ واحد مؤنث کا صیغہ ہے آگے الف خلاف قاعدہ ہے مصحف عثمانی میں الف لکھا ہوا ہے اس وجہ سے یہاں بھی موجود ہے۔ "تَتْلُوا" کے معنی آتے ہیں باب کی تبدیلی کی وجہ سے اگر مصدر تلاوت آجائے معنی پڑھنے اور تلاوت کے ہیں، اور اگر مصدر "تِلُواً" آجائے تو اس کا معنی پیچھے چلنا، اسی طرح "ذکر یذکر ذکراً" باب (ن) ہو تو معنی ہے دل سے ذکر کرنا اور اگر مصدر "الذکر" ہو تو معنی زبان سے ذکر کرنا، اسی طرح "ھجر یھجر ھَجراً" (ن) مصدر ہو تو معنی ہجرت کرنا اور اگر مصدر "ھُجرا" ہو تو معنی لغو باتیں کرنا۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ۔۔۔الخ برأت سلیمان علیہ السلام: اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جادو نہیں کیا تعبیر "مَا كَفَرَ" سے اس لئے اختیار فرمائی کہ جادو کرنا کفر ہے۔ اور یہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا یعنی جادو نہیں کیا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ عارضی طور پر چند دن کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت ختم ہوگئی شیاطین نے ان کی کرسی کے نیچے جادو کی چیزیں دفن کردیں، اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہوئی تو ان کو کھود کر نکالا، اور لوگوں میں مشہور کردیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی نہیں تھے، بلکہ جادو کے زور سے حکومت چلاتے تھے، علماء بنی اسرائیل نے تو اس بات کی تائید نہ کی مگر عوام الناس نے اس بات کو تسلیم کرلیا اور کہنے لگے کہ یہی جادو سلیمان علیہ السلام کا علم تھا اور اس کے سکھانے میں لگ گئے اور انبیاء کرام کی کتابوں کو چھوڑ بیٹھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبیوں میں سے تھے تو یہود نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان بن داؤد کو نبی کہتے ہیں حالانکہ وہ تو صرف جادوگر تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی برأت کا اعلان کردیا۔

(محصلہ بحر محیط: ص:۲۶ ۳ ج:۱؛ ابن کثیر: ص:۱۳۰؛ ج:۱)

جادو کی حقیقت اور اس کا حکم

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ اگر جادو میں قول و فعل ایسا ہو جو موجب کفر ہو جیسے بتوں کا نام ذکر کرنا، ارواح خبیثہ کی ایسی تعظیم کرنا جو اللہ تعالیٰ کے لائق ہے جیسے عموم علم، اور قدرت کا ثابت کرنا یعنی ہر چیز کا علم بالاستقلال اور ہر چیز پر قادر ماننا، اور غیب دان اور مشکل کشا سمجھنا، یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا یا غیر اللہ کو سجدہ کرنا یا اس کی مثل کسی اور چیز کو ان میں پائے جانے کا عقیدہ رکھنا، ایسا سحر بلاشبہ کفر ہے اور ایسے سحر کا مرتکب مرتد ہے۔ اور ایسا سحر جو شخص اپنے مطلب کے لئے دیدہ دانستہ کروائے تو وہ کافر ہوجاتا ہے۔ اور اس کے اوپر مرتد کے احکام جاری ہوں گے، اور اگر وہ مرد ہے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے کہ وہ اس قول و فعل سے توبہ کرلے اور بیزاری کا اعلان کرے اگر تین دن گزر جائیں وہ توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کردیا جائے، اور مسلمانوں کے طریقہ پر نہ تجہیز و تکفین کی جائے اور نہ مسلمان کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔

اور اگر وہ عورت ہو تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اسے بھی مردوں کی طرح تین دن کی مہلت دی جائے اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کو بھی قتل کردیا جائے، اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو قید کردیا جائے تاوقتیکہ توبہ نصوح نہ کرلے۔ اور اگر جادو میں کوئی ایسا قول و فعل تو نہ ہو جس کی وجہ سے کفر و ارتداد لازم آتا ہو مگر اس کا دعویٰ یہ ہو کہ میں سحر کی وجہ سے یہ قدرت رکھتا ہوں کہ انسانوں کی صورتوں کو حیوانوں کی صورتوں میں تبدیل کرسکتا ہوں، یا پتھر کو لکڑی اور لکڑی کو پتھر بنا سکتا ہوں، یا انبیاء کے معجزات دکھا سکتا ہوں، یا میں ہوا میں اڑتا ہوں، یا مہینوں کی مسافت ایک لمحہ میں طے کرسکتا ہوں، بس ایسا شخص بھی اپنے دعویٰ کی وجہ سے کافر

ہے، نہ کہ سحر کی وجہ سے۔ اور اگر وہ کہتا ہے کہ میرے اندر سحر کی وجہ سے یہ خاصیت ہے کہ کسی کو بیمار کرنا یا بیمار کو تندرست کرنا یا سحر کی وجہ سے کسی کو قتل کر دینا یا اچھے بھلے کو ڈرا دینا یا خیالات فاسد کر دینا وغیرہ پس ایسا ساحر شخص فاسق ہے اور اس کا یہ فعل فسق ہے۔

علمائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا منقح مذہب جادوگر کے متعلق: امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اور علماء حنفیہ نے منقح کیا ہے اور ایک روایت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص جادو کرتا ہے، اور اقرار بھی کرتا ہے، یا گواہوں کے ثابت ہو جانے سے، تو ایسے شخص کو قتل کر دینا چاہئے، اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر وہ کہے کہ میں جادو چھوڑ دیتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں تو اس کی بات قبول نہ کی جائے، ہاں اگر یوں کہے میں اس سے پیشتر جادو کرتا تھا اور ایک مدت سے میں نے یہ کام چھوڑ دیا ہے، تو اس کا قول قبول کرنا چاہئے اور اس کو قتل نہیں کرنا چاہئے۔ (مزید تفصیلات کیلئے تفسیر عزیزی کی طرف مراجعت کریں)

جادو اور لوگوں کی آزمائش

وَمَآ أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ : الخ کسی زمانہ میں جادو کا بہت چرچا تھا خاص کر شہر بابل میں جو عراق میں واقع ہے لوگ جادو کے اثرات سے متاثر ہوئے، اور جادوگروں کو مقدس سمجھنے لگے، اللہ تعالیٰ نے ھاروت اور ماروت دو فرشتوں کو بھیج کر جادو اور معجزہ میں فرق ظاہر کر دیا، اس میں لوگوں کا امتحان مقصود تھا، کہ لوگوں میں کون خیر اور شر اور کون ایمان اور کفر کو اختیار کرتا ہے۔ جب ان فرشتوں نے اپنا کام شروع کیا تو لوگوں کا ان کے پاس آنا جانا شروع ہو گیا، اور کہتے کہ ہمیں جادو کے اصول وفروع بتا دیں تو فرشتے جادو کی چیزیں بتا دینے سے پہلے کہتے دیکھو ہم بندوں کی آزمائش ہیں، جو اچھی نیت سے حاصل کرے گا وہ شر سے محفوظ رہے گا، اور جو اس کو برائی کے لئے استعمال کرے گا وہ اپنا ایمان برباد کرے گا، تو عہد و پیمان کر کے جادو کے اصول وفروع بتا دیتے تھے۔ (محصلہ روح المعانی: ص: ۳۶۳ ج:۱ : ابن کثیر: ص: ۲۲۴: ج:۱)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی عالم باعمل کے پاس جائے اور کہے کہ مجھ کو فلسفہ قدیمہ یا جدیدہ پڑھا دیجئے تاکہ خود بھی شبہات سے محفوظ رہوں اور مخالفین کو جواب دے سکوں، اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو دھوکہ دے کر پڑھ لے پھر خود بھی تقویت باطل میں اس کا استعمال کرنے لگے، اور اس احتمال کی قصداً اسی سوء استعمال محتمل میں مبتلا ہو جائے سو ظاہر ہے کہ اس کے سوء استعمال سے اس معلم پر کوئی ملامت یا قبح عائد نہیں ہو سکتا، اسی طرح اطلاع سحر سے ان فرشتوں پر کسی شبہ و وسوسہ کی گنجائش نہیں۔ (بیان القرآن: ص: ۵۵: ج:۱)

فَيَتَعَلَّمُونَ الخ تعلیم سحر کا نتیجہ۔ **وَمَا هُمْ بِضَآرِّينَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ : حصر التصرف باری تعالیٰ:** اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ جادو کے زور سے جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اللہ کی مشیت وارادہ سے ہی ہوتا ہے جو ظاہری اسباب لوگوں کے سامنے ہیں مثلاً آگ سے جل جانا اور چاقو، چھری سے زخمی ہو جانا، روٹی سے پیٹ بھر جانا، اور پانی سے سیراب ہو جانا یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو آگ نہ جلائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر، آگ نے کچھ اثر نہ کیا، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو چھری سے کچھ بھی نہ کٹے جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھری سے ذبح نہ کر سکے وغیرہ جادو کے ذریعہ سے جو کچھ ہوتا ہے اس میں وہ اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں اور وہ نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں بعض کم علم اور کم فہم جادوگروں کے بہت زیادہ معتقد ہو جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ اسی سے ہوتا ہے حالانکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ سے ہوتا ہے پھر جب اللہ چاہتے ہیں تو جادو کٹ بھی جاتا ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمُوْا ۔۔۔الخ تنبیہ متعلمین سحر۔ **وَلَبِئْسَ** ۔۔۔الخ نتیجہ تعلیم سحر۔

فائدہ: عام طور پر عوام میں ایک قصہ مشہور ہے ھاروت وماروت اور زہرہ کے بارے میں کہ فرشتوں کو قوت شہوانیہ دے کر زمین پر اتار دیا گیا انہوں نے زہرہ سے مطلب براری کا ارادہ کیا پھر اس نے ان سے اسم اعظم پوچھ لیا جس کے ذریعہ سے وہ آسمان پر چلی گئی وہاں ستارہ کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان دو فرشتوں سے فرمایا دنیا کا عذاب چاہتے ہو یا آخرت کا انہوں نے دنیا کے عذاب کو پسند کیا، اب وہ بابل کے کنویں میں الٹے لٹکے ہوئے ہیں، اور ان کو قیامت تک عذاب ہوتا رہے گا یہ سب خرافات ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین نے اس کی تردید فرمائی ہے۔

(روح المعانی: ص: ۳۲۳، ج: ۱، کبیر: ۳، بحر محیط: ص: ۳۲۹، ج: ۱، خیر الفتاوی: ص: ۲۵۲، ج: ۱، دیکھیں)

﴿۱۰۳﴾ تنبیہ معاندین برائے ترغیب ایمان وتقویٰ۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ
اے ایمان والو! مت کہو راعنا بلکہ کہو انظرنا اور سنو اور کفر کرنے والوں کے لیے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ
درد ناک عذاب ہے ﴿۱۰۴﴾ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر کیا، وہ نہیں پسند کرتے

يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ
کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی اتاری جائے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا
اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۱۰۵﴾ جو ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر

أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۶﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ
یا اس جیسی لے آتے ہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۱۰۶﴾ کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہی

مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۰۷﴾
آسمانی اور زمین کی بادشاہی ہے اور تمہارے لیے اس کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار ﴿۱۰۷﴾

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ
کیا تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ اپنے رسول سے اسی طرح سوال کرو جس طرح اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا۔ اور جو شخص

يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کرے گا وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہوگیا ﴿۱۰۸﴾ اہل کتاب میں سے بہت سے پسند کرتے ہیں

لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ
مؤمن ہونے کے بعد تمہیں کفر کی طرف پلٹا دیں۔ اپنے نفسوں میں حسد کرتے ہوئے بعد اس کے

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

کہ ان کے لیے حق ظاہر ہوگیا ہے۔ پس در گزر کرو اور معاف کردو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے بے شک اللہ تعالیٰ

كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا

ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۰۹﴾ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور بھلائی میں سے جو کچھ تم

لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پالو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام کو دیکھنے والا ہے ﴿۱۱۰﴾

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ

اور کہتے ہیں کہ ہر گز نہ داخل ہوگا جنت میں مگر وہ جو یہودی ہو یا نصرانی ہو۔ یہ ان کی خواہشات ہیں۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ

اے پیغمبر کہہ دیجئے لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو ﴿۱۱۱﴾ کیوں نہیں جس نے اپنی ذات کو اللہ کے سامنے جھکادیا

ع ۱۳ ۱۴ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور وہ نیک کام کرنے والا ہو پس اس کے لئے اس کے رب کے ہاں بدلہ ہے اور ان لوگوں پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۱۲﴾

﴿۱۰۴﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا الخ ربط آیات: اوپر یہود کی شرارتوں کا ذکر تھا اب یہاں سے بھی ان کی شرارتوں میں سے ایک ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ⓭ اہل ایمان کے لئے خصوصی طریق خطاب وفرائض۔ ۱۔ ۲۔ ۳۔ مرض ㉑ اہل کتاب اور مشرکین کی تمنا، مرض ㉒ نسخ فی الشرائع پر شبہ اور اس کا جواب مرض، ㉓ نسخ فی الشرائع پر عقلی دلیل، مرض ㉔ یہود و مشرکین کا مطالبہ، مرض ㉕ یہود کا حسد، احکامات برائے جہاد نفس، نتیجہ تعمیل احکام، مرض ㉖ اہل کتاب کا دعویٰ کاذبہ، تردید دعویٰ، عقائد و اعمال میں فرمانبرداری کرنے والوں کا انجام۔ ماخذ آیات ۱۰۴ تا ۱۱۲+

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا : مرض ㉑ واہل ایمان کے لئے خصوصی طریق خطاب وفرائض۔ ❶ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا۔ ❷ وَقُوْلُوا انْظُرْنَا۔ ❸ وَاسْمَعُوْا۔ عَذَابٌ اَلِیْمٌ : نتیجہ کفار۔ شان نزول: یہود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو لفظ "راعنا" کہتے تھے یہ عربی زبان کا لفظ بھی ہے اور عبرانی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے عربی میں اس کے معنی ہیں ہماری رعایت کیجئے، مطلب یہ ہے کہ حضرت ! بیان میں ایسا سادہ طریقہ اختیار کیجئے جس سے ان پڑھ بھی سمجھ لیں یعنی ہر قسم کی فہم والے بھی سمجھ لیں اور عبرانی زبان میں یہ لفظ بددعا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہ لوگ اس لفظ کو بددعا کے معنی میں استعمال کرتے تھے اور یہی ان کی مرضی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہود کی زبان جانتے تھے انہوں نے محسوس کیا یہود "راعنا یا محمد" کہتے ہیں اور پھر آپس میں ہنستے ہیں تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آئندہ اگر تم نے یہ لفظ استعمال کیا تو تم کو جان سے ماردوں گا وہ بولے یہ لفظ "اُنظرنا" کہو اس کا معنی ہماری طرف دیکھئے اور توجہ فرمائیے۔ (روح المعانی ص ۳۷۴ ج ۱؛ تفسیر منیر ص ۲۵۵ ج ۱؛ معالم التنزیل ص ۶۶ ج ۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کہتے تھے "راعینا" اے ہمارے چرواہے۔ (بیضاوی، ج ۱: ص۔۱۰۱)

جناب رسول ﷺ کی ادنیٰ ترین تنقیص و توہین بھی کفر ہے

اس آیت سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوئے ہیں! مسئلہ: ❶ کلام اور خطاب میں آنحضرت ﷺ کا ادب واحترام لازم ہے ایسا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں جس سے توہین وتنقیص کا پہلو نکلتا ہو ورنہ وہ شخص کافر ہو جائے گا۔

اس لئے کہ حضرات فقہاء کرام ؒ نے جناب رسول خدا ﷺ کی ادنیٰ توہین کو بھی موجب کفر قرار دیا ہے اور اس میں کسی قسم کی نرمی اور تساہل سے مطلقا کام نہیں لیا۔ چنانچہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

"ایما رجل مسلم سب رسول اللہ ﷺ او کذبہ او عابہ او تنقصہ فقد کفر باللہ تعالیٰ وبانت منہ امرأتہ فان تاب والاقتل"۔ (کتاب الخراج: ص ۱۸۲: طبع مصر)

ترجمہ: اگر کسی مسلم نے جناب رسول اللہ ﷺ کو گالی دی یا تکذیب کی یا آپ پر کوئی عیب لگایا یا آپ کی تنقیص کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کافر ہو جائے گا اور اس کی بیوی اس سے بائن ہو جائے گی اگر اس نے توبہ کرلی تو فبہا ورنہ اسے قتل کیا گائے گا۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: "اجمع العلماء علی ان شاتم النبی ﷺ اَلْمُنَقِّصُ کافر والوعید علیہ جارٍ بعذاب اللہ تعالیٰ وحکمہ عند الامۃ القتل ومن شک فی کفرہ وعذابہ کفر"۔ (الشفاء: ج:۲: ص۔۱۹۰)

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گالی دینے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید اس پر جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔ اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ: "روی ان ابا یوسف رحمہ اللہ ذکر انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یحب الدباء فقال رجل انا ما احبہا فحکمہ بارتدادہ"۔ (شرح فقہ اکبر: ص۔۱۸۶)

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ جناب نبی کریم ﷺ کدو کو پسند فرمایا کرتے تھے تو ایک شخص نے کہا میں تو کدو کو پسند نہیں کرتا اس پر حضرت امام ابو یوسف ؒ نے اس شخص کے ارتداد کا فیصلہ صادر فرمایا۔

یعنی اگرچہ طبعی طور پر بعض حلال چیزیں بعض لوگوں کے مزاج کے موافق نہیں ہوتیں یہ بات الگ ہے مگر جب جناب رسول ﷺ کا اسم گرامی لیکر آپ سے ایک چیز کی خوبی بیان کی گئی ہو تو اس کے مقابلہ میں کسی کی ذاتی رائے تقابل کی صورت پیدا کر کے موجب تنقیص وتوہین جناب رسول ﷺ ہوتی ہے جو بجائے خود کفر ہے لہذا قائل مرتد ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

نیز ارقام فرماتے ہیں کہ: "وقال محمد بن سحنون رحمہ اللہ اجمع العلماء علی ان شاتم النبی ﷺ المستنقص لہ کافر من شک فی کفرہ وعذابہ کفر"۔ (شرح شفاء ملا علی قاری: ص: ۲۹۳، ج۔۲)

امام محمد بن سحنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب رسول ﷺ کو سب وشتم کرنے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے تو وہ بھی کافر ہے۔ امام قاضی خاں لکھتے ہیں کہ: "اذا عاب الرجل النبی ﷺ فی شیء کان کافراً قال بعض العلماء لو قال شعر النبی ﷺ شعیراً فقد کفر وعن ابی حفص الکبیر رحمہ اللہ ومن عاب النبی ﷺ بشعر من شعراتہ فقد کفر وذکر فی الاصل ان شتم النبی ﷺ کفر ولو قال جن النبی ﷺ ذکر فی نوادر الاصول انہ کفر"۔ (فتاویٰ قاضی خان، ج: ۴، ص۔۸۸۲ نولکشور)

جب کوئی شخص جناب نبی کریم ﷺ پر کسی چیز میں عیب لگائے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے بال مبارک کی تصغیر نکال کر چھوٹا سا بال کہے تو وہ بھی کافر ہوگا۔ اور امام ابو حفص الکبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جس نے جناب نبی کریم ﷺ کے بالوں میں سے کسی ایک بال پر بھی کوئی عیب رکھا تو بلاشک وہ کافر ہے اور ''اصل'' میں ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو سب وشتم کرنا کفر ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کو جنون ہو گیا تھا تو نوادر الاصول میں لکھا ہے کہ وہ شخص بھی کافر ہو جائے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ: "وقال القاضی عیاض جمیع من سب النبی ﷺ او عابه او الحق به نقصاً فی نفسه او نسبه او دینه او خصلة من خصاله او عرض به شبهة بشیٔ علی طریق السب له والازراء علیه او البغض منه والعیب له فهو ساب له والحکم فیه حکم الساب یقتل"۔

(الصارم المسلول، ص۔ ۵۲۸)

قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بھی جناب نبی کریم ﷺ کو سب کرے یا عیب لگائے یا آپ کی ذات پاک یا نسب یا دین یا آپ کی کسی خصلت میں کوئی نقص نکالے یا کسی شخص کو آپ کے متعلق سب اور تنقیص یا بغض اور عیب کے طور پر کوئی شبہ پیدا ہوا ہو تو وہ ساب ہی متصور ہوگا اور اس کا وہی حکم ہے جو ساب کا ہے کہ (اسلامی حکومت کی طرف سے) وہ قتل کر دیا جائے۔

اور علامہ الخفاجیؒ لکھتے ہیں: "ان من قال ان النبی ﷺ کان لونه اسود یقتل لکذبه علی رسول اللہ ﷺ ولون السواد یزری ففیه تحقیر واهانة له ایضاً وقال الخفاجی رحمه الله لان اثبات صفة له صلی اللہ علیه وسلم غیر صفته لاتکون الامشعرة بنقص لان صفاته لایتصور اکمل منها بل کل ما اثبت له غیرها کان نقصاً بالنسبة لها"۔ (خفاجی شرح شفاء، ج: ۴، ص۔ ۴۳۱)

جس نے یہ کہا کہ آنحضرت ﷺ کا رنگ مبارک سیاہ تھا تو وہ (تعزیرات اسلام کی رو سے) قتل کیا جائے گا کیونکہ اس نے آنحضرت ﷺ پر جھوٹ کہا ہے اور سیاہ رنگ معیوب ہوتا ہے اور اس میں تحقیر و توہین بھی پائی جاتی ہے اور خفاجیؒ کہتے ہیں کہ آپ کے لیے کسی ایسی صفت کا اثبات جو آپ کے لیے ثابت نہ تھی مشعر تنقیص ہی ہوگا اس لئے کہ آپ کی صفات سے اکمل اور اعلیٰ کوئی اور صفت ہو ہی نہیں سکتی بلکہ آپ کے لیے آپ کی صفات کے علاوہ کسی اور صفت کا ثابت کرنا محض آپ کی تنقیص و توہین ہوگی۔ (العیاذ باللہ)

اور حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ: "وروی ابن وهب عن مالك رحمه الله من قال ان رداء النبی ﷺ وروی بردة وسخ واراد به عیبه قتل"۔ (الصارم، ص۔ ۵۲۹)

امام ابن وہبؒ نے حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ جس نے یہ کہا آنحضرت ﷺ کی چادر میلی تھی اور اس سے اس کی مراد عیب ہے تو ایسا شخص (قانون اسلامی میں) قتل کیا جائے گا۔

ان تمام عبارات واقتباسات سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ادنیٰ ترین توہین اور تنقیص بھی حضرات فقہاء کرامؒ کے نزدیک موجب کفر ہے اور یہ کہ اسلامی حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ اس شخص کو قتل کر دے اور یہ بھی بصراحت گذر چکا ہے کہ جو صفت آنحضرت ﷺ کے لیے ثابت نہیں ہے اس کا آپ کے لیے اثبات یقیناً موجب توہین و تحقیر ہے۔ (بحوالہ ازالۃ الریب، ص ۴۳۸ تا ۴۴۱)

فائدہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ ترین تنقیص و توہین کفر ہے اس پر آٹھ دلائل اسی مقام پر معارف القبیان میں ملاحظہ فرمائیں نیز روح مبارک کے جسد اطہر میں داخل ہونے کے بعد آپ عالم الغیب نہیں تھے اس پر بیالیس دلائل بھی اسی مقام پر

ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ: ۲ اگر کوئی شخص محض عشق اور محبت کے نشہ سے سرشار ہو کر یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کہے تو جائز اور صحیح ہے ہم اور ہمارے اکابر اس کے قائل ہیں مگر آپ کو حاضر ناظر سمجھ کر یا استمداد اور استعانت کے طور پر یارسول اللہ کہنا جائز نہیں ہے۔

(دیکھیں تبرید النواظر یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک :ص ۱۷۱: تالیف استاذ محترم مولانا محمد سرفراز خان صاحبؒ)

فائدہ: قرآن کریم میں (۸۸) جگہ امت محمدیہ کو خطاب "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے کیا گیا ہے کتب سابقہ میں صرف انبیاء علیہم السلام کو خطاب ہے اس سے امت محمدیہ کی فضیلت ظاہر ہے۔ (آثار خیر :ص ۱۰۹)

﴿۱۰۵﴾ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ... الخ مرض ۲۲ اہل کتاب اور مشرکین کی تمنا۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین حسد کی وجہ سے کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کو نبوت ملی ہے ہمیں کیوں نہیں ملی اس پر فرشتہ اترتا ہے ہم پر کیوں نہیں اترتا اس کو رب نے کتاب دی ہے ہمیں کیوں نہیں دیتا یہی ان کی مرضی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا مختصر جواب دیا "وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ" اللہ تعالیٰ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے یہ نہیں ہے کہ ہر ایک کو نبوت و رسالت مل سکتی ہے۔

قادیانیوں کا باطل عقیدہ

یہ بالکل صحیح ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے حتیٰ کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔

(حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود کی ڈائری، اخبار الفضل قادیان الفضل قادیان نمبر ۵: جلد ۱۰، ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء) العیاذ باللہ۔ گویا اس کا مطلب ہوا کہ نبوت ایک ایسی چیز ہے جس کو محنت سے حاصل کیا جا سکتا ہے حالانکہ نبوت صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور وہبی نعمت ہے اور آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

﴿۱۰۶﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ ... الخ مرض ۲۳ نسخ فی الشرائع پر شبہ اور اس کا جواب: جب قبلہ کا حکم منسوخ ہوا اور تحویل قبلہ کا حکم آیا تو یہود اور مشرکین شرارت کے طور پر کہتے کہ تم کہتے ہو قرآن کتاب اللہ ہے حالانکہ اس کتاب کے احکام تو روزانہ تبدیل ہوتے ہیں کبھی کہتے ہو کہ یہ حرام ہے دوسرے دن کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کبھی ایک چیز کو جائز کہتے ہو دوسرے دن اس کو حرام قرار دیتے ہو پہلے کافر عورتوں سے نکاح جائز تھا اب کہتے ہو کہ ناجائز ہے اگر یہ کتاب اللہ ہوتا تو احکام تبدیل نہ ہوتے۔ یہود کا یہ عقیدہ تھا جو حکم منسوخ ہوتا ہے وہ غلطی کی بنا پر ہوتا ہے لہٰذا قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں ہے۔

(روح المعانی: ص ۳۸۸ ج ۱: معالم التنزیل :ص ۶۷ ج ۱: بحر محیط: ص ۳۴۱ ج ۱)

اور یہی عقیدہ شیعہ امامیہ کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں "بداء" کا ہے ان کے نزدیک یہ عقیدہ رکھنا بہت بڑی عبادت ہے "بدا" کے معنی ظہور و انکشاف کے ہیں یعنی پہلے ایک چیز معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں ہوتی پھر وہ اس پر ظاہر ہوتی ہے (اس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے) ہم آگے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں اور اسی طرح دیانند سرسوتی ہندوؤں کی آریہ سماج تنظیم کا مشہور لیڈر گزرا ہے اپنی نوعیت کا شرارت پسند آدمی تھا یہی اعتراض اس نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں بھی کیا تھا کہ کسی اپنے ہی حکم کو منسوخ کر دینا جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا جواب حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب انتصار الاسلام میں دیا کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے جس طرح ڈاکٹر یا حکیم ایک بیمار کے مزاج کے مطابق تبدیلی دوا کر سکتا ہے اس کو آپ لوگ بھی درست سمجھتے ہو لہٰذا جس طرح یہاں دوائی کی تبدیلی سے حکیم کی جہالت لازم نہیں آتی تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی جہالت بھی لازم نہیں آتی

کیونکہ اللہ تعالیٰ روحانی بیماروں کے لیے نسخہ تبدیل کرتا رہتا ہے۔

نسخ کے اقسام وصورتیں: نسخ کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) کسی آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوجائیں، مثلاً انبیاء سابقین کے صحیفوں کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوچکے۔ (۲) صرف حکم منسوخ ہوجائے تلاوت باقی ہو مثلاً والدین اور قرابت داروں کے لئے وصیت کا حکم منسوخ ہوچکا ہے لیکن جس آیت میں یہ حکم تھا اس کی تلاوت آج بھی کی جاتی ہے۔ (۳) تلاوت منسوخ ہوجائے لیکن حکم باقی ہو مثلاً جس آیت میں حد رجم کا حکم تھا اس کی تلاوت تو اب نہیں کی جاتی لیکن اس کا حکم باقی ہے۔

اَوۡ نُنۡسِهَا: یا ہم اس آیت کو ہی ذہنوں سے بھلا دیتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کے ذہن سے ایسی آیت فراموش کرادی جاتی ہے آیت کا یاد کرانا یا بھلا دینا اللہ کی قدرت میں سے ہے سورۃ اعلیٰ میں فرمایا: "سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰى" ہم عنقریب آپ کو اس طرح پڑھائیں گے کہ آپ بھولیں گے نہیں "اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ" ہاں جس کو اللہ بھلانا چاہیں وہ آپ بھول جائیں گے۔

(ابن کثیر: ص:۵، ۲۳؛ ج۔۱)

نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ: اس کا مطلب یہ ہے کہ نیا حکم پہلے حکم کی بہ نسبت اجر میں بہتر ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ کوئی آیت کسی آیت سے بہتر اور دوسری بہتر نہیں ہے کیونکہ تمام کلام اللہ ایک ہے اور وہ سب بہتر ہے۔

(مظہری: ص:۱۱۲؛ ج:۱؛ معالم التنزیل: ص:۶۷؛ ج:۱؛ مدارک: ص:۷۸؛ ج۔۱)

محل نسخ (۱) اصول عقائد۔ (۲) کلیات اخلاق۔ (۳) اخبار یعنی قصص وحکایات ماضیہ بالاجماع محل نسخ نہیں، البتہ احکام فرعیہ میں نسخ عند الجمہور شرائع سابقہ میں اور شریعت محمدیہ میں بوقت نزول جاری رہا۔

عقیدہ بدا کی تشریح

تمام اہل اسلام کا یہ قطعی اور بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ کا علم ازل اور ابد کو محیط ہے اور کوئی بھی صادر ہونے والا واقعہ اس سے پوشیدہ نہیں اور اس کے فیصلہ میں کبھی غلطی نہیں ہوئی اور نہ ہوتی ہے اور شیعہ امامیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدا کا عقیدہ رکھنا ایک بہت ہی بڑی عبادت ہے چنانچہ اصول کافی میں ہے "عَنۡ اَحَدِهِمَا عَلَيۡهِمَا السَّلَامُ قَالَ مَا عُبِدَ اللّٰهُ بِشَيۡءٍ مِثۡلِ الۡبَدَاءِ"۔ (اصول کافی، ص:۱۴۶؛ ج:۱؛ طبع طہران اور ص۔۲۲۹)

ترجمہ: امام محمد باقر رحمہ اللہ صادق رحمہ اللہ کسی ایک سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور کسی چیز سے ایسی نہیں ہوتی جیسا کہ بداء کے عقیدہ سے ہوتی۔ اور اسی ص:۱۴۶؛ ج:۱: میں ہے "مَا عُظِّمَ اللّٰهُ بِمِثۡلِ الۡبَدَا"۔

ترجمہ: یعنی اللہ کی تعظیم جیسے بدا سے ہوتی ہے اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ بدا کا معنی اصول کافی ص ۲۷۰: کے حاشیہ میں موجود ہے "اَلۡبَدَاُ بِالۡفَتۡحِ وَالۡمَدِّ ظُهُوۡرُ الشَّيۡءِ بَعۡدَ الۡخِفَاءِ" یعنی کسی پوشیدہ چیز کا بعد میں ظاہر ہونا۔ (۱) اصول کافی کے ص: ۲۷۰ پر امام جعفر صادق نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ تیری وفات کے بعد تیرا بیٹا اسماعیل امامت کے منصب پر فائز ہوگا مگر اس سے کوئی ایسی غلطی ہوگئی جس کی وجہ سے اپنے باپ جعفر صادق کی موجودگی میں وفات پا گیا، پھر ان کی جگہ پر ان کے بھائی موسیٰ کاظم کو امام بنا دیا گیا، تو اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کو بدا ہوگیا مگر امام جعفر صادق کے مریدوں میں سے اس کے کچھ معتقد بھی بن گئے جنہیں آج اسماعیلی اور آغا خانی کہا جاتا ہے۔

❷ امام نقی نے کہا کہ اللہ پاک نے مجھے حکم دیا کہ تیری وفات کے بعد تیرا بیٹا ابوجعفر محمد امام ہوگا مگر اپنے باپ امام نقی کی موجودگی میں ان کا وہ بیٹا وفات پا گیا، پھر اس کے بعد اس بھائی ابو محمد حسن عسکری امام بنا، اس مسئلہ میں بھی اللہ تعالیٰ کو بدا ہو گیا ہے۔
❸ امام خلیل قزوینی شیعہ :الصافی شرح اصول کافی میں لکھتا ہے کہ بدا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا غلط ہے مگر مجازی طور پر نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہے، وہ اس طرح کہ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات میں حلول کر جاتے ہیں تو جب اولیاء اللہ سے غلطی ہو جاتی ہے تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا درست ہے یہ نسبت مجازی طور پر کرنا صحیح ہے۔
امام خلیل قزوینی شیعہ کی یہ توجیہ چند وجوہات سے باطل ہے:
❶ کہنا کہ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ میں گڈ مڈ ہو جاتے ہیں یہ نظریہ بعینہٖ عیسائیوں کے نظریئے کی طرح ہے چونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ میں حلول کر گئے ہیں۔ (نعوذ باللہ) ❷ شیعہ کا نظریہ ہے کہ امام معصوم ہوتا ہے بقول انکے جب امام سے غلطی ہوئی تو وہ معصوم نہ رہا۔ ❸ شیعہ کا نظریہ ہے کہ امام "ماکان ومایکون" کا علم رکھتا ہے یہ نظریہ بھی باطل ہو گیا کیونکہ انکی لاعلمی کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا بدا کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ ونظریہ رکھنا خالصتاً کفر ہے۔
﴿۱۰۷﴾ نسخ فی الشرائع پر عقلی دلیل : کیا تم اللہ کو زمین اور آسمان کا مالک نہیں سمجھتے؟ لہٰذا مالک جو حکم چاہے دے سکتا ہے، غرض حکم ثانی کی تجویز سے کوئی بھی مانع نہیں اور اس حکم کے جاری کر دینے میں بھی کوئی مانع نہیں۔ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ :اللہ کے مقابل کوئی حامی اور نہ مددگار ہوگا۔ ولی اور نصیر میں فرق : ولی وہ ہوتا ہے جو زبانی مدد کرے اور نصیر وہ ہوتا ہے جو عملی طور پر مدد کرے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ ولی قریبی رشتہ دار ہوتا ہے اور نصیر رشتہ دار دونوں پر اطلاق ہو سکتا ہے ان میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ واللہ اعلم (مظہری:ص:۱۱۲:ج۔۱)
﴿۱۰۸﴾ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ ...الخ مرض ㉔ یہود مشرکین کا مطالبہ :حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ یہود آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ حضرت موسیٰ کی طرح پوری کتاب بیک وقت لا کر پیش کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل:ج:۱:ص:۶۸؛روح المعانی:ص:۸۳۔ج:۱:مدارک:ص:۷۹:ک۔۱)
بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے جب تک آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے نہیں لائیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بحر محیط:ص:۶۴۳ج۔۱)
مسئلہ:اس میں مسلمانوں کی بھی یہ نصیحت مل گئی کہ جو احکام ہیں ان میں لگے رہیں بے تکے سوال نہ کریں اور زیادہ قیل وقال میں وقت ضائع نہ کریں، صحیح مسلم کے حوالہ سے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تک کچھ نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو تم سے اگلے لوگوں کو اسی خصلت نے ہلاک کر دیا۔ (ابن کثیر:ج:۱:ص۔۲۳۸)
﴿۱۰۹﴾ وَدَّ كَثِیْرٌ ...الخ مرض ㉕ یہود کا حسد :حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے حیی اور ابو یاسر اخطب یہودی کے بیٹے عرب سے اس وجہ سے بہت حسد کرتے ہیں کہ ان میں آنحضرت ﷺ کیوں تشریف لائے ہیں اور رات دن لوگوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مظہری:ج:۱:ص:۱۱۴:ابن کثیر:ج:۱:ص۔۲۳۹)
فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا :یہ معاف کرنے کا حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔ (مظہری:ج:۱:ص۱۱۴)
حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ :یعنی یہ معافی کا حکم اس وقت تک ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ دوسرا حکم قتال کا نہ بھیجے، بعض مفسرین نے

کہا ہے کہ اس حکم سے مراد بنی قریظہ کے قتل کرنے اور بنی نضیر کے جلاوطن کرنے کا ہے۔
(کشاف: ص:۱۷۷ ج:۱؛ ابو سعود: ص:۱۷۵ ج۔۱)

﴿۱۱۰﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ: احکامات برائے جہاد نفس: عبادت بدنی مالی نفس پر بہت شاق اور گراں ہے پس اس جہاد میں لگے رہو۔ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ... الخ نتیجہ تعمیل احکام: نماز زکوٰۃ کے علاوہ جو نیکی اور بھلائی تم آگے بھیجو گے تمام جمع شدہ ذخیرہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پاؤ گے۔ حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں نیکی کی قبولیت کی بنیادی تین شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ ایمان صحیح ہو کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ریاکاری آگئی تو نماز ہی کیوں نہ ہو ثواب نہ ہوگا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اتباع سنت ہو جو کام سنت کے مطابق نہ ہو اس کا کوئی ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے مثلاً کوئی شخص عین زوال کے وقت نماز پڑھتا ہے یا غروب آفتاب کے وقت یا طلوع سورج کے وقت حالانکہ نماز پڑھ رہا ہے مگر سنت کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے گناہ ہے اس پر کوئی ثواب نہیں۔

﴿۱۱۱﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ... الخ مرض (۲۶) اہل کتاب کا دعویٰ کاذبہ۔
شان نزول: جس وقت یہود اور نجران کے عیسائیوں کا آپ ﷺ کے سامنے مناظرہ ہوا، اس وقت یہود نے کہا کہ یہود کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہ ہوگا اور نصاریٰ نے کہا کہ نصاریٰ کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔ (النہر الماد: ص:۳۴۹ ج:۱؛ ابن کثیر: ج:۱: ص۔۲۴۲)

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ... الخ تردید دعویٰ: کہ یہ خالی دل بہلانے کی باتیں ہیں اور ان کا حقیقت کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں۔

﴿۱۱۲﴾ عقائد اعمال میں فرمانبرداری کرنے والوں کا انجام: اللہ کے یہاں اطاعت اور فرمانبرداری پر اجر ملے گا نہ ان پر کچھ خوف ہوگا اور نہ گذشتہ پر غمگین ہوں گے۔

فائدہ: جنت میں وہ شخص داخل ہوگا جس میں یہ دو صفتیں پائی جائیں اول اسلام لوجہ اللہ دوسری احسان، اسلامی عقائد اور اعمال حسنہ کا صحیح ہونا مراد ہے اور یہود و نصاریٰ میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ

یہودیوں نے کہا نصاریٰ کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا

الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ

یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں (یعنی ان کا دین صحیح نہیں ہے) حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں اسی طریقے سے ان لوگوں نے کہی

لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

جو جانتے نہیں (جاہل ہیں) ان جیسی بات۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا ان باتوں میں

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ

جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ﴿۱۱۳﴾ اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں سے منع کرتا ہے کہ ان میں

فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ

اللہ کا ذکر کیا جائے اور ان کی بربادی میں کوشش کرتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ نہیں ہے ان کے لیے کہ داخل ہوں ان گھروں میں

اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾

مگر ڈرتے ہوئے۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہے ﴿۱۱۴﴾

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۤ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ

اللہ کے لیے ہے مشرق اور مغرب پس جدھر بھی تم منہ کرو ادھر اللہ تعالیٰ کی توجہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ وسعت والا اور سب

عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

کچھ جاننے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ اور کہا ان لوگوں نے کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا۔ پاک ہے اسکی ذات بلکہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے۔

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿١١٦﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا

سب اسی کی اطاعت کرنے والے ہیں ﴿۱۱۶﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو

يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿١١٧﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ

اسے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے ﴿۱۱۷﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کیوں نہیں کلام کرتا یا ہمارے پاس

اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ

کوئی نشانی کیوں نہیں آتی اسی طرح کہا ان سے پہلے لوگوں نے ان کی بات کی طرح ان کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿١١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ

تحقیق ہم نے ان لوگوں کے لیے آیات بیان کر دی ہیں جو یقین رکھتے ہیں ﴿۱۱۸﴾ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔

وَّلَا تُسْــَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿١١٩﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى

اور آپ سے دوزخ والوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا ﴿۱۱۹﴾ اور ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ نصرانی

حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ

یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کا اتباع کریں آپ کہہ دیجئے بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور اگر آپ نے

اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾

ان کی خواہشات کا اتباع کیا بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی حمایتی اور مددگار ﴿۱۲۰﴾

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو کوئی

بِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

اس کے ساتھ کفر کرے گا پس یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۱۲۱﴾

﴿۱۱۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى ... الخ ربط آیات : ربط اس کا واضح ہے کہ ماقبل میں یہود ونصاریٰ اور ان کی غلط کاریوں کا ذکر تھا یہاں سے بھی ان کی خامیاں بیان فرمارہے ہیں۔

خلاصہ رکوع ۱۴ مرض ۲۷ اہل کتاب کا باہم تعصب اور اس کا رد، مرض ۲۸ یہود ومشرکین کا مساجد کو غیر آباد کرنا، یہود ومشرکین کی دنیوی اور اخروی سزا، یہود کے تحویل قبلہ پر اعتراض کا جواب، مرض ۲۹ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا شکوہ اور جواب شکوہ، مرض ۳۰ باشتراک نصاریٰ ومشرکین، خاتمہ کلام ورسالت خاتم الانبیاء، تسلی خاتم الانبیاء، تہدید خاتم الانبیاء منصفین اہل کتاب کا ذکر۔ ماخذ آیات ۱۱۳: تا ۱۲۱+

مرض ۲۷ اہل کتاب کا باہم تعصب اور اس کا رد : یہود اور نصاریٰ دونوں کا دین اصل میں حق تھا لیکن دونوں نے ضد کی وجہ سے مخالفت کرنی شروع کر دی اور ضد میں آکر دونوں نے اپنی نازل شدہ کتاب کی مخالفت کی اور انکار کیا حق تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ فرما دیا، ایک دلیل سے کہ دنیا میں ہو چکا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ اور یہ لوگ باطل ہونے کے باوجود اس قدر عنادی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عبادت کرنے سے روکتے ہیں۔ اور ایک فیصلہ عملی ہوتا ہے وہ آخرت میں ہوگا کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل باطل کو دوزخ میں بھیجیں گے یہود ونصاریٰ ضد میں آکر اصل راستہ سے ہٹ گئے اور کافر ہوئے جبکہ مشرکین نے ان دونوں کے دینوں کا انکار کیا اور کہا کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں حق تعالیٰ نے فرمایا یہ تینوں غلطی پر ہیں یہ دنیا میں علمی فیصلہ ہے۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ... الخ اس سے مشرکین عرب اور دیگر بت پرست اور مجوس مراد ہیں، اور ان کے علاوہ جو فرقے کفار کے گزرے ہیں کیونکہ ہر فرقہ دوسرے کی تکذیب کرتا رہا۔ (مظہری: ص: ۱۱۵: ج۔۱)

﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ ... مرض ۲۸ : یہود ومشرکین کا مساجد کو غیر آباد کرنا: حضرات مفسرین اس کے شان نزول میں بیان فرماتے ہیں کہ بیت المقدس مسجد اقصیٰ میں طیطروس رومی کی فوجیں داخل ہوئیں وہاں نمازیوں کو شہید کر دیا اور توراۃ کو جلا دیا، بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور اس میں مرداروں کو پھینکا، خنزیروں کو ذبح کیا وغیرہ۔ (معالم التنزیل بحوالہ حاشیہ تفسیر جلالین) اگر یہ آیت مسجد اقصیٰ سے متعلق ہو تو پھر ربط ظاہر ہے کیونکہ اوپر یہود کا ذکر ہوا ہے، دوسرا یہ ہے کہ آپ ﷺ ۶ھ کو پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی معیت میں عمرہ کیلئے تشریف لے گئے حدیبیہ کے کے مقام پر مشرکین نے رکاوٹ ڈالی اور مکہ میں داخل ہونے نہ دیا، اگر شان نزول یہ ہو تو پھر آگے "قَالَ الَّذِیْنَ" کا ذکر ہے اس سے مشرکین مراد ہیں۔

(ابو السعود: ج: ۱: ص: ۱۰۸: ۷ ابن کثیر: ص: ۲۴۴: ج: ۱: والنہر الماد: ص: ۵۶۳: ج۔۱)

اَنۡ یُّذۡکَرَ فِیۡہَا ۔۔۔ الخ آباد کرنے کا طریقہ کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے خواہ دل سے یا زبان سے خواہ اعضاء جوارح سے ہو۔ وَسَعٰی فِیۡ خَرَابِہَا ۔۔۔ الخ غیر آباد کرنے کا طریقہ: مساجد کی بے حرمتی کرنا اور ان کو منہدم کرنا یہ مساجد کی ظاہری تخریب ہے اور عبادت اور ذکر اللہ کی بندش کر دینا یہ مساجد کی معنوی تخریب اور باطنی ویرانی ہے۔ لَہُمۡ فِی الدُّنۡیَا خِزۡیٌ وَّ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ :دنیوی اور اخروی سزا :"لھم" سے مراد اگر مشرکین ہوں تو بھی صحیح ہے کہ ابو جہل وغیرہ بدر میں ہلاک ہوئے اور کافی ذلتیں اٹھائیں، اور اگر اس کا مرجع یہود و نصاریٰ ہوں، تو مراد اس سے قتل اور قید ہونا اور جزیہ ادا کرنا ہے، یہ سزا تو دنیا میں ہے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا۔

مسائل مساجد

مسئلہ: ❶ وئی راستہ اس قدر کشادہ ہو کہ اگر وہاں مسجد بنائی جائے تو اس سے راستہ کا کچھ نقصان نہ ہو تو ایسی صورت میں اہل محلہ نے مسجد راستہ پر بنالی تو یہ جائز ہے ایک دو کی مخالفت کا کوئی اثر نہ ہوگا ہاں مسجد بننے سے چلنے والوں کو ضرر ہو تو بلاشبہ مسجد بنانا درست نہیں ہے۔ (عالمگیری:ص:۲۳۱؛ج۔۳)

مسئلہ: ❷ مسجد کا کوئی حصہ کسی حال میں راستہ میں لینا جائز نہیں۔ (عالمگیری:ص:۲۳۹؛ج۔۳)

مسئلہ: ❸ مسجد جب تنگ ہو جائے تو اسے وسعت دی جاسکتی ہے بغل میں مسجد ہی کی زمین ہے تب کوئی بات نہیں ہے اور کسی دوسرے کی ہے تو قیمت دے کر لیں گے اگر قیمتاً بھی نہ دے تو اس کو مجبور کریں گے ورنہ بدرجہ مجبوری اس کی بھی اجازت ہے کہ قیمت دے کر بغیر رضامندی لے لی جائے۔ (عالمگیری:ص:۲۳۸؛ج:۳؛بحوالہ اسلام کا نظام مساجد:ص ۱۷۰ تا ۱۷۱)

مسئلہ: ❹ عام طور پر جب یہ مساجد بنائی جاتی ہیں تو ان کے بارے میں کاغذات متعلقہ محکمہ جات میں داخل کئے جاتے ہیں اور ان سے اجازت طلب کی جاتی ہے اور حکومت کی طرف سے جواب نہیں آتا۔ حکومت کی طرف سے سکوت اذن شرعی کے مترادف ہے یا بعض مساجد وہ ہیں جن کے حکومت کے محکمہ رجسٹری میں منظور شدہ موجود ہیں ٹرسٹ اذن شرعی ہیں۔
(خیر الفتاوی:ص:۴۹۳؛ج۔۲)

سوال: مسجد کے قریب خالی جگہ ہسپتال بنانے کو ترجیح دیجائے یا مدرسہ کو؟

جواب: اگر ہسپتال کے لئے کوئی متبادل موجود ہو تو بہتر یہی ہے کہ مسجد کے ساتھ ملحقہ زمین میں مدرسہ یا کوئی دینی مرکز تعمیر کر لیا جائے کیونکہ ہسپتال وغیرہ کے لئے تو اور جگہیں بھی مل سکتی ہیں اور مدرسہ کے لئے ملنا بہت مشکل ہے مساجد کو بے آباد اور ویران کرنے والے کو قرآن کریم میں بڑا ظالم کہا گیا ہے۔ (خیر الفتاوی:ص:۱۳۷؛ج۔۲)

﴿۱۱۵﴾ وَلِلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ :یہود کے تحویل قبلہ پر اعتراض کا جواب : کہ مسلمان اس جہت دوسری جہت کی طرف کیوں بدل گئے حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ سب جہتیں اس کے لئے ہیں "یرید بذلک تعبیر الجھات کلھا بالمشرق والمغرب کما فی تفسیر البیضاوی" حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں اس آیت میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو تسلی دی جارہی ہے جو مکہ سے نکالے گئے اور بیت اللہ سے روکے گئے آنحضرت ﷺ اور مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ (ابن کثیر:ص:۲۴۶؛ج۔۱)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ سفر اور خوف کے وقت نفل نماز کو سواری پر جس طرف منہ ہوا ادا کر لیا کرو۔

مسئلہ: استقبال قبلہ نماز کی شرائط میں سے ہے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھے تو نماز نہ ہوگی ہاں اگر کوئی شخص خائف ہے قوی دشمن اسے معینہ قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھنے دیتا تو جس طرف منہ کر کے پڑھ سکتا ہو اسی طرف پڑھ لے اس وقت اس کا یہی قبلہ ہے۔

مسئلہ: ریل میں اور پانی کے جہاز میں نماز آسانی سے قبلہ رخ ہو کر پڑھی جا سکتی ہے بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ فرض نماز بھی سفر میں بلا قبلہ پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے اور نماز نہیں ہوتی۔

تعیین قبلہ کی حکمت: اس میں اتحاد و اتفاق کا عملی سبق ملتا ہے اگر رخ متعین نہ ہو تو تشتت اور انتشار کا مظاہرہ ہوتا ہے اس لئے سارے عالم کا قبلہ متعین فرمایا کہ بیت اللہ ہے۔

﴿۱۱۶﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا... الخ مرض ﴿۲۹﴾ یہود و نصاریٰ و مشرکین کا شکوہ: اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عزیز علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، اور نصرانیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ سورۃ توبہ میں ہے "وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ"۔ (آیت۔۳۰)

اور مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں "اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا" (آیت ۴۰) کیا تمہارے رب نے بیٹوں کے ساتھ خاص کیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا۔

سُبْحٰنَهٗ: جواب شکوہ: "بل له" سے "کن فیکون" تک حق تعالیٰ کے چار اوصاف مخصوصہ کا ذکر ہے بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ الخ "بدیع" ایجاد کرنے والا کسی چیز کو بغیر نمونہ کے بنانے والا "ابداع" کے معنی کسی صنعت کو بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کرنا۔ "ابداع" جب اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو کر آئے تو اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا کسی شئ کو بلا واسطہ آلہ اور مادہ کے اور بلا اعتبار زمان و مکان ایجاد کرنا ایجاد کی یہ صورت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ممکن ہے اور کسی کے لئے نہیں، "بدیع" جب اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو فعیل بمعنی فاعل ہوتا ہے، دوسروں کی صفت میں بمعنی فاعل بھی آتا ہے اور بمعنی مفعول بھی۔ (مفردات القرآن: ص:۷۶: ج۔۱)

كُنْ فَيَكُوْنُ: یہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ "کُنْ" امر ہے اور "فَيَكُوْنُ" جواب امر ہے اور جواب امر مجزوم ہونا چاہئے حالانکہ یہاں مضموم ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "فیکون" جواب امر نہیں ہے بلکہ یہاں مبتدا محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے "کن فھو یکون" تو "یکون" خبر ہے (روح المعانی: ص:۵۰۲: ج:۱: جمل: ص:۹۹: ج۔۱)

﴿۱۱۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ... الخ مرض ﴿۳۰﴾ باشتراک نصاریٰ و مشرکین: بعض مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کا سوال بیان فرمایا ہے۔ (ابو سعود: ص:۱۸۱: ج۔۱)

اور بعض مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ اگر مشرکین عرب مراد ہوں تو ان کے بارے میں "الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" جو فرمایا ہے اس میں کوئی اعتراض نہیں کیونکہ وہ عموماً ان پڑھ تھے اور کسی کتاب کے حامل بھی نہ تھے۔ اور اگر یہود و نصاریٰ مراد ہوں ان کو "لَا يَعْلَمُوْنَ" اس لئے فرمایا کہ انہوں نے جانتے ہوئے انجان ہونے کا کام کیا۔

(روح المعانی: ص:۵۳۰: ج:۱: مدارک: ص:۸۴: ج:۱: مظہری: ج:۱: ص۔۱۱۹)

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ: اگلے اور پچھلے کافروں کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہیں یعنی ان پچھلے نادانوں کے شبہات پہلے نادانوں کے شبہات کے مشابہ ہیں اگرچہ زمانہ میں بعد ہے مگر قلوب سب کے ہم رنگ ہیں۔

﴿۱۱۹﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ الخ خاتمہ کلام و رسالت خاتم الانبیاء: یہاں تک بنی اسرائیل کے امراض اور قباحتوں کا ذکر تھا اب آگے آپ کی تسلی اور رسالت کا ذکر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "الحق" سے مراد قرآن کریم ہے۔

(مظہری: ص:۱۲۰: ج:۱: مدارک: ص:۸۴: ج:۱: بحر محیط: ص:۶۷ س ج۔۱)

وَلَا تُسْئَلُ: تسلی خاتم الانبیاء: قراء نے مضارع منفی مجہول سے پڑھا ہے اس آیت میں تسلی ہے کہ جو لوگ مسلمان نہ ہوں آپ ان کے بارے میں پریشان نہ ہوں آپ اپنا کام کئے جائیں اللہ کا کلام پہنچائیں حق کو واضح طور پر بیان فرمائیں آگے ایمان

کو قبول کرنا یا نہ کرنا مخاطبین کی ذمہ داری ہے آپ سے کوئی سوال نہ ہوگا کہ کافروں نے اسلام قبول کیوں نہیں کیا اور دوزخ کے مستحق کیوں ہوئے زبردستی ایمان قبول کرانا آپ کی ذمہ داری نہیں آپ کا کام پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔ سورۂ رعد میں ہے "فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ" سورۂ غاشیہ میں فرمایا "فَذَكِّرْ ۔ إِنَّمَآ أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾"۔ یعنی ہم ان کی باتوں کو خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں ان کو قرآن کے ذریعہ نصیحت فرماتے رہیں جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔

﴿۱۲۰﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ... الخ تہدید خاتم الانبیاء۔ یہود و نصاریٰ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ آپس میں کچھ کر لیں یعنی بعض بعض چیزوں میں آپ نیچے اتر جائیں اور کچھ ڈھیل دے دیں تو ہم آپ کا دین قبول کر لیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل: ص:۷۲، ج۔۱)

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ الخ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر خطاب تو آنحضرت ﷺ کو ہے مگر اس سے مراد آپ کی امت ہے اس آیت سے واضح معلوم ہوا کہ اہل باطل کو خوش کرنے کے لئے اسلام کے کسی ایک جز کو چھوڑنا بھی حرام ہے

حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ :ازالہ شبہ :اوپر دو جماعتوں کا ذکر تھا یعنی یہود و نصاریٰ کا اور یہ دونوں فریق الگ الگ ملت پر قائم ہیں یہاں "ملت" کا صیغہ جمع کیوں ذکر نہیں کیا گیا؟ جواب: کفار آپس میں اگرچہ مذہبی اختلاف رکھتے ہیں مگر کفر میں برابر کے شریک ہیں اس لئے ملت کا لفظ مفرد استعمال کیا ہے کیونکہ دنیا میں صرف دو ملتیں ہیں۔ ❶ کفر۔ ❷ ایمان۔

منصفین اہل کتاب :جنہوں نے دل و جان سے حق کا اتباع کیا اور توراۃ و انجیل کی تلاوت کرتے ہیں اور نہ اس میں تحریف لفظی اور نہ معنوی کرتے ہیں اور جو نبی آخر الزمان کی بشارتیں ہیں ان کو نہیں چھپاتے۔ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی یہ منقول ہے کہ قرآن کریم میں جب جنت کا ذکر آئے تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو اور جب دوزخ کا ذکر آئے تو اس سے پناہ مانگو۔ اور اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کو تحریف سے بچا کر تدبیر اور عمل کے ارادے سے پڑھتے رہو۔

(مظہری: ص:۱۲۱، ج:۱، مدارک: ص ۸۵، ج:۱، کشاف: ص:۱۸۳، ج۔۱)

اور ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کو تجوید سے تلاوت کرو ہر حرف کو اس کے مخارج سے ادا کرو۔ اور طریق تلاوت تین قسم پر ہے اس کی تفصیل سورۂ مزمل آیت:۴ میں دیکھیں۔

يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى

اے بنی اسرائیل امیری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور یہ بات بے شک میں نے تم کو

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ

جہان والوں پر فضیلت بخشی ﴿۱۲۲﴾ اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کام آئے گا کوئی نفس کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جائے گا اس بدلہ

وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَإِذِ ابْتَلٰىٓ إِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ

اور نہ اس کی سفارش فائدہ دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿۱۲۳﴾ اور اس وقت کو دھیان میں لاؤ جب آزمایا ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے چند باتوں کے ساتھ

فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ قَالَ لَا يَنَالُ

پس انہوں نے ان باتوں کو پورا کر دیا (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا میں تمہیں لوگوں کے لئے پیشوا بنانے والا ہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میری اولاد میں سے بھی (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا

عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۗ وَاتَّخِذُوْا

میرا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں ہے ﴿۱۲۴﴾ اور اس بات کو دھیان میں لاؤ جب کہ ہم نے بیت اللہ شریف کو لوگوں کیلئے رجوع اور امن کی جگہ بنایا اور

مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۗ وَعَهِدْنَا إِلٰى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيْلَ أَنْ طَهِّرَا

ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ مصلیٰ (یعنی نماز کی جگہ بنالو) اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کی طرف حکم بھیجا کہ تم دونوں

بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّ

میرے گھر کا طواف کرنے والوں اور اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھو ﴿۱۲۵﴾ اور اس بات کو یاد کرو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اے رب

اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ أَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ

اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے روزی دے جو کوئی ان میں سے ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهٗٓ إِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۗ

اور قیامت کے دن پر (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا اور جس نے کفر کیا میں اسے تھوڑے دنوں تک فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے کشاں کشاں دوزخ کی عذاب کی طرف لے جاؤں گا

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيْلُ ۗ

اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت بری جگہ ہے ﴿۱۲۶﴾ اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم (علیہ السلام) بیت اللہ شریف کی بنیادیں اٹھا رہے تھے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۗ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

اور دونوں کہتے تھے اے ہمارے پروردگار! ہم سے قبول فرما بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۱۲۷﴾ اے پروردگار بنا دے ہم دونوں کو اپنی فرمانبرداری کرنے والا

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ

اور بنا دے ہماری اولاد میں سے بھی ایک اپنی فرمانبردار امت اور بتلا ہم کو ہمارے احکام اور ہمارے اوپر رجوع فرما مہربانی کے ساتھ بے شک تو ہی

أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

رجوع فرمانے والا از حد مہربان ہے ﴿۱۲۸﴾ اے ہمارے پروردگار! ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر

۱۵ ع ۸ ۱۵ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

تیری آیتیں تلاوت کرے اور ان کو کتاب حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے بے شک تو زبردست حکمت والا ہے ﴿۱۲۹﴾

﴿۱۲۲﴾ يٰبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ ... الخ ربط آیات : یہاں تک بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا ذکر تھا اور ان میں سے ایک تحویل قبلہ پر اعتراض تھا جس کا جواب اوپر کی آیات میں گزر چکا ہے اس حکم خاص میں لوگوں کا شور غل زیادہ تھا اس لئے اس بحث کو یہاں سے قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے جس کا ذکر تقریباً چار رکوعات میں پھیلا ہوا ہے۔

خلاصہ رکوع ⑮ اعادہ تذکیر وتحذیر برائے ترغیب وترہیب، امتحانات، نتیجہ کامیابی، درخواست، جواب درخواست، فضیلت کعبہ، فرائض، حضرت ابراہیم واسماعیل علیہم السلام، ادعیہ ابراہیم علیہ السلام حکم خداوندی، نتیجہ اخروی تعمیر کعبۃ اللہ بعثت خاتم الانبیاء، تتمہ دعائے مذکورہ۔ ماخذ آیات ۱۲۲ تا ۱۲۹+

اعادہ تذکیر وتحذیر برائے ترغیب وترتیب :حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ آیات پہلی دو آیات کے لئے صرف تاکید کے لئے ذکر کی گئی ہیں اور آنحضرت ﷺ کی تابعداری کی رغبت دلائی گئی ہے۔ (ابن کثیر:ص۲۵۷ ج۔۱)

﴿۱۲۴﴾ وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ...الخ امتحانات ابراہیم علیہ السلام :اس آیت میں بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی کا بیان ہے جو دنیا میں توحید کے امام ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان مشرکین اور اہل کتاب جو ملت ابراہیمی کے دعوے دار ہیں ذرا ان کی فرماں برداری اور اطاعت گزاری کے واقعات تو سناؤ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ دین حنیف اور ابراہیم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر کون قائم ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تمہارا کیا واسطہ اور تعلق ہے۔

ان امتحانات اور آزمائش کا تعلق عملی اور ایمانی زندگی سے تھا۔ پہلا امتحان :جب آپ نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو پوری قوم کو بت پرستی میں مبتلا پایا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے توحید کا راستہ اختیار کیا۔

دوسرا امتحان: آپ نے بت پرستی کے باطل نظریہ پر کھل کر تنقید شروع کی اور ساری قوم کو سمجھانے کی کوشش کی مگر قوم نے ایک نہ مانی بلکہ آپ کی پوری قوم دشمن بن گئی۔ تیسرا امتحان: ارباب اقتدار کے ساتھ ٹکراؤ کی صورت میں نمرود کو آپ کی بت شکنی کا علم ہوا اس نے اپنے دربار میں بلایا جب نمرود بحث مباحثہ میں ناکام ہوا تو اس نے اور اس کے حواریوں نے آپ کے لئے خطرناک آگ جلا کر اس میں پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو آپ کے لئے سلامتی والا بنا دیا۔

چوتھا امتحان: ترک وطن کی صورت میں آپ اپنی بیوی سارہ اور حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ اپنے آبائی وطن عراق چھوڑ کر بالآخر مصر چلے گئے۔ پانچواں امتحان: حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑا جہاں آبادی کا نام ونشان بھی نہیں تھا جہاں آج کعبۃ اللہ ہے۔ چھٹا امتحان: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا ہے جو طویل دعاؤں اور تمناؤں کے بعد ملا تھا ان کے علاوہ بھی اقوال تفاسیر میں موجود ہیں جن کا ذکر کرنا اس مختصر تفسیر میں گنجائش نہیں ہے۔ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ...الخ

نتیجہ کامیابی :فرمایا میں اس کے صلہ میں تمام لوگوں کا تجھے امام اور پیشوا بناؤں گا۔

لفظ امام کی لغوی وصرفی تحقیق: امام، پیشوا، مقتدا، رہنما، بروزن، فِعَالٌ اسم ہے بمعنی "یؤتم به" کہ جس کی پیروی کی جائے "اِئْتِمَامٌ اِفْتِعَالٌ مصدر ہے اَمَّ یَئُمُّ (باب نصر) اَمٌّ مصدر بمعنی قصد کرنا۔

امام کی تشریح :امام وہ ہے جس کی اقتداء کی جائے خواہ وہ انسان ہو جس کے قول وفعل کی اقتداء کی جائے یا کتاب وغیرہ ہو اور خواہ وہ شخص جس کی پیروی کی جائے حق پر ہو یا باطل پر اس کا اطلاق مذکر مؤنث دونوں پر آتا ہے امام کی جمع ائمۃ آتی ہے جیسے "کنان" کی جمع "اکنه" (پردے۔غلاف) ہے قرآن مجید میں ہے "وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (یٰسین۔۱۲) ہر چیز کو ہم نے روشن کتاب میں لکھ رکھا ہے اس کی تفسیر میں بعض نے لکھا ہے کہ لوح محفوظ کی طرف اشارہ ہے۔ نیز قرآن کریم میں بارہ مقامات پر لفظ امام یا اس کی جمع ائمہ کا ذکر آیا ہے مگر کسی جگہ بھی ان کا مصنوعی موضوع ثابت نہیں ہوتا۔ ملاحظہ فرمائیں معارف التبیان۔

قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ...الخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درخواست :آپ کی اولاد میں سے بعض کو بھی اس نعمت سے نوازا

جائے گا صرف انہیں جن کے اندر صلاحیت ہوگی۔ قَالَ لَا يَنَالُ ۔۔الخ جواب درخواست، فرمایا جو ظالم یعنی مشرک ہوں گے وہ اس منصب کے ہر گز حقدار نہیں ہونگے۔

اہل تشیع نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اصحاب ثلاثہ امامت کے لائق نہیں تھے بلکہ یہ کافر، ظالم اور غاصب تھے

❶ چنانچہ غلام حسین، نجفی شیعہ لکھتا ہے کہ: "اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" ۝ "قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ"۔ (پارہ سورۃ بقر آیت۔ ۱۲۴)

ترجمہ: اللہ نے فرمایا تحقیق ہم آپ کو (اے ابراہیم) لوگوں کا امام بنانے والے ہیں (جناب ابراہیم نے) عرض کی اور میری ذریت سے بھی اللہ نے فرمایا۔ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

نوٹ: جس نے کفر کیا وہ ظالم ہے بقولہ تعالیٰ "وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" اور جس نے شرک کیا وہ بھی ظالم ہے بقولہ تعالیٰ "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" اور ثلاثہ نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے بسبب کافر و مشرک ہونے کے ظالم تھے پس بحکم قرآن امامت کے لائق نہ رہے ہماری دشمنی ان تینوں سے ذاتی نہیں بلکہ ہم قرآن کے سامنے سر جھکاتے ہیں پس بت پرست بحکم قرآن ظالم ہیں اور امامت کے اہل نہیں۔ (جاگیر فدک: ص ۵۰۹)

جواب: اصحاب ثلاثہ کے متعلق وہ بات معتبر ہوگی جو آنحضرت ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد ہو۔ اعلان نبوت کے بعد حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔ جیسا کہ تاریخ نے یہ بات رقم کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے (۳۸) سال کی عمر میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۵ھ، ۶ھ نبوی میں بمقام دار ارقم میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے تین دن بعد (۳۳) سال کی عمر میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دعوت سے مشرف بالاسلام ہوئے یکے بعد دیگر آنحضرت ﷺ نے اپنی دولخت جگر کا رشتہ ازدواج ان سے کیا، شیعہ مذہب کی معتبر کتاب امالی شیخ طوسی کے حوالہ سے آگے (خلافت صدیق رضی اللہ عنہ) کے باب میں حوالہ نمبر ۵ بغور پڑھیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو تسلیم کیا ہے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے جو ان کے کامل ایمان کی علامت ہے ورنہ علی شیر خدا ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے نیز یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر اعلان نبوت سے قبل اصحابہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کافر و مشرک اور ظالم تھے تو حضرت علی آپ کے اعلان نبوت سے پہلے کس پر ایمان رکھتے؟ وہ بھی تو اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ کی دعوت سے مشرف بالاسلام ہوئے کما لا یخفیٰ علی العاقل۔

❷ جناب امیر (یعنی حضرت علی المرتضیٰ) خلافت ثلاثہ کو غاصبانہ و جابرانہ اور خلفاء ثلاثہ کو گنہگار، کذاب، غدار، خیانت کار، ظالم و غاصب اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت نبویہ کا حقدار سمجھتے تھے۔ (تجلیات صداقت طبع اول: ص:۱ ۲۳: ناشر انجمن حیدری چکوال)

جواب: چنانچہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی علی رضی اللہ عنہ سے کردو، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر (رضی اللہ عنہم) اور اتنے انصار کو میرے پاس بلا کر لے آؤ پس میں ان کو بلا کر لایا وہ سب بیٹھ گئے تو آپ نے الحمد للہ سے خطبہ پڑھ کر فرمایا اب میں تم کو اس بات پر گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا ہے۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ: ص: ۴۲۸ ج: ۱: تالیف ابی الحسن علی بن عیسیٰ بن ابی الفتح الاربلی)

اصحاب ثلاثہ ظالم غاصب وغیرہ نہیں تھے اگر ہوتے تو آنحضرت ﷺ اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے گواہ ان کو

بناتے ان حضرات کو گواہ بنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو ان پر بھرپور اعتماد تھا جن پر آنحضرت ﷺ کو اعتماد ہو وہ کیسے ظالم اور غاصب ہو سکتے ہیں؟ اس سے تو آنحضرت ﷺ کی علمی بصیرت پر زد پڑتی ہے اور دعویٰ اہل بیت سے محبت کا ہے آنحضرت ﷺ کون ہیں؟ کیا وہ اہل بیت کے سردار نہیں ہیں۔ ہائے افسوس!

غلام حسین نجفی کے نزدیک جناب ابوبکر اور مرزا میں کوئی فرق نہیں

چنانچہ غلام حسین نجفی شیعہ لکھتا ہے کہ: اگر اہل دنیا نے ثلاثہ کو امام بنا دیا ہے تو مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی اہل دنیا نے امام بنا دیا ہے جناب ابوبکر اور مرزا صاحب میں کوئی فرق نہیں کیونکہ دونوں کو منصب امامت اہل دنیا نے دیا اگر بندوں کو ایسا اختیار ہے تو دونوں کو مانو، فرق کرنا بے انصافی ہے اور ہم اہل تشیع نے دونوں کو ٹھکرایا ہے۔ (جاگیر فدک: ص۔۵۰۹)

جواب: اہل دنیا نے اصحاب ثلاثہ کو صرف امام نہیں بنایا بلکہ امام الانبیاء ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں تمام صحابہ اور اہل بیت اور بنی ہاشم کا امام اور اپنا قائم مقام مقرر فرمایا چنانچہ بخاری شریف اہل سنت کی معتبر کتاب (ص ۹۹: ج:۱) میں تفصیلاً مذکور ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ زیادہ بیمار ہو گئے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو نماز کی اطلاع دینے کے لئے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نماز پڑھانے کے لئے کہو میں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک رقیق القلب آدمی ہیں جب بھی آپ ﷺ کی جگہ پر کھڑے ہونگے تو (شدت گریہ کی وجہ سے) آواز نہیں سنا سکیں گے اس لئے اگر آپ ﷺ عمر رضی اللہ عنہ سے کہتے تو بہتر تھا لیکن آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نماز پڑھانے کے لئے کہو، پھر میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم کہو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں اور اگر آپ ﷺ کی جگہ کھڑے ہوئے تو لوگوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکیں گے اس لیے عمر رضی اللہ عنہ سے کہو تو بہتر تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ صواحب یوسف سے کم نہیں ہو ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے لگے تو آنحضرت ﷺ کے مرض میں کچھ خفت محسوس کی اور دو آدمیوں کا سہارا لیکر کھڑے ہو گئے آپ ﷺ کے پاؤں زمین میں گھسٹ رہے تھے اس طرح آپ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اشارہ سے روکا پھر آنحضرت ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں طرف آ کر بیٹھ گئے ابوبکر کھڑے ہو کر نماز پڑھا رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی۔ اور شیعہ کی کتاب نہج البلاغہ کی شرح درہ نجفیہ: ص:۲۲۵: میں موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت تک خود بہ نفس نفیس لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے جب تک مرض خفیف رہا پھر جب مرض بڑھ گیا تو حضرت ابوبکر صدیق کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہیں اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دو دن تک آنحضرت ﷺ کی زندگی میں تمام لوگوں کو نمازیں پڑھاتے رہے پھر حضور ﷺ کی وفات ہو گئی۔

اس سے واضح ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام مقرر فرمایا اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ ان کی امامت کو بسروچشم قبول فرمایا اور انکی اقتداء میں نمازیں پڑھیں صرف عام لوگوں نے ان کو امام نہیں بنایا جس کی وجہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت کا انکار کیا جائے نعوذ باللہ من ذلک کہ جناب ابوبکر اور مرزا میں کوئی فرق نہیں یہ محض ضد و عناد پر مبنی ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جس طرح دوسرے صحابہ نے اپنا امام تسلیم کیا اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا امام تسلیم کیا ہے جیسا کہ اوپر فریقین کے کتب کے حوالے سے گذر چکا ہے۔ اب اس مسئلہ کیلئے کتب اہل تشیع سے مزید حوالہ جات ملاحظہ

فرمائیں تا کہ یہ مسئلہ تمام اطراف سے مکمل اور مبرہن ہو جائے۔

❶ شیعہ کہ معتبر کتاب احتجاج طبرسی: ص :۱۰۴، میں ابو منصور احمد بن علی بن ابو طالب الطبرسی لکھتے ہیں: "قَالَ لہ اُسَامَۃُ هَلْ بَايَعْتَهُ ؟فَقَالَ نَعَمْ يَا اُسَامَۃُ"۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر) بیعت کر چکے ہیں؟ تو علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں بیعت کر چکا ہوں۔ یہ بیعت بیعت خلافت تھی۔

❷ اسی کتاب احتجاج طبرسی کے ص: ۱۰۰، پر ہے :"ثُمَّ تَنَاوَلَ يَدَ اَبِي بَكْرٍ فَبَايَعَهُ"۔ پھر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق کی ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی۔ (مکتبہ دار المجتبیٰ العراق النجف الاشرف)

❸ تفسیر قمی مصنفہ ابو الحسن علی بن ابراہیم القمی؛ ص ۱۰۷، سورۃ التحریم۔ تفسیر البرھان سورۃ التحریم آیت :۵، لسید ہاشم الحسینی البحرانی۔ اور تفسیر صافی لملا فیض اللہ کاشانی: ص ۵۵ ۳ سورۃ التحریم: پر ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ایک دفعہ مغموم و پریشان تھیں ان کو خوش کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری سنائی :"اَنَّ اَبَا بَكْرٍ يَلِي الْخِلَافَةَ بَعْدِي ثُمَّ بَعْدَهُ اَبُوكِ فَقَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ"۔ ضرور بالضرور میرے بعد خلافت کا والی ابو بکر ہوگا اور ابو بکر کے بعد تیرا باپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) خلیفہ ہوگا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ آپ کو اس بات کی خبر کس نے دی ہے ؟حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ علیم و خبیر نے خبر دی ہے۔

❹ "رَضِيْنَا عَنِ اللهِ قَضَاءَهُ وَسَلَّمْنَا لِلّٰهِ اَمْرَهُ اَتَرَانِي اَكْذِبُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم؟ وَاللهِ لَاَنَا اَوَّلُ مَنْ صَدَّقَهُ فَلَا اَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ كَذَبَ عَلَيْهِ فَنَظَرْتُ فِيْ اَمْرِي فَاِذَا طَاعَتِي قَدْ سَبَقَتْ بَيْعَتِي وَاِذَا الْمِيْثَاقُ فِيْ عُنُقِي لِغَيْرِي"۔

❶ نہج البلاغہ طبع بیروت: ص ۸۱:۔ من کلام لہ علیہ السلام یجری مجری الخطبۃ، خطبہ ۳۸۔ (مصنف ابو الحسن محمد رضا بن الحسن الموسوی)

❷ نہج البلاغہ لابن میثم بحرانی طبع جدید، ج:۲، ص:۹۳، و، ج:۱۰، ص ۱۵۶:، جزء عاشر طبع قدیم ایرانی تحت کلام مذکور۔

❸ درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ: ص:۹۹، طبع قدیم ایرانی تحت کلام مذکور۔

حاصل کلام یہ ہے کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر و قضا پر ہم اللہ کیلئے راضی ہو گئے اور ہم نے اللہ کیلئے اس کے امر کو تسلیم کیا۔

(اے مخاطب) تو میرے متعلق خیال کرتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہہ دونگا حالانکہ میں پہلے تصدیق کنندگان میں سے ہوں پس رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے خلاف میں پہلا جھوٹ کہنے والا نہیں ہو سکتا پس میں نے اپنا معاملہ (خلافت) میں نظر و فکر کی تو اس مسئلہ میں میری تابعداری کرنا میرے بیعت کرنے سے سبقت کر چکا ہے اور میرے غیر یعنی ابو بکر کے حق میں میری زندگی میں عہد و پیمان ہو چکا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ بیعت کے متعلق نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے میرا پختہ عہد و پیمان غیر کے حق میں ہو چکا تھا وہ غیر ابو بکر ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ "الکریم اذا وعد وفا" (شرفا جب وعدہ کر لیتے ہیں تو پورا کیا کرتے ہیں) پس ان کی بیعت کر لینے کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا للهٰذا میں نے ان کی بیعت کرنے سے امتناع و انقباض نہیں اختیار کیا۔

❺ قَالَ (علی رضی اللہ عنہ) فَمَا بَايَعْتُمْ اَبَا بَكْرٍ وَعَدَلْتُمْ عَلَيَّ فَمَا بَايَعْتُ اَبَا بَكْرٍ كَمَا بَايَعْتُمُوْهُ وَكَرِهْتُ اَنْ اَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِيْنَ وَاَنْ اُفَرِّقَ بَيْنَ جَمَاعَتِهِمْ ثُمَّ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ جَعَلَهَا لِعُمَرَ مِنْ بَعْدِهِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّي اَوْلَى النَّاسِ

بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَاٰلِهٖ وَ بِالنَّاسِ مِنْ بَعْدِهٖ فَبَايَعْتُ عُمَرَ كَمَا بَايَعْتُمُوْهُ فَوَفَيْتُ لَهٗ بِبَيْعَتِهٖ حَتّٰى لَمَّا قُتِلَ جَعَلَنِيْ سَادِسَ سِتَّةٍ فَدَخَلْتُ حَيْثُ اَدْخَلَنِيْ وَ كَرِهْتُ اَنْ اُفَرِّقَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَشُقَّ عَصَاهُمْ فَبَايَعْتُمْ عُثْمَانَ فَبَايَعْتُهٗ وَاَنَا جَالِسٌ فِيْ بَيْتِيْ ثُمَّ اَتَيْتُمُوْنِيْ فِيْ غَيْرِ بَيْتِيْ ثُمَّ اَتَيْتُمُوْنِيْ غَيْرَ دَاعٍ لَّكُمْ وَلَا مُسْتَكْرِهٍ لِاَحَدٍ مِّنْكُمْ فَبَايَعْتُمُوْنِيْ كَمَا بَايَعْتُمْ اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَمَا جَعَلَكُمْ اَحَقَّ اَنْ تَفُوْا لِاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ بِبَيْعَتِهِمْ بِبَيْعَتِيْ مِنْكُمْ قَالُوْا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ كُنْ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَقَالَ كَذٰلِكَ اَقُوْلُ يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ"۔ (امالی شیخ طوسی: ج:۲: ص:۱۲۱: نجف اشرف عراق)۔

یعنی حضرت علی مخاطبین کو فرماتے ہیں کہ تم نے ابو بکر سے بیعت کی اور تم مجھ سے منحرف ہو گئے اور پھر گئے جس طرح تم نے ابو بکر سے بیعت کی تھی اسی طرح میں نے بھی ان سے بیعت کی اور میں نے مسلمانوں کے اتفاق کی لاٹھی توڑنے کو مکروہ جانا اور ان کی جماعت میں تفریق ڈالنے کو ناپسند کیا۔ پھر ابو بکر نے (خلافت) کو اپنے بعد عمر کیلئے تجویز کر دیا اور تم کو معلوم ہے کہ میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ آپ کے بعد زیادہ حق رکھتا تھا پس میں نے عمر کی بیعت کی جیسا کہ تم لوگوں نے ان کی بیعت کی اور اس بیعت کے حقوق کو میں نے پورا کیا حتیٰ کہ جب عمر پر قاتلانہ حملہ ہوا تو عمر نے چھ آدمیوں (کی سب کمیٹی) میں ایک چھٹا ممبر قرار دے کر شامل کیا پس میں نے ان کا شامل کرنا قبول کر لیا اور میں نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کو برا جانا اور ان کی اتفاق کی لاٹھی کو توڑ ڈالنا ناپسند کیا۔

اس کے بعد تم نے عثمان سے بیعت کی پس میں نے بھی اس سے بیعت کی اور میں (شہادت عثمانی کے بعد) اپنے گھر بیٹھا ہوا تھا نہ میں نے تمہیں بلا بھیجا اور نہ مجبور کیا پس تم میرے پاس آئے اور تم نے میری بیعت کی جیسا کہ تم نے ابو بکر، عمر، عثمان، کے ساتھ بیعت کی تھی پس کیا وجہ ہے کہ ان حضرات ثلاثہ سے تم نے بیعت کی تھی اس کی وفاء وایفا کرنا میری بیعت کی ایفاء کرنے سے زیادہ حقدار ہے؟ (یعنی ہر دو میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے) اس وقت تمام مخاطبین وسامعین نے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین آپ کو اب اس طرح فرمان جاری کرنا چاہئے جس طرح خدا کے صالح بندے (یوسف علیہ السلام) نے اپنے معذرت خواہوں کے حق میں ارشاد فرمایا تھا "لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین" آج تم پر کچھ الزام وسرزنش نہیں اللہ تم کو معاف کر دے وہ سب سے بڑا مہربان ہے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عذر و معذرت قبول کرتے ہوئے اسی طرح فرمان دے دیا کہ "یغفر اللہ وھو ارحم الراحمین"۔ (بحوالہ رحماء بینہم)

غور کیجئے ان تمام کتب میں جو معمولی کتب نہیں بلکہ مذہب شیعہ کی معتبر مستند اصولی کتب اور معتبر تفاسیر سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ خلافت کے طالب تھے اور نہ انھوں نے خواہش ظاہر کی اور نہ وہاں موجود تھے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صداقت واخلاص کا صلہ خود بخود غائبانہ طور پر عطا فرمایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تو نہ تھی کہ وہ اپنی اہلیہ کو خوش کرنے کے لئے ایسی خبر دیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور دین کے خلاف ہوں اور وہ خبر بھی ایسی جس کے متعلق فرمایا کہ یہ خبر مجھے علیم وخبیر نے دی ہے چونکہ یہ خلافت خدا اور رسول کی طرف سے تھی اس لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار خدا اور رسول کے فرمان کا انکار سمجھا اور بلا چون وچرا بیعت کر لی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دنیا نے امام مانا

ہے یہ بات نہایت ہی غلط ہے اور جس نے مرزا کو امام مانا یقیناً وہ قرآنی تعلیمات، احادیث نبویہ کی روشنی میں زندیق ہے اب جو فرق نہیں کرسکتا اس کے بھی زندیق اور کفر میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک امت مرحومہ اصحاب ثلاثہ کی کرم نوازی سے قرآن سے محروم

چنانچہ شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین سرگودھا (فاضل عراق) لکھتا ہے کہ : نبی وعلی نے قرآن بمطابق تنزیل الرحمٰن جمع کیا تھا مگر ثلاثہ کی کرم نوازی سے امت مرحومہ اس کے دیدار سے آج تک مرحوم ہے اور نا معلوم کب تک رہے گی۔

(تجلیات صداقت طبع اول، ص: ۲۰۹؛ طبع دوم، ص: ۲۲۵؛ ناشر انجمن حیدری چکوال)

جواب: ❶ مولوی محمد حسین سرگودھوی نے کوئی نئی بات تحریف قرآن کے بارے میں نہیں لکھی بلکہ اپنے اکابر شیعہ کی پیروی کی ہے چونکہ شیعہ امامیہ کے نزدیک قرآن کریم میں کمی بیشی واقع ہوئی ہے صرف شیعوں کے چار علماء تحریف کے قائل نہیں مگر اغلب یہ ہے کہ انہوں نے بھی تقیہ سے کام لیا ہے باقی تمام شیعہ علماء کیا متقدمین اور کیا متاخرین سب ہی تحریف قرآن کے قائل ہیں تفصیل دوسرے مقام پر آئے گی۔

جواب: ❷ پوری امت مسلمہ کا یہ پختہ عقیدہ ہے اور اس پر اتفاق واجماع ہے کہ آج جو قرآن کریم مسلمانوں کے پاس موجود ہے یہ بعینہ وہی ہے جو لوح محفوظ میں تھا اور جو بواسطہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تیئس (۲۳) سال میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے مختلف مقامات پر نازل ہوا جس میں ایک حرف کی کمی بیشی اور حذف و اضافہ نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ قیامۃ میں ارشاد فرمایا ہے کہ "لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" (آیت: ۱۶ تا ۱۹ پارہ۔۲۹)

ترجمہ: نہ جنبش دیجئے اے نبی! اپنی زبان کو اس لئے کہ جلد یاد کرلیں قرآن کو بتحقیق ہمارے ذمہ اس کا جمع کرا دینا (مصاحف میں) اور اس کا پڑھنا۔ لہٰذا ہم جب اس کو پڑھیں (یعنی وحی نازل کریں) تو اس کے پڑھنے کا اتباع کیجئے (یعنی سنیے سننے کے وقت خود تلاوت نہ کیا کیجئے) پھر بتحقیق ہمارے ذمہ ہے اس کا واضح کرنا۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ جب وحی الٰہی نازل ہوتی تھی، اور اللہ تعالیٰ کا فرشتہ قرآن مجید لے کر آتا، آنحضرت ﷺ اس ڈر سے کہ کہیں کوئی لفظ یاد کرنے سے رہ نہ جائے، فرشتہ کی تلاوت کے ساتھ ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جاتے تھے، جسکی وجہ سے بیک وقت دو کام آپ کو کرنا پڑتے تھے ایک فرشتہ کی تلاوت کا سننا دوسرا خود اپنی تلاوت ادا کرنا، ظاہر ہے کہ اس میں آپ کو بڑی مشقت ہوتی تھی اللہ تعالیٰ کو آپ کی تکلیف گوارا نہ ہوئی اور کئی آیتوں میں آپ کو اس مشقت سے روکا گیا۔ ایک آیت میں ارشاد فرمایا "وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ" (طٰہٰ: ۱۱۴) اور ایک اور آیت میں فرمایا: "سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى" (الاعلیٰ: ۶) یہی مضمون آیت زیر بحث میں بھی فرمایا گیا مگر بڑے اہتمام کے ساتھ کہ اے نبی آپ مذکورہ بالا مشقت نہ اٹھائیے، قرآن مجید کے متعلق تو قیامت تک کی ضروریات کا اہتمام ہم اپنے ذمہ لے چکے، اس کا مصحف میں جمع کرا دینا ہمارے ذمہ، اور اس کے درس و تدریس کا نظام قائم رکھنا ہمارے ذمہ اور اس کے مطالب کی توضیح کا قائم رکھنا بھی ہمارے ذمہ ہے مطلب یہ کہ جس کے وہ سارے اہتمامات ہم اپنے ذمہ لے چکے ہیں جن کی ضرورت مستقبل قریب و بعید میں پیش آنے والی ہے اس کی حفاظت کیلئے آپ کو اس قدر پریشان ہونے کی حاجت نہیں۔

اس آیت سے بھی قرآن مجید کا ہر قسم کی تحریفات سے محفوظ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور تحریف کی رسائی قرآن تک محال و ناممکن

ثابت ہوتی ہے، کیونکہ جب قرآن کا مصحف میں جمع کرانا، اور اس کے درس کا نظام دنیا میں قائم رکھنا خدا نے اپنے ذمہ لیا اور ظاہر ہے کہ سب ذمہ داریاں اصلی قرآن کیلئے ہیں لہٰذا ناممکن ہے کہ وہ محرف صورت میں جمع ہو محرف درس قائم رہے ورنہ خلفِ وعدہ لازم آئے گا لہٰذا یہ کہنا اصحاب ثلاثہ (حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کی کرم نوازی سے جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور علی رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کیا تھا امت مرحومہ اس کے دیدار سے آج تک محروم ہے نامعلوم کب تک محروم رہے گی یہ خالصتاً اصحاب ثلاثہ پر الزام ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے علیم محیط کی بھی نفی ہوتی ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک اصحاب ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) ایمان سے خالی تھے

❶ شیعہ مجتہد مولوی حسین بخش جاڑا (فاضل عراق) مؤلف تفسیر انوار النجف) (مقیم لاہور، سابق دریا خان ضلع میانوالی) نے ایک فرضی مناظرہ بغداد کی روئیداد میں لکھا ہے کہ بے شک شیعوں کا عقیدہ ہے یہ لوگ (ثلاثہ) دل و جان سے مؤمن نہیں تھے البتہ ظاہر اُزبانی طور پر وہ اسلام کا اظہار کرتے تھے۔ (مناظرہ بغداد: ص۔۵۷)

❷ شیعہ مجتہد مولوی حسین ڈھکو سرگودھا (فاضل عراق) لکھتے ہیں کہ دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور برادران اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہیں وہ حضرات اصحاب ثلاثہ (حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کے بارے میں ہے اہل سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب اور امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولت ایمان و ایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں۔
(تجلیات صداقت طبع اول:۲۰۱؛ طبع دوم: ص:۲۱۶: ناشر انجمن حیدری چکوال)

❸ یہ سراسر شیعوں پر اتہام ہے کہ وہ حضرت ثانی (یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کو کافر سمجھتے ہیں ان پر سب شتم کرتے ہیں، ہاں یہ درست ہے کہ ہم ان کو مؤمن نہیں جانتے۔ (ایضاً طبع اول: ص:۱۸۱؛ طبع دوم: ص۔۱۹۲)

جواب: حضرات صحابہ کرام کے ایمان کی گواہی قرآن کریم میں واضح طور پر موجود ہے اس پر کئی شاہد ہیں سر دست ایک آیت پیش کی جاتی: "يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ" (سورۃ التحریم۔۸) یعنی جس دن اللہ تعالیٰ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایمانداروں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا۔

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے متعلق فرمایا کہ وہ قیامت کے دن نہایت عزت و احترام کے افضل و اشراف مقامات و مدارج پر سرفراز ہونگے اور قرآن کریم میں کہیں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مؤمنون، مؤمنین، والذین امنو معه، والذین معه وغیرہ کے القابات عالیہ سے نوازا گیا ہے ظاہر ہے کہ وہ اصحاب رسول ہی ہیں اگر کوئی شخص اپنی بدبختی سے ان القابات کا مصداق اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں سمجھتا یا نہیں مانتا تو یہ اس کے اپنے عقل کا قصور ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک اصحاب ثلاثہ کا پیغمبر سے تعلق نہیں تھا

چنانچہ شیعہ مجتہد مولوی حسین ڈھکو لکھتا ہے کہ: حضرات ثلاثہ جو تیمی، عدوی اور اموی جو شجرہ ملعونہ فی القرآن کے افراد ہیں ان کو پیغمبری کی ذات سے کیا ربط و تعلق ہے۔ (تجلیات صداقت طبع اول: ص۔۷۶)

جواب: اصحاب رسول کا آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے گہرا تعلق تھا جس کا ثبوت آج تک صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مدفون ہونے کی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔

❶ مسلمان جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہدیہ صلوٰۃ و سلام کا پیش کرتے ہیں تو اس میں آپ کے تمام صحابہ کو شامل کرتے ہوئے کہتے ہیں "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ الخ" آل سے مراد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت تک

کی تمام امت مسلمہ ہے اور صرف آل سے عترۃ رسول اولاد سیدہ فاطمۃ الزہرا مراد لینا یہ درست نہیں اس لئے کہ جب آپ نے تشہد کے بعد درود شریف کی تعلیم دی تھی اس وقت ان کا وجود نہیں تھا۔

❷ تمام مسلمان تشہد میں جب آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام بھیجتے ہیں تو اس کے بعد کہتے ہیں "وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ" اگر چہ یہ عام ہے کہ ارض وسماء کے تمام نیک بندے داخل ہیں مگر اس عموم میں سب سے پہلے اصحاب ثلاثہ اور دیگر اصحاب رسول شامل ہیں اور ان کی شمولیت سب سے مقدم اور سب سے زیادہ احق ہے اور جس وقت آنحضرت ﷺ نے تشہد کی تعلیم دی اس وقت روئے زمین پر اصحاب رسول کے علاوہ کسی عبد صالح کا وجود ہی نہیں تھا۔

لہٰذا یہ کہنا کہ: اصحاب ثلاثہ جو شجرہ ملعونہ فی القرآن کے افراد ہیں ان کو پیغمبر کی ذات سے کیا ربط وتعلق ہے؟ بہت ہی افسوس کی بات ہے۔

الحمد للہ ان کا ربط وتعلق احسن طریقہ سے تھا اس لئے تو قرآن کریم میں ہے "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا حکم ہے اور مشورہ اسی سے لیا جاتا ہے جس سے گہرا تعلق ہو تو اس میں تمہارے مغالطے کی واضح تردید ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک اصحاب ثلاثہ کی ہجرت لوجہ اللہ نہیں تھی

چنانچہ شیعہ مجتہد مولوی حسین ڈھکو لکھتا ہے کہ: ان تمام صفات مذکورہ فی الآیات سے اصحاب ثلاثہ کے دامن خالی نظر آتے ہیں نہ ان کے دامن میں ایمان کی دولت تھی نہ ان کے پاس خالص لوجہ اللہ ہجرت کا ذخیرہ ہے اور نہ ان کے یہاں کسی مالی وجانی جہاد کا ثبوت ملتا ہے۔ (تجلیات صداقت طبع اول: ص:۶۷، طبع دوم: ص۔ ۸۳)

جواب: الحمد للہ اصحاب ثلاثہ کے دامن میں ایمان لوجہ اللہ، ہجرت اور مالی وجانی جہاد اتم درجہ کا موجود ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ: "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ"۔ (توبہ۔۱۰۰)

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔

اس آیت میں مہاجرین اور انصار کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ جو مہاجرین وانصار سے محبت رکھنے والے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمان ہیں ان کی بھی تعریف کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص ہجرت اور انصار کی اخلاص نصرت کی وجہ سے جو بھی ان دو طبقات سے محبت رکھیں گے اللہ تعالیٰ اس کو بھی خوب نوازے گا اس آیت سے اصحاب ثلاثہ اور دیگر اصحاب رسول ﷺ کی حق تعالیٰ شانہ نے ہجرت اور نصرت کی وجہ سے ان کے عالی مقام کو بیان فرمایا جبکہ مخالفین کہتے ہیں کہ ان کے پاس خالصتاً ہجرت اور مالی اور جانی جہاد کا ثبوت نہیں ملتا۔ بڑے افسوس کا مقام ہے۔

❶ مخالفین کی کتب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق واقعہ ہجرت کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمات کا تذکرہ موجود ہے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس سفر میں آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ لے گئے۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں: "وترا امر کردہ است کہ ابو بکر را ہمراہ خود بغار ببری"۔ (حیات القلوب، ص۲۱، ج۔۲)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ جناب ابوبکر کو غار میں ہمراہ لے جائیے۔

مجالس المؤمنین: ص: ۲۰۳ پر شیعہ مجتہد فیصلہ کن لکھتا ہے: "و بهمه حال رفتن محمد ﷺ و بردن ابو بکر بے فرمان خدا نا بود" بہرحال حضرت محمد ﷺ کی ہجرت کرنا اور ابوبکر کو اپنے ساتھ لے جانا اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بغیر نہ تھا۔

❷ حضرت امام زین العابدین کے متعلق مرقوم ہے کہ آپ کی خدمت میں عراق کے کچھ لوگ آئے انہوں نے اصحاب ثلاثہ کے متعلق کچھ گستاخی کی باتیں کیں تو امام زین العابدین نے ان سے کچھ سوالات کئے اور ان کو کہا کہ میری مجلس سے نکل جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہ کرے جس کے تم مستحق ہو۔

چنانچہ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ترجمہ الامام السجاد علیہ السلام: ج ۳: ص ۱۵، ۱۶ پر مرقوم ہے: "فَقَالُوْا فِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ فَلَمَّا فَرَغُوْا مِنْ كَلَامِهِمْ قَالَ لَهُمْ اَلَا تُخْبِرُوْنِيْ اَنْتُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَ رِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ (سورۃ الحشر) قَالُوْا لَا. قَالَ فَاَنْتُمْ (الَّذِيْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر) قَالُوْا لَا. قَالَ: اَمَا اَنْتُمْ قَدْ تَبَرَّأْتُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا مِنْ اَحَدِ هٰذَيْنِ الْفَرِيْقَيْنِ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكُمْ لَسْتُمْ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللهُ فِيْهِمْ (وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) اُخْرُجُوْا عَنِّيْ فَعَلَ اللهُ بِكُمْ"۔ (تخریج: مطالب السؤول، ج ۲، ص ۶۴، واخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ ۳: ۱۳۷، والمزی فی تہذیب الکمال ۲: ۹۴۳، ۹۳۰، ۵۹۳ وابن عساکر فی ترجمۃ الامام السجاد علیہ السلام: (۹۹) ولاحظ کلام محققہ شیخنا العلامۃ المحمودی)

ترجمہ: انہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کے حق میں گستاخی کی باتیں کیں تو امام زین العابدین نے ان کو فرمایا تم لوگ مجھے یہ بتاؤ کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو جو کہ اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضامندی چاہتے تھے اور اللہ اور رسول ﷺ کی امداد کرتے تھے اور وہی نہایت سچے لوگ تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں امام نے فرمایا کیا پھر تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے مہاجرین کے آنے سے پہلے گھر بار اور ایمان کو ٹھیک ٹھاک تیار کیا ہوا تھا اور ہجرت کرنے والوں کو محبوب رکھا اور ان مہاجرین کو جو کچھ دیا جاتا اس سے دلوں میں تنگی نہ پائی اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دی اگرچہ خود تنگی اور بھوک میں ہوتے انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان میں سے بھی نہیں تو امام نے فرمایا جب تم ان دونوں فریقوں میں سے نہیں ہو تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ مہاجرین و انصار کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے اور نہ کر ہمارے دلوں میں بغض اور کینہ ایمان والوں کے حق میں پس میرے سامنے سے نکل جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہ کرے جس کے تم مستحق ہو۔

امام زین العابدین نے فیصلہ کن بات فرمائی ہے کہ جو اصحاب ثلاثہ کے ایمان، اخلاص، ہجرت، جہاد، انفاق فی سبیل اللہ میں شک کرے یا اس کا منکر ہو وہ اسی کا مستحق ہے جس کی امام زین العابدین نے بشارت دی لہٰذا منصفین شیعہ کو چاہیے کہ کم از کم اپنے امام

کے فیصلہ کو تو قبول کریں ورنہ ان کا حال بھی گستاخانہ جیسا ہوگا۔

اہل تشیع کے نزدیک اصحاب ثلاثہ کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا

چنانچہ مولوی محمد حسین ڈھکو شیعہ لکھتا ہے کہ: ثلاثہ کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا۔ (تجلیات صداقت طبع اول ص ۹۵، طبع دوم ص ۱۰۲)

جواب: تمام اسلامی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ربع مسکونہ کے تمام اسلامی ممالک جن میں شیعہ بھی ہیں اور چند خارجی بھی ہیں تمام خلفاء ثلاثہ کی فتح یادگار ہیں یہ کتنی بڑی احسان فراموشی اور گھٹیاں سوچ، پست ذہنیت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ آج ان محسنین اسلام کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ ان کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا ہے اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ نیز یہاں یہ بھی بات یاد رکھیں کہ تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مربع انچ بھی فتوحات کے طور پر یادگار نہیں جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ملک ان کے سپرد کیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی سرحدات کی مضبوطی کی طرف توجہ کی ملک کا اندرونی خلفشار ختم کیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ بہت بڑی فراست کا مظاہرہ کیا عالم اسلام کو بہت بڑے تباہ کن خطرے سے بچالیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے دوبارہ فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔

غلام حسین نجفی کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق زبان درازی

چنانچہ غلام حسین نجفی شیعہ لکھتا ہے کہ: عمر صاحب علت المشائخ کے بیمار تھے عمر صاحب کا نسب مشکوک ہے ان کی آخری غذا شراب ہے۔ (قول مقبول فی اثبات وحدت بنت رسول: ص ۔ ۲۷۹)

جواب: اس سے پہلے ایک تمہید جان لیجئے:

تمہید: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے معاملے میں (مکرر فرمایا) خدا سے ڈرو پھر خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے معاملہ میں یعنی کوئی ایسی بات نہ کرو جو ان کی عظمت وشان وجلالت قدر کے خلاف ہو) میرے بعد تم ان کو ہدف مطاعن نہ بنالینا جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے سو وہ میرے ہی بغض کے سبب ان سے بغض وعداوت رکھتا ہے اور جس نے ان کو اذیت پہنچائی درحقیقت اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی تو اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی۔ (ترمذی شریف: ج ۱، ص ۲۱۹۸، باب فی من سب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

جواب: ❶ یہ حقیقت میں غلام حسین نجفی کا رافضی پروپگنڈا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پروپگنڈے سے پاک وصاف تھے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ "اشداء علی الکفار" تھے اس لئے روافض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بغض کا اظہار کرتے ہوئے غلط باتیں ان کی طرف منسوب کی ہیں اگر وہ ایسے ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے یہ دعا نہ کرتے "اَللّٰھُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ"۔ (طبقات ابن سعد، ص: ۲۶۵، ج ۔ ۳) اے اللہ اسلام کو حضرت عمر کے ذریعے غلبہ عطاء فرما۔

جواب: ❷ العیاذ باللہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح ان سے کیوں کیا؟ جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ دو شخصوں کے درمیان رشتہ داری کا قائم ہونا ایک آدمی کا لڑکی کا رشتہ دینا اور دوسرے شخص کا اس کو قبول کرنا باہمی تعلق، اعتماد اور شخصی کردار اور اطمینان کی بنیاد پر ہوتا ہے جبر واکراہ اور بدکرداری کی صورت میں رشتہ داری پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ام کلثوم سے نکاح کا ثبوت: اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتب میں موجود ہے چنانچہ اہل سنت کی معتبر کتاب البدایہ والنہایہ، ج ۵ ص ۲۲۳ ۔ ذکر زوجاتہ وبنیہ وبناتہ پر موجود ہے کہ: ام کلثوم بنت حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئی تھیں ان کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ نے بخوشی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کر دیا، اور انہوں نے اس کو سعادتمندی سمجھتے ہوئے قبول کیا۔ اور ایسے ہی اس مسئلے پر شیعہ حضرات کی معتبر کتب شاہد ہیں مثلاً
❶ الکافی از محمد بن یعقوب الکلینی۔ ❷ الاستبصار از ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی۔ ❸ تہذیب الاحکام از ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی۔
(اسکی مزید تفصیل سورۃ النساء میں ملاحظہ فرمائیں)

ملا باقر مجلسی وغیرہ لکھتے ہیں کہ یہ رشتہ داری جبر واکراہ کی بنا پر تھی حضرت علی نے تقیہ کرتے ہوئے یہ تعلق قائم کیا تھا۔ مگر یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہنا ان کی شایان شان کے خلاف ہے اس لئے تیرھویں صدی کے مشہور شیعہ مؤرخ مرزا عباس علی قلی خان اپنی تصنیف تاریخ طراز مذہب مظفری "باب حکایت تزویج ام کلثوم با عمر بن خطاب" طبع ایران میں لکھتے ہیں کہ: حضرت فاطمۃ الزہرہ کی صاحب زادی ام کلثوم عمر بن خطاب کے گھر میں تھیں ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جب حضرت عمر فاروق قتل کئے گئے تو محمد جعفر بن ابی طالب ام کلثوم کو نکاح میں لے آئے لہٰذا تقیہ کا لیبل لگانا بھی غلط ہوا۔

غلام حسین نجفی کی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے متعلق زبان درازی

❶ چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ: جناب ذوالنورین نے اپنی بیوہ ام کلثوم کی موت کے بعد ان کے مردہ جسم کے ساتھ ہمبستری کر کے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت پہنچائی۔ (قول مقبول فی اثبات وحدت بنت رسول، ص۔ ۴۲۰)

❷ عثمان نے پہلی بیوی رقیہ کو قتل نہیں کیا بلکہ دوسری بیوی ام کلثوم کو اذیت جماع سے مار ڈالا تھا اور پھر خلیفہ ولید کی طرح اس کے مردہ جسم سے ہمبستری کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے والا رحمت خدا کا حقدار نہیں۔ (ایضاً ص۔ ۴۳۲)

❸ پس عثمان نے اپنی مردہ بیوی سے ہمبستری کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت پہنچائی اور شیعوں کے امام نے حکم دیا کہ رمضان میں یہ دعا پڑھیں "اَللّٰهُمَّ الْعَنْ مَنْ اٰذٰى نَبِيَّكَ فِيْهَا" اے اللہ اس پر لعنت کر جس نے تیری نبی کو اذیت پہنچائی۔
(ایضاً ص۔ ۴۲۴)

جواب: یہ بھی محض رافضی پروپگنڈا ہے حقیقت یہ ہے کہ جب مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عثمان کی بیوی تھی تو انہوں نے جب وفات پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا ربیع الاول ۳ھ میں رخصتی بھی کر دی اور وہ اپنی وفات تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آباد رہیں اور ان کی وفات ۹ھ میں ہوئی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی غمگینی اور پریشانی اس سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کمال فضیلت اور تسلی کیلئے ارشاد فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس روایت کو نقل کرتے ہیں کہ: "عُقْبَةُ بْنُ عَلْقَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِيْ اَرْبَعِيْنَ بِنْتاً زَوَّجْتُ عُثْمَانَ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْهُنَّ وَاحِدَةٌ۔
(اسد الغابہ ابن اسیر جزری تذکرہ عثمان، ص ۳۷۶ ج۔ ۳)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں عثمان کے یکے بعد دیگرے نکاح کر دیتا حتیٰ کے ایک بھی نہ رہ جاتی (یعنی باری باری سب کا نکاح کر دیتا)۔

اور متعدد کتب شیعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔

چنانچہ حاشیہ نہج البلاغہ: ص:۸۵، ج:۲، پر موجود ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیاں ۔رقیہ و ام کلثوم تُوُفِّیَتِ الْاُوْلٰی فَزَوَّجَهُ النَّبِیُّ ﷺ بِالثَّانِیَةِ وَلِذَا سُمِّیَ ذُوالنُّوْرَیْنِ۔ یعنی حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم سے نکاح کا شرف حاصل ہوا تھا جب پہلی فوت ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے دوسری کا ان سے نکاح کر دیا جس کے باعث ان کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔

توان روایات سے حضرت عثمان ذوالنورین کا کمال ایمان اور بلند مرتبہ عند اللہ وعند الرسول ہونا ثابت ہے اور بہت سی احادیث نبویہ میں حضرت عثمان کا جنتی ہونا اور صاحب کمال ہونا ثابت ہے ایسے صاحب عظمت انسان کے متعلق ایسی غلط باتوں کی نسبت کرنا ایمان سے دور ہونے کی واضح نشانی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان کی شان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا چنانچہ مسلم میں حدیث ہے "اَلَا اَسْتَحْیِیْ مِنْ رَجُلٍ یَسْتَحْیِیْ مِنْهُ الْمَلَائِکَةُ" کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔

حضرات سلف صالحین سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے۔ چنانچہ حاشیہ عواصم من القواصم: ص:۵۳ پر منقول ہے کہ متواتر طریقوں سے ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنتی ہونے کی بشارت دی اور ان کے شہید ہونے کی خبر دی تو جو حدیث جناب رسول اللہ سے متواتر آئی ہو اس میں شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا، اور اس کے صحیح معنی کو چھوڑ کر دوسری طرف نہیں جاتا مگر وہ شخص جو کہ اپنے لئے جہنم کے دروازوں میں داخلہ پسند کرتا ہے۔

تو غور فرمایئے جو شخص ان حقائق ثابتہ کے بعد رطب و یابس اور موضوعات پر اعتماد کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف حرف گیری اور طعن وتشنیع کرے تو اس کو اپنی عاقبت کے متعلق فکر کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی پوچھ گوچھ سے پہلے توبہ استغفار کرے غضب الٰہی سے بچنے کیلئے اپنے لئے تدبیر کرے۔

﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ...الخ فضیلت کعبۃ اللہ۔ وَاتَّخِذُوْا...الخ فضیلت مقام ابراہیم: مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور بطور معجزہ کے اس پتھر پر آپ کے قدم مبارک کا نشان پڑ گیا تھا۔ (روح المعانی: ص:۵۱۶، ج۔۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیتے تو اچھا تھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری: ص:۶۴۴، ج۔۲)

اسی حکم کی تعمیل کے لئے مسلمان طواف کے سات چکروں سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے ہیں یہ واجب ہے اور اس کو مسجد حرام میں کسی جگہ بھی پڑھ سکتے ہیں مگر مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا افضل ہے۔

اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ...الخ فرائض حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام یعنی میرے گھر کو ظاہری اور باطنی کفر و شرک اور اخلاق

رذیلہ کی نجاست سے بھی پاک رکھو۔ (بحر محیط، ص:۳۸۲ ج۔۱)

﴿۱۲۶﴾ ادعیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام برائے حرم و اہل حرم ﴿مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ﴾ ...الخ فرمایا رزق کی درخواست میں ظالموں اور نافرمانوں کے لئے نہیں کرتا بلکہ صرف ان لوگوں کے لئے رزق طلب کرتا ہوں جو اس شہر کے رہنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، اور باقی لوگوں کو آپ جانیں جو اس شہر کے رہنے والوں میں سے ہیں۔

﴿قَالَ وَمَنْ كَفَرَ﴾ ...الخ حکم خداوندی: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا رزق ہمارا خاص نہیں اس لئے ثمرات سب کو دونگا مؤمن کو بھی اور اس شخص کو بھی جو کافر ہے البتہ نجات آخرت صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہے۔

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کافروں کے لئے رزق کی دعا نہیں مانگی، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو ایک نعمت کی صلاحیت سے خارج فرمادیا تھا اس لئے ادباً اس دعا میں ان کو شامل نہیں کیا۔

(بیان القرآن: ص:۷۰ ج۔۱)

﴿اِلٰى عَذَابِ النَّارِ﴾ : نتیجہ اخروی: عذاب دوزخ میں پہنچادوں گا۔ ﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ : شدت نار جہنم : اور ایسی پہنچنے کی جگہ تو بہت بُری ہے۔ اللہ پاک بچائے۔ (آمین)

تعمیر بیت اللہ کے ادوار

﴿۱۲۷﴾ ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ﴾ ...الخ تعمیر بیت اللہ : ابتدائے عالم دنیا سے اس وقت تک خانہ کعبہ کی تعمیر سات مرتبہ ہوئی۔ پہلی مرتبہ : فرشتوں نے تعمیر کیا۔ دوسری مرتبہ: حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی، اور ان کو طواف کرنے کا حکم ہوا، اور یہ فرمایا کہ تم پہلے انسان ہو، اور یہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کی عبادت کیلئے بنایا گیا ہے۔ (فتح الباری: ج:۶ : ص:۴۸۵)

تیسری مرتبہ : حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب طوفان آیا تو بیت اللہ کا نام ونشان باقی نہ رہا، تو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دوبارہ تعمیر کا حکم دیا، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بنیادوں کے نشان بتائے۔ حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کی بنیاد یکم ذوالقعدہ کو شروع فرمائی اور پچیس ذوالقعدہ کو تعمیر کا کام ختم کردیا۔ (ذخیرہ الجنان: ج:۱: ص۔۳۱۱)

چوتھی مرتبہ: بعثت نبوی سے پانچ سال قبل جب آپ کی عمر شریف پینتیس سال کی تھی، قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی بناء ابراہیمی میں خانہ کعبہ کی چھت نہیں تھی قریش کو اس کی تعمیر کا از سرنو خیال پیدا ہوا جو اس وقت بیت اللہ کا متولی تھا، اسکا نام وہب بن عامر مخزومی ہے، اس نے اعلان کیا کہ ہمیں وہ چندہ دو جو حلال کی کمائی سے ہو اور حرام کی کمائی کی رقم ہم نے نہیں لینی، چنانچہ رقم پوری نہ ہونے سے کچھ حصہ تعمیر سے چھوڑ دیا گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں ممکن ہے کہ یہ حکمت ہو کہ ہر آدمی کا دل چاہتا ہے کہ میں بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھوں اور ہر ایک کو یہ توفیق نہیں ملتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے کمزوروں کے لئے وہ حصہ باہر چھوڑوادیا گویا اب جو شخص حطیم میں نماز پڑھے گا اس کو اللہ پاک کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا ثواب عطا کرے گا۔ (سبحان اللہ)

پانچویں مرتبہ : حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانہ خلافت میں بیت اللہ کو شہید کرکے قواعد ابراہیمیہ پر از سرنو تعمیر کرایا۔ حطیم

کو کعبہ شریف میں داخل کر دیا تھا، اور دو دروازے بنا دیئے تھے ایک داخل ہونے کا کہ اور دوسرا نکلنے کا اور بالکل زمین کے برابر کر دیا تھا اندر داخل ہونے کیلئے۔ چھٹی مرتبہ: حجاج بن یوسف نے اسی طرح بنا دیا جیسے قریش نے بنا دیا۔ ساتویں مرتبہ: ہارون الرشید نے از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت امام مالک رحمہ اللہ نے اسے ایسا نہ کرنے کی درخواست کی کہ ایسا کرنے سے یہ مقدس گھر آئندہ آنے والوں کے لئے کھلونا بن جائے گا، چنانچہ ہارون الرشید نے اپنا ارادہ ترک کر دیا، اس کے بعد ترکوں کے عہد میں سلطان مراد خان کے زمانے میں بیت اللہ کی تعمیر کی تجدید ہوئی یہ ۱۰۴۰ھ کا واقعہ ہے موجودہ عمارت ترکوں کی تعمیر کردہ ہے اب تک بیت اللہ کی عمارت میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا البتہ سعودی حکومت نے بھاری رقوم خرچ کر کے حرم کو بہت وسیع کر رہے ہیں اس وقت ۲۰۱۲ء کے آخر سے موسم حج کے بعد سے ترکوں کے تعمیر کردہ برآمدہ کو گرا کر توسیع کا کام تیزی سے شروع ہو چکا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے)۔ (آمین)

بیت اللہ کو غلاف پہنانے کی ابتداء

المعارف لابن قتیبة الدینوری (المتوفی ۲۷۶ء) میں ہے کہ سب سے پہلے اسعد ابو کریب حمیری نے بیت اللہ کو چمڑے اور چادروں کا غلاف چڑھایا یہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے تقریباً سات سو سال پہلے گذرا ہے اسعد ابو کریب الخ وھو اول من کسا البیت الانطاع والبرداھ۔ (ص:۲۸، بحوالہ خیر الفتاویٰ، ص:۱۵۳ ج۔۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تین اقوال نقل کئے ہیں ❶ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے والا قوم تبع کا بادشاہ اسعد ہے۔ ❷ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ ❸ زبیر بن بکار، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ پہلا شخص عدنان ہے، حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ تینوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں پہلا شخص یمن کا بادشاہ اسعد ہے جس نے خواب میں دیکھا کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاؤ اس نے کاڑھے کپڑے کا غلاف چڑھایا پھر اس کو خواب میں کہا گیا اس نے یمن کے عمدہ کپڑے کا غلاف چڑھایا پھر ان کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے دور میں غلاف کعبہ چڑھایا پھر اس کے بعد عدنان نے، یہ سلسلہ چلتا رہا آنحضرت ﷺ نے یمنی کپڑے (سیاہ رنگ) کا غلاف چڑھایا۔ حافظ ابن حجرؒ نے ریشم کا غلاف چڑھانے پر چھ اقوال نقل کئے ہیں اور غلاف کے مختلف رنگ رہے ہیں ناصر عباسی نے سبز رنگ کا غلاف چڑھایا پھر اس کے بعد ہمیشہ سے سیاہ رنگ کا سلسلہ چلتے ہوئے آ رہا ہے۔
(فتح الباری، ج:۳، ص ۶۰، ۶۱، ۳ باب کسوۃ الکعبہ)

﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا ... الخ تتمہ دعائے مذکور: "مَنَاسِكَنَا" مناسک سے مراد دین کے احکام اور حج کے ارکان ہیں۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا اے ابراہیم آپ نے سب مناسک پہچان لئے فرمایا ہاں اسلئے اسی دن سے اس کا نام عرفہ ہو گیا۔
(معالم التنزیل، ص:۷۷، ج:۱، مظہری، ص:۱۳۱، ج۔۱)

وَتُبْ عَلَيْنَا۔ سوال: توبہ گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی ہیں اور نبی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں؟
جواب: عوام کی توبہ گناہوں کی وجہ ہوتی ہے اور خواص کی توبہ درجات کی بلندی کے لئے ہوتی ہے۔ (روح المعانی، ص:۵۲۵، ج:۱)

﴿۱۲۹﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ : آنحضرت ﷺ کی بعثت کی دعا : حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا اور آنحضرت ﷺ کو اپنی رحمت کاملہ سے نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے حضرت آدم علیہ السلام ابھی آب وگل کے درمیان تھے مگر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین تھا میں تمہیں اپنی شروع کی حالت بتاؤں امیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو کہ میری پیدائش کے وقت میری ماں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک ایسا نور نکلا ہے کہ اس کی روشنی سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ اس حدیث کو علامہ بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے ابوامامہ سے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(مظہری: ص:۱۳۱؛ ج:۱؛ ابن کثیر: ص:۸۷؛ ج۔۱)

اس آیت میں آپ کی بعثت کے چار بڑے مقاصد بیان ہوئے ہیں۔ تلاوت کتاب، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت، اور تزکیہ نفوس۔ آیات سے مراد توحید اور نبوت کی آیات ہیں۔ (تفسیر ابن القیم: ص۔۲۲۷) حکمت سے مراد یا تو معارف واحکام ہیں یا سنت یا فہم قرآن۔

(بحر محیط: ص:۳۹۳؛ ج۔۱)

الکتاب : سے مراد قرآن کریم ہے یا قول وعمل ہے یا کتاب اللہ کے حقائق ودقائق مراد ہیں یہ سب تفسیریں اپنی جگہ پر درست ہیں۔ (روح المعانی: ص:۵۲۶؛ ج۔۱) تزکیہ سے مراد شرک اور گناہوں سے ان کو پاک کردے۔ (معالم التنزیل: ص؛ ج۔۱)

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ

اور نہیں اعراض کرتا ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت سے مگر وہ شخص جس نے اپنے نفس کو بیوقوف بنالیا۔ اور البتہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو پسند فرمایا

فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ

دنیا میں اور بے شک وہ آخرت میں البتہ نیکو کاروں میں شمار ہوگا ﴿۱۳۰﴾ جب اس کے رب نے فرمایا فرمانبردار ہو جاؤ تم

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ

تو اس نے کہا میں فرمانبردار ہو چکا ہوں رب العالمین کیلئے ﴿۱۳۱﴾ اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اس ملت پر قائم رہنے کی وصیت کی اور یعقوب (علیہ السلام) نے بھی

يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ؕ

اور کہا میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو چن لیا ہے پس تم نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبرداری کرنے والے ہو ﴿۱۳۲﴾

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ

کیا تم حاضر تھے جب یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی تھی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے

مِنْ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

تو انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے تیرے معبود کی اور تیرے آباؤ اجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق (علیہم السلام) کے معبود کی۔

اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

وہی ایک معبود ہے اور ہم اس کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۱۳۳﴾ یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی ہے اس کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے کمایا

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا

اور تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم نے کمایا اور تم سے ان باتوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا جو کچھ وہ کرتے تھے ﴿۱۳۴﴾ اور (یہود و نصاریٰ) کہتے ہیں یہودی

اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

یا نصرانی ہو جاؤ ہدایت پا جاؤ گے اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے ہرگز نہیں بلکہ ہم ملت ابراہیمی کی پیروی کریں جو ایک طرف کو جھکنے والے (یکسو) تھے اور شرک کرنے والے نہیں تھے ﴿۱۳۵﴾

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

(اے ایمان والو) کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی ہے اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق ،

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ

یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر اتاری گئی ہے (اور ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر) جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے نبیوں کو

رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا

ان کے رب کی طرف سے دی گئی ہے ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی پروردگار کی پیروی کرنے والے ہیں ﴿۱۳۶﴾ پس اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں

بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ

جیسا کہ تم ایمان لائے ہو تحقیق یہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر انہوں نے روگردانی کی پس بے شک وہ مخالفت میں ہیں

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ

پس عنقریب اللہ تعالیٰ کفایت کرے گا آپ کے لئے ان سے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے ﴿۱۳۸﴾ (ہم نے) اللہ کا رنگ اختیار کیا ہے اور کون زیادہ بہتر ہے

مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ

اللہ سے باعتبار رنگ کے اور ہم اسی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿۱۳۸﴾ اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے (اہل کتاب سے) کیا تم ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ

حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی ہے اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال اور ہم اسی کیلئے اخلاص کرنے والے ہیں ﴿۱۳۹﴾ کیا تم یوں کہتے ہو

اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا

کہ (حضرت) ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد یہودی

اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً

یا نصرانی تھے آپ فرما دیجئے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اس گواہی کو چھپاتا ہے

عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا

جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس ہے اور اللہ ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو ﴿۱۴۰﴾ یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی اس کے لیے

مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

وہی کچھ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ کچھ ہے جو تم نے کمایا اور تم سے ان کاموں کے بارے میں پوچھا جائے گا وہ جو کرتے تھے ﴿۱۴۱﴾

﴿۱۳۰﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ... الخ ربط آیات: اس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تعمیر کعبۃ اللہ کا ذکر کیا تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر کیا تھا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان کارناموں کے بعد فرمایا "وَمَنْ يَّرْغَبُ" کون ہے جو اعراض کرے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت سے۔

خلاصہ رکوع ۱۶ ترغیب وتاکید ملت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ابراہیم کی فضیلت، وجہ فضیلت، حضرت یعقوب کی وصیت اسلام، یہود کے لئے تنبیہ، یہود کا غرور، یہود ونصاریٰ کا شکوہ اور جواب شکوہ، خلاصہ ملت ابراہیمی، کیفیت ایمان، معیار ایمان، اظہار شرف اسلام، جھگڑا ختم کرنے کا طریقہ۔ ماخذ آیات ۱۳۰: تا ۱۴۱+

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں خلاصہ رکوع یہ ہے کہ دین میں ہمارا مسلک یہود کے مسلم التعظیم بزرگوں والا ہے۔ (ماخذ آیات۔ ۱۴۲)

ترغیب وتاکید ملت ابراہیم علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اس آسمانی مذہب کا نام ہے جس کو انہوں نے اپنایا اور جس پر وہ چلتے رہے تو وہی شخص ان کے مذہب سے الگ رہے گا جو بے وقوف ہے۔

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ : حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت :اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو چنا "فِی الدُّنْيَا" دنیا میں ان کا مقام بلند ہے ان کو فضیلت حاصل ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کمالات عطا کئے ختم نبوت کی جو صفت عطا فرمائی یہ سب سے بلند مرتبہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مخلوق میں سب سے زیادہ درجہ اور مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے پھر ان کے بعد حضرت موسیٰ کا ہے۔

(محصلہ تفسیر ذخیرۃ الجنان)

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ سوال: صالحین کا درجہ چوتھے درجہ پر ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے کیسے فرمایا کہ آپ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے؟ جواب: یہ ہے کہ اس سے مراد مروج چوتھے درجے والے صالحین نہیں بلکہ جنت میں نبوت کے درجہ کے صالحین ہیں۔

﴿۱۳۱﴾ حکم خداوندی : جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا اسلام اختیار کر اور مسلم بن جا یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو اور اس کی رضا اور خوشنودی میں فنا ہو جاؤ۔ قَالَ اَسْلَمْتُ... الخ جواب حکم :عرض کیا میں نے اسلام اختیار کیا اور میں نے اپنے تمام کام رب العالمین کے سپرد کر دیئے اور اپنے نفس کو درمیان سے بالکل نکال دیا۔

﴿۱۳۲﴾ حضرت ابراہیم ویعقوب علیہما السلام کی وصیت: "وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" سے مراد استقامۃ علی الدین ہے یعنی مرتے دم تک اسی دین پر قائم رہنا۔ (کشاف ص:۱۹۱؛ ج:۱؛ ابو سعود: ص:۱۹۵؛ ج:۱؛ منیر: ص:۲۰۳؛ ج۔۱)

یہود کے لئے تنبیہ : کیا تم اس وقت حاضر تھے جس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے

کہا کہ بتلاؤ میرے بعد کس چیز کی عبادت کرو گے الخ غرض یہود کا دعویٰ کہ یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت کی تھی محض افتراء ہے نہ اس کی کوئی سند ہے اور نہ تمہارا مشاہدہ ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ اسلام تو آنحضرت ﷺ کے وقت سے شروع ہوا ہے اور آپ تو ان حضرات کے بہت بعد میں آئے ہیں تو ان حضرات کی ملت کو اسلام کیسے کہا ہے؟ جواب :اسلام کے معنی اطاعت حق کے ہیں جس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام ملت اسلام پر تھے۔

﴿۱۳۴﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ... الخ ازالہ شبہ: یہود کو اس بات پر بہت غرور تھا اور اب بھی ہے کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں اور ان کی نسل اور نسب میں ہونے کی وجہ سے ہم عذاب سے بچ جائیں گے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا رد فرمایا ہے۔ ﴿۱۳۵﴾ یہود و نصاریٰ کی دعوت عام: کہ تم یہودیت اور نصرانیت میں آجاؤ۔ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا : جواب دعوت : کہ ہم تو کبھی یہودی اور نصرانی نہیں ہونگے کیونکہ ہم تو ملت ابراھیم پر ہیں اور تمہاری ملت محرف ہونے کے علاوہ منسوخ ہو چکی ہے۔ سؤال: آنحضرت ﷺ تو مستقل نبی ہیں پھر آپ کو ملت ابراہیمی کی پیروی کرنے کا حکم کیوں دیا جارہا ہے؟

جواب: ① یہ ہے کہ ملت تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک رہی ہے تو آپ کو ملت کی پیروی کا حکم ہے نہ کہ ابراھیم علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کی۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جب ملت تمام انبیاء میں مشترک رہی تو پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراھیم یہود و نصاریٰ اور مشرکین میں متفق علیہ شخصیت ہیں جن کو سب مانتے ہیں۔

جواب: ② یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کا بہت سے فروع عملیہ میں ایک سا طریقہ ہے بخلاف دوسرے شرائع کے کہ ان سے اصول و عقائد میں تو اتحاد ہے اور فروع میں اکثر تفاوت ہے۔ (محصلہ بیان القرآن: ج:۱: ص۔۷۵)

اَسْبَاطِ : سے خود حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے مراد ہیں، اور انکو "اسباط" اس لئے کہتے ہیں کہ یا تو ان میں سے ہر ایک کی اولاد ایک سبط اور جماعت تھی، یا اسلئے کہ سبط اولاد کی اولاد کو کہتے ہیں اس لئے حضرات حسنین کریمین کو آنحضرت ﷺ کی "سبطین" کہتے ہیں اور یعقوب علیہ السلام ابراھیم علیہ السلام کے پوتے تھے اسلئے ان کو "اسباط" فرمایا۔ (مظہری ج:۱: ص:۱۳۵: خازن: ص:۹۴: ج۔۱)

وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی... الخ اور اس چیز پر ایمان لائے جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اور اجمالاً ہم ایمان لائے ان تمام صحیفوں پر اور شریعتوں کے احکام پر کہ جو تمام پیغمبروں کو پروردگار کی جانب سے دیئے گئے۔

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ... الخ کیفیت ایمان :بلا تفریق تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔

سؤال: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ان کے درمیان فرق نہیں کیا اور آگے تیسرے پارے میں "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ" اس طرح پندرھویں پارے میں "فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ" ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرق ہے؟

جواب: عدم تفریق باعتبار ایمان کے مراد ہے اس پر دو قرینے ہیں۔ ❶ "قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا" اس ایمان کے سلسلے میں تفریق نہیں کرتے۔ ❷ چھٹے پارے میں ہے "نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ" الخ نصاریٰ نے تفریق کردی باقی ان کے درجات اپنے مقام پر ہیں۔

﴿۱۳۷﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ الخ معیار ایمان: یعنی اے ایماندار صحابیو! اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان

لائیں یعنی تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو حق ورشد ہدایت ونجات پائیں گے۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا الخ اور اگر اس سے روگردانی کریں تو تم ان کی روگردانی سے کچھ تعجب نہ کرو کیونکہ وہ لوگ تو ہمیشہ سے برسر مخالف ہیں اور اگر ان کی طرف سے مخالفت کا خوف ہو تو خود اللہ تعالیٰ ان سے نمٹ لیں گے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو قرآن کریم ان کی گود میں تھا اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر گرا تھا "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے خود اس آیت پر حضرت عثمان کا خون دیکھا ہے۔ (ابن کثیر: ج:۱: ص۔ ۲۹۳)

﴿۱۳۸﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ...الخ اظہار دین اسلام: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے مراد ہے کہ ہم ملت ابراہیمی پر قائم رہیں گے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو رنگ دیا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح رنگ رگ رگ وریشہ میں بھر دیا جاتا ہے اسی طرح ہمارے اندر ملت ابراہیمی رچی ہوئی۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ دین کو رنگ سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ جیسے رنگ کپڑے پر چڑھ جاتا ہے اسی طرح دین دار پر دین کا اثر ہو جاتا ہے۔ (بحر محیط: ص:۱۱۱ ج:۱: النہر الماد ایضاً)

دوسری تفسیر یہ ہے کہ نصاریٰ کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس پر سات دن گزر جاتے ہیں تو وہ اس کو ایک پانی سے جسے معمودیہ کہتے ہیں اس میں غوطہ لگا دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں اب یہ تمام آلائشوں سے پاک ہو گیا ہے اور یہ فعل ختنہ کی جگہ پر کرتے تھے اب اس کو ختنہ کی ضرورت نہیں اب یہ نصرانی بن گیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(معالم التنزیل ص:۱۱۸ ج:۱: بحر محیط: ص:۱۱۱ ج:۱: تفسیر منیر: ص:۳۲۸ ج:۱: خازن: ص:۹۵ ج۔۱)

﴿۱۳۹﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ...الخ جھگڑا ختم کرنے کا طریقہ: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود ونصاریٰ کے ساتھ جھگڑے کو ختم کرنے کا حکم دیا ہے کہ تم ہم سے اللہ تعالیٰ کی توحید، اخلاص، اطاعت، وغیرہ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمہارا بھی رب ہے۔

﴿۱۴۰﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ...الخ یہود ونصاریٰ کا شکوہ۔ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ الخ جواب شکوہ: آپ ان سے اتنی مختصر بات کہہ دیں اچھا یہ بتاؤ کہ تم زیادہ واقف ہو یا اللہ تعالیٰ ہیں "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً" الخ یعنی توراۃ میں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ ابراہیم موحد تھے مشرک نہ تھے اور یہودیت ونصرانیت سے بری تھے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت موجود ہے پھر جو شخص اس شہادت کو چھپائے اس سے زیادہ کوئی ظالم نہیں۔ (مظہری: ج:۱: ص ۱۳۸)

﴿۱۴۱﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ...الخ علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہود کو دوبارہ متنبہ فرمایا ہے ان کی طبیعتوں میں باپ دادوں پر فخر کرنا اور نسب پر بھروسہ کرنا مستحکم تھا اس لیے دوبارہ بطور تاکید کے تنبیہ ہے۔ (روح المعانی: ۵۴۶ ج:۱: تفسیر منیر: ص:۳۱۱ ج۔۱)

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا ہے آیت (۱۳۴) میں اہل کتاب کو خطاب تھا اور یہاں امت محمدیہ کو تنبیہ ہے کہ تم لوگ یہود کی اقتداء نہ کرنا اور نہ آباء واجداد پر فخر کرنا اپنے ذاتی اعمال کو نہ چھوڑنا۔ (ابوسعود: ص:۲۰۳ ج:۱: حاشیہ جمل: ص:۱۱۴ ج۔۱)

پارہ الم ختم شد

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا

عنقریب لوگوں میں سے بیوقوف لوگ کہیں گے کہ ان کو کس چیز نے ان کے قبلہ سے پھیر دیا ہے جس قبلہ پر یہ تھے

قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذَٰلِكَ

آپ کہہ دیجئے اللہ ہی کے لیے ہیں مشرق اور مغرب۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی راہنمائی کرتا ہے ﴿۱۴۲﴾ اور اسی طریقہ سے

جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ

ہم نے تمھیں ایک افضل امت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے اور رسول

عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ

تم پر گواہی دینے والا ہو اور نہیں بنایا ہم نے اس قبلہ کو جس پر آپ تھے مگر اس لیے تا کہ ہم ظاہر کردیں کہ کون

الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ

رسول کی تابعداری کرتا ہے ان لوگوں میں سے جو اپنی ایڑیوں پر پھرتے ہیں اور بے شک یہ بات بھاری ہے مگر ان لوگوں پر

هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ

کہ جن کو اللہ نے ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمانوں کو ضائع کرنے والا نہیں ہے بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفیق

رَحِيمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ

نہایت ہی مہربان ہے ﴿۱۴۳﴾ تحقیق ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف (بار بار) پلٹنا دیکھتے ہیں پس ہم آپ کو پھیر دیں گے اس قبلے کی طرف جس کو آپ پسند کرتے ہیں پس آپ پھیر دیں

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ

اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھر جہاں بھی آپ ہوں پس پھیر دیں اپنے چہروں کو اس کی طرف اور بے شک

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۴﴾

وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی البتہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے غافل نہیں جن کو یہ کرتے ہیں ﴿۱۴۴﴾

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ

اور اگر آپ ان لوگوں کے پاس جن کو کتاب دی گئی ہے ہر قسم کی نشانی بھی لائیں تو وہ پھر بھی آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور آپ بھی ان کے

قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ

قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ان میں سے بعض بعض کے قبلہ کی تابعداری کرنے والے ہیں اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کا اتباع کیا

بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ

اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو بے شک آپ اس وقت نا انصافوں میں سے ہوں گے ﴿۱۴۵﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی

يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ ؕ وَاِنَّ فَرِيۡقًا مِّنۡهُمۡ لَيَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾

وہ اس کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں اور بے شک ایک گروہ ان میں سے البتہ حق کو چھپاتا ہے اور وہ جانتے ہیں ﴿۱۴۶﴾

اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ﴿۱۴۷﴾

حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ﴿۱۴۷﴾

﴿۱۴۲﴾ سَيَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ ... الخ ربط آیات : اوپر یہود کے اعتراضات کے جوابات کا سلسلہ جاری تھا اب بھی ان کا ایک اعتراض تحویل قبلہ کے سلسلہ میں تھا اس کا تحقیقی و تفصیلی جواب یہاں سے مذکور ہے۔

خلاصہ رکوع ⓫ تحویل قبلہ کا تحقیقی و تفصیلی جواب، امت محمدی کی فضیلت، تردید معتزلہ، ازالہ شبہہ تحویل قبلہ کی حکمت۔ ❶ حکم خاص، حکم عام، عناد اہل کتاب۔ ❶، ❷، ❸ ماخذ آیات ۱۴۲: تا ۱۴۷ +

تحویل قبلہ کا تحقیقی و تفصیلی جواب : جس دن آنحضرت ﷺ کو نبوت ملی اسی موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ سمجھا دیا تھا شروع میں آپ پر فجر اور عصر کی نمازیں نفل تھیں نبوت کے دس سال گزرنے کے بعد گیارہویں سال آپ ﷺ کو معراج کرایا گیا معراج کی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں، جس دن آپ ﷺ کو نبوت ملی اس دن سے آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے پر وحی کے مطابق نفل نمازیں شروع کر دیں اور کعبۃ اللہ اس وقت قبلہ تھا قبلہ کا لفظی معنی ہے چہرہ پھیرنے کی جگہ یعنی نماز کیلئے جس طرف انسان چہرہ پھیرے وہ قبلہ ہے۔ آپ ﷺ عموماً مکہ مکرمہ میں نماز اس طرف منہ کر کے پڑھتے تھے جس طرف حجر اسود ہے اور رکن یمانی ہے اس رکن یمانی کے پاس آپ ﷺ کھڑے ہوتے اور آپ کا رخ مبارک کعبہ کی طرف بھی ہوتا تھا اور اسی جانب بیت المقدس ہے اسلئے آپ ﷺ کا رخ اس حالت میں مسجد اقصیٰ کی طرف بھی ہوتا اور آپ ﷺ کبھی بیت اللہ کی دوسری اطراف میں بھی نماز پڑھتے تھے مگر زیادہ تر اسی جگہ پڑھتے تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے لیکن آپ کا دل چاہتا تھا کہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں اس لئے آپ کی دلی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور تحویل قبلہ کا حکم نازل فرمایا اور آپ ﷺ نے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف پڑھی وہ عصر تھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم یہاں سے نماز پڑھ کر باہر گئے اور دیکھا کہ قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ اپنی مسجد میں حسب سابق بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے ہیں تو انھوں نے تحویل قبلہ کی آواز دی۔ (ابن کثیر: ص ۱۹۶، ۱۹۵، ج ۱، مواہب الرحمن: ص ۲، ج ۱)

خاتم الانبیاء ﷺ کے ہر جگہ پر حاضر و ناظر کی نفی کا اثبات

اس واقعہ میں آپ ﷺ کے ہر مقام پر حاضر و ناظر ہونے کی نفی صراحتاً ہے کیونکہ بقول مخالف کے آپ ﷺ ہر جگہ پر حاضر و ناظر تھے تو بنو سلمہ والے اپنی امامت کیونکہ کراتے تھے وہاں بھی وہ آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھتے نیز ان کو بتانے سے ہی تحویل قبلہ کا پتہ چلا۔ فائدہ : سائل کے سوال کا جواب دو طرح سے دیا جاتا ہے (۱) حاکمانہ (۲) حکیمانہ۔ حاکمانہ کا مطلب یہ ہے کہ

جو حکم یا فعل واقع ہو رہا ہے اس کی حکمت کو بیان نہ کیا جائے۔ اور حکیمانہ کا مطلب یہ ہے کہ اس فعل کی حکمت کو بھی بیان کیا جائے اب آگے "قل للہ المشرق الخ سے حاکمانہ جواب کا ذکر ہے۔

لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔۔۔ الخ تحویل قبلہ کا حاکمانہ جواب: یہ ان بے وقوف لوگوں کے اعتراض کا حاکمانہ جواب ہے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا اعتراض یہ تھا کہ مشرک کہنے لگے کہ اب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے جب پہلے مکہ میں تھا تو کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا تھا مدینہ طیبہ گیا تو یہود و نصاریٰ کو خوش کرنے کے لئے ان کے قبلے کی طرف پھر گیا، اب اس کو پتہ چل گیا کہ ہم لوگ صحیح ہیں اسلئے اب ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر لیا ہے، اور یہود و نصاریٰ نے یوں پروپگنڈہ کیا کہ اگر وہ قبلہ صحیح تھا تو پھر اس کو چھوڑا کیوں؟ اور اگر غلط تھا تو اس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھیں کیوں؟ اس پروپیگنڈہ کا حاکمانہ جواب دیا "لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ" کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہے تم کون ہوتے ہو تحویل قبلہ پر اعتراض کرنے والے میری مرضی جس طرف منہ کرنے کا حکم دوں مجھ سے کون پوچھ سکتا ہے۔ یاد رکھیں جہت میں کوئی ذاتی فضیلت نہیں جب تک اللہ تعالیٰ اسے فضیلت نہ دے اور کعبہ کی طرف توجہ صرف عالم میں مسلمانوں کی اجتماعیت وحدت اور توجہ کا ارتکاز حاصل کرنے کے لئے ہے۔

﴿۱۴۳﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ۔۔۔ الخ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی فضیلت۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تمہارا قبلہ قبلوں سے افضل بنا دیا، اسی طرح ہم نے تم کو اعتدال والی امت بنا دیا اور ساری امتوں سے افضل امت بنا دیا، اس امت کی افضلیت کا ظہور میدان حشر میں اس طرح ہوگا کہ یہ امت تمام امتوں کے بارے میں گواہی دے گی، اور آنحضرت ﷺ اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے، کہ میری امت عدل ہے ثقہ ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے لوگوں کو تبلیغ کی تھی؟ وہ عرض کریں گے جی میں نے کی تھی اس پر وہ لوگ انکار کریں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعوے کے لئے کوئی تصدیق؟ وہ جواب دیں گے حضرت محمد ﷺ کی امت ہے۔ یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(معالم التنزیل: ص:۸۳، ج:۱؛ حاشیہ کشاف: ص:۱۹۹، ج:۱؛ مظہری: ص:۱۴۰، ج:۱؛ خازن: ص:۹۷، ج۔۱)

اس جگہ کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چار جگہ پر شاہد اور شہید کا لفظ استعمال ہوا ہے سورۃ احزاب کے علاوہ تمام مقامات پر مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ اپنی امت پر قیامت کے دن گواہی دیں گے یہی مراد ہے البتہ سورۃ احزاب میں شاہد کا معنیٰ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر گواہ ہیں مگر اس سے بھی فریق مخالف کا مدعیٰ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا دعویٰ شاہد اور شہید کے لفظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر جگہ حاضر و ناظر کا ہے اور یہ معنیٰ کہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے وہ اپنی شان کے مطابق ہر جگہ پر حاضر و ناظر ہے۔ فافہم۔ تفصیل کے لیے معارف التبیان دیکھیں۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ۔۔۔ الخ

ازالہ شبہ: جب معلوم ہو گیا کہ یہ امت متوسط اور کامل ہے اور اس کا قبلہ کاملہ بیت اللہ ہے وسط ارض میں ہے پھر کیا مصلحت تھی کہ چند روز کے لئے بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا پھر اس کو منسوخ کیوں کیا گیا۔؟ جواب: جس قبلہ کی طرف چند روز آپ نماز ادا کرتے رہے یعنی بیت المقدس اس کو ہم نے آپ کا اصلی قبلہ نہیں بنایا تھا مگر محض اس مصلحت کے لئے کہ علانیہ اور ظاہری طور پر ہم

نے لوگوں کو ممتاز کرنا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پلٹتا یعنی اس میں مسلمانوں کا امتحان تھا اللہ پاک نے کامیاب فرمایا۔

معتزلہ کارد: معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظہور واقعہ کے بعد سب کچھ جانتے ہیں۔ جبکہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ وقوع سے پہلے بھی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، وہ لوگ اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک علم سے مراد علم مشاہدہ اور علم ظہور ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظہور ہمارے ہاں چونکہ ظہور سے پہلے ہمارے علم میں نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں سب سے پہلے تھا۔ (بیان القرآن: ص:۸۱: ج۔۱)

معتزلہ کا تعارف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا حلقہ بہت وسیع تھا واصل بن عطا نامی ایک شخص اس میں موجود تھا کسی نے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اگر کسی نے گناہ کیا تو وہ کافر ہے یا مؤمن؟ واصل۔ حسن بصری سے پہلے بولا کہ وہ نہ کافر ہے نہ مؤمن اس کو کافی سمجھایا گیا لیکن اس نے نہ مانا اور انکار پر مصر رہا اسی طرح شفاعت ترازو اور قبر میں جسم سے روح کے تعلق کا انکار کیا، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا "اعتزل عنا" کہ ہم سے الگ ہو جا، اس کے ساتھ اور بھی کچھ لوگ مل گئے اسی طرح اس فرقے کا نام معتزلہ پڑ گیا۔

وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً: الخ یہ "ان" مخفف من المثقلہ ہے اس کی علامت یہ ہے اس کی خبر پر لام آتا ہے، معنی یہ ہے اور بیشک بیت المقدس کا قبلہ ہونا۔ قریش اور عرب پر بہت شاق اور گراں گزرا، اولاد اسماعیل ہونے کی وجہ سے کیونکہ وہ قبلہ ابراہیمی کو پسند کرتے تھے مگر ان لوگوں پر شاق نہیں کہ جن کو اللہ نے ہدایت اور توفیق دی اور احکام الٰہیہ کو بغیر چوں چراں کے قبول کر لیتے ہیں۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ... الخ تحویل قبلہ پر شبہ اور اس کا جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تحویل قبلہ کا حکم ہوا تو بعض حضرات نے عرض کیا یا رسول اللہ ان لوگوں کی نمازوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی: ص:۵۵۵: ج:۲: ابو سعود: ص:۲۰۷: ج:۱: ابن کثیر: ص:۲۹۹: ج:۱: تفسیر منیر: ص:۱۱: ج۔۱)

اس آیت میں نماز کو ایمان سے تعبیر فرمایا ہے کہ ان کی وہ نمازیں ضائع نہیں ہوئیں۔

﴿۱۴۴﴾ **قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ... الخ** جس وقت "قد" ماضی پر داخل ہو تو تحقیق کیلئے آتا ہے اور جب مضارع پر داخل ہو تو تقلیل کے لئے آتا ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ **فی السماء:** کوفیوں کے نزدیک حرف جارہ مطلقاً ایک دوسرے کی جگہ پر آتے ہیں بغیر کسی شرط کے اور یہاں بھی "فی السما" بمعنی "الی السماء" کے ہے اور بصریین کے نزدیک "فی" اصل معنی میں ہے اور لفظ "جهة" یہاں محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے "فی السماء ای فی جهة السماء"۔

تحویل قبلہ کی حکمت اول: آپ دل سے کعبہ کے قبلہ ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور بار بار آسمان کی طرف دیکھتے ہیں کہ فرشتہ حکم لے کر آئے ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے۔ **فَوَلِّ وَجْهَكَ:** حکم خاص: یعنی نماز میں آپ اپنا منہ بجائے بیت المقدس کے مسجد حرام کی طرف کر لیں۔ (جلالین: ص:۲۱)

وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ: قانون عام: جس میں صرف آپ کی تخصیص نہیں بلکہ امتی بھی شامل ہیں جہاں کہیں موجود ہوں خواہ وہ مدینہ میں یا کسی اور جگہ حتی کہ بیت المقدس کے اندر بھی اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف کر دیں۔

وَإِنَّ الَّذِينَ ... الخ عناد اہل کتاب۔ ان کو بالعموم پیشینگوئی کا علم ہے کا کہ نبی آخر الزمان کا قبلہ مسجد حرام ہے مگر عناد، ضد، ہٹ دھرمی کی بنا پر اہل ایمان کی مخالفت کرتے ہیں جبکہ حق ان پر واضح ہو چکا ہے۔ **أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ:** "ہ" ضمیر کا مرجع "فَوَلِّ" ہے۔

﴿۱۴۵﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ ... الخ عناد اہل کتاب۔ ❷ فرمایا اگر آپ دنیا کی دلیلیں جمع کر کے اہل کتاب کے سامنے پیش کریں تب بھی یہ آپ کے قبلہ کو قبول نہیں کرینگے اور آپ ان سے موافقت کی امیدیں اس لئے نہ رکھیں چونکہ آپ کا قبلہ منسوخ ہونے والا نہیں اور آپ بھی ان کے قبلہ کو قبول نہ کریں کیونکہ آپ تو ہمارے حکم کے پابند ہیں۔ بس اب کوئی موافقت کی صورت باقی نہیں رہی اور ان کا کوئی فریق ایک دوسرے کے قبلے کو قبول نہیں کرتا مثلاً یہود نے بیت المقدس کو لے رکھا تھا اور نصاریٰ نے مشرق کی سمت کو قبلہ بنا رکھا تھا۔ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ : بے شک اس وقت آپ کا شمار ظالموں میں ہوگا، مولانا حسین علی صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے "گفتہ آید در حدیث دیگراں" بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خطاب کسی کو ہوتا ہے اور سمجھانا کسی اور کو ہوتا ہے یہ خطاب بظاہر تو آپ ﷺ کو ہے لیکن سمجھایا آپ کی امت کو گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور باطل فرقوں کی پیروی نہ کرو ورنہ تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

﴿۱۴۶﴾ عناد اہل کتاب۔ ❸ برائے خاتم الانبیاء : "يَعْرِفُوْنَهٗ" اس میں "ہٗ" ضمیر کے مرجع میں ایک قول یہ ہے کہ اس کا مرجع کتاب ہے کہ وہ کتاب کو جانتے ہیں جب کتاب کو جانتے ہیں تو لازمی بات ہے کہ صاحب کتاب کو بھی جانتے ہونگے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مرجع آنحضرت ﷺ ہیں اس کا قرینہ یہ ہے کہ پہلے خطاب کے صیغے تھے اور اب غائب کے علم معانی میں اس کو التفات کہتے ہیں حضرت عمر فاروق ؓ سے منقول ہے عبداللہ بن سلام ؓ نے اس موقع پر کہا تھا کہ ہم اپنے بیٹوں کے بارے میں تو شک کر سکتے ہیں کہ حقیقی بیٹے نہ ہوں مگر آپ ﷺ کے بارے میں شک نہیں ہوسکتا۔

(تفسیر کبیر: ص:۱۱۰؛ ج:۲؛ ابو سعود: ص:۲۱۰؛ ج۔۱)

حضرت تھانوی ؒ لکھتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو انکی صورت سے پہچانتے ہیں (کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر کبھی شبہ نہیں ہوتا یہ کون شخص ہے چونکہ بیٹا گود میں پرورش پاتا ہے ہر وقت آدمی اس کو دیکھتا ہے اس لئے اس کی صورت میں عادۃً شبہ نہیں ہوتا کہ یہ فلاں کا لڑکا ہے یا فلاں کا لڑکا۔ (بیان القرآن: ص ۸۳ ج ۱)

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ : یعنی یہود و نصاریٰ کے نہ ماننے سے آپ تردد میں نہ پڑیں یہاں بھی خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر سمجھانا آپ کی امت کو ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

اور ہر ایک کے لیے ایک جہت ہے وہ اس کی طرف اپنا رخ کرنے والا ہے پس سبقت کرو نیکیوں کی طرف تم جہاں بھی ہو گے تم سب کو اللہ تعالیٰ اکٹھا کر کے لائے گا

جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ

بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۱۴۸﴾ جس جگہ بھی آپ کہیں نکلیں پس اپنا رخ

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

مسجد حرام کی طرف پھیر دیں اور بے شک یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو ﴿۱۴۹﴾

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا

اور جہاں بھی آپ نکلیں پس اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں گے اور جس جگہ بھی تم ہو (اے اہل ایمان) پس پھیرو

وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا

اپنے چہروں کو اس کی طرف تا کہ نہ ہو لوگوں کو تمہارے اوپر الزام اور حجت، مگر وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے پس

تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ

ان سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ڈرو تا کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں تا کہ تم ہدایت پاجاؤ ﴿۱۵۰﴾ جس طرح کہ ہم نے تم میں سے

رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ

تمہارے درمیان ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ تمہیں سکھاتا ہے

مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾ ۱۸ ع ۵ ۲

جو تم نہیں جانتے تھے ﴿۱۵۱﴾ پس مجھے یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو اور تم ناشکر گزار نہ بنو ﴿۱۵۲﴾

﴿۱۴۸﴾ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ... الخ ربط آیات :اوپر ذکر تھا کہ آپ اپنے چہرے کو کعبے کی طرف پھیر دیں تو وہم ہوسکتا تھا کہ اقامت کی صورت میں یہ حکم ہے سفر میں نہیں ہے تو وضاحت فرمادی کہ سفر میں بھی یہی حکم ہے۔

خلاصہ رکوع ⑱ تحویل قبلہ کی حکمت۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ اثبات رسالت خاتم الانبیاء، تہذیب اخلاق کے دو مسائل ذکر، شکر۔ ماخذ آیت ۱۴۸: تا ۱۵۲+

تحویل قبلہ کی حکمت ❷ یہ ہے کہ عادۃ اللہ جاری ہے ہر مذہب والے شخص کیلئے ایک قبلہ رہا ہے چونکہ شریعت محمدیہ بھی ایک مستقل دین ہے اس لئے اس کا قبلہ بھی خاص ہو گیا جب حکمت سب پر ظاہر ہوگئی تو اب مسلمانو تم اس بحث کو چھوڑ کو اپنے دین کے نیک کاموں میں لگو۔ ﴿۱۵۰﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ :اس سے مراد یہ ہے کہ آپ سفر میں جس جگہ بھی ہوں تو اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف کر دیں۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ ... الخ تین مرتبہ کیوں ذکر کیا ہے؟ جواب ① چونکہ آپ تحویل قبلہ کیلئے وحی کے انتظار میں رہتے تھے آپ کی دل جوئی اور اظہار تکریم کیلئے۔ ② ہر امت کیلئے مستقل قبلہ ہوتا ہے یہ امت بھی ایک مستقل امت ہے اس لئے اس کیلئے مستقل قبلہ بنا دیا۔ ③ مخالفین یعنی یہود و مشرکین کے الزام کو رفع کرنے کیلئے جس کا اشارہ "لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ"... الخ میں موجود ہے۔ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ : تحویل قبلہ کی حکمت ❸ اس میں لِلنَّاسِ سے کون مراد ہیں؟

① یہود و نصاریٰ مراد ہیں کہ یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمارا قبلہ تو مانا ہے مذہب کیوں نہیں مانا، پچھلی کتابوں میں آپ کی صفت "نبی القبلتین" بیان کی گئی ہے اگر تحویل قبلہ نہ ہوتا تو یہ یہود وغیرہ کہتے کہ دیکھو یہ محمد ﷺ آخری نبی نہیں کیونکہ اس کی صفت تو "نبی القبلتین" ہے اور اس کا قبلہ اور ہمارا قبلہ تو ایک ہے جس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ نبی آخر الزمان پیغمبر نہیں ہے۔ ② اس سے مراد مشرکین مکہ ہوں تو اس وقت اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مشرکین کہا کرتے تھے یہ اپنے آپ کو ابراہیمی کہتا ہے حالانکہ ابراہیم کا قبلہ تو کعبہ تھا اور اس کا بیت المقدس ہے تو یہ کیسے کہتا ہے کہ میں ابراہیم کے دین ملت پر ہوں۔ وَلِأُتِمَّ الخ تحویل قبلہ کی حکمت ❹ تم پر اپنی نعمت پوری کرونگا چونکہ نماز افضل العبادت ہے تو اس میں تمہاری توجہ بھی سب سے افضل قبلہ اور جہت کی طرف ہوتا کہ اس جہت کے تمام انوار و برکات بھی تمہاری نماز کو روشن اور منور بنا دیں۔ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ : تحویل قبلہ

کی حکمت ⑤ تم کو سیدھا راستہ معلوم ہو اور افضل جہات کے استقبال سے تم کو ہدایت کاملہ حاصل ہو اور قریب ہی راستہ کے جلد ہی منزل مقصود تک پہنچ جاؤ۔

استقبالِ قبلہ کے مسائل

نماز کے صحیح ہونے کے لیے ایک شرط استقبال قبلہ ہے، یعنی قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ بقیہ شرائط کی تفصیل سورۃ مائدہ آیت۔ ٦ میں آئے گی۔ اس شرط میں تفصیل درج ذیل ہے، نمازی آدمی دو حالتوں سے خالی نہیں:

(الف) وہ قبلے کی طرف منہ کرنے پر قادر ہوگا۔ (ب) قبلے کی طرف منہ کرنے پر قادر نہ ہوگا

پھر جس صورت میں وہ قبلے کی طرف منہ کرنے پر قادر ہوگا یا تو وہ اپنی آنکھوں سے بیت اللہ شریف کو دیکھ رہا ہوگا یا وہ بیت اللہ شریف سے اتنا دور ہوگا کہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتا۔

(الف) اگر وہ بیت اللہ شریف کو دیکھ رہا یا کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر دیکھ سکتا ہو تو پھر نماز میں خاص بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ (ب) اور اگر اس قدر دور ہے کہ بیت اللہ شریف اس کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور کسی بلندی پر سے دیکھ بھی نہیں سکتا تو پھر خاص بیت اللہ شریف کی طرف نظر کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس جہت (سمت) کی طرف منہ کرنا ضروری ہے جس جہت میں بیت اللہ واقع ہے۔ اگر نماز پڑھنے والا شخص بیت اللہ شریف سے پینتالیس (۴۵) درجہ تک پھرا ہوا ہو تو اسے جہت قبلہ کے اندر شمار کریں گے۔ اتنے انحراف (پھرنے) سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر چہرہ پینتالیس (۴۵) درجہ سے زائد پھرا ہوا ہے تو یہ جہتِ قبلہ میں شمار نہیں ہوگا۔ اور اس قدر انحراف نماز کے لیے مفسد ہے۔

اگر نمازی ایسا ہے کہ وہ استقبالِ قبلہ پر قادر نہیں ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) اس وجہ سے استقبالِ قبلہ پر قادر نہیں ہے کہ اس کو کوئی ایسا عذر لاحق ہے جس کی وجہ سے وہ قبلے کی طرف منہ نہیں کر سکتا حالانکہ اس کو قبلے کا علم ہے۔ مثال: قبلے کی طرف منہ کرنے کی صورت میں دشمن کا خوف ہے اور صلوٰۃ الخوف ادا کر رہا ہے۔ مثال: ایسی صورتحال درپیش ہے کہ قبلے کی طرف منہ کرنے کی صورت میں کسی دشمن یا ڈاکو یا درندے کے حملہ کر دینے کا خطرہ ہے۔ مثال: کشتی میں سفر کر رہا ہے اور وہ ایسے تختے پر ہے کہ قبلہ رخ ہونے کی صورت میں کشتی کے غرق ہو جانے کا غالب گمان ہو۔

مثال: وہ ایسا مریض ہے کہ خود قبلہ رخ ہونے کی طاقت نہیں رکھتا اور دوسرا بھی کوئی شخص موجود نہیں جو اسے قبلے کی طرف پھیر دے۔ ان تمام صورتوں میں ایسے شخص پر استقبالِ قبلہ شرط نہیں ہے وہ جس طرف بھی نماز پڑھ لے نماز ہو جائے گی۔

(ب) اور اگر اس وجہ سے استقبالِ قبلہ پر قادر نہیں ہے کہ اسے اشتباہ ہو گیا ہے اور پتہ نہیں چل رہا کہ قبلہ کس طرف ہے۔ جیسے کوئی سخت تاریک رات میں جنگل میں موجود ہے۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) یا تو قریب کوئی ایسا شخص ہے کہ جو قبلہ کے بارے میں بتا سکتا ہے۔ (۲) قریب میں ایسا کوئی شخص بھی نہیں ہے۔

پہلی صورت میں جب کوئی بتلانے والا موجود ہو تو اس شخص پر واجب ہے کہ اس سے قبلہ کے بارے میں پوچھے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ اگر اس نے اس شخص سے نہیں پوچھا خود ہی سوچ بچار کر کے نماز پڑھ لی اور واقعتہً اگر اس نے ٹھیک قبلے کی طرف نماز پڑھ لی تو نماز ہو گئی اور تحری (سوچ و بچار) کے نتیجے میں ٹھیک قبلے کی طرف نماز نہیں پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی کیونکہ اس شخص پر دوسرے شخص سے راہنمائی لینا واجب تھی۔ دوسری صورت میں جب کوئی بتلانے والا موجود نہ ہو تو اس شخص پر تحری (یعنی

قبلے کے بارے میں علامات اور قرائن سے سوچ و بچار کرنا) واجب ہے۔ چنانچہ تحری کے نتیجے میں جس طرف بھی قبلہ ہونے کا غالب گمان ہو نماز پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے خواہ واقعہ میں قبلے سے پھرا ہوا کیوں نہ ہو۔ (ماخذہ البدائع۔۱/۱۱۸)

نماز میں نیت کا ہونا: نماز کے صحیح ہونے کے لیے نیت کا ہونا شرط ہے۔ نماز کے لیے نیت کا مطلب یہ ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا دل سے ارادہ کرنا۔

نیت کا طریقہ : نیت کس طرح کی جائے گی؟ اس میں درج ذیل تفصیل ہے۔

نمازی آدمی تین طرح کا ہو سکتا ہے :(۱) منفرد ہوگا۔ (یعنی اکیلا نماز پڑھنے والا) (۲) امام ہوگا۔ (۳) مقتدی ہوگا کہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوگا۔ اگر نمازی منفرد ہے تو اس کی نماز یا نفل ہوگی یا فرض۔ منفرد (یعنی اکیلا نماز پڑھنے والا) اگر نفل نماز پڑھ رہا ہو تو صرف یہ نیت کر لینا کافی ہے کہ میں اللہ کے لیے نماز پڑھ رہا ہوں۔

منفرد اگر فرض نماز پڑھ رہا ہو تو صرف نماز کی نیت کر لینا کافی نہیں بلکہ یہ نیت کرنا بھی ضروری ہے کہ فرض نماز پڑھ رہا ہے اور کس وقت کی نماز پڑھ رہا ہے۔ مثلاً دل میں یوں نیت کرلے کہ میں اللہ کی رضا کے لیے ظہر کی فرض نماز پڑھ رہا ہوں۔ اگر نمازی ''امام'' ہے تو اس کی نیت کے بارے میں فرض اور نفل نمازوں میں وہی تفصیل ہے جو بھی منفرد کے بیان میں گزری ہے۔

البتہ امامت کی نیت کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر امام صرف مردوں کو نماز پڑھا رہا ہو تو ان کے امام ہونے کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ امامت کی نیت کیے بغیر نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نماز میں شریک ہوں تو ان کی نماز کے صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ ان کے امام ہونے کی نیت کرے۔ اور اگر نماز پڑھنے والا شخص ''مقتدی'' ہے تو اس کے لیے بھی وہی تفصیل ہے۔ جو منفرد کے لیے ہے البتہ اس میں یہ بات مزید ہے کہ امام کی اقتدا کی نیت بھی کرے۔

نیت کرنے کا وقت : مستحب اور افضل یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق نیت کرے۔ تاہم اگر تکبیر تحریمہ سے پہلے نیت کرلی تو بھی جائز ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ اور نیت کے درمیان ایسا کوئی کام نہ کرے جو نماز کے لیے مفسد ہوتا ہے۔ جیسے کسی سے بات چیت یا کھانا پینا وغیرہ۔ ورنہ ایسا کام کر لینے کی وجہ سے وہ نیت کالعدم شمار ہوگی دوبارہ نیت کرنا ضروری ہوگا۔ تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

تکبیر تحریمہ: تکبیر تحریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کلمات سے نماز کو شروع کرنا جو خالص اللہ تعالیٰ کی ثنا، تعظیم اور ذکر پر مشتمل ہوں۔ جیسے یوں کہنا ''اللہ اکبر''، ''اللہ أعظم''، ''سبحان اللہ'' وغیرہ۔ مگر خاص اللہ اکبر کہنا واجب ہے۔

● تکبیر تحریمہ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ کھڑے کھڑے جھکنے سے پہلے کہے۔ جھکتے ہوئے کہنے سے تکبیر تحریمہ ادا نہیں ہوتی۔

● تکبیر تحریمہ اور نیت کے درمیان کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ جیسے نیت کرنے کے بعد کھانا کھانا، پینا، بات چیت وغیرہ۔ پھر تکبیر تحریمہ کہنا۔ ● اللہ اکبر اس طرح کہنا ضروری ہے کہ خود اپنی آواز سن لے۔

نماز کے فرائض:

نماز کے پانچ ارکان ہیں۔ جس شخص نے بھی اس میں سے کسی ایک کو بھی جان بوجھ کر یا بھول کر چھوڑا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اور فرض چھوٹ جانے کی صورت میں سجدۂ سہو کی بھی اجازت نہیں ہے۔

(۱) قیام یعنی کھڑا ہونا ● کھڑے ہو کر نماز پڑھنا فرض نمازوں میں فرض ہے جو نمازیں واجب ہیں مثلاً وتر اور عیدین کی نمازیں ان میں بھی قیام فرض ہے۔ اور اسی طرح فجر کی سنتوں اور نذر کے نفلوں میں بھی فرض ہے۔ ● بغیر عذر ایک پاؤں پر کھڑا

ہونا مکروہ ہے لیکن نماز ہو جاتی ہے اور اگر عذر ہو تو مکروہ نہیں۔

(۲) قرأت یعنی قرآن مجید میں سے کوئی سورت یا آیت پڑھنا۔ ● فرض نمازوں کی دو رکعتوں میں اور وتر سنت اور نفل کی تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ ● امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت کے پڑھنے سے اگرچہ چھوٹی ہو قرآت کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ ایک چھوٹی آیت سے مراد یہ ہے کہ جس میں دو یا دو سے زیادہ الفاظ ہوں جیسے "ثُمَّ قُتِلَ"، "كَيْفَ قَدَّرَ"، "ثُمَّ نَظَرَ" وغیرہ۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تین چھوٹی آیتیں یا ان کے برابر ایک بڑی آیت پڑھنا فرض ہے۔ ● قرآن پاک کی قرأت اس نازل شدہ عربی کی بجائے اس کا کسی اور زبان میں ترجمہ پڑھے تو یہ جائز نہیں، فقط ترجمہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی۔

(۳) رکوع کرنا: رکوع کی ادنیٰ حد یہ ہے کہ اتنا جھکا ہوا ہو کہ اگر اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے تو وہ گھٹنوں تک پہنچ جائیں اگر بیٹھے ہوئے رکوع کرے اس کی ادنیٰ حد یہ ہے کہ سر اور کمر کسی قدر جھک جائیں۔

(۴) دونوں سجدے کرنا: زمین پر پیشانی رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں زمین پر پیشانی لگانا فرض ہے جب کہ اس کے ساتھ زمین پر ناک ٹکانا واجب ہے۔ ● ہر رکعت میں دو مرتبہ سجدہ کرنا فرض ہے۔ ● بلا عذر صرف ناک زمین پر لگائی اور پیشانی نہیں لگائی تو نماز جائز نہیں عذر کی وجہ سے صرف ناک پر اکتفا کرنا اس وقت جائز ہے جب اس قدر ناک لگا دے کہ سخت حصہ بھی لگے اگر ناک کے صرف نرم حصہ کو لگایا تو جائز نہیں۔ ● اگر دونوں سجدوں کے بیچ میں اچھی طرح نہیں بیٹھا ذرا سا سر اٹھا کر دوسرا سجدہ کر لیا تو اگر ذرا سی سر اٹھایا ہو تو ایک ہی سجدہ ہوا دونوں سجدے ادا نہیں ہوئے اور نماز بالکل نہیں ہوئی اور اگر اتنا اٹھا کر قریب قریب بیٹھنے کے ہو گیا تو خیر نماز سر سے اتر گئی لیکن بڑی نکمی اور خراب ہو گئی اس لیے پھر سے پڑھنا چاہیے ورنہ بڑا گناہ ہوگا۔ ● اگر فوم یا روئی کی چیز پر سجدہ کرے تو سر کو خوب دبا کر سجدہ کرے اور اتنا دبائے کہ اور نہ دب سکے اگر اوپر اوپر ذرا اشارے سے سر رکھ دیا دبایا نہیں تو سجدہ نہیں ہوا۔

● سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے ایک بالشت اونچی ہو تو سجدہ جائز ہے اور اگر اس سے زیادہ اونچی ہو تو بلا عذر جائز نہیں مگر عذر کے ساتھ جائز ہے۔ ● اگر دونوں ہاتھ یا دونوں گھٹنے زمین پر نہ رکھے تو سجدہ کا فرض ادا ہو جائے گا۔ ● اگر سجدہ کیا اور دونوں پاؤں زمین پر نہ رکھے تو جائز نہیں اور اگر ایک پاؤں رکھے تو عذر کیساتھ بلا کراہت جائز ہے۔ اور بلا عذر کراہت کے ساتھ جائز ہے، پاؤں کا رکھنا انگلیوں کے رکھنے سے ہوتا ہے اگرچہ ایک ہی انگلی ہو اگر دونوں پاؤں کی انگلیوں کی پشت رکھی اور انگلیاں نہ رکھیں تب بھی سجدہ جائز ہے (جاننا چاہیے کہ پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی انگلی کا کم از کم ایک مرتبہ "سبحان اللہ" کہنے کے بقدر لگنا شرط ہے۔

(۵) قعدۂ اخیرہ: نماز کے اخیر میں بقدر تشہد یعنی جتنی دیر التحیات پڑھنے میں لگتی ہے اتنی دیر بیٹھنا فرض ہے۔

فرائض کا حکم: نماز کے فرائض میں کوئی فرض چھوٹ جائے (خواہ بھول کر یا جان بوجھ کر چھوڑ دے) تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے سجدہ سہو بھی کافی نہیں ہے۔ نماز دوبارہ لوٹانا فرض ہے۔

نماز کے واجبات:

درج ذیل باتیں نماز میں واجب ہیں: (۱) تکبیر تحریمہ کا خاص "اللہ اکبر" کے لفظ سے ہونا۔ (۲) فرض نمازوں میں فرض قرأت کے لیے پہلی دو رکعتوں کو متعین کرنا۔ (۳) فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت کے علاوہ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا۔

(۴) اسی طرح سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی چھوٹی سورت جیسے سورۃ کوثر یا اس کے برابر تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھنا۔

(۵) سورۃ فاتحہ کو سورت سے پہلے پڑھنا۔ (۶) قومہ کرنا یعنی رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا۔ (۷) جلسہ یعنی دو سجدوں

کے درمیان میں سیدھا بیٹھ جانا۔ (۸) تعدیل ارکان یعنی رکوع، سجدہ، قومہ، اور جلسے کو اطمینان سے اچھی طرح ادا کرنا۔ (۹) دو رکعتوں پر بیٹھنا یعنی قعدۂ اولیٰ کرنا۔ (۱۰) دونوں قعدوں میں التحیات پڑھنا۔ (۱۱) لفظ ''سلام'' کے ساتھ نماز سے نکلنا۔ اور دو بار السلام کا لفظ واجب ہے اور علیکم کا لفظ واجب نہیں۔ (۱۲) نماز وتر میں دعائے قنوت کے لیے تکبیر یعنی ''اللہ اکبر'' کہنا۔ (۱۳) نماز وتر میں قنوت میں کوئی دعا پڑھنا۔ (۱۴) عیدین کی نماز میں چھ زائد تکبیریں کہنا۔ (۱۵) فرض یا واجب میں تاخیر نہ ہونا، اور تاخیر یہ ہے کہ دو فرض یا دو واجب یا فرض و واجب کے درمیان تین بار ''سبحان اللہ'' کہنے کی مقدار وقفہ ہو جائے۔ (۱۶) نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ تلاوت کرنا۔ (۱۷) نماز میں سہو ہوا تو سجدۂ سہو کرنا۔ (۱۸) قرأت کے سوا تمام فرائض و واجبات میں امام کی اتباع کرنا۔ (۱۹) امام پر فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اور جمعہ اور عیدین اور تراویح کی نمازوں میں اور رمضان کے وتر میں بلند آواز سے قرأت واجب ہے۔

اور سری نمازوں (ظہر اور عصر) میں امام اور منفرد (اکیلا نماز پڑھنے والا) کے لیے قرأت آہستہ آواز سے کرنا بھی واجب ہے۔

واجبات کا حکم:

اگر کسی شخص نے بھول کر ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑ دیا تو اس کی نماز ناقص ہوگی اور سجدۂ سہو کے ذریعے اس کا تدارک کرنا ضروری ہے۔ اور جان بوجھ کر کوئی بات چھوڑ دی تو نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے ورنہ گناہ گار ہوگا۔

نماز کی سنتیں: (۱) تکبیر کہتے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھانا مردوں کا کانوں کی لو تک اور عورتوں کا کندھوں تک۔ اسی طرح قنوت اور عیدین کی زائد تکبیریں اور نماز جنازہ کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ (۲) ہاتھ اٹھاتے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اپنے حال پر کھلی رکھنا کہ نہ بہت کھلی ہوئی ہوں اور نہ بہت ملی ہوئی ہوں۔ (۳) انگلیوں اور ہتھیلیوں کا قبلہ رخ ہونا۔ (۴) تکبیر تحریمہ کے بعد مردوں کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا اس طرح کہ دائیں ہتھیلی بائیں کلائی کے جوڑ پر رہے۔ دائیں انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ بنا کر کلائی کو پکڑے۔ باقی داہنی تین انگلیاں بائیں کلائی کی پشت پر رہیں۔ اور عورتیں اپنے ہاتھ سینے پر رکھیں اس طرح کہ داہنی ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھیں اور حلقہ نہ بنائیں۔ (۵) پہلی رکعت میں ثناء یعنی ''سبحانك اللّٰهُمَّ'' پڑھنا۔ (۶) صرف پہلی رکعت میں قرأت کے لیے تعوذ پڑھنا اور ہر رکعت کے شروع میں ''بسم اللہ'' پڑھنا۔ (۷) فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

(۸) ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد امام اور منفرد کا آمین کہنا۔ قرأت بلند آواز سے ہو تو سب مقتدیوں کا بھی آہستہ آواز میں آمین کہنا۔ (۹) ثناء، تعوذ، بسم اللہ اور آمین آہستہ کہنا۔ (۱۰) سنت کے موافق قرأت کرنا۔ (۱۱) صرف فجر کی نماز میں پہلی رکعت کی قرأت کو دوسری سے لمبی کرنا۔ (۱۲) رکوع میں تین بار ''سبحان ربی العظیم'' کہنا۔ (۱۳) رکوع میں مردوں کو چاہیے کہ وہ اپنی پیٹھ کو بچھا دیں اور سر کو پشت کی سیدھ میں رکھیں دونوں ہاتھوں کی کھلی کی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑیں۔ پنڈلیوں کو سیدھا رکھیں، گھٹنوں کو خم نہ دیں اور بازوؤں کو پہلو سے جدا نہ رکھیں۔ (۱۴) رکوع سے اٹھتے وقت امام ''سمع اللہ لمن حمدہ'' اور سیدھے کھڑے ہو کر، مقتدی کو ''ربنا لك الحمد'' اور منفرد کو یہ دونوں کہنا چاہیے۔ (۱۵) ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت تکبیر یعنی ''اللہ اکبر'' کہنا۔ (۱۶) سجدے میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنوں پھر دونوں ہاتھ پھر پیشانی پھر ناک رکھنا جبکہ بعض کے نزدیک پہلے ناک رکھے پھر پیشانی رکھے اور سجدے سے اٹھتے وقت اس کے برعکس کرنا۔ (۱۷) سجدۂ میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر رکھنا اور قبلہ رخ رکھنا اور دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدۂ کرنا اور اپنے بازوؤں کو پہلو سے جدا رکھنا اور کہنیوں کو زمین سے

اونچا رکھنا اور پیٹھ کو رانوں سے جدا رکھنا مردوں کے لیے سنت ہے۔
(۱۸) ہر سجدۂ میں تین بار ''سبحان ربی الاعلی'' کہنا۔ (۱۹) دوسرے سجدے کے بعد جب دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو پنجوں کے بل اٹھے اور گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر اٹھے۔ (۲۰) ہر جلسے اور قعدۂ میں دایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ اس کے انگلیوں کے سرے قبلہ رخ ہوں۔ (۲۱) دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا اور ہاتھوں کی انگلیوں کو اپنی حالت پر چھوڑنا اور انگلیوں کے سرے گھٹنے کے قریب رکھنا۔ (۲۲) تشہد میں ''اشهدان لا الٰہ الا اللہ'' پر کلمے کی انگلی سے اشارہ کرنا۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کے سروں کو ملا کر حلقہ بنایا جائے اور ''لا اِلٰہ'' پر انگلی کھڑی کی جائے اور ''اِلا اللہ'' پر جھکا دی جائے۔ جھکانے میں اس کا خیال رکھے کہ تھوڑا سا جھکا دے بالکل گرانا صحیح نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ، امداد الفتاویٰ)
(۲۳) قعدۂ اخیرہ میں درود پڑھنا اور درود کے بعد کسی ایسی چیز کی دعا مانگنا جس کا ہمارے معاشرے میں بندوں سے مانگنے کا رواج نہ ہو۔ (۲۴) پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔ اور ساتھ میں چہرہ کو بھی پھیرنا۔ (۲۵) امام کو دونوں سلام بلند آواز سے کہنا مگر دوسرے سلام کو پہلے کی نسبت پست آواز میں کہنا۔ (۲۶) سلام ان لفظوں سے کہنا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ''۔
سنتوں کا حکم: نماز کی سنتوں کا حکم یہ ہے کہ کوئی بھی سنت جان بوجھ کر چھوڑ دے یا بھول کر چھوٹ جائے اس سے ثواب میں تو کمی آتی ہے نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ ہی سجدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔
نماز کے مستحبات: (۱) دونوں قدموں کے درمیان چار انگلی کی مقدار یا اس کے قریب قریب فاصلہ چھوڑنا۔ (۲) ہر رکعت میں الحمد کے بعد جب سورت ملائے تو اس سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنا۔ (۳) تکبیر تحریمہ کے وقت جب کوئی عذر نہ ہو دونوں ہاتھ چادر وغیرہ سے باہر نکال کر اٹھانا۔ (۴) منفرد کو رکوع وسجود میں تین تین مرتبہ سے زیادہ لیکن طاق عدد میں تسبیح پڑھنا۔ (۵) جمائی آئے تو منہ خوب بند کرلے اور اگر کسی طرح نہ رکے تو ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت کی طرف سے روکے۔ (۶) دونوں سجدوں کے درمیان جلسے میں یہ دعا پڑھنا ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ یا صرف ''رَبِّ اغْفِرْلِیْ'' ایک مرتبہ تین مرتبہ۔ (۷) قنوت میں خاص اس دعا کا پڑھنا ''اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ''۔ (۸) جب کھڑا ہو تو اپنی نگاہ سجدے کی جگہ رکھے۔ اور جب رکوع میں جائے تو پاؤں پر اور جب سجدۂ کرے تو ناک پر رکھے جلسے اور قعدۂ میں نگاہ گود میں رہے اور سلام پھیرتے وقت کندھوں پر ڈالے۔

مفسدات یعنی نماز کو توڑنے والی چیزوں کا بیان:

(۱) نماز میں بولنا یا بلا ضرورت آواز نکالنا۔
نماز میں بولنا نماز کے لیے مفسد ہے۔ اصطلاح میں اسے کلام الناس کہتے ہیں اور اس سے مراد وہ کلمہ ہے جو عام لوگ اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہوں۔ خواہ وہ جملہ عربی زبان میں ہو یا کسی دوسری زبان میں۔ جیسے تعال کا معنی ہے ادھر آجا۔ یا بع جس کا معنی ہے بیچ دو۔ ● نماز میں قصداً یا بھولے سے یا خطا سے بول اٹھا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ بولنے سے مراد یہ ہے کہ کہا ہوا لفظ کم از کم دو حرفوں پر مشتمل ہو اور اگر ایک حرف پر مشتمل ہو تو وہ ایسا ہو جو بامعنی ہو جیسے عربی زبان میں مثلاً ''ع'' اور ''ق'' کہ ''ع'' کا مطلب ہے کہ تو حفاظت کر اور ''ق'' کا مطلب ہے کہ تو بچا۔ ● کسی شخص کو سلام کرنے کے قصد سے سلام یا تسلیم یا السلام علیکم یا اس جیسا کوئی لفظ کہنا اور اس طرح کسی کے سلام کے جواب میں وَعلیکم السّلام کہنا۔ اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ ● اگر درد یا مصیبت سے نماز میں آہ یا اف یا ہائے کہے یا زور سے روئے تو نماز جاتی رہتی ہے البتہ مریض مرض سے بے قابو ہو جائے اور اس سے بے اختیار آہ یا ہائے نکل جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ اسی طرح اگر جنّت یا دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھر آیا اور زور سے آواز یا آہ یا اف وغیرہ نکل جائے

تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

● بے ضرورت کھنکارنے اور گلا صاف کرنے سے جس سے دو حرف بھی پیدا ہو جائیں نماز ٹوٹ جاتی ہے البتہ عذر اور مجبوری کے وقت کھنکارنا درست ہے اور نماز نہیں ٹوٹتی۔ ● نماز میں چھینک آئے اور اس نے "الحمد للہ" کہا تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی البتہ کہنا نہیں چاہیے اور اگر کسی اور کو چھینک آئی اور اس نے جواب میں اس کو "یرحمک اللہ" کہا تو نماز ٹوٹ گئی۔ ● نماز میں کچھ خوشخبری سنی اور اس پر "الحمد للہ" کہہ دیا یا کسی کی موت کی خبر سنی اس پر "انا للہ و انا الیہ راجعون" پڑھا تو نماز فاسد ہو گئی۔ ● کوئی لڑکا وغیرہ گر پڑا اس کے گرتے وقت "بسم اللہ" کہہ دیا تو نماز جاتی رہی۔ ● اگر نمازی نے وسوسہ کو دور کرنے کے لیے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" پڑھا تو اگر وہ وسوسہ دنیاوی امور سے متعلق ہو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امور آخرت سے متعلق ہو تو نماز فاسد نہیں ہو گی۔

(۲) ایسا عمل کرنا جو کثیر ہو اور نماز کی جنس سے نہ ہو۔ عمل کثیر کی چند صورتیں ہیں:

(الف) دور سے دیکھنے والا شخص جس کے سامنے نماز شروع نہیں کی وہ عمل ہوتے دیکھ کر یہ سمجھے کہ وہ شخص نماز میں نہیں ہے۔

(ب) وہ کام جو عام طور پر دو ہاتھوں سے کیا جاتا ہے جیسے عمامہ باندھنا، تہہ بند باندھنا وغیرہ (اگرچہ نمازی اس وقت اس کو ایک ہاتھ سے ہی کرے)۔ وہ کام جو عام طور سے ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہے جیسے ٹوپی پہننا یا اتارنا یہ عمل قلیل ہے (اگرچہ نمازی اس کو دو ہاتھوں سے کرے)۔ (ج) وہ کام جس کے لیے کام کرنے والا عام طور سے علیحدہ مجلس اور نشست کا اہتمام کرتا ہے جیسے بچے کو دودھ پلانا۔ (د) عمل اگرچہ قلیل ہو لیکن اس کو ایک رکن یا ایک رکن کی مقدار میں تین بار تک کرنے سے وہ عمل کثیر بن جاتا ہے۔

وضاحت: آخری تین صورتیں بھی پہلی صورت ہی میں شامل ہو سکتی ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی بھی کام ہوتے دیکھ کر دور سے دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ یہ کام کرنے والا نماز میں نہیں ہے۔

● اگر ایک رکن کی مقدار یعنی تین بار "سبحان اللہ" کہنے کی مدت میں تین بار کھجلایا یعنی ایک دفعہ کھجلا کر ہاتھ ہٹا لیا ہو پھر دوسری مرتبہ ہاتھ لیجا کر پھر کھجلایا ایسا تین مرتبہ کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر ہاتھ صرف ایک مرتبہ اٹھا کر ایک جگہ رکھ کر چند مرتبہ کھجلانے کی حرکت کی تو یہ ایک ہی مرتبہ کھجلانا سمجھا جائے گا اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

(۳) نماز کے اندر کھانا پینا۔

● نماز میں کوئی چیز کھالی یا کچھ پی لیا تو نماز ٹوٹ جاتی ہے یہاں تک کہ ایک تل یا چھالیہ کا ٹکڑا اٹھا کر کھالے تو بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے البتہ اگر چھالیہ کا ٹکڑا وغیرہ کوئی چیز دانتوں میں اٹکی ہوئی تھی اس کو نگل گیا تو اگر چنے سے کم ہو تو نماز ہو جاتی ہے اور اگر چنے کے برابر یا زیادہ ہو تو ٹوٹ جاتی ہے۔ ● کوئی میٹھی چیز کھائی پھر کلی کر کے نماز پڑھنے لگا لیکن منہ میں کچھ مزا باقی ہے اور تھوک کے ساتھ حلق میں جاتا ہے تو نماز صحیح ہے۔

(۴) نماز کے اندر زیادہ چلنا چاہے اختیار سے ہو یا بلا اختیار سے۔

اگر نماز کے اندر بلا عذر چلا تو اگر متواتر اور کثیر چلا تو نماز فاسد ہو جائے گی خواہ قبلے کی طرف سے سینہ نہ پھرے اور اگر کثیر غیر متواتر چلنا ہو یعنی مختلف رکعتوں میں متفرق چلنا ہو اور ہر رکعت میں قلیل چلنا ہو تو اگر قبلے سے سینہ نہ پھرا ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

● کثیر کی حد مقتدی کے لیے ایک دم متواتر چلنے کی دو صف کی مقدار ہے اس سے کم قلیل ہے۔ لہٰذا ایک دفعہ میں دو صفوں کے بقدر چلا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر ایک صف کی بقدر چلا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اور کثیر غیر متواتر کی مثال یہ ہے کہ ایک صف کی

بقدر چلا، پھر ایک رکن کی یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کی بقدر ٹھہرا، پھر ایک صف کی بقدر چلا، پھر ایک رکن کی مقدار ٹھہرا تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی اگرچہ بہت چلا ہو جب تک جگہ مختلف نہ ہو جائے یعنی اگر مسجد ہے تو مسجد سے باہر نہ ہو جائے اور اگر میدان ہے تو صفوں سے باہر نہ ہو جائے۔

(۵) نماز کے دوران نماز کا کوئی رکن چھوٹ جائے مثلاً رکوع سجدہ وغیرہ سے کوئی چیز بھول گیا اور سلام پھیرنے تک اس کو ادا نہیں کیا تو اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (۶) نماز کے صحیح ہونے کی شرائط (جن کا بیان پہلے گزر چکا ہے) میں سے اس کی ایک شرط بھی نماز کے دوران فوت ہو جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

مثال ۱: (الف) نماز کے دوران طہارت ختم ہو گئی، احتلام وغیرہ کی صورت میں حدث اکبر لاحق ہو گیا یا نواقضِ وضو (وضو توڑنے والی اشیاء) میں کوئی چیز پائی گئی تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (ب) نماز کے دوران جنون لاحق ہو گیا۔ (ج) نماز کے دوران بے ہوش ہو گیا (تیمم کر کے نماز شروع کی تھی نماز کے دوران اسے پانی مل گیا اور وہ اس پانی کے استعمال پر قادر بھی ہے تو چونکہ تیمم باطل ہو گیا لہٰذا اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ (ر) موزوں پر مسح کر کے نماز پڑھ رہا تھا کہ مسح کو توڑنے والی کوئی چیز پائی گئی مثلاً نماز کے دوران موزوں پر مسح کی مدت ختم ہو گئی یا تین انگلیوں کی مقدار موزہ پاؤں سے اتر گیا تو چونکہ اس طرح موزوں پر مسح باطل ہو جاتا ہے اس سے وضو ختم ہو جاتا ہے۔ جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

مثال ۲: نماز کے دوران چہرہ قبلے سے پھر گیا تو استقبالِ قبلہ کی شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

مثال ۳: نماز کے دوران ستر کھل گیا تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ مثال ۴: نماز کے دوران وقتِ ممنوع شروع ہو گیا مثلاً نمازِ فجر کے دوران سورج طلوع ہو گیا، عیدین کی نماز کے دوران سورج کا زوال شروع ہو گیا یا جمعہ کی نماز کے دوران عصر کا وقت داخل ہو گیا تو ان صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۷) نماز کے دوران تلاوت واذکار میں کوئی ایسی غلطی کی جس سے معنی بگڑ کر الٹ ہو جاتا ہے اس سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

قرآت میں غلطی کی مثال: (۱) "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ بِمَا تَصْنَعُوْنَ" کی جگہ "وَاللّٰهُ لَا يَعْلَمُ بِمَا تَصْنَعُوْنَ" پڑھ دیا۔

(۲) "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ" کی جگہ "اِنَّ الابرار لفي جحيم" پڑھ دیا۔ (۳) "قُلْ يَاۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ. لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" کی جگہ "قُلْ يَاۤاَيُّهَا الكافِرُوْن. اَعبدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" پڑھ دیا۔ (۴) "اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ" کی جگہ "اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ" پڑھ دیا۔

اذکار میں غلطی کی مثال: اللہ اکبر کے الف کو مد کے ساتھ پڑھا۔ اللہ اکبر (پہلی صورت میں معنی یہ ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہیں کہ "کیا اللہ سب سے بڑا ہے؟" جب اللہ اکبر کی جگہ "آللہ اکبر" پڑھ دیا اس صورت میں معنی ہی میں خرابی لازم آتی ہے۔

(۸) نیند کی حالت میں مکمل ایک رکن ادا کر لیا اور بیدار ہونے کے بعد اسے دوبارہ نہیں لوٹایا۔ مثلاً قعدہ میں بیٹھے ہی سو گیا اور اسی حالت میں آخر میں سلام پھیر دیا۔ (۹) نماز کے دوران اتنی آواز سے ہنس پڑا کہ اس کی آواز خود کو سنائی دی۔

(۱۰) مقتدی نے اگر کوئی مکمل رکن امام سے پہلے ادا کر لیا وہ اس رکن میں ایک لمحہ کے لیے بھی امام کے ساتھ شریک نہ ہوا تو مقتدی کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

وہ مجبوریاں جن میں نماز توڑنا جائز ہے

● نماز کے دوران اگر ایک درہم (قریباً ساڑھے تین ماشے گرام چاندی) کی مالیت کی بقدر کسی چیز کے ضائع ہوجانے کا خدشہ تو نماز توڑنا جائز ہے۔● نماز کے دوران کوئی خاص گمشدہ چیز مثلاً گھڑی یا چشمہ وغیرہ یاد آنے سے نماز توڑنا جائز ہے۔●کسی شخص کی جان بچانے کے لیے نماز توڑنا جائز ہے۔● اگر کوئی بے ہوش ہوکر گرجائے تو اس کو اٹھانے کے لیے نماز توڑ سکتے ہیں۔● اگر نماز میں اچانک کوئی زہریلا کیڑا نظر آجائے اور نمازی کی طرف بڑھے اگر نماز توڑے بغیر (عمل کثیر کے بغیر) اس کو مار سکتے ہوں تو ٹھیک ورنہ اس کو مارنے کے لیے نماز توڑ سکتے ہیں (البتہ عمل کثیر کی صورت میں نماز ٹوٹ جائے گی)● اگر نماز کے دوران بھڑ، شہد کی مکھی کے تکلیف دینے کا خوف ہوا اور بغیر عمل کثیر کے مار سکے تو مار دے اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔ ورنہ نماز توڑ کر ماردے۔●نماز کے دوران اگر کوئی ساتھ والے کمرے سے آواز دے یا دروازے پر دستک دے کسی ایسی شدید ضرورت کے لیے جس کے نقصان کی تلافی نہ ہوسکے تو نماز توڑنا جائز ہے۔ محض دستک سن کر نماز توڑنا جائز نہیں۔● اگر فرض نماز میں ہو تو والدین کے بلانے پر نماز نہ توڑے۔ الا یہ کہ وہ کسی ناگہانی آفت میں مبتلا ہوکر اس کو مدد کے لیے پکاریں (یہ صورت والدین کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کسی کی بھی جان بچانے کے لیے نماز توڑنا ضروری ہے) اور اگر نفل نماز میں ہو اور والدین کو اس کا علم ہو تو نہ توڑے اور اگر علم نہ ہو تو نماز توڑ کر جواب دے۔

﴿۱۵۱﴾ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ... نالخ اثبات رسالت خاتم الانبیاء۔

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

اہل بدعت کا علم غیب پر استدلال اور اس کے جوابات

اہل بدعت نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ لفظ "ما" عموم کے لئے آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ (جاء الحق: ص ۴۹)

❶ جواب: یہ ہے کہ اگر "ما" کو عموم و استغراق حقیقی کے لئے مانا جائے تو آنحضرت ﷺ کی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے بلاواسطہ اور تمام امت کے لئے بالواسطہ تمام علم غیب کلی ماننا پڑے گا حالانکہ یہ عقل اور نقل کے خلاف ہے چنانچہ (سورۃ انعام آیت ۹۱:) میں ہے "وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ" یعنی تم کو ان باتوں کی تعلیم دی گئی جو تم نہیں جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت کے مخاطب یہودی ہیں اور آیت کا سیاق و سباق بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ اوپر سے خطاب یہود سے چلا آرہا ہے اور اگر اس کے مخاطب مسلمان ہی مراد لیے جائیں اور "ما" کو عموم اور استغراق حقیقی کے لئے مانا جائے تو بھی اس سے فریق مخالف کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ پہلی صورت میں یہ لازم آئے گا کہ عہد نبوت میں جو یہودی اس کے مخاطب تھے ان کو بھی علم غیب کلی حاصل تھا اور نہ مسلمانوں کے لئے بہر حال علم غیب کلی تسلیم کرنا ہی پڑے گا سورۃ اقرأ میں ہے "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔ یہاں انسان سے مراد بعض کے نزدیک ابوجہل اور اکثر کے نزدیک جنس انسان مراد ہے جیسا کہ ابن کثیر سے ظاہر ہے اور علامہ جلال الدین نے تصریح کر دی ہے کہ "الْاِنْسَانَ" سے مراد الجنس (جنس انسان) ہے۔ (جلالین: ص۔ ۵۰۲)

اگر "ما" کا لفظ عموم اور استغراق میں نص قطعی ہو تو لازم آئے گا کہ ہر انسان عالم الغیب ہو عام اس سے کہ وہ مسلمان ہو یا کافر

وغیرہ اس کا قائل کون ہے؟ ❷ جواب: یہ ہے کہ امام عربیت کے مشہور نحوی اور متکلم سید الجرجانی الحنفی ؒ "مَنْ" اور "ما" وغیرہ موصولات کے بارے میں صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ "قلنا الموصولات لم توقع للعموم بل ھی للجنس تحتمل العموم والخصوص"۔ (شرح مواقف: ص: ۲۳، طبع نولکشور) ہم کہتے ہیں کہ موصولات عموم کے لئے وضع ہی نہیں کئے گئے بلکہ جنس کے لئے وضع کئے گئے ہیں جو عموم اور خصوص دونوں کا برابر احتمال رکھتے ہیں۔

❸ جواب: ① اعلیٰحضرت بریلوی لکھتے ہیں علم غیب کا خاصہ حضرت عزت ہونا بے شک حق ہے اور کیوں نہ ہو کہ رب عزوجل فرماتا ہے "قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ" تم فرما دو کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ ② علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔ ③ کسی مخلوق کا معلومات الٰہیہ کو بتفصیل تام محیط ہو جانا شرع سے بھی محال ہے اور عقل سے بھی بلکہ اگر تمام اہل عالم اگلے پچھلوں سب کے جملہ علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں میں سے ایک حصہ کو دس لاکھ سمندروں سے۔ (خالص الاعتقاد: ص۔ ۲۵)

لٰہذا اہل بدعت کا یہ کہنا کہ لفظ "ما" صرف عموم کے لئے آتا ہے تو اپنے اعلیٰحضرت کی تعلیمات سے ناواقفیت کی واضح دلیل ہے چونکہ انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں غیر خدا کے لئے جو یہ صفت مانے وہ یقیناً کافر اور مشرک ہے "ما" کو صرف عموم کے لئے پیش کر کے آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب ثابت کرنا غلط اور صریح جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے۔ ﴿آمین﴾

﴿۱۵۲﴾ فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ... الخ تہذیب اخلاق کے مسائل ذکر اور شکر: ابتداء پارہ الم سے لے کر اس سے ماقبل کی آیت تک اہل کتاب سے مخاصمہ اور مناظرہ تھا، اب یہاں سے آخیر سورۃ تک ترقی کے پانچ مراتب کی تشریح اور ان کے اسباب بیان کئے جائیں گے۔ واللہ اعلم

امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ لکھتے ہیں! جب کوئی قوم بام عروج پر چڑھنا چاہتی ہے تو اسے زندگی کے پانچ مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں، پہلا زینہ تہذیب الاخلاق ہے، دوسرا تدبیر منزل کا تیسرا سیاست مدنیہ میں ملک گیری کا، چوتھا سیاست مدنیہ میں ملک داری کا پانچواں خلافت کبریٰ کا یعنی دنیا بھر میں اس منصب کے حاملوں جیسا کوئی بادشاہ نہ ہو۔

باب تہذیب اخلاق: "فَاذْكُرُوْنِیْٓ" اس آیت سے باب تہذیب اخلاق شروع ہوتا ہے۔ اس باب میں پانچ مسئلے ہیں۔ ① ذکر۔ ② شکر۔ ③ صبر۔ ④ دعا۔ ⑤ تعظیم شعائر اللہ۔ پہلے دو مسئلے اس آیت میں حل کئے گئے ہیں کہ ہر طرح کی ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ کے دروازے پر جاؤ جب مطلب پورا ہو جائے تو اس کا شکر بجا لاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے ایمان والو صبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد حاصل کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۱۵۳﴾

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور نہ کہو ان لوگوں کے بارے میں مردہ جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم شعور نہیں رکھتے ﴿۱۵۴﴾

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ

اور البتہ ہم ضرور تم کو آزمائیں گے کچھ خوف ،بھوک ،مالوں ،

وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ

جانوں اور پھلوں کے گھاٹے سے اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنادیں ﴿۱۵۵﴾ وہ لوگ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچی ہے

قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ

تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ﴿۱۵۶﴾ یہی لوگ ہیں کہ ان پر عنایتیں ہیں ان کے رب کی طرف سے

وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ

اور مہربانی ہے اور یہی لوگ ہیں ہدایت پانے والے ﴿۱۵۷﴾ بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن

پس جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے اور جس نے

تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا

خوشی سے نیکی کا کام کیا تو بے شک اللہ تعالیٰ قدردان سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۱۵۸﴾ تحقیق وہ لوگ جو اس چیز کو چھپاتے ہیں جس کو ہم نے

مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ

واضح باتوں اور ہدایت کے ساتھ اتارا ہے بعد اس کے کہ ہم نے اسے لوگوں کیلئے کتاب میں بیان کردیا ہے یہی وہ لوگ ہیں

يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ

جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرتے ہیں ﴿۱۵۹﴾ مگر جن لوگوں نے توبہ کرلی اور اپنے آپ کو سنوار لیا اور انہوں نے بیان کیا پس یہی وہ لوگ ہیں

أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ

جن پر میں رجوع کرتا ہوں اور میں رجوع کرنے والا مہربان ہوں ﴿۱۶۰﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے ایسی حالت میں کہ وہ کفر کرنے والے ہیں

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ

پس یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے ﴿۱۶۱﴾ اس میں ہمیشہ رہیں گے

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿١٦٢﴾ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ

ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ﴿۱۶۲﴾ اور تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے

ع ۱۹ ۲

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾

اسکے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۱۶۳﴾

﴿۱۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا ... الخ ربط آیات :اوپر قبلہ کا مسئلہ تھا جس کو یہود اور مشرکین نے بہت اچھالا مسلمانوں کو اس سے سخت تکلیف ہوئی اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صبر کرو اور نماز کے ذریعے سے استعانت طلب کرو اور دعا کا سلسلہ جاری رکھو صبر کے نتیجے میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جس شخص کے ساتھ رب العزت کی طاقت ہو اس کا کون سا کام رک سکتا ہے اور کونسی مصیبت اس کو عاجز کر سکتی ہے۔

خلاصہ رکوع ۱۹ طلب استعانت کا طریقہ، باب تہذیب اخلاق کے بقیہ مسائل ثلاثہ، صبر، دعاء تعظیم شعائر اللہ فضیلت شہداء، امتحان خداوندی، صابرین کی عادت، نتائج حق، ازالہ شبہ، عمومی تعلیم، نتیجہ کتمان، استثناء تائبین، کفر پر اصرار کرنے والوں کا انجام، خلود فی النار، باب تہذیب اخلاق کا خاتمہ۔ ماخذ آیات ۱۵۳: تا ۱۶۳+

طلب استعانت کا طریقہ :حضرت لاہوری لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر جانے کے بعد اگر مطلب کے پورا ہونے میں دیر لگے تو صبر کے ساتھ اس کے دروازے پر پڑے رہو اور دعا کا سلسلہ جاری رکھو، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صبر کو ستر یا پچھتر جگہ ذکر فرمایا ہے آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل صالح کا اجر مقرر ہے مگر صبر کا اجر بے حساب ہے پس اگر نفس پر احکام شرعیہ گراں ہوں تو ان کے آسان ہونے کا ایک علاج تو صبر ہے اور دوسرا علاج نماز ہے اور یہی چیزیں طلب استعانت میں مطلوب ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو کوئی پریشانی آتی تو حضور ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے اس لئے حکم ہے کہ اہل ایمان صبر اور نماز سے غافل نہ ہوں۔

﴿۱۵۴﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ :فضیلت شہداء :یہاں چند مباحث کا جاننا ضروری ہے۔ جن کے جان لینے کے بعد مسئلہ حیات کے سمجھنے میں پوری بصیرت حاصل ہو جائے گی۔

بحث اول

برزخ کی تعریف :برزخ کا معنی دو چیزوں کے درمیان حدِ فاصل اور روک کے ہیں۔

(مفردات القرآن امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ص:۸۵:ج۔۱)

برزخ دو چیزوں کے درمیان کی حد، روک، حائل، عالم برزخ، موت سے حشر تک کے عالم کا نام ہے۔

(لغات القرآن :ج:۲:ص۔۲۸)

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ"۔ (سورۃ مؤمنون آیت۔۱۰۰)

ترجمہ: اور ان کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے (رہیں گے)۔ تو حاصل کلام یہ نکلا کہ برزخ موت کے بعد سے قیامت تک کے درمیانی دور، عہد، زمانہ اور مدت کا نام ہے، اس دور میں دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے، اور آخرت بھی پوری طرح سامنے نہیں آتی، اس لئے اس کو برزخ کہتے ہیں۔ قبر اس عالم برزخ کی پہلی منزل ہے گویا میت کے لئے قبر اور برزخ دونوں ظرف ہیں برزخ ظرف زمان ہے اور قبر ظرف مکان ہے۔

قبر کی تعریف :قبر اس مقام کو کہتے ہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے قرآن وحدیث میں عموماً اسی مدفن پر قبر کا اطلاق ہوا

ہے مثلاً آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا ❶ "وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ" (توبہ۔ ۸۴) ترجمہ: اور آپ اس (کافر، منافق) کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔ ❷ "وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ" (الحج۔ ۷) ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں۔ ❸ "وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ" (فاطر ۲۲) ترجمہ: اور آپ نہیں سنانے والے ان کو جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ❹ "كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ" (الممتحنہ۔ ۱۳) ترجمہ: جس طرح کافر لوگ مایوس ہو گئے ہیں ان لوگوں سے جو قبروں میں جا پڑے ہیں۔ ❺ "ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ" (عبس۔ ۲۱) ترجمہ: پھر اس پر موت طاری کی پھر اس کو قبر میں ڈالا۔ ❻ "وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ" (انفطار۔ ۴) ترجمہ: اور (قیامت کے دن) جب قبریں اکھاڑی جائیں گی۔ ❼ "اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ"۔ (عادیات ۹) ترجمہ: کیا اس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کیا جائیں گے جتنے مردے قبروں میں ہیں۔ ❽ "حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ" (التکاثر ۲) ترجمہ: یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت کرو۔۔ مذکورہ آیات میں لفظ قبر، قبور اور مقابر وغیرہ کا اطلاق مردہ انسان کے مدفن پر کیا گیا ہے۔ ❾ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان العبد اذا وضع فی قبرہ" (متفق علیہ مشکوۃ باب عذاب القبر) ترجمہ: بے شک بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے علاوہ بے شمار احادیث میں قبر کا لفظ استعمال ہوا ہے فرصت ہو تو دیکھ لیں۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے قبر کے معنی "مقر المیت" کئے ہیں یعنی جس جگہ میت کو دفن کیا جاتا ہے مردہ کی جائے قرار۔
(مفردات القرآن: ص: ۲۰۷: ج۔ ۲)

بحث دوم

قبر سے مراد یہی حسی قبر ہے یا عالم برزخ؟ قرآن وحدیث کے بعد آثار و اشادات صحابہ اور اقوال محدثین وفقہاء رحمہم اللہ میں لفظ قبر کا اطلاق انہی حسی قبروں پر ہوا ہے، البتہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو یہ قبر حقیقی نصیب ہی نہیں ہوتی کسی کو جنگل کے درندے یا دریا یا سمندروں کی مچھلیاں کھا جاتی ہیں یا بعض آگ میں جل بھن کر خاکستر ہو جاتے ہیں وغیرہ تو اس صورت میں بھی وہ سب عذاب قبر سے نہیں بچ سکتے جہاں بھی ان کے ذرات ہوں گے گویا ان کی وہی قبر ہے اور وہیں ان کو عذاب یا آرام ملتا ہے تو قبر فقط اسی محسوس قبر کا نام نہیں بلکہ عالم برزخ میں اس مقام کا نام بھی گویا قبر ہے جہاں مردے کو یا اس کے اجزاء منتشر کھائے ہوئے اور جلے ہوؤں میں سے کسی جز کو عذاب ہو رہا ہے۔

بحث سوم

قبر کا مجازی معنی: قبر حقیقتاً تو یہی ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں ہاں مجازی طور پر اس برزخی مقام پر بھی قبر کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے جہاں کہیں میت کے اجزاء ہوں۔ خواہ درندوں پرندوں کا پیٹ ہو خواہ دریاؤں کی گہرائی ہو خواہ آگ اور ہوا ہو۔

بحث چہارم

عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے: اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قبر کا عذاب یا آرام روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے چنانچہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ المتوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں: "بَلِ الْعَذَابُ وَالنَّعِيْمُ عَلَى النَّفْسِ وَالْبَدَنِ جَمِيْعًا بِاتِّفَاقِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ"۔ (کتاب الروح: ص: ۱۵۲؛ طبع دار ابن کثیر دمشق بیروت)

مولانا یوسف جاجروی صاحب اپنے والد مولانا عبدالغنی صاحب جاجروی کی مشکوۃ المصابیح کی افادات اسعاد المفاتیح میں لکھتے ہیں کہ

اہل سنت والجماعت کے نزدیک عذاب وثواب جسد عنصری مع الروح پر ہوتا ہے اور جسم میں نوع من الحیات ہوتی ہے لیکن یہ حیات ایسی نہیں ہوتی جس میں کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت ہو اور جس میں روح جسم کے اندر تصرف اور تدبیر کرتی ہو اس وقت جو دنیا میں ہماری حیات ہے اس میں روح کو جسد سے تدبیر وتصرف کا تعلق ہے اور ایسے تعلق سے جسم کی حرکات محسوس ہوتی ہیں اور اسے کھانے پینے کی احتیاج ہوتی ہے قبروں میں روح کا جسد سے تعلق تو ہے جس سے نوع من الحیات پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ تعلق تدبیر وتصرف کا نہیں ہے وہ دنیا میں تھا اور ختم ہو گیا ایسا تعلق دوبارہ صرف آخرت میں ہوگا۔ (اسعاد المفاتیح فی حل مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶، ۵۵ ج ۱، طبع اول)

اس سے واضح ہوا کہ فریق مخالف بھی یہی کہتا ہے کہ عذاب اور راحت روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے، یہی تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاقی عقیدہ ہے۔ اب اس عقیدے کے خلاف جو شخص عقیدہ رکھے گا وہ فریق مخالف کے نزدیک بھی اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔ (قبر کی راحت وعذاب کے بارے میں آٹھ اقوال ہیں سورۃ الانعام کی آیت ۶:۳۶ کے ذیل میں دیکھیں)

بحث پنجم

حیات اور عذاب کے لئے ڈھانچہ شرط نہیں: اکابرین امت اجلہ علماء اہل سنت محققین فقہاء ومتکلمین نے فرمایا ہے حیات اور عذاب کیلئے ڈھانچہ شرط نہیں، اجزاء متفرقہ میں بھی قدرت باری تعالیٰ سے حیات وعذاب کا اعادہ وتحقق ممکن ہے یہ ناممکن اور ممتنع نہیں۔ چنانچہ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں حق یہی ہے کہ جس میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے جس سے دکھ کا احساس کر سکے اور ڈھانچے کا محفوظ رہنا اہل سنت کے نزدیک کوئی شرط نہیں یہاں تک کہ اگر میت کے اجزاء بکھر جائیں اور مٹی میں رل مل جائیں اور اسے عذاب دیا جائے تو ان اجزاء میں جن میں نگاہ نہیں دیکھ سکتی حیات رکھی جاتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ (فتح القدیر، ج ۳، ص ۹۹، بحوالہ تسکین الصدور)

امام العصر شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مشہور قول یہی ہے کہ عذاب (قبر) روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے ہدایہ کے اکثر شارحین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور میرے نزدیک بھی یہی مختار ہے۔ صحیح احادیث شراح حدیث فقہاء عظام اور علماء عقائد وکلام سے غیر مبہم الفاظ میں ثابت ہے کہ عذاب قبر اسی بدن مع الروح سے متعلق ہے عقائد وکلام کی کسی کتاب میں ایک جگہ بھی مذکور ومسطور نہیں کہ عذاب قبر صرف بدن مثالی کو ہوتا ہے اور بدن عنصری کو نہیں ہوتا اور بدن مثالی کی ایجاد صوفیاء کی ہے اور حضرات صوفیاء کرام کا قول وعمل شریعت میں حجت نہیں ہاں شریعت کے مطابق ہو تو بسر وچشم ورنہ نہیں چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات امام ربانی میں اس کی تصریح فرمائی ہے کہ: **عمل صوفیاء در حل وحرمت سند نیست۔**

بحث ششم

جسد مثالی کا معنی: آپ اس طرح سمجھیں کہ جس طرح تم خواب میں کسی کو دیکھتے ہو اور خواب میں کوئی تمہیں رشتہ دار یا بیگانہ ملتا ہے وہ نہ تو اس کا جسم ہوتا ہے اور نہ اس کی روح بلکہ وہ جسد مثالی ہوتا ہے جو رات کو تمہیں ملا ہے اور تم اس کے ساتھ لڑتے جھگڑتے بھی ہو اور پیار بھی کرتے ہو۔ سب کچھ کرتے ہو صبح کو تم کہو بھائی میں نے رات کو آپ سے لڑائی کی تھی وہ کہے گا میرے تو فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں۔

بحث ہفتم

قبر میں جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہے: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ"۔ (رواہ احمد مشکوٰۃ باب مایقال منہ من حضرہ الموت)
ترجمہ: پس اس (میت) کی روح اس کے جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے (یہاں فی بمعنی الیٰ کے ہے) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وَاِعَادَةُ الرُّوْحِ اِلٰی جَسَدِ الْعَبْدِ فِیْ قَبْرِهٖ حَقٌّ"۔ (شرح فقہ الاکبر: ص: ۱۰۰، میر محمد کتب خانہ)
ترجمہ: اور قبر میں بندے کے جسم کی طرف روح کا لوٹانا حق ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اَلْاَحَادِیْثُ الصَّحِیْحَةُ الْمُتَوَاتِرَةُ تَدُلُّ عَلٰی عَوْدِ الرُّوْحِ اِلَی الْبَدَنِ وَقْتَ السُّؤَالِ"۔ (کتاب الروح ابن قیم: ص: ۱۵۱، طبع بیروت)
ترجمہ: احادیث صحیحہ متواترہ (منکر نکیر کے) سوال کے وقت روح کے بدن کی طرف عود پر دلالت کرتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وَخَالَفَهُمُ الْجُمْهُوْرُ فَقَالُوْا تُعَادُ الرُّوْحُ اِلَی الْجَسَدِ اَوْ بَعْضِهٖ كَمَا ثَبَتَ فِی الْحَدِیْثِ"۔
(فتح الباری باب عذاب القبر: ص: ۱۸۲، ج۔ ۳)
ترجمہ: جمہور کہتے ہیں کہ روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عذاب وثواب کی احادیث متواتر ہیں۔ (کبیر: ص: ۱۲۶، ج۔ ۲)

تشریح آیت وَلَا تَقُوْلُوْا الخ شہید جسمانی طور پر بھی زندہ ہے اسے زبانی طور پر مردہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ "لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ" میں مردہ کہنے کی ممانعت ہے اور یہ حقیقت ہے "قتیل و شہید فی سبیل اللہ" کا وجود اور جسم ہے لہٰذا شہید کے وجود اور جسم کو مردہ نہیں کہہ سکتے وہ زندہ ہے ایک تو کراماً دوسرے جسم کے ساتھ روح کے تعلق ہونے کی وجہ سے یہ اس کو حیات ہے مگر ہمیں اس کا شعور نہیں، اور اسی شعور کے نہ ہونے پر ہمیں ایمان لانا ہے اب اگر ایمان نہیں لائیں گے، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کے زمرے میں داخل ہو جائیں گے۔ نیز یہ بات بھی یاد رکھیں کہ "یقتل" میں ضمیر "من" کی طرف راجع ہے جو جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کو شامل ہے اور مشاہدہ بھی ہے (جیسا کہ اوپر گذرا ہے) اور "اموات" خبر ہے مبتدا محذوف "ھم" کی اور "احیاء" خبر ہے مبتدا محذوف "ھم" کی۔ یہ ضمیریں بھی اسی "من" کی طرف راجع ہونگی جو "من یقتل" میں مذکور ہے اور وہ مقتول جسم ہی تھا لہٰذا شہداء کرام کے اجسام ہی وہ ہیں جنکی دائمی موت کا اعتقاد ممنوع ہے اور ان کی دائمی حیات کا اعتقاد لازمی ہے۔
علامہ محی الدین الدرویش رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اموات ھم" "مبتداء محذوف کے ساتھ مقولہ ہے یعنی "ھم اموات" (وہ مردہ ہیں یہ مقولہ جن سے روکا گیا ہے اور "ھم اموات" جملہ اسمیہ ہے۔ (اعراب القرآن الکریم وبیانہ: ص: ۱۹۶، ج۔ ۱)
اور جملہ اسمیہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ شہداء کرام کو ہمیشہ کے لئے مردہ کہنے کی ممانعت ہے۔ اور اگر جملہ فعلیہ ہوتا مثلاً "قتلو" یا "ماتوا" یا "یقتل" وغیرہ تو جملہ فعلیہ حدوث پر دلالت کرتا ہے تو پھر ممانعت نہ ہوتی پس موت کا ورود تو برحق ہے مگر وہ غیر مستمر اور غیر دائم ہے۔

ارواح شہداء کا سبز پرندوں میں جانے کا مطلب

حدیث شریف میں ہے کہ شہداء کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ میں چلی جاتی ہیں اور ان کے لئے عرش پر قندیلیں لٹکتی رہتی ہیں اور وہ جنت میں جہاں چاہیں چلتی پھرتی ہیں۔
(مسلم: ج۲، ص۔ ۱۳۵)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ ان کے لئے سواری اور مرکب ہوتے ہیں۔
یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھیں کہ غذا روح کی ضرورت ہے یا بدن کی؟ یقین رکھیں یہ بدن کی ضرورت ہے روح کی نہیں ہے روح کی غذا تو تسبیح وتقدیس اور اللہ تعالیٰ کی یاد کے سوا کچھ نہیں۔ جنت میں شہداء کی روحیں اگر سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں متجسد ہو کر سیر کرتی ہیں تو ظاہر ہے انہیں کھانے کی حاجت نہیں ہوتی غذا ہمیشہ سے بدن کی طلب رہی ہے نہ کہ روح کی قرآن کریم نے شہداء کو جو زندہ کہا تو اس کی دلیل سورۃ آل عمران کی آیت میں "یرزقون" بھی فرمایا معلوم ہوا یہ ابدان کی زندگی ہے صرف روح کی نہیں ہے۔ یہ حیات بدنی کی واضح دلیل ہے۔
ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء اور عام مؤمنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں تو بظاہر ان متعارض روایات کو پیش نظر رکھ کر قاضی ثناء اللہ صاحب نے محدثانہ اور فقیہانہ انداز میں یہ جواب دیا کہ مؤمنوں کی ارواح کا مستقر جنت ہو یا علیین یا تو ساتواں آسمان کچھ بھی مگر ان ارواح کا فی الجملہ تعلق اور اتصال قبروں میں اجسام کے ساتھ ہوتا ہے جس کی پوری کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔
(تفسیر مظہری، سورہ مطففین: ص:۲۲۵، ج۔۱۰)

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "حَتّٰی یَرْجِعَهُ اللّٰهُ فِیْ جَسَدِهٖ اَیْ یَرُدُّهٗ اِلَیْهِ کَامِلاً فِیْ بَدَنِهٖ الخ
(مرقات: ج:۴، ص:۱۱۰، طبع ملتان)

یعنی "حَتّٰی یَرْجِعَهُ" کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل طور سے اس کی روح اس کے بدن میں (قیامت کے دن) لوٹائے گا۔

دلالۃ النص سے اثبات حیات انبیاء کرام علیہم السلام

حیاۃ شہداء بعبارت النص اسی آیت سے ثابت ہے اور حیات انبیاء علیہم السلام اسی آیت سے بدلالۃ النص ثابت ہے اس کو ایک مثال سے سمجھیں! دیکھیں قرآن کریم میں والدین کے متعلق عبارت النص سے ثابت ہے کہ انہیں "اف" نہ کہو اور دلالۃ النص سے ثابت ہے کہ ان کو گالی گلوچ نہ دو تو معلوم ہوا کہ "اف" کہنا والدین کے لئے حرام ہے، اور ان کو اس سے صدمہ پہنچتا ہے تو جس قدر صدمہ ہوگا اسی قدر گناہ بھی زیادہ ہوگا۔ اسی طرح سمجھیں کہ جب شہید کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اتنا بڑا اعزاز ملا ہے صرف تابعداری کی وجہ سے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر بڑا اعزاز واکرام ہوگا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کا تو شہداء سے افضل ہونا واضح ہے۔
(فتح الباری: ص:۳۷۹، ج۔۱)

حضرت مولانا ابو فتح محمد یوسف صاحب "مسئلہ حیات طیبہ" میں لکھتے ہیں کہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ ایسی قطعی اور یقینی ہے کہ اس میں ذرا سا شک بھی موجب حرمان وخذلان ہے چہ جائیکہ اس بدیہی امر کا کوئی آدمی انکار کرے اور پھر مسلمان بھی رہ جائے حاشا وکلا! بلکہ یہ مسئلہ اسلام کے یقینیات میں سے ہے اور اسکی واضح دلیل قرآن کریم میں تذکرہ شہداء میں بطور دلالۃ النص کے موجود ہے جس کو علماء جہاندیدہ سمجھ سکتے ہیں مسئلہ حیات طیبہ ص ۶ طبع دار العلوم عثمانیہ رحیم یار خان یکم صفر ۱۴۱۷ھ ۱۸ جون ۱۹۹۴ء اور ص ۱۱ میں لکھتے ہیں کہ: القصہ: ایک گونہ حیات اس جہاں سے رخصت ہونے کے بعد ہر انسان کو حاصل ہو جاتی ہے جس سے انعام وعذاب کا ادراک ہوتا رہتا ہے مگر شہداء اور خصوصاً انبیاء علیہم السلام کو مذکورہ بالا تفصیلات زیر آیت ۱۵۴ سورۃ بقرہ کے مطابق کئی وجوہ سے اعلیٰ وارفع حیات حاصل ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں۔

انکار حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخی پس منظر

دنیائے کائنات میں انکار حیات کا عقیدہ سب سے پہلے معتزلہ کرامیہ نے ایجاد کیا کیونکہ ان کا نظریہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی

وفات مبارکہ کے بعد حکمی طور پر نبی اور رسول تھے اور حقیقت کے اعتبار سے نبی اور رسول نہیں رہے زوال نبوت کا انہوں نے استدلال اس طرح کیا کہ نبوت کے لئے شعور لازمی ہے اور شعور کو تعلق علم واحساس کے بغیر ناممکن ہے جب آپ ﷺ وفات پاچکے تو آپ ﷺ سے شعور کی نفی ہوئی اور شعور کی نفی مستلزم ہے علم کی نفی سے واضح ثابت ہوگیا کہ آپ کی روح مبارک کا جسم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اس طریقہ سے انہوں نے حیات جسمانی کا انکار کرکے آپ ﷺ کی زوال نبوت کا عقیدہ افترا کیا اور آنحضرت ﷺ کے جسم اطہر کے متعلق کہا کہ وہ صرف بے جان اکرا ما روضہ اطہر میں موجود ہے۔ (العیاذ باللہ)

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کی عہد حکومت میں بیکندی نامی شخص تھا جو بڑا فتنہ پرداز اور اس کے عقائد ونظریات روافض اور اعتزال کے امتزاج تھے۔

۴۴۵ھ کے قریب اس نے اپنی اس بدعقیدگی کو حکومت کے عہدے کے بل بوتے پر العزل نبوت کا زینہ بنایا اور اپنے باطل نظریہ اور عقیدہ کی اشاعت کے لئے اس عقیدہ کی نسبت امام اہل سنت ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ کی طرف کی اس وقت امام حدیث احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) زندہ تھے۔ انہوں نے اور امام ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے اس فرقہ کا خوب تعاقب اور مقابلہ کیا امام بیہقی رحمہ اللہ نے رسالہ حیات الانبیاء لکھا اور علامہ قشیری رحمہ اللہ نے شکایۃ اہل سنت فیما نالہم من المحنہ میں ان کے جھوٹ کے خلاف خوب صدائے احتجاج بلند کی تفصیل کے لئے حافظ ابن عساکر کی کتاب تبیین کذب المفتری اور طبقات الشافعیہ زیر ترجمہ امام ابوالحسن الاشعری دیکھیں۔

استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں؟ بلاخوف وتردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۷۶ھ تک اہل سنت والجماعت کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت ﷺ (اور اس طرح دیگر انبیاء علیہم السلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے کسی اسلامی کتاب میں عام ہے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی علم کلام ہو یا علم تصوف وسلوک کی سیرت کی اور تاریخ کی کہیں صراحت کے ساتھ اسکا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ مَنِ ادَّعٰی خِلَافَهٗ فَعَلَيْهَا الْبَيَانُ وَلَا يُمْكِنُهٗ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ وَالْمِيْزَانِ۔ (تسکین الصدور، ص ۲۹۰)

عقیدہ حیات النبی ﷺ کے اجماع پر شہادتیں

❶ فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں کہ قبر کے پاس انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۱۰۰، ج ۱)

❷ شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد (المتوفی ۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں: اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ اَحْيَاءٌ۔

(عون المعبود، ص ۴۰۵، ج ۱، طبع نشر السنہ) بے شک انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

❸ نواب قطب الدین خان صاحب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۷۹ھ) لکھتے ہیں: زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔ (مظاہر حق، ص ۴۴۵، ج ۱، باب الجمعہ)

❹ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ: "حیات الانبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلاف نیست"۔ (اشعۃ اللمعات، ص:۶۱۳، ج:۱، طبع لکھنو)

حیات انبیاء متفق علیہ ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔

❺ علامہ سخاوی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۰۲ھ) لکھتے ہیں: "نَحْنُ نُؤْمِنُ وَنُصَدِّقُ بِأَنَّهُ ﷺ حَيٌّ يُرْزَقُ فِي قَبْرِهٖ وَأَنَّ جَسَدَهُ الشَّرِيفَ لَا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ وَالْإِجْمَاعُ عَلٰى هٰذَا"۔ (القول البدیع، ص:۱۶۹، طبع بیروت۔لبنان)

ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں آپ ﷺ کو وہاں بھی رزق ملتا ہے اور آپ کے جسم پاک کو مٹی نہیں کھاتی اور اس عقیدہ پر (اہل سنت کا) اجماع ہے۔

مخالفین اجماع

استاذ محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جناب سید عنایت اللہ صاحب بخاری (جو اس اجماع کے پہلے منکر ہیں) اور ان کے چند حواریوں کے اور کسی نے اس اجماع کے خلاف لب کشائی نہیں کی اور سب اجماع پر خاموش رہے اور کسی نے اس (اجماع) کی تردید نہیں کی۔ (تسکین الصدور، ص۔۲۹۳)

آگے لکھتے ہیں تمام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین آنحضرت ﷺ کے عند القبر سماع پر متفق تھے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (ص۔۲۹۳)

یاد رکھیں حیات انبیاء کرام علیہم السلام متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ تفصیل آگے اسی سورۃ کی آیت ۲۵۹ کے ذیل میں آرہی ہے۔

مردے کے شعور اور ادراک کے منکرین کا شرعی حکم

مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ انسان کے مرنے کے بعد کے شعور وادراک کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

جواب: انسان را بعد موت ادراک باقی بماند بر ایں معنی شرع شریف وقواعد فلسفی اجماع دارند الی ان قال بالجملة انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست اھ۔ (فتاوی عزیزی، ص:۸۸، ج۔۱)

جواب: انسان مرنے کے بعد ادراک باقی رہتا ہے اس مقصد پر شرع شریف اور قواعد فلسفہ کا اجماع ہے (پھر آگے فرمایا)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مردوں کے شعور وادراک کا انکار کفر نہ ہو تو اس کے الحاد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ (تسکین الصدور، ص۔۲۹۲)

خلاصہ کلام: اس عبارت سے حیات انبیاء اور سماع انبیاء کے منکرین کا حکم واضح ہے۔ اللہ پاک ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

کیا عقیدہ حیات النبی ﷺ اہل سنت کی علامت ہے؟ اس کی وضاحت سورۃ نمل آیت۔۸۰ کے ذیل میں دیکھیں۔

شہید کے فضائل واحکام

وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ يَتَمَنّٰى أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ۔

(رواہ البخاری، ج:۱، ص ۳۸۸، رقم الحدیث ۲۸۱۷، ومسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں داخل ہونے والوں میں کوئی شخص بھی دنیا کی طرف لوٹنا پسند نہیں کرے گا کہ دنیا میں آ کر اس کی کسی چیز کو حاصل کرے سوائے شہید کے، کیونکہ یہ شہید اپنے ساتھ ہونے والے اعزاز و اکرام کو دیکھ کر تمنا کرے گا کہ کاش! وہ دنیا میں واپس لوٹ جائے اور دس مرتبہ (اللہ کے راستے میں) قتل کیا جائے۔

شہید کی اقسام: جس مسلمان کو اللہ تعالیٰ شہادت کی موت عطا فرمائے اسے شہید کہا جاتا ہے قرآن وسنت میں شہادت کا نہایت عظیم الشان ثواب اور قابلِ فضائل وارد ہوئے ہیں۔ لیکن خوب سمجھ لینا چاہیے کہ شہید کی تین قسمیں ہیں: (۱) شہید دنیوی و اخروی۔ (۲) شہید دنیوی۔ (۳) شہید دنیوی واخروی (شہید کامل)

یہ وہ شہید ہوتا ہے جس کے ساتھ عام مسلمان شہیدوں والا معاملہ کرتے ہوئے غسل دیئے بغیر انہی کپڑوں میں جو اس نے پہنے ہوئے ہیں نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے اسے دنیوی شہید کہا جاتا ہے۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ شہیدوں والا معاملہ فرماتے ہوئے خاص انعامات سے نوازتے ہیں اس اعتبار سے اس کو اخروی شہید کہا جاتا ہے اسے شہید کامل بھی کہا جاتا ہے (اس شہید کے لیے بہت سی شرائط ہیں جن کا بیان آگے آ رہا ہے)۔

شہید اخروی: یہ وہ شہید ہوتا ہے جسے آنحضرت ﷺ کی بشارت کے مطابق اخرت میں درجہ شہادت نصیب ہوگا، مگر دنیا میں عام مسلمان اس کے ساتھ شہید والا معاملہ نہیں کرتے۔ بلکہ عام مسلمانوں کی طرح ان کو غسل بھی دیا جاتا ہے اور کفن بھی۔ چونکہ اس کی شہادت کا ثمرہ صرف آخرت میں ظاہر ہوتا ہے اس لیے اسے شہیدِ آخروی کہتے ہیں۔

شہید دنیوی: یہ وہ میت ہوتی ہے جس پر دنیا میں (شرائط پائی جانے کی وجہ سے) شہیدوں والا معاملہ کرتے ہوئے غسل و کفن نہیں دیا جاتا۔ البتہ آخرت میں اللہ تعالیٰ (اس کی ریا و شہرت پسندی) کی وجہ سے شہادت کے درجے سے محروم فرما دیں گے۔ چونکہ اس میت کے ساتھ (معاذ اللہ) صرف دنیا میں شہیدوں والا معاملہ کیا جاتا ہے اس لیے اس کو شہیدِ دنیوی کہا جاتا ہے۔

شہیدِ دنیوی واخروی بننے کے لیے شرائط: شہید کی پہلی قسم شہیدِ دنیوی واخروی وہ مقتول ہے جس میں مندرجہ ذیل سات شرطیں پائی جائیں:

پہلی شرط: مسلمان ہونا۔ لہٰذا غیر مسلم (کافر) کے لیے کسی قسم کی شہادت ثابت نہیں ہوسکتی۔ دوسری شرط: مکلف یعنی عاقل و بالغ ہونا۔ لہٰذا جو شخص حالتِ جنون میں یا بالغ ہونے سے پہلے مارا جائے اسے شہید دنیوی نہیں کہا جاتا۔ تیسری شرط: حدث اکبر سے پاک ہونا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص حالتِ جنابت میں یا کوئی عورت حالتِ حیض و نفاس میں شہید کر دی جائے تو اسے شہید دنیوی نہیں کہا جاتا۔ چوتھی شرط: بے گناہ مارا گیا ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے کسی جرم شرعی کی سزا میں مارا گیا ہو جیسے کسی قاتل کو بطورِ قصاص یا زانی کو بطورِ حدِ رجم (پتھر مار مار کر ختم کرنا) کر دیا گیا ہو تو اسے بھی شہید نہیں کہتے۔ پانچویں شرط: اگر کسی مسلمان یا ذمی (یعنی وہ کافر جو دارالاسلام کا باشندہ ہو، اور دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو) کے ہاتھ مقتول ہوا ہو تو شرط یہ ہے کہ ایسے آلہ سے مارا گیا ہو کہ جو جارحہ ہو اور "آلہ جارحہ" سے مراد ایسا آلہ ہے جو قتل کے لیے بنایا گیا ہو یا جس کے استعمال سے بدن زخمی ہو جاتا ہو اور عام طور سے آدمی اس سے مر جاتا ہو۔ جیسے تلوار، نیزہ، چاقو، چھری، گولی اور بم وغیرہ۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان یا ذمی کے ہاتھ سے مارا گیا ہو مگر ایسے آلہ سے جو دھار دار نہیں ہے (جیسے پتھر، بڑی لکڑی، ڈنڈا وغیرہ) تو اسے شہید دنیوی نہیں سمجھا جائے گا بلکہ غسل و کفن دیا جائے گا۔

ضروری وضاحت: یاد رہے کہ "آلہ جارحہ" ہونے کی شرط صرف مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں ہے لیکن اگر کوئی شخص

حربی کافروں یا باغیوں (خواہ مسلمان ہوں) یا ڈاکوؤں (خواہ مسلمان ہوں) کے ہاتھ سے مارا گیا تو شہیدِ دنیوی ہے خواہ وہ کسی بھی آلہ سے مارا جائے جارحہ (جیسے گولی وغیرہ) یا جارحہ نہ ہو (جیسے پتھر، ڈنڈا وغیرہ)

بلکہ یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ لوگ مرتکبِ قتل ہوئے ہوں بلکہ اگر وہ سبب قتل بھی ہوں یعنی ان سے ایسے امور سرزد ہو جائیں جو باعث قتل ہو جائیں تب بھی شہید کے احکام جاری ہو جائیں گے۔

مثال : کسی حربی کافر نے اپنے جانور یا گاڑی یا ٹینک سے کسی مسلمان کو روند ڈالا اور خود اس پر سوار تھا۔

مثال : کسی حربی نے مسلمان کے گھر کو آگ لگا دی جس سے کوئی مسلمان جل کر ہلاک ہو گیا۔

چھٹی شرط : اس قتل کی سزا میں ابتداً شریعت کی طرف سے کوئی مال عوض (دیت) مقرر نہ ہو بلکہ ابتداً قصاص واجب ہو۔

چنانچہ اگر ایسا قتل ہوا جس میں ابتداً قصاص واجب نہیں ہوتا بلکہ ابتداً ہی دیت (مالی معاوضہ) واجب ہوتی ہے تو ایسی مقتول بھی "شہید دنیوی" نہیں ہوگا۔ ● کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو خطاً قتل کر دے تو چونکہ قصاص واجب نہیں ہوتا لہٰذا ایسے مقتول پر دنیا میں شہید والے احکام نہیں ہوں گے۔ لیکن اگر قتل کے نتیجے میں ابتداً تو قصاص ہی واجب ہوا تھا مگر کسی اور سبب (مثلاً مقتول کے ورثہ کے ساتھ صلح وغیرہ) سے قصاص ساقط ہو گیا تو ایسے مقتول کے ساتھ دنیا میں شہید والا معاملہ کریں گے۔ کیونکہ اس قتل کے نتیجے میں ابتداً قصاص واجب ہوا تھا۔

ساتویں شرط : زخمی ہونے کے بعد مرنے سے پہلے اس نے دنیوی زندگی سے کوئی نفع نہ اٹھایا ہو۔ اگر اس نے زخمی ہونے کے بعد دنیوی زندگی سے کوئی فائدہ حاصل کر لیا مثلاً کھانا پینا، سونا، دوا اور مرہم پٹی، خرید و فروخت، زیادہ بات چیت، دنیوی وصیت کرنا یا ہوش و حواس کی حالت میں نماز کا مکمل وقت گزر جانا۔ تو اسی حالت میں یہ مقتول بھی شہید دنیوی کے حکم سے خارج ہو جائے گا۔

البتہ اگر کسی مقتول کو میدانِ معرکہ سے اس لیے اٹھا کر لائے ہوں تا کہ اسے جانور، گھوڑے، ٹینک اور گاڑیاں روند نہ ڈالیں تو کچھ حرج نہیں۔ اس زخمی کو دنیوی حیات سے فائدہ اٹھانے والا نہیں سمجھا جائے گا بلکہ شہید دنیوی کہلائے گا۔

شہید کامل (شہیدِ دنیوی واخروی) کا حکم : جس شہید میں مذکورہ بالا تمام شرائط پائی جائیں اس کے درج ذیل احکام ہیں:

پہلا حکم : اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کے جسم سے خون صاف کیا جائے گا۔ البتہ اگر خون کے علاوہ کوئی اور نجاست لگی ہو تو اسے دھویا جائے گا۔ دوسرا حکم : جو کپڑے شہید نے پہنے ہوئے ہیں انہی کپڑوں میں شہید کو کفن دیا جائے گا اگر پہنے ہوئے کپڑے حدِ مسنون سے کم ہوں تو حدِ مسنون پورا کرنے کے لیے کپڑے اور زیادہ کر دئے جائیں گے۔ اور اگر حدِ مسنون سے زیادہ ہیں تو اتار لیے جائیں گے۔ تیسرا حکم : اس کے جسم سے ٹوپی، ہیلمٹ، خود، بوٹ، زرہ، بلٹ پروف جیکٹ اور ہتھیار وغیرہ اتار لیے جائیں گے۔

چوتھا حکم : باقی احکام جیسے نمازِ جنازہ اور تدفین وغیرہ اس پر جاری ہوں گے۔

ضروری تنبیہ : یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ اگر مذکورہ بالا شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو ایسے مقتول پر صرف عام مسلمانوں کے ہاں دنیا میں شہید کے احکام (غسل و کفن) جاری نہیں ہوں گے۔ البتہ عین ممکن ہے کہ وہ اپنے اخلاص و جہاد کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کا اعلیٰ مقام حاصل کر لے۔

شہیدِ اخروی کا حکم : پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ شہید کی دوسری قسم وہ ہے جنھیں آنحضرت ﷺ کی شریعت کے مطابق آخرت میں تو درجہ شہادت نصیب ہوگا اور شہیدوں کا سا معاملہ اور اعزاز و اکرام ان کے ساتھ کیا جائے گا لیکن دنیا میں ان پر شہیدوں کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ بلکہ عام میت والا معاملہ کرتے ہیں۔ شہید کی اس قسم میں جو مسلمان داخل ہیں ان کی چالیس سے زیادہ قسمیں ہیں

لیکن ان سب کا ذکر احادیث میں یکجا نہیں ملتا، متفرق احادیث میں ان کا ذکر آیا ہے۔ اسی لیے ان سب احادیث کو جمع کرنے کے لیے علمائے محققین نے مستقل رسالے تالیف فرمائے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ان تحقیقات کا خلاصہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''حاشیہ رد المحتار'' میں درج فرمایا ہے یہاں اس کا لبِ لباب ایک فہرست کی صورت میں نقل کرتے ہیں:

شہیدِ اخروی کون کون ہیں؟ (۱) وہ بے گناہ مقتول جو شہید کے قسمِ اول میں اس لیے داخل نہ ہو کہ جو شرطیں قسمِ اول میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے کوئی شرط اس میں مفقود تھی۔ () وہ مقتول جو مجنون، نابالغ، یا جنبی ہو، یا حیض ونفاس والی عورت ہو۔ () وہ مقتول جس کے قتل کے عوض میں قصاص واجب نہیں بلکہ مالی عوض یعنی دیت (خون بہا) واجب ہوتا ہے۔ () وہ مقتول جو باغیوں، ڈاکہ زنوں، یا حربی کافروں کے ہاتھ مارا جائے مگر زخم لگنے کے بعد دنیوی زندگی کا کوئی نفع اور راحت اسے حاصل ہوئی ہو۔

ان سب صورتوں میں مقتول اگرچہ شہید کی قسمِ اول نہیں، مگر قسمِ دوم میں داخل ہے یعنی آخرت میں اسے درجہ شہادت نصیب ہوگا۔ دنیا میں شہید کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

(۲) جس نے کسی کافر، باغی، یا ڈاکو پر حملہ کیا مگر وار خطا ہو کر خود کو لگ گیا جس سے موت واقع ہوگئی۔ (۳) مسلم ممالک کی سرحد کا پہرہ دینے والا وہ مجاہد جو وہاں طبعی موت مرجائے۔ (۴) جس نے صدقِ دل سے اللہ کی راہ میں جان دینے کی دعا کی ہو پھر طبعی موت مرجائے۔ (۵) جو ظالموں سے اپنی یا اپنے گھر والوں کی جان بچانے کے لیے لڑتا ہوا مارا جائے۔

(۶) جو اپنا مال ظالموں سے بچانے یا چھڑانے کے لڑتا ہوا مارا جائے۔ (۷) حکومت کا مظلوم قیدی جو قید کی وجہ سے مارا جائے۔ (۸) جو (ظلم سے بچنے کے لیے) روپوش ہوا اور اسی حالت میں مرجائے۔ (۹) طاعون سے مرنے والا، نیز اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو طاعون کے زمانے میں طاعون کے بغیر ہی وفات پا جائے بشرطیکہ جس بستی میں ہو وہیں ثواب کی نیت سے اور صبر کے ساتھ ٹھہرا رہے راہِ فرار اختیار نہ کرے۔ (۱۰) پیٹ کی بیماری (استقاء یا اسہال) میں وفات پانے والا۔ (۱۱) نمونیہ کا مریض۔

(۱۲) سل کا مریض۔ (۱۳) مرگی کے مرض سے یا کسی سواری سے گر کر ہلاک ہونے والا۔ (۱۴) بخار میں مرنے والا۔

(۱۵) جس کی موت سمندر کے سفر میں الٹیاں (متلی، قے) لگنے سے واقع ہوئی ہے۔ (۱۶) جو شخص اپنی بیماری میں چالیس مرتبہ ''لاالٰہ الّاانت سبحانک انّی کنت من الظٰلمین'' کہے اور اسی بیماری میں وفات پا جائے۔ (۱۷) جس کی موت اچھو لگنے سے ہوئی۔ (۱۸) جس کی موت زہریلے جانور کے ڈسنے سے ہوئی ہو۔ (۱۹) جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو۔

(۲۰) آگ میں جل کر مرنے والا۔ (۲۱) پانی میں ڈوب کر مرنے والا۔ (۲۲) جس پر کوئی عمارت یا دیوار وغیرہ گر پڑی ہو۔

(۲۳) جس عورت کی موت حالتِ حمل ہوجائے۔ (۲۴) نفاس والی عورت، جس کی موت ولادت کے وقت ہوئی ہو، یا ولادت کے بعد مدت نفاس ختم ہونے سے پہلے۔ (۲۵) جو عورت کنواری ہی وفات پا جائے۔ (۲۶) جو عورت اپنے شوہر کے کسی اور عورت سے تعلق (زوجیت وغیرہ) کے غم پر صبر کرے۔ اور اسی حالت میں مرجائے۔ (۲۷) وہ پاکباز عاشق جو اپنا عشق چھپائے رکھے اور غمِ عشق میں مرجائے۔ (۲۸) جسے غریب الوطنی میں موت آجائے۔ (۲۹) دین کا طالب علم۔

علامہ شامیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اس میں وہ عالمِ دین بھی داخل ہے جو تدریس کا مشغلہ رکھتا ہو اگرچہ دن بھر میں ایک ہی درس دے یا تالیف کا مشغلہ رکھتا ہو، دن بھر علمِ دین میں منہمک رہنا شرط نہیں۔

(۳۰) وہ مؤمن جو محض ثواب کے لیے اذان دیتا ہو (تنخواہ یا اجرت مقصود نہ ہو) (۳۱) اپنے بیوی بچے کی خبر گیری کرنے

والا، جوان کے متعلق اللہ کے احکام بجالائے اور ان کو حلال کھلائے۔ (۳۲) سچا دیانتدار تاجر۔ (۳۳) جو تاجر مسلمانوں کے کسی شہر میں کھانے کی چیزیں (طعام) پہنچائے۔ (۳۴) جس نے اپنی زندگی مدارات (اچھے سلوک) میں گزاری ہو۔ یعنی برے لوگوں کے ساتھ بھی شرعی حکم کے بغیر برا سلوک نہ کرتا ہو) (۳۵) امت کے بگاڑ کے وقت سنت پر قائم رہنے والا۔

(۳۶) جو رات کو باوضو سوئے اور اسی حالت میں انتقال ہو جائے۔ (۳۷) جو شخص روزانہ پچیس بار یہ دعا کرے "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِيْ فِي الْمَوْتِ وَفِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ" (اے اللہ میرے لیے موت میں بھی برکت دے اور موت کے بعد کے حالات میں بھی)۔ (۳۸) جو چاشت کی نماز (صلوۃ الضحیٰ) پڑھے اور ہر مہینے تین روزے رکھے اور وتر نہ سفر میں چھوڑے، نہ اقامت میں۔

(۳۹) ہر رات سورۃ یٰسین پڑھنے والا۔ (۴۰) جو شخص آنحضرت ﷺ پر سو مرتبہ درود شریف پڑھے۔ (۴۱) امام ترمذیؒ نے حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے صبح کے وقت "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" تین بار پڑھا اور سورہ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھیں، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دیتا ہے جو اس کے لیے شام تک استغفار کرتے رہتے ہیں اور اگر اس دن انتقال ہو جائے تو شہید کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور جس نے یہ کلمات اور آیتیں شام کو پڑھیں تو صبح تک اس کا بھی یہی درجہ ہے۔

﴿۱۵۵﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ ... الخ امتحان خداوندی: اس کا مطلب یہ ہے کہ اے امت محمدیہ ﷺ ہم کسی قدر مصائب پہنچا کر برکات سماویہ سے محروم کریں گے جیسے کسی قوم کو آزمایا جاتا ہے کہ آیا یہ بلاء پر صبر کرتے ہیں یا نہیں اور رضاء بالقضاء سے آراستہ ہیں یا نہیں یا اس جوہر سے خالی ہیں یہاں اسی چیز کو بیان فرمایا ہے۔

مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ: حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ "خوف" سے مراد دشمن کا خوف اور "جوع" سے مراد قحط ہے۔ (معالم التنزیل: ص:۹۷، ج:۱؛ بحر محیط ص:۵۰، ج:۱؛ خازن: ص:۱۰۴، ج:۱؛ روح المعانی: ص:۵۷۵، ج۔۱)

﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ ... الخ صابرین کی عادت: جو لوگ مصیبت کے وقت کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے لئے ہیں اس کی طرف سے جو کچھ ہم پر نازل ہو ہم اس پر راضی ہیں۔ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ: کہیں ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی کا بچہ فوت ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کیا تم نے میرے بندے کے بچہ کی روح قبض کر لی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں جی ہاں پھر فرماتے ہیں کیا تم نے اس کے دل کی ٹھنڈک کو لے لیا؟ فرشتے کہتے ہیں جی ہاں پھر اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں اچھا میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر تیار کرو اس کا نام "بیت الحمد" رکھو۔ (رواہ الترمذی بحوالہ ابن کثیر: ص:۲۰۹، ۲۱۰ و روح المعانی: ص:۵۷۵، ج:۲؛ خازن: ص:۱۰۴، ج:۱؛ معالم التنزیل: ص:۹۸، ج:۱؛ تفسیر منیر: ص:۱۵۷، ج۔۲)

﴿۱۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ: نتائج صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ... الخ حضرت تھانوی ؒ لکھتے ہیں "صلوت" سے خصوصی رحمت مراد ہے اور "رحمۃ" سے عمومی رحمت مراد ہے۔ (بیان القرآن: ص:۸۹، ج۔۱)

﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ... الخ ربط آیات: "وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ" سے دور تک خانہ کعبہ کا مفصل ذکر تھا آگے دعائے ابراہیمی کی حکایت تھی احکام مناسک کی درخواست اور مناسک حج وعمرہ بھی داخل ہیں بیت اللہ کا قبلہ ہونا وغیرہ اب آگے حج وعمرہ کے مقصد بننے کے متعلق ایک مضمون کا بیان ہے۔

ازالہ شبہ: زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ پر کچھ مورتیاں رکھی تھیں اس سے بعض مسلمانوں کو شبہ پڑ گیا کہ شاید یہ رسوم جاہلیت

سے ہے اور موجب گناہ ہے اور بعض لوگ جاہلیت میں بھی اس کو گناہ سمجھتے تھے ان کو شبہ ہوا کہ شاید اسلام میں بھی گناہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو دور کر دیا۔ (بیان القرآن: ص:۸۹، ج۔۱)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں! بڑے شعائر اللہ چار ہیں: ❶ نبی۔ ❷ قرآن۔ ❸ کعبہ۔ ❹ صلوٰۃ۔ شعائر اللہ: "شعائر" جمع "شعیرۃ" یا "شعارۃ" کی ہے جس کے معنی علامت کے ہیں شعائر اللہ سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو اللہ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے۔ (خازن: ص:۱۰۵، ج:۱؛ جلالین)

حج اور عمرہ کا معنی: حج کے لفظی معنی قصد کرنے کے ہیں اور قرآن وسنت کی اصطلاح میں خاص خانہ کعبہ کا قصد کرنے اور وہاں کے افعال مخصوصہ کو خاص موسم میں ادا کرنے کو حج کہتے ہیں اور عمرہ کا لفظی معنی زیارت کے ہیں اور اصطلاح شرع میں مسجد حرام کی حاضری اور طواف و سعی کو کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن: ص:۴۰۰، ج:۱، م، ش، د)

حضرت لاہوری لکھتے ہیں جب محبت کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو محبوب سے گزر کر متعلقات محبوب بھی نظر آتے ہیں اگرچہ ذکر، شکر، صبر، دعا، محبت الٰہی کا پتہ دیتے ہیں اس کے علاوہ تعظیم شعائر اللہ بھی پیمانہ محبت کے فیضان کی دلیل ہیں۔ اور یہ صفا اور مروہ: دونوں پہاڑ ہیں حج اور عمرہ والا طواف کر کے ان کے درمیان سعی کرتے ہیں اور یہ سعی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے اس کے چھوڑنے پر ایک بکری ذبح کرنا پڑتی ہے۔

حج وعمرہ کی سعی کرنے کا طریقہ: طواف کے بعد حجر اسود کا استلام کریں گے چومنا ممکن نہ ہو تو حجر اسود کی طرف ہتھیلیاں کر کے ہی چوم لیں اور برآمدہ کے بیچوں بیچ چل کر صفا پہاڑی تک پہنچ جائے اور ایسی جگہ پر قبلہ رخ کھڑے ہو کہ بیت اللہ شریف نظر آسکے اور یوں نیت کرے اے اللہ! میں تیری رضا کے لئے صفا و مروہ کے درمیان سعی کے سات چکروں کی نیت کرتا ہوں میرے لئے آسان فرما۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر خوب عاجزی کے ساتھ دعا مانگے کہ یہ بھی دعا قبول ہونے کا مقام ہے دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء خصوصاً کلمہ توحید "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر" اور تیسرا کلمہ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ" اس موقع پر تین بار ضرور پڑھ لے دعا کے بعد مروہ کی طرف چل دے خاموش رہے بھی تو جائز ہے مگر دل وزبان کو اللہ کے ذکر اور دعا میں مشغول رکھنا بہت ہی بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ ایک مختصر دعا ہے آپ ﷺ بھی سعی کی دوران اس کو ورد زبان بنائے رکھتے تھے "رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ" تھوڑی دور چل کر آپ کو دائیں بائیں دیوار کے ساتھ سبز لائٹیں نظر آئیں گی یہاں سے ذرا دوڑتے ہوئے چلیں آگے چند قدم پر ایسے ہی سبز لائٹیں نظر آئیں گی وہاں پہنچ کر یہ دوڑ ختم کر دیں (یہ دوڑ صرف مردوں کے لئے ہے) مروہ پر پہنچ کر قبلہ رخ ہو کر دعا مانگیں یہ سعی کا ایک چکر ہو گیا ہے اور صفا پر پہنچیں گے تو دوسرا چکر ختم ہو جائے گا اس طریقہ سے ساتواں چکر مروہ پر ختم ہو گا ہر دفعہ کی طرح اب بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگئے، لیجئے آپ کی سعی مکمل ہو گئی مسجد حرام میں دو رکعت نفل نماز (شکرانہ) ادا کریں جو کہ مستحب ہے اس کے بعد سر کے بال منڈوا دیں یا کٹوا دیں بس عمرہ مکمل ہو گا اور احرام ختم۔

مسئلہ: ❶ احرام کھولنے کے لئے سر کے بال حدود حرم کے اندر کاٹنا ضروری ہے حدود حرم سے باہر کٹائے تو دم دینا پڑے گا۔

مسئلہ: ❷ طواف کے فوراً بعد سعی کرنا سنت ہے ضروری نہیں، تھکان یا کسی ضرورت کی وجہ سے کچھ وقفہ کر لے تو مضائقہ نہیں۔

مسئلہ: ❸ لگاتار سعی کے سات چکر پورے کرنا سنت ہے اگر کسی نے متفرق طور پر دو تین قسطوں میں سعی کی تو جائز ہے مگر بلا عذر ایسا کرنا سنت کے خلاف ہے۔ مسئلہ: ❹ سعی باوضو کرنا مستحب ہے وضو ٹوٹ جانے پر اسی طرح پورا کر لے تو بھی جائز ہے۔

مَسْئَلَۃ: ⑤ اگر محرم حلق کرنے سے پہلے سلے ہوئے کپڑے پہن لے ایک دن کی مقدار ایسا ہی رہا ہے تو دم دے ورنہ صدقۃ الفطر کے برابر صدقہ دے دے۔ (عالمگیری ص ۲۴۶ ج ۱، فتح القدیر ص ۲۲۴ ج ۲ بحر الرائق ص ۶ ج ۳۔ شامی۔ ۲۲۰ ج ۲)

﴿۱۵۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ۔ الخ عمومی تعلیم :اس آیت میں تہذیب اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے کہ انسان اپنے اندر صفات حمیدہ پیدا کرے تا کہ صحیح معنیٰ میں کامل انسان نظر آئے خدا بھی راضی ہو اور مخلوق خدا بھی راضی ہو اور اس کی دنیا سنور جائے اور آخرت میں نجات پالے ورنہ اللہ کی ناراضگی کا مستحق بنے گا۔ اَلْبَيِّنٰتِ :سے مراد علامتیں ہیں جو آنحضرت ﷺ کی سچائی پر دلالت کرتی ہیں اور "اَلْهُدٰى" سے مراد وہ سیدھی راہ جو آنحضرت ﷺ کی اتباع کی راہ ہے "الْكِتٰبِ" سے مراد توراۃ ہے۔ (مظہری، ص: ۱۵۸، ج۔۱)

حضرت لاہوری ؒ فرماتے ہیں: مبلغین کتاب پر لازم ہے کہ لوگوں کو عمومی تعلیم کا سبق دیں تا کہ لوگ تدبر قرآن سے یکسر محروم نہ ہوں ان کے دل اسلام کے خلاف شکوک وشبہات سے دور ہوں اور کتمان حق کے زمرہ سے بچ جائیں یہ آیت اہل علم کو بار بار دعوت فکر دے رہی ہے۔ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ نتیجہ کتمان حق ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اور جہالت رفع کرنا چاہتا ہے اور یہ لوگ گمراہی اور جہالت کا بقاء چاہتے ہیں۔

اس آیت سے چند مسئلے معلوم ہوتے ہیں۔ مَسْئَلَۃ: ① جس علم کے اظہار اور پھیلانے کی ضرورت ہے اس کا چھپانا حرام ہے۔ مَسْئَلَۃ: ② جس آدمی کو خود صحیح علم نہیں اس کو مسائل اور احکام بیان کرنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیے۔ مَسْئَلَۃ: ③ عوام کو قرآن و سنت کے واضح مسائل بتانے چاہئیں باریک اور دقیق مسائل عوام کا سمجھنا خطرہ سے خالی نہیں۔ اس لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم عوام کو ایسی حدیث سناؤ گے جس کو وہ پوری طرح نہ سمجھ سکیں تو ان کو فتنہ میں مبتلا کردو گے (قرطبی)

اس سے معلوم ہو کہ عالم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ مخاطب کے حالات کا اندازہ لگا کر کلام کرے جس شخص کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو اس کے سامنے ایسے مسائل بیان ہی نہ کرے۔ (معارف القرآن: ص: ۴۰۳ ج: ۱، م، ش، د)

﴿۱۶۰﴾ استثناء تائبین: اگر جن لوگوں نے محض اللہ کی ناراضگی کے ڈر سے حق پوشی سے توبہ کرلی ان پر بجائے لعنت کے رحمت برستی ہے ﴿۱۶۱﴾ کفر پر اصرار کرنے والوں کا انجام :ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے خود اس کی اس پر لعنت ہے چونکہ یہ لعنت کے عموم میں خود بھی داخل ہے۔

﴿۱۶۲﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا الخ خلود فی النار: حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں کہ ایک مقتول جسمانی کا قاتل جہنم میں جاتا ہے تو مقتول روحانی کے قاتل کی سزا اس سے بدرجہا زیادہ ہونی چاہئے کیونکہ جسمانی مقتول کا قاتل مقتول کو صرف جسمانی دنیا کی نعمتوں سے محروم کرتا ہے اس کے برخلاف روحانیت کا قاتل اپنے مقتول کو ابد الآباد کی نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے اور کتمانِ حق کرنے والے عالم کے مقتول روحانی بیسیوں سینکڑوں بلکہ ممکن ہے لاکھوں تک پہنچ جائیں لہٰذا وہ شخص واقعی تخفیف سزا کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ (قرآن عزیز: ص: ۳۶)

خاتمہ باب تہذیب اخلاق

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔۔۔ الخ حصر الالوہیت باری تعالیٰ :ربط آیات: اوپر کتمانِ علم پر وعید کا ذکر تھا اب یہاں سے باب تہذیب اخلاق کے حاصل کا بیان ہے کہ معبود حقیقی سے انسان کا تعلق بہترین طریقے سے قائم ہونا چاہئے کا لہٰذا خاتمہ باب پر انتہائی تہذیب بتلا دی گئی ہے۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ الخ اور الٓمّٓ ج اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الخ ان دونوں آیتوں میں اسم اعظم ہے حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ مشرکین کہنے لگے ایک

خدا تمام جہاں کا بندوبست کیسے کرے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ص: ۱۶۰ ج: ۱؛ ابن کثیر: ص: ۱۴۳ ج: ۱؛ بحر محیط: ص: ۶۴ ج: ۱)

❶ "وَاِلٰهُكُمْ" تم سب کا ایک ہی معبود ہے۔ ❷ "اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" میں وحدت ذاتی ہے یعنی کائنات میں کوئی اس کی نظیر و مثیل نہیں اور نہ کوئی اس کا ہم سر ہے اور ایک معبود کا راضی کرنا بھی آسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ زمر میں ارشاد فرمایا ہے "ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ"۔ (آیت۔۲۹)

ترجمہ: اللہ نے ایک مثال بتلائی ایک مرد ہے کہ اس میں شریک ہیں کئی ضدی اور ایک مرد ہے پورا ایک شخص کا کیا برابر ہوتی ہیں دونوں مثل۔ (ترجمہ: شیخ الہند) ❸ وہ ایک ہے استحقاق عبادت میں بھی کہ اس کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں۔
❹ وہ ایک ہے یعنی اجزاء اعضاء سے پاک ہے نہ اس کا تجزیہ اور نہ ہی تقسیم ہو سکتی ہے۔ ❺ وہ ایک ہے یعنی اپنے وجود ازلی میں اور اس وقت بھی موجود تھا جب کوئی چیز موجود نہیں تھی اور اس وقت بھی موجود رہے گا جب کوئی چیز موجود نہیں رہے گی اس لئے وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کو واحد مانا جائے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ
بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے اختلاف میں اور کشتیوں میں
تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ مَّاۗءٍ
جو لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں اور جو پانی اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے اتارا ہے
فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ
جس کے ذریعے زمین کے خشک ہو جانے کے بعد دوبارہ اسے زندہ کیا ہے اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کے پھیرنے میں
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ
اور بادل جو آسمانوں و زمین کے درمیان مسخر کیے ہوئے ہیں ان سب چیزوں میں عقلمند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿۱۶۴﴾ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں
النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ
جو اللہ کے سوا دوسروں کو خدا کا شریک بناتے ہیں ان سے ایسے ہی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہئے اور جو
اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ
ایمان دار ہیں وہ اللہ کے لیے محبت میں زیادہ شدید ہیں اور اگر دیکھیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جب کہ وہ عذاب کو دیکھیں گے بے شک ساری قوت
لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ
اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے ﴿۱۶۵﴾ جبکہ بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے اسباب منقطع ہوجائیں گے ﴿۱۶۶﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی

اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ

کہیں گے کہ کاش اگر ہمارے لیے دنیا میں پلٹنا ممکن ہوتو ہم بھی ان سے بیزاری کا اعلان کریں جیسا کہ یہ آج ہم سے بیزار ہوئے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ دکھلائے گا ان کو

اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع

ان کے اعمال حسرت دلانے کے لئے اور وہ دوزخ کی آگ سے نکلنے والے نہیں ہونگے ﴿۱۶۷﴾

﴿۱۶۴﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الخ ربط آیات : اوپر توحید کا ذکر تھا اب یہاں سے توحید کے عقلی دلائل بیان کئے ہیں، یعنی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" میں توحید ذات کے اعتبار سے اور "الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ" میں توحید صفات کے اعتبار سے اور یہاں سے توحید کا افعال کے اعتبار سے ثبوت ہے۔

خلاصہ رکوع ۲۰ دوسرا مرحلہ، تدبیر منزل کے پانچ مسئلوں میں سے پہلا مسئلہ کسب رزق ہے، اور تذکیر بالآء اللہ سے توحید پر ۵ عقلی دلائل، کیفیت محبت مشرکین، کیفیت محبت مؤمنین، متبوعین کی برأت، تابعین کی تمنا، نتائج۔ ماخذ آیات ۱۶۴ تا ۱۶۷+

پہلا مسئلہ کسب رزق

تذکیر بالآء اللہ سے توحید پر ۵ عقلی دلائل : اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خزانے ابل رہے ہیں اللہ پاک نے عقل دے دی ہے لہٰذا اس عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے رزق کماؤ اور اپنے خالق اور رزاق کو پہچانو۔ سوال : قرآن کریم میں "السَّمٰوٰتِ" کو جمع لائے ہیں اور "الْاَرْضِ" کو کہیں بھی جمع نہیں لایا گیا البتہ سورۃ الطلاق کے آخر میں "مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ" اس سے زمینوں کا بھی سات ہونا معلوم ہوتا ہے تو "السَّمٰوٰتِ" جمع اور "الْاَرْضِ" کو کیوں مفرد لائے؟

جواب ۱ اس لئے کہ "السَّمٰوٰتِ" کے اجناس مختلف ہیں اور زمین کے اجناس مختلف نہیں بلکہ جنس واحد ہے تو اسلئے "السَّمٰوٰتِ" کو جمع اور "الْاَرْضِ" کو مفرد لائے ہیں۔ (معالم التنزیل ص۹۳، ج: خازن ص۱۰۸، ج۱، بحر محیط ص۶۴، ج۱)

جواب ۲ یہ ہے کہ اگر "ارض" کی جمع ہوتی تو "اَرَضُوْنَ" بفتحتین ہوتا اور یہ ثقیل ہے۔ جواب ۳ یہ ہے کہ زمین کے وجود کے سب قائل ہیں لیکن آسمان کے بارے میں فیثا غورث یونانی ایک حکیم تھا اس کا نظریہ یہ تھا کہ آسمان کا وجود نہیں بلکہ حد نظر کو یہ لوگ آسمان کہتے ہیں تو اس باطل نظریہ کو رد کرنے کے لئے "سمٰوٰت" کو جمع ذکر فرمایا کہ تم ایک آسمان کے قائل نہیں حالانکہ آسمان تو سات ہیں۔

﴿۱۶۵﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... الخ ربط آیات : اوپر توحید کے اثبات کے لئے دلائل عقلی کا ذکر تھا اب آگے فریقین (یعنی مشرک و موحد) کے تعلق مع اللہ کے امتیاز کا ذکر ہے۔ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ الخ کیفیت محبت مشرکین : اور ان "انداد" سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کرنا چاہئے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کیفیت محبت مؤمنین : (۱) اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ سے سخت ترمحبت ہے اور اس کا پتہ کیسے چلے گا؟ جب اللہ تعالیٰ کے خلاف کوئی بکواس کرتا ہے تو بدعمل سے بدعمل مسلمان بھی میدان عمل میں آجاتا ہے اور اپنی عزیز ترمتاع جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا بلکہ جان

کی بازی لگانے میں اپنی کامیابی سمجھتا ہے یہ ایک عام فہم محبت کی کیفیت ہے۔(۲) اہل ایمان کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ (کفار کی جو انداد سے محبت ہے) اس محبت سے نہایت مستحکم اور قوی تر ہے اور یہ محبت کی کیفیت صلحاء کے نزدیک اللہ رب العزت سے مانگنے سے ملتی ہے جب انسان کے دل میں آشنائی کی لذت آجاتی ہے تو دنیا سے انقطاع ہو جاتا ہے اور انسان کی نگاہ اللہ کی ذات پر جم جایا کرتی ہے اسی طرح اس کی توجہ کا قبلہ ایک اللہ بن جاتا ہے اور اس کے دل میں اللہ آجاتے ہیں بلکہ اس کے دل میں اللہ چھا جاتے ہیں اس کو فناء قلب اور عشق الٰہی کہتے ہیں اور یہ نعمت حاصل ہوگی کثرت ذکر اللہ صحبت اہل اللہ اور اطاعت الٰہی پر دوام اور انعامات الٰہیہ پر شکر کرنے سے۔

اللہ کی محبت کے علامات:۔ ❶ انسان اپنی خواہش پر اپنے محبوب حقیقی یعنی حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیتا ہے اور اس کی تعمیل کو سب کاموں پر مقدم سمجھتا ہے یعنی متقی و پرہیزگار بنتا ہے اور حدود شرعیہ کا ہر وقت لحاظ رکھتا ہے۔ ❷ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہوتا ہے اور موت سے گھبراتا نہیں اور اگر زندگی چاہتا بھی ہے تو محض اس لئے کہ معرفت حق جتنی بھی زیادہ حاصل ہو اتنی ہی بہتر ہے، تاکہ محبوب کے وصال میں لذت زیادہ حاصل ہو کیونکہ معرفت مشاہدۂ جمال کا بیج ہے پس جتنا بیج زیادہ پڑے گا اس قدر پیداوار بھی زیادہ ہوگی اس طرح جس قدر معرفت کامل ہوگی اس قدر مشاہدۂ جمال حق میں لذت زیادہ ہوگی۔(تبلیغ دین امام غزالی رحمہ اللہ) حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی مشرک کو پتہ چل جائے کہ مجھے میرے معبود سے کوئی نقصان پہنچے گا تو وہ فوراً اس کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کی محبت ختم ہو جاتی ہے بخلاف مؤمن کے وہ نافع اور ضار اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتا ہے اگر تکلیف بھی آجائے تو اس کو برداشت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق برقرار رکھتا ہے۔ **اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ** :عذاب اخروی مراد ہے۔ (حاشیہ بیان القرآن: ص: ۹۳، ج ۱)

شرک فی الصفات

محبت کے عنوان میں شرک فی الصفات کو بھی جاننا ضروری ہے، شرک فی الصفات کا معنی یہ ہے کہ غیر اللہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی الوہیت اور خدائی میں تو نہ شریک ٹھہرایا جائے، البتہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ جو صرف اسی کے لیے ثابت ہیں، ان میں دوسروں کو شریک نہ کیا جائے، اس شرک کی چند موٹی موٹی اقسام ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔(۱) شرک فی المحبۃ۔(۲) شرک فی العبادات۔(۳) شرک فی الحکم۔ (۴) شرک فی العلم۔(۵) شرک فی القدرت (۶) شرک فی السمع والبصر۔

(۱) **شرک فی المحبۃ** :اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام صفاتِ کمال وجمال کا تقاضہ یہ ہے کہ ان پر ایمان لانے کا ساتھ ساتھ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی جائے چنانچہ ایمان والوں کے اوصاف میں قرآن کریم نے بیان فرمایا :"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ ۱۶۵) ترجمہ: "ایمان والے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔"

اہم نوٹ :اگر اخلاص کے ساتھ اللہ کے ڈر سے عبادت کی جائے تو بھی قابل قبول ہے مگر اعلیٰ درجے کی بندگی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے عبادت کی جائے۔

یاد رہے کہ اطاعت جو بوجہ حکومت ہو خواہ کیسی ہی اخلاص سے ہو پھر بھی بوجہ مجبوری ہے اس سے بڑھ کر اخلاص حکومت کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو احکم الحاکمین سمجھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھ کر دل سے ریا اور نفاق دور کر دے مگر پھر بھی اس تابعداری میں ایک گونہ مجبوری اور لاچاری کا شائبہ ہے۔ مگر جو اطاعت بوجہ محبت ہو اس میں جبر وتعدی کا ہرگز وہم اور لاچاری ومجبوری کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہوتا، محبت سے جو کچھ ہوتا ہے تہہ دل سے ہوتا ہے۔ غرض وہ بندگی جو بوجہِ محبت ہو وہ اول درجہ میں ہے۔

اسی طرح وہ شرک جس میں محبوبیتِ خاصہ خداوندی میں دوسروں کو شریک کیا جائے اعلیٰ درجہ کا شرک ہوگا اور اول درجے کی ناپاکی۔

چنانچہ معلوم ہوا شرک کی سب سے خطرناک قسم یہ ہے کہ اللہ کی محبت میں غیر کو شریک کیا جائے کیونکہ شرک کی باقی اقسام اور ہر قسم کا فسق و فجور شرک فی المحبت کی وجہ سے ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ قرآن کریم میں مشرکین کی مذمت میں بیان فرمایا گیا ہے یُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (کہ مشرک لوگ اپنے باطل معبودوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے۔)

مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اقوال و افعالِ جزئیہ ہی میں ان کو اللہ کو برابر نہیں مانتے بلکہ محبتِ قلبی جو تمام اعمال کے صدور کی بنیاد ہے اس تک میں شرک اور مساوات کی نوبت پہنچا رکھی ہے جو شرک کا اعلیٰ درجہ ہے اور شرک فی الاعمال (شرک کی باقی اقسام) اس قسم کے تابع ہے۔

اہم فائدہ: مشرکین کو اپنے معبودوں سے جتنی محبت ہے اہل ایمان کو اپنے اللہ سے اس سے بھی زیادہ اور مستحکم محبت ہے کیونکہ مصائب دنیا میں مشرکین کی محبت بسا اوقات زائل ہو جاتی ہے اور عذابِ آخرت دیکھ کر تو بالکل ہی برأت اور بیزاری ظاہر کردیں گے جب مومنین کی محبت اپنے اللہ کے ساتھ ہر ایک رنج و راحت، مرض و صحت، دنیا و آخرت میں برابر باقی اور پائیدار رہنے والی ہے۔

جی ہاں اہل ایمان کو جو اللہ سے محبت ہے وہ اس محبت سے بھی بہت زیادہ ہے جو ماسوی اللہ (اللہ کے سوا) انبیاء، اولیاء، ملائکہ، علماء، آباؤ اجداد اور مال و اولاد سے رکھتے ہیں کیونکہ اللہ سے تو اس کی عظمتِ شان کے موافق بے انتہا، ذاتی اور اصالۃً محبت رکھتے ہیں اور ان شخصیاتِ مقدسہ سے اللہ کے حکم کے واسطے اور اس کے حکم کے موافق ایک اندازے کے مطابق رکھتے ہیں۔

شرک فی العبادات: جو کام اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی تعظیم اور بڑائی کی خاطر اپنے بندوں کے لیے جاری فرمائے ہیں، ان کاموں کو "عبادت" کہا جاتا ہے، مثلاً نماز پڑھنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، اس کے گھر کا طواف کرنا، روزہ رکھنا وغیرہ۔ جو ایسے کاموں میں غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے وہ شرک فی العبادت کا مرتکب ہے، مثلاً غیر اللہ کو سجدہ کرنا، رکوع کرنا، یا اس کے لیے نماز کی طرح قیام کرنا، یا کسی قبر کو سجدہ کرنا، یا کسی نبی، ولی، پیر یا امام کے نام کا روزہ رکھنا، غیر اللہ کے نام کی قربانی کرنا، کسی کے نام کی منت ماننا، کسی کے گھر یا قبر کا بیت اللہ کی طرح طواف کرنا، کسی سے اللہ کی طرح حاجتیں مانگنا، غیر اللہ کو اللہ کی طرح پکارنا وغیرہ سب "شرک فی العبادت" ہے۔

قرآنی آیات سے دلائل: "وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ" (بنی اسرائیل: ۲۳)

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ "وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ"۔ (الانعام: ۱۳۶)

ترجمہ: "اور اللہ نے جو کھیتیاں اور چوپائے پیدا کیے ہیں، ان لوگوں نے ان میں سے اللہ کا بس ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ چنانچہ بزعم خود یوں کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے، اور یہ ہمارے ان معبودوں کا ہے جن کو ہم خدائی میں اللہ کا شریک مانتے ہیں۔ پھر جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے، وہ تو (کبھی) اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے، وہ ان کے گھڑے ہوئے معبودوں کو پہنچ

جاتا ہے۔ ایسی بری باتیں ہیں جو انہوں نے طے کر رکھی ہیں۔ "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ"۔ (البقرۃ ۱۷۳)

ترجمہ: اس نے تمہارے لیے بس مردار جانور، خون، اور سور حرام کیا ہے، نیز وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام: ۱۶۲)

ترجمہ: کہہ دو کہ: "بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔"

حدیث سے دلائل: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ. إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ (صحیح بخاری: ج ۱: ص ۴۹۰)

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرنا جیسے عیسائیوں نے ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں حد سے تجاوز کیا، بیشک میں تو اس کا بندہ ہوں، لہٰذا تم بھی (مجھے) اللہ کا بندہ اور رسول کہو۔" قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ. (صحیح بخاری ۱۔۱۷۷)

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "اللہ یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنی رحمت سے دور کر دے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔"

شرک فی الحکم: حاکم یعنی حکم دینے والی ذات اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے۔ کسی چیز کا حلال ہونا، یا حرام ہونا، اللہ تبارک و تعالیٰ کے حلال یا حرام کرنے کی وجہ سے ہے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں غیر اللہ کو شریک کرے تو وہ شرک فی الحکم کا مرتکب ہے، مثلاً کسی پیر یا ولی کی منع کردہ چیزوں کو حرام سمجھ لینا، جن کاموں کا پیر نے حکم کیا ان کو اللہ کے فرض کی طرح فرض اور ضروری سمجھ لینا، یا غیر اللہ کے حکم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرح ماننا وغیرہ "شرک فی الحکم" ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ہے: "اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ"۔ (التوبۃ ۳۱)

ترجمہ: "انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے احبار (یعنی یہود علماء) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنا لیا ہے، اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ ان کے مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک ہے۔"

اہم نوٹ: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ بات میسر نہیں آئی کہ خدا نے دین کا مقدمہ ان کے سپرد کر دیا ہو، بلکہ جو کچھ انہوں نے احکام مقرر کیے سب حسب فرمان خداوندی مقرر کیے، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تو درکنار کلام اللہ سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار نہ تھا۔"

اہم فائدہ: یہ بات یاد رہے کہ فقہاء کرام (حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد ابن حنبل رحمہم اللہ) نے قرآن و سنت کے وہ احکام جو واضح نہیں تھے اجتہاد اور استنباط کے ذریعے بیان کیے ہیں وہ شرک فی الحکم میں

داخل نہیں ہیں کیونکہ فقہاء کرام نے اللہ اور اس کے رسول کے مخفی احکام کو اپنے اجتہاد کے ذریعے ظاہر کیا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے قیاس کے بارے میں یہ اصول ذکر فرمایا ہے کہ: "اَلْقِیَاسُ مُظْهِرٌ لَا مُثْبِتٌ" کہ قیاس کے ذریعے حکم ظاہر ہوتا ہے ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ فقہی احکام میں فقہاء کی تقلید کرنے والوں کو مشرک کہنا اور ان پر وہ وعیدیں چسپاں کرنا جو ان یہود و نصاریٰ کے بارے میں آئیں (جنہوں نے اپنے راہبوں اور پیشواؤں کو احکام الٰہی میں رب کا اختیار دے دیا) حدود سے تجاوز کرنے اور کج روی اختیار کرنے والوں کا راستہ ہے اور پرلے درجہ کی جہالت اور گمراہی ہے۔

شرک فی العلم: علمِ غیب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، علمِ غیب اس علم کو کہتے ہیں جو کلی اور ذاتی ہو۔ جو علم جزئی یا عطائی ہو، وہ علمِ غیب نہیں ہوتا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں غیر اللہ کو شریک کرے وہ "شرک فی العلم" کا مرتکب ہے، مثلاً یہ سمجھے کہ فلاں نبی یا فلاں ولی علمِ غیب جانتے تھے، یعنی انہیں کائنات کے ذرے ذرے کا علم ہے، یا وہ اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد ہمارے تمام حالات سے باخبر ہیں یا انہیں دور و نزدیک کی تمام چیزوں کی خبر ہے، یہ "شرک فی العلم" ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ"۔ (البقرۃ: ۲۸۲) ترجمہ: "اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔"

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (سباء: ۳) ترجمہ: "کوئی ذرہ برابر چیز اس کی نظر سے دور نہیں ہوتی نہ آسمانوں میں، نہ زمینوں میں۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هٰذِهٖ خَمْسَةٌ لَا يَعْلَمُهَا مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُصْطَفًى فَمَنِ ادَّعٰى أَنَّهُ يَعْلَمُ شَيْئًا مِنْ هٰذِهٖ فَإِنَّهُ كَفَرَ بِالْقُرْآنِ لِأَنَّهُ خَالَفَهُ"۔ (تفسیر خازن: ج ۳ ص/ ۴۴۵)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان پانچ چیزوں کا علم نہ کسی مقرب کو ہے اور نہ ہی نبی مصطفیٰ کو ہے، لہٰذا جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ ان میں کسی چیز کا علم رکھتا ہے تو بیشک اس نے قرآن کا انکار کیا اس لیے اس نے قرآن کی مخالفت کی۔

اہم نوٹ: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "شرک کی کل دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ منصب حکومت احکم الحاکمین میں کسی دوسرے کو شریک سمجھے یعنی احیاء و امانت، پیدا کرنے اور ناپید کر دینے وغیرہ میں جو تصرفاتِ خاصہ خداوندی میں سے ہیں کسی دوسرے کو سمجھے۔ دوسرے یہ کہ کمال و جمال وغیرہ امور میں جو بناء محبوبیت ہے کسی دوسرے کو ہمتاء (شریک) ذاتِ یکتا وحدہ لاشریک لہ اعتقاد کرے، باقی رہا علمِ غیب تو وہ بحیثیتِ کمال تو دوسری قسم میں داخل ہے اور بایں نظر کہ حکم سے پہلے ارادہ اور ارادے سے پہلے علم کی ضرورت ہے وہ مبادی حکومت میں سے ہے۔"

(مطلب یہ ہے کہ علمِ غیب ایک حیثیت سے پہلی قسم میں داخل ہے اور دوسری حیثیت سے دوسری قسم میں داخل ہے)۔

شرک فی القدرت: اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ قدرت ثابت ہے کہ وہ ذات قادرِ مطلق ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا شرک فی القدرت کہلاتا ہے، مثلاً یہ عقیدہ رکھنا کہ پیر بھی بیٹا یا بیٹی دے سکتے ہیں اور اسی وجہ سے بیٹے کا نام "پیراں دتہ" رکھنا، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی نبی یا ولی بارش برسا سکتے ہیں، یا مرادیں پوری کر سکتے ہیں، یا زندگی موت ان کے قبضہ میں ہے، یا کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں، یہ سب "شرک فی القدرت" ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ "۔ (حج: ۷۳)

ترجمہ: "لوگو ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، اب اسے کان لگا کر سنو لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو دعا کے لیے پکارتے ہو وہ

ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، چاہے اس کام کے لیے سب کے سب اکھٹے ہو جائیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ (۱۳) اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۔(فاطر ۱۳:۱۳۔۱۴)

ترجمہ: ”اور اسے چھوڑ کر جن (جھوٹے خداؤں) کو تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار سنیں گے ہی نہیں، اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اور قیامت کے دن وہ خود تمہارے شرک کی تردید کریں گے۔ اور جس ذات کو تمام باتوں کی مکمل خبر ہے، اس کے برابر تمہیں کوئی اور صحیح بات نہیں بتائے گا“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ (۴۹) اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ“ (شوریٰ ۴۹۔۵۰)

ترجمہ: سارے آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، لڑکے دیتا ہے، یا پھر ان کو ملا جلا کر لڑکے بھی دیتا ہے، اور لڑکیاں بھی، اور جس کو چاہتا ہے، بانجھ بنا دیتا ہے۔ یقیناً وہ علم کا بھی مالک ہے اور قدرت کا بھی مالک“۔

شرک فی السمع والبصر: سمع کا معنی سننا، اور بصر کا معنی دیکھنا، اللہ تعالیٰ کے لیے خاص قسم کا سننا اور خاص قسم کا دیکھنا ثابت ہے، ایسا سننا اور ایسا دیکھنا مخلوق میں سے کسی کے لیے ثابت نہیں۔ کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ فلاں نبی یا فلاں ولی ہماری تمام باتوں کو دور و نزدیک سے سن لیتے ہیں، ہمیں یا ہمارے تمام کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں، ”شرک فی السمع والبصر“ ہے۔ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ“۔ (فاطر ۱۴:)

ترجمہ: ”اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار سنیں گے ہی نہیں، اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکیں گے“۔

ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہر جگہ موجود صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نبی یا کسی ولی کے لیے یہ صفت ماننا بھی ”شرک فی الصفات“ ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی دیگر صفات ہیں۔ ان میں سے کسی ایک صفت میں بھی غیر اللہ کو شریک کرنا ”شرک فی الصفات“ کہلاتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ“۔ (المجادلۃ ۷:)

ترجمہ: ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے، اللہ اسے جانتا ہے؟ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں وہ چھٹا نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں، اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر وہ قیامت کے دن انہیں بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا تھا بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

تعظیم اور عبادت میں فرق: تعظیم اور عبادت میں فرق یہ ہے کہ کسی میں خواص الوہیت (ان صفات کا جو باری تعالیٰ کے

ساتھ خاص ہیں) کا اعتقاد کر کے اس کی تعظیم کرنا، یا اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسا کام کرنا کہ خاص حق الوہیت کا ہے یہ عبادت ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو تعظیم ہے۔ اگر خواص (صفاتِ خاصہ) الوہیت ثابت نہ کیے جائیں اور تعظیم کی جائے جیسے باپ یا استاد کی تعظیم بشرطیکہ اور خرابی نہ ہو تو جائز ہے۔

شرک کا حکم: کفر و شرک ایسا بدترین جرم ہے کہ کافر و مشرک کی کبھی معافی نہیں ہوگی اور نہ ہی ان کی بخشش ہوگی، یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (النسآء: ۴۸) ترجمہ: بیشک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے"۔ "اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ"۔ (المائدۃ: ۷۲) ترجمہ: یقین جانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، اللہ نے اس کے لیے جنت حرام کر دی ہے"۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا (البینۃ: ۶) ترجمہ: "یقین جانو کہ اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ جہنم کی آگ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے"۔

شرک کے بطلان کی عقلی دلیل: اگر انصاف سے دیکھیے تو شیطان، فرعون، نمرود اور شداد وغیرہ کی نسبت کسی بے وقوف کو گمانِ الوہیت ہو تو اتنا عقل سے بعید نہیں جتنا حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی نسبت یہ خیال خام عقل سے بعید ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ وغیرہ انبیاء و اولیاء تو برابر ساری عمر اپنی عبدیت اور عاجزی کا اقرار کرتے رہے اور نماز و سجدے اور دیگر اعمالِ بندگی کے ذریعے اپنی عبدیت اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی معبودیت کا عملی مظاہرہ کرتے رہے۔

ہاں شیطان، فرعون، نمرود وغیرہ البتہ الوہیت کے مدعی ہوئے اور زندگی بھر کبھی وہ کام نہ کیا جس سے بندگی کی بو بھی آئے ان کو اگر کوئی نادان خدا سمجھے تو خیر سمجھے، پر حقیقی تعجب اس پر ہے جو اس شخص کو خدا سمجھے جو اپنی بندگی کا ہر طرح سے اقرار کرنے والا ہے!

﴿۱۶۶﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ... الخ متبوعین کی برأت ﴿۱۶۷﴾ تابعین کی تمنا: كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ الخ نتائج: اللہ تعالیٰ ان کے برے اعمال کو دکھائے گا اس پر حسرت کریں گے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖؗ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ

اے لوگو زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں ان میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى

بے شک وہ تمہارے لیے صریح اور کھلا دشمن ہے ﴿۱۶۸﴾ بے شک شیطان تم کو برائی اور بے حیائی کی باتوں کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ

پر وہ چیزیں کہو جو تم نہیں جانتے ﴿۱۶۹﴾ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم اس چیز کی پیروی کرو جس کو اللہ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس چیز کی پیروی کریں گے

مَاۤ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کسی چیز کو سمجھتے ہوں اور نہ وہ سیدھی راہ پر ہوں ﴿۱۷۰﴾

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً

اور ان لوگوں کی مثال جنہوں نے کفر کیا اس شخص کی سی ہے جو آواز دیتا ہے اس کو کہ نہیں سنتا مگر بلانا اور پکارنا

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ

یہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے ﴿۱۷۱﴾ اے ایمان والو وہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ

مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ

جو ہم نے تم کو روزی دی ہے، اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرنے والے ہو ﴿۱۷۲﴾ بیشک اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام قرار دیا ہے مردار،

وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ

خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیزیں جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا گیا ہو پس جو شخص مجبور ہو گیا ہو اس حال میں کہ وہ نافرمانی کرنے والا نہیں اور نہ زیادتی کرنے والا ہے

فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ

پس اس پر کچھ گناہ نہیں ہے بےشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿۱۷۳﴾ بیشک وہ لوگ جو اس چیز کو چھپاتے ہیں جس کو اللہ نے کتاب میں نازل کیا ہے

الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ

اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت خریدتے ہیں یہی لوگ ہیں جو نہیں کھاتے (بھرتے اپنے) پیٹوں میں مگر آگ

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا ﴿۱۷۴﴾ یہی لوگ ہیں جنہوں نے

اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذَٰلِكَ

ہدایت کے بدلے گمراہی کو اور مغفرت کے بدلے عذاب کو خریدا ہے یہ لوگ دوزخ کی آگ پر کس قدر صبر کرنے والے ہیں ﴿۱۷۵﴾ یہ

ع ۲۱ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾

اس وجہ سے کہ بےشک اللہ تعالیٰ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور بےشک وہ لوگ جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا البتہ وہ ضد میں دور جا پڑے ہیں ﴿۱۷۶﴾

﴿۱۶۸﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا الخ ربط آیات: اوپر اہل شرک کے عقیدوں کا بطلان تھا اب آگے اہل شرک کے بعض اعمال کا بطلان ہے۔

خلاصہ رکوع ۲۱ مسئلہ دوم: اشیاء کو صرف کرنے کے اصول، یعنی تحریمات عباد کی تردید، شیطان کی پیروی کی ممانعت عداوت شیطان، تشریح عداوت شیطان، ترغیب اتباع ما انزل اللہ، جواب ترغیب اہل ایمان کے فرائض، محرمات اربعہ کی تفصیل، اہل کتاب کا تحریم دین فروشی اور اس کے نتائج، سوء فہم کی مثال، سبب عذاب، نتیجہ۔ ماخذ آیات ۱۶۸: تا ۱۷۶

مسئلہ دوم اشیاء کو صرف کرنے کے اصول

تحریمات عباد کی تردید۔ شان نزول :جب قبائل ثقیف وخزاعہ وعامر بن صعصہ وبنی مدلج نے اپنے اوپر بہت سی چیزیں جیسے حرث اور انعام اور بحیرہ اور سائبہ وحام وصیلہ (مذکورہ اشیاء کی تفصیل آگے آئے گی) وغیرہ حرام کرلیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔
(مظہری، ص:۱۶۴، ج:۱؛ منیر، ص:۷۲، ج:۲؛ مدارک، ص:۱۰۱، ج:۱؛ روح المعانی، ص:۵۹۵، ج:۲؛ بحر محیط، ص:۷۸، ج:۱)

حَلٰلًا : لفظ "حلّ" کے اصلی معنی گرہ کھلنے کے ہیں۔ (مفردات القرآن، ص:۲۵۶، ج۔۱)
جو چیز انسان کے لئے حلال کردی گئی گویا کہ ایک گرہ کھول دی گئی ہے اور پابندی ہٹادی گئی ہے۔ طَیِّبًا بلفظ "طیب" کے معنی ہیں پاکیزہ جس میں شرعی حلال ہونا بھی داخل ہے اور مرغوب ہونا بھی شامل ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ :اتباع شیطان کی ممانعت :"خُطُوٰتِ" "خطوۃ" کی جمع ہے اتنی مقدار کو خطوہ کہتے ہیں جو دونوں قدموں کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ (مفردات القرآن، ص:۱۵۰، ج۔۱) شیطان کی ممانعت سے مراد شیطانی اعمال وافعال ہیں۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ :عداوت شیطان۔
﴿۱۶۹﴾ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ ... الخ عداوت شیطان کی تشریح۔ سوء اور فحشاء میں فرق۔ ❶ "سوء" وہ چیز ہے جس کو دیکھ کر عقلمند شریف آدمی کو دکھ ہوا اور "فحشاء" بے حیائی کا کام۔ ❷ "سوء" وہ گناہ ہے جس کا تعلق قول کے ساتھ ہو اور "فحشاء" وہ گناہ ہے جس کا تعلق فعل کے ساتھ ہو۔ ❸ "سوء" وہ گناہ ہے جو تنہائی میں انسان کرسکے اور "فحشاء" وہ گناہ ہے جو دوسرے کے ساتھ مل کر کرے۔ ❹ "سوء" ایسا گناہ کہ آدمی اس کو چھپ کر کرے اور "فحشاء" وہ گناہ جو کھل کر کرے۔
(تفسیر کبیر)
﴿۱۷۰﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ ... الخ ترغیب اتباع ما انزل اللہ۔ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ الخ جواب ترغیب: ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اس سے مراد یہود ہیں اور "مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" سے مراد یا تو قرآن ہے یا توراۃ ہے کیونکہ توراۃ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم کا اتباع کا حکم کرتی ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا یہ آیت مشرکین عرب اور کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (مظہری، ص:۱۶۶، ج۔۱)

غیر مقلدین کا عدم تقلید پر استدلال

اس آیت کو غیر مقلدین حضرات اہل حق کے خلاف پیش کرتے ہیں کہ تم لوگ تقلید کرتے ہو اپنے بڑوں کی اور قرآن تقلید کی تردید کرتا ہے۔ تو گویا اس آیت کو عدم تقلید پر پیش کرتے ہیں۔ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ قرآن کریم جس تقلید کی تردید کرتا ہے ہم اس کی تردید آپ لوگوں سے بھی زیادہ کرتے ہیں کیونکہ قرآن نے اس تقلید کی تردید کی ہے جو منصوص مسائل میں ہو اور جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح حکم کو چھوڑ کر آباؤ اجداد کی پیروی کی جائے ہم جو تقلید کرتے ہیں وہ غیر منصوص علیہ احکام میں ہے جس کے بارے میں قرآن یا حدیث میں یا قول صحابی میں وہ مسئلہ مذکور نہ ہو تو ایسے مسائل میں مجتہد کی تقلید ضروری ہے اور ایسی تقلید قرآن وسنت سے ثابت ہے۔
اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ "یعقلون" کا مصداق دلیل عقلی ہے اور ہدایت کا مصداق دلیل نقلی ہے اور ہمارے آباء ائمہ مجتہدین اہل عقل بھی تھے اور اہل ہدایت بھی تھے ہم ان پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی منشاء کی تفصیل کو بیان کرتے ہیں اور ہم ان کی تقلید کرتے ہیں یہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہمارے ائمہ "لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون" کا مصداق نہیں تھے۔ اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر باپ دادا صحیح عقیدہ پر ہوں تو ان کی اتباع ممنوع نہیں ہے قرآن کریم نے

حضرت یعقوب کی تقریر کو نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کی چنانچہ فرمایا: "مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ" (بقرہ ۱۳۳:) تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے انہوں نے کہا ہم آپ کے اور آپ کے باپ دادا ابراہیم واسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے۔ تو اس میں انہوں نے اپنے آباء کا طریقہ اختیار کرنے کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قیدی ساتھیوں کی سامنے کہا: چنانچہ سورۃ یوسف میں فرمایا: "وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ" (یوسف۔ ۳۸) اور میں اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق ویعقوب کے مذہب کا تابع ہو گیا ہوں۔ اب اس آیت میں ان آباء واجداد کا ذکر ہے جو عقل وہدایت سے مالا مال ہیں تو ان کے طریقے پر چلنا کامیابی ہے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ جو آباء واجداد عقل وہدایت پر صحیح ہوں ان کی پیروی ممنوع نہیں ہے بلکہ یہ تو ملت آبائی قرآن سے ثابت ہے۔

﴿۱۷۱﴾ **مشرکین کے سوء فہم کی مثال**: یعنی یہ مشرک اپنی بے عقلی اور ناسمجھی میں اور مقدمات دین کے سمجھانے اور سمجھنے میں اس جانور کی طرح ہیں جو آواز نکالتا ہے تو سوائے اس کے کہ وہ آواز سنائی دیتی ہے نہ وہ جانور خود اس کو سمجھتا ہے اور نہ دوسرے جانور اس کو سمجھتے ہیں، بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ یہ مثال اصنام اور بتوں کو پکارنے کی ہے کہ مشرک ان کو پکارتے ہیں مگر وہ نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔

﴿۱۷۲﴾ **اہل ایمان کے فرائض**: "اٰمَنُوْا" سے مراد وہ لوگ ہیں جو تعلیم اسلام پر چلنے کا ارادہ کرلیں "كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ" جن چیزوں کی تمہیں نبی اجازت دیتا ہے ان میں سے جو پسند آئیں وہ کھاؤ "وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ" اور تمہارا مقصود تھا یعنی عبودیت کا حق ادا کرنا اس کو پورا کرو۔ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ: خدائے واحد کے تابع فرمان ہو کر چلنے کا طریقہ یہی ہے۔
(ترجمہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

﴿۱۷۳﴾ **اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ... الخ محرمات اربعہ کی تفصیل** ❶ : "المیتہ" سے مراد مردار جانور ہے جو خود بخود مرجائے اور اس کو ذبح کرنے کی نوبت نہ آئے یا اس کو خلاف شرعی طریقہ پر ذبح کیا ہو۔ مثلاً اس کا گلا گھونٹ دیا جائے یا زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے یا لکڑی اور پتھر اور غلیل وبندوق سے مارا جائے یا اوپر سے گر کر ہلاک ہو جائے یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مرجائے یا کوئی درندہ پھاڑ ڈالے یا ذبح کے وقت قصداً تکبیر کو چھوڑ دیا جائے یہ سب صورتیں حرام اور مردار کی ہیں البتہ حدیث شریف میں دو جانوروں کا استثناء ہے۔ ① ٹڈی۔ ② مچھلی۔ (تفسیر عثمانی، ص:۱۲۰، ج۔۱)

❷ "**دم مسفوح**" جو خون ذبح کے وقت بہتا ہے مردار ہے البتہ خون جو بہتا نہ ہو۔ اس سے دو چیزیں مراد ہیں۔ ① جگر۔ ② طحال (تلی) یہ حلال ہیں۔ ❸ خنزیر کے سب اجزاء لحم و پوست واعصاب سب حرام بھی ہیں اور نجس بھی ہیں۔
(بیان القرآن، ص:۹۷، ج۔۱)

❹ **وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ: اہل کا معنی**: امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ چاند دیکھتے وقت جو آواز بلند کی جاتی ہے اس کو اہلال کہتے ہیں پھر یہ لفظ مطلقاً ہر آواز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اسی سے پیدائش کے وقت بچے کی رونے کی آواز کو "اہلال" کہتے ہیں اور "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کا معنی یہ ہے کہ جس جانور پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو، اور وہ اصنام کی خاطر ذبح کیا جائے۔ (مفردات القرآن، ص:۵۲۶، طبع مصر)

ذبح کے وقت غیر اللہ صرف اصنام میں منحصر نہیں ہے

یہ بات یاد رکھیں جن مفسرین نے ذبح کے وقت غیر اللہ مثلاً اصنام وغیرہ کا ذکر کیا ہے وہ صرف اصنام میں منحصر نہیں امام ابن

جریر طبری (المتوفی ۳۱۰ھ) اور علامہ علی بن محمد الخازن (المتوفی ۷۴۱ھ) لکھتے ہیں کہ اصنام صنم کی جمع ہے اور وہ ایسا مجسمہ ہوتا ہے جو لکڑی یا پتھر یا لوہے یا سونے یا چاندی وغیرہ سے انسانی صورت پر بنایا جائے اور وثن بھی اسی کو کہتے ہیں (جس کی جمع اوثان آتی ہے)

اب اصل مسئلہ سمجھنے کی کوشش فرمائیں؛نسبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ❶ عرفی اور شرعی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً یہ گائے زید کی ہے یہ بکرا خالد کا ہے یہ عقیقہ اور قربانی کا بکرا ہے یہ نسبت عرفی اور شرعی ہے۔ یہ نسبت نزاع سے خارج ہے اور اس نسبت کو درمیان میں لانا نری جہالت ہے۔ ❷ اور دوسری قسم ہے تقرب اور تعظیم لغیر اللہ کی جس میں غیر کا تقرب و تعظیم ملحوظ ہو تو ایسا جانور یقیناً حرام ہے کیونکہ اس کا نظریہ یہ ہے کہ اس کے لئے دوں گا تو فائدہ ہوگا وگرنہ نقصان۔ نسبت عرفی شرعی کی مثالیں قرآن وحدیث سے سماعت کریں وگرنہ اہل بدعت خوب شور ڈالتے ہیں اور بات کو صاف نہیں ہونے دیتے۔ غور کریں، عقیقہ مستحب ہے اور وہ بچے کی پیدائش کے بعد ساتویں دن کیا جاتا ہے اگر نہ ہو سکے تو چودھویں دن کیا جائے اگر چودھویں دن بھی نہ ہو سکے تو اکیسویں دن یہ حدیث کے الفاظ کا مفہوم ہے اور اگر کسی وجہ سے اکیسویں دن بھی نہ ہو سکے تو جس دن بچہ پیدا ہوا تھا اس دن سے ایک دن پہلے کر لیا جائے تو ساتواں دن بنے گا مثلاً جمعہ کو بچہ پیدا ہوا تو جمعرات کو عقیقہ کر لیا جائے تو ایک ہے عقیقہ کا بکرا بکری اگر لڑکا ہے تو اس کی طرف سے دو اور اگر لڑکی ہے تو ایک دینا ہے یہ تو شریعت نے خود عقیقہ کا حکم بتایا ہے۔

اسی طرح ولیمے پر بکرا بکری ذبح کرنا اس کا حکم بھی شریعت نے بتایا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی ہیں جب انہوں نے شادی کی تو اس وقت لوگ ولیمے کے کپڑوں میں رنگ لگا دیتے تھے اسلام نے اس کو منع کیا ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر رنگ دیکھا تو فرمایا کیا آپ نے شادی کی ہے اس پر انہوں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا "اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ" ولیمہ کر چاہے بکری ذبح کر کے کھلا دے۔ (بخاری شریف: ج:۱: ص ۵۲۵)

بعض کہتے ہیں ولیمہ سنت مؤکدہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مستحب ہے مگر اپنی حیثیت کے مطابق ہے خواہ وہ چائے کی پیالی سے ہو ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے کھجوریں اور ستو سامنے رکھ دیئے اور فرمایا کہ میں نے صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی ہے تو ولیمہ کرنا بھی آنحضرت ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔ اسی طرح قربانی کرنا بھی شریعت کا مسئلہ ہے آپ حضرات جانتے ہیں اسی طرح مہمان نوازی بھی قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچھڑا ذبح کیا تھا اپنے مہمانوں کے لئے جب بھون کر سامنے لے آئے تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا چونکہ وہ فرشتے تھے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرنے آئے تھے تو مہمانوں کیلئے چاہو جانور ذبح کرو مرغا ذبح کرو یہ جائز ہے چونکہ مہمان نوازی کا ثبوت قرآن کریم سے ہے البتہ تعظیم و تقرب کے لئے ذبح کیا جائے تو حرام ہے۔

① چنانچہ علامہ شیخ زادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے تقرب کے لئے جانور ذبح کرے تو ذبح کرنے والا کافر اور ذبح کیا ہوا جانور حرام ہو جائے گا۔ (اکلیل: ج:۱: ص۔۸۱)

② اور امام رازی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نام پر جانور ذبح کرنا خواہ وہ غیر پیغمبر ہو یا ولی اور عام اس سے کہ وہ شہید ہو یا کوئی اور حرام اور مردار ہے اور اگر ان کے نام پر تقرب کے ارادہ سے جانور ذبح کیا جائے تو ذبح کرنے والا (معاذ اللہ) مرتد ہو جائے گا اور اس ممنوع فعل سے اس پر توبہ لازمی ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:۵: ص:۱۹۲؛ تفسیر نیشاپوری: ج:۲: ص۔۱۰۳)

اور دیگر تفسیروں میں لکھا ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان جانور ذبح کرے اور اس جانور کو ذبح کرنے سے اس کی

مراد اور قصد غیر اللہ کا تقرب ہو تو ذبح کرنے والا مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبح کیا ہو جانور مرتد کا ذبیحہ قرار دیا جائے گا (جس کی حرمت پر تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے)۔ (بحوالہ زبدۃ المصابیح ص: ۲۱۳، از مولانا جمال الدین حسن علی ہاشمی)

③ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ واما ما وقع فی البیضاوی و غیرہ من التفاسیر انہم قالوا وما اھل بہ لغیر اللہ ای ما رفع الصوت بہ عند ذبحہ للصنم فمبنی علی ما جری عادۃ المشرکین فی ذلک الزمان ولذا لم یفرق اوائل التفاسیر القدیمۃ بین ما ذکر اسم غیر اللہ علیہ وبین ما قصد بذبحہ التقرب الی غیر اللہ لان مشرکی ذلک الزمان کانوا مخلصین فی الکفر و کانوا اذا قصدوا التقرب بذبح بھیمۃ الی غیر اللہ ذکروا اعلیھا عند الذبح اسم ذلک الغیر بخلاف مشرکی المسلمین فانھم یخلطون بین الکفر والاسلام فیقصدون التقرب بالذبح الی غیر اللہ ویذکرون اسم اللہ علیھا وقت الذبح فالاول کفر صریح والثانی کفر صورتہ صورۃ الاسلام و کانو یعتقدون ان لا طریق للذبح الا ھذا سواء کان للہ او لغیر اللہ و قد یجری ھذہ العادۃ فی زماننا ایضاً فانھم یشتھرون ان فلانا یذبح بقرۃ لا جل السید احمد کبیر قدس سرہ مثلاً ذکروا اسم اللہ علیھا عند امرارا السکین اولا الخ (فتاوی عزیزی ص: ۲۳، ج۔۱)

ترجمہ: جو کچھ بیضاوی وغیرہ تفاسیر میں آیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ "و اھل بہ لغیر اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ بت کے لئے ذبح کرتے وقت جو آواز بلند کی جائے سو یہ اس بات پر مبنی ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین کی عادت یونہی جاری تھی کہ وقت ذبح اپنے معبودوں کا نام بلند کرتے تھے اور اسی وجہ سے پرانی تفسیروں میں اس چیز کے بارے میں جس پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اس چیز کے بارے میں جس کے ذبح سے غیر اللہ کے تقرب کا قصد کیا گیا ہو کوئی فرق نہیں کیا گیا کیونکہ اس زمانے کے مشرک کفر میں مخلص تھے وہ جب کسی جانور کی ذبح سے غیر اللہ کے تقرب کا قصد کرتے تھے تو ذبح کے وقت اس پر غیر کا ذکر کرتے تھے، بخلاف مسلم نما مشرکوں کے کہ وہ کفر اور اسلام کو خلط ملط کرتے ہیں سو وہ ذبح سے قصد تو تقرب لغیر اللہ کا کرتے ہیں لیکن ذبح کے وقت نام اللہ تعالیٰ کا لیتے ہیں۔ پہلی صورت تو صریح کفر ہے، اور دوسری صورت ہے تو کفر مگر صورت اس کی اسلام کی سی ہے اور وہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ذبح کا صرف یہی طریقہ ہے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو یا غیر اللہ کے لیے اور بلاشبہ یہی صورت ہمارے زمانے میں بھی جاری ہے کیونکہ وہ تشہیر تو یہی کرتے ہیں کہ فلاں مثلاً سید احمد کبیرؒ کے لئے گائے ذبح کرتا ہے اور اس کے گائے پر چھری پھیرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیں یا نہ لیں۔ اس سے واضح ثابت ہوا کہ پہلے زمانے کے مشرک اپنے شرک میں مخلص ہوتے تھے جو ان کے اندر ہوتا تھا سو وہی باہر ہوتا تھا مگر اب کے کلمہ گو مشرک بڑے چالاک اور ہوشیار ہیں لیبل تو اسلام کا لگاتے ہیں مگر ان کا اندرون شرک جیسی پلید اور نجس چیز سے بھرا رہتا ہے وہ تقرب اولیاء کے نام پر جانور نامزد کرتے ہیں مثلاً یہ جانور شیخ احمد کبیر کے لیے ہے مگر ذبح کرتے وقت وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں اور یہ صورت اگرچہ ظاہر کے لحاظ سے اسلام ہے مگر حقیقت میں یہ بھی کفر ہے۔ (اتمام البرہان: ص۔ ۵۴۷)

④ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: جو شخص غیر اللہ کے تقرب کے لئے جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے بوقت ذبح اللہ کا نام لے یا نہ لے کیونکہ جب اس نے اس بات کی تشہیر کر دی کہ یہ جانور فلاں کے لئے ہے تو ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ جب وہ جانور بطور تقرب غیر کی طرف منسوب ہو گیا تو اس میں مردار سے بڑھ کر پلیدی ہو گئی اور اس میں جب یہ نجاست سرایت کر گئی تو اب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنے سے وہ حلال نہ ہوگا جس طرح کتا اور

خنزیر کہ اگر ان پر خدا تعالیٰ کا نام لے کر ان کو ذبح کیا جائے تب بھی وہ حلال نہیں ہوتے۔ (فتاویٰ عزیزی ج:۱، ص ۵۶)

⑤ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں : کہ علماء نے تصریح فرما دی ہے اگر کسی بادشاہ کے آنے پر اس کی تعظیم کی منت سے جانور ذبح کیا جائے یا کسی جن کی اذیت سے بچنے کے لئے اس کے نام کا جانور ذبح کیا جائے یا توپ کے چلنے اور اینٹوں کے پراوہ کے پکنے بطور بھینٹ جانور ذبح کیا جائے تو وہ بالکل مردار اور حرام کرنے والا مشرک ہے اگرچہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے حدیث شریف میں آتا ہے "لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ" یعنی جو غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کی نیت سے جانور کو ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے ذبح کے وقت اللہ کا نام پاک لے یا نہ لے۔ (تفسیر عثمانی، ص:۱۲۱، ج۔۱)

⑥ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور کے متعلق فتویٰ

خواہ در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلاں است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد چوں آں جانور منسوب بآں غیر گشت خبثے در وپیدا شد کہ زیادہ از خبث مردار است زیرا کہ مردار بلا ذکر نام خدا جان دادہ است و جان ایں جانور را ز آن غیر خدا قرار دادہ کشتہ اند و آں عین شرک است و ہر گاہ ایں خبث در وے سرایت کرد دیگر بذکر نام خدا حلال نمے شود مانند سگ و خوک کہ اگر بنام خدا مذبوح شوند حلال نمے گردند الخ

ترجمہ: ذبح کے وقت خدا کا نام لیں یا نہ لیں کیونکہ جب مشہور کیا گیا کہ یہ جانور فلاں کے لئے ہے تو پھر ذبح کے وقت خدا کا نام لینا کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ وہ جانور غیر خدا کی طرف منسوب ہو چکا اور اس میں اس قدر پلیدی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ مردار سے بھی زیادہ ہو گیا ہے کیونکہ مردار تو خدا کا نام لئے بغیر مر گیا ہے اور اس جانور کی جان کو غیر خدا کیلئے قرار دے کر ذبح کیا گیا ہے اور یہ بالکل شرک ہے جب پلیدی اس میں سرایت کر گئی پھر خدا کے نام لینے سے کبھی حلال نہیں ہو سکتا جس طرح کتا اور سور خدا کا نام لیکر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو سکتے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں "وَفِي الْحَدِيْثِ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ"۔ رواہ احمد وایضاً مَلْعُوْنٌ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ رواہ داؤد وفی غرائب ابی عبید و بستان الفقیہ و کنز العباد اَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ ذَبْحُ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ عِنْدَ الْقُبُوْرِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا عُقْرَ فِي الْإِسْلَامِ يَعْنِيْ عِنْدَ الْقُبُوْرِ هٰكَذَا فِيْ سُنَنِ اَبِيْ دَاوٗدَ"

ترجمہ: اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ خدا اس شخص کو لعنت کرے جس نے غیر خدا کیلئے جانور ذبح کیا (رواہ احمد) یا وہ ملعون ہے جس نے غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کیا (رواہ ابوداؤد) اور غرائب ابی عبید اور بستان الفقیہ اور کنز العباد میں ہے کہ قبروں کے نزدیک گائے اور بکری کا ذبح کرنا ناجائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "لَا عُقْرَ فِي الْإِسْلَامِ يَعْنِيْ عِنْدَ الْقُبُوْرِ" یعنی اسلام میں قبروں کے نزدیک ذبح کرنا درست نہیں سنن ابی داؤد میں بھی اسی طرح مروی ہے۔ (اعلاء کلمۃ اللہ: ص۔۵۷)

الغرض اہل بدعت کو چاہئے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے نزدیک مسلم شخصیت ہے کم از کم ان کے فتویٰ پر تو عمل کر لیں تا کہ اللہ کے ہاں ملعون ہونے سے بچ جائیں اور آج یہ ساری خرافات اولیاء اللہ کی مزارات کے پاس کی جاتی ہیں اور اس کو بزعم ان کے اہل سنت کی علامت اور پہچان کا ذریعہ بتایا جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

بدنی اور مالی طریقہ پر ایصال ثواب کا حکم : یہ مسئلہ سورۃ بقرہ کے ربع میں بھی گزر چکا ہے البتہ ایک بات یہ بھی یاد رکھیں کہ جمہور اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ میت کے لیے ایصال ثواب درست اور جائز ہے خواہ بدنی عبادت ہو خواہ مالی ہو البتہ بدنی

عبادات میں مثلاً نماز روزہ اور تلاوت قرآن کریم وغیرہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اختلاف کرتے ہیں ۔(شرح فقہ اکبر: ص ۱۵۷؛ کتاب الروح: ص: ۱۷۵؛ وغیرہ) مگر شوافع اور موالکیہ اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کا ساتھ دیتے ہیں۔ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مبسوط بحث کتاب الروح میں کی ہے اور اقرب الی الصواب بھی یہی بات ہے کہ بدنی اور مالی ہر قسم کی عبادت کا ثواب میت کو پہنچایا جاسکتا ہے۔ (راہ سنت: ص۔ ۲۴۹)

باقی رہی گیارھویں شریف اگر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے تقرب کے لئے ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اگر ایصال ثواب کیلئے ہے کہ وہ نیک پرہیزگار اور دیندار آدمی تھے تو تعینِ ایام کی وجہ سے بدعت ہے مگر بعض اہل بدعت کہتے ہیں کہ ہم گیارہویں کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی کرتے ہیں تو پھر یہ بدعت کیسے ہوئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض تم نے اپنے پیٹ کے لئے کیا ہے تا کہ کھانے پینے کا سلسلہ لمبا رہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شیخ کے علاوہ بھی تو بڑے بڑے بزرگ لوگ ہیں مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تو ان کے لئے ایصال ثواب کیوں نہیں کرتے؟ (واللہ اعلم)

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کے لذت کے لئے نہیں کھاسکتے اور ضرورت کی مقدار سے زیادہ بھی نہیں کھاسکتے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "بَاغٍ" سے مراد اسلامی حکومت کا باغی ہے کہ وہ کھاسکتا اور "عَادٍ" سے مراد ڈاکو ہے کہ ڈاکے وغیرہ کے لئے سفر کرتے ہوئے بھوک لگنے کی صورت میں نہیں کھاسکتا۔

مسئلہ: حالتِ اضطراری میں مریض کی جان کو خطرہ ہو کوئی اور دوسری دوا جان بچانے کے لئے مؤثر نہ ہو تو خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو تو اس نص قرآنی کی رو سے جائز ہے۔ (معارف القرآن: ج:۱: ص۔ ۴۲۰)

غیر اضطراری حالت میں عام علاج اور دوا کے لئے حرام چیزوں کا استعمال کے بارے میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ فقہاء متاخرین نے موجودہ زمانے میں حرام وناپاک دواؤں کی کثرت اور ابتلاء عام اور عوام کے ضعف پر نظر کر کے اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ کوئی دوسری حلال پاک دواء اس مرض کے لئے کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔

(معارف القرآن: ج:۱: ص: ۴۲۶م،ش،د)

مواعظ ونصائح

آپ کو مداح ہونا چاہیے: لوگوں کے احساسات وجذبات پر حاوی ہونا اور ان کی محبت حاصل کرنا بہت آسان کام ہے لیکن ہم لوگ دوسروں کی محبت جیتنے کے عام طریقے استعمال کرنے میں بھی غافل رہتے ہیں اگر آپ یہ کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں کہ خلق عظیم کے پیکر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ ان طریقوں کو استعمال فرماتے تھے بلکہ ان سے بھی اچھے طریقوں پر عمل فرماتے تھے ولیمہ کی نسبت سے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی کی داستان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی تعریف: عہد رسالت کا ایک واقعہ سنئے جبکہ اسلام کے ابتدائی دور میں مکہ کے مسلمان ظلم وستم کا شکار ہوئے تو انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، اور اپنا سب مال ومتاع اور گھر بار مکہ میں چھوڑ دیا۔ انہی مہاجرین میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینہ آگئے تھے۔ مکہ میں وہ ایک بڑے متمول تاجر تھے لیکن جب مدینہ آئے تو ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

مشکلات کے فوری حل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں انصار اور مہاجرین کے درمیان مؤاخات (بھائی چارہ) کا

رشتہ قائم فرمایا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ کو حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ کا بھائی بنایا۔
یہ حضرات سلیم الطبع اور صاف دل تھے۔ بھائی چارے کے بعد حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا ؛ میرے بھائی! میں مدینہ کے مالدار ترین لوگوں میں سے ہوں میرے مال کے آپ دو حصے کر لیں، ان میں سے ایک حصہ آپ لے لیں، اور ایک حصہ میرے لیے چھوڑ دیں۔"
پھر حضرت سعدؓ کو خیال آیا کہ عبدالرحمٰنؓ شادی بھی کرنا چاہتے ہوں گے اور شاید ان کو کوئی بیوی نہ ملے، لہٰذا انہوں نے پیش کش کی کہ اگر وہ چاہیں تو ان کی شادی بھی کرادوں گا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا : اللہ تعالیٰ آپ کے مال اور اہل وعیال میں برکت دے۔ (یہ اپنے پاس ہی رہنے دیں) بس مجھے یہاں کے بازار اور منڈی کا راستہ بتادیں۔
یہ صحیح ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کو اپنا سارا مال مکہ میں ہی چھوڑ کر آنا پڑا تھا کیونکہ اس پر کفار نے قبضہ کر لیا تھا لیکن وہ بہت ہوشیار آدمی تھے اور تجارت کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ بہرحال حضرت سعدؓ نے ان کو بازار کا راستہ بتا دیا انہوں نے بازار جا کر کچھ سامان خریدا اور اس کو بیچ کر خاصا نفع کمایا۔ یعنی تجارتی مال اُدھار پر لیا اور نقد پر بیچ دیا۔ اس طرح ان کے پاس خاصا سرمایہ آ گیا جس سے انہوں نے مزید تجارت کی۔ کاروبار میں تو ماہر تھے ہی۔ تھوڑے ہی دنوں میں کافی پیسہ جمع کر لیا اور شادی بھی کر لی۔
پھر وہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت ان کے کپڑوں اور بدن سے زعفران کی خوشبو آ رہی تھی جو عورتوں کی مخصوص خوشبو ہوتی ہے۔ ظاہر ہے، اب وہ غریب نہیں تھے، شادی کر چکے تھے۔
رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طبیعت کو خوب پہچانتے تھے، اور تعریف کر کے لوگوں کے دلوں کو مول لینے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے تھے جیسے ہی آپ کی نظر عبدالرحمٰنؓ پر پڑی آپ نے ان میں یہ تبدیلی بھانپ لی۔ آپ ان کے کپڑوں پر زعفران کی زردی دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فوراً پوچھا : "ہاں! عبدالرحمٰن! کیا خبر ہے؟"
حضرت عبدالرحمٰنؓ مسکرائے اور کہنے لگے : یارسول اللہ ﷺ! میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے۔"
رسول اللہ ﷺ حیران ہوئے کہ ابھی ابھی تو انہوں نے ہجرت کی ہے، اتنے جلدی شادی بھی کر لی! فرمایا : اُس کو مہر میں کیا دیا؟ انہوں نے کہا : ایک گٹھلی برابر سونا دیا ہے۔" آپ نے ان کی خوشی میں مزید اضافہ کرنے کے لیے فرمایا : اب اس خوشی میں ایک دعوت کرو، خواہ اس کے لیے ایک بکری کاٹنی پڑے۔"
پھر آپ نے ان کے مال اور تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ اور اس دعا کی برکت سے ان کا مال اور تجارت کو بڑی ترقی حاصل ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ اس کے بعد جب اپنے کاروبار اور تجارت کا ذکر کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ آپ کی اس دعا کے بعد میں نے دیکھا کہ میں پتھر بھی اٹھاتا تھا تو مجھے قوی امید ہوتی تھی کہ مجھے اس کے عوض سونا یا چاندی ملے گی۔
رسول اللہ ﷺ کمزوروں اور غریبوں پر بھی ایسے ہی توجہ رکھتے تھے۔ آپ اُن کی قدر و قیمت کا انہیں احساس دلاتے رہتے تھے۔ اور یہ بھی احساس دلاتے تھے کہ آپ ان کا کتنا خیال رکھتے ہیں اور آپ کے نزدیک ان کی کتنی اہمیت ہے کسی کا پیشہ اور کام خواہ کتنا ہی معمولی ہو آپ اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کی تعریف کرتے تھے۔ جب کبھی وہ شخص کچھ دن نظر نہیں آتا تھا تو آپ اس کا اچھے الفاظ میں ذکر فرماتے تھے۔ آپ ایسے لوگوں کے کاموں کی تعریف کر کے دوسروں کو بھی ان کے جیسے کام کرنے ترغیب دیتے تھے۔
ایک حبشی عورت اور اس کا نماز جنازہ: مدینہ میں ایک حبشی عورت تھی جو بڑی نیک مسلمان تھی۔ وہ مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ آپ اکثر اسے دیکھتے کہ بڑے شوق ولگن سے اپنے کام میں مصروف ہے۔ یہ دیکھ کر آپ بہت خوش ہوتے۔ چند دن ایسے

گزرے کہ وہ آپ کو نظر نہیں آئی تو آپ نے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ صحابہ کرام نے عرض ہے : یارسول اللہ اس کا تو انتقال ہوگیا۔ آپ نے فرمایا : تم نے مجھے نہیں بتایا دراصل ان حضرات نے اس کو اہمیت نہیں دی تھی ان کی نظر میں وہ ایک غریب گمنام عورت تھی، اتنی اہم نہیں تھی کہ اس کے انتقال کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی جاتی لہٰذا انھوں نے جواب میں اتنا کہا کہ ''اس کا انتقال رات کو ہوا تھا، ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ آپ کو جگایا جائے۔'' آپ کا دل چاہا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے کیونکہ اس کا کام اگرچہ لوگوں کی نظر میں بہت معمولی اور حقیر تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اب کیسے نماز جنازہ پڑھی جائے جبکہ وہ دفن بھی کی جاچکی ہے؟ آپ نے فرمایا : ''مجھے اس کی قبر تک لے چلو''۔ صحابہ کرامؓ آپ کو اس کی قبر پر لے آئے۔ آپ نے وہیں اس کی نماز جنازہ پڑھ لی۔ پھر آپ نے فرمایا : ''ان قبروں میں مرحومین پر اندھیرا چھایا رہتا ہے پھر جب میں ان کی نماز جنازہ پڑھ کر دعا کرلیتا ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو منور فرمادیتا ہے ذرا غور کیجئے جن لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ آپ نے ایک ضعیف عورت کے اتنے معمولی کام کو اتنی اہمیت دی ہے تو ان کے دل و دماغ پر کیا اثر ہوا ہوگا مجھے یقین ہے کہ ان کے دل میں بھی ایسے یا اس سے بڑے نیکی کے کام کرنے کا جوش وجذبہ پیدا ہوا ہوگا۔

﴿۱۷۴﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ ... الخ تحریم دین فروشی اور اسکے نتائج : حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلے پارے میں کتمان حق کا جو بیان ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب حضور ﷺ کی بعثت کے متعلق جو پیشینگوئیاں موجود تھیں انہیں چھپاتے تھے اور اس مقام پر کتمانِ حق کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام بابت حلال وحرام وغیرہ کو چھپاتے تھے۔ کتمانِ حق بلاشبہ کفر ہے۔ (بحوالہ تفسیر معالم العرفان: ج: ۳ ص۔ ۱۴۸)

وَلَا یُزَکِّیۡہِمۡ ... الخ اللہ ان کا تزکیہ بھی نہیں کریں گے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ان الموحدین لا یخلدون فیھا'' خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والے دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے مگر یہاں پر کتمان حق کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کبھی پاک نہیں کرے گا بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہیں گے۔

﴿۱۷۶﴾ سبب عذاب۔

فائدہ : یہاں تک تدبیر منزل کا ادنیٰ حصہ ختم ہوگیا ہے جس میں کمانے اور صرف کرنے کے اصول بتلائے گئے ہیں۔

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو۔ بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے

اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ وَالۡکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ

جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اللہ کے فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور اللہ تعالیٰ کے سب نبیوں پر اور دیا اس نے مال اس کی محبت پر

ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ وَالسَّآئِلِیۡنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ

قرابت داروں کو ، یتیموں کو، مسکینوں کو، اور مسافروں کو اور محتاجوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں

وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِہِمۡ اِذَا عٰہَدُوۡا ۚ وَالصّٰبِرِیۡنَ

اور اس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کرتا رہا۔ اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے ہیں جبکہ عہد کرتے ہیں اور

فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾

سختی اور تکلیف میں صبر کرنے والے ہیں اور لڑائی کے وقت بھی یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں ﴿١٧٧﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

اے ایمان والو تمہارے اوپر قصاص فرض قرار دیا گیا ہے مقتولوں میں آزاد کے بدلے میں آزاد آدمی۔غلام کے بدلے میں غلام،

وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ

عورت کے بدلے میں عورت ،پس جس کو معاف کیا گیا اس کے بھائی کی طرف سے کچھ پس دستور کے مطابق پیچھے لگنا ہے اور

إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ

اس کی طرف سے نیکی کے ساتھ ادا کرنا ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے اور مہربانی ہے پس جس شخص نے اس کے بعد کی

فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٨﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧٩﴾

اس کے لیے عذاب الیم ہے ﴿١٧٨﴾ اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل مندو! تاکہ تم متقی بن جاؤ ﴿١٧٩﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

فرض کی گئی تمہارے اوپر جس وقت کہ آئے تم میں سے کسی کے پاس موت۔اگر اس نے مال چھوڑا ہے تو وصیت والدین کے حق میں

وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَن بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ

اور قرابت داروں کے حق میں دستور کے مطابق۔یہ لازم ہے پرہیزگاروں پر ﴿١٨٠﴾ پس جس شخص نے اس وصیت کو تبدیل کیا اسے سننے کے بعد

فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ

بے شک اس کا گناہ ان لوگوں پر ہے جو اس کو تبدیل کرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے ﴿١٨١﴾ پس جس نے خوف محسوس کیا

مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

وصیت کرنے والے کی طرف سے ایک طرف مائل ہونے کا یا گناہ کا پس اس نے ان کے درمیان صلح کرادی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٨٢﴾ ع

ع ۲۲ ۶

بخشنے والا مہربان ہے ﴿١٨٢﴾

﴿١٧٧﴾ لَيْسَ الْبِرَّ... الخ ربط آیات : قبلہ کے بارے میں یہود نے بہت زیادہ پروپیگنڈہ کیا تھا،اب یہاں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نیکی صرف قبلے میں بند تو نہیں اور بھی کئی نیکیوں کے راستے ہیں۔

خلاصہ رکوع ۲۲ تنبیہ یہود، اصحاب بر کے اوصاف و نتائج، حکم اول قصاص، مسئلہ سوم نظام فوجداری، اور مسئلہ چہارم نظام دیوانی، دوسرا حکم وصیت ماخذ آیات ۱۷۷ تا ۱۸۲+

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قرآن پاک کی جامع ترین آیت ہے کیونکہ اس ایک آیت میں کئی ایک مسائل آگئے ہیں دینی مسائل کا زیادہ تر تعلق اصلاح عقیدہ اخلاق یا تہذیب نفس سے ہے اور یہ سارے مسائل اس آیت میں موجود ہیں گویا یہ آیت تمام مسائل کا دینیہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس رکوع میں تدبیر منزل کا دوسرا حصہ آئے گا جس میں انتظامی مشق ہوگی علمی لحاظ سے تو قرآن کریم کو اچھا سمجھنے والا معزز قرار دیا گیا ہے اور عملی لحاظ سے اچھائی کا معیار یہ ہے کہ جو انسان گھر میں اچھا ہو وہی اچھا ہے کیونکہ جو شخص یہاں اپنے لواحق میں اچھی طرح رہ سکتا ہے وہی اوپر جا کر بھی اچھا رہے گا۔ لَيْسَ الْبِرَّ...الخ تنبیہ یہود: کہ یہی نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ...الخ اعمال صالحہ کی تفصیل: اس آیت میں اصولی طور سے تمام احکام شرعیہ اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاق کا اجمالی ذکر آگیا ہے۔ پہلی چیز اعتقادات ہیں اس کا ذکر "من اٰمن باللّٰه" میں مفصل آگیا، دوسری چیز اعمال یعنی عبادات اور معاملات ہیں ان میں سے عبادات کا ذکر "واٰتی الزکوٰۃ" تک آگیا پھر معاملات کا ذکر "والموفون بعهدهم" سے کیا گیا پھر اخلاق کا ذکر "والصابرین" سے کیا گیا آخر میں بتلا دیا گیا کہ سچے مؤمن وہی لوگ ہیں جو ان تمام احکام کی پیروی مکمل کریں اور انہی کو تقویٰ کا شعار کہا جاتا ہے۔ ان احکام کے بیان کرنے میں بہت سے بلیغ اشارات ہیں مثلاً مال کو خرچ کرنے میں "علی حبہ" کی قید لگا دی جس میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ "حبہ" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ مال خرچ کرنے میں کوئی نفسانی غرض نام و نمود کی شامل نہ ہو بلکہ اخلاص کامل کے ساتھ صرف اللہ جل شانہ کے ساتھ محبت اس خرچ کرنے کا داعیہ ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر مال کی طرف راجع ہو تو یہ مراد ہوگی کہ اللہ کی راہ میں وہ مال خرچ کرنا موجب ثواب ہے جو انسان کو محبوب ہو بیکار چیزیں جو پھینکنے کی تھی ان کو دے کر صدقہ کا نام کوئی صدقہ نہیں اگرچہ پھینکنے کی نسبت سے بہتر یہی ہے کہ کسی کے کام آسکے تو اس کو دیدے۔ تیسرا احتمال یہ ہے لفظ "اٰتی" میں جو اس کا مصدر "ایتا" مفہوم ہوتا ہے اس کی طرف ضمیر راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ وہ اپنے خرچ کرنے پر دل سے راضی ہو یہ نہ ہو کہ خرچ تو کر رہا ہے مگر اندر سے دل دکھ رہا ہے۔

امام جصاص رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ تینوں ہی چیزیں مراد میں داخل ہوں پھر اس جگہ مال خرچ کرنے کی دو صورتیں مقدم بیان کر دیں جو زکوٰۃ کے علاوہ ہیں زکوٰۃ ادا کرنے کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن: ج:۱؛ ص۔ ۴۳۲)

وَفِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ...الخ "باساء" ایسی تکلیف کو کہتے ہیں جو مالی طور پر پیش آئے، اور "ضراء" ایسی تکلیف کو کہتے ہیں جو بدنی طور پر پیش آئے۔ (معالم التنزیل: ص:۱۰۱؛ ج:۱؛ تفسیر منیر: ص:۹۴؛ ج۔۱)

﴿۱۷۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ...الخ ربط آیات: اوپر نیکی اور خوبی کے اصول بیان کئے گئے تھے آگے ان جزئیات کی تفصیلات ہے۔

مسئلہ سوم و حکم اول قصاص و قانون فوجداری

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں نظام حکومت میں دو صیغے ہیں فوجداری اور دیوانی ان دو آیتوں (۱۷۸۔۱۷۹) میں نظام فوجداری سکھایا گیا ہے ابتدائی سلسلہ اس کا گھر سے شروع ہوتا ہے، مثلاً اگر گھر میں لڑائی ہو تو کس طرح فیصلہ ہوگا گھر کا بڑا آدمی اس قسم کے فیصلے کرے گا کہ گھر میں سیاست کا مادہ پیدا ہو سکے۔ قصاص کے لفظی معنی مماثلت کے ہیں مراد یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر

کیا اتنا ہی بدلہ دوسرے کے لئے جائز ہے اس سے زیادتی کرنا جائز نہیں، شریعت کی اصطلاح میں قصاص کہتے ہیں کہ قتل کرنے اور زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو۔

قتل عمد کی تعریف : قتل عمد وہ ہے کہ ارادہ کر کے کسی کو ایسے ہتھیار سے یا ایسی چیز جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہہ سکے قتل کیا جائے، قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینا ایسے ہی قتل کے جرم کے ساتھ مخصوص ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ زمانہ اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہوگئی طرفین کے بہت سے آدمی آزاد اور غلام مرد اور عورتیں قتل ہو گئے ابھی ان کا تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ زمانہ اسلام شروع ہو گیا اپنے اپنے مقتولین کے قصاص لینے کی گفتگو شروع ہوئی تو ایک قبیلہ جو قوت و شوکت والا تھا اس نے کہا ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک ہمارے غلام کے بدلے میں تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے میں مرد نہ قتل کیا جائے ان کے جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر: ص: ۲۷۰ ج ۱)

اسلام نے اپنا عادلانہ قانون نافذ کیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلے میں قتل کرنا اسی طرح قاتل اگر غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد کو قتل کرنا ظلم عظیم ہے جو اسلام میں قطعاً برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

مسئلہ: ❶ اگر قتل عمد میں قاتل کو پوری معافی دے دی جائے مثلاً مقتول کے وارث صرف اس کے دو بیٹے تھے۔ اور ان دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا ہے تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہیں رہا اور اگر پوری معافی نہ ہو مثلاً صورت مذکورہ میں دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کیا دوسرے نے معاف نہیں کیا تو سزائے قصاص سے قاتل بری ہو گیا مگر معاف نہ کرنے والے کو نصف (خون بہا) دلایا جائے گا۔ اور دیت خون بہا شریعت میں سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہوتے ہیں اور درہم آج کل کے مروجہ وزن کے اعتبار سے تقریباً (ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے تو پوری دیت دو ہزار نو سو سولہ تولے:۸: ماشے چاندی کی ہوگی: یعنی ۳۶: سیر :۶ تولے:۸: ماشے۔

مسئلہ: ❷ مقتول کے جتنے شرعی وارث ہیں وہی قصاص اور دیت کے مالک بقدر حصہ میراث کے ہوں گے اگر دیت یعنی خون بہا لیا گیا تو مال ان وارثوں میں بحساب وراثت تقسیم ہوگا، مزید مسائل کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

﴿۱۸۰﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ.... الخ دوسرا حکم وصیت و مسئلہ چہارم قانون دیوانی : اس آیت میں چوتھا مسئلہ نظام دیوانی کا ذکر ہے کہ جس طرح مالدار کے لئے وصیت میں انصاف کا خیال رکھنا لازمی ہے اسی طرح مال کے ہر معاملے میں عدل و انصاف کا ملحوظ رکھنا لوازم انسانیت میں سے ہے۔ وصیت ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم دیا جائے خواہ زندگی میں ہو یا بعد الموت لیکن عرف میں اس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم بعد الموت ہو۔ مسئلہ: ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔ مسئلہ: آدمی کو جو ایک تہائی مال سے وصیت کرنے کا حق دیا گیا ہے اپنی زندگی میں اس کو یہ بھی حق رہتا ہے کہ اس وصیت میں کوئی تبدیلی کر دے یا بالکل ختم کر دے۔ (جصاص) وارثوں کیلئے مرنے والے کا اپنے مال میں سے وصیت کرنے کا حکم اب منسوخ ہو گیا ہے یہ اس وقت تھا جب ورثاء کے لئے وراثت کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں اگر والدین یا اعزہ غیر مسلم ہوں اس حالت میں یہی آیت معمول بہا ہو سکتی ہے۔

﴿۱۸۱﴾ وصیت کو تبدیل کرنے کا جرم محرف پر ہوگا : مرنے والے کے بعد وصیت تبدیل کرنے کا جرم اس کے

بدلنے والوں پر ہوگا خواہ وہ وصی ہوں یا گواہ ہوں یا دوسرے لوگ ہوں نہ کہ وصیت کرنے والوں پر گناہ ہوگا۔

﴿۱۸۲﴾ عدم گناہ بر مصلح: البتہ جس شخص کو وصیت کرنے والوں کی جانب سے نادانستہ کسی بدعنوانی اور غلطی کا یا قصداً کسی جرم کے ارتکاب کا علم ہوجائے اور بات کی تحقیق ہوجائے کہ مرنے والے نے غلطی سے وصیت کرنے میں کوئی خطاء کی ہے یا جان بوجھ کر کوئی گناہ کیا ہے مثلاً ایک ثلث سے زیادہ وصیت کردی یا غیر مستحق کو مال دلوادیا یعنی مالدار کو پھر اس شخص نے وصیت میں کچھ تبدیلی کر کے موصی الیہم صلح کرادی اور ان کا باہمی نزاع ختم کرادیا تو یادرکھو اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ

اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ

تم سے پہلے گزرے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ﴿۱۸۳﴾ چند گنے ہوئے دن ہیں۔ پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ

سفر پر ہو پس دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرتا ہے اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہیں ایک مسکین کا طعام فدیہ ہے

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾

پس جو شخص خوشی سے نیکی کرے گا وہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر تم روزے رکھو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو ﴿۱۸۴﴾

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس کے اندر قرآن نازل کیا گیا ہے وہ قرآن جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کی واضح

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ

اور روشن دلیلیں ہیں اور فیصلہ کرنے والی بات ہے پس تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں حاضر ہو پس اس کو اس کا روزہ رکھنا چاہیے اور جو شخص بیمار ہو یا

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

سفر پر ہو پس دوسرے دنوں کی گنتی پوری کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تمہارے ساتھ دشواری کا ارادہ نہیں کرتا۔

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾ وَإِذَا سَأَلَكَ

اور تاکہ تم گنتی پوری کرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ ﴿۱۸۵﴾ اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھتے ہیں

عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي

پس میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس چاہیے کہ یہ لوگ میرا حکم مانیں

وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ

اور چاہیئے کہ یہ مجھ پر یقین رکھیں تا کہ یہ ٹھیک راہ پاجائیں ﴿۱۸۶﴾ حلال قرار دیا گیا ہے تمہارے لیے روزہ کی راتوں میں

نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ

اپنی عورتوں کے ساتھ بے پردہ ہونا وہ تمہارے لیے بمنزلہ لباس کے ہیں اور تم ان کے لیے بمنزلہ لباس کے ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے

أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ

پس اللہ نے تمہارے اوپر رجوع فرمایا ہے مہربانی کے ساتھ اور تم کو معاف کردیا ہے پس اب ملو عورتوں سے اور تلاش کرو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے

لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ

اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صاف ظاہر ہوجائے تمہارے لیے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے

الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ

سے فجر سے پھر پورا کرو روزہ کو رات تک اور نہ ملو عورتوں سے اس حال میں کہ تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھنے والے ہو۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

یہ اللہ کی قائم کردہ حدیں ہیں پس ان کے قریب نہ جاؤ اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں تا کہ وہ متقی بن جائیں ﴿۱۸۷﴾

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ

اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال اپنے درمیان باطل اور حق کے ساتھ اور نہ پہنچاؤ مالوں کو حاکموں تک تا کہ تم

ع ۲۳ ۷ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

لوگوں کے مالوں سے ایک گناہ کے ساتھ کھاؤ اور تم جانتے ہو ﴿۱۸۸﴾

﴿۱۸۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ... الخ تیسرا حکم صوم و مسئلہ پنجم اشاعت تعلیم قرآن۔

خلاصہ رکوع: ۲۳ روزہ کی فرضیت اور اس کے احکام، مسئلہ پنجم اشاعت تعلیم قرآن، قرب و اجابت باری تعالیٰ، اعتکاف کا بیان، تاکید احکام مذکورہ، شفقت خداوندی، چھٹا حکم معاملات ممانعت مال حرام۔ ماخذ آیات ۱۸۳: تا ۱۸۸+

اس آیت میں روزہ کی فرضیت کا ذکر ہے۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں روزے کا مقصد قانون الٰہی کی پابندی سکھلانا ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی امتوں میں بھی روزے فرض تھے رمضان المبارک میں تین چیزیں مقصود نظر آتی ہیں۔ پہلی چیز گھروں میں دینی تعلیم کی اشاعت، دوسری چیز قانون الٰہی اور روح کو مذہب کا پابند بنانا، تیسری چیز انتظام قائم کرنا۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں اقوام عالم میں ایک دستور معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں جس قوم پر کوئی نعمت نازل ہو، اس وقت اور اس دن اس کی سالگرہ

مناتے ہیں، اور خوشی کرتے ہیں مسلمانوں پر نزول قرآن ایک نعمت عظمیٰ ہے، اور اس کا نزول رمضان المبارک میں ہوا ہے لہٰذا قرآن کریم کی سالگرہ رمضان المبارک میں منائی جاتی ہے اور اس میں قرآن کریم کو دہرایا جاتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کا نصاب تعلیم قرآن ہے زمانہ تعلیم رمضان ہے، اور طریقہ تعلیم صلوٰۃ التراویح ہے۔ صوم کے لفظی معنی امساک یعنی رکنے اور بچنے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں کھانے پینے اور عورت سے مباشرت کرنے سے رُکنے اور باز رہنے کا نام صوم ہے بشرطیکہ وہ طلوع صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک مسلسل رکا رہے، اور نیت روزے کی بھی ہو اسلئے اگر غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی کچھ کھا پی لیا تو روزہ نہیں ہوگا۔ اور تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد نیکی کرنا آسان اور گناہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

﴿۱۸۴﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ... الخ مدت صوم : تھوڑے دن روزے رکھ لیا کرو ان تھوڑے دنوں سے مراد رمضان المبارک کا مہینہ ہے جیسا کہ آگے تفصیل مذکورہ ہے، منکرین حدیث کہتے ہیں "ایام" جمع قلت ہے جس کا اطلاق تین سے لیکر دس تک ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان شریف کے روزے دس سے کم ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسی رکوع کی : آیت: ۱۸۵ میں موجود ہے "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" اس سے معلوم ہوا کہ روزے پورا ایک مہینہ ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ رضی شارح کافیہ نے تصریح کی ہے بہت سے مقامات پر جمع قلت جمع کثرت کے معنی میں آتا ہے۔ نوٹ : رضی علم نحو کا امام ہے مگر غالی شیعہ ہے۔

"فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا... الخ احکامات مریض : اس سے مراد وہ مریض ہے جو خود ترک صوم کا فیصلہ کرے فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ سمجھتا ہے کہ میں روزہ نہیں رکھ سکتا۔ روزہ چھوڑانے والے ڈاکٹر کے لئے تین شرطیں ہیں۔ ❶ وڈاکٹر ترک صوم کا حکم کرتا ہے وہ خود مسلمان ہو۔ ❷ وہ ڈاکٹر صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو۔ ❸ ڈاکٹر ماہر فن ہو۔ "اَوْ عَلٰى سَفَرٍ" سفر کے بارے میں فقہاء نے میلوں کے حساب سے اڑتالیس میل لکھے ہیں۔ مسئلہ : جو شخص پندرہ دن کے قیام کی نیت سے ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق مقامات شہروں اور بستیوں میں رہے تو وہ بدستور مسافر کے حکم میں رہ کر رخصت سفر کا مستحق رہے گا کیونکہ وہ "عَلٰى سَفَرٍ" کی حالت میں ہے۔ "وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ"... الخ اس میں تین تفسیریں ہیں ❶ ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا چاہے روزہ رکھیں یا فدیہ دے دیں بعد میں یہ حکم منسوخ ہوا اور "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" یہ ناسخ ہے۔

(روح المعانی: ص ۶۲۲: ج:۲؛ ابن کثیر: ص:۳۳۵: ج:۱؛ مظہری: ص:۱۹۱: ج:۱)

❷ دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں لا محذوف ہے یعنی "لا یطیقونہ"۔ (مظہری: ص:۱۹۲: ج:۱) ❸ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں "لا" مقدر نہیں بلکہ یہاں باب افعال کا ہمزہ سلب کے لئے ہے۔ (روح المعانی: ص:۶۲۳: ج:۲)

مسئلہ: ایک روزے کے فدیہ کی مقدار نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ہے نصف صاع گندم پونے دو سیر ہے اس کی بازار سے قیمت معلوم کر کے کسی غریب کو مالک بنا دینا ہے بشرطیکہ کسی مسجد مدرسہ کی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

مسئلہ: اگر کسی کو فدیہ ادا کرنے کی وسعت نہ ہو تو فقط استغفار کرے اور دل میں نیت رکھے کہ جب ہو سکے گا ادا کروں گا۔

(بیان القرآن: ص:۱۰۳: ج:۱)

﴿۱۸۵﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ.... الخ نزول قرآن کا مہینہ اور تعین ایام صوم : اس آیت میں اشاعت تعلیم قرآن کا ذکر ہے قرآن کریم لوگوں کے لئے ہدایت ہے مگر اس شخص کیلئے جو خالی الذہن ہو اور اگر دوسری چیزوں سے دماغ بھرا ہوا ہو تو مشکل ہے اس بات کو ایک مثال سے استاذ محترم مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ سمجھاتے تھے وہ اس طرح کہ پیالہ خالی

ہے اس میں تم ہیرے اور موتی ڈالو تو آئینگے اور اگر پیالہ خشک گوبر سے بھرا ہوا ہو تو موتی نیچے گر جائیں گے ہمارے دل اس وقت گناہوں کے گوبر سے بھرے ہوئے ہیں اس لئے صحیح بات ہمارے برتن میں نہیں آتی بلکہ نیچے گر جاتی ہے اگر ہمارے برتن خالی ہوں تو پھر یہ ضرور اس میں آسکتے ہیں۔

﴿۱۸۶﴾ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي ۔۔۔الخ قرب واجابت باری تعالیٰ :اس مختصر آیت میں بندوں کے حال پر حق تعالیٰ کی خاص عنایت اور روح تعلیم کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ ان کی دعائیں سننے والا اور قبول کرنے والا ہے دعا عمدہ زیور ہے جب شرائط سے مانگی جائے تو نتائج ضرور مرتب ہوں گے۔شان نزول : کسی گاؤں والے نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارا رب اگر ہم سے قریب ہے تو ہم آہستہ آواز سے مانگا کریں اور اگر دور ہے تو آواز سے پکارا کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ابن کثیر: ص: ۲۰۴ ج:۱؛ کشاف، ص: ۲۲۸؛ ج۔۱)

فَإِنِّي قَرِيبٌ : میں اشارہ ہے دعا آہستہ کرنی چاہیئے دعا میں آواز بلند کرنا پسند نہیں۔

دعا مانگنے کی فضیلت

دعا کے متعلق سورۃ مومن آیت (۶۰) کے ذیل میں تفسیر ضرور دیکھیں، اور آہستہ مانگنے کے بارے میں سورۃ اعراف آیت (۵۵) کے ذیل میں ملاحظہ کریں البتہ یہاں دعا کی فضیلت کو ضروری مدنظر رکھیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بہت بڑی عبادت ہے کتب حدیث میں بے شمار احادیث موجود ہیں چنانچہ ایک حدیث شریف میں اس طرح آیا ہے کہ :اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ : (مشکوۃ ص ۱۹۴ ؛ج:۱) ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا عبادت کا خلاصہ ہے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ "لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمُ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَاءِ :(مشکوہ ص :۱۹۴ ؛ج:۱) ترجمہ: کہ دعا سے زیادہ پیاری اور محبوب چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور کوئی نہیں ہے۔بلکہ ایک روایت میں یوں آتا ہے۔مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ :(ترمذی: ص: ۱۷۳؛ ج۔۲) ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ مَنْ لَا يَدْعُو اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ :(مستدرک :ص :۴۹۱ ؛ج ۱) ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا تو وہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔کیونکہ ہر چیز کے خزانے صرف اسی کے پاس ہیں تو جو شخص اس قادر مطلق کے خزانے اور اس کا در چھوڑ کر کہیں اور ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے تو وہ اس سے یقیناً ناراض ہوتا ہے کہ وہ قادر کو چھوڑ کر عاجز کے پیچھے بھاگتا ہے۔

مواعظ ونصائح

دعا کر کے لوگوں کے دل جیتنا: آپ کو لوگوں کے دل جیتنے کے لیے کس طرح دعا کرنی چاہیئے :سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو حسن اخلاق کی بدولت اور توفیق عطا فرمائے، جیسا کہ ہمارے حبیب ﷺ اس کے لیے یوں دعا فرماتے تھے :اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ أَنْتَ إِلَّا اهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا إِنَّهُ لَا يَصْرِفُ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ بِيَدَيْكَ۔

("اے اللہ سب تعریفیں تیرے لیے ہیں۔تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔تیری ذات پاک ہے اور آپ تعریف کے لائق ہیں ۔میں نے اپنے پر ظلم کیا ہے اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔تو میرے گناہوں کو بخش دے، تیرے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو معاف کر سکے۔مجھے حسن اخلاق کی ہدایت فرما کہ تیرے سوا کوئی نہیں جو اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی کر سکے، اور برے

اخلاق کو مجھ سے دور فرمادے کہ تیرے سوا کوئی نہیں جو ان برے اخلاق کو دور کر سکے۔ میں تیری خدمت میں حاضر ہوں اور تیری فرمانبرداری کے لیے تیار ہوں، بے شک ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے۔" (مسند ابوعوانہ)

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ دعا کے ذریعہ لوگوں کے دل کیسے جیتے جائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ عام طور پر لوگ اپنے لیے دعائیہ کلمات سننا پسند کرتے ہیں حتیٰ کہ اسلام اور ملاقات کے وقت بھی وہ آپ سے دعائیہ کلمات سن کر خوش ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کے بعد جب آپ ان سے کہیں "کیا حال ہے؟" تو ساتھ یہ بھی کہیے کہ: "اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت عطا فرمائے"۔ "اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے"۔ "اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے۔" لیکن خیال رہے کہ آپ کے دعائیہ جملے گھسے پٹے اور رسمی قسم کے نہ ہوں، جو وہ عام طور پر سنتے رہتے ہیں اور ہر وقت ان کے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔

اور اگر کسی سے ملاقات کے وقت اس کے بچے بھی اس کے ساتھ ہوں تو ان کے لیے بھی اس طرح دعا کریں کہ ان کے والد بھی سن لیں۔ مثلاً کہیے "اللہ تعالیٰ ان سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائے"۔ "اللہ تعالیٰ ان میں اتفاق و محبت رکھے"۔ "اللہ تعالیٰ ان کو ہونہار اور آپ کا فرمانبردار بنائے"۔ وغیرہ۔ نبی کریم ﷺ کو اس سلسلہ میں اولیت حاصل ہے۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے، ان کے دل جیتنے اور ان کو دین سے قریب لانے میں آپ ہی نے سب سے پہلے دعا کرنے کا طریقہ شروع فرمایا ہے۔ طفیل بن عمرو (یثرب میں) قبیلہ دوس کے مقتدر سردار تھے۔ ایک دن وہ کسی کام سے مکہ مکرمہ آئے۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو قریش کے رؤسا ان کو دیکھ کر ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ "آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟

انہوں نے بتایا کہ (یثرب کے) قبیلہ دوس کا سردار ہوں"۔ رؤسا قریش کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ طفیل کی ملاقات رسول ﷺ سے ہو جائے اور وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ لہٰذا انہوں نے طفیل سے کہا: "یہاں مکہ میں ایک شخص ہے جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے پاس بیٹھنے یا اس کی باتیں سننے سے بچتے رہنا کیونکہ وہ جادوگر ہے۔ اگر تم نے اس کی باتیں سنیں تو تمہاری عقل کام کرنا چھوڑ دے گی۔"

طفیل بتاتے ہیں کہ "واللہ! وہ اسی طرح کی باتیں کر کے مجھے ڈراتے رہے۔ آخر میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ میں اس شخص کی باتیں ہرگز نہیں سنوں گا۔ اور نہ اس سے کوئی بات کروں گا۔ بلکہ میں نے اپنے کانوں میں روئی کے پھوئے ٹھونس لیے تاکہ اگر اس شخص کے پاس سے بھی گزروں تو اس کی کوئی بات میرے کان میں نہ چلی جائے۔"

طفیل بتاتے ہیں کہ پھر میں مسجد (حرام) میں گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں بھی ان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ خدا نے ان کے منہ سے نکلے ہوئے کچھ کلمات مجھے سنا دیئے۔ وہ مجھے بڑے اچھے لگے۔

میں نے دل میں کہا: "میری ماں مجھے روئے، واللہ! میں ایک باعقل انسان ہوں۔ مجھے اچھے برے کی تمیز ہے۔ تو اس شخص کی باتیں سننے میں کیا حرج ہے۔ اگر وہ باتیں اچھی ہوئیں تو انہیں قبول کر لوں گا، اور اگر بری ہوئیں تو چھوڑ دوں گا، قبول نہیں کروں گا۔" یہ سوچ کر میں وہیں ٹھہر گیا اور آپ کے نماز ختم کرنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب آپ نماز پڑھ کر گھر جانے لگے تو میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا۔ جب آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ اندر آ گیا۔

میں نے کہا: "اے محمد! تمہاری قوم نے تمہارے بارے میں مجھ سے یہ کہا ہے۔ واللہ! مجھے انہوں نے تم سے اتنا ڈرایا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی کے پھوئے بنا کر ٹھونس لیے تاکہ میں تمہاری کوئی بات نہ سن سکوں۔ لیکن (کچھ دیر پہلے) میں نے

تمہارے منہ سے بڑے اچھے کلمات سنے ہیں۔ اب ذرا مجھے اپنی اصل بات بتاؤ جو تم لوگوں کو پیش کرنا چاہتے ہو۔"

نبی کریم ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور طفیل کے آگے اسلام پیش کیا اور قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔

رسول اللہ ﷺ کی باتیں سن کر طفیل نے اپنی حالت پر غور کیا تو ان کو محسوس ہوا کہ وہ تو ہر روز اللہ تعالیٰ سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں، کیونکہ وہ پتھر کو پوج رہے ہیں جس سے دعا مانگو تو وہ دعا سنتا نہیں ہے، اس کو پکارو تو پکار کا جواب نہیں دیتا۔ اس حق کی تعلیم نے یہ سب کچھ واضح کر دیا ہے۔ پھر طفیل نے یہ سوچنا شروع کیا کہ اگر میں نے اسلام قبول کر لیا تو اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ میں اپنا اور اپنے اباؤ اجداد کا دین کیسے تبدیل کر لوں۔!! لوگ پھر میرے بارے میں کیا کہیں گے؟ جو زندگی میں گزار چکا ہوں اس کا کیا بنے گا؟ جو مال و دولت جمع کی ہے اس کا کیا ہوگا؟ بیوی، بچے، ہمسائے اور دوست احباب کیا کہیں گے؟

یہ سب باتیں ان کو پریشان کر رہی تھیں۔ وہ ساکت ہو کر ان باتوں پر غور کرنے لگے۔ پھر باتیں انھوں نے دنیا و آخرت کا موازنہ کیا تو یکدم فیصلہ کر کے دنیا کو دیوار سے دے مارا اور پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ دین اسلام پر مضبوطی سے قائم رہیں گے۔ جس کو راضی ہونا ہے وہ راضی ہو، اور جو ناراض ہونا چاہتا ہے وہ ناراض ہو جائے۔ جب آسمان والا راضی ہے تو زمین والے کیا کر لیں گے۔ رزق اور مال تو اس کے ہاتھ میں ہے جو آسمان میں ہے۔ بیماری اور صحت بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جاہ و منصب بلکہ زندگی اور موت بھی آسمان والے کے ہاتھ میں ہے۔ جب آسمان والا راضی ہے تو دنیا کے نقصانات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی محبت مل گئی تو اب اس کے بعد جو چاہے ناراض ہو، جو چاہے اس سے نفرت کرے اور جو چاہے اس کا مذاق اڑائے۔

؎ میری آرزو ہے کہ تو میٹھا ہو، دنیوی زندگی چاہے کتنی کڑوی ہو۔ خواہش ہے کہ تو راضی ہو، مخلوق چاہے ناراض ہو۔

؎ آرزو ہے کہ میرے اور تیرے درمیان کی جگہ شاداب و آباد ہو۔ چاہے میرے اور دنیا والوں کی درمیانی جگہ بنجر و برباد ہو۔

؎ جب تیری محبت حاصل ہوگئی تو ہر کام آسان ہے۔ اور مٹی کے اوپر جتنی چیزیں ہیں سب مٹی ہیں۔

جی ہاں! طفیلؓ نے وہیں اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ پھر طفیل میں ہمت پیدا ہوئی، اور ایمان و اسلام کا جوش موجزن ہوا رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "یا نبی اللہ! میری قوم میری اطاعت کرتی ہے۔ میں اب ان کے پاس واپس جاؤں گا تو ان کو اسلام کی دعوت دوں گا۔" پھر طفیلؓ مکہ سے اپنی قوم کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کا دل اب دین اسلام کے جذبہ سے پُر تھا۔ وہ اسی جذبہ کے ساتھ پہاڑوں اور وادیوں کو پار کرتے ہوئے اپنی قوم کے دیار میں پہنچے۔

وہ گھر میں آئے تو سب سے پہلے اپنے بوڑھے باپ سے ملاقات ہوئی۔ طفیلؓ نے سوچا کہ ان کو اسلام کی دعوت محتاط طریقہ سے دی جائے۔ طفیلؓ نے کہا: "ابا جان! اب میرا اور آپ کا راستہ جدا جدا ہے۔" والد نے گھبرا کر پوچھا: "وہ کیوں بیٹا؟" طفیلؓ نے کہا: "کیونکہ اب میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کا دین اختیار کر لیا ہے۔" والد نے کہا: "جو تمہارا دین ہے وہی میرا دین ہوگا۔" طفیلؓ نے کہا: "تو آپ نہا دھو کر اور پاک صاف کپڑے پہن کر آئیے تاکہ میں آپ کو دین اسلام کی وہ باتیں بتاؤں جو مجھے بتائی گئی ہیں۔"

ان کے والد نہا کر اور پاک صاف کپڑے پہن کر آئے۔ بیٹے نے ان کو اسلام کی تعلیمات بتائیں اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر یہی صورت حال بیوی کے ساتھ پیش آئی۔ اپنی بیوی سے بھی انھوں نے یہی کہا کہ "اب میرا اور تمہارا تعلق ختم۔"

بیوی نے کہا: "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آخر یہ کیوں؟" انھوں نے کہا: "کیونکہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میں اب محمد ﷺ کے دین کا تابع ہوں۔" بیوی نے کہا: "میں بھی آپ کے دین پر چلوں گی۔" انھوں نے کہا: تو پھر نہا کر پاک

صاف کپڑے پہن کر میرے پاس آؤ۔" بیوی جانے لگی تو اسے خیال آیا کہ ہم نے اپنے بت کی پوجا چھوڑ دی تو وہ ہمارے بچوں کو نقصان پہنچائے گا۔ یہ سوچ کر وہ واپس آئی اور کہنے لگی: "میرے ماں باپ آپ پر فدا! آپ کو 'ذوالشریٰ' کا خوف نہیں ہے کہ وہ کہیں ہمارے بچوں کو نقصان نہ پہنچادے۔" (ان کے بت کا نام ذوالشریٰ تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے اوران کا اعتقاد تھا کہ جو اس کی عبادت ترک کردے گا وہ اس کو یا اس کے بچوں کو نقصان پہنچائے گا)۔

طفیل رضی اللہ عنہ نے کہا: "تم جاؤ، میں اس کا ضامن ہوں کہ ذوالشریٰ بچوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔" بیوی بھی پاک صاف ہو کر آئی تو طفیل رضی اللہ عنہ نے اس کو اسلام کی تعلیمات بتائیں اور وہ بھی مسلمان ہوگئی۔ اب طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کا دورہ شروع کیا اور گھر گھر جا کر ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ان کے اجتماعوں میں گئے، بازاروں میں اُن سے ملے۔ لیکن ان لوگوں نے بتوں کی عبادت چھوڑنے سے انکار کردیا۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا۔ وہ پھر مکہ جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا: "یارسول اللہ! قبیلۂ دوس کے لوگ نافرمان ہوگئے ہیں اور انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ آپ ان کے لیے بددعا فرمائیں۔"

یہ سن رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا، اور آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے۔ یہ دیکھ کر طفیل رضی اللہ عنہ نے دل میں سوچا کہ اب تو دوس ہلاک ہوجائیں گے۔ یہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے یہ دعا کی "یا اللہ! دوس کو ہدایت دے یا اللہ! دوس کو ہدایت عطا فرما۔" پھر آپ نے طفیل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ اور ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان سے نرمی برتو۔" حضرت طفیل رضی اللہ عنہ واپس یثرب گئے۔ اپنے قبیلہ والوں کو دوبارہ اسلام کی دعوت دی، اور تھوڑی عرصہ میں ان سب لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ جی ہاں! دیکھئے، نبی رحمت ﷺ نے کیسے اچھے طریقہ سے آسمان کے دروازے کھٹکھٹائے۔ آپ کا یہ طریقہ صرف حضرت طفیل رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم کے لیے ہی مخصوص نہیں تھا بلکہ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کے لیے بھی تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت اسلام: اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تو اس ابتدائی دور میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ مردوں کی تعداد اڑتیس سے زیادہ نہیں ہوگی۔ ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بالاصرار درخواست کی کہ اب لوگوں کو کھلے عام اسلام کی دعوت دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابوبکر! ہم ابھی قلیل تعداد میں ہیں۔" لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت بہت جوش میں تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے اصرار کرتے رہے کہ باہر نکل کر تبلیغ کی جائے۔ آخر سب مسلمان جمع ہوئے اور (دار ارقم سے) باہر نکلے۔ ان کے آگے آگے رسول اللہ ﷺ تھے۔ وہ مسجد حرام میں گئے اور اس کے چاروں اطراف میں پھیل گئے۔ وہاں ہر شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگے۔ آپ ان کو اسلام کی توحید کی طرف دعوت دے رہے تھے اور ان کے بتوں کی مذمت کر رہے تھے۔

ان کی تقریر سن کر مشرکین بھڑک گئے اور مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ انہوں نے پوری مسجد میں مسلمانوں کو بہت مارا پیٹا۔ وہ تعداد میں زیادہ تھے، لہٰذا مسلمان منتشر ہو کر باہر نکل گئے۔ ان مشرکین کا ایک جتھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑا اور ان کو شدید ضربیں لگائیں۔ وہ بیچارے تپتی ہوئی زمین پر گر گئے۔ بدمعاش عتبہ بن ربیعہ ان کے قریب آیا اور اپنے دونوں جوتیوں سے ان کو مارنے لگا اور پھر ان کھردری جوتیوں کو ان کے چہرہ پر رگڑنے لگا۔ پھر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیٹ پر کھڑا ہوگیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چہرہ سے خون بہنے لگا اور ان کی ناک اور منہ کے درمیان والا گوشت پھٹ گیا۔

قبیلہ بنی تمیم کے لوگ بھاگتے ہوئے ان کی خبر گیری کو آئے۔ حملہ آور مشرکین کو ان کے پاس سے ہٹایا اور ایک چادر میں اٹھا

کر انہیں گھر لے گئے۔ ان کو حضرت ابوبکرؓ کے زندہ رہنے کی بہت کم امید تھی۔ بنی تیم دوبارہ مسجد میں آئے اور باآواز بلند مشرکین سے کہا کہ "اگر ابوبکر مر گئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" پھر وہ واپس حضرت ابوبکرؓ کے پاس آگئے جو اس وقت بے ہوش تھے، ان کے لوگوں کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ زندہ ہیں یا مر چکے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ بھی وہیں اپنے لوگوں کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ لوگوں کی کسی بات کا جواب نہیں دے پا رہے تھے۔ ان کی والدہ بھی ان کے سرہانے بیٹھی رو رہی تھیں۔ جب دن کا آخری پہر ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے آنکھیں کھولیں۔ اس موقع پر سب سے پہلی بات جو انہوں نے کی وہ یہ تھی کہ "رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟" اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکرؓ سے راضی ہو، وہ رسول اللہ ﷺ سے دیوانہ وار محبت کرتے تھے۔ ان کو اپنے سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی فکر تھی۔ اس وقت ان کے گرد جو بھی لوگ تھے یعنی ان کے والد، والدہ، ان کے ہم قبیلہ سب مشرک تھے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کے اس جملہ پر بہت ناراض ہوئے اور وہ رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہنے لگے۔ پھر وہ کھڑے ہو کر حضرت ابوبکرؓ کی والدہ سے کہنے لگے کہ "ان کو کچھ کھلاؤ پلاؤ۔" ان کی والدہ بڑے اصرار کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو کچھ کھانے کے لیے دیتیں تو وہ پھر یہی کہتے کہ "مجھے رسول اللہ ﷺ کا حال بتاؤ، وہ کیسے ہیں۔" وہ کہتیں "واللہ! ہمیں تمہارے دوست کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: "ام جمیل بنت الخطاب کے پاس جاؤ اور اس سے آپ کا حال پوچھو۔" ان کی والدہ ام جمیل کے پاس گئیں اور کہا کہ "ابوبکر نے تم سے پوچھا ہے کہ محمد بن عبداللہ کا کیا حال ہے۔" ام جمیل نے کہا: میں نہ ابوبکر کو جانتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ کو۔ لیکن کیا تم پسند کرو گی کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلی چلوں؟" انہوں نے کہا: "ہاں چلو"۔ ام جمیل ان کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئیں تو دیکھا کہ وہ بستر پر زخمی پڑے ہیں۔ چہرہ کی کھال چھل گئی ہے اور بدن ہلکان ہے۔ جب ام جمیل نے ان کو اس حال میں دیکھا تو چلا کر کہا: "واللہ! جن لوگوں نے تم پر یہ ظلم توڑا ہے یہ وہ فاسق و کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لے گا۔"

حضرت ابوبکرؓ نے اسی زخمی حالت میں ام جمیل کی طرف مڑ کر دیکھا اور پوچھا: بتاؤ رسول اللہ کا کیا حال ہے؟" اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی والدہ وہیں موجود تھیں، تو ام جمیل کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کے اسلام کا راز فاش نہ ہو جائے، پھر لوگ اس کو ستانے لگیں۔

ام جمیل نے کہا: "اے ابوبکر! یہ تمہاری والدہ یہاں سب سن رہی ہیں۔" پھر ام جمیل نے کہا: "آپ کو خوشخبری ہو، رسول اللہ ﷺ بالکل خیریت سے ہیں۔" حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: "آپ ﷺ اس وقت کہاں ہیں؟" ام جمیل نے کہا: "وہ دار ارقم میں ہیں۔" حضرت ابوبکر کی والدہ نے کہا: "اب تو تمہیں اپنے دوست کا حال معلوم ہو گیا۔ چلو اٹھو اب کچھ کھا پی لو۔" حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔"

اب وہ دونوں حالات کے پرسکون ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔ پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کو لے کر دار ارقم روانہ ہوئیں۔ کمزوری کے سبب ان کے پاؤں زمین پر لٹک رہے تھے۔ آخر وہ دار ارقم میں داخل ہوئے تو سب مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ زخمی ہے جس سے خون بہہ رہا ہے، کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو جھک کر ان کو بوسہ دیا، سب مسلمانوں نے بھی اسی طرح جھک کر ان کو بوسہ دیا۔ ان کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ پر رقت طاری ہو گئی۔ آپ کا چہرہ پر شدت غم کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ آپ کا غم ہلکا کریں لہٰذا عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا۔ مجھے کوئی اتنی تکلیف نہیں ہے۔ بس اس فاسق نے میرے چہرے کو بہت تکلیف دی ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ بڑے دل گردہ والے تھے، آپ کو ہر وقت دعوتِ اسلام کی فکر رہتی تھی۔ اور خواہ کسی حال میں ہوں، وہ اس کام کے لیے کسی اچھے موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ حالانکہ وہ اس وقت زخمی حالت میں اور بھوکے پیاسے تھے، لیکن پھر بھی انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! یہ میری والدہ ہیں جو اپنے والدین کی خدمت گزار رہی ہیں۔ اور آپ ایک بابرکت ہستی ہیں۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی (اسلام کی) دعوت دیجئے، شاید اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کی آگ سے بچا لے۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور ان کو اللہ کے دین کی دعوت دی، انہوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کا اسلام: تو دیکھیے ان بزرگ ہستیوں کے برتاؤ میں دعا کو ایک بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ وہ اسی اصول پر عمل پیرا رہتے تھے۔ اسی سلسلہ میں حضرت ابوہریرہؓ کا واقعہ بھی سنئے: حضرت ابوہریرہؓ تو اسلام لے آئے تھے۔ لیکن ان کی والدہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ بدستور مشرکہ تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہتے تھے۔ لیکن وہ انکار کردیتی تھیں۔ ایک روز جب انہوں نے والدہ کو اسلام کی طرف آنے کی دعوت دی اور اصرار کیا تو والدہ نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں کچھ گستاخانہ اور برے کلمات ان کو سنادیئے۔

اس سے ابوہریرہؓ کے دل کو بڑی تکلیف ہوئی۔ وہ روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں اپنی والدہ کو اسلام میں آنے کی دعوت دیتا رہتا تھا لیکن وہ انکار کردیتی تھیں۔ لیکن آج میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کی شان میں کچھ بُرے کلمات منہ سے نکالے۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ابوہریرہؓ کی والدہ کو اسلام کی ہدایت نصیب فرمائے۔'' ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی والدہ کے لیے دعا فرمائی۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ اپنی والدہ کے پاس گھر واپس گئے تو دروازہ بند تھا۔ انہوں نے اس کو کھولنے کے لیے بلایا تو دیکھا کہ ان کی والدہ نے دروازہ کھولا اور کھولتے ہی شہادت کا کلمہ پڑھا: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اسی وقت حضرت ابوہریرہؓ واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے۔ اس وقت وہ خوشی کے مارے رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''یارسول اللہ! خوشخبری ہو کہ آپ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اور اس نے ابوہریرہ کی والدہ کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دے دی۔''

پھر حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے اور میری والدہ کو اپنے مؤمن بندوں کا محبوب بنادے اور اسی طرح مؤمنین کی محبت ہمارے دل میں ڈال دے۔'' رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت دعا فرمائی کہ ''یا اللہ! تو اپنے اس بندے اور اس کی والدہ کو اپنے مؤمن بندوں کا محبوب بنادے اور مؤمنین کو ان دونوں کا محبوب بنادے۔''

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ ''جو بھی مؤمن یا مؤمنہ ہے ہم ان سے محبت کرتے ہیں اور وہ ہم سے محبت کرتے ہیں۔'' (صحیح مسلم)

﴿۱۸۷﴾ **أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ... الخ چوتھا حکم سحر و افطار اور جماع کے متعلق:** ابتداء میں یہ حکم تھا کہ روزہ دار کو سونے سے قبل کھانے پینے اور جماع کی اجازت تھی مگر سو جانے کے بعد کھانا پینا اور بیوی کے پاس جانا حرام تھا اسی زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک انصاری صحابی جس کا نام قیس بن صرمہ ؓ تھا وہ کھائے پیئے بغیر سو گئے اور صبح انہوں نے یونہی روزہ رکھ لیا دن میں شدید بھوک کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے۔ (بحر محیط: ص: ۴۸، ج: ۲، مظہری: ص: ۲۵۳، ج: ۱)

اسی طرح حضرت عمر ؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سونے کے بعد جماع کر بیٹھے پھر خود ہی حضور ﷺ کی خدمت میں آکر اپنی غلطی کا اقرار کرلیا۔ (روح المعانی: ص: ۶۳، ج: ۲، کشاف: ص: ۲۲۹، ج: ۱)

تو اللہ تعالیٰ نے اس مشکل حکم کو منسوخ کر دیا اور روزہ داروں کو صبح صادق کی سفیدی نظر آجانے تک کھانے پینے اور بیویوں

سے میل ملاپ کی اجازت دے دی گئی۔ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ ۔۔۔الخ قانون اجازت: اب اگر ان سے چاہو تو بے تکلف ہم بستری اور مباشرت کر سکتے ہو، ہماری طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں۔ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اس کو طلب کرو اس سے رخصت اور اجازت کی طرف اشارہ ہے اور ازدواجی زندگی کا مقصد صرف عورتوں سے محض لطف اندوزی نہیں بلکہ نیک اولاد کا حصول بھی پیش نظر ہو۔ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ ۔۔۔الخ انتہاء سحور : رمضان المبارک کی راتوں میں صبح صادق تک کھانے پینے اور عورتوں کے پاس جانے کی اجازت فرمادی گئی "خیط" کا ترجمہ دھاگہ ہے یہاں صبح صادق کا نور مراد ہے چونکہ وہ ابتداء بالکل باریک اور ایک سفید خط کی شکل میں محسوس ہوتا ہے اس لئے اس کو "خط ابیض" فرمایا ہے وہ خط تو ایک ہی ہوتا ہے جو پھیلتا جاتا ہے لیکن سفید خط کی وجہ سے شب کی سیاہی میں بھی ایک خط پیدا ہوجاتا ہے اس لئے اسے خط اسود سے تعبیر کیا ہے ورنہ خط تو ایک ہی ہوتا ہے اور وہ صبح صادق کی روشنی ہے۔ ثُمَّ اَتِمُّوْا ۔۔۔الخ انتہاء صیام : پھر صبح صادق سے لے کر شام کا سورج غروب ہونے یعنی رات تک روزے کو پورا کیا کرو۔ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ ۔۔۔الخ پانچواں حکم اعتکاف کا بیان : اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت حرام ہے خواہ وہ معتکف مسجد میں یا کسی ضرورت سے مسجد سے باہر ہو۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۔۔۔الخ تاکید احکام مذکورہ : حدود الٰہی کے قریب بھی نہ جاؤ۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ ۔۔۔الخ شفقت خداوندی : اللہ تعالیٰ اپنے احکام اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ ان سے واقف ہو کر خلاف ورزی سے بچیں۔

مسئلہ: اگر کسی نے ایسے وقت میں کھانا کھایا جب صبح صادق کا ہونا یا نہ ہونا مشکوک تھا لیکن بعد میں تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس وقت صبح صادق ہو چکی تھی تو اس کے ذمہ روزہ کی قضا لازم ہے۔ (معارف القرآن، ص:۵۵ ج۔۱)

مسئلہ : صلوٰۃ التراویح

اہل سنت والجماعت کے چاروں مذاہب مشہورہ (حنفی ،مالکی ،شافعی، حنبلی) میں تراویح بیس رکعت سے کم سنت نہیں آنحضرت ﷺ سے تین رات تراویح باجماعت پڑھنا ثابت ہے مگر صحاح ستہ وغیرہ میں کسی صحیح روایت سے تعداد منقول نہیں کہ کتنی رکعت پڑھی گئی البتہ خلفاء راشدین و تابعین سے بیس رکعت تراویح پر عمل ثابت ہے جو بظاہر آنحضرت ﷺ کے عمل کا آئینہ اور تفسیر ہے۔

اور اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں سب سے پہلے قرآن وحدیث سے روشنی حاصل کی جائے:

❶ چنانچہ قرآن مجید میں ہے "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ" میری اطاعت کرو اور میرے رسول کی اور اپنے میں سے جو حاکم ہوں اس کی۔ بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے پابند ہوں۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ "اولی الامر" سے مراد کبار صحابہ کرامؓ ہیں جو معاملات میں بصیرت رکھتے ہیں یہی تفسیر حسن بصریؒ حضرت قتادہ، اور بہت سے حضرات مفسرین کرامؒ نے کی ہے۔ (روح المعانی،ج:۵،ص۔۸۵)

اور حضرت عمرؓ کی بصیرت تو اپنوں اور بیگانوں سب کے نزدیک مسلم ہے۔ بیس تراویح میں ان کی یہ بصیرت ہے کہ سب کو ایک جماعت پر جمع کر دیا جس میں کسی صحابی رسول نے اختلاف نہیں کیا۔

❷ حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے :"اقتدوا بالذی بعدی ابی بکر و عمر"۔ ان کی پیروی کرو جو میرے بعد ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) ہیں۔

❸ دوسری حدیث میں رسالت مآب ﷺ کا ارشاد مبارک ہے "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ" کے تحت خلفاء راشدین کی سنت عملی وقولی سے بیس رکعت تراویح آنحضرت ﷺ کی سنت قولی کہلانے کی مستحق ہیں۔

چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے تو ہر شخص کو اپنے قبیلے کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان سب لوگوں کو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں بیس رکعت تراویح پر جمع کر دیا۔

الحمدللہ اسی پر حضرات صحابہ کا اجماع ہو گیا اور بیس رکعتیں عملی طور پر ادا کی گئیں بغیر کسی مخالفت کے وہ آج تک الحمدللہ اسی طرح ادا کی جا رہی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی متعدد احادیث میں قیام رمضان کی ترغیب موجود ہے جس طرح کتب احادیث میں اس کی تصریح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو صرف تین راتوں کا اثبات ملتا ہے جس کا آگے ذکر آ رہا ہے۔

غیر مقلدین کا مغالطہ:

غیر مقلدین مغالطہ دے کر تہجد کی احادیث کو تراویح قرار دے کر خواہ مخواہ اپنے دل کو بہلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حامل سنت کا اہل بھی سمجھتے ہیں اور رمضان المبارک کے مہینے میں آٹھ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے ہیں اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دائمہ سمجھتے ہیں یہ محض ان کا زبانی دعویٰ اور مغالطہ ہے اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آٹھ رکعت والی حدیث سے غیر مقلدین کا غلط استدلال

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف ص: ۱۵۴: ج ۱: پر ایک باب قائم فرمایا ہے "باب قيام النبى صلی اللہ علیہ وسلم بالليل فى رمضان وغيره" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان اور غیر رمضان میں رات کو نماز پڑھنا۔ اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ذکر فرمائی ہے: عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَزِيْدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهٖ عَلٰى إِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعاً فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَ طُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ أَرْبَعاً فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلٰثاً قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ أَنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان المبارک میں کیسی ہوتی تھی؟ آپ نے فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے آپ چار رکعت پڑھتے نہ پوچھ کہ وہ کیسی حسین اور کتنی دراز ہوتی تھیں پھر آپ چار رکعت پڑھتے نہ پوچھ کہ وہ کیسی حسین اور کتنی دراز ہوتی تھیں پھر آپ تین رکعت ادا فرماتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

غیر مقلدین حضرات تراویح کو آٹھ رکعت ثابت کرنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث بڑے شد و مد سے پیش کرتے ہیں اور بیس رکعت تراویح کی تمام احادیث و آثار کو اس کے مخالف بتلا کر رد کر دیتے ہیں۔

مگر ان کا اس حدیث پاک کو بطور ثبوت پیش کرنا کئی وجوہات سے درست نہیں ہے:

1. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعت سحری کے وقت پڑھی ہیں لیکن غیر مقلدین اس کو تراویح کا نام دے کر ہمیشہ عشاء کے بعد پڑھتے ہیں۔
2. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح تیئسویں شب کو پڑھی ہے، اور چوبیسویں شب کو ناغہ کی۔ پھر پچیسویں شب کو نماز تراویح پڑھی ہے، چھبیسویں کا ناغہ کیا پھر ستائیسویں کو نماز تراویح پڑھی، اور باقی راتوں میں ناغہ کیا، لیکن غیر مقلدین درمیان میں کبھی ناغہ نہیں کرتے۔
3. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح تیئسویں شب کو شروع کی لیکن غیر مقلدین نماز تراویح پہلی شب رمضان سے شروع کرتے ہیں۔

❹ آنحضرت ﷺ نے تراویح تین رات یعنی تیسویں، پچیسویں، ستائیسویں شب میں براویت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھی مگر غیر مقلدین ایک ماہ تک مسلسل پڑھتے ہیں۔ ❺ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! یہ نماز گھروں میں پڑھا کرو کیونکہ انسان کی بہترین نماز وہی ہے جو گھر میں پڑھی جائے، سوائے فرض نماز کے مسجد میں افضل ہے۔ براویت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیکن غیر مقلدین حضرات حضور ﷺ کے فرمان کے خلاف بجائے گھر کے مسجد میں پڑھتے ہیں۔

❻ بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ غیر رمضان یعنی بارہ مہینے گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے لیکن غیر مقلدین صرف رمضان میں ہی پڑھتے ہیں اور گیارہ مہینے اس سنت کو بالائے طاق رکھتے ہیں۔

❼ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کو باترتیب شروع سے آخر تک تراویح میں نہیں پڑھا لیکن غیر مقلدین شروع رمضان سے آخر تک پورا قرآن باترتیب پڑھتے ہیں۔ ❽ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ یہ نماز چار چار رکعت کر کے پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین دو دو رکعت کر کے پڑھتے ہیں۔ ❾ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ نماز اکیلے پڑھتے تھے کیونکہ اس حدیث میں آپ نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے پڑھانے کا نہیں لیکن غیر مقلدین سارے رمضان میں یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی نماز گھر میں پڑھتے تھے کیونکہ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول؛ کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا یہ سوال وجواب ظاہر ہے کہ گھر ہی کی بات ہے کیونکہ حضر میں آپ گھر ہی میں سوتے تھے لیکن غیر مقلدین حضرات سارے رمضان میں یہ نماز گھر کے بجائے مسجد میں پڑھتے ہیں۔

⓫ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ نماز پڑھ کر سوجاتے تھے اور سو کر اٹھ کر وتر ادا فرماتے تھے لیکن غیر مقلدین حضرات تراویح کے فوراً بعد سونے سے پہلے ہی وتر ادا کرلیتے ہیں۔ ⓬ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سارے سال وتر تین رکعات ایک سلام سے پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین اکثر ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں اور جب کبھی تین پڑھتے بھی ہیں تو دو سلاموں سے پڑھتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین اس حدیث پر خود عمل نہیں کرتے عمل کرنا تو دور کی بات ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ اس حدیث کے مخالفت کے درپے ہیں۔

غیر مقلدین کا اقرار

❶ چنانچہ فتاویٰ علماء حدیث میں ہے نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں (ص: ۳۰۰ ج۔۶) اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں سارے سال والی نماز کا ہی ذکر ہے جو تہجد ہے۔ ❷ فتاویٰ علماء حدیث میں ہے نماز تراویح میں جماعت شرط ہے اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو وہ تراویح نہ ہوگی (ص: ۲۴۳، ج۔۶) اس حدیث میں وہی نماز ہے جو آپ ﷺ نے اکیلے پڑھی۔

غیر مقلدین کے اس واضح اقرار سے ثابت ہوا کہ ان کے پاس تراویح اور تہجد کے ایک ہونے پر یا رمضان میں تہجد کے منع ہونے پر کوئی حدیث صحیح و قول خلیفہ راشد کا نہیں۔ البتہ ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو "بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ" میں لکھا ہے۔ جواب: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں تہجد اور تراویح کے دو علیحدہ علیحدہ باب باندھے ہیں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو بروایت عروہ گیارہ رکعت "باب صلوٰۃ اللیل" (تہجد) میں ذکر کیا ہے اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا براویت

ابی سلمہ کو "کتابُ قیامِ رمضان" میں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ تہجد جس طرح غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے رمضان میں بھی پڑھنی چاہیے۔ ① امام محمد رحمہ اللہ کے علاوہ۔ ② امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں۔ ③ امام ترمذی رحمہ اللہ نے۔ ④ امام مسلم رحمہ اللہ نے۔ ⑤ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے۔ ⑥ امام مروزی نے قیام اللیل میں۔ ⑦ امام بیہقی رحمہ اللہ نے سنن کبریٰ میں۔ ⑧ علامہ ولی الدین خطیب رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ المصابیح میں۔ ⑨ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں تراویح اور تہجد کے باب علیحدہ علیحدہ باندھے ہیں اور سب نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو دونوں بابوں میں ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ رمضان میں بھی تہجد پڑھنی چاہیے، اور امام بخاری رحمہ اللہ کا عمل مقدمہ فتح الباری: ص ۸۲ ہ پر موجود ہے کہ آپ رمضان میں تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے، پس آپ کی عملی شہادت کو کس دلیل کی بنا پر ٹھکرایا جاسکتا ہے۔ میں اپنے کرم فرماؤں سے پوچھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب تمام صحابہ کرام مسجد نبوی میں باجماعت بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے تو کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف حدیث پیش فرمائی تھی یا نہیں؟ اگر فرمائی تھی تو ثبوت دیں، اگر نہیں فرمائی تو آپ کیوں پیش کرتے ہیں؟ کیا آپ اس حدیث کے مطلب کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ سمجھتے ہیں یا یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں احیاء سنت کا جذبہ چودھویں صدی کے غیر مقلدین جتنا بھی نہ تھا۔ اور کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ صحابہ کرام کے متفق ہو کر حضور ﷺ کی سنت میں زیادتی کردی، اگر صحابہ کرام کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں، تو پھر ان حضرات سے ملا ہوا قرآن اور باقی سارا دین مشکوک قرار پاجائے گا، پھر اس حدیث کے مرکزی راوی امام مالک رحمہ اللہ ہیں تمام اصحاب ستہ نے ان کی ہی روایت سے اسی حدیث کو باب تہجد میں ذکر فرمایا، خود امام مالک رحمہ اللہ نے کبھی بھی اس سے تراویح پر استدلال نہیں فرمایا، کیونکہ وہ چھتیس رکعات کے قائل اور فاعل ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھتے تھے۔ (بتغیر: تجلیات صفدر: ص ۲۱۷ تا ۲۱۹ ج ۳)

امام ترمذی رحمہ اللہ کا ارشاد بیس تراویح پر جمہور صحابہ اور تابعین کا اتفاق ہے

"وَاَكْثَرُ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى مَارُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ مُبَارَكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَهٰكَذَا اَدْرَكْتُ بِبِلَادِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً"۔

(ترمذی: ص ۱۶۶ ج ۱)

ترجمہ: (از غیر مقلد) اور اکثر اہل علم اس پر ہیں جو مروی ہے حضرت علی اور حضرت عمر وغیرہ صحابہ سے کہ بیس رکعتیں پڑھتے اور یہی قول ہے سفیان ثوری اور ابن مبارک اور شافعی کا اور کہا شافعی نے ایسا پایا ہم نے اپنے شہر مکہ میں کہ پڑھتے ہیں بیس رکعت۔

(جامع ترمذی مترجم: ص ۳۰۸ ج ۱)

امام الانبیاء سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ:

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ص ۲۸۶ ج ۲، بیہقی: ص ۴۹۶ ج ۲)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں بیس رکعتیں (تراویح) اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

غیر مقلدین کا حدیث پر اعتراض: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس حدیث کو صاحب فتح القدیر وغیرہ نے ابراہیم بن عثمان

راوی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے؟ جواب: ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہنا دو وجہ سے درست نہیں۔
❶ امام بخاری کے استاذ الاستاذ یزید بن ہارون رحمہ اللہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ تہذیب میں ہے "قَالَ یَزِیْدُ ابْنُ هَارُوْنَ وَکَانَ عَلٰی کِتَابَتِهٖ اَیَّامَ کَانَ قَاضِیاً مَا قَضٰی عَلَی النَّاسِ رَجُلٌ یَعْنِیْ فِیْ زَمَانِهٖ اَعْدَلَ فِیْ قَضَائِهٖ مِنْهُ" (تہذیب ،ص:۱۴۵،ج:۱) یعنی امام بخاری کے استاذ الاستاذ یزید بن ہارون نے ان کی اعدل وغیرہ الفاظ سے توثیق کی اور ان کی توثیق بہت وزن رکھتی ہے۔ ❷ اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لیکر آج تک امت کا بیس رکعت تراویح پر عمل ہے اور تلقی بالقبول صحت حدیث کی علامت ہے۔ نیز امام ترمذی کے ارشاد کے مطابق جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی مرفوع حدیث کا راوی بھی یہی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ الواسطی ہے۔ (جامع ترمذی، ص:۱۲۶، ج:۱) غیر مقلدین کا فرض بنتا ہے کہ وہ ابراہیم کی وجہ سے اس حدیث کا انکار کر کے سورۃ فاتحہ کے وجوب کے منکر ہو جائیں لیکن افسوس اس جگہ یہ لوگ ان کے ضعف اور ان پر کی گئی جرح کو بھول جاتے ہیں اگر ابراہیم کی وجہ سے تراویح کی روایت ضعیف ہے تو فاتحہ کی کیوں نہیں؟ اور اگر فاتحہ کی حدیث میں ثقہ ہیں تو تراویح کی حدیث میں ثقہ کیوں نہیں؟

غیر مقلدین سے ہمارا مطالبہ ہے کہ اگر ہمت ہو تو ہماری طرح ایک ایسی صریح صحیح اور غیر معارض غیر مضطرب حدیث پیش کریں جس میں رمضان کی تخصیص کے ساتھ آٹھ رکعت تراویح کا ذکر ہو (نہ کہ تہجد کا) یا صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب کے حوالہ سے ثابت کریں کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ تابعی رحمہ اللہ یا تبع تابعی رحمہ اللہ نے کبھی ایک دن بھی آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہو جیسے ہم نے صحاح ستہ میں سے جامع ترمذی کے حوالہ سے ثابت کیا ہے۔

خلفاء راشدین سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت

عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَالْوِتْرِ رواه البیهقی فی المعرفة وصححه العلامة سبکی فی شرح المنهاج۔ (اعلاء السنن، ص:۶۹، ج:۷۔ کنز العمال، ص:۲۶۴، ج:۸)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہم (صحابہ کرام وتابعین) بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے اس حدیث کو امام بیہقی نے کتاب المعرفت میں ذکر کیا ہے اور علامہ سبکی رحمہ اللہ نے شرح منہاج میں اس کو صحیح کہا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (شرح المہذب) علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور ملا علی القاری رحمہ اللہ نے اس کو صحیح فرمایا ہے اور علامہ نیموی رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح کو نقل فرمایا ہے۔ (آثار السنن، ص:۵۵، ج:۲)

وھذا کالاجماع۔ (مغنی ابن قدامہ، ص:۱۶۷، ج:۲)

بیس تراویح پر تعامل بمنزلہ اجماع کے ہے۔ اور مغنی ابن قدامہ کے ص:۱۶۷، ج:۲ میں موجود ہے۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک بیس رکعت تراویح سنت ہے۔

خلاصہ بحث: ہمارا غیر مقلدین سے مطالبہ ہے کہ عہد فاروقی سے لیکر بارہویں صدی کے اواخر تک بیس رکعت یا بیس سے زیادہ کے تو سب قائل تھے کہیں اور کسی مسجد میں تراویح کی جماعت آٹھ رکعت کی نہ ہوتی تھی اگر غیر مقلدین کے پاس ثبوت ہے تو صحیح سند اور ٹھوس حوالوں سے ثابت کریں کہ کہاں اور کس مسجد میں تراویح کی جماعت آٹھ رکعت کی ہوتی تھی؟ دیدہ باید

وتر کے تفصیلی احکام

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابوداؤد، ج:۱، ص ۲۰۸، رقم الحدیث ۱۴۱۹)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :وتر کی نماز حق ہے، جوشخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

وتر کا حکم: ● وتر کی نماز واجب ہے اور واجب کا مرتبہ قریب قریب فرض نماز کے ہے، چھوڑ دینے سے بڑا گناہ ہوتا ہے اگر کبھی چھوٹ جائے تو جب موقع ملے تو فوراً اس کی قضاء پڑھنا چاہیے۔ وتر قضاء میں یہ بات یاد رکھیں کہ دعا قنوت کے لیے اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھوں کا اٹھانا ضروری نہیں ہے۔ ● وتر کی نماز کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے صبح صادق سے پہلے تک بلا کراہت ہے۔ ● وتر کی تین رکعتیں ہیں جن کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے اور التحیات پڑھے اور درود شریف بالکل نہ پڑھے بلکہ التحیات پڑھنے کے بعد فوراً اٹھ کھڑا ہو اور الحمد اور کوئی دوسری سورت پڑھ کر اللہ اکبر کہے اور مرد کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھائے جب عورت کندھے تک ہاتھ اٹھائے اور پھر باندھ لے پھر دعا قنوت پڑھ کر رکوع کرے اور تیسرے رکعت پر بیٹھ کر التحیات ، درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔

دعائے قنوت یہ ہے : ”اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْكَ وَنُثْنِیْ عَلَیْكَ الْخَیْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ یَّفْجُرُكَ۔ اَللّٰھُمَّ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْكَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰی عَذَابَكَ ط اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ۔

● جس کو دعائے قنوت یاد نہ ہو وہ یہ پڑھ لیا کرے۔ ”رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ یا تین دفعہ یہ پڑھ لے۔ ”اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ“ تو نماز ہو جائے گی۔ ● وتر کی تینوں رکعتوں میں الحمد کے ساتھ سورت ملانا چاہیے۔ ● وتروں میں کوئی خاص سورت پڑھنا مقرر نہیں ہے بلکہ جہاں سے چاہے پڑھ لے لیکن نبی کریم ﷺ سے پہلی رکعت میں ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ اور دوسری رکعت میں ”قل یا ایھا الکفرون“ اور تیسری رکعت میں ”قل ھو اللہ احد“ پڑھنا حدیثوں میں آیا ہے اس لیے ان کا پڑھنا مستحب ہے البتہ آپ ﷺ کبھی اور سورتیں بھی پڑھتے تھے۔

● رمضان المبارک میں وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا افضل ہے، رمضان المبارک کے علاوہ اور دنوں میں جماعت سے نہ پڑھے۔ ● اگر تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تب یاد آیا تو اب نہ پڑھے بلکہ نماز ختم پر سجدہ سہو کرے اور اگر رکوع چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور دعائے قنوت پڑھ لے تو اب رکوع کا اعادہ نہ کرے اور سجدۂ سہو کرے لیکن اگر رکوع کا اعادہ کرلیا تب بھی خیر نماز ہوگئی، لیکن ایسا نہ کرنا چاہیے تھا کیونکہ پہلا رکوع ثابت ہے اور دوسرا رکوع لغو ہوا اور سجدۂ سہو کرنا اس صورت میں بھی واجب ہے۔ ● اگر بھولے سے پہلی یا دوسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھ لی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے تیسری رکعت میں پھر پڑھنا چاہیے اور سجدۂ بھی کرنا پڑے گا۔

● مسبوق کو چاہیے کہ امام کے ساتھ قنوت پڑھے پھر بعد میں نہ پڑھے اور اگر مسبوق تیسری رکعت کے رکوع میں شامل ہوا اور امام قنوت پڑھ چکا تھا تو مسبوق بھی بقیہ نماز میں قنوت نہ پڑھے کیونکہ اس کو تیسری رکعت مل گئی اور امام کا قنوت اس کی قرأت کی طرح مقتدی کے لیے کافی ہوگا۔ ● اگر وتر کسی ایسے امام کے پیچھے جو دوسرے فقہی مذہب کے مطابق رکوع کے بعد قومہ میں قنوت پڑھتا ہے تو امام کی متابعت کرے اور قومہ میں اس کے ساتھ قنوت پڑھے۔

روزہ کے فضائل واحکام

وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ وَحَجِّ الْبَیْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (رواہ البخاری، ج:۱، ص ۱۷، رقم الحدیث ۸)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے، اوّل اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، دوم نماز قائم کرنا، سوم زکوٰۃ ادا کرنا، چہارم بیت اللہ شریف کا حج کرنا، پنجم رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ **کس شخص پر رمضان کے روزے فرض ہوتے ہیں؟**

روزہ فرض ہونے کے لیے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جس شخص میں یہ تمام شرائط پائی جائیں گی اس پر روزہ فرض ہوجاتا ہے:(۱) مسلمان ہونا۔ لہٰذا کافر پر روزہ فرض نہیں ہے۔(۲) بالغ ہونا۔ لہٰذا نابالغ پر روزہ فرض نہیں ہے۔(۳) عاقل ہونا۔ لہٰذا مجنون پر روزہ فرض نہیں ہے۔(۴) دارالاسلام ہونا۔ یا دارالحرب ہونے کی صورت میں روزے کی فرضیت کا علم ہونا۔

دارالاسلام کی تعریف: دارالاسلام سے مراد ایسا ملک ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو۔

وضاحت : فقہی اصطلاح میں دارالاسلام بننے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ مسلمانوں کی حکومت ہو خواہ عملاً قرآن وسنت کا نفاذ ہو یا نہ ہو۔ جیسے پاکستان۔ تاہم قرآن وسنت کے نفاذ سے محرومی بڑی محرومی اور خسارے کی بات ہے۔

دارالحرب کی تعریف: دارالحرب سے مراد ایسا ملک ہے جہاں کافروں کی حکومت ہو۔ خواہ وہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد ہو۔ جیسے ہندوستان۔

کس شخص پر رمضان کے روزے ادا کرنا فرض ہے: اگر کسی شخص پر مندرجہ بالا شرائط کی روشنی میں روزہ فرض ہوجائے تو اس کا ادا کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب مندرجہ ذیل تمام شرائط موجود ہوں:(۱) **پہلی شرط :** روزہ کا ادا کرنا اس شخص پر فرض ہے جو مقیم ہو لہٰذا اگر کوئی شخص شرعی مسافر ہو تو اس پر روزہ ادا کرنا فرض نہیں ہوتا۔ سفر سے لوٹنے کے بعد اس کی قضاء کرنا ضروری ہے۔

ضروری وضاحت : عصر حاضر میں جدید سفری سہولیات (ہوائی جہاز، ٹرین، بس، کار وغیرہ) کی وجہ سے سفر اتنا پُر مشقت نہیں ہوتا تب بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی رخصت سفر کی وجہ سے دی ہے جو ان تمام تر سہولیات کے باوجود پایا جاتا ہے۔ تاہم اس رخصت کے باوجود اگر کوئی روزہ رکھ لے تو بہتر ہے تاکہ رمضان المبارک کی برکات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جاسکے۔

(۲) **دوسری شرط :** روزہ فرض ہونے کے بعد ادا کرنا اس شخص پر فرض ہے جو تندرست ہو، لہٰذا مریض پر روزہ رکھنا فرض نہیں ہے۔ چنانچہ جب صحت مند ہوجائے تو ان روزوں کی قضاء کرلے۔(۳) **تیسری شرط :** عورت پر روزہ ادا کرنا اس وقت فرض ہے جب وہ حیض ونفاس سے پاک ہو۔ چنانچہ حائضہ اور نفاس والی عورت کو ناپاکی کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ بعد میں قضاء کرلے۔

ضروری وضاحت : یاد رہے کہ یہ مسئلہ حدثِ اکبر کی تین اقسام میں سے حیض ونفاس کے ساتھ فرض ہے لیکن اگر جنابت لاحق ہوجائے، خواہ مرد کو یا عورت کو تو یہ روزے کے منافی نہیں ہے، جنابت کی حالت میں روزہ رکھنا بھی جائز ہے۔ اور روزہ کی حالت میں جنابت لاحق ہوجائے (یعنی احتلام ہوجائے) تو روزہ ٹوٹتا بھی نہیں ہے۔

روزہ صحیح ہونے کی شرائط: اگر کوئی شخص روزہ فرض ہونے کے بعد روزہ رکھ لے تو اس روزے کے صحیح ہونے کے لیے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ **پہلی شرط :** نیت کرنا بشرطیکہ ایسے وقت میں ہو جس میں نیت کرنا صحیح ہوتا ہے (نیت کے بارے میں تفصیل عنقریب آرہی ہے) **دوسری شرط:** عورت کا دن بھر حیض ونفاس سے پاک رہنا۔ اگر عورت شروع دن میں پاک تھی مگر روزہ شروع کرنے کے بعد دن کے کسی حصے میں ناپاک ہوگئی تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ **تیسری شرط:** روزہ کا ان تمام باتوں سے

خالی ہونا جو روزہ توڑ دیتی ہیں۔ جیسے کھانا، پینا، اور جماع کرنا۔ اور وہ اشیاء جو کھانے پینے اور جماع کے حکم میں ہیں۔ (ان اشیاء کی تفصیل بھی آگے آرہی ہے)

روزہ کی اقسام: روزے کی چھ اقسام ہیں: (۱) فرض روزہ۔ (۲) واجب روزہ۔ (۳) مسنون روزہ۔ (۴) مندوب (مستحب) روزہ۔ (۵) مکروہ روزہ۔ (۶) حرام روزہ۔

اب ان اقسام کی تفصیل ملاحظہ کیجئے۔ (۱) فرض روزہ: اگر کسی شخص میں روزہ فرض ہونے کی تمام شرائط پائی جائیں تو اس پر رمضان المبارک کے روزے رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔ (۲) واجب روزہ: درج ذیل روزے رکھنا واجب ہیں:

(الف) اگر نفلی روزہ شروع کر کے توڑ دیا تو اس کی قضاء واجب ہے۔ شریعت مطہرہ کا یہ اصول اور ضابطہ ہے کہ کوئی بھی نفل اور مستحب کام کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نفل عبادت شروع کر دی جائے تو پھر اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نفل نماز یا نفل روزہ توڑنے والے پر اس کی قضاء واجب ہے۔

(ب) نذر کے روزے: نذر کا مطلب: نذر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کسی عبادت (مثلاً نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ) کی منّت مان لے۔ مثال: عبدالحسیب نے یہ منّت مان لی کہ اے اللہ! اگر میں سالانہ امتحان میں اوّل آ گیا تو میں دس روزے رکھوں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ اوّل آ گیا تو اسے دس روزے رکھنا واجب ہیں۔

نذر کی اقسام: نذر کی دو قسمیں ہیں: (۱) نذر معین۔ (۲) نذر غیر معین۔

نذر معین: نذر معین کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص دن کے روزے کی منت مان لینا۔ نذر معین کی صورت میں اسی خاص دن میں روزہ رکھنا واجب ہوتا ہے۔ مثال: جی ہاں! پچھلی مثال میں عبدالحسیب نے سالانہ امتحان میں اوّل آنے کی صورت میں خاص جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی نذر مانی۔ سالانہ امتحان میں خوش قسمتی سے اوّل آنے کی صورت میں حسیب پر جمعہ کے دن روزہ رکھنا واجب ہے۔

نذر غیر معین: نذر غیر معین کا مطلب یہ ہے کہ نذر مانتے ہوئے کسی خاص وقت کا تعین نہ کرے بلکہ مطلقاً (بغیر کسی قید و شرط کے) روزے کی نذر مان لے۔ نذر غیر معین ہونے کی صورت میں نذر کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے مگر غیر معین ہونے کی وجہ سے جب بھی پورا کر لے اس کو اختیار ہے۔ مثال: سلمان نے نذر مان لی کہ اے اللہ! پچھلی کوتاہیوں کو معاف کر دیجئے۔ اب اگر میں پورے جامعہ میں اوّل آ گیا تو تیری رضا کے لیے دس روزے رکھوں گا۔ الحمد للہ رب کریم نے ٹوٹے ہوئے دل کی دعا کو آسمان سے اوپر اٹھا لیا۔ چنانچہ وہ یوم مسعود آ گیا جب بھرے مجمع میں یہ آواز کانوں میں رس گھولتی ہوئی سنائی دی: ''پورے جامعہ میں اوّل آنے والے طالب علم محمد سلمان ہیں'' ناظم صاحب نے اعلان کیا۔ چونکہ نذر پوری ہو گئی ہے لہٰذا سلمان پر دس روزے رکھنا واجب ہے۔ چونکہ غیر معین تھی لہٰذا جب بھی دس روزے رکھ لے گا تو اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔

(ج) کفارے کے روزے: درج ذیل صورتوں میں کفارے کے روزے رکھنا واجب ہوتا ہے: (۱) رمضان المبارک میں بغیر عذر کے جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا تو کفارے کے روزے رکھنا واجب ہے۔ (۲) رمضان المبارک میں دن کے وقت جماع کر لیا تو کفارے کے روزے رکھنا واجب ہے۔ (۳) ''ظہار'' کی صورت میں کفارے کے روزے رکھنا واجب ہے۔ (۴) قسم کھا کر توڑ دینے کی صورت میں ''کفارہ یمین'' کے روزے رکھنا واجب ہے۔ (۵) احرام کی حالت میں بعض ایسے ممنوعات ہیں جن کا ارتکاب کرنے کی صورت میں کفارے کے روزے رکھنا واجب ہے۔ (۶) قتل خطا یا ہر اس قتل کی صورت میں جو قتل خطا کے حکم

میں ہوتا ہے۔ کفارے کے روزے رکھنا واجب ہے۔
(۳) مسنون روزہ: یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو روزہ رکھنا۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ نویں یا گیارھویں محرم کا روزہ بھی ہو۔
(۴) مستحب روزہ: درج ذیل روزے رکھنا مستحب (مندوب) ہیں: (الف) ہر مہینے میں تین روزہ رکھنا، خواہ وہ کوئی سے بھی ایام ہوں۔ (ب) ہر مہینے ایامِ بیض میں روزے رکھنا۔ (ایام بیض سے مراد تیرہویں، چودھویں، اور پندرہویں تاریخ ہے۔ کیونکہ ان تاریخوں میں رات خوب روشن اور سفید ہوتی ہے) (ج) ہر ہفتے میں پیر اور جمعرات کو روزے رکھنا۔ (د) شوال میں چھ روزے رکھنا۔
(ہ) غیر حاجی کے لیے یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کو روزہ رکھنا۔
(و) صومِ داؤدی رکھنا: یعنی ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن نہ رکھنا۔
(۵) مکروہ روزہ: درج ذیل صورتوں میں روزے رکھنا مکروہ ہے: (الف) صرف یوم عاشورہ (دسویں) کا روزہ رکھنا۔ نویں محرم یا گیارھویں محرم کو ساتھ نہ ملانا۔ (ب) صرف ہفتہ کے دن روزہ رکھنا۔ ساتھ کوئی اور دن نہ ملانا۔ (ج) ''صومِ وصال'' یعنی اس طرح مسلسل روزے رکھنا کہ غروبِ آفتاب کے بعد بالکل افطار نہ کرے اور اگلے دن کا روزہ بھی رکھ لے۔
(۶) حرام روزہ: درج ذیل صورتوں میں روزہ رکھنا حرام ہے: (الف) عید الفطر کے دن روزہ رکھنا۔ (ب) عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا۔ (ج) ایامِ تشریق (یعنی ذی الحجہ کی گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں تاریخ کو روزہ رکھنا۔

مفطراتِ صوم یعنی روزہ کو توڑنے والی چیزوں کا بیان: روزے کے مسائل میں مفطرات (روزہ توڑنے والی چیزیں) کی بحث انتہائی اہم بحث ہے۔ مفطرات (روزہ توڑنے والی چیزیں) کی بحث میں غوطہ زنی سے پہلے چند تمہیدی باتیں ذکر کی جاتی ہیں، جن کی روشنی میں اسی فقہی بحث میں بصیرت پیدا ہونے میں بڑی مدد ملے گی، ان شاء اللہ۔ ان تمہیدی باتوں کے بعد حضرات فقہائے کرامؒ کی کتب سے بکھرے ہوئے موتی اصول اور ضوابط کی شکل میں ذکر کیے جائیں گے۔

مقدمہ اولیٰ: وہ عوارض اور حالتیں جو ایک انسان کو لاحق ہوتی ہیں، اور حضراتِ فقہائے کرامؒ ان کے متعلق یہ بحث کرتے ہیں کہ وہ آیا روزہ افطار ہونے سے رکاوٹ اور مانع بنتی ہیں یا نہیں، آٹھ ہیں: (۱) نسیان۔ (۲) غلبہ۔ (۳) اِکراہ۔ (۴) خطا۔ (۵) نوم۔ (۶) اِغماء۔ (۷) جنون۔ (۸) جہل۔ ا۔ نسیان (بھول جانا): نسیان کی حقیقت یہ ہے کہ ضرورت کے موقع پر کسی چیز کا یاد نہ آنا۔ (البحر ۲/۲۷۱)

مثال: کوئی شخص روزے کی حالت میں کھانا پینا شروع کر دے اور اسے یہ یاد نہ ہو کہ میرا روزہ ہے۔ اس بھول کو ''نسیان'' کہتے ہیں، کیونکہ اس موقع پر ضرورت ہے کہ اسے اپنا روزہ دار ہونا یاد ہو۔

نسیان کا حکم: نسیان (بھول جانا) مانع افطار ہے، لہٰذا اگر کسی شخص نے بھول کر کچھ کھالیا، پی لیا یا بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کیا، تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ ا۔ **غَلَبَة** (غالب آجانا) کسی چیز کا ایسے طور پر ہونا کہ اس سے بچنا بہت مشکل اور غیر اختیاری ہو اس کو فقہی زبان میں کہتے ہیں کہ اس چیز کا اس شخص پر ''غلبہ'' ہے۔ **مثال:** جیسے غیر اختیاری طور پر کسی شخص کے حلق میں مکھی، راستے کا گرد و غبار، دھواں، آٹے کا غبار چلے جانا، اور نیند کی حالت میں احتلام وغیرہ اسے کہیں گے کہ ان تمام چیزوں کا روزہ دار پر غلبہ ہے، کیونکہ ان سے اپنے آپ کو بچانا بہت مشکل ہے۔

مثال: اگر کسی جگہ بارش ہو رہی ہو یا برفانی علاقے میں برف پڑ رہی ہو اور وہ غیر اختیاری طور پر روزہ دار کے حلق میں اتر جائے تو اسے غلبہ میں داخل نہیں کریں گے، کیونکہ بارش اور برفباری سے روزہ دار اپنے آپ کو کسی محفوظ مکان یا چھت وغیرہ کے

نیچے کھڑے ہو کر بچا سکتا ہے۔ مثال: غسل کرتے ہوئے کان میں پانی چلا جائے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ یہ پانی "غلبہ" میں داخل ہے نہاتے ہوئے کان کو اس سے بچانا اختیار سے باہر اور بہت مشکل ہے۔
غَلَبَۃ کا حکم: غلبہ (غالب آجانا) مانع افطار ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کے حلق میں گرد وغبار، دھواں یا مکھی، آٹے کا غبار چلا گیا، تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ ۳۔ اکراہ: "اکراہ" کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو ہلاک کر ڈالنے کی دھمکی دے کر کسی کام پر مجبور کر دینا۔ اس کا ذکر سورہ نحل میں آئے گا کہ ہلاکت سے شریعت میں جیسے جان سے مار ڈالنا داخل ہے اسی طرح کسی عضو کے کاٹنے یا ضائع کر دینے کی دھمکی بھی شامل ہے۔ مثال: کسی شخص نے روزہ دار پر کلاشنکوف تان لی۔ کہ یا تو کھانا کھالو یا پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ایسی حالت کو شریعت میں "اکراہ" کہتے ہیں۔
اکراہ کا حکم: اکراہ مانع افطار نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی روزہ دار کو دھمکی دیکر کچھ کھلا پلا دیا گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔
۴۔ خطا (غلطی ہو جانا): خطا سے مراد یہ ہے کہ روزہ دار کو اپنا روزہ دار ہونا یاد ہو مگر غلطی سے پانی وغیرہ حلق میں اتر جائے، مگر پانی پینے کا ارادہ نہ ہو۔ مثال: جیسے روزہ دار کے حق میں کلی کرتے ہوئے پانی اتر جائے اب اسے یہ تو معلوم ہے کہ میرا روزہ ہے مگر پانی کے حلق میں اتارنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، اسے کہتے ہیں روزہ دار کے حلق میں پانی خطا سے اتر گیا ہے۔ ● خطا اور نسیان میں فرق: خطا میں روزہ دار کو اپنا روزہ دار ہونا یاد ہوتا ہے اور فعل (پانی وغیرہ پینا) کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، جبکہ نسیان اس کے برعکس ہے کہ وہاں روزہ دار کو اپنا روزہ دار ہونا یاد نہیں ہوتا۔ مگر فعل (پانی پینا وغیرہ) کا ارادہ ہوتا ہے۔
خطا کا حکم: خطا (غلطی) مانع افطار نہیں ہے لہٰذا اگر کسی کے حلق میں روزہ یاد ہوتے ہوئے مفطرات میں سے کوئی چیز اتر گئی، تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔
۵۔ نوم (نیند): کسی سوتے ہوئے آدمی کے منہ میں پانی وغیرہ ڈال دیا جب کہ وہ روزہ دار تھا۔
نیند کا حکم: نیند افطار سے مانع نہیں ہوتی، لہٰذا نیند کی حالت میں اگر مفطرات میں سے کوئی چیز حلق میں اتر گئی تب بھی روزہ افطار ہو جائے گا۔ (کتاب "الاصل" لمحمد ۲/ ۲۴۴)
البتہ اس سے نیند کی حالت میں احتلام مستثنیٰ ہے، کیونکہ اس سے بچنا بہت مشکل ہے اس لیے فقہائے کرام نے اسے تیسرے نمبر "غلبہ" میں داخل کیا ہے۔ چنانچہ احتلام افطار سے مانع ہے۔ یعنی احتلام کی حالت میں روزہ افطار نہیں ہوتا۔
۶۔ اِغماء (بے ہوش ہو جانا): یہ ایک قسم کا مرض ہوتا ہے جس سے انسان کے اعضاء معطل ہو جاتے ہیں اور کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، اگر اس سے عقل ختم نہیں ہوتی، جب کہ جنون میں عقل ہی ختم ہو جاتی ہے۔
اِغماء کا حکم: اغماء (بے ہوش ہو جانا) کا حکم نیند کی طرح ہے، جس طرح سے نیند افطار سے مانع نہیں ہے اسی طرح اغماء (بے ہوشی) بھی افطار سے مانع نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی بہوش روزہ دار شخص کے حلق میں پانی وغیرہ ڈالا گیا اور حلق میں اتر گیا تو اس سے اس کا روزہ افطار ہو جائے گا۔
۷۔ جنون (پاگل ہو جانا): یہ ایسی حالت ہوتی ہے جس میں انسان کی عقل زائل ہو جاتی ہے، اگرچہ اعضاء اس کے اپنے کام سے معطل نہیں ہوتے۔ جنون کا حکم: جنون بھی افطار سے مانع نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی روزہ دار مجنون ہو گیا، اور اس کے حلق میں پانی یا دوا ڈالی گئی، تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ۸۔ جہل (جہالت): ان چیزوں سے جاہل ہونا، جو روزہ کی حالت میں کی جائیں تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مثال: کوئی شخص روزہ دار ہے اور اس نے ایک گھونٹ پانی پی لیا لیکن اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ روزہ کی حالت میں ایسا کرنا حرام ہے۔

جہل کا حکم: روزہ کو توڑنے والے احکام سے جہالت ''دارالاسلام'' میں کوئی عذر نہیں ہے، دارالاسلام میں ہوتے ہوئے احکام نہ سیکھنا اپنی کوتاہی ہے۔ لہٰذا دارالاسلام میں کوئی شخص جہالت میں روزہ توڑ دے، تو اس کی جہالت افطار سے مانع نہیں ہے، روزہ ٹوٹ جائے گا۔ البتہ دارالحرب میں جہالت عذر ہے لہٰذا کوئی شخص دارالحرب میں نیا مسلمان ہوا اور روزہ رکھا اور اسے مفطرات (روزہ توڑنے والی اشیاء) کا علم نہیں تھا، اور اس نے جہالت کی وجہ سے روزہ توڑ دیا، تو اس کی جہالت افطار سے مانع ہے اور اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

خلاصۂ بحث: وہ عوارض جن کے متعلق حضراتِ فقہاء کرام یہ بحث کرتے ہیں، کہ یہ مانع ہیں یا نہیں ہیں، آٹھ ہیں: (۱) نسیان۔(۲) غَلَبہ۔(۳) اِکراہ۔(۴) خطا۔(۵) نوم۔(۶) اِغماء (۷) جنون۔(۸) جہل۔ حنفی فقہائے کرام کے ہاں ان میں تین عوارض مانع افطار ہیں جن کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا وہ یہ ہیں: (۱) نسیان (بھول جانا)۔(۲) غَلَبہ (کسی چیز کا غالب آجانا)۔(۳) دارالحرب میں احکام سے جہالت۔ البتہ نیند کی حالت میں احتلام بھی مانع افطار ہے۔ اور باقی تمام عوارض مانع افطار نہیں ہیں ان کے ہوتے ہوئے اگر مفطرات (روزہ توڑنے والی چیزیں) میں سے کوئی چیز پائی گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

مقدمہ ثانیہ (دوسری بحث): روزہ کے مفطرات اور ان کے متعلق اصول وضوابط تحریر کرنے سے پہلے درج ذیل الفاظ کے معنی اور مطلب جاننا ضروری ہے تاکہ اصول سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ (۱) جَوف (۲) مَنفَذ (۳) مسام:

جَوف کی حقیقت: جَوف سے مراد انسانی جسم کے اندر موجود خلا ہیں۔ جیسے: معدہ، حلق، آنتیں، پھیپھڑے، مثانہ، دماغ اور رحم وغیرہ۔ حضرات فقہائے کرام کے نزدیک روزہ کے افطار کے معاملہ میں ان میں سے چار جوف معتبر ہیں: (۱) معدہ۔ (۲) حلق۔(۳) آنتیں (۵) دماغ۔

ضروری وضاحت: (الف) حلق کے حکم میں پھیپھڑے بھی داخل ہیں۔ سگریٹ وغیرہ کا دھواں حلق کے راستہ سے معدہ کی بجائے پھیپھڑوں میں جاتا ہے۔ (ب) اطبائے جدید کی تحقیق کے مطابق دماغ میں کوئی جوف نہیں۔ لہٰذا اس تحقیق کی روشنی میں حضرات فقہائے کرام نے جو دماغ کو جوف قرار دیا ہے اس سے مراد ناک کا وہ حصہ ہے جو نرم حصہ سے اوپر ہے۔ اور ناک کے نرم حصہ سے اوپر والے حصہ کا اندرونی رابطہ حلق کے ساتھ ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مرد کا مثانہ بھی شامل ہے، گویا کہ ان کے نزدیک پانچ جوف معتبر ہیں۔

جَوف کے معتبر ہونے کا مطلب: جَوف کے معتبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مفطرات میں سے کوئی چیز انسانی جسم کے باہر سے کسی بھی معتبر جوف میں پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

مَنفَذ کی حقیقت: مَنفَذ (نفوذ، گزرنے کی جگہ) سے مراد وہ راستہ ہے جس کے ذریعے سے مفطرات میں سے کوئی چیز جوف (معدہ، حلق، آنتیں اور دماغ) تک پہنچ جائے۔

یہ مَنفَذ دو طرح کے ہوتے ہیں: (۱) قدرتی اور پیدائشی راستے جو اللہ تعالیٰ نے خلقۃً بنائے ہیں (جیسے منہ، ناک، کان اور پاخانے کا مقام) (۲) وہ راستے جو قدرتی اور پیدائشی نہیں ہیں، بعد میں کسی وجہ سے بن گئے ہیں (جیسے دماغ کا گہرا زخم، پیٹ کا زخم، جو معدہ تک پہنچتا ہو اور پیٹ پر معدہ کے برابر سوراخ)

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک افطار کے معاملے میں ہر قسم کا مَنفَذ معتبر ہے۔ خواہ وہ خلقی اور پیدائشی ہو یا پیدائشی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی راستے سے کوئی چیز جوف تک پہنچ گئی تو روزہ افطار ہو جائے گا۔ جبکہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک قدرتی مَنفَذ کا تو اعتبار ہے لیکن غیر پیدائشی کا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ منہ وغیرہ کے راستے سے اگر کوئی چیز جوف تک پہنچی تو

روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اگر زخم وغیرہ کے راستے سے جوف تک پہنچی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

مسام کی حقیقت: اللہ جل شانہٗ نے انسانی جلد میں بے شمار ایسے سوراخ پیدا کیے ہیں جو آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔ مگر ان کے ذریعے جسم کے اندر سے پسینہ وغیرہ کا اخراج ہوتا ہے اور جسم پر کوئی چیز لگائی جائے جیسے تیل کریم اور کوئی دوا تو اس کا اثر اندر تک پہنچ جاتا ہے۔ ایسے غیر محسوس راستوں کو "مسام" کہتے ہیں۔ حضرات فقہائے کرام کے ہاں اگر کوئی چیز "مسامات" کے ذریعے جوف تک پہنچے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مثال: یہی وجہ ہے کہ کسی قسم کا انجکشن (خواہ وہ گوشت میں لگایا جائے یا شریان میں) اور ڈرپ وغیرہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگرچہ ان دوائیوں کا اثر جوف تک پہنچے کیونکہ اس صورت میں منفذ کا استعمال نہیں کیا گیا بلکہ مسامات کے ذریعے دوا جوف تک پہنچتی ہے۔

آنکھ کا حکم: آنکھ اگرچہ دیکھنے میں منفذ لگتا ہے مگر اس کا جوف سے اندرونی رابطہ اور راستہ اس قدر مخفی اور چھوٹا ہے کہ حضرات فقہاء نے اس کو مسامات میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آنکھ میں سرمہ استعمال کرنے اور قطرے ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ سرمہ کا رنگ یا دوا کا ذائقہ حلق یا تھوک میں محسوس ہو۔

مفطرات (روزہ توڑنے والی اشیاء) کون کون سی ہیں؟ ہر وہ چیز روزہ توڑ دیتی ہے جو باہر سے جوف (معدہ، حلق، پھیپڑوں اور آنتوں) میں پہنچے، خواہ قدرتی راستے (منہ اور ناک) سے پہنچے یا مصنوعی اور غیر قدرتی راستے (پیٹ کا وہ زخم جو جوف میں کھلتا ہو) سے پہنچے، خواہ وہ پہنچنے والی چیز مائع اور بہنے والی (پانی، دودھ، سیّال دوا) ہو یا بہنے والی نہ ہو بلکہ جامد (پھل، کھانا ٹیبلیٹس، اور کیپسول وغیرہ) ہو خواہ وہ منہ میں رکھنے سے پگھل جاتی ہو (جیسے آئسکریم، ٹافی) یا منہ میں رکھنے سے وہ پگھلتی اور تحلیل نہ ہوتی ہو، جیسے روٹی، چاول وغیرہ) خواہ وہ چیز عموماً کھائی جاتی ہو (جیسے کھانا، پھل وغیرہ) یا عموماً نہ کھائی جاتی ہو (جیسے لوہے، یا پتھر، یا لکڑی کا ٹکڑا، کچے چاول اور کچا اناج وغیرہ) خواہ اس چیز کے کھانے سے بدن کو غذائیت یا دوا کی صورت میں فائدہ ہوتا ہو (جیسے عام کھانے کی چیزیں اور دوائیں، اور سگریٹ کے عادی کے لیے سگریٹ اور حقہ وغیرہ)۔ خواہ اس سے غذائیت اور دوا کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہو (جیسے پتھر، لکڑی یا لوہے کا ٹکڑا نگل جانا)۔

خوشبو وغیرہ کا حکم: لیکن اس اصول سے ہوا (آکسیجن) مستثنیٰ ہے، ہوا سے کسی کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگرچہ یہ باہر سے داخل ہوتی ہے اور اس سے بدن کو غذائیت اور حیات حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح ہوا کے حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کا کوئی خارجی جسم نہیں ہے اگرچہ اس سے بدن کو فائدہ اور غذائیت حاصل ہوتی ہو (جیسے خوشبو، سردیوں میں ہیٹر یا آگ سے حرارت حاصل کرنا) اور گرمیوں میں ایئر کنڈیشنڈ وغیرہ سے ٹھنڈک حاصل کرنا۔ ہوا کی طرح ان چیزوں سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

ضابطہ اور اصول: مذکورہ بالا تمام تفصیل کو ذہن میں رکھتے ہوئے سمجھیے! جس طرح روزہ ٹوٹنے کے لیے مفطرات میں سے کسی چیز کا جوف میں پہنچنا ضروری ہے۔ اسی طرح اس کا جوف میں پہنچ کر ٹھہر جانا اور غائب ہو جانا شرط ہے۔ صرف جوف میں پہنچ جانا ہی کافی نہیں ہے۔

مثال: کسی شخص نے گوشت کا ٹکڑا دھاگے سے باندھا اور پانی کے بغیر نگل گیا۔ اور پھر دھاگہ کھینچ لیا اور گوشت کا ٹکڑا باہر آ گیا اور گوشت کا کوئی ذرہ بھی حلق میں نہیں ٹھہرا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ الحمد للہ اس اصول سے عصر حاضر کے بہت سارے مسائل حل ہو گئے: مثالیں ملاحظہ کیجیے: مثال: عورت کے رحم (بچہ دانی) کی صفائی کے لیے لیڈی ڈاکٹر وغیرہ جو آلات استعمال کرتی ہیں، چونکہ انہیں اندر داخل کرنے کے بعد نکال لیا جاتا ہے اور یہ چیز جوف میں پہنچ کر ہمیشہ کے لیے ٹھہر نہیں جاتی لہٰذا اس سے روزہ افطار نہیں ہو گا۔ مثال: انسانی بدن کے اندرونی معائنہ کے لیے جو مختلف آلات مثلاً برانکواسکوپ، گیسٹرواسکوپ، پیشاب کی نالی،

معدہ صاف کرنے کی نالی وغیرہ داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

تنبیہ :خالی ان خشک آلات کے جوف میں داخل کرنے سے مذکورہ اصول کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن اگر ان آلات کیساتھ کوئی دوا استعمال کی گئی جیسا کہ عموماً ویزلین یا چکناہٹ وغیرہ استعمال کی جاتی ہیں تو ویزلین یا چکناہٹ کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

ضابطہ اور اصول:اصول یہ ہے کہ:''الافطار مما دخل، لا مما خرج'' روزہ ہر اس چیز سے ٹوٹتا ہے جو بدن میں داخل ہوتی ہے، اس چیز سے نہیں ٹوٹتا جو بدن سے خارج ہوتی ہے۔ مثال : کسی نے گندا خون نکلوانے کے لیے پچھنے لگوائے، اس سے روزے نہیں ٹوٹتا۔ مثال : کسی کو خون کی بوتل دی، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مثال :بے اختیار قے ہو گئی، خواہ تھوڑی ہو یا منہ بھر کر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مثال :غیر اختیاری طور پر، یا کسی عورت کو دیکھتے ہی انزال ہو گیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ چونکہ یہ تمام اشیاء بدن سے نکلنے والی ہیں لہٰذا ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

ضابطہ اور اصول:ہر ایسی چیز یا ہر ایسا فعل جو براہ راست خود تو مفطرات میں سے نہیں ہے، لیکن وہ روزہ توڑنے کا سبب اور ذریعہ بن سکتا ہے، اسے بھی حضرات فقہاء کرامؒ نے مکروہ لکھا ہے۔ مثال :عورت کا کھانا چکھنا مکروہ ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کھانا چکھتے ہوئے کھانے کا کوئی ذرہ حلق میں اتر جائے اور روزہ ٹوٹ جائے۔ مثال :لیکن اگر کسی عورت کا شوہر غصیلی طبیعت کا ہو، کھانے میں نمک مرچ زیادہ ہونے پر آپے سے باہر ہو جاتا ہو تو ایسی عورت کے لیے زبان پر رکھ کر کھانا چکھ لینا مکروہ بھی نہیں ہے۔ کھانا چکھ کر فوراً تھوک دے۔ مثال :روزہ دار کا اپنے منہ سے روٹی یا گوشت وغیرہ کا ٹکڑا چبا کر بچے کو کھلانا مکروہ ہے، کیونکہ کھانے کے کسی ذرے کا حلق میں اتر جانے کا اندیشہ ہے۔ البتہ اگر مجبوری ہو اور بچہ بھوک کی وجہ سے بلک رہا ہو اور دودھ وغیرہ نہ ہو تو چبانا مکروہ نہیں ہے۔

مثال :روزے کی حالت میں اپنی بیوی کو بوسہ دینا مکروہ ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ بوسہ دینے کی وجہ سے شہوت سے مغلوب ہو کر جماع کر بیٹھے اور روزہ ٹوٹ جائے۔ مثال :روزہ کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ یا منجن کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ پیسٹ یا منجن کے کسی ذرّے کا حلق میں اتر جانے کا اندیشہ ہے۔ مثال :روزہ کی حالت میں نسوار رکھنا مکروہ ہے، کیونکہ نسوار کے کسی ذرے کا حلق میں پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔ الغرض ہر وہ چیز جو روزہ توڑنے کا سبب بن سکتی ہے مکروہ تنزیہی ہے۔

تمام اصول وضوابط کا لبّ لباب:ہوا یا خوشبو وغیرہ کے علاوہ ہر وہ چیز جو معدہ، حلق، یا آنتوں تک پہنچ جائے یا ایسی جگہ پہنچ جائے جو معدہ یا حلق، یا آنتوں کا راستہ ہو، اور ''منفذ'' کے راستے سے پہنچے خواہ منفذ خلقی ہو یا غیر خلقی ہو یا غیر خلقی (مسام اور آنکھ کے علاوہ) اور وہ چیز جوف میں پہنچ کر ٹھہر جائے اور غائب ہو جائے اور افطار سے رکاوٹ بننے والی کوئی چیز (نسیان، غلبہ، اور دار الحرب میں نو مسلم کا احکام سے جاہل ہونا) نہ پائی جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

روزہ کی قضاء اور کفّارے کا بیان:روزہ افطار ہو جانے کی بعض صورتیں وہ ہیں جن میں صرف روزہ قضاء کرنا ضروری ہے اور بعض صورتیں وہ ہیں جن میں قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہے (جن کا بیان آگے آ رہا ہے)

روزہ توڑنے کا جرم اگر کامل درجے کا ہو تو قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے اور روزہ توڑنے کا جرم اگر کامل درجے کا نہ ہو تو صرف قضاء لازم ہوتی ہے کفارہ نہیں آتا۔ ذیل میں ان تمام صورتوں کو نمبروار تقابلی انداز میں بیان کیا جاتا ہے تا کہ طلبہ گرامی قدر سہولت سے ذہن نشین کر سکیں۔ (۱) اگر روزہ دار ایسی غذا کھالے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے جو عموماً کھائی جاتی ہے اور اس کے کھانے سے پیٹ کی اشتہاء (کھانے کی چاہت) ختم ہو جاتی ہے تو روزے کی قضاء واجب ہوتی ہے اور کفارہ بھی۔ مثال : ہر قسم کے کھانے (چاول، روٹی، بریانی، نہاری، کباب وغیرہ) اور مشروبات پھل اور میوہ جات وغیرہ۔ مثال : گندم کے دانے منہ

میں رکھ کر چبائے اوران کا گودا نگل گیا۔ مثال: گندم کا دانہ بغیر چبائے سالم نگل گیا۔ مثال: تل وغیرہ نگل گیا۔
مثال: مٹی کھانا جب کہ مٹی کھانے کی عادت ہو۔ مثال: سگریٹ یا حقہ وغیرہ پینا جب کہ اس کی عادت ہو یا کسی فائدہ کی غرض سے پئیں۔ لیکن اگر ایسی چیز کھالے جس کی طرف طبیعت کا میلان نہیں ہوتا اور انہیں عموماً کھایا نہیں جاتا اور نہ ہی ان کے کھانے سے پیٹ کی اشتہاء ختم ہوتی ہے تو ان چیزوں کے کھانے سے صرف قضاء لازم آتی ہے کفارہ نہیں۔ مثال: ایک ہی دفعہ میں بہت سارا نمک۔ مثال: روئی۔ مثال: کاغذ، گٹھلی، مٹی، (جبکہ اس کے کھانے کی عادت نہ ہو) لوہے کا ٹکڑا اور کنکری وغیرہ۔
(۲) کھانے پینے کی تمام چیزیں مروجہ طریقے کے مطابق کھائی جائیں تو قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے۔ مثال: چاول پکا کر کھانا۔ مثال: بادام کا چھلکا اتار کر کھانا۔ مثال: آٹا گوندھ کر روٹی پکا کر کھانا۔ لیکن اگر یہ اشیاء عام مروجہ طریقے کے خلاف استعمال کی جائیں تو صرف قضاء واجب ہوتی ہے کفارہ نہیں۔ مثال: کچا چاول کھانا۔ مثال: خشک آٹا کھانا۔ مثال: گوندھا ہوا آٹا روٹی پکائے بغیر کھانا۔ مثال: بادام چھلکے سمیت نگل جانا۔
(۳) کھانے پینے کی مندرجہ بالا اشیاء میں سے کوئی چیز (جن کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہو، جن کے کھانے سے پیٹ کی اشتہاء ختم ہوتی ہو، جن کو عام مروجہ انداز سے استعمال کیا گیا ہو) اگر منفذ میں سے صرف منہ کے راستے جوف (معدہ) تک پہنچے تو قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہی اشیاء (مندرجہ بالا تمام شرائط کے ساتھ) منفذ میں سے منہ کے بجائے ناک یا کسی اور منفذ کے راستے جوف معدہ تک پہنچے تو صرف قضاء واجب ہوتی ہے کفارہ نہیں۔ مثال: ناک میں دوا کے قطرے ٹپکائے تو صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔
(۴) کوئی چیز مندرجہ بالا تمام شرائط کے ساتھ منافذ (راستے) میں سے منہ کے راستے سے صرف جوف (معدہ، حلق، آنتوں) میں پہنچے تو قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ لازم آتا ہے۔ لیکن اگر کسی بھی راستے سے جوف معتبر کے علاوہ کسی دوسرے جوف میں پہنچے تو صرف قضاء لازم آتی ہے کفارہ نہیں۔ مثال: (۱) لیڈی ڈاکٹر نے عورت کی شرمگاہ کے راستے اس کے رحم میں کوئی دوائی لگائی تو صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔ (۲) پیٹ کے زخم میں دوا ڈالی جسے وہ جوف (معدہ) تک پہنچ گئی۔
(۵) روزہ دار کسی قسم کے کھانے والی دوا بغیر عذر شرعی استعمال کرے تو قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہے۔ لیکن اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے کوئی دوا استعمال کرلی تو صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ اسی طرح عذر شرعی کی وجہ سے کچھ کھا پی لے تو بھی قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ مثال: (۱) کسی شخص نے روزہ رکھا پھر سفر شروع کر دیا اور اس وجہ سے روزہ توڑ دیا۔ تو قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔
(۲) بیماری کی وجہ سے روزہ توڑ دیا تو قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ (۳) عورت نے اپنے حمل کی حفاظت کی خاطر روزہ توڑ دیا تو قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ (۴) ماں کی چھاتی خشک تھی، چنانچہ بچے کو دودھ پلانے کے لیے کچھ کھا پی لیا تو قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔
(۵) روزے کے دوران حیض و نفاس شروع ہو گیا، تو صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ (۶) روزے کی حالت میں بے ہوش ہو گیا یا جنون لاحق ہو گیا تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، قضا لازم ہوتی ہے کفارہ نہیں۔
(۶) وہ روزہ جس کے ٹوٹنے سے کفارہ لازم آتا ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ رمضان المبارک کا روزہ ہو۔ لیکن اگر وہ سرے سے رمضان المبارک کا روزہ ہی نہ ہو کوئی اور روزہ ہو، یا رمضان المبارک کا قضاء روزہ ہو تو اس صورت میں کفارہ لازم نہیں آتا، صرف اس روزے کی قضاء واجب ہے۔ (۷) وہ تمام اشیاء جن کے کھانے سے کفارہ لازم آتا ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ عمداً (جان بوجھ کر) کھائے۔ اگر بھول کر کھائے تو روزہ بھی نہیں ٹوٹتا اور کفارہ بھی لازم نہیں آتا۔
(۸) وہ تمام اشیاء جن کے کھانے سے کفارہ لازم آتا ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ان کے کھانے میں خطا (غلطی) واقع

نہ ہوئی ہو۔ لیکن اگر اس نے وہ چیز غلطی سے (خطا) استعمال کر لی، تو روزہ ٹوٹ جائے گا صرف قضاء لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔
مثال :(۱) غرغرہ کرتے ہوئے پانی حلق میں اتر جائے تو صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ (۲) کسی آدمی کا گمان یہ ہو کہ ابھی سحری کا وقت باقی ہوا اور وہ کھاتا پیتا رہے جب کہ حقیقت میں سحری کا وقت ختم ہو چکا تھا، تو صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔
(۳) کوئی آدمی غلطی سے یہ سمجھتے ہوئے افطار کرلے کہ سورج غروب ہو گیا ہے جبکہ سورج ابھی غروب نہ ہوا ہو تو صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔
(۹) کھانے پینے پر اسے اکراہ نہ کیا گیا ہو یعنی دھمکی کے ذریعے نہ کھلایا گیا ہو تو اس پر قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہے۔ لیکن اگر اکراہ کے ذریعے کھانے پینے پر مجبور کیا گیا تو اس پر قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔
(۱۰) وہ چیزیں جن کے کھانے سے کفارہ لازم آتا ہے، اس میں وہ مضطر نہ ہو (مضطر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر نہیں کھائے پیئے گا تو جان جانے کا خوف ہو) لیکن اگر وہ کھانے پینے میں مضطر (مجبور ولاچار) ہو گیا تو اس صورت میں قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔
روزہ کی حالت میں کون سی باتیں مکروہ ہیں؟ روزہ دار کے لیے مندرجہ ذیل کام کرنا مکروہ ہیں اسے چاہیے کہ وہ ان تمام افعال سے اجتناب کرے تا کہ اس کے روزے میں کوئی نقص واقع نہ ہو: (۱) کسی چیز کا چبانا یا چکھنا۔ (۲) تھوک کو منہ میں جمع کرنا اور پھر اسے نگل جانا۔ (۳) ہر ایسا کام کرنا جس سے جسمانی ضعف لاحق ہو سکتا ہو (جیسے پچھنے لگوانا یا خون دینا)۔
روزہ کی حالت میں کون سی باتیں مکروہ نہیں ہیں؟ روزہ کی حالت میں درج ذیل امور مکروہ نہیں ہیں: (۱) داڑھی یا مونچھوں کو تیل (ویسلین آئل) لگانا۔ (۲) سرمہ لگانا۔ (۳) ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنا۔ (۴) ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے پانی سے تر کیا ہوا کپڑا لپیٹنا۔ (۵) وضو کے علاوہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔ (۶) دن کے آخری حصے میں مسواک کرنا۔ روزہ کی حالت میں جس طرح شروع میں مسواک کرنا سنت ہے، اسی طرح دن کے آخری حصے میں بھی سنت ہے۔ خواہ مسواک کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کا ذائقہ منہ میں باقی رہتا ہو۔
روزہ کی حالت میں کون سی باتیں مستحب ہیں؟ روزہ کی حالت میں مندرجہ ذیل باتیں مستحب ہیں: (۱) سحری کھانا۔ (۲) سحری کو مؤخر کرنا۔ مناسب یہ ہے کہ طلوع فجر سے چند منٹ پہلے کھانا پینا چھوڑ دے تا کہ روزے میں کسی قسم کا شک واقع نہ ہو۔ (۳) غروبِ آفتاب کے بعد افطار میں جلدی کرنا۔ (۴) اگر جنابت لاحق ہو تو فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے پہلے غسل کر لینا۔ تا کہ روزہ کی عبادت ایسی حالت میں شروع ہو کہ یہ مکمل طہارت کے ساتھ ہو۔ (۵) جھوٹ، غیبت، چغل خوری، گالم گلوچ سے اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ (۶) رمضان المبارک کی ان مبارک ساعات کو غنیمت سمجھے اور زیادہ سے زیادہ وقت ذکر و تلاوت میں مشغول رہے۔ (۷) معمولی باتوں پر غضبناک نہ ہو۔
(۸) اپنے نفس کو شہوات ولذات سے باز رکھے اگرچہ وہ لذات حلال ہی کیوں نہ ہوں۔
روزہ چھوڑ دینا کب جائز ہے؟ اسلام ایسا دین ہے جو انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو انہی احکام کا مکلف بنایا ہے جن کا بجا لانا اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ جہاں بھی مشقت اور ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہے وہاں احکام میں بڑی سہولت پیدا فرما دی ہے۔ درج ذیل صورتوں میں ایک مسلمان کو شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ روزہ چھوڑ دے۔
(۱) کسی بیمار آدمی کے بارے میں ماہر اور دیندار ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ روزے کی وجہ سے اسے نقصان ہو سکتا ہے یا اس کی بیماری بڑھ سکتی ہے یا دیر سے اچھا ہوگا اور بیماری کی مدت بڑھ سکتی ہے۔ (۲) ایسا شخص جو سفر شرعی (تقریباً ۴۸ کلومیٹر) کا ارادہ

رکھتا ہے۔

(۳) ایسا شخص جس کو اتنی سخت بھوک یا پیاس لگی کہ اس کا غالب گمان ہو کہ اگر اس نے روزہ افطار نہ کیا تو اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے۔(۴) ایسی حالت کو شریعت میں "اضطرار" اور اس شخص کو "مضطر" کہتے ہیں۔(۵) ایسی حاملہ عورت کہ روزے کی وجہ سے خود اسے یا اس کے حمل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔(۶) حیض ونفاس والی عورت۔ بلکہ انہیں روزہ چھوڑنا واجب ہے۔

(۷) ایسا بوڑھا آدمی جو عمر کے ایسے حصے میں پہنچ چکا ہو کہ اس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو۔ایسے بوڑھے کو فقہ کی زبان میں "شیخ فانی" کہتے ہیں۔اس شخص پر روزوں کی قضاء بھی نہیں ہے بلکہ فدیہ ادا کرنا واجب ہے۔(۸) کسی نے نفلی روزہ رکھا ہو تو اسے بغیر کسی عذر کے توڑ دینا جائز ہے،لیکن کسی دوسرے دن اس کی قضاء واجب ہے۔● اگر کسی شخص کے ذمہ روزوں کی قضاء ہو تو جس قدر جلدی ہو قضاء کر لینا مستحب ہے۔اگرچہ قضاء کو مؤخر کر دینا بھی جائز ہے۔● اور قضاء روزے لگا تار رکھنا بھی جائز ہے اور متفرق رکھنا بھی۔

کفارہ کا بیان: وہ صورتیں جن میں قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے وہ کفارہ یہ ہے:(۱) کسی بھی غلام کو آزاد کرنا،خواہ وہ غلام مسلمان ہو یا نہ ہو۔(۲) اگر غلام آزاد نہ کر سکتا ہو تو پھر دو مہینے اس طرح لگا تار روزے رکھے کہ درمیان میں عید کے دن آئیں نہ ایام تشریق (وہ ایام جن میں روزہ حرام ہے)۔

خوب یاد رہے کہ کھانا کھلانے کا نمبر اس وقت ہے جب روزہ کی طاقت بالکل نہ ہو اور اس بات کا فیصلہ کوئی ماہر دیندار ڈاکٹر کر سکتا ہے یا اپنا پہلے سے تجربہ ہو۔محض سمجھ لینا کہ مجھ میں روزہ رکھنے کی طاقت کہاں ہے جیسا کہ عوام کرتے ہیں،یہ درست نہیں۔

(۴) ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک صبح وشام کا کھانا کھلانا بھی جائز ہے۔(۵) اگر کھانا کھلانا نہ چاہے تو ساٹھ مسکینوں کو صدقۃ الفطر کی مقدار (پونے دو سیر گندم، یا اس کا آٹا) دینا بھی جائز ہے۔(۶) اسی طرح صدقۃ الفطر کی مقدار نقد رقم یا اتنی نقد رقم سے دیگر اشیاء (کپڑے، جوتے وغیرہ) خرید کر دینا بھی جائز ہے۔(۵) یاد رہے کہ روزے رکھنے کی صورت میں لگا تار ہونا ضروری ہے۔لیکن مسکینوں کو کھانا کھلانے کی صورت میں لگا تار ہونا ضروری نہیں ہے۔

رؤیت ہلال کے احکام: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا"۔ (رواہ البخاری: ج:۱: ص ۱۹۰: رقم الحدیث ۱۹۰۹)

ترجمہ: تم چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند کو دیکھ کر ہی روزہ چھوڑ دو، لیکن تم پر چاند کا معاملہ پوشیدہ رہے تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو۔

رمضان المبارک کا آغاز: رمضان المبارک کا مہینہ دو صورتوں میں شروع ہوتا ہے:(۱) رمضان کا چاند نظر آجائے۔

(۲) چاند نظر نہ آنے کی صورت میں شعبان کے تیس (۳۰) دن پورے ہو جائیں۔

چاند کا ثبوت: چاند کے ثبوت کے مسائل سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ چاند یا:(۱) تو رمضان المبارک کا ہوگا۔(۲) عید الفطر کا ہوگا۔ادھر آسمان کی دو حالتیں ہیں:(۱) مَطلَع (آسمان کا وہ حصہ جہاں چاند طلوع ہوتا ہے) بالکل صاف ہو۔(۲) مَطلَع ابر آلود ہو، کہ اس پر بادل، غبار یا دھواں چھایا ہوا ہو۔پھر چاند کے بارے میں گواہی دینے والے لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں:(۱) اکیلا آدمی گواہی دے۔(۲) نصاب شہادت پورا ہو یعنی دو آدمی یا ایک آدمی اور دو عورتیں گواہی دیں۔(۳) مجمع عظیم ہو، یعنی اتنا بڑا مجمع گواہی دے کہ عقل فیصلہ کرے کہ سارے لوگ جھوٹ نہیں بول سکتے، اتنے لوگ ہوں کہ چاند ہونے کا غالب گمان ہو۔

لیجیے اب تفصیل ملاحظہ فرمائیے:● اگر چاند رمضان المبارک کا ہے اور مَطلَع بالکل صاف ہو تو چاند کے ثبوت کے لیے ایک

آدمی کی گواہی کافی نہیں ہے، نصابِ شہادت (دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں) بھی کافی نہیں بلکہ چاند کے ثبوت کے لیے جمع عظیم ضروری ہے۔

اس لیے کہ جب آسمان بالکل صاف ہے تو ایک دو آدمیوں کے دیکھنے کا کیا مطلب؟ کیونکہ عین ممکن ہے کہ کسی جہاز کو چاند سمجھ بیٹھے ہوں۔ لہٰذا لوگوں کی بڑی تعداد کا ہونا ضروری ہے۔ ● اگر چاند رمضان المبارک کا ہے اور مطلع صاف نہیں ہے، بلکہ ابر آلود ہے تو ایک آدمی کی گواہی سے بھی چاند ثابت ہو جائے گا۔ ● اس لیے کہ عین ممکن ہو کہ اس کے سامنے بادل پھٹے ہوں اور وہاں اسے چاند نظر آ گیا ہو۔ اور جب دوسروں کی نظر پڑی ہو تو وہاں بادل مل گئے ہوں۔ اس صورت میں جب ایک کی گواہی معتبر ہے تو پھر نصابِ شہادت اور مجمع عظیم کی کیوں قبول نہ ہوگی۔ ● اور اگر عید کا چاند ہے اور مطلع بالکل صاف ہے تو رمضان کے چاند کی طرح یہاں بھی لوگوں کی بڑی تعداد کی گواہی ضروری ہے۔ اکیلے آدمی یا نصابِ شہادت کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ اور اگر عید کا چاند ہے اور مطلع ابر آلود ہے تو اکیلے آدمی کی گواہی بھی معتبر نہیں ہے اگرچہ رمضان کے چاند میں معتبر تھی۔ کیونکہ وہاں مسئلہ روزہ شروع کرنے کا ہے جو اتنا زیادہ بھاری معاملہ نہیں ہے جب کہ یہاں فرض روزہ چھوڑنے کا معاملہ ہے جو زیادہ سنگین ہے۔ لہٰذا شریعت نے یہاں زیادہ احتیاط برتی ہے۔

اگر چاند دیکھنے والے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہوں، یعنی نصابِ شہادت پورا ہو۔ یا چاند دیکھنے والا عظیم مجمع ہو تو پھر عید کے چاند کی گواہی معتبر ہوگی۔ ● جس آدمی نے بذاتِ خود رمضان کا چاند دیکھا لیکن حاکم کی طرف سے اس کی رؤیت پر چاند کا فیصلہ نہیں ہوا، تب بھی اسے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ ● جس اکیلے آدمی نے عید کا چاند دیکھا لیکن اس کی گواہی تسلیم نہیں کی گئی۔ تو اسے اکیلے عید کرنے کی اجازت نہیں بلکہ روزہ رکھنا ضروری ہے۔

روزے میں نیت کا حکم: جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ روزے کے صحیح ہونے کے لیے نیت ہونا شرط ہے۔ اور نیت سے مراد یہ ہے کہ دل میں یہ ارادہ ہو کہ میں روزہ رکھتا ہوں لیکن زبان سے نیت کے الفاظ کہنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ زبان سے نیت کے الفاظ کہنے کو حضراتِ فقہاء کرامؒ نے اس لیے پسند فرمایا ہے کہ اس کے ذریعے دل کی نیت مستحضر ہو جاتی ہے اور دل بھی متوجہ ہو جاتا ہے۔

روزے میں نیت کا وقت: (۱) درج ذیل روزوں میں رات ہی کو نیت کرنا ضروری ہے۔ اور رات سے مراد یہ ہے کہ طلوع فجر سے پہلے پہلے نیت کر لے، کیونکہ فجر طلوع ہونے سے رات ختم ہو جاتی ہے اور دن شروع ہو جاتا ہے۔ (الف) رمضان المبارک کے قضاء روزوں کی صورت میں۔ (ب) کسی قسم کے کفارے کے روزے رکھنا چاہتا ہو۔ (ج) نذرِ مطلق کی صورت میں۔

(۲) روزے کی درج ذیل اقسام میں رات کو نیت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ نصف النہار (طلوع فجر سے لے کر غروب کے مجموعی وقت کا آدھا) سے پہلے پہلے نیت کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد نیت کرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ مثال: اگر طلوعِ فجر پانچ بجے اور غروبِ آفتاب شام چھ بجے ہو تو یہ وقت بارہ گھنٹے بنتے ہیں۔ اور مجموعی وقت کا آدھا چھ گھنٹے ٹھیک گیارہ بجے ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان روزوں کی صورت میں گیارہ بجے سے پہلے پہلے نیت کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہی وقت شریعت کی اصطلاح میں "نصف النہار" ہے۔

(الف) رمضان المبارک کے ادا روزے۔ (ب) نذر معین کا روزہ۔ (ج) نفلی روزہ (اس میں مسنون اور مستحب تمام روزے داخل ہیں جن کی تفصیل گزر چکی ہے)۔

نیت کس طرح کر سکتا ہے؟ پہلے یہ اصول سمجھ لیں کہ: مطلق نیت سے مراد یہ ہے کہ روزے رکھتے ہوئے صرف روزے کی نیت ہو اس کے فرض، واجب، سنت، یا مستحب وغیرہ ہونے کی نیت نہ کی جائے۔ (۱) رمضان المبارک کے ادا روزے مطلق نیت سے بھی صحیح ہو جاتے ہیں۔ اور اگر نفل کی نیت کر لے تب بھی رمضان کے فرض روزے ادا ہو جاتے ہیں۔ (۲) نذر معین کے روزے

مطلق نیت سے بھی ادا ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی نفل کی نیت کر لے تب بھی نذر معین کے روزے ادا ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں (خواہ رمضان کے ایام ہوں یا نذر معین کے ایام) یہ وقت صرف انہی روزوں کے لیے خاص ہو چکا ہے۔ خواہ ان میں سے کوئی سی بھی نیت کر لے۔ (۳) نفل روزے بھی مطلق نیت سے ادا ہو جاتے ہیں اور نفل کی نیت کرنے سے بھی ادا ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ: روزے کی وہ اقسام جن میں رات کو نیت کرنا ضروری نہیں، ان میں روزہ صحیح ہونے کے لیے صرف روزے کی نیت کر لینا بھی کافی ہے۔

چاند دیکھنے کی گواہی کی شرائط: (۱) گواہ مسلمان ہو، لہٰذا غیر مسلم کی گواہی رؤیت ہلال میں قبول نہیں۔ (۲) عاقل بالغ ہو۔ لہٰذا دیوانے اور نابالغ بچے کی گواہی قبول نہیں۔ (۳) گواہ عادل ہو یعنی احکامِ شریعت کا پابند ہو کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو۔ اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کی گواہی کو قبول کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا قاضی کے ذمہ واجب نہیں ہے، لیکن اگر قاضی یا رؤیت ہلال کمیٹی کو قرائن کے ذریعے معلوم ہو جائے کہ یہ گواہ جھوٹ نہیں بولتا اس بناء پر وہ فاسق کی گواہی کو قبول کر کے اس پر فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ نافذ ہے البتہ فاسقوں میں سے ایسے کی گواہی کو قبول کریں جس میں دوسروں کی بنسبت نیکی زیادہ ہو اور برائی کم ہو مثلاً نماز روزے کا پابند ہو اور عام شرعی احکام کا احترام کرتا ہو۔

(۵) لفظ شہادت کے ساتھ گواہی دے اس کے بغیر گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہادت کے لفظ میں حلف یعنی قسم کے معنی بھی ہیں اور واقعہ کے خود مشاہدہ کرنے کا اقرار بھی ہے اس لیے ہر گواہ پر لازم ہے کہ اپنا بیان پیش کرنے سے پہلے یہ کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے چاند دیکھا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ میں حلفی بیان دیتا ہوں کہ چاند میں نے بہ چشم خود دیکھا ہے۔ البتہ رمضان المبارک کے چاند کی گواہی دینے میں لفظ ''شہادت'' شرط نہیں ہے۔ (۶) جس واقعہ مثلاً چاند دیکھنے کی گواہی دے رہا ہو اس کو بہ چشم خود دیکھا ہو، محض سنی سنائی بات نہ ہو البتہ اگر کوئی شخص عذر کے سبب گواہی کے لیے خود حاضر نہیں ہو سکتا تو وہ اپنی گواہی پر دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کو گواہ بنا کر قاضی یا رؤیت ہلال کمیٹی کی مجلس میں بھی بھیج سکتا ہے۔ مجلس قضاء میں ان لوگوں کی گواہی اس ایک ہی شخص کے قائم مقام سمجھی جائے گی دونوں گواہ قاضی کے سامنے یہ بیان دیں گے کہ فلاں شخص نے چاند کو دیکھا اور خود حاضری سے معذور ہونے کا سبب ہم دونوں کو اپنی شہادت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے ہم اس کی شہادت پر شہادت دیتے ہیں۔

(۷) گواہ کے لیے ضروری ہے کہ قاضی یا رویت ہلال کمیٹی کی مجلس میں خود حاضر ہو کر گواہی دے پس پردہ یا دور سے بذریعہ خط یا ٹیلی فون یا دیگر جدید آلات کے ذریعے کوئی شخص شہادت دے تو وہ شہادت نہیں۔ روزوں کی مناسبت سے صدقۃ الفطر کے احکام بھی یاد رکھیں۔

زکوٰۃ کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرض زکوٰۃ۔ (۲) واجب زکوٰۃ۔ بحمداللہ تعالیٰ آگے فرض زکوٰۃ کے احکام پڑھیں گے ہیں اب واجب زکوٰۃ کے احکام بیان کیے جاتے ہیں واجب زکوٰۃ سے مراد صدقۃ الفطر ہے جسے ''زکوٰۃ الرائس'' بھی کہتے ہیں۔

عزیز طلباء کرام کی سہولت اور آسانی کے پیشِ نظر صدقۃ الفطر کے مسائل دلچسپ پیرائے میں زکوٰۃ کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے لکھے جاتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

پہلے وہ احکام لکھے جاتے ہیں جو زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر میں مشترک ہیں، پھر وہ احکام لکھے جائیں گے جو زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر میں مختلف ہیں: ''زکوٰۃ'' اور ''صدقۃ الفطر'' میں مشترک احکام۔ ● زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لیے خود آدمی میں جو شرائط پائی جانی ضروری ہیں (جیسے مسلمان ہونا اور آزاد ہونا وغیرہ) بعینہٖ یہی شرائط صدقۃ الفطر کے واجب ہونے کے لیے ہیں۔ ● اگر کسی پر زکوٰۃ

فرض ہو جائے تو اس پر صدقۃ الفطر بھی واجب ہو جاتا ہے (تاہم جس پر صدقۃ الفطر واجب ہو ضروری نہیں ہے کہ اس پر زکوٰۃ بھی فرض ہو۔ (اس کی مزید تفصیل "فرق کے بیان" میں ملاحظہ فرمائیے)۔ ● جس طرح مقروض پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، اسی طرح مقروض پر صدقۃ الفطر بھی واجب نہیں ہوتا۔ ● جو شخص زکوٰۃ کا مستحق اور مصرف ہے وہی شخص صدقۃ الفطر کا مستحق اور مصرف ہے۔ ● جس طرح زکوٰۃ ایسی جگہ صرف کرنا جائز نہیں ہے جہاں تملیک کی شرط نہ پائی جائے اسی طرح صدقۃ الفطر بھی ایسی جگہ صرف کرنا جائز نہیں جہاں تملیک کی شرط نہ پائی جائے۔ ● جس طرح زکوٰۃ کے فرض ہونے سے پہلے ادا کرنا جائز تھا اسی طرح صدقۃ الفطر بھی واجب ہونے سے پہلے ادا کرنا جائز ہے۔ ● جس طرح زکوٰۃ کے باب میں خود وہی چیز دینا ضروری نہیں ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوئی ہو بلکہ اس کی جگہ اتنی مالیت کی رقم، کپڑے جوتے، کھانا اور دیگر اشیاء دے سکتے ہیں، اسی طرح صدقۃ الفطر میں بھی گندم کی جگہ پیسہ اور دیگر اشیاء دے سکتے ہیں۔

زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر میں فرق

(۱) زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔	(۱) صدقۃ الفطر واجب ہے کیونکہ سنت سے ثابت ہے
(۲) اگر کسی کے پاس اتنا مال ہو کہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچتا ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ نیز اگر کسی کے پاس ضروریات سے زائد اتنی چیزیں ہوں کہ اگر ان کی قیمت لگائی جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی (۶۳۰ گرام) کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے خواہ وہ چیزیں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں جب تک کہ وہ مال تجارت (عروض) میں داخل نہ ہو جائیں۔	(۲) اگر کسی کے پاس اتنا مال ہو جو کہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچتا ہے تو اس پر صدقۃ الفطر بھی واجب ہے۔ البتہ اگر کسی شخص کے پاس اپنی ضروریات سے زائد اتنی چیزیں ہوں کہ ان بازاری قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی ۶۳۰ گرام) کے برابر ہو جائے تو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔
(۳) زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب نصاب پر سال پورا ہو جائے۔	(۳) جب کہ صدقۃ الفطر عید الفطر کے دن فجر کے وقت واجب ہوتا ہے خواہ نصاب پر ایک دن بھی نہ گزرے۔
(۴) اگر کسی کے نصاب پر سال شروع ہو رہا ہو اور مزید مال مستفاد مل جائے تو زکوٰۃ کا حساب بھی بڑھ جائے گا مجموعہ پر زکوٰۃ ہوگی۔	(۴) جب کہ صدقۃ الفطر میں خواہ کتنا ہی مالِ مستفاد ملتا رہے اس کی مقدار متعین ہے مالِ مستفاد کے بڑھنے سے صدقۃ الفطر کی مقدار نہیں بڑھتی۔
(۵) اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہو تو صرف اس کے اوپر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، کسی دوسرے کی طرف سے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔	(۵) جب کہ صدقۃ الفطر واجب ہو جائے تو خود اپنے اوپر بھی واجب ہوتا ہے اور ہر اس شخص کی طرف سے اس پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے جن پر اسے سرپرستی حاصل ہے اور ان کا خرچہ اس کے ذمہ ضروری ہوتا ہے۔ جیسے نابالغ اولاد، خدمت کے غلام وغیرہ

(۶) زکوٰۃ کل مال کے ڈھائی فیصد (چالیسویں حصے) کے اعتبار سے فرض ہوتی ہے جس کی مقدار مجموعی مال کے کم وبیش ہونے سے کم وبیش ہوتی رہتی ہے	(۶) جب کہ صدقۃ الفطر میں صدقہ کی مقدار تقریباً پونے دو سیر گندم متعین ہے یہ مقدار مال کے کم وبیش ہونے سے نہیں بدلتی بلکہ اگر اس کی زیر سرپرستی افراد کم وبیش ہوں تو یہ مقدار کم وبیش ہوتی رہتی ہے۔
(۷) اگر کسی شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اتنی چیزیں ہوں کہ قیمت ساڑھے باون تولہ چاند ۶۳۰ گرام) کی بازاری قیمت کے برابر ہو تو اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے ایسے شخص پر اگرچہ زکوٰۃ ادا کرنا فرض نہیں ہے تاہم زکوٰۃ لینا بھی جائز نہیں ہے۔	(۷) جب کہ کسی شخص کے پاس ضروریات سے زائد اس قدر چیزیں ہوں کہ جن کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی ۶۳۰ گرام) کے برابر ہو تو خود اس پر صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے۔
(۸) زکوٰۃ کا تعلق مال سے ہوتا ہے لہٰذا زکوٰۃ فرض ہو جانے کے بعد اگر مال ہلاک ہو جائے (چوری ہو جائے، جل جائے یا غرق ہو جائے) تو زکوٰۃ کی فرضیت ختم ہو جاتی ہے۔	(۸) جب کہ صدقۃ الفطر کا تعلق اس شخص سے ہوتا ہے جس پر یہ واجب ہے لہٰذا صدقۃ الفطر واجب ہو جانے کے بعد اگر مال ہلاک ہو جائے تو اس کا وجوب ختم نہیں ہوتا۔
(۹) زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے مال کا نامی (بڑھنے والا ہونا) ضروری ہے۔	(۹) صدقۃ الفطر میں مال کا نامی ہونا ضروری نہیں ہے۔
(۱۰) زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے۔	(۱۰) جب کہ صدقۃ الفطر واجب ہونے کے عاقل اور بالغ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ بچے اور مجنون پر بھی واجب ہوتا ہے۔

صدقۃ الفطر کی مقدار: اگر کسی شخص پر صدقۃ الفطر واجب ہو جائے تو درج ذیل تفصیل کے مطابق صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہوتا ہے۔ ● اگر گندم یا گندم سے بنی ہوئی کسی چیز جیسے گندم کا ستو، یا گندم کا آٹا وغیرہ سے صدقۃ الفطر دینا چاہے، تو پونے دو سیر سے آدھی چھٹانک تک زیادہ دینا ضروری ہے، احتیاطاً پورا دو سیر کر لے۔ ● اگر جَو یا جَو کا آٹا یا جَو کا ستو، کھجور یا کشمش دینا چاہے تو گندم سے دوگنی مقدار (ساڑھے تین سیر اور ایک چھٹانک) دینا ضروری ہے۔ ● ان اجناس کے علاوہ اگر پیسوں کی شکل میں دینا چاہے تو ان کی بازاری قیمت لگا کر اتنے روپے دے دے۔ ● اگر ان اجناس کے علاوہ دوسری جنس سے صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہے (جیسے چنا، دالیں، چاول وغیرہ) تو ان اجناس (گندم، جَو، کھجور، کشمش) کی قیمت لگا کر اتنی قیمت میں جتنی یہ چیزیں (چنا، دالیں، چاول) آتی ہوں، دینا ضروری ہے۔

اعتکاف کے احکام: بتوفیقِ تعالیٰ اعتکاف کے مسائل کے سلسلے میں درج ذیل موضوعات پر گفتگو کی جائے گی۔

(۱) اعتکاف کی اقسام۔ (۲) اعتکاف کی مدت اور جگہ (زماں و مکان) (۳) اعتکاف کے مفسدات۔ (۴) وہ اعذار جن کی وجہ سے مسجد سے نکلنا جائز ہے۔ (۵) اعتکاف کے مباحات۔ (۶) اعتکاف کے آداب۔ (۷) اعتکاف کے مکروہات۔

(۸) اعتکاف توڑنا کب جائز ہے۔

اعتکاف کی اقسام: اعتکاف کی تین اقسام ہیں: (۱) واجب (۲) سنتِ مؤکدہ (۳) مستحب۔

واجب: یہ وہ اعتکاف ہوتا ہے جس کی انسان نذر مان لے، اگر اپنی نذر میں کچھ مدت یا خاص ایام کا تعین کر لے تو اتنی مدت یا ان خاص ایام میں اعتکاف کرنا واجب ہوتا ہے۔ **سنتِ مؤکدہ:** رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا "سنتِ مؤکدہ

علی الکفایہ" یہ چنانچہ محلے میں سے کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب لوگ گناہگار ہوں گے۔ مستحب :اعتکاف منذور اور رمضان المبارک کے اخیر عشرے کے علاوہ باقی دنوں میں اعتکاف کرنا۔خواہ وہ رمضان کے پہلے دو عشروں کے ایام ہی کیوں نہ ہوں۔

اعتکاف کی مدت (زمان) اور جگہ (مکان)

ا۔مدت (زماں) :اعتکاف کی اقسام بدلنے سے اس کی مدت بھی بدل جاتی ہے۔واجب اعتکاف کی مدت تو وہی ہے جتنی اس نے نذر مانی ہو۔مسنون اعتکاف کی مدت رمضان المبارک کے آخری دس دن ہیں۔ ۲۰ رمضان المبارک کے افطار سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور عید الفطر کا چاند نظر آنے پر مسجد سے نکلے۔مستحب اعتکاف کی مدت کوئی متعین نہیں ہے اس کی مدت کم از کم ایک سیکنڈ بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت کی کوئی حد نہیں ہے۔لہٰذا جب بھی کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اعتکاف کی نیت کر لے وہ جتنی دیر مسجد میں گزارے گا اسے اعتکاف کا ثواب ملتا رہے گا۔

۲۔جگہ (مکان) :اعتکاف ایسی مسجد میں صحیح ہوتا ہے جہاں نماز پنجگانہ کا اہتمام ہو اور وہاں امام اور نمازی متعین ہوں اور تمام نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہوں۔اور تمام مساجد میں اعتکاف کے لیے سب سے افضل مسجد حرام (زادہ اللہ شرفاً و کرامۃ) ہے۔اس کے بعد مسجدِ نبوی (علی صاحبہ الصلاۃ و السلام) ہے۔اس کے بعد مسجدِ اقصیٰ (أنقذہ اللہ من أیدی الیھود الغاصبین الظالمین) ہے۔اس کے بعد اپنے شہر کی جامع مسجد ہے (جہاں جمعہ ہوتا ہے)، اس کے بعد محلے کی وہ مسجد ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا۔جبکہ عورت کے لیے اعتکاف کی جگہ اس کے گھر کی مسجد ہے اس سے مراد وہ جگہ ہے، جس کو عورت اپنی نماز کے لیے متعین کر لے۔

اعتکاف کے مفسدات: درج ذیل باتوں سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے: (۱) بغیر کسی عذر کے مسجد سے نکلنا۔ (۲) عورت کو حیض و نفاس آجانا۔ (۳) بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کرنا (جماع)۔ دواعی جماع (جماع کی طرف لے جانے والے کام کرنا) یعنی شہوت کے ساتھ بوسہ دینا یا شہوت کے ساتھ چھونا۔

وہ اعذار جن کی وجہ سے مسجد سے نکلنا جائز ہے :وہ اعذار اور مجبوریاں جن کی وجہ سے مسجد سے نکلنا جائز ہے تین ہیں:

(۱) اعذارِ طبعیہ :جیسے پیشاب، پاخانہ اور جنابت کا غسل کرنا۔لہٰذا معتکف کو غسل جنابت کرنے کے لیے اور بول و براز کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے۔بشرطیکہ وہ مسجد سے اتنی دیر باہر رہے جتنی دیر میں یہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو سکتا ہے۔بلا ضرورت دیر کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

۲۔اعذارِ شرعیہ :جیسے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے نکلنا بشرطیکہ اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو جہاں یہ اعتکاف کیے ہوئے ہے۔

۳۔اعذارِ ضروریہ :یعنی کوئی مجبوری پیش آجائے جیسے مسجد میں رہتے ہوئے اپنی جان یا اپنے سامان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔● یاد رہے کہ پہلی دو قسم کی مجبوریوں (طبعی ہوں یا شرعی) مسجد سے باہر نکل جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا جب کہ تیسری قسم کی مجبوری میں مسجد سے نکل جانے کی صورت میں اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

اعتکاف کے مباحات :مسجد میں درج ذیل کام کرنا مباح اور جائز ہے: (۱) کھانا پینا۔ (۲) سونا۔ (۳) بال کٹوانا بشرطیکہ مسجد میں بال نہ گریں۔ (۴) ضرورت کی بات چیت کرنا۔ (۵) کپڑے بدلنا، خوشبو لگانا، سر میں تیل لگانا، سرمہ لگانا۔ (۶) مسجد میں کسی مریض کا معائنہ کرنا اور نسخہ تجویز کرنا۔ (۷) قرآنِ کریم یا دینی علوم کی تعلیم دینا۔ (۸) برتن یا کپڑے دھونا بشرطیکہ خود مسجد میں رہے اور پانی مسجد سے باہر گرے۔ (۹) نکاح پڑھنا یا پڑھوانا۔ (۱۰) ضرورت کے وقت مسجد میں ریح خارج کرنا۔ (۱۱) ضروری

خرید و فروخت کرنا بشرطیکہ سودا مسجد میں نہ لایا جائے۔ ضروری خرید و فروخت سے مراد یہ ہے کہ تجارتی نقطہ نظر سے خرید و فروخت نہ ہو بلکہ ضروریات زندگی کے لیے ہو۔ مثال :فرحان اعتکاف میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور گھر میں پکانے اور افطار کا سامان خریدنے کے لیے کوئی بھی نہیں ہے۔ مسجد کے سامنے سے پھل والا گزرا تو یہ افطار کے لیے یا سودا گھر بھیجنے کے لیے مسجد میں ہوتے ہوئے خرید سکتا ہے۔

اعتکاف کے آداب:(۱) لغو اور لایعنی بات چیت سے بچے اور صرف اچھی گفتگو کرے۔(۲) اعتکاف کے مکروہات سے بچے۔(۳) اپنے وقت کو تلاوتِ قرآن، ذکر و تسبیح اور تعلیم و تعلم میں خرچ کرے۔

اعتکاف کے مکروہات:اعتکاف کی حالت میں درج ذیل باتیں مکروہ ہیں:(۱) خاموشی کو عبادت سمجھ کر چپ بیٹھے رہنا مکروہ تحریمی ہے۔(۲) تجارتی نقطہ نظر سے خرید و فروخت کرنا، چاہے سودا مسجد میں نہ لائے۔(۳) سودا مسجد میں لا کر بیچنا، خواہ اپنی یا اہل وعیال کی ضرورت کے لیے ہو۔(۴) بلا ضرورت فضول باتیں کرنا۔(۵) اعتکاف کے لیے مسجد میں اتنی جگہ پر قبضہ جمانا کہ دوسرے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔(۶) اجرت اور تنخواہ پر تعلیم دینا، کپڑے سینا یا کتابت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اعتکاف کب توڑنا جائز ہے؟● اعتکاف کے دوران کوئی ایسی بیماری ہوگئی جس کا علاج مسجد سے باہر نکلے بغیر ممکن نہیں تو اعتکاف توڑنا جائز ہے۔● کسی ڈوبتے یا جلتے ہوئے آدمی کو بچانا یا آگ بجھانے کے لیے۔● ماں، باپ یا بیوی بچوں میں سے کسی کو سخت بیماری ہو جائے اور اس کی تیمارداری کی ضرورت ہو۔ کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو۔● کوئی جنازہ آجائے اور نماز پڑھنے والا کوئی نہ ہو۔ اگر اعتکاف ٹوٹ جائے:اعتکاف غلطی سے ٹوٹ گیا ہو یا مجبوری سے توڑا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ جس دن اعتکاف ٹوٹا ہے صرف اس دن کی قضاء واجب ہے پورے دس دن کی قضاء واجب نہیں۔ اگر اعتکاف دن میں ٹوٹا تو صرف دن کی قضاء واجب ہوگی۔ یعنی قضاء کے لیے صبح صادق سے پہلے مسجد میں داخل ہو۔ روزہ رکھے اور اسی دن شام کو غروب آفتاب کے نکل نکل آئے اور اگر اعتکاف رات کو ٹوٹا ہے تو رات اور دن دونوں کی قضاء کرے یعنی شام کو غروبِ آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو۔ رات بھر وہاں رہے اور صبح روزہ رکھے اور اگلے دن غروبِ آفتاب کے بعد مسجد سے باہر نکلے۔● اسی رمضان میں کسی دن قضاء کر سکتا ہے۔● اعتکاف مسنون ٹوٹ جانے کے بعد مسجد سے باہر نکلنا ضرور نہیں بلکہ باقی ایام میں نفل کی نیت سے اعتکاف جاری رکھ سکتا ہے۔

عیدین کے احکام

رَوٰی اَبُوداوُدَ فِی "سُنَنِهٖ" عَنْ اَنَسٍ ؓ اَنَّهٗ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِیْنَةَ وَلَهٗ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْهِمَا، فَقَالَ مَاهٰذَانِ الْیَوْمَانِ؟ قَالُوْا کُنَّا نَلْعَبُ فِیْهِمَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَدْ اَبْدَلَکُمُ اللهُ بِهِمَا خَیْرًا مِّنْهُمَا، یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ". (ابوداؤد:ج:۱:ص ۴۳۲ا،رقم الحدیث،۱۱۳۴)

امام ابوداؤد کی کتاب "سنن ابی داؤد" میں حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جن دنوں آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اہلِ مدینہ کے دو دن مخصوص تھے جن میں وہ کھیل کود کرتے اور عید مناتے۔ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم زمانہ جاہلیت سے ان دنوں میں کھیل کود کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ان دو دنوں کے عوض اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر دنوں میں بدل دیا ہے۔ ایک بقر عید کا دن، دوسرے عید الفطر کا دن۔

عیدین کا حکم :عیدین کی نماز پڑھنا واجب ہے۔ عید الفطر (یکم شوال) اور عید الاضحیٰ (دسویں ذی الحجہ) کے دن جب

سورج ایک نیزے کے برابر بلند ہو جائے (یعنی ہمارے کیلنڈروں کے حساب سے اشراق کا وقت ہو جائے) تو باجماعت دو رکعت پڑھنا واجب ہے۔عیدین کی دونوں نمازوں میں چھ تکبیریں کہنا واجب ہے، جن میں سے تین تکبیریں پہلی رکعت میں "ثناء" کے بعد واجب ہیں اور باقی تین تکبیریں دوسری رکعت میں قرآت کے بعد رکوع سے پہلے کہنا واجب ہیں۔اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد خطبہ پڑھنا سنت ہے اور سننا واجب ہے۔

نمازِ عیدین کے واجب ہونے کی شرائط: نمازِ عیدین کے واجب ہونے کی وہی شرائط ہیں جو نمازِ جمعہ کے واجب ہونے کے لیے ہیں۔ چنانچہ نمازِ عیدین اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو:(۱) مرد ہو۔ لہٰذا عورت پر نمازِ عیدین واجب نہیں۔

(۲) تندرست ہو۔ لہٰذا بیمار پر نمازِ عیدین واجب نہیں۔

(۳) مقیم ہو۔ لہٰذا مسافر پر نمازِ عیدین واجب نہیں۔(۴) آزاد ہو۔ لہٰذا غلام پر نمازِ عیدین واجب نہیں۔(۵) نابینا ہو۔ لہٰذا نابینا پر نمازِ عیدین واجب نہیں۔(۶) مامون ہو۔ لہٰذا ایسا شخص جسے راستے کا امن حاصل نہ ہو کسی بھی دشمن انسان یا حیوان کا خوف ہو تو اس پر نمازِ عیدین واجب نہیں۔(۷) راستہ چلنے پر قدرت رکھتا ہو۔ چنانچہ ایسا شخص جو کسی بھی وجہ سے چلنے پر قدرت نہیں رکھتا اس پر نمازِ عیدین واجب نہیں۔

● مندرجہ بالا افراد میں سے کوئی بھی شخص جس پر کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے نمازِ عیدین واجب نہیں تھی لیکن اس نے لوگوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

نمازِ عیدین کے صحیح ہونے کی شرائط: اگر کسی شخص پر نمازِ عید واجب ہو جائے تو اس کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ درجِ ذیل تمام شرائط پائی جائیں۔(۱) شہر یا اس کے فناء کا ہونا۔(فناءِ شہر کی تفصیل مسافر کے احکام میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے)(۲) بادشاہ یا اس کا نائب ہونا (قاضی، وزیر، گورنر، بادشاہ کا مقرر کردہ آدمی)(۳) اذنِ عام ہونا۔(اس کا مطلب کے مسائل میں دیکھ لیا جائے)(۴) جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا (یاد رہے کہ امام کے ساتھ کی طرح دو سے زیادہ مقتدی ہونا شرط ہے)(۵) وقت ہونا۔(نمازِ عید کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ایک نیزے کے برابر بلند ہو جائے اور ہمارے حساب میں اشراق کا وقت ہو جائے اور زوالِ شمس کیساتھ اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

● نمازِ عیدین خطبہ کے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے، تاہم ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ● خطبہ نمازِ عیدین سے پہلے دے دیا جائے۔ تب بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ تاہم ایسا کرنا مکروہ ہے۔

عید الفطر کے دن کے مستحبات: عید الفطر کے دن میں درجِ ذیل باتوں کا خیال رکھنا مستحب ہے:(۱) نیند سے جلدی بیدار ہونا۔(۲) صبح کی نماز محلے کی مسجد میں ادا کرنا۔(۳) مسواک کرنا۔(۴) غسل کرنا۔(۵) اپنے کپڑوں میں سے بہترین لباس زیبِ تن کرنا۔(۶) خوشبو لگانا۔(۷) عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز (مثلاً کھجور وغیرہ) تناول کرنا۔(۸) اگر صدقہ فطر واجب ہو تو عیدگاہ جانے سے پہلے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا۔(۹) بقدرِ وسعت صدقہ و خیرات کا خوب اہتمام کرنا۔(۱۰) خوشی اور فرحت کا اظہار کرنا۔(۱۱) عیدگاہ جلدی اور پیدل پہنچنا۔(۱۲) عیدگاہ جاتے ہوئے آہستہ آہستہ تکبیر تشریق کہنا۔ تکبیر کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ (۱۳) ایک راستے سے عیدگاہ جانا اور دوسرے راستے سے واپس لوٹنا۔

عید الاضحیٰ کے دن کے مستحبات: عید الاضحیٰ میں وہ تمام باتیں مستحب ہیں جو عید الفطر میں مستحب ہیں۔ صرف درجِ ذیل باتوں

کا فرق ہے: (۱) عید الاضحیٰ میں نماز عید سے فارغ ہو کر قربانی کے گوشت سے کھانا۔ (۲) راستے میں بلند آواز سے تکبیر تشریق کہنا۔ (۳) نماز عید کے خطبہ میں قربانی اور تکبیراتِ تشریق وغیرہ کے احکام بتلانا۔

نماز عیدین کی ادائیگی کا طریقہ: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز ادا کرنے کا وہی طریقہ ہے جو عام نمازوں کی جماعت کا طریقہ ہے۔ البتہ ان میں چھ زائد تکبیرات کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد امام اپنے ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھائے اور تکبیر کہے، اسی طرح تین مرتبہ کرے، مقتدی بھی ہر تکبیر میں یہی عمل کرے۔ ہر تکبیر میں ہاتھ اٹھانے کے بعد چھوڑ دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑنے کے بجائے باندھ لیں۔ دوسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہو کر رکوع سے پہلے اسی طرح یہ تین تکبیرات مقتدی اور امام کہیں۔ پہلی رکعت اور دوسری رکعت کی تکبیروں میں فرق یہ ہے کہ پہلی رکعت میں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھنے چاہئیں اور دوسری رکعت میں تیسری تکبیر کے بعد بھی ہاتھ چھوڑنے چاہئیں۔ چوتھی تکبیر کہتے ہوئے امام اور مقتدی رکوع کریں۔

تکبیراتِ تشریق کا حکم: ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو نمازِ فجر سے لے کر ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ کی عصر تک (نماز عصر بھی شامل ہے) ہر شخص پر ایک مرتبہ (اگر مرد ہو تو بلند آواز سے اور اگر عورت ہو تو پست آواز سے) فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے۔ خواہ جماعت سے نماز پڑھے یا اکیلا، مسافر ہو یا مقیم، مرد ہو یا عورت، شہری ہو یا دیہاتی۔

ایام ذی الحجہ کا ادب: ہر ایسے شخص کے لیے جس پر قربانی واجب ہو، مستحب ہے کہ وہ یکم ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کے ذبح ہونے تک اپنے بالوں (موئے زیرِ ناف اور موئے بغل وغیرہ) اور ناخن وغیرہ تراشنے سے احتراز کرے بشرطیکہ بال وغیرہ ان دنوں میں ممنوع حد تک نہ پہنچے ہوں۔

﴿۱۸۸﴾ **چھٹا حکم معاملات ممانعت مال حرام:** آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ یعنی بلا شرعی حق کے اس میں سود، خیانت، قمار، غصب، چوری، لوٹ، رشوت، وغیرہ سب داخل ہے۔

وَتُدْلُوا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ ...الخ یعنی حکام وقت کے سامنے جھوٹے مقدمات اس غرض سے مت لے جاؤ تاکہ گواہوں کی جھوٹی قسموں کے بل بوتے پر لوگوں کے مال وجائیداد پر ناجائز قبضہ کر سکو، اگر کوئی حاکم کسی کی تیز طراری سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر بھی دے تو حرام کی گئی چیز کسی کیلئے حلال نہیں۔ (ابن کثیر: ص:۵۲۳ ج۔۱)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ ھِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا

لوگ آپ سے نئے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ، کہہ دیجئے یہ اوقات ہیں لوگوں کے لیے اور حج کے لئے اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم

الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِھَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠

گھروں میں پشت کی طرف سے آؤ لیکن نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۱۸۹﴾ اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں

وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ

اور زیادتی نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۹۰﴾ اور انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کرو

وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ

اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور فتنہ مار ڈالنے سے زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے مت لڑو

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ

یہاں تک کہ وہ خود تم سے اس میں لڑیں اور اگر وہ لڑیں تم سے پس ماردان کو اس طرح ہے بدلہ

جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩١﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى

کفر کرنے والوں کا ﴿۱۹۱﴾ پس اگر وہ باز آجائیں پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے ﴿۱۹۲﴾ اور لڑو ان سے یہاں تک کہ

لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾

فتنہ باقی نہ رہے اور اطاعت اللہ ہی کیلئے ہوجائے پس اگر یہ باز آجائیں پس نہیں زیادتی مگر ان لوگوں پر جو ظلم کرنے والے ہیں ﴿۱۹۳﴾

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

حرمت کا مہینہ حرمت کے مہینے کے مقابل ہے اور تمام حرمتوں کا بدلہ ہے پس جس شخص نے تم پر زیادتی کی۔

فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسے کہ اس نے زیادتی کی ہے تم پر اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ

مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ڔ

متقیوں کے ساتھ ہے ﴿۱۹۴﴾ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو

وَاَحْسِنُوْا ڔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٩٥﴾ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ

اور احسان کرو بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۹۵﴾ اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پھر اگر

اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ

تم روک دیئے گئے تو جو میسر ہو قربانی کرو اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ یہاں تک کہ قربانی

مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ

اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو پس فدیہ ہے روزے سے

اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

یا صدقہ ہے یا قربانی ہے پس جب تم امن کی حالت میں ہو تو پھر جس شخص نے فائدہ اٹھایا عمرہ کا حج کے ساتھ پس جو میسر ہو

مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ

قربانی سے جو شخص قربانی کا جانور نہ پائے پس وہ تین دن کے روزے حج کے ایام میں رکھے اور سات روزے جب تم واپس لوٹو

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

یہ دس روزے پورے ہیں یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کا گھر بار مسجد حرام کے پاس نہ ہو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع

اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے﴿۱۹۶﴾

﴿۱۸۹﴾يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ ...الخ ربط آیات :پہلے رکوع میں روزے کا بیان تھا اور اب حج کا بیان ہے دونوں کا تعلق چاند سے ہے۔

خلاصہ رکوع: ۲۴ تیسرا مرحلہ سیاست ملک سے ملک گیری کے قوانین، ساتواں حکم چاند کے متعلق، آٹھواں حکم بعض رسومات باطلہ کی تردید، نواں حکم دفاعی جہاد کی اجازت، دل کھول کر لڑنے کی اجازت، کفر سے باز آنے کا بیان، اشہر حرم میں جنگ کے تردد کا جواب، دسواں حکم جہاد میں مال خرچ کرنے کا، گیارہواں حکم حج وعمرہ اور اس کے احکام۔ ماخذ آیات ۱۸۹: تا ۱۹۶+

ساتواں حکم حج چاند کے متعلق :لوگ آپ سے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں "اھلۃ" نیا چاند، واحد ہلال ہے۔

قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ ...الخ مواقیت، اوقات، واحد میقات، میقات اس وقت کو کہتے ہیں جو کسی کام کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ آپ ان کے سوال کے جواب میں کہہ دیجئے کہ وہ چاند آلہ شناخت اوقات ہے لوگوں کے لئے اور حج کے لئے یعنی اپنے گھٹنے بڑھنے میں اس سے حج، روزہ عدت اور قرض وغیرہ کے معاملات کی مدت کا علم ہوتا ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ ...الخ آٹھواں حکم بعض رسومات باطلہ کی تردید :زمانہ جاہلیت میں جو آدمی حج کے لئے جاتا تھا اگر وہ فراغت سے پہلے آجاتا تھا تو گھر کے دروازے سے نہ آتا بلکہ پیچھے سے کہیں دیوار سے پھلانگ کر آتا اللہ تعالیٰ نے اس کارد فرمایا کہ یہ کوئی نیکی نہیں۔ (محصلہ مظہری، ص:۲۱۱، ج:۱، بحر محیط، ص:۶۲، ج۔۲)

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ :نواں حکم دفاعی جہاد کی اجازت :ذی قعدہ ۶ھ میں آنحضرت ﷺ عمرہ کے ادا کرنے کے ارادہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے چلے اس وقت مکہ مکرمہ مشرکین کے قبضہ اور حکومت میں تھا ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ اور آپ کی جماعت صحابہ کرام کو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا، اور عمرہ رہ گیا آخری بڑی گفت وشنید کے بعد یہ معاہدہ طے پایا کہ آئندہ سال تشریف لا کر عمرہ ادا فرمائیں چنانچہ ذیقعدہ ۷ھ میں پھر آپ بمع جماعت کے اس قصد سے تشریف لے گئے لیکن مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید مشرکین اپنا معاہدہ پورا نہ کریں اور آمادہ مقابلہ اور مقاتلہ نہ ہوجائیں تو اس صورت میں صحابہ کرام کو تین مشکلات در پیش تھیں۔ ❶ ایک یہ کہ ہم احرام میں ہیں اگر کافروں نے حملہ کردیا، تو ہم ان کو کیا جواب دیں گے۔ ❷ دوسرا یہ کہ مقام حرم ہے اور حرم میں لڑائی جائز نہیں۔ ❸ تیسرا یہ کہ مہینہ حرمت کا ہے اور اشہر حرم میں لڑائی جائز نہیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ اگر وہ لوگ عہد شکنی کر کے حملہ کریں تو تم بھی ان سے لڑو۔ اشہر حرم چار ہیں ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب، ان میں لڑائی کرنا کسی کو قتل کرنا حرام تھا۔ وَلَا تَعْتَدُوْا ...الخ یعنی از خود معاہدہ سے مت نکلو کہ عہد شکنی کر کے لڑنے لگو۔

﴿۱۹۱﴾ دل کھول کر لڑنے کی اجازت :لیکن اگر وہ لوگ خود عہد شکنی کریں اور تم سے لڑنے کو آمادہ ہوجائیں تو اس وقت

تم کسی طرح کا اندیشہ دل میں مت لاؤ بلکہ ان سے دل کھول کر قتال کرو خواہ مکہ کے اندر ہوں یا باہر ان کو قتل کرو چونکہ انہوں نے خود عہد شکنی کی ہے۔ ﴿۱۹۲﴾ کفر سے باز آنے کا بیان : یعنی اسلام قبول کرلیں تو ان کا اسلام بے قدر نہ سمجھا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کا گذشتہ کفر معاف فرمادیں گے۔

﴿۱۹۳﴾ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ... الخ مقصد جہاد : حضرت ابن عباس و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتنہ سے مراد شرک ہے۔ (بحر محیط، ص:۶۷، ج:۲، ابن کثیر، ص:۵۶ ج:۱)

شرک کا قلع قمع کردیا جائے تا کہ غلبہ اسلام کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہو سکے۔

﴿۱۹۴﴾ اشہر حرم میں جنگ کے تردد کا جواب : یعنی حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے بدلہ اور عوض میں ہے اگر وہ اس مہینہ کے احترام کا خیال رکھیں تو تم بھی اس کے ادب و احترام کا خیال رکھو اور ان سے خوب لڑو پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسے اس نے زیادتی کی اور زیادتی کا بدلہ لینے میں اللہ ڈرو، اور کہیں حق سے زائد بدلہ نہ لے لینا اور مستقبل میں کافروں کے غلبہ کے خطرہ کو خاطر میں نہ لاؤ اللہ پاک تمہارے ساتھ ہے۔

اشہر حرم میں قتال کی ابتداء ممنوع ہے

جمہور ائمہ دین کا مسلک یہ ہے کہ اشہر حرم میں قتل و قتال ابتداء میں ممنوع تھا بعد میں اجازت ہوگئی مگر بہتر اب بھی یہی ہے کہ اشہر حرم میں ابتداء بالقتال نہ کی جائے اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ آیت کا حکم اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں ہوا اور اب بھی حرم اور اشہر حرم میں ابتداء بالقتال حرام ہے اور یہی مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے صحیح بخاری اور مسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ شہر یعنی مکہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے صرف میرے لئے ایک ساعت کے واسطہ حلال کردیا گیا باقی قیامت تک حرام ہے یہاں کا گھاس اور ہتکہ بھی نہ کاٹا جائے اور یہاں کا شکار بھی نہ بدکایا جائے۔ اور جو لوگ نسخ کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ابن خطل مسجد حرام میں قتل کیا گیا حالانکہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے لٹکا ہوا تھا جواب یہ ہے کہ یہ قتل اس ساعت میں ہوا کہ جس ساعت میں مکہ میں قتل و قتال آپ کے لئے حلال کردیا گیا تھا۔ (معارف القرآن، ص:۸۶ ج:۱، م:۱، ک:۱۹۵)

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... الخ دسواں حکم جہاد میں مال خرچ کرنے کا۔ ربط آیات : پہلے قتال و جہاد کا ذکر تھا اور قتال بغیر اسلحہ کے نہیں ہو سکتا اس لئے فرمایا کہ مال خرچ کرو، ہتھیار خریدو، یعنی پہلے بدنی جہاد کا ذکر تھا اب مالی جہاد کا ذکر ہے۔

شان نزول : حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کو فتح دی تو ہم آپس میں سرگوشی کرنے لگے کہ اب تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا ہے لہٰذا ہمارے جو مال لڑائیوں میں پہلے تباہ ہو چکے ہیں ان کی کچھ دیکھ بھال کرلیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری، ص:۲۱۵، ج:۱، روح المعانی، ص:۷۴، ج:۲، اسباب النزول، ص:۳۱)

اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہمیشہ کے لیے جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ کے جہاد میں شہید ہوئے اور وہاں ہی دفن ہیں۔ (معالم التنزیل، ص:۱۱۸، ج:۱)

﴿۱۹۶﴾ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ... الخ گیارہواں حکم حج و عمرہ کے احکام۔ ربط آیات : ماہ صیام کے بعد حج کے مہینے شروع ہوتے ہیں اس لئے روزوں کے بعد حج کا ذکر فرمایا ہے۔ "فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ" اگر دشمن یا مرض یا خرچ ختم ہو جانے کی وجہ سے یا کسی اور عذر کے پیش آجانے کی وجہ سے تم بیت اللہ تک نہ پہنچ سکو تو ایسی حالت میں حکم یہ ہے کہ فی الحال حج و عمرہ کو

ملتوی کردو اور احرام سے حلال ہونے کے لئے طریقہ اختیار کرو کہ جو قربانی میسر آئے خواہ اونٹ، گائے یا بکری ہو حرم کی طرف بھیجو تا کہ وہ قربانی حرم میں ذبح کی جائے متعین وقت میں، اور یہ شخص ادھر احرام کھول دے اور بکری ادنیٰ درجہ ہے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ... الخ بیماری اور تکلیف کی وجہ سے وقت سے پہلے سر منڈانا چاہے تو اس کے لئے اجازت ہے مگر اس پر دم واجب ہے، یا تو تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو صدقہ خیرات دے، صدقہ فطر کی مقدار میں یا کسی جانور کی قربانی دے جس کا اعلیٰ درجہ اونٹ ہے اور اوسط درجہ گائے اور ادنیٰ درجہ بکری ہے۔

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ... الخ جو شخص ایام حج میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر نفع حاصل کرنا چاہئے یعنی یہ چاہے کہ حج کے زمانہ میں حج بھی کرلوں اور عمرہ بھی کرلوں خواہ دونوں کا احرام ساتھ باندھے یا یکے بعد دیگر تو بیک وقت اب دو عبادتوں سے متمتع اور منتفع ہونے کے شکر میں اس کے ذمہ قربانی واجب ہے۔

حج کی تین قسمیں ہیں

❶ افراد۔ ❷ قران۔ ❸ تمتع۔ افراد: حج یہ ہے کہ میقات سے صرف حج کا احرام باندھے اور حج کر کے احرام کھول دے، اس میں عمرہ شامل نہیں ہوتا۔ قران: حج یہ ہے کہ کوئی شخص میقات سے عمرہ اور حج کا مشترکہ احرام باندھے۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام نہ کھولے بلکہ اسی احرام سے ایام حج میں حج کرنے کے بعد یعنی دس تاریخ کو احرام کھول دے آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہی طریقہ اختیار کیا تھا حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے کہ صحیح بات یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قران کیا تھا کیونکہ احادیث میں واضح طور پر آتا ہے کہ آپ تلبیہ میں کہتے تھے "لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ وَّ عُمْرَةٍ" اس لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قران کو افضل قرار دیتے ہیں۔

تمتع: یہ ہے کہ عام طور پر یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے یعنی حج کے مہینوں میں ایک ہی سفر میں عمرہ اور حج کا علیحدہ علیحدہ احرام باندھا جاتا ہے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا، مکہ پہنچ کر عمرہ کیا، اور احرام کھول دیا، پھر آٹھ ذی الحج کو حج کا احرام باندھا اور دس تاریخ کو قربانی کرنے اور حجامت بنوانے کے بعد احرام کھول دیا، اور حج کے باقی ارکان پورے کر لئے۔

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ" میں حج قران اور حج تمتع کی صورت مذکور ہے "فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ" پس جو میسر ہو قربانی دی جائے یہ قربانی دراصل دم ہے اس نقصان کا جو اس کو حج اور عمرہ ایک سفر میں پورا کرنے کی وجہ سے اٹھانا پڑا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دم شکر ہے اس میں سے خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی سے کھلا سکتا ہے۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ... الخ قربانی کا بدل: پس جو شخص حج قران یا حج تمتع کرے اور قربانی کرنے کے لئے اس کے پاس مال نہ ہو، یا جانور نہ مل سکے اس قربانی کا نعم البدل دس روزے ہیں، تین روزے ایام حج میں رکھے یعنی سات آٹھ، اور نو ذوالحجہ کو، باقی سات روزے قیام حرم میں ہو تو حرم میں یا راستے میں، یا گھر واپس آ کر رکھے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وطن واپس آ کر رکھے۔ (محصلہ روح المعانی، ص: ۶۵۳، ج: ۲)

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ایام حج کے تین روزے لازمی ہیں اگر یہ چھوٹ گئے تو پھر باقی سات روزے رکھنے کی ضرورت نہیں اسے بہر حال دم دینا پڑے گا۔ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ... الخ قران اور حج تمتع صرف اس شخص کیلئے روا ہے جو حدود حرم سے باہر رہتا ہو، الغرض حج تمتع اور قران کی اجازت صرف آفاقی لوگوں کے لئے ہے۔

الْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ

حج کے مہینے معلوم ہیں پس جس شخص نے حج کو لازم کر لیا ان مہینوں میں پس عورتوں کے ساتھ بے حجاب ہونا جائز نہیں ہے اور گناہ کی بات اور نہ حج میں جھگڑا کرنا

فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫

اور جو کچھ کرو تم نیکی سے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور توشہ بنالو بے شک بہتر توشہ تقویٰ ہے

وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ

اور مجھ سے ڈرو اے عقل مندو ﴿۱۹۷﴾ تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بات میں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو

رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ

جب تم عرفات سے واپس پلٹو پس یاد کرو اللہ تعالیٰ کو مشعر حرام کے پاس اور اللہ کو یاد کرو

كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۤلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ

جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور اس سے پہلے تم گمراہوں میں تھے ﴿۱۹۸﴾ پھر تم بھی پلٹو جہاں سے

اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ

دوسرے لوگ پلٹ کر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے ﴿۱۹۹﴾ جب تم ارکان حج کو پورا کر چکو

مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ

پس یاد کرو اللہ تعالیٰ کو جیسا کہ تم یاد کرتے ہو اپنے باپ دادا کو بلکہ اس سے زیادہ یاد کرنا چاہئے پس لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار

رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ

دے ہم کو اس دنیا کی زندگی میں اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے ﴿۲۰۰﴾ اور بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھلائی دے دے

اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰۤئِكَ لَهُمْ

النصف

اور آخرت میں بھلائی دے دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا (۲۰۱) یہی وہ لوگ جن کے لیے

نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ

حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمائی کی ہے اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے ﴿۲۰۲﴾ اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کو گنتی کے چند دنوں میں

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ

پس جس شخص نے دو دنوں میں جلدی کی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اس پر کوئی گناہ نہیں اس شخص کیلئے جو ڈرتا ہے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ

اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور جان لو کہ تم اسی کی طرف اکٹھے ہو جاؤ گے ﴿۲۰۳﴾ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں کہ دنیوی زندگی کے متعلق اس کی بات آپ کو تعجب میں ڈالتی ہے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا

اور وہ اس چیز پر اللہ کو گواہ بناتا ہے اسکے دل میں ہے حالانکہ وہ شخص بہت جھگڑا کرنے والا ہے ﴿۲۰۴﴾ اور جب

تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا

یہ شخص پیٹھ پھیر کر چلتا ہے تو زمین میں کوشش کرتا ہے تاکہ اس میں فساد برپا کر دیا جائے اور ہلاک کرتا ہے کھیتی کو اور نسل (مویشیوں) کو اور اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ

فساد پسند نہیں کرتا ﴿۲۰۵﴾ اور جب اس شخص سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو پکڑتا ہے اس کو غرور گناہ کے ساتھ پس اس کے لیے جہنم کافی ہے

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ

اور البتہ وہ بہت برا ٹھکانہ ہے ﴿۲۰۶﴾ اور بعض لوگ کہتے ہیں جو اپنی جانو کو بیچتے ہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی تلاش کے لئے

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا

اور اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا ہے بندوں کے ساتھ ﴿۲۰۷﴾ اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ

شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارے لیے کھلا دشمن ہے ﴿۲۰۸﴾ پس اگر تم پھسل گئے بعد اس کے کہ

الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ

تمہارے پاس واضح باتیں آ گئی ہیں پس جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ﴿۲۰۹﴾ یہ لوگ نہیں انتظار کر رہے مگر اس بات کا کہ آئے اللہ تعالیٰ ان کے پاس

ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ۲۵ ع ۱۴ ۹

بادلوں کے سائبانوں میں اور فرشتے بھی اور فیصلہ کر دیا جائے معاملے کا اور اللہ ہی طرف لوٹائے جائیں گے سب کام ﴿۲۱۰﴾

﴿۱۹۷﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ... الخ تتمہ سابق وقت حج۔ ربط آیات: پہلے بھی حج کا ذکر تھا اب حج کے بقیہ احکامات کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۲۵: احرام کی پابندیاں، تاکید توشہ زادراہ، روزی کی تلاش کی عدم ممانعت، عرفات کی واپسی، تردید قریش، وقوف مزدلفہ، وقوف منیٰ کی مصروفیات، اقسام الناس، قیام منیٰ میں تخفیف، منافق کا بیان، کیفیت منافق، ترغیب تقویٰ، جانثاران اسلام کا بیان، اصلاح مبتدع، اتباع شیطان کی ممانعت، تنبیہ از اعراض صراط مستقیم۔ ماخذ آیات ۱۹۷ تا ۲۱۰+

[] "الحج" مبتداء ہے اور "اشهر معلومات" خبر ہے تو معنی یہ ہوگا کہ حج کے معلوم مہینے ہیں حالانکہ حج تو افعال کا نام ہے نہ وقت کا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "الحج" سے پہلے مضاف محذوف ہے عبارت یوں ہے۔ "وقت الحج اشهر معلومت"
"اشهر" جمع کا لفظ ہے جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے تو اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حج کا وقت تین ماہ یا اس سے زائد ہے حالانکہ وہ تو دو ماہ دس دن ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اشہر تغلیباً فرمایا ہے۔

فَلَا رَفَثَ ...الخ احرام کی پابندیاں: احرام باندھنے کے بعد نہ تو اس کو بیوی سے بے حجابی کی باتیں کرنا جائز ہے اور نہ جذبات کو ابھارنے والی باتیں کرسکتا ہے، اور نہ باہمی لڑائی جھگڑا کرنا درست ہے یعنی حالت احرام میں فسق و فجور لڑائی جھگڑا پہلے سے بھی زیادہ منع اور قبیح ہے۔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ...الخ تاکید توشہ زادراہ: یمن کے کچھ لوگ تھے وہ حج پر جاتے تو سفر خرچ ساتھ نہ لے جاتے تھے وہ کہتے "نحن المتوکلون" پھر وہاں جا کر لوگوں سے سوال کرتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَتَزَوَّدُوْا" ...الخ تو یہاں تقویٰ سے مراد سوال سے بچنا ہے۔

(روح المعانی: ص: ۶۵۸، ج: ۲، مظہری: ص: ۲۳۵، ج: ۱، تفسیر منیر: ص: ۱۹۴، ج: ۲، بغوی: ص: ۱۲۵، ج۔۱)

﴿۱۹۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا ...الخ روزی کی تلاش کی عدم ممانعت: حج کے سفر میں تجارت کرنا مباح ہے اس سے حج میں کوئی نقصان نہیں آتا بلکہ اس کا پورا ثواب ملتا ہے۔ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ ...الخ عرفات سے واپسی: جب مزدلفہ کے لئے لوٹو۔

ایام حج پانچ ہیں

حج کے پانچ دن ہیں آٹھ ذوالحجہ کو دوپہر تک منیٰ میں پہنچنا ہے اور ظہر سے لیکر نو ذوالحجہ کی صبح تک پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھنا اور رات کو یہیں قیام کرنا سنت ہے "عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ" مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو مشعر الحرام ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں واقع ہے جس پر امام وقوف کرتا ہے اور اس پہاڑ پر قیام کرنا افضل ہے، اور پورے مزدلفہ میں قیام کرنا جائز ہے سوائے وادی محسر کے یہ وہ جگہ ہے جہاں ابرہہ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر آیا تھا تو ابابیلوں نے اس جگہ پر سنگباری کی تھی یہ وادی مزدلفہ کا ہی حصہ ہے مگر چونکہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تھا اس لئے وہاں کھڑا ہونا درست نہیں ہے۔

﴿۱۹۹﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ...الخ تردید قریش: مکہ کے لوگ عرفات میں نہیں جاتے تھے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ عرفات حرم کی حدود سے باہر ہے یعنی مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے اور قریش مکہ کے علاوہ سب لوگ عرفات میں جاتے تھے اور پھر وہاں سے طواف کے لئے مکہ واپس آتے اس لیے فرمایا کہ جہاں سے سب لوگ طواف کو آئیں تم بھی وہیں سے جا کر لوٹو یعنی عرفات سے اور پہلی کوتاہی پر مغفرت چاہو۔ (محصلہ تفسیر بغوی: ص: ۱۶۷، ج۔۱)

﴿۲۰۰﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ ...الخ وقوف منیٰ کا بیان: زمانہ جاہلیت میں بعض لوگوں کی عادت تھی کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں جمع ہو کر اپنے آباؤ اجداد کے مفاخر و فضائل بیان کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس بیہودہ فعل کے بجائے اپنے ذکر کی تعلیم کے لئے فرماتے ہیں کہ پھر جب تم اپنے اعمال حج کو پورا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر عظمت کے ساتھ کیا کرو جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے بدرجہا بڑھ کر ہونا چاہئے۔

اعمال منیٰ: منیٰ میں دسویں تاریخ کو سورج نکلنے کے قریب جانا ہے یہاں تین جگہوں پر ستونوں کے نشانات ہیں جنہیں جمرات کہتے ہیں ان پر کنکر مارنے کو رمی کہتے ہیں، پہلا جمرہ یہ مسجد خیف کے قریب ہے اسے جمرہ اولیٰ کہتے ہیں، اس سے آگے مکہ معظمہ کی طرف جاتے ہوئے کچھ فاصلہ پر دوسرا جمرہ ہے اسے جمرہ وسطیٰ کہتے ہیں، اور اسی جانب میں منیٰ کے بالکل آخر میں تیسرا جمرہ

ہے اسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں، آج دسویں تاریخ میں صرف اسی آخری جمرہ پر رمی کرنا ہے۔ یہ رمی معذور مرد اور عورتوں کے علاوہ دوسروں کو مغرب کے بعد کرنا مکروہ ہے، پھر بھی کسی نے اگر طلوع فجر سے پہلے کرلی تو واجب ادا ہوجائے گا یعنی دسویں ذوالحجہ کو جب افعال حج رمی جمرہ عقبہ (یہ قبل اززوال ہو گیا مگر اب فتویٰ یہی ہے کہ بعد اززوال بھی جائز ہے جیسے اوپر گزر چکا ہے) اور ذبح قربانی اور سر منڈانے اور طواف زیارت اور سعی صفا مروہ سے فارغ ہوجاؤ تو قیام منیٰ میں اللہ کا ذکر کرو جیسے کفر کے زمانے میں افعال حج کے بعد منیٰ میں تین دن قیام کرتے تھے، اور بازار لگاتے اور اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا... الخ اقسام الناس: پہلے ذکر فرمایا اللہ کا ذکر کرو یہاں سے بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے اور دعا مانگنے والے بھی دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن کا مطلوب صرف دنیا ہے ان کی دعا یہ ہے کہ ہمیں کچھ مال و دولت دیا جائے، صرف دنیا ہی میں دیا جائے ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، دوسرے وہ لوگ ہیں جو دنیا کے ساتھ آخرت بھی مانگتے ہیں ان لوگوں کو آخرت میں تمام حسنات کا پورا حصہ ملے گا۔ "وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ" یعنی قیامت جلد آنے والی ہے اس کی فکر سے مت غافل ہو۔

﴿۲۰۳﴾ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ: بقیہ احکام منیٰ: اس سے مراد ذوالحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ ہے (تفسیر منیر: ص:۲۱۷، ج:۲، خازن: ص:۱۴۳، ج۔۱) جس میں حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں قیام کا حکم ہے ان دنوں میں رمی جمار یعنی کنکریوں کے مارنے کا حکم ہے اور یہ کنکریاں تینوں شیطانوں کو بعد اززوال مارنی ہیں غروب آفتاب تک مستحب ہے اور پھر مکروہ ہے مگر عورتوں اور معذور و کمزور مردوں کے لئے مکروہ نہیں، یعنی جمرہ اولیٰ کو بھی جمرہ وسطیٰ کو بھی اور اخریٰ کو بھی۔ فَمَنْ تَعَجَّلَ... الخ۔

قیام منیٰ میں تخفیف کے احکام: یعنی عید کے بعد گیارہویں کو بھی رمی کی اور بارہویں کو بھی رمی کی اور غروب آفتاب سے پہلے وہاں سے چل پڑا "فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ" اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جو تیرہویں تاریخ کو بھی ٹھہر گیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں وہاں ٹھہرنا افضل ہے البتہ اگر وہاں بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہو گیا تو پھر تیرہویں تاریخ کے لئے رہنا ضروری ہے اگر وہاں سے چلا گیا تو اس پر دم آئے گا البتہ تیرہویں کی رمی زوال سے پہلے جائز ہے۔ یہاں اوپر بقدر ضرورت حج کے احکام تحریر کئے گئے ہیں تاہم یہاں سے حج اور عمرہ کے احکامات اور فضائل کو تفصیلاً لکھا جارہا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حج کے تفصیلی احکام اور فضائل

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔

(رواہ البخاری: ج:۱: ص ۱۸۱: رقم الحدیث ۱۸۱۹ و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حج کیا اور اس میں کوئی بے حیائی اور گناہ کا کام نہیں کیا تو وہ اس دن کی طرح (گناہوں سے پاک صاف) لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

حج فرض ہونے کی شرائط: اگر درج ذیل شرائط پائی جائیں تو حج کرنا فرض ہوتا ہے۔ شرائط پائے جانے کی صورت میں حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ کرنا فرض ہوتا ہے۔ خواہ یہ شرائط مرد میں پائی جائیں یا عورت میں: (۱) مسلمان ہونا، لہٰذا کافر پر حج فرض نہیں ہوتا۔ (۲) بالغ ہونا، لہٰذا نابالغ پر حج فرض نہیں ہوتا۔ (۳) عقلمند ہونا، لہٰذا مجنون پر حج فرض نہیں ہوتا۔ (۴) آزاد ہونا، لہٰذا غلام پر حج فرض نہیں ہوتا۔ (۵) حج کی استطاعت ہونا، لہٰذا ہر وہ شخص جس میں حج کرنے کی استطاعت نہیں ہے اس پر حج کرنا فرض نہیں ہے۔

استطاعت کا مطلب: استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے پاس اپنی "ضروریاتِ اصلیہ" سے زائد دو قسم کا خرچہ ہو:

(۱) اپنے وطن سے مکۃ المکرمہ تک آنے جانے کا کرایہ، مکہ میں رہائش اور کھانے پینے کے اخراجات برداشت کر سکے۔

ملاحظہ: یہ بات یاد رہے کہ استطاعت میں مکۃ المکرمہ اور وہاں کے دیگر ضروری اخراجات کا ہونا ضروری ہے۔ مدینہ منورہ جانے کا خرچ استطاعت میں داخل نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کے پاس مدینہ منورہ جانے کا اور وہاں کی رہائش کا خرچ نہ ہو تب بھی اس پر حج فرض ہوگا۔ باقی اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود مدینہ منورہ نہ جائے تو سخت محرومی کی بات ہے۔

(۲) پہلے نمبر میں ذکر کردہ اپنے سفر کے اخراجات کے علاوہ اہل وعیال کا خرچہ بھی دے سکے تاکہ وہ اس کے واپس آنے تک ان پیسوں سے اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ جی ہاں! اگر مندرجہ بالا تمام شرائط کسی شخص میں پائی جائیں تو اس پر حج فرض تو ہو جاتا ہے لیکن ادا کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں۔

(۱) تندرست ہونا، لہٰذا جو شخص بیمار ہو، یا نابینا ہو، یا فالج زدہ ہو یا لنگڑا ہو تو اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔ اگرچہ حج کے فرض ہونے کی باقی شرائط پائی جاتی ہوں۔ حضرات علمائے کرام کی ایک بڑی تعداد نے کہا ہے کہ ایسے شخص پر حج ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اگر خود کرنے کی ہمت ہو جائے تو سبحان اللہ کیا کہنے! اگر خود حج پر جانے سے معذور رہے تو اس پر واجب ہے کہ "حج بدل" کی وصیت کرے تاکہ کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے حج کرلے۔ ("حج بدل" کے متعلق تفصیلات اپنے موقع پر آرہی ہیں) (ب) قید کا نہ ہونا، یا حاکم کی طرف سے حج پر جانے سے کوئی رکاوٹ نہ ہونا۔ ہمارے ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ ویزا مل جائے، یا ریگولر اسکیم کے تحت جانے والوں کی درخواست منظور ہو جائے یا ان کا قرعہ اندازی میں نام نکل آئے۔ (ج) راستے کا پُرامن ہونا، لہٰذا اگر راستہ پُرامن نہ ہو، اپنی جان یا مال کا خوف ہو تو حج ادا کرنا فرض نہیں ہے۔

عورت کے لیے مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ مزید دو شرطیں ہیں: (د) عورت کے لیے اپنے شوہر یا کسی محرم رشتے دار کا ساتھ ہونا۔ اگر محرم یا شوہر ساتھ نہ ہو تو حج پر جانا عورت کے لیے جائز نہیں ہے۔ اگر شوہر یا محرم اپنے خرچ پر جانے کے لیے تیار نہ ہو تو اس صورت میں ان کا حج خرچ بھی عورت کے ذمہ ہے۔

محرم سے کون مراد ہے؟ محرم سے مراد ہر وہ رشتہ دار ہے جس سے نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو، جیسے بیٹا، باپ، دادا، ماموں، چچا، بھانجا، بھتیجا وغیرہ۔ (ہ) عورت کا عدت میں نہ ہونا، خواہ وہ عدت طلاق کی ہو یا اپنے شوہر کی وفات کی۔

ضروری وضاحت: اگر کسی شخص میں حج کے نفسِ وجوب کی تمام شرائط پائی جائیں تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وجوبِ ادا کی شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس شخص پر واجب ہے کہ اپنی زندگی میں کسی سے حج بدل کرا لے یا یہ وصیت کرے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ میں سے کوئی اس کی طرف سے حج کرے۔

حج کے صحیح ہونے کی شرائط: کسی بھی شخص کے حج کی ادائیگی کے صحیح ہونے کے لیے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

طلبائے عزیز کو یاد ہونا چاہیے کہ وہ جو سبق کے شروع میں حج کی تعریف گزر چکی ہے، اس میں تینوں شرطیں بیان ہو چکی ہیں۔

وہ تعریف یہ تھی: مخصوص طریقے پر، مخصوص اوقات میں، مخصوص مقامات کی زیارت کرنا۔ اب تعریف کی روشنی میں حج کے صحیح ہونے کی شرائط کی تفصیل ملاحظہ کیجیے۔ (۱) مخصوص طریقہ (احرام کا ہونا): لہٰذا حج بغیر احرام کے صحیح نہیں ہوتا۔ احرام میں دو چیزیں پائی جانی ضروری ہیں: (الف) سلے ہوئے کپڑے اتار کر بغیر سلے کپڑے پہننا، جس میں مستحب یہ ہے کہ دو سفید چادریں ہوں، ایک باندھ لے، دوسری اوڑھ لے۔ (ب) حج کی نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھنا۔ تلبیہ: تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں: لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ چادریں پہننے کا نام احرام ہے، حالانکہ احرام تو نیت حج کے ساتھ تلبیہ پڑھنے کا نام ہے۔ اگر کوئی شخص چادریں پہنے رہے اور ہفتوں پہنے رہے مگر حج کی نیت کے ساتھ تلبیہ نہ پڑھے تو احرام شروع نہیں ہوگا۔ یعنی وہ احرام جس کے بعد بہت سی پابندیاں لاگو ہو جاتی ہیں۔

(۲) وقتِ مخصوص ہونا: وقت مخصوص سے مراد "اشہرِ حج" یعنی حج کے مہینے ہیں۔ وہ مہینے یہ ہیں :(۱) شوال المکرم (۲) ذوالقعدہ (۳) ذوالحجہ کے دس دن۔ لہٰذا ان مہینوں سے پہلے حج کرنا بھی صحیح نہیں ہے اور بعد میں بھی حج کرنا صحیح نہیں ہے۔ البتہ ان مہینوں کے آنے سے پہلے احرام باندھنا جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔

(۳) مخصوص مقامات کا ہونا: مخصوص مقامات سے مراد یہ ہیں :(۱) وقوف کے لیے میدانِ عرفات۔ (۲) طوافِ زیارت کے لیے مسجدِ حرام۔ لہٰذا اگر کسی نے وقوف کے وقت میں وقوف نہ کیا تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا۔ اسی طرح وقوف کے بعد طوافِ زیارت نہ کیا تب بھی حج صحیح نہیں ہوگا۔

میقات کے احکام: "میقات" کے احکام سمجھنے سے پہلے مقاماتِ مقدسہ اور وہاں کے رہنے والوں کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

بیت اللہ شریف :وہ جگہ جس کے اردگرد طواف کرتے ہیں، یہاں ایک کمرہ بنا ہوا ہے۔ جسے "بیت اللہ شریف" یا "کعبۃ اللہ شریف" کے معزز ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

مسجدِ حرام :اسی کعبۃ اللہ شریف کے اردگرد چاروں طرف جو مسجد بنی ہوئی ہے اسے مسجدِ حرام کہتے ہیں۔

حَرَم :مسجدِ حرام کے اردگرد چاروں طرف کچھ علاقہ ایسا ہے جہاں کے خاص احکامات ہیں۔ اسے حرم کہتے ہیں۔ حدودِ حرم میں شہر مکہ بھی شامل ہے۔ اور بعض اطراف میں مکۃ المکرمہ سے باہر کچھ دیہات بھی حدودِ حرم میں شامل ہیں۔ جہاں سے حرم کی حدود شروع ہوتی ہیں وہاں پہچان کے لیے سعودی حکومت نے نشانات لگائے ہیں۔ حرم کی حدود میں رہنے والے لوگوں کو "اہلِ حرم" کہتے ہیں۔ حرم کی حدود معلوم اور معروف ہیں۔ مدینے کی جانب تقریباً پانچ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے۔ یمن کی جانب تقریباً گیارہ کلومیٹر، طائف کی سمت میں بھی تقریباً گیارہ کلومیٹر اور تقریباً اتنے ہی کلومیٹر عراق کی جانب بھی حرم کی حد ہے۔ اور جدہ کی جانب تقریباً سولہ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے۔

میقات: حدودِ حرم سے باہر وہ مقامات جہاں سے حاجی (حج یا عمرہ کرنے والے) کے لیے احرام سے بغیر گزرنا جائز نہیں ہے۔ "میقات" کہلاتے ہیں۔ مختلف میقات :مختلف علاقوں اور ملکوں سے حج وعمرہ کے لیے آنے والے حضرات کے لیے اپنی اپنی طرف میں "میقات" مختلف ہیں جس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) یَلَمْلَم :یمن، ہندوستان، پاکستان اور اس سمت میں بحری راستے سے آنے والے لوگوں کے لیے "یَلَمْلَم" میقات ہے اور یہ وادی تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو مکہ معظمہ سے جنوب مشرق کی جانب تقریباً ۹۲ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ (۲) جُحْفَه :مصر، شام، اردن، فلسطین، اور مغربی جانب سے آنے والے حجاج کے لیے "جُحْفَه" میقات ہے۔ اور یہ جُحْفَه مکۃ المکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک بستی کا نام ہے جو مقام "رابغ" کے قریب واقع ہے۔ اور یہ مکہ معظمہ سے مغرب کی جانب تقریباً ۱۸۳ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ (۳) ذاتِ عِرْق :عراق اور حرم مبارک کے مشرقی علاقوں سے آنے والے حضرات کے لیے "ذاتِ عرق" میقات ہے۔ یہ مکہ سے دور ایک بستی کا نام ہے۔ جو مکہ معظمہ سے شمال

مشرق کی جانب تقریباً ۹۴ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

(۴) ذوالحلیفہ : مدینہ منورہ سے آنے والے حضرات کے لیے میقات "ذوالحلیفہ" ہے، جسے "بئرِ علی" بھی کہتے ہیں۔ جو مدینہ منورہ سے کچھ ہی دور تقریباً نو کلومیٹر کے فاصلے پر شارعِ مکہ پر واقع ہے۔ اب تقریباً شہر مدینہ کی حدود میں آچکا ہے۔ سعودی حکومت نے زائرین کی سہولت کے لیے بڑی شاندار مسجد تعمیر کی ہے۔ جس میں غسل اور احرام کے لیے وسیع انتظامات کیے گئے ہیں۔

(۵) قَرْن ،نجد کی طرف سے آنے والوں کے لیے میقات "قَرْن" ہے، جو میدانِ عرفات کے قریب پہاڑ کا نام ہے جو عرفات پر سایہ کیے ہوئے ہے۔ یہ مکہ معظمہ سے مشرق کی جانب تقریباً ۷۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

حِل : جو علاقہ میقات سے باہر اور حدودِ حرم کے درمیان ہے، اسے "حِل" کہتے ہیں۔ اور یہاں کے باشندوں کو "اہلِ حِل" کہتے ہیں۔ **آفاق :** جو علاقہ میقات سے باہر ہے اسے "آفاق" کہتے ہیں۔ اور یہاں کے رہنے والے "آفاقی" کہلاتے ہیں۔

احرام باندھنے کی جگہ: ● اہلِ آفاق اگر مکہ مکرمہ جانا چاہتے ہوں تو ان کے لیے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی آفاقی اپنے علاقے کے بجائے دوسرے کسی علاقے سے مکۃ المکرمہ آنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس علاقے کی طرف سے جو "میقات" آتا ہو وہاں سے احرام کے ساتھ گزرنا واجب ہے۔ مثال : جنید حج کے ارادے سے یہاں سے روانہ ہوگیا، لیکن اس کا ارادہ یہ ہے کہ پہلے مدینہ طیبہ میں حاضری دے، اس کے بعد یہ حج کے لیے آئے۔ چونکہ جنید کا پاکستان سے سیدھا مکہ جانے کا ارادہ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ احرام "یَلَمْلَم" سے پہلے نہ باندھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

لیکن جب مدینہ طیبہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو تو اہلِ مدینہ کے میقات "ذوالحلیفہ" پر احرام باندھے۔ تاکہ میقاتِ مدینہ سے بغیر احرام کے نہ گزرے۔ ● اہلِ حل کے لیے سارا حل میقات ہے، چاہے وہ اپنے گھر سے احرام باندھیں یا حل میں کسی دوسری جگہ سے۔ ● اہلِ مکہ کو چھوڑ کر جو لوگ حرم میں رہتے ہیں ان کا میقات بھی "حل" ہے وہ حدودِ حرم سے باہر نکل کر "حل" کے کسی بھی مقام سے احرام باندھیں۔ البتہ اہلِ مکہ اگر حج کا ارادہ رکھتے ہوں تو حرم کی ساری زمین ان کے لیے میقات ہے چاہے جہاں سے احرام باندھیں۔ لیکن عمرہ کرنا چاہتے ہوں تو سارے "حل" کی ساری زمین میقات ہے۔ جہاں سے چاہیں احرام باندھیں۔ البتہ عمرہ کے لیے مقام "تنعیم" (مسجد عائشہؓ) سے احرام باندھنا افضل ہے۔

یہاں اہلِ مکہ سے مراد ہر وہ شخص جو مکہ میں مقیم ہو خواہ مکہ اس کا وطنِ اصلی ہو یا وطنِ اقامت۔

حج کے فرائض: حج کے دو رکن ہیں، جن میں سے کوئی رکن چھوٹ جائے تو حج ادا ہی نہیں ہوتا۔ (۱) وقوفِ عرفہ۔ (۲) طوافِ زیارت۔

(۱) وقوفِ عرفہ : وقوفِ عرفہ کا مطلب یہ ہے کہ میدانِ عرفات میں (جو مکہ سے تقریباً پندرہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے) نویں ذی الحجہ کے دن زوال کے بعد سے لے کر دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک ٹھہرنا۔

وقوفِ عرفہ کے ادا کرنے میں مختلف درجات اور مراتب ہیں جنہیں بالترتیب پیش کیا جاتا ہے۔

فرض مقدار : نویں ذی الحجہ کو زوالِ آفتاب کے بعد دسویں ذی الحجہ کی صبح تک کسی بھی وقت ٹھہرنا، خواہ وہ ٹھہرنا (وقوف) ایک سیکنڈ اور ایک منٹ کے لیے کیوں نہ ہو، فرض ہے۔ اس وقت میں یہ وقوف خواہ پیدل ہو، یا سوار ہو کر، اپنی مرضی سے ہو یا زبردستی اکراہ کی صورت میں، جاگتے ہوئے ہو یا سوتے ہوئے، ہوش میں ہو یا بے ہوشی کی حالت میں، زمین پر ہو یا ہوائی جہاز پر سوار ہو کر گزرا ہو، ہر حالت میں وقوف کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس وقت میں لمحہ بھر کے لیے کسی بھی طرح سے میدانِ

عرفات میں نہیں آیا تو اس کا وقوف نہیں ہوگا۔

واجب مقدار :نویں ذی الحجہ کو زوال سے غروبِ آفتاب وقوف کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص غروب سے پہلے عرفات کی حدود سے نکل جائے تو واجب چھوڑنے کی وجہ سے "دم" واجب ہوگا۔

مستحب مقدار :میدان عرفات میں کھڑے ہو کر وقوف کرنا اور دعا وغیرہ میں مشغول رہنا مستحب ہے۔ ● جبلِ رحمت کے قریب وقوف کرنا مستحب ہے۔ مگر اس پر چڑھنا کوئی ثواب کی چیز نہیں ہے۔

(۲) طوافِ زیارت: حج کا دوسرا فرض طوافِ زیارت ہے، جسے "طوافِ افاضہ" بھی کہتے ہیں۔

جائز وقت۔ طوافِ زیارت کا وقت دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر بارھویں ذی الحجہ کے غروبِ آفتاب تک ہے۔ اس دوران کسی بھی وقت میں طواف کرنا جائز ہے۔

مسنون وقت :دسویں ذی الحجہ کو رمی اور حجامت کے بعد طوافِ زیارت کرنا مسنون ہے۔

مکروہ وقت: بارھویں ذی الحجہ کے غروبِ آفتاب کے بعد مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس پر دم واجب ہوتا ہے۔

حج کا طریقہ: جو شخص حج کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ وہ حج کے مہینوں میں مکہ کی طرف جائے، پھر جب وہ میقات تک یا اس کے برابر (محاذات) تک پہنچ جائے، تو غسل کرے، یا وضو کرے، اور اپنے سلے ہوئے کپڑے اتار کر دو چادر (ازار) اور اوڑھنی (رداء) پہن لے اور دو رکعت نماز پڑھے، اور حج کی نیت کرے اور تلبیہ پڑھے (لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔) (میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بیشک تمام تعریفیں اور تمام نعمتیں اور تمام بادشاہتیں آپ کے لیے ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں) پھر جب اس نے تلبیہ پڑھ لیا تو محرم بن گیا، پھر وہ ممنوعاتِ حج میں سے ہر ممنوع سے بچے، اور نمازوں کے بعد جب بھی بلند جگہ چڑھے یا جب بھی نچلی جگہ اترے یا سواروں سے ملاقات کرے، یا نیند سے بیدار ہو تو تلبیہ کثرت سے پڑھے، پھر جب مکہ پہنچے تو مسجدِ حرام سے شروع کرے، پھر جب بیت الحرام کو دیکھے تو تکبیر (اللہ اکبر) کہے اور تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) کہے، پھر حجر اسود سے شروع کرے اس کی طرف تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے رخ کرے، اور استلام کرے، اور بوسہ لے اگر اس کی طاقت ہو ورنہ اشارے کے ساتھ ہی استلام کرے، پھر حجر اسود کے دائیں طرف سے ہی شروع ہو، اور بیت اللہ کے سات چکر لگائے پہلے تین چکروں میں رمل کرے اور باقی چکروں میں آرام اور وقار کے ساتھ چلے، اور طواف کو حطیم کے پیچھے سے کرے، جب بھی حجر اسود کے پاس سے گزرے تو اس کو استلام کرے، اور استلام کے ساتھ ہی طواف ختم کر دے پھر دو رکعت نماز پڑھے اور اس طواف کا نام طوافِ قدوم رکھا جاتا ہے اور یہ سنت ہے۔ پھر صفا کی طرف جائے پھر اس پر چڑھ جائے اور قبلہ کی طرف رخ کرے اور تکبیر و تہلیل کہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، پھر مروہ کی طرف رخ کرے اور مروہ پر چلا جائے اور وہاں وہی اعمال کرے جو صفا پر کیے تھے بس ایک چکر پورا ہو گیا پھر صفا کی طرف لوٹے اور اس سے مروہ کی طرف ایسے ہی سات چکر پورے کرے۔ دو سبز نشانوں کے درمیان سات چکروں میں سے ہر چکر میں چلنے سے رمل سے زیادہ تیزی کرے۔

آٹھویں ذی الحجہ کے احکام: پھر جب ذی الحجہ کا آٹھواں دن ہو تو فجر مکہ میں پڑھے اور منیٰ کی طرف نکلے اور اس میں ٹھہرے، اور یہ رات اس میں گزارے۔

نویں ذی الحجہ کے احکام :اور نویں دن جو کہ عرفہ کا دن ہے سورج طلوع ہونے کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف منتقل ہو جائے اور تکبیر و تہلیل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، اور دعا مانگتے ہوئے اس میں ٹھہرے، اور زوال کے بعد امام لوگوں

کو ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز پڑھائے اور عرفات میں سورج غروب ہونے تک ٹھہرا رہے، پھر اسی راستے مکے کی طرف لوٹے اور مزدلفہ میں اترے، اور دسویں دن (قربانی کے دن) کی رات اس میں گزارے، اور امام لوگوں کو عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھائے۔

دسویں ذی الحجہ کے احکام: پھر جب دسویں دن کی فجر طلوع ہو جو کہ قربانی کا دن ہے، امام لوگوں کو فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائے، پھر لوگ امام کے ساتھ ہی ٹھہرے رہیں اور دعا مانگیں پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کی طرف لوٹیں، پھر جب ''جمرہ عقبیٰ'' کی طرف پہنچے تو سات کنکریوں کے ساتھ اس کی رمی کرے اور تلبیہ پہلی کنکری مارنے کے ساتھ ہی ختم کردے پھر ذبح کرے، جب چاہے پھر اپنے سر کو منڈوائے یا قصر کرے۔ پھر قربانی کے تینوں دن کے درمیان مکہ کی طرف جائے تاکہ طواف زیارت کرے، پھر منیٰ کی طرف لوٹے اور اس میں قیام کرے۔

گیارھویں دن کے احکام: پھر جب گیارہویں کا سورج ڈھل جائے تو تینوں جمروں کی رمی کرے پہلے اس جمرہ (جمرہ اولیٰ) سے شروع کرے جو کہ مسجد خیف سے ملا ہوا ہے پھر سات کنکریاں اس کو مارے ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہے پھر اس کے پاس ٹھہرے اور دعا مانگے پھر درمیانی جمرے (جمرہ وسطیٰ) کی رمی کرے اور اس کے پاس ٹھہرے پھر آخری جمرے (جمرہ عقبیٰ) کی رمی کرے، اور اس کے پاس نہ ٹھہرے۔

بارھویں ذی الحجہ کے احکام: پھر جب بارہویں دن کا سورج ڈھل جائے تو گزشتہ دنوں کی طرح تینوں جمروں کی رمی کرے، اور رمی کے دنوں میں منیٰ میں رات گزارے، پھر مکہ کی طرف چلے اور وادی محصب میں کچھ دیر ٹھہرے، پھر مکہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کے گرد بغیر رمل اور سعی کے سات چکر لگائے، اس طواف کا نام ''طواف وداع'' ہے اور طواف صدر بھی نام رکھا جاتا ہے اور طواف کے بعد دو رکعت پڑھے پھر زمزم کے پاس آئے پانی کھڑا ہو کر پیئے، پھر ملتزم کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑائے، اور جو چاہے دعا مانگے اور پھر جب اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ بیت اللہ کی جدائی پر روتے ہوئے اور حسرت کے ساتھ لوٹے۔

حج کے واجبات: حج میں بہت سی چیزیں واجب ہیں: (۱) میقات سے پہلے احرام باندھنا۔ (۲) وقوف مزدلفہ۔

● مزدلفہ منیٰ سے متصل میدان کا نام ہے۔ جہاں میدانِ عرفات سے وقوف کرنے کے بعد دسویں ذی الحجہ کی رات گزاری جاتی ہے۔ ● اور وقوفِ مزدلفہ کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے۔ ● اس وقت میں ایک لحظہ بھی وقوف کرنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔ (۳) طواف زیارت ایام قربانی (دسویں، گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ) میں کرنا۔ (۴) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔ (۵) سعی میں صفا سے ابتداء کرنا اور مروہ پر ختم کرنا۔ (۶) سعی کی مقدار سات چکر ہیں، جن میں صفا سے لے کر مروہ تک ایک چکر اور مروہ سے صفا تک دوسرا چکر ہے۔ اسی طرح سات چکر پورے کیے جائیں گے اور ساتواں چکر مروہ پر ختم ہوگا۔ (۷) اہل مکہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے ''طواف صدر'' کرنا۔ اسے ''طواف وداع'' بھی کہتے ہیں۔ (۸) یہ طواف مکہ سے اپنے گھر کو واپس لوٹنے سے پہلے الوداعی طور پر کیا جاتا ہے۔ (۹) ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنا، قربانی کے تینوں دن (ایام النحر) میں جمرات کو کنکریاں مارنا۔ (۱۰) حرم کی زمین میں حلق یا قصر کرنا۔ حلق یا قصر کا ایام قربانی میں ہونا۔ (۱۱) طواف اور سعی کے دوران حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر سے پاک ہونا۔ (۱۲) احرام کے تمام ممنوعات کا چھوڑ دینا واجب ہے۔ جیسے * سلے ہوئے کپڑے پہننا۔ * سر کو چھپانا۔ * چہرے کو ڈھانپنا۔ * شکار کو قتل کرنا۔ * گناہوں کو چھوڑ دینا۔ * لڑائی جھگڑا کا لم گلوچ کرنا۔ * بیوی سے ازدواجی تعلق یا اس کے مقدمات (بوس وکنار، شہوت سے چھونا وغیرہ) ترک کردینا۔

حج میں وہ افعال جو مسنون ہیں: حج میں بہت سارے اعمال مسنون ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں: (۱) احرام باندھنے سے پہلے غسل یا وضو کر لینا۔ (۲) احرام میں دو سفید اور نئی چادریں استعمال کرنا، اگر نئی چادریں میسر نہ ہوں تو دھلی ہوئی اور صاف ستھری چادریں استعمال کرنا۔

(۳) احرام کی نیت کرنے کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا۔ (۴) کثرت سے "تلبیہ" پڑھنا۔ (۵) اہل مکہ کے علاوہ باقی حضرات کے لیے "طوافِ قدوم" کرنا۔

طوافِ قدوم کا مطلب: اہل مکہ کے علاوہ باقی حضرات مسجد حرام پہنچ کر بطور استقبال بیت اللہ شریف کے جو طواف کرتے ہیں "طوافِ قدوم" کہلاتا ہے۔

(۶) مکہ کے قیام کے دوران بکثرت طواف کرتے رہنا۔ (۷) طواف کے دوران اضطباع کرنا۔

اضطباع کا مطلب: "اضطباع" کا مطلب یہ ہے کہ طواف شروع کرنے سے پہلے اپنی چادر اس طرح اوڑھنا کہ دایاں کندھا ننگا ہو۔ اور چادر کا دوسرا کنارہ بائیں کندھے پر ڈالا ہوا ہو جس سے بایاں کندھا ڈھکا ہوا ہو۔ (۸) طواف کے دوران رمل کرنا۔

رمل کا مطلب: طواف میں اس طرح اکڑ اکڑ کر پہلوانوں کی طرح چلنا کہ اس کے کندھے حرکت کر رہے ہوں اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہوئے چل رہا ہو۔

● یاد رہے کہ طواف میں سات چکر ہوتے ہیں مگر "رمل" ان میں سے پہلے تین چکروں میں مسنون ہے۔

(۹) صفا و مروہ کی سعی کے دوران جب دو سبز نشان آجائیں (آج کل سبز رنگ کی ٹیوب لائٹس کا انتظام ہے) تو ان نشانات کے درمیان قدرے دوڑ کر چلنا۔ اس کے علاوہ باقی سعی اپنی رفتار اور طبعی چال کے مطابق کرنا۔

یاد رہے کہ صفا اور مروہ کی سعی میں بھی سات چکر مسنون ہیں لہٰذا ہر چکر میں جب بھی سبز نشان آئے تو ایک نشان سے دوسرے نشان تک مردوں کے لیے تیز چلنا مسنون ہے۔ ان نشانات کو "اَلْمِیْلَیْنِ الْأَخْضَرَیْن" کہتے ہیں

(۱۰) طواف میں ہر چکر پورا ہونے پر "حجر اسود" کو بوسہ دینا، اگر بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو استلام کرنا مسنون ہے۔

بوسہ دینے کا طریقہ: بوسہ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ چاندی کے خول پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر اس طرح بوسہ دے کہ ہونٹ حجر اسود پر رکھے ہوں، مگر بوسہ کی آواز پیدا نہ ہو۔

استلام کا طریقہ: بھیڑ اور رش کی وجہ سے بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو دور سے اپنے دونوں ہاتھوں سے حجر اسود کو چھوئے اور حجر اسود پر ہاتھ رکھ دے اور پھر اپنے ہاتھوں کو چوم لے اور اگر ہاتھ رکھنا بھی مشکل ہو تو بس دور سے حجر اسود کو اشارہ کر کے اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیدے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: خوب یاد رہے کہ حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے، بوسہ ممکن نہ ہو تو اس کا متبادل "استلام" کی صورت میں موجود ہے۔ مگر لوگوں کو تکلیف سے بچانا واجب ہے اور تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

مگر افسوس! طواف میں بکثرت دیکھنے میں آتا ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے خوب دھکم پیل ہوتی ہے، دوسروں کو ایذاء دی جاتی ہے، ایک سنت کی خاطر ناجائز اور حرام کی پرواہ نہیں کی جاتی ایسے لوگوں پر یہ کہاوت خوب صادق آتی ہے: "حفظت شيئاً و غابت عنك أشياءٌ"۔ یعنی ایک چیز کا تو خیال کر لیا، مگر بے شمار ضروری چیزیں ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئیں۔ (۱۱) منیٰ میں جمرات کو کنکریاں مارنے کے لیے گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی راتیں منیٰ میں گزارنا۔ (۱۲) "حج افراد" کرنے والے کا قربانی کرنا۔ (۱۳) منیٰ سے واپسی پر کچھ دیر "وادیٔ محصب" ٹھہرنا۔

احرام کے احکام ومسائل

احرام باندھنے کے بعد بعض چیزیں ممنوع ہوجاتی ہیں بعض مکروہ اور بعض جائز اس کی تفصیل "معلم الحجاج" اور "عمدۃ المناسک" میں سے یہاں بقدر ضرورت اس کا خلاصہ تحریر کیا جاتا ہے۔

احرام میں ممنوع باتیں: احرام کی حالت میں درج ذیل امور کا ارتکاب ممنوع ہے ان کے کرنے سے گناہ بھی ہوتا ہے اور جرمانہ بھی واجب ہوتا ہے چنانچہ بعض صورتوں میں دم واجب ہوتا ہے یعنی قربانی ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں صدقہ واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں صرف گناہ ہوتا ہے دم وغیرہ واجب نہیں ہوتا، اگر ایسی غلطی ہوجائے تو معتبر اہلِ فتویٰ علمائے کرام سے اس کا حکم دریافت کر کے عمل کریں یا معتبر کتابوں میں دیکھیں۔

یاد رہے کہ ان امور کا کرنا گناہ تو ہے ہی اس سے انسان کا حج وعمرہ بھی ناقص ہوجاتا ہے اس لیے ممنوعات احرام سے بچنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔ ● احرام کی حالت میں مرد حضرات کو سلے ہوئے کپڑے پہننا منع ہے، ایسا جوتا پہننا بھی منع ہے جس میں پیر کی پشت کی درمیانی ابھری ہوئی ہڈی چھپ جائے البتہ خواتین سلے ہوئے کپڑے پہنی رہیں اور انھیں ہر قسم کا جوتا استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ ● احرام کی حالت میں مرد حضرات کو سر اور چہرہ سے اور خواتین کو صرف چہرے سے کپڑا لگانا اور ان کو کپڑے سے ڈھانکنا منع ہے، سوتے جاگتے ہر وقت ان کو کھلا رکھیں۔ ● احرام کی حالت میں جانگیہ پہننا جائز نہیں، البتہ ناف وغیرہ اترنے کے عذر کی وجہ سے لنگوٹ باندھنا جائز ہے، نیز سر اور چہرہ پر پٹی باندھنا بھی درست نہیں۔ ● خوشبودار صابن استعمال کرنا منع ہے۔

● جسم یا کپڑوں پر کسی قسم کی خوشبو لگانا سر یا جسم پر خوشبودار تیل لگانا یا خالص زیتون یا تِل کا تیل لگانا منع ہے البتہ ان تیلوں کے سوا بغیر خوشبو کے تیل لگانا جائز ہے۔ ● سر یا جسم کے کسی حصے کے بال کاٹنا یا کٹوانا اور ناخن کترنا منع ہے۔ ● اپنے سر یا جسم یا اپنے کپڑوں کی جوئیں مارنا یا جوئیں مارنے کے لیے کپڑے کو دھوپ میں ڈالنا منع ہے۔ ● بیوی سے ہمبستری کرنا یا ہمبستری کی باتیں کرنا یا شہوت سے بوس وکنار کرنا یا شہوت سے چھونا منع ہے۔ ● احرام کی حالت میں ہر قسم کے گناہوں سے بطورِ خاص بچنا جیسے غیبت کرنا یا چغلی کرنا، فضول باتیں کرنا، بے فائدہ کلام کرنا، بے جا مذاق کرنا، کسی کو ناحق ذلیل ورسوا کرنا اور خاص کر خواتین کو بے پردہ رہنا یہ سب باتیں بغیر احرام کے بھی ناجائز ہیں اور احرام کی حالت میں خاص طور پر ناجائز اور گناہ ہیں۔ ● حالتِ احرام میں لڑائی جھگڑا کرنا یا بے جا غصہ کرنا بڑا گناہ ہے اس سے بطورِ خاص بچنا چاہیے۔ بعض حجاج اس گناہ میں بہت مبتلا نظر آتے ہیں۔

احرام میں مکروہ باتیں: احرام باندھنے کے بعد درج ذیل امور کا ارتکاب مکروہ اور گناہ ہے ان سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے اگر غلطی سے ارتکاب ہوجائے تو استغفار کرنا چاہیے لیکن ان میں کوئی جرمانہ واجب نہیں۔

● لونگ، الائچی اور خوشبودار تمبا کو ڈال کر پان کھانا مکروہ ہے لیکن سادہ پان کھانا جائز ہے۔ ● جسم میں میل دور کرنا اور جسم کو بغیر خوشبودار صابن سے دھونا مکروہ ہے۔ ● سر اور داڑھی کے بالوں میں کنگھا کرنا بھی مکروہ ہے۔ ● اگر بال ٹوٹنے اور اکھڑنے کا خطرہ ہو تو سر کھجلانا بھی مکروہ ہے ہاں آہستہ کھجلانا کہ بال اور جوئیں نہ گریں تو جائز ہے۔ ● اگر احرام کی چادریں تبدیل کرنی ہوں یا خواتین کو کپڑے بدلنا ہوں تو ان میں کسی قسم کی خوشبو بسی ہوئی نہ ہونی چاہیے۔ ● خوشبودار میوہ اور خوشبودار گھاس سونگھنا اور چھونا مکروہ ہے اور خوشبو کو چھونا اور سونگھنا بھی مکروہ ہے البتہ اگر بلا ارادہ ناک میں خوشبو آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ ● خوشبودار کھانا بغیر پکا ہوا مکروہ ہے البتہ پکا ہوا خوشبودار کھانا مکروہ نہیں۔ ● خوشبودار پھول سونگھنا یا ان کا ہار گلے میں ڈالنا مکروہ اور منع ہے۔ ● اوندھا ہو کر منہ کے بل لیٹ کر تکیہ پر پیشانی رکھنا مکروہ ہے البتہ سر یا رخسار تکیہ پر رکھنا مکروہ نہیں، جائز ہے۔ ● کپڑے یا تولیہ سے منہ پونچھنا

مکروہ ہے البتہ ہاتھ سے چہرہ صاف کریں کپڑا استعمال نہ کریں اسی طرح کعبہ کے پردے کے نیچے اس طرح کھڑے ہونا کہ پردہ منہ کو لگے مکروہ ہے اور اگر سر اور چہرہ کو پردہ نہ لگے تو جائز ہے۔

● احرام کے تہبند کے دونوں پلوں کو آگے سے سینا مکروہ ہے تاہم اگر کسی نے ستر کی حفاظت کے لیے ایسا کیا تو دم یا صدقہ واجب نہ ہوگا۔ ● سر اور چہرہ کے سوا جسم کے دیگر اعضاء پر بلا عذر پٹی باندھنا، بلا عذر لنگوٹ باندھنا مکروہ ہے۔ اور عذر میں مکروہ نہیں اور سر اور چہرہ پر پٹی وغیرہ باندھنا درست نہیں خواہ عذر ہو یا نہ ہو۔

جائز باتیں: احرام کی حالت میں درج ذیل امور بلا کراہت جائز ہیں: ● ٹھنڈک حاصل کرنے یا تازگی حاصل کرنے یا گرد وغبار دور کرنے کے لیے خالص پانی سے خواہ وہ پانی ٹھنڈا ہو یا گرم غسل کرنا جائز ہے لیکن جسم سے میل دور نہ کریں۔ ● انگوٹھی پہننا، چشمہ لگانا، چھتری استعمال کرنا، آئینہ دیکھنا، مسواک کرنا، دانت اکھاڑنا، ٹوٹے ہوئے ناخن کاٹنا درست ہے۔ ● خواتین کے لیے دستانے پہننا جائز ہے مگر نہ پہننا اولیٰ ہے اسی طرح خواتین کو زیورات پہننا جائز ہے مگر نہ پہننا اچھا ہے۔ ● بغیر خوشبو والا سرمہ لگانا اور زخمی اعضاء پر پٹی باندھنا جائز ہے لیکن زخمی سر اور چہرہ پر پٹی باندھنا درست نہیں لیکن دوا لگانا درست ہے۔ ● سر یا رخسار تکیہ پر رکھنا۔

● اپنا ہاتھ یا دوسرے کا ہاتھ منہ یا ناک پر رکھنا۔ ● بالٹی یا کین یا تسلہ وغیرہ سر پر اٹھانا۔ ● زخم یا ورم پر بغیر خوشبو والا تیل لگانا۔ ● موذی جانوروں کو مارنا چاہے وہ حرم ہی میں ہوں جیسے سانپ، بچھو، مچھر، بھڑ، تتیا اور کھٹمل وغیرہ۔ ● سوڈا اور کوئی پانی کی بوتل یا شربت جس میں خوشبو ملی ہوئی نہ ہو پینا جائز ہے اور جس بوتل میں خوشبو ملی ہوئی ہو اگرچہ برائے نام ہو اس کو پینے سے بچنا چاہیے ورنہ صدقہ واجب ہوگا۔ ● احرام کے تہبند میں روپیہ یا گھڑی وغیرہ رکھنے کے لیے جیب لگانا جائز ہے۔ ● پیٹی یا ہمیانی لنگی کے اوپر یا نیچے باندھنا جائز ہے اور قطرہ یا ہرنیا کی بیماری میں لنگوٹ کس کر باندھنا جائز ہے لیکن جانگیہ پہننا جائز نہیں۔

عمرہ کے احکام

عمرہ کا حکم: اگر کسی شخص میں وہ تمام شرائط پائی جائیں جو حج کے فرض ہونے کے لیے ضروری ہیں تو اس پر زندگی بھر میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا "سنتِ مؤکدہ" ہے۔

عمرہ کرنا کب مکروہ ہے؟ آٹھویں ذی الحجہ سے لے کر بارہویں ذی الحجہ کی شام تک یہ پانچوں دن چونکہ حج کے دن ہیں، لہٰذا ان دنوں میں عمرہ کا احرام باندھنا مکروہ ہے۔ ان پانچ دنوں کے علاوہ سارا سال عمرہ کرنا جائز ہے۔

عمرہ کے فرائض: عمرہ کے چار فرائض ہیں ان میں سے کوئی فرض بھی چھوٹ جائے تو عمرہ ادا نہیں ہوتا: (۱) میقات سے احرام باندھنا۔ (۲) طواف کرنا۔ (۳) طواف کے بعد صفا و مروہ کی سعی کرنا۔ (۴) حلق (سر منڈوانا) یا قصر (بال کٹوانا)

عمرہ کرنے کا طریقہ: ● اگر آفاقی عمرہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے میقات سے پہلے احرام باندھ لے۔ اگر وہ مکی ہے (خواہ وہ مکہ کا رہائشی ہو یا مکہ میں مقیم ہے) تو وہ "حلّ" سے احرام باندھے اور حلّ (حدودِ حرم سے باہر میقات تک علاقہ) میں تنعیم (مسجدِ عائشہ) سے احرام باندھنا افضل ہے۔ ● پھر بیت اللہ شریف کا اس طرح طواف کرے کہ اس کے پہلے تین چکروں میں "رمل" اور تمام چکروں میں "اضطباع" کرے۔ ● طواف کے بعد "مقام ابراہیم" یا "مسجدِ حرام" میں کہیں بھی دو رکعت "طواف" ادا کرے۔ ● اس کے بعد زم زم کے کنویں پر جا کر خوب سیر ہو کر زمزم پیئے بطور برکت اپنے اوپر ملے۔ ● پھر صفا اور مروہ کی سعی کرے۔ سعی سے فارغ ہو کر حلق کروائے یا قصر۔ حلق یا قصر کے بعد اس کا احرام کھل جائے گا اور اس کا عمرہ مکمل ہو جائے گا۔

حج کی تین قسمیں اوپر گزر چکی ہیں اب ان میں فرق معلوم کریں: اس حج کو قران اس لیے کہتے ہیں کہ قرآن کا معنی ہے دو چیزوں کو ملانا اور جوڑنا، چونکہ حاجی بھی عمرہ اور حج کو اپنے احرام میں ملا دیتا ہے اس لیے اس کو "حج قران" کہتے ہیں۔

حج قران، تمتع اور اِفراد میں فرق: (۱) پہلا فرق: ● حج اِفراد میں احرام باندھتے وقت صرف حج کی نیت ہوتی ہے اور اس موقع پر یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ"۔ ● حج تمتع میں احرام باندھتے ہوئے صرف عمرہ کی نیت ہوتی ہے کیونکہ حج کا احرام دوبارہ ایام حج میں باندھا جائے گا۔ لہٰذا اس موقع پر یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْ ھَالِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ"۔ ● اور حج قران کے موقع پر احرام باندھتے ہوئے عمرہ اور حج دونوں کی نیت کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس موقع پر قارن کے لیے یہ دعا مسنون ہے: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرۃَ فَیَسِّرْ ھمالِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ"۔

(۲) دوسرا فرق: مفرد پہلے طوافِ قدوم کرے گا، جب کہ قارن اور متمتع سب سے پہلے عمرہ کا طواف کریں گے۔ طوافِ قدوم سنت ہے جب کہ طوافِ عمرہ رکن ہے۔

(۳) تیسرا فرق: مفرد پر قربانی واجب نہیں ہے بلکہ مسنون ہے، جب کہ قارن اور متمتع پر قربانی واجب ہوتی ہے اور اگر ان میں قربانی کی طاقت نہ ہو تو وہ دس روزے رکھیں، جن میں سے تین روزے مکے میں ہی دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے رکھنا واجب ہیں۔ بقیہ سات روزے افعالِ حج سے فارغ ہو کر رکھے، خواہ مکہ ہی میں رکھے، یا گھر واپس آ کر رکھے۔

(۴) چوتھا فرق: قارن اور متمتع پر واجب ہے کہ وہ درج ذیل ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے افعالِ حج انجام دیں۔

(۱) پہلے رمی (جمرات کو کنکریاں مارنا) (۲) پھر ذبح (یعنی قربانی کرنا) (۳) پھر حلق یا قصر کروانا (سر منڈوانا) جبکہ مفرد پر مندرجہ بالا ترتیب کا خیال رکھنا واجب نہیں ہے۔

(۵) پانچواں فرق: فضیلت کے اعتبار سے حضرتِ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک حج قران سب سے افضل ہے۔ اور حج تمتع افراد سے افضل ہے۔

مرد اور عورت کے حج اور عمرہ کے افعال میں فرق: مرد اور عورت کے افعالِ حج میں جو فرق ہے اسے نمبر وار ذکر کیا جاتا ہے۔ باقی تمام افعال میں عورت کے لیے وہی احکام ہیں جو مرد کے لیے ہیں: (۱) مردوں کو "تلبیہ" اونچی آواز سے پڑھنا چاہیے جب کہ خواتین آہستہ آواز سے تلبیہ پڑھیں، کیونکہ ان کی آواز بھی پردہ میں شامل ہے۔ (۲) احرام کی حالت میں مردوں کو سلا ہوا کپڑا پہننا ممنوع ہے تاہم عورت احرام کی حالت میں بھی سلا ہوا کپڑا پہنے گی۔ (۳) مرد حضرات کو احرام کی حالت میں اپنا سر ننگا رکھنا ضروری ہے جب کہ عورت پر اپنا سر چھپانا ضروری ہے۔

(۴) مرد حضرات طواف کے پہلے تین چکروں میں "رمل" کرتے ہیں جب کہ عورت کے لیے "رمل" درست نہیں ہے۔

(۵) مرد حضرات کو طواف کی حالت میں اضطباع کرنا مسنون ہے، جبکہ عورت کے لیے اضطباع جائز نہیں ہے۔

(۶) سعی کے دوران مرد حضرات "میلین اخضرین" (دو سبز نشانوں) کے درمیان قدر تیز دوڑتے ہیں، جبکہ عورت اپنی رفتار پر چلتی رہے اس کے لیے دوڑنا درست نہیں ہے۔ (۷) مرد حضرات حلق یا قصر میں سے جو چاہیں کریں، جب کہ عورتوں کے لیے صرف قصر متعین ہے انہیں چوتھائی سر کے بال انگلی کے پورے کے برابر کتروانا واجب ہے اور تمام سر کے بال کتروانے مسنون ہیں اور حلق جائز نہیں ہے۔ (۸) مرد حضرات کو موزے، دستانے، بوٹ وغیرہ (جس سے پاؤں کی ابھری ہوئی ہڈی چھپ جائے) پہننا

جائز نہیں، جب کہ خواتین کے لیے جائز ہیں۔(۹) عورت کے لیے زیور پہننا بھی جائز ہے۔

(۱۰) عورت حیض ونفاس کی حالت میں وقوف عرفات تو کرسکتی ہے، البتہ طواف زیارت نہیں کرسکتی۔ کیونکہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور حدث اکبر کی حالت میں مسجد میں جانا جائز نہیں ہے لہٰذا عورت پاک ہونے کے بعد طواف کرے۔

● عورت کے لیے اس غرض سے ممسک حیض (وقتی طور پر ماہواری روکنے والی) ادویہ استعمال کرنا جائز ہے وہ تمام افعال حج پاکی کی حالت میں ادا کرسکے۔

جنایات کا بیان: جنایات کی تفصیل اور ان کے ارتکاب کی صورت میں شریعت کی طرف سے لازم آنے والی جزا (سزا) کے تفصیلی بیان کو چھیڑنے سے پہلے چند اصولی باتیں اور ضابطے ذکر کیے جاتے ہیں۔

پہلی بحث: (۱) جنایت کی تعریف: ممنوعات احرام میں سے کسی بات کے ارتکاب کرنے اور حج کے دیگر احکام کی خلاف ورزی کرنے کو "جنایت" کہتے ہیں۔

(۲) جنایت کی قسمیں: جنایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) ان ممنوعات میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرنا جو احرام کی وجہ سے زمانہ احرام میں ممنوع ہیں۔ اس کو "جنایت علی الاحرام" (احرام کی جنایت) کہتے ہیں۔ اسی طرح حج کے واجبات میں سے کسی واجب کو چھوڑ دینا، یا اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنا۔ اسے بھی "جنایت علی الاحرام" میں داخل کیا جاتا ہے کیونکہ یہ جنایت بھی زمانۂ احرام اور زمانۂ حج میں ہوتی ہے۔

(ب) حدودِ حرم میں رہتے ہوئے ایسے کام کرنا جس سے شریعت نے منع کیا ہو، مثلاً حدودِ حرم میں شکار کرنا، کسی کی شکار کے بارے میں رہنمائی کرنا کہ فلاں جگہ شکار ہے، یا کسی شکار کی طرف اشارہ کرنا تاکہ شکاری اسے نشانے پر لے لے یا حدودِ حرم میں حرم کا درخت اکھاڑنا، گھاس کاٹنا وغیرہ۔ اس جنایت کو جنایت علی الحرم کہہ سکتے ہیں۔

جنایت کی دونوں قسموں میں فرق: پہلی قسم کی جنایت اگر محرِم (احرام والا) کی طرف سے ہو، تو جزاء لازم ہوگی، اگر محرِم کی طرف سے نہ ہو بلکہ ایسے شخص کی طرف سے ہو جس نے احرام نہ باندھا ہو، یا احرام کھول چکا ہو تو اس پر جزاء لازم نہ ہوگی۔ جبکہ دوسری قسم کی جنایت کا تعلق حرم کی زمین سے ہے، لہٰذا کوئی شخص بھی ارتکاب کرے، خواہ مُحرِم ہو یا نہ ہو، بلکہ حلالی ہو، اس پر بھی جزاء لازم آئے گی۔

دوسری بحث: (الف) ممنوعاتِ احرام کا معاملہ عام عبادات سے مختلف ہے۔ عام عبادات (نماز، روزہ وغیرہ) میں خطاء، نسیان اور عذر وغیرہ سے احکام بدل جاتے ہیں، مگر ممنوعات احرام کا ارتکاب جس حالت میں بھی ہو جزا لازم ہوتی ہے۔ خواہ بھول کر ہو یا غلطی سے، عذر کی وجہ سے ہو یا بلا عذر ہو، ہوش کی حالت میں ہو یا بے ہوشی کی حالت میں ہو، جبر واکراہ کے ذریعے سے ہو یا اپنی خوشی سے، یا مجبوری سے، خود کرے یا کسی دوسرے شخص نے کرائے، سوتے ہوئے یا جاگتے ہوئے، خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے، الغرض ہر حالت میں جزاء لازم آتی ہے۔ (ب) البتہ بھول چوک، غلطی، نیند، بے ہوشی، مجبوری یا عذر کی حالت میں اس جنایت کی وجہ سے صرف جزاء لازم آتی ہے، گناہ نہیں ہوتا جس پر توبہ استغفار ضروری ہو۔ (ج) بغیر عذر کے کسی ممنوع کام کا ارتکاب ہو جائے، تو وہی جزاء متعین ہے، جو شریعت کی طرف سے اس صورت میں مقرر کی گئی ہے۔ عذر کی صورت میں جزاء تو ضرور واجب ہوتی ہے، مگر اس میں بہت سی سہولت رکھی گئی ہے (جس کا بیان آگے آرہا ہے)۔

تیسری بحث: جنایات کے ارتکاب کی صورت میں جو جزاء لازم ہوتی ہے، اس کا فوری ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ زندگی بھر میں جب بھی موقع ملے ادا کرسکتا ہے، تاہم جلدی ادا کرنا افضل ہے۔

چوتھی بحث: جنایات کے باب میں جو اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں ان کی تشریح ضروری ہے۔

دم :دم کا معنی ''خون'' ہے۔اس سے مراد بکری، دنبہ یا گائے اور اونٹ وغیرہ کا ساتواں حصہ ہے، اور اس میں وہ تمام شرائط ضروری ہیں، جو قربانی کے جانور میں ضروری ہوتی ہیں۔

بُدْنہ :اس سے مراد کامل گائے (ساتوں حصے) اور کامل اونٹ ہے۔

صَدَقہ :جہاں صدقہ کا لفظ مطلق بغیر کسی قید اور تفصیل کے ذکر کیا جائے۔

تو اس سے مراد صدقۃ الفطر کی مقدار ہوتی ہے (یعنی پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت وغیرہ)

کچھ صدقہ :اگر مطلق صدقہ کی بجائے کچھ صدقہ کہا جائے تو اس سے مراد یہ ہے کہ مٹھی بھر غلہ، یا کھجوریں یا ان کی قیمت یا باریک روٹی، یا ایک دو ریال نقد کافی ہیں۔البتہ اگر جنایات کے باب میں کپڑے پہننے، خوشبو لگانے، ناخن کاٹنے، اور بال منڈانے کی جزاء میں لفظ ''صدقہ'' کا آیا ہے۔وہاں بعض صورتوں میں چھ مساکین کو صدقۃ الفطر کی مقدار دینا مراد ہے، بشرطیکہ وہ جنایات کامل بھی نہ ہو، اور عذر کی حالت بھی نہ ہو (جس کی تشریح آگے آرہی ہے)

پانچویں بحث

جنایات کی صورت میں عذر اور بلا عذر کا فرق:جنایات کے باب میں عذر سے مراد بخار، سردی، درد، جوئیں، زخم اور پردہ داخل ہے، جس میں مشقت اور تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔یہ ضروری نہیں ہے کہ ہلاکت یا بیماری کے بڑھنے یا دیر سے اچھا ہونے کا خطرہ ہو۔بس صرف مشقت اور تکلیف میں زیادتی ہی عذر ہے، خطا، نسیان، بے ہوشی، نیند اور مفلسی عذر میں داخل نہیں ہے۔

چھٹی بحث

شکار (صَید) کی تعریف :شکار سے مراد ہر وہ جانور ہے جس میں دو باتیں پائی جائیں۔

(ا) جو اپنی اصل خلقت (پیدائش) میں فطری طور پر وحشی ہو (یعنی لوگوں سے متنفر ہوتا اور بھاگتا ہو) خواہ بعد میں اسے مانوس کیا گیا ہو۔(ب) جو اپنے پروں کے ذریعے اڑ کر یا پنجوں کے ذریعے اپنا دفاع کرتا ہو۔جیسے فاختہ، کچھوا، چڑیا، کبوتر (کبوتر چاہے گھریلو ہو، کیونکہ یہ اپنی اصل حقیقت میں متوحش ہے، اگرچہ بعد میں مانوس کر لیا جاتا ہے) ہرن اور نیل گائے وغیرہ۔

گھریلو مرغی، گائے بکری وغیرہ، چونکہ اپنی اصل خلقت میں وحشی نہیں ہیں لہٰذا یہ شکار میں داخل نہیں ہیں، اس لیے ان کا ذبح کرنا محرم کے لیے ممنوع نہیں ہے۔

الجنایۃ علی الحرم :اگر کوئی شخص حرم میں جنایت کرے، خواہ جنایت کرنے والا محرم ہو یا حلال (محرم نہ) ہو۔دونوں پر جزاء ہے۔اور حرم میں جنایت دو طرح سے ہو سکتی ہے:(ا) حرم کا شکار مار ڈالنا (۲) حرم کے درخت یا گھاس وغیرہ کاٹنا۔

(ا) حرم کا شکار مار ڈالنا:اگر کوئی شخص خواہ محرم ہو یا حلال، حرم کا درخت کاٹ ڈالے، یا گھاس کاٹ لے تو اس پر درخت اور گھاس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔

الجنایۃ علی الاحرام:احرام پر جنایت کا مطلب یہ ہے کہ محرم آدمی اپنے احرام کی حالت میں ممنوعاتِ احرام میں سے کسی ممنوع کام کا ارتکاب کر لے، یا حج کے واجبات میں سے کسی واجب کو چھوڑ دے خواہ وہ محرم حدودِ حرم میں اس فعل کا ارتکاب کرے یا حدودِ حرم سے باہر ارتکاب کرے۔

جنایۃ علی الاحرام پر جزاء کے اعتبار سے چھ قسمیں بنتی ہیں:(ا) جس میں حج بالکل فاسد ہو جاتا ہے۔(۲) جس میں بدنہ (کامل گائے یا کامل اونٹ) واجب ہوتا ہے۔(۳) جس میں دَم واجب ہوتا ہے۔(۴) جس میں صدقہ (صدقۃ الفطر کی مقدار) واجب

ہوتا ہے۔(۵) جس میں کچھ صدقہ (صدقۃ الفطر سے کم مقدار) واجب ہوتا ہے۔(۶) جس میں قیمت واجب ہوتی ہے۔اب ہم جنایات سے متعلق تفصیلی باتیں ذکر کرتے ہیں:

پہلی قسم کی تشریح: وہ جنایت جس کا ارتکاب کی وجہ سے حج فاسد ہوجاتا ہے، اور آئندہ سال اس کی قضاء واجب ہوتی ہے، اور اس کا فساد دَم سے ختم ہوسکتا ہے نہ روزے اور صدقے سے، وہ یہ ہے کہ وقوفِ عرفہ سے پہلے اپنی بیوی سے ہمبستری کرلے تو اس کا حج فاسد ہوجاتا ہے۔ اور آئندہ سال اس کی قضاء واجب ہوتی ہے اور بطور کفارہ اس پر دم بھی واجب ہوتا ہے، کیونکہ ابھی حج کے دونوں فرض (وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت) باقی ہیں، کہ اس نے جنایات کا ارتکاب کرلیا چنانچہ جنایت انتہائی سنگین ہونے کی وجہ سے سزا بھی سنگین مل گئی۔

دوسری قسم کی تشریح: وہ جنایت جن کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے بُدنہ (کامل گائے، کامل اونٹ) واجب ہوتا ہے، یہ ہیں: (۱) وقوفِ عرفہ کے بعد حلق کروانے سے پہلے اپنی بیوی سے ہمبستری کرنا۔(۲) طوافِ زیارت حدَثِ اکبر کی حالت میں کرنا۔ لہٰذا جس شخص نے جنابت کی حالت میں، یا عورت نے جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں طوافِ زیارت کرلیا تو اس پر بُدنہ واجب ہے، تاہم اس کا حج فاسد ہونے سے بچ جائے گا۔ چونکہ حج کا ایک رکن وقوفِ عرفہ بغیر جنایت کے ادا کرلیا اور ابھی ایک رکن ہی باقی تھا کہ اس نے جنایت کی لہٰذا اس کے لیے شریعت نے پہلے کی بہ نسبت ہلکی سزا تجویز کی۔

تیسری قسم کی تشریح: ایسی جنایت کی جس کے ارتکاب کی وجہ سے دَم (بکری، دنبہ، گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ) واجب ہوتا ہے، کی چند صورتیں ہیں: (۱) ہمبستری تو نہ کرے، البتہ ایسا کام کرے جو ہمبستری کا سبب بن سکتا ہو۔ مثلاً بیوی سے بوس وکنار اور شہوت سے اسے چھونا۔

(۲) مکمل ایک دن یا ایک رات تک بغیر کسی عذر کے سلے ہوئے کپڑے پہننا، کیونکہ ایک دن یا ایک رات مکمل کپڑے پہنے رکھنا کامل جنایت ہے، اس لیے کہ اس نے کامل طریقے سے بھرپور نفع اٹھایا ہے، لہٰذا جزا بھی کامل واجب ہوگی۔(۳) محرم آدمی کا مکمل ایک دن تک اپنا چہرہ یا سر ڈھانپ کر رکھنا۔(۴) اپنے سر اور داڑھی کو بغیر کسی عذر کے منڈوا دینا۔ چوتھائی سر یا چوتھائی داڑھی بھی ایک کامل عضو کے حکم میں ہے۔(۵) محرم اپنے اعضاء میں سے ایک بڑے اور پورے عضو پر بغیر کسی عذر کے خوشبو لگالے اگرچہ لحہ بھر کے لیے لگائی ہو۔ جیسے ران، پنڈلی، بازو، چہرہ، اور سر وغیرہ۔ اور خوشبو چاہے جس قسم کی ہو یہی حکم ہے۔(۶) ایک ہاتھ کے مکمل یا ایک پاؤں کے مکمل ناخن کاٹ لیے۔ دونوں کاٹ لیے، تب بھی یہی حکم ہے۔ ان تمام صورتوں میں ان اشیاء سے نفع حاصل کرنا کامل طریق پر ہے، لہٰذا سزا بھی کامل ہے۔

چوتھی قسم کی تشریح: ایسی جنایت کی جس کی وجہ سے صدقۃ الفطر کی مقدار واجب ہوتی ہے اس کی چند صورتیں ہیں: (۱) محرم آدمی جب اپنے سر کے چوتھائی یا داڑھی کے چوتھائی حصے سے کم بال منڈوالے تو صدقہ واجب ہوتا ہے۔(۲) ایک یا دو ناخن (مکمل ہاتھ سے کم کم) کاٹ لے، تو ہر ناخن کے بدلے میں ایک صدقہ واجب ہوتا ہے۔(۳) کامل عضو سے کم حصہ پر یا کسی چھوٹے عضو مثلاً ناک، کان، آنکھ، مونچھ اور انگلی وغیرہ پر خوشبو لگائے۔(۴) جب سلا ہوا یا خوشبو دار کپڑا ایک دن سے کم پہنا ہو۔(۵) اپنے چہرہ یا سر کو ایک دن سے کم کم ڈھانپا ہو۔(۶) طوافِ قدوم (استقبالیہ طواف) یا طوافِ صدر (الوداعی طواف) بے وضو کرنا۔(۷) تینوں جمرات میں سے کسی ایک جمرہ کی رمی (کنکریاں مارنا) نہ کرنا۔

پانچویں قسم کی تشریح: ایسی جنایت کی جس کے ارتکاب سے کچھ صدقہ واجب ہوتا ہے، جس کی مقدار صدقۃ الفطر سے کم ہوتی

ہے، خواہ ایک مٹھی گندم یا کھجور یا کچھ ریال ہوں اس کی چند صورتیں ہیں: (۱) جب ایک جوں یا ایک ٹڈی مار ڈالے، تو جتنا چاہے صدقہ کرے۔ (۲) جب دو جوئیں یا دو ٹڈیاں مار ڈالے تو مٹھی بھر گندم صدقہ کرے۔ لیکن اگر تین جوئیں یا تین ٹڈیاں مار ڈالے تو پھر صدقۃ الفطر کی مقدار (چوتھی قسم کی طرح) واجب ہوتی ہے۔

چھٹی قسم کی تشریح: ایسی جنایت جس کے ارتکاب کی وجہ سے قیمت واجب ہوتی ہے، وہ خشکی کے وحشی جانور کو مار ڈالنا ہے، خواہ وہ جانور ما کول اللحم ہو کہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو (ہرن، نیل گائے وغیرہ) یا ما کول اللحم نہ ہو کہ اس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو (لومڑی، گیدڑ وغیرہ) اسی طرح خود قتل کرنے کی بجائے اگر کسی شکاری کو اس جانور کا پتہ بتلا دیا، یا اس کے اشارہ کے ذریعے رہنمائی کر دی تو تب بھی یہی حکم ہے۔

قیمت کا معیار: اس جانور کی کتنی قیمت واجب ہوگی؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ جہاں وہ جانور شکار کیا گیا ہے وہاں اس کی جو قیمت ہو یا اس جگہ کے قریبی علاقے میں جو قیمت ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور وہاں کے دو عادل آدمی اس کی قیمت کا فیصلہ کریں گے۔ جس قدر وہ قیمت بتلا دیں، اس قدر رقم کا صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ اگر اس جانور کی قیمت اس قدر لگے کہ وہ قربانی کے جانور کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس شخص کو درج ذیل باتوں کا اختیار ہے، جو چاہے کرلے: (۱) اگر چاہے تو اتنی قیمت کا قربانی کا کوئی جانور خرید کر حرم میں ذبح کر دے۔ (۲) اگر چاہے تو اتنی قیمت کی گندم خرید کر فقراء پر اس طرح صدقہ کر دے، کہ ہر فقیر کو ایک صدقۃ الفطر کی مقدار (پونے دو سیر) گندم دیدے۔ مثال: اتنی قیمت کی گندم خریدی، تو وہ اٹھائیس کلو گندم آئی، اور ہر مسکین کو اگر پونے دو سیر گندم دی، تو کل سولہ فقیروں پر یہ گندم تقسیم ہو جائے گی۔

(۳) اتنی گندم کی جتنی مقدار بنتی ہے اس میں سے ہر صدقۃ الفطر کی مقدار (پونے دو سیر) کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔

مثال: اتنی قیمت کی گندم خریدی، تو اٹھائیس کلو گندم آئی، ہر ایک فقیر کو ایک صدقۃ الفطر کے مقدار دی جائے، گویا کل سولہ صدقۃ الفطر ہیں۔ اب یہ شخص ہر صدقۃ الفطر کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔ گویا مجموعی طور پر یہ سولہ روزے رکھ سکتا ہے۔ اور اگر قیمت لگانے کی صورت میں وہ قیمت ایک (ھدی) قربانی کے برابر نہ پہنچے، بلکہ اس سے کم ہو تو اس کو درج ذیل باتوں کا اختیار ہے۔

(۱) اگر چاہے تو اس قیمت کی گندم وغیرہ خرید کر فقراء پر صدقہ کر دے۔ (۲) یا کل مجموعی گندم کے ہر صدقۃ الفطر کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھ لے۔

جنایت کی وہ صورت جس میں کوئی جزا نہیں ہے: محرم اگر ایسا جانور قتل کر دے جو عام طور پر تکلیف پہنچانے میں حملہ کرنے میں پہل کرتے ہیں تو اس صورت میں کچھ لازم نہیں ہوتا۔

وہ جانور یہ ہیں: (۱) سانپ (۲) بچھو (۳) چوہا (۴) کچھوے (۵) باؤلا کتا (۶) شیر (۷) چیتا (۸) گینڈا (۹) بھڑ (۱۰) مکھی (۱۱) چیونٹی وغیرہ۔ ان کے علاوہ موذی جانوروں کا بھی یہی حکم ہے۔

ھدی کے احکام ھدی سے مراد: "ھدی" سے مراد وہ قربانی کا جانور ہے جس کا تعلق حرم کے ساتھ ہو، خواہ وہ بطور نفل حرم میں ذبح کرنا چاہتا ہو، (جیسے مفرد کا قربانی کرنا)، یا بطور وجوب اس پر حرم میں قربانی کرنا ضروری ہے۔

پھر وجوب دو وجہ سے ہو سکتا ہے: (۱) شکر کے طور پر (۲) سزا کے طور پر: چنانچہ اگر حاجی حج تمتع یا حج قران کرے تو اس پر بطور شکر قربانی کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سفر میں دو عبادتوں کی توفیق عطا فرمادی، اور اگر حرم یا احرام کی حالت میں کوئی جنایت ہوگئی جس پر دم واجب ہوتا ہے تو یہ ھدی بطور سزا واجب ہے۔

ھدی کے گوشت کا حکم: ● درج ذیل صورتوں میں ھدی کا گوشت کھانا خود بھی جائز ہے اور اغنیاء کو کھلانا بھی جائز ہے۔

(۱) ھدی تطوع (نفلی) (۲) ھدی تمتع (۳) ھدی قران۔

● درج ذیل صورتوں میں ھدی کا گوشت خود کھانا جائز ہے نہ اغنیاء کو کھلانا، بلکہ فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔

(۱) دمِ جنایت۔ (خواہ جنایت حرم میں ہو، یا احرام میں)

(۲) ھدی تطوع جب حرم پہنچنے سے پہلے راستے میں مرنے لگے اور اسے ذبح کر دیا جائے۔

ھدی کی شرائط: ھدی کا حرم میں ذبح کرنا ہی ضروری ہے۔

ھدی چونکہ قربانی ہی کا دوسرا نام ہے، لہٰذا جانوروں کی عمروں، اوصاف، قسموں میں جو شرائط قربانی کے جانور کے لیے ہیں وہی ھدی کے لیے ضروری ہیں۔

مناسکِ حج ایک نظر میں:

۸/ ذی الحجہ کے دن	۹/ ذی الحجہ کے دن	۱۰/ ذی الحجہ کے دن
مکہ سے منیٰ کو روانگی	فجر کی نماز منیٰ میں ادا کر کے عرفات روانگی	مزدلفہ میں فجر کی نماز کے بعد منیٰ کو روانگی
منیٰ میں آج کے دن	ظہر کی نماز عرفات میں پڑھنی ہے۔	جمرہ عَقَبہ کی رمی
ظہر	وقوفِ عرفات	قربانی کرنا
عصر	عصر کی نماز عرفات میں پڑھنی ہے	سر کے بال منڈوانا یا کتروانا
مغرب	مغرب کے وقت مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ کو روانگی	طوافِ زیارت کو مکہ جانا۔
عشاء پڑھنی ہے	مغرب اور عشاء کی نمازیں عشاء کے وقت مزدلفہ میں ادا کرنی ہیں۔	رات منیٰ میں قیام کرنا
رات منیٰ میں قیام کرنا	رات مزدلفہ میں قیام کرنا	---

۱۱/ ذی الحجہ کے دن	۱۲/ ذی الحجہ کے دن
منیٰ میں رمی کرنا زوال کے بعد سے صبح صادق تک	منیٰ میں رمی کرنا زوال کے بعد سے صبح صادق تک
چھوٹے جمرہ کی رمی کرنا	چھوٹے جمرہ کی رمی کرنا
درمیانے جمرہ کی رمی کرنا	درمیانے جمرہ کی رمی کرنا
طوافِ زیارت اگر کل نہیں کیا تھا تو آج کر لیں	طوافِ زیارت اگر نہیں کیا تھا تو آج مغرب سے پہلے ضرور کر لیں
رات منیٰ میں قیام کرنا	۱۳/ ذی الحجہ کو اگر قیام کا ارادہ ہے تو کنکریاں زوال سے پہلے ماری جاسکتی ہیں مگر مکروہ ہے۔

حجِ بدل: حجِ بدل کا مطلب یہ ہے اپنے بدلے اپنے مصارف پر دوسرے سے حج کرانا، ایک شخص پر حج تو فرض ہے لیکن وہ کسی بیماری، معذوری یا مجبوری کی وجہ سے خود حج نہیں کرسکتا، تو اس کے لیے یہ گنجائش ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو اپنا قائم مقام بنا کر

حج کے لیے بھیج دے اور وہ شخص اس کے بجائے حج کر لے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابورزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ”یارسول اللہ! میرے والد بہت ہی بوڑھے ہو چکے ہیں، نہ وہ حج کر سکتے ہیں نہ عمرہ اور نہ ہی سواری پر بیٹھنے کی ان میں سکت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے والد کی طرف سے حج اور عمرہ ادا کرلو“۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے بجائے بھی حج ادا کرنا صحیح ہے، اور جو شخص خود اپنا فرض حج ادا نہ کر سکتا ہو وہ دوسرے کو بھیج کر اپنا فریضہ ادا کر سکتا ہے، بلکہ ایسی صورت میں اپنا فریضہ ادا کرنا ہی چاہیے۔ یہ خدا کا قرض ہے اور جو شخص کسی کو بھیجنے کا موقع نہ پا سکے تو وہ وصیت کر جائے کہ اس کے بعد اس کے مال میں سے حج بدل کرا دیا جائے۔

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ”یا نبی اللہ! میرے والد کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنی زندگی میں فریضۂ حج ادا نہ کر سکے تھے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے والد پر کسی کا قرضہ ہوتا تو تم ادا کرتے؟ اس شخص نے کہا جی ہاں ضرور ادا کرتا تو ارشاد فرمایا تو اللہ کا قرضہ ادا کرنا تو اور ضروری ہے۔

حج بدل صحیح ہونے کی شرطیں: حج بدل صحیح ہونے کی سولہ شرطیں ہیں جن میں سے پہلی پانچ شرطوں کا تعلق تو حج بدل کرانے والے کی ذات سے ہے اور گیارہ کا تعلق حج بدل کرنے والے شخص سے ہے۔ (۱) حج بدل کرانے والے پر شرعاً حج فرض ہو، اگر کوئی ایسا شخص حج بدل کرائے، جس پر حج فرض نہ ہو (یعنی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو) تو اس حج بدل سے فرض ادا نہ ہوگا مثلاً اس حج بدل کے بعد وہ شخص صاحب استطاعت بن جائے تو اس کرائے ہوئے حج بدل سے اس کا فرض ادا نہ ہوگا بلکہ اس کو حج بدل کرانا پڑے گا۔ (۲) حج بدل کرانے کے لیے خود حج کرنے سے معذور ہو، اگر معذوری عارضی ہے۔ جس کے زائل ہونے کی امید ہے تو حج بدل کرانے کے بعد جب وہ معذوری جاتی رہے اس کو پھر حج کرنا پڑے گا۔ اور اگر معذوری مستقل ہے اور اس کے دور ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے مثلاً کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے نہایت کمزور ہے نابینا ہے۔ تو اس معذوری کا آخر وقت رہنا شرط نہیں ہے اگر اللہ نے اپنے فضل سے یہ معذوری حج بدل کرانے کے بعد دور فرما دی تو اب دوبارہ حج کرنا فرض نہیں، فرض ادا ہو گیا۔

(۳) معذوری حج بدل کرانے سے پہلے پائی جائے، اگر معذوری حج بدل کرانے کے بعد پیدا ہوئی ہے تو پہلے کرائے ہوئے حج بدل کا اعتبار نہ ہوگا اور معذوری کے بعد حج کرانا ضروری ہوگا۔ (۴) حج بدل کرنے والا خود کسی سے حج کے لیے کہے، اگر کوئی شخص از خود دوسرے کی طرف سے اس کے کہے بغیر حج کر لے تو فرض ساقط نہ ہوگا، مرتے وقت وصیت کرنا بھی کہنے کے حکم میں ہے، البتہ کسی کا وارث اگر اس کی وصیت کے بغیر بھی اس کی طرف سے حج بدل کر دے یا کسی سے کرا دے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ فرض ادا ہو جائے گا۔ (۵) حج بدل کرانے والا ہی حج کے سارے مصارف خود برداشت کرے۔

(۶) حج بدل کرنے والا مسلمان ہو۔ (۷) حج بدل کرنے والا صاحب ہوش و خرد ہو، دیوانہ اور مجنون نہ ہو۔ (۸) حج بدل کرنے والا سمجھدار ہو، چاہے نابالغ ہی ہو، اگر کسی ناسمجھ سے حج بدل کرایا تو فرض ادا نہ ہوگا۔ (۹) حج بدل کرنے والا احرام باندھتے وقت اس شخص کی طرف سے حج کی نیت کرے، جو حج بدل کرا رہا ہے۔

(۱۰) وہی شخص حج کرے جس سے حج بدل کرانے والے نے کہا ہے، ہاں اگر یہ اجازت دی ہو کہ وہ دوسرے سے بھی حج بدل کرا سکتا ہے تو پھر دوسرے کے ذریعے حج بدل کرانا بھی صحیح ہے۔ (۱۱) حج بدل کرنے والا اس شخص کی منشا کے مطابق حج کرے جو حج بدل کرا رہا ہے، مثلاً حج کرنے والے نے حج قران کو کہا ہے تو حج قران کرے، تمتع کو کہا ہے حج تمتع کرے۔

(۱۲) حج بدل کرنے والا ایک ہی حج کا احرام باندھے اور ایک ہی شخص کی طرف سے باندھے، اگر اس نے حج بدل کرنے

والے کی طرف سے بھی احرام باندھا اور ساتھ ہی اپنے حج کا بھی احرام باندھ لیا یا دو افراد کی طرف سے حج بدل کا احرام باندھ لیا تو فرض ادا نہ ہوگا۔ (۱۳) حج بدل کرنے والا سواری سے حج کے لیے جائے، یا پیادہ۔ (۱۴) حج بدل کرنے والا اسی مقام سے حج کا سفر کرے جہاں حج بدل کرنے والا رہتا ہو۔ البتہ میت کے تہائی مال میں سے حج بدل کرایا جارہا ہو تو پھر اس رقم میں جہاں سے حج کیا جاسکتا ہو وہیں سے حج کے لیے سفر کیا جائے۔

(۱۵) حج بدل کرنے والا حج فاسد نہ کرے، اگر فاسد کرنے کے بعد اس کی قضا کرے گا تو اس حج سے حج بدل کرنے والا کا فرض ادا نہ ہوگا۔ (۱۶) حج بدل کرنے والے سے حج فوت نہ ہوجائے، اگر اس کا حج فوت ہوجائے اور وہ پھر اس حج کی قضا کرے تو اس قضا حج سے حج بدل کرنے والے کا فرض ادا نہ ہوگا۔ بعض کتابوں میں چند شرطیں اور بھی لکھی ہیں، لیکن وہ دراصل انہی شرائط میں سے کسی نہ کسی میں داخل ہیں، حنفیہ کے یہاں حج بدل کے لیے یہ بھی شرائط نہیں ہے کہ جس سے حج کرایا جارہا ہے اس نے اپنا فریضۂ حج ادا کرلیا ہو۔ البتہ ایسا کرنا افضل ہے۔

﴿۲۰۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ ۔۔۔ الخ **منافق کا بیان** : حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ یہاں تک حج کا ذکر پورا ہوگیا مگر حج کے ذیل میں جن لوگوں کی قسموں کا ذکر آیا تھا "فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ" اور "وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ" یعنی کافر اور مؤمن کا تو اب ان کی مناسبت سے تیسری قسم منافق کا حال بھی بیان کیا جاتا ہے۔ (فوائد عثمانی)

شان نزول : منافقین میں ایک شخص اخنس بن شریق تھا جو فصیح و بلیغ تھا آپ ﷺ کی خدمت میں آتا تو بڑے اخلاص اور محبت سے اسلام ظاہر کرتا اور آنحضرت ﷺ بھی اس کو اپنے قریب بٹھاتے اور درحقیقت وہ منافق تھا اور میٹھی میٹھی باتیں کیا کرتا تھا اور جب چلا جاتا تو کسی کی کھیتی جلا دیتا اور کسی کے جانور کے پیر کاٹ ڈالتا، الغرض جھگڑے کے وقت کمی نہ کرتا لوٹ مار خوب مچاتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (محصلہ تفسیر : کشاف: ص:۲۵۰؛ ج:۱، تفسیر لباب التاویل: ج:۱: ص:۱۶۱؛ ابو سعود: ج:۱: ص:۹۱؛ مدارک: ج:۱: ص:۸۱؛ جامع البیان: ص:۲۸؛ جلالین: ص۔ ۳۸۰)

خاتم الانبیاء ﷺ سے نفی علم غیب کلی کا اثبات

اس آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ اور مفسرین کے مندرجہ بالا حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ "اخنس بن شریق" منافق کی بد باطنی کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو اس آیت کے نزول تک نہیں ہوئی تھی اور آپ اس کی شیریں کلامی اور چکنی چپڑی باتوں سے متاثر تھے اور آپ کے نفس میں اس کی وقعت تھی اس آیت سے واضح ہوا کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب نہیں تھے اور نہ "جمیع ماکان ومایکون" کا علم رکھتے تھے ورنہ آپ ﷺ اس منافق کی شیریں کلامی سے متاثر نہ ہوتے اور اس بدبخت سے دھوکہ نہ کھاتے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر تھے۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کہتے ارے بدبخت جب تو لوگوں کی کھیتوں کو جلاتا ہے اور جانوروں کے پیر کاٹتا ہے میں وہاں تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں تو وحی کے نازل ہونے کی ضرورت بھی نہ تھی، وحی کے ذریعہ اطلاع دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ نہ عالم الغیب تھے اور نہ حاضر و ناظر۔ اور تفسیر کبیر: ص:۱۸۲ :ج:۲: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ آیت دھوکہ بازوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے آپ سے قراء مانگے تھے تعلیم قرآن کے لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بھیجا تو "بطن رجیع" کے مقام پر ان کو شہید کردیا تھا یہ ۴ھ میں واقعہ پیش آیا اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت ۴ھ میں نازل ہوئی ہے ممکن ہے کہ یہ آیت "اخنس بن شریق" اور ان

غداروں سب کے بارے میں نازل ہوئی ہو بلکہ یہ قرین قیاس بھی ہے۔

﴿۲۰۵﴾ کیفیت منافق : تفصیل آیت میں موجود ہے۔ ﴿۲۰۶﴾ ترغیب تقویٰ : تفصیل آیت میں موجود ہے۔

﴿۲۰۷﴾ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ... الخ مخلص جانثار کا بیان۔ ربط آیات : گزشتہ آیت میں اس منافق کا ذکر تھا جو دین کے بدلے دنیا لیتا تھا اس کے مقابلہ میں کامل ایمان جانثار مخلص ترین اس شخص کا ذکر ہے جس نے دین کی خاطر مال و دولت اور جان کو صرف کر دیا اس کو حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہجرت کے ارادہ سے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لئے راستے میں تھا کہ مشرکین نے گھیر لیا حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنا گھر اور تمام مال اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم مجھے مدینہ جانے دو اور ہجرت سے نہ روکو اس پر وہ راضی ہو گئے اور صہیب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مواہب الرحمٰن: ص: ۱۶۴ ج: ۲، عثمانی: ص: ۱۳۷ ج: ۱)

﴿۲۰۸﴾ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ... الخ اصلاح مبتدع۔ ربط آیات : پہلی آیت میں مخلص مؤمن کی مدح تھی اور نفاق کا ابطال تھا، یہاں سے فرماتے ہیں کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ عقیدہ اور عمل میں صرف احکام اسلام کو اتباع کرو اور احکام اسلام کے مقابلے میں بدعات سے اجتناب کرتے رہو۔

شان نزول : چند یہود نے اسلام قبول کیا اور احکام اسلام کے ساتھ ساتھ احکام توراۃ کی بھی رعایت کرنے لگے، مثلاً ہفتہ کے دن کو قابل تعظیم سمجھنا اور اونٹ کا گوشت اور دودھ کو حرام تصور کرنا اور توراۃ کی تلاوت کرنا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ہمیشہ کیلئے بدعات کا انسداد فرمایا۔ (روح المعانی: ص: ۶۷۲ ج: ۲، تفسیر المنیر: ص: ۲۴۳ ج: ۱)

﴿۲۰۹﴾ فَإِنْ زَلَلْتُمْ ... الخ تنبیہ از اعراض صراط مستقیم : شریعت محمدی ﷺ کے صاف صاف احکام معلوم ہونے کے باوجود کوئی دوسری طرف نظر کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی روکنے والا نہیں نہ وہ جلد باز ہے اور نہ وہ بھولنے والا ہے اور نہ وہ خلاف انصاف کوئی امر کرنے والا ہے اس کی گرفت سخت ہے۔

﴿۲۱۰﴾ أَنْ يَّأْتِيَهُمُ اللّٰهُ ... الخ یہاں مضاف محذوف ہے عبارت یوں ہے "ان یاتیھم امر اللہ" یعنی اللہ کا حکم اور قہر کا آنا مراد ہے اور اس پر قرینہ سورۃ نحل کی آیت ہے کہ "أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ" یا تمہارے رب کا حکم (عذاب) آپہنچے اور جزا اور سزا کا قصہ پورا کر دے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گھبراتے کیوں ہو سارے امور کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے قیامت کے دن حساب و کتاب ہو جائے گا۔ حضرات صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ کی تجلیات ہیں یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تجلی ابر کے سائبانوں میں ہوگی اس کی شان و عظمت کے مطابق ہمارا فہم اس سے قاصر ہے۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

آپ بنی اسرائیل سے پوچھیں کہ ہم نے ان کو کتنی واضح نشانیاں دیں اور جو کوئی اللہ کی نعمت کو تبدیل کرے گا اس کے بعد کہ وہ نعمت

مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اس کے پاس پہنچ چکی پس بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ﴿۲۱۱﴾ مزین کی گئی ہے دنیا کی زندگی

وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ

ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو ڈرتے رہے وہ ان کے اوپر (بلند) ہوں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ

جسے چاہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے ﴿۲۱۲﴾ سب لوگ ایک ہی امت (دین ملت) پر تھے پس اللہ تعالی نے نبی بھیجے

النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور ان نبیوں کے ساتھ سچی کتاب اتاری تا کہ لوگوں کے درمیان اس بات میں فیصلہ کریں جس میں وہ اختلاف

النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا

کرتے ہیں اور نہیں اختلاف کیا اس میں مگر ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح باتیں آچکی تھیں (یہ اختلاف کیا انھوں نے)

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ

آپس میں سرکشی کرتے ہوئے پس اللہ تعالی نے ان لوگوں کو ہدایت دی جو ایمان لائے اس بات میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے

مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ

حق سے اور اللہ تعالی جس کو چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے ﴿۲۱۳﴾ کیا تم گمان کرتے ہو

اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ

کہ تم جنت میں داخل ہوجاؤ گے حالانکہ تمہارے پاس پہلے لوگوں کے سے حالات نہیں آئے ان لوگوں کو

الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى

سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ متزلزل کیے گئے یہاں تک کہ اللہ کے رسول اور اس پر ایمان لانے والے کہنے لگے

نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿٢١٤﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ

اللہ تعالی کی مدد کب آئے گی فرمایا آگاہ رہو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے ﴿۲۱۴﴾ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم جو کچھ بھی

اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ

مال سے خرچ کرو پس والدین کے لئے، قرابت داروں کے لئے، یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے

السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢١٥﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ كُرْهٌ

اور مسافروں کے لئے اور جو تم جو کچھ بھی بھلائی کرو گے بے شک اللہ تعالی اس کو جاننے والا ہے ﴿۲۱۵﴾ تم پر لڑائی فرض کی گئی ہے اور وہ تمہیں ناگوار گزرتی ہے

لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَھُوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ

اور شاید کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور شاید کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو

ع ۲۶ ۱۰

وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۲۱۶﴾

﴿۲۱۱﴾ سَلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ... الخ ربط آیات : گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے انحراف کرنے والوں کے لئے عذاب کا ذکر تھا یہاں اس کی تائید میں فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل پر ہم نے کتنی آیات اور صریح احکام بھیجے مگر انہوں نے انحراف کیا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوئے، اور یہ نہیں ہے کہ ہم نے بغیر آیات دیئے شروع ہی سے ان کو عذاب میں مبتلا کیا ہو۔

خلاصہ رکوع ۲۶ نتیجہ، اسباب محرومی یعنی حب دنیا، نتیجہ حب دنیا، مقام متقین، متقین کا نتیجہ دینوی، سبب بعثت انبیاء، تذکیر بایام اللہ سے مسلمانوں کو ترغیب برائے تحمل شدائد، بارہواں حکم مال خرچ کرنے کی مدات و مصارف، تیرہواں حکم جہاد کی فرضیت۔ ماخذ آیات ۲۱۱: تا ۲۱۶+

مِنۡ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ... الخ: یہاں سے بنی اسرائیل کے لئے تذکیر با آلاء اللہ کا ذکر ہے اس سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیں مثلاً من وسلویٰ دریا میں بارہ راستے ان کے لئے بنائے ان میں چار ہزار پیغمبر آئے وغیرہ تو چاہیئے یہ تھا کہ یہ لوگ شکر ادا کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ ... الخ نتیجہ: یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو سخت سزا دیتے ہیں اور یہ سزا کبھی دنیا میں ہوتی ہے اور کبھی آخرت میں۔

﴿۲۱۲﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوا ... الخ اسباب محرومی یعنی حب دنیا۔ ربط آیات: اوپر ذکر تھا کہ کفار اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے پیغمبروں کی مخالفت کرتے تھے چونکہ ان کی نظروں میں دنیا کی محبت رچی ہوئی تھی اور آخرت کے رنج وراحت کا ان کا کوئی خیال نہ تھا۔ وَيَسۡخَرُوۡنَ ... الخ نتیجہ حب دنیا: جو مسلمان آخرت کی فکر میں مشغول تھے ان پر ہنسی مذاق اڑاتے تھے اور ان کی تحقیر کرتے تھے مشرکین مکہ کے بڑے بڑے صنادید حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ اور صہیب رضی اللہ عنہ اور فقراء مہاجرین کو دیکھ کر مذاق اڑاتے تھے کہ ان نادانوں کو دیکھو کہ آخرت کے خیال پر دنیا کی تکلیفوں کو اپنے سر لیا ہوا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو ان فقیروں اور محتاجوں کی امداد سے پورے عرب کے سرداروں پر غالب آنا چاہتے ہیں اور دنیا بھر کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

وَالَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا ... الخ مقام متقین: حالانکہ یہ مسلمان کافروں سے آخرت میں اعلیٰ مقام پر ہونگے۔ وَاللّٰهُ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ: متقین کا نتیجہ دنیوی: اللہ تعالیٰ نے ان غریبوں کو جن پر کفار ہنستے تھے اموال بنی قریظہ اور بنی نظیر اور سلطنت فارس وروم پر مسلط فرمایا اور کفار کے خیالات شرمندہ رہ گئے "بِغَيۡرِ حِسَابٍ" یہ لفظ قرآن میں تین معانی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ۱ بغیر حساب یعنی بغیر عدد گنتی وشمار۔ ۲ غیر محنت اور مشقت کے۔ ۳ بغیر مطالبہ کے۔

﴿۲۱۳﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ... الخ سبب بعثت انبیاء علیہم السلام۔ ربط آیات: اب یہاں تذکیر بایام اللہ کے ضمن میں مسلمانوں کو تسلی ہے کہ کفار اگر دنیا میں موجود ہیں تو کوئی بات نہیں یہ لوگ پہلے سے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کے بعد تقریباً دو ہزار سال تک لوگ ایک دین پر تھے۔ جب لوگ ایک دین پر تھے تو پھر انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ کیوں جاری فرمایا؟ جواب: یہاں لفظ "فَاخۡتَلَفُوۡا" محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے "كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (فَاخۡتَلَفُوۡا) فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ" یعنی سب لوگ ایک دین پر تھے پھر انہوں نے اختلاف ڈالا تو پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے۔ اور اس پر قرینہ "لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ" یعنی تاکہ وہ فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان جس بات میں وہ جھگڑا کرتے ہیں۔

(محصلہ کشاف: ص: ۲۵۵: ج:۱: مدارک: ص:۱۵۰: ج۔۱)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی کتابیں اور کئی نبی مبعوث فرمائے، اور وہ اس لئے نہیں کی ہر فرقہ کو الگ الگ طریقہ بتلائیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے لئے ایک ہی راستہ بتایا ہے جب لوگ اس راستہ سے بھٹکیں گے تو اللہ تعالیٰ نے نبی اور کتابیں بھیجی تاکہ لوگ اس کے مطابق زندگی گزاریں جب اس کے بعد پھر بہک گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے دوسرا نبی اور کتاب بھیجی تاکہ لوگ سیدھی راہ پر قائم رہیں۔

استاذ محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ نے اس بات کو مثال سے یوں سمجھایا ہے کہ تندرستی ایک ہے اور بیماریاں بیشمار ہیں جب ایک مرض ہوتا ہے تو اس کے مطابق دوا اور پرہیز تجویز کیا جاتا ہے، جب دوسرا مرض ہوتا ہے تو اس کے مطابق دوا اور پرہیز تجویز کی جاتی ہے، اب آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا طریقہ تجویز فرمایا جو سب بیماریوں سے، بچاؤ کیلئے کفایت کرتا ہے، وہ طریقہ صرف اسلام ہے جس کیلئے آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کو بھیجا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ برے لوگ ہر نبی کے مبعوث ہونے کے خلاف ہوتے ہیں اور ہر کتاب الٰہی میں اختلاف کو پسند کرتے ہیں اور اس کیلئے کوشش بھی کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اہل ایمان کو کفار کی بدسلوکی اور فساد سے تنگ دل نہیں ہونا چاہئے۔

(محصلہ تفسیر عثمانی: ص:۱۳۹: ج۔۱)

﴿۲۱۴﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ ... الخ تذکیر بایام اللہ سے مسلمانوں کو ترغیب برائے تحمل شدائد۔

ربط آیات: پہلے ذکر تھا کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کو دشمنوں سے تکلیفیں پہنچیں ہیں، اب اہل اسلام کو حکم دیتے ہیں کہ تمہیں بھی آزمایا جائے گا، ان کو جب تکلیف پہنچتی تو بول اٹھے کہ جس مدد کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے وہ کب آئے گی؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ مایوسانہ کلمات بہ مقتضائے بشریت تھے جس کی وجہ سے ان پر کوئی الزام نہیں۔ (محصلہ تفسیر عثمانی: ص:۱۳۹: ج۔۱)

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کا یہ عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی کسی شک وشبہ کی وجہ سے نہ تھا یہ تو ان کی شان کے خلاف ہے بلکہ اس سوال کا منشاء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ تو فرمایا مگر اس کا وقت اور مقام متعین نہیں فرمایا اس لئے حالت اضطرار میں ایسے الفاظ عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مدد جلد بھیجی جائے اور ایسی دعا کرنا توکل یا منصب نبوت کے منافی نہیں، بلکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی الحاح وزاری کو پسند فرماتے ہیں، اس لئے انبیاء اور صلحاء امت اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس میں مدد الٰہی سے ناامیدی نہیں اور نہ شک ہو سکتا ہے، جیسا کہ وہم ہوتا ہے بلکہ مدد الٰہی کے دیر ہونے کے اظہار میں مدد کی درخواست کی ہے یعنی اے اللہ ہماری مدد فرما بہت دیر ہوگئی ہے اور ہمارا صبر انتہاء کو پہنچ گیا ہے۔ (مواہب الرحمٰن: ص:۱۸۳: ج۔۱)

حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ ہماری امداد کی دعا کیوں نہیں کرتے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابھی سے گھبرا اٹھے۔ سنو تم سے پہلے موحدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے چلا دیئے جاتے تھے، اور چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت نوچے جاتے تھے، لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں چھوڑا اللہ کی قسم یہ معاملہ پورا ہو کر رہے گا تب اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا اور پھر امن وامان کا دور دورہ ہوگا کہ صنعاء یمن سے اکیلی عورت حضر موت تک سفر کرے گی مگر اسے اللہ کے سوا کسی چیز کا خوف نہیں ہوگا انسان تو کیا کسی بھیڑیئے کو یہ جرأت نہیں ہوگی کہ کسی کو بھیڑیا کھا جائے۔ (ابن کثیر: ص:۹۳ سو ج:۱: مدارک: ص:۱۵۲: ج:۱: روح المعانی: ص:۶۸۰: ج۔۲)

زُلْزِلُوْا : اس سے مراد زلزلہ نہیں بلکہ دشمن کا اچانک حملہ کرنا مراد ہے جیسا کہ زلزلہ آجائے۔

﴿۲۱۵﴾ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ... الخ بارہواں حکم مال خرچ کرنے کے مدات و مصارف۔ ربط آیات : حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں گزشتہ آیت میں کلیتاً یہ مضمون بہت تاکید سے بیان ہوا کہ کفر ونفاق کو چھوڑ کر اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اب یہاں سے اس کلیہ کی جزئیات بیان ہو رہی ہیں مثلاً مال اور جان اور دیگر معاملات مثلاً نکاح، طلاق، وغیرہ کی تفصیل۔ (تفسیر عثمانی)

﴿۲۱۶﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ . الخ تیرہواں حکم جہاد کی فرضیت : جب آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے آپ کو کفار سے قتال کی اجازت نہیں تھی جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو صرف ان لوگوں سے قتال و جہاد کی اجازت ہوئی جو خود اہل اسلام سے مقاتلہ کریں اس کے بعد علی العموم جہاد کی اجازت ہوگئی کہ اگر دشمن اہل ایمان پر چڑھائی کریں تو مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ، عام حالات میں اگر جہاد کے لئے جانا ہو تو والدین کی اجازت ضروری ہے کیونکہ بعض اوقات والدین کی خدمت کرنا فرض عین ہوتی ہے یہ بات یاد رہے کہ والدین کی خدمت اس وقت فرض عین ہو جاتی ہے جب کوئی دوسرا ان کی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو۔ (دروس القرآن: ج: ص: ۳۳۵)

وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ... الخ یہ ناگوار ہونا بحیثیت طبعی نفرت کے ہے کیونکہ اس میں جان پر مشقت اور مال خرچ کرنا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حکم الٰہی صحابہ کو ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ (تفسیر مظہری: ص: ۲۵۷، ج: ۱؛ معالم التنزیل: ص: ۱۳۸، ج۔ ۱)

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ

آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی سے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے حرمت کے مہینے میں لڑائی لڑنا بڑا گناہ ہے

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ ۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے اہل کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ

اور فتنہ قتل سے زیادہ بڑا ہے۔ یہ کافر لوگ ہمیشہ تمہارے ساتھ لڑتے رہیں گے حتیٰ کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں

اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ

اگر انکو طاقت ہو اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا اور مر جائے گا اس حال میں کہ وہ کفر کرنے والا ہے پس یہی لوگ ہیں

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا

جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے اور یہی لوگ دوزخ والے ہیں اس میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۱۷﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کے راستے میں

اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ

یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۲۱۸﴾ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں شراب

وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ

اور جوئے کے بارے میں آپ کہہ دیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے

وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ کہہ دیجئے جو زائد ہو اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیات بیان کرتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١٩﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ

تاکہ تم فکر کرو﴿۲۱۹﴾ دنیا اور آخرت کے بارے میں۔ اور لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے ان کی اصلاح کرنی

لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ

ان کے حق میں بہتر ہے اور تم انکو اپنے ساتھ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے خرابی پیدا کرنے والے کو سنوارنے والے سے۔

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٠﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى

اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا بے شک اللہ کمال قوت کا مالک اور حکمت والا ہے﴿۲۲۰﴾ اور مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو یہاں تک

يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ

کہ وہ ایمان لے آئیں البتہ ایک ایماندار لونڈی مشرکہ عورت سے بہتر ہے چاہے وہ تم کو کتنی اچھی معلوم ہو اور نکاح نہ کرو مسلمان عورتوں کا مشرک عورتوں کے ساتھ

حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ

یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں البتہ ایک ایماندار غلام مشرک سے بہتر ہے چاہے وہ تم کو اچھا معلوم ہو یہ لوگ (مشرک)

اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ

دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے جنت اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بیان کرتا ہے اپنے احکام

۲۷ ع ۵ ۱۱ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾ ع

لوگوں کے لئے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں﴿۲۲۱﴾

﴿۲۱۷﴾ یَسْــَٔـلُوْنَكَ ... الخ ربط آیات: اوپر جہاد کی فرضیت کا ذکر تھا۔ اب یہاں سے حرمت والے مہینوں کے دوران جنگ کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔

خلاصہ رکوع ۲۷ شروع باب پنجم ملک داری، چودھواں حکم حرمت کے مہینوں میں تحقیق قتال عداوت کفار، مرتد کا حکم، بشارت، پندرھواں حکم برائے شراب و جوا، سولھواں حکم مقدار انفاق، سترھواں حکم مخالطت مال یتیم، اٹھارھواں حکم ممانعت مناکحت کفار۔ ماخذ آیات ۲۱۷ تا ۲۲۱ +

چودھواں حکم حرمت کے مہینوں میں تحقیق قتال: حرمت والے مہینے چار ہیں یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم

جن کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے ملت ابراہیمی میں یہ بات مسلم تھی کہ ان مہینوں میں لڑائی جائز نہیں اور مشرکین بھی اس کی پابندی کرتے تھے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت میں مذکورہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ مطلقاً تو منسوخ نہیں ہوا مگر اس کی تاکید میں کمی ہو گئی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ان مہینوں میں مسلمان خود لڑائی کی ابتداء نہ کریں اور اگر دشمن جنگ شروع کرے تو پھر اس کا جواب دیا جائے۔ (اوپر آیت ۱۹۴: میں بھی تفصیل گزر چکی ہے دیکھ لیں)

شان نزول : آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر سے پہلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں کفار کے ایک تجارتی قافلے کو پکڑنے کے لئے ایک جماعت کو بھیجا آپ ﷺ نے امیر جماعت کو ایک خط دیا کہ اس کو دو دن مسلسل سفر کے بعد کھولنا پھر اس میں درج ہدایات کے مطابق عمل کرنا اس میں لکھا تھا کہ فلاں قافلے کو گرفتار کر لو اس کو کسی صورت میں جانے نہیں دینا یہ جمادی الاخری کا آخری دن تھا امیر لشکر نے فیصلہ کیا کہ رجب کا حرمت والا مہینہ شروع ہونے والا ہے لہٰذا اس کے شروع ہونے سے پہلے اس قافلے کو پکڑنا چاہئے چنانچہ انہوں نے اپنے حساب سے جمادی الاخریٰ کی تیس تاریخ کو کفار کے قافلے پر حملہ کر دیا ابن حضرمی نامی شخص مارا گیا باقی قید ہوئے سامان بھی ہاتھ آ گیا لہٰذا لشکر واپس آ گیا، حقیقت میں وہ جمادی الاخریٰ کی تیس تاریخ نہیں تھی بلکہ رجب کی پہلی تاریخ تھی اس پر مشرکین کو بات کرنے کا موقع مل گیا اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہاں سے دیا ہے کہ ان کو حرمت والا مہینہ تو یاد ہے مگر اللہ کے راستہ سے روکنا اس کے ساتھ کفر کرنا یاد نہیں وغیرہ۔

وَلَا يَزَالُوْنَ ...الخ عداوت کفار : اور یہ تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر قابو پائیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ **وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ ...الخ مرتد کا حکم :** یہ ہے کہ اس کا نکاح ختم وراثت سے محروم اور مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن نہیں کیا جائے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ مرتد اگر دوبارہ اسلام قبول کر لے تو پہلے ارتداد کی وجہ سے جو اس کے اعمال ضائع ہو چکے ہیں وہ اعمال اور نیکیاں اس کو دوبارہ نہیں ملیں گی، اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوبارہ اعمال اور نیکیاں ملیں گی۔ امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ "حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" فرمایا ہے کہ ایسوں کے اعمال دنیا و آخرت کے ضائع ہو چکے ہیں۔

مسئلہ : اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر یہودی یا عیسائی ہو گیا تو اس کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی جائز نہیں بخلاف اس کے جو پیدائشی یہودی یا عیسائی ہیں۔ (ذخیرہ، ص: ۱۸۳، ج۔۲)

﴿۲۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الخ بشارت : جن لوگوں نے اس حرمت والے مہینے میں جہاد کیا تھا ان کو وہم ہوا کہ آیا ہمیں اس جہاد کا ثواب ملے گا یا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ان کو ثواب ملے گا۔

﴿۲۱۹﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ...الخ پندرہواں حکم برائے شراب و جواء۔ ربط آیات : حضرت مولانا حسین علی صاحب فرماتے تھے پہلے بھی سوال تھا اب بھی سوال ہے۔ "خمر" نشہ آور چیز کو کہتے ہیں۔ "ما خامر العقل" جو کہ عقل کو ڈھانپ لے ان کو بے عقل بنا دے عام طور پر یہ لفظ شراب پر بولا جاتا ہے۔ کیونکہ نشہ آور اشیاء میں شراب سر فہرست ہے۔ "میسر" جوا قمار بازی کو کہتے ہیں اس کا مادہ "یُسر" ہے اور "یُسر" آسانی کو کہتے ہیں قمار بازی

کے ذریعے کوئی شخص بغیر محنت ومشقت، صنعت وتجارت یا مزدوری وملازمت دوسرے کے مال پر قبضہ کرلیتا ہے اسلئے اس جوئے کو میسر کہتے ہیں جوئے کی یہی خباثت ہے کہ اس میں ایک دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے جس شخص کا داؤ چل گیا اسے بغیر محنت کے مال حاصل ہو گیا اس وجہ سے شریعت اسلام نے ان دونوں چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔

شراب کے متعلق چار دور گزرے ہیں

پہلا دور : مکی تھا اس وقت شراب کو نعمتوں میں شمار کیا گیا تھا جیسا کہ سورۃ نحل میں ہے۔ دوسرا دور : وہ ہے جس میں شراب کے کچھ فوائد نقصانات بیان کئے جو کہ اس آیت میں ہے کہ "وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا" تو گویا اس آیت میں ترک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ تیسرا دور : وہ ہے جس میں ایک مخصوص وقت یعنی نماز کے وقت میں شراب کو ممنوع قرار دیا ہے فرمایا کہ "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى" چوتھا دور : وہ ہے جس میں بالکل ہر وقت میں شراب کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ سورۃ المائدۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ" ... الخ (آیت ۹۰)

وَيَسْئَلُوْنَكَ ... الخ سولہواں حکم مقدار انفاق : اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کیا کریں۔

قُلِ الْعَفْوَ ... الخ جواب مقدار انفاق : جو ضروریات سے زائد ہو وہ جہاد میں صرف کردو، اور اپنی ضروریات میں اس طرح احتیاط سے صرف کرو جس طرح یتیم کے مال کو احتیاط سے صرف کرتے ہو۔ (حاشیہ ترجمہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ)

﴿۲۲۰﴾ فِي الدُّنْيَا ... الخ دنیا و آخرت کے معاملات میں ان احکام کو سوچ لیا کرو تا کہ ہر معاملہ میں شریعت کے احکام کے مطابق عمل ہو۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ ... الخ سترہواں حکم مخالطت مال یتیم : آپ سے یتیموں کا حکم دریافت کرتے ہیں؛ آپ فرما دیجئے! بہر صورت ان کے حال کی اصلاح کرنا بہت بہتر ہے۔ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ ... الخ مقصود یتیم کے مال کی درستی اور اصلاح ہو جس موقع پر علیحدگی میں یتیم کو نفع ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے اور جہاں شرکت میں بہتری ہو ان کے مال کو شامل کرلو تو کوئی حرج نہیں وہ تمہارا بھائی ہے۔ (عثمانی ص:۴۳، ج۔۱) لَاَعْنَتَكُمْ ... الخ تو تم پر مشقت ڈالتا: اس کا مطلب یہ ہے کہ بطور خیر خواہی یتیموں کے شریک رکھنے کو تمہارے لئے مباح کر دیا ہے۔ (مظہری ص:۲۷۵، ج۔۱)

﴿۲۲۱﴾ چوتھا مرحلہ ملک گیری میں ملک داری واٹھارہواں حکم ممانعت مناکحت کفار: اسلام کی نقطہ نگاہ میں میاں بیوی کا تعلق کوئی عارضی اور ہنگامی تعلق نہیں بلکہ بہت گہرا تعلق ہے جس میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں تو ان مصلحتوں کا تقاضا ہے کہ کم از کم زوجین کے عقائد مشترک ہوں کیونکہ انسان کی شخصیت پر اس کے عقائد کا گہرا اثر ہوتا ہے اور اس اثر سے اولاد بھی محفوظ نہیں رہ سکتی، اس لئے اسلام نے مشرک عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے البتہ کتابی عورتوں سے نکاح جائز ہے مگر یہ بھی بہتر نہیں ہے اور اگر وہ صرف نام کی کتابی ہوں جبکہ اس کے عقائد الحاد وانکار پر مبنی ہوں تو اس سے نکاح باطل ہے۔ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ ... الخ وجہ عدم مناکحت مع الکفار: مشرک جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور ایسے اعمال وعقائد کی طرف ترغیب دیتے ہیں جو جہنم میں لے جانے کے موجب ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے عقائد اور اعمال کی ترغیب دیتے ہیں جو مغفرت کا موجب اور دخول جنت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۖ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ

اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ وہ گندگی ہے پس الگ رہو عورتوں سے حیض کے دوران اور ان کے قریب مت جاؤ

وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ

یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائیں جب وہ خوب اچھی طرح پاک ہوجائیں پس جاؤ انکے پاس

اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاۗؤُكُمْ

جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے طہارت حاصل کرنے والوں کو ﴿۲۲۲﴾ تمہاری عورتیں

حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

تمہاری کھیتی ہیں تو جاؤ اپنی کھیتی میں جس طرح تم چاہتے ہو اور آگے بھیجو اپنے نفسوں کے لئے اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور جان لو

اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ

کہ بے شک تم اس سے ملنے والے ہو اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو ﴿۲۲۳﴾ اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ

اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ

کہ تم نیکی کروگے پرہیزگاری اختیار کروگے اور یہ کہ تم لوگوں کے درمیان صلح کراؤ گے بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ﴿۲۲۴﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں

اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

تمہاری بیہودہ قسموں میں نہیں پکڑتا لیکن ان قسموں پر پکڑتا ہے جن پر تمہارے دل قصد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ

بخشنے والا بردبار ہے ﴿۲۲۵﴾ ان لوگوں کے لیے جو اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے ہیں چار ماہ مہلت ہے اگر وہ اس دوران لوٹ آئیں

فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۲۲۶﴾ اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کرلیں تو بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ﴿۲۲۷﴾

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ

اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں اور ان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ

جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔ اور ان کے خاوند

اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ

زیادہ حق رکھتے ہیں انہیں اس مدت میں لوٹانے کا اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں اور ان عورتوں کے لیے بھی اسی طرح حق ہے جس طرح

بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۲۸﴾

عورتوں پر مردوں کو حق ہے دستور کے مطابق اور مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ عزیز حکمت والا ہے

﴿۲۲۲﴾ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۔ ۔ ۔ الخ ربط آیات :اوپر صحابہ کرام کو بعض مسائل میں اشکالات پیش آئے ان میں سے ایک شراب وغیرہ کے متعلق سوال تھا اور اس کا جواب ملا، اسی طرح یہ بھی سوال پیش آیا۔

خلاصہ رکوع :۲۸ مسائل ملک داری انیسواں حکم حالت حیض میں حرمت جماع کا بیان، بیسواں حکم اللہ کے نام کا احترام، اقسام قسم، اکیسواں حکم ایلاء کا بیان اور اس کے احکامات، بائیسواں حکم عدت مطلقہ، تیئیسواں حکم مدت رجعت شرط رجعت۔

ماخذ آیات ۲۲۲: تا ۲۲۸+

انیسواں حکم حالت حیض میں حرمت جماع کا بیان :نزول قرآن کے زمانہ میں حیض کے بارے میں لوگوں میں بہت افراط وتفریط پائی جاتی تھی یہود کہتے تھے کہ جو شخص حیض والی عورت کو ہاتھ بھی لگا دے وہ ناپاک ہو جائے گا چنانچہ حائضہ کا کھانا پینا بھی الگ کر دیتے تھے۔ نصاری اس معاملے میں بہت نرمی کرتے تھے حیض اور غیر حیض میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے اہل عرب چونکہ یہود کو اہل علم سمجھتے تھے اس لئے اس معاملہ میں ان کی اتباع کرتے تھے۔ مسئلہ: ۱ حالت حیض میں ناف سے گھٹنے تک عورت کے بدن کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا بھی درست نہیں۔ مسئلہ: ۲ اگر حیض پورے دس دن گزرنے پر موقوف ہو تو فوراً ہی صحبت درست ہے، اور اگر دس دن سے پہلے حیض موقوف ہو جائے مگر عادت کے موافق موقوف ہو صحبت اس وقت درست ہوگی جبکہ عورت یا تو غسل کر لے یا ایک نماز کا وقت ختم ہو جائے، اور اگر دس دن سے پہلے موقوف ہوا ہو اور ابھی عادت کے دن بھی نہیں گزرے مثلاً سات دن حیض آیا کرتا تھا اور چھ ہی دن میں موقوف ہو گیا تو بغیر ایام عادت کے گزرے ہوئے صحبت درست نہیں۔ ۳ مسئلہ: اگر شہوت سے حالت حیض میں صحبت کر لی تو خوب توبہ کرنا واجب ہے اور اگر کچھ خیرات بھی دیدے تو زیادہ بہتر ہے۔ (بیان القرآن، ج:۱، ص ۱۲۹)

﴿۲۲۳﴾ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۔۔۔ الخ "انّٰی" بمعنی کیف کے ہے "ای کیف شئتم" رضی نے تصریح کی ہے کہ "انّٰی" بمعنی "این" قرآن کریم میں کہیں بھی نہیں آیا۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح کھیتوں میں ہر طرف سے آسکتا ہے اسی طرح عورتوں کے پاس بھی آگے کے خاص مقام پر آسکتا ہے کیونکہ پیچھے کا موقع کھیت کے مشابہ نہیں۔ اور اس میں صحبت نہ کی جائے۔

(محصلہ بیان القرآن حوالہ بالا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا جس نے کسی مرد یا عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کیا۔ (رواہ الترمذی، ج:۱، ص ۱۸۹۵، رقم الحدیث۔ ۱۱۶۵)

﴿۲۲۴﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً ۔۔۔ الخ بیسواں حکم اللہ کے نام کا احترام :یہ آیت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ان کے بہنوئی اور بہن کے درمیان ناراضگی ہو گئی تھی انہوں نے قسم کھائی کہ اس کے پاس کبھی بھی نہیں جاؤں گا اور نہ اس سے بات کروں گا اور نہ میاں بیوی کے درمیان صلح کراؤں گا وہ کہتے تھے میں نے قسم کھا رکھی ہے اب میں اس کی خلاف ورزی کیسے کروں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (معالم التنزیل، ص ۱۴۷، ج۔۱)

اقسام قسم

قسم تین پر ہے۔ ① لغو۔ ② غموس۔ ③ منعقدہ۔ ❶ قسم لغو : یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر مقصود وارادے کے کوئی قسمیہ لفظ کہے یا گزشتہ زمانے کے کسی فعل پر قسم اٹھائے اور اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہو اس پر کوئی گرفت نہیں جیسا کہ اگلی آیت (۲۲۵) میں موجود ہے۔

❷ قسم غموس : یہ ہے کہ کوئی شخص گزشتہ زمانہ کے کسی کام پر قسم اٹھائے اور اس کو معلوم ہو کہ میں جھوٹا ہوں اس قسم اٹھانے میں۔

❸ قسم منعقدہ : یہ ہے زمانہ آئندہ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم اٹھائے۔ پہلی دو صورتوں میں کفارہ نہیں ہے اور تیسری صورت میں کفارہ ہے۔ (قسم کے کفارہ کا بیان سورۃ مائدہ کی آیت: ۸۹ میں موجود ہے وہاں ملاحظہ کرلیں)

﴿۲۲۶﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ... الخ اکیسواں حکم ایلاء کا بیان : ایلاء کا لغوی معنی قسم اٹھانا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اس بات کی قسم اٹھائے کہ وہ اپنی عورت کے قریب نہیں جائے گا اس کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں۔

❶ مطلقاً قسم اٹھانا کہ عورت کے قریب نہیں جاؤں گا۔ ❷ چار ماہ کی مدت مقرر کرلے کہ اتنا عرصہ عورت کے قریب نہیں جاؤں گا۔ ❸ چار ماہ سے زیادہ یعنی پانچ، چھ، آٹھ، ماہ کے لئے قسم کھائے کہ عورت کے قریب نہیں جاؤں گا۔ ❹ چار ماہ سے کم مدت ایک، دو، تین، ماہ تک بغیر قسم کھائے کہے کہ عورت کے قریب نہیں جاؤں گا۔ چوتھی صورت یعنی چار ماہ سے کم کے ایلاء کو ایلاء نہیں کہا جاتا، اگر مقررہ مدت تک ایسا شخص عورت کے قریب نہیں گیا تو قسم سے بری ہو جائے گا۔ اور اگر اس دوران عورت کی مقاربت کرلی تو قسم توڑنے کا کفارہ اس پر لازم ہو جائے گا۔ باقی تین صورتوں میں حکم یہ ہے کہ ایسے شخص کو قسم توڑ دینی چاہیے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہیے، اور اگر چار ماہ کا عرصہ گزر گیا اور قسم کھانے والا عورت کے پاس نہیں گیا، تو پھر ایلاء مؤثر ہو گیا۔

البتہ اس کے حکم میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں! حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے ائمہ کا قول ہے کہ ایسی صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اب اگر دوبارہ رجوع کرنا چاہے تو اسے نئے حق مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا ہوگا، اور اگر رجوع کا کوئی ارادہ نہیں تو عورت آزاد ہے عدت گزرنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ البتہ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد طلاق خود بخود واقع نہیں ہوگی، بلکہ حاکم وقت اس شخص کو عدالت میں طلب کر کے اسے مجبور کرے گا یا تو رجوع کرلے یا طلاق دیدے دونوں صورتوں میں جو بھی فیصلہ ہوگا اس کے مطابق عمل ہوگا۔ یہ بات یاد رہے کہ شرعی ایلاء کے لئے قسم ضروری ہے۔

﴿۲۲۷﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ... الخ اور اگر انہوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کرلیا ہے اور اس نے چار ماہ کے اندر قسم توڑ کر رجوع نہیں کیا، تو چار ماہ گزرتے ہی طلاق پڑ جائے گی، اور اللہ ان کی اس قسم کو بھی سنتے ہیں اور ان کے پختہ ارادے کو بھی جانتے ہیں۔

فائدہ: آنے والی آیات سے پہلے طلاق کی اقسام ذہن میں رکھیں طلاق تین قسم پر ہے ارجعی، بائن، مغلظہ۔

طلاق رجعی کی تعریف : طلاق رجعی یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ صاف لفظوں میں طلاق دیدے اور اس کے ساتھ کوئی اور لفظ استعمال نہ کرے جس کا مفہوم یہ ہو کہ وہ فوری طور پر نکاح ختم کر رہا ہے۔ رجعی طلاق کا حکم یہ ہے کہ عدت کے پورا ہونے تک بیوی بدستور شوہر کے نکاح میں رہتی ہے، اور شوہر کو یہ حق رہتا ہے کہ وہ عدت کے اندر جب چاہے بیوی سے رجوع کر سکتا ہے۔ اور رجوع کا مطلب یہ ہے کہ یا تو زبان سے کہہ دے کہ میں نے طلاق واپس لے لی یا بیوی کو ہاتھ لگا دے، دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر عدت گزر گئی اور اس نے اپنے قول یا فعل سے رجوع نہیں کیا تو اب دونوں میاں بیوی نہیں رہے

عورت دوسری جگہ اپنا عقد کرسکتی ہے۔اور اگر دونوں کے درمیان مصالحت ہوجائے تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں اور رجوع کے بعد اگر چہ طلاق کا اثر ختم ہوجاتا ہے لیکن جو طلاقیں دے چکا ہے وہ چونکہ اس نے استعمال کرلیں لہٰذا اب اس کو صرف باقی ماندہ طلاقوں کا اختیار ہوگا۔کیونکہ شوہر کو کل تین طلاقوں کا اختیار دیا گیا ہے،اگر اس نے ایک طلاق رجعی دیدی تو اب پیچھے اس کے پاس دورہ گئیں اور اگر دو رجعی طلاقیں دی تھی تو اب اس کے پاس صرف ایک ہی طلاق باقی رہی۔اب اگر یہ شخص اپنی بیوی کو کسی وقت ایک طلاق دیدے گا تو بیوی حرام ہوجائے گی،اور بغیر شرعی حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکے گا۔

طلاق بائن کی تعریف :طلاق بائن یہ ہے کہ گول مول الفاظ (یعنی کنایہ کے الفاظ) میں طلاق دی ہو یا طلاق کے ساتھ کوئی صفت ایسی ذکر کی جائے جس سے اسکی سختی کا اظہار ہو۔مثلاً یوں کہے کہ ”تجھ کو سخت طلاق“ یا ”لمبی چوڑی طلاق“۔طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ بیوی فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے اور شوہر کو رجوع کا حق نہیں رہتا البتہ عدت کے اندر بھی اور عدت کے ختم ہوجانے کے بعد بھی دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

طلاق مغلظہ کی تعریف :یہ ہے کہ تین طلاق دے دے اس صورت میں بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائے گی اور بغیر شرعی حلالہ کے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا۔شوہر کا یہ کہنا کہ ”میرا تم سے کوئی تعلق نہیں“ یہ طلاق کنایہ ہے اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی،اور دوسری تیسری بار کہنا لغو ہوگا۔اور ”میں نے تم کو آزاد کردیا“ کے الفاظ اردو محاورے میں صریح طلاق کے لیے ہیں یہاں اس لئے اگر یہ الفاظ ایک یا دو بار کہے تو طلاق رجعی ہوگی اور اگر تین بار کہے تو طلاق مغلظہ ہوگی۔اوپر اجمالی مسائل کا بیان تھا اب یہاں سے تفصیلی مسائل کا بیان کیا جاتا ہے۔

حیض ونفاس کے تفصیلی احکام

حیض کسے کہتے ہیں؟ بالغ عورت کو ہر مہینے آگے کے راستے سے بغیر کسی بیماری کے جو معمول کا خون آتا ہے اس کو ”حیض“ کہتے ہیں۔

حیض کی مدت: حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن اور دس راتیں ہیں۔کسی عورت کو تین دن اور تین راتوں سے کم خون آیا تو وہ حیض نہیں ہے۔بلکہ ”استحاضہ“ ہے (استحاضہ کی تعریف اور اس کا حکم آگے آرہا ہے) اسی طرح اگر کسی عورت کو دس دن اور دس راتوں سے زیادہ خون آیا تو جتنے دن دس دن سے زیادہ خون آیا تو وہ بھی استحاضہ ہے۔البتہ دس دن اور دس راتیں حیض میں شمار ہوں گی۔یاد رہے کہ اگر تین دن اور تین راتوں سے ذرا بھی کم خون آیا وہ بھی حیض نہیں ہے بلکہ استحاضہ ہے۔مثال: جیسے جمعہ کے روز صبح سات بجے کسی عورت کو خون آنا شروع ہوا اور پیر کے دن صبح پر خون بند ہوگیا۔تو یہ خون استحاضہ میں شمار ہوگا۔اسے حیض کا خون نہیں کہیں گے۔

حیض کی شرط: نو برس سے پہلے حیض بالکل نہیں آتا،اس لیے نو برس سے چھوٹی لڑکی کو جو خون آئے وہ حیض نہیں بلکہ ”استحاضہ“ ہے۔اور پچپن برس کے بعد عام طور پر جو عادت ہے وہ یہی ہے کہ حیض نہیں آتا،لیکن آنا ممکن ہے اس لیے اگر پچپن برس کے بعد خون نکلے تو وہ ”استحاضہ“ ہے۔حیض نہیں ہے۔لیکن اگر پچپن برس کے بعد ایسا خون آیا جس کا رنگ حیض والا ہے مثلاً خوب سرخ یا سیاہ رنگ کا خون ہے تو چونکہ پچپن برس کے بعد بھی حیض آنے کا امکان تو بہر حال رہتا ہے لہٰذا یہ خون بھی حیض میں شمار ہوگا۔

حیض کے رنگ : حیض کی مدت کے اندر اندر سرخ،زرد،سبز،خاکی یا مٹیالا،سیاہ جس رنگ کا بھی خون آئے،سب حیض ہے۔

”طُہر“ (پاکی) کی مدت: دو حیض کے درمیان پاکی کی مدت کم از کم پندرہ دن ہے۔یعنی ایک مرتبہ کے حیض کے بعد دوبارہ

آنے والے خون کے اوپر حیض کے احکام تب جاری ہوں گے جب دونوں خونوں کے درمیان کم از کم پندرہ دن پاکی کے گزرے ہوں۔ چنانچہ ایک ماہواری کے بعد دوسرا خون اس وقت زیادہ کی کوئی حد نہیں لہٰذا اگر کسی وجہ سے عورت کو حیض آنا بند ہو جائے تو جتنے مہینے تک خون نہ آئے پاک رہے گی۔ اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے یہ مثال سمجھ لیجیے: اگر کسی عورت کو تین دن اور تین رات خون آیا، پھر پندرہ دن پاک رہی، پھر تین دن اور تین رات خون آیا تو اس صورت میں پہلے تین دن اور پندرہ دن پاکی کے بعد تین دن حیض شمار ہوں گے۔ اور بیچ میں پندرہ دن پاکی کا زمانہ ہے۔

نفاس کی تعریف: بچہ پیدا ہونے کے بعد (خواہ بچہ بڑے آپریشن سے پیدا ہوا ہو۔ جو خون عورت کو آگے کے راستے آتا ہے "نفاس" کہلاتا ہے۔ بچہ اگر آدھے سے زیادہ باہر نکل آیا لیکن ابھی پورا نہیں نکلا اس وقت جو خون آئے وہ بھی "نفاس" کہلاتا ہے۔

نفاس کی مدت: نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے اس سے زیادہ اگر خون آئے تو چالیس دن نفاس کے شمار ہوں گے۔ باقی خون استحاضہ شمار ہوگا۔ نفاس کی کم مدت کی کوئی حد نہیں۔ اگر عورت کو ولادت کے بعد آدھے گھنٹے تک خون آنے کے بعد رک گیا پھر چالیس دن کے اندر خون نہیں آیا تو وہ آدھا گھنٹہ "نفاس" شمار ہوگا۔

حیض اور نفاس کے مسائل: پہلا حکم: حیض اور نفاس کے دنوں میں نماز پڑھنا اور روزے رکھنا جائز نہیں ہے۔ اتنا فرق ہے کہ نماز تو بالکل معاف ہو جاتی ہے پاک ہو جانے کے بعد بھی اس کی قضاء واجب نہیں ہوتی لیکن روزہ معاف نہیں ہوتا پاک ہونے کے بعد روزہ کی قضاء ضروری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نمازیں ہر روز پانچ فرض ہوتی ہیں اور حیض کے دنوں کی ساری نمازیں جمع کی جائیں، مثلاً حیض کے دس دنوں کی نمازیں جمع کی جائیں تو کل پچاس نمازیں بنتی ہیں اب اگر عورت کو ہر مہینے رواں فرض نمازوں کے ساتھ پچاس نمازیں پڑھنا پڑتیں تو بڑی مشقت لاحق ہوتی اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے نوعِ انسان کی صنفِ نازک کو اتنی بڑی مشقت سے بچا کر سہولت عطا فرما دی۔ جب کہ روزہ سال بھر میں ایک ہی دفعہ آتا ہے اگر حیض کی وجہ سے دس دن روزہ چھوٹ بھی جائے تو رمضان شریف کے بعد اس کی قضاء کرنا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ روزہ کے عظیم ثواب میں شرکت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی قضاء کو لازم قرار دیا۔

دوسرا حکم: حیض اور نفاس کے دنوں میں مرد کو اپنی بیوی سے صحبت کرنا ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ سب کام (بوس و کنار وغیرہ) درست ہیں۔ ایسی عورت کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ سب درست ہے۔ تیسرا حکم: حیض اور نفاس کی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت (دیکھ کر ہو یا زبانی) ممنوع ہے۔ تاہم ذکر، تسبیحات، درود شریف درس و تدریس وغیرہ سب جائز ہے۔

اگر کسی معلمہ کو جو بچیوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیتی ہے ماہواری کے ایام شروع ہو جائیں تو کیونکہ ان ایام میں تلاوت قرآن جائز نہیں ہوتی لہٰذا تعلیم کے دوران ایسا انداز اختیار کرنے کی حضرات فقہائے عظامؒ نے اجازت دی ہے جسے ہمارے معاشرے میں تلاوت نہیں کہتے۔ مثلاً وہ حرف کو توڑ توڑ کر اس طرح پڑھائے کہ وہ تلاوت نہ بننے پائے۔

چوتھا حکم: حیض اور نفاس کے دنوں میں مسجد میں جانا درست نہیں۔ لہٰذا ایسی عورت کے لیے نماز یا طواف کے لیے مسجدِ حرام میں جانا جائز نہیں ہے۔

﴿۲۲۸﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ... الخ بائیسواں حکم عدت مطلقہ: جب شوہر نے عورت کو طلاق دے دی۔ تو ابھی وہ عورت کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی، جب تک کہ تین حیض پورے نہ ہو جائیں تاکہ حمل ہو تو پتہ چل جائے اور کسی کی اولاد کسی اور کو نہ مل جائے اس لئے عورت پر فرض ہے کہ جو کچھ اس کے پیٹ کے اندر ہے اس کو ظاہر کر دے خواہ حمل ہو یا حیض آتا ہو، اور اس مدت کو

عدت کہتے ہیں۔ یہاں مطلقات سے مراد خاص وہ عورتیں ہیں جن کے ساتھ نکاح کے بعد صحبت یا خلوت شرعیہ کی نوبت شوہر کو آچکی ہو، اوران عورتوں کو حیض بھی آتا ہو، اور آزاد بھی ہوں، کسی کی لونڈی نہ ہوں کیونکہ جس عورت سے صحبت یا خلوت کی نوبت نہ آئی ہو اس عورت کے اوپر طلاق کے بعد عدت نہیں ہے، اور جس عورت کو حیض نہ آئے مثلاً صغرسنی کی وجہ سے یا بہت بوڑھی ہوگئی ہو۔ اس کو حمل ہے تو پہلی دونوں صورتوں میں اس کی عدت تین ماہ ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور جو عورت آزاد نہ ہو بلکہ کسی شرعی قاعدہ کے موافق لونڈی ہو، اگر اس کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت دو حیض اور حیض نہ آئے تو اگر وہ صغیرہ یا بڑھیا ہے تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے اور حاملہ ہے تو وضع حمل ہے۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ ...الخ تئیسواں حکم مدت رجعت کا بیان : مطلب یہ ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں خاوند کو اپنی عورت واپس لینے کا پورا حق ہے خواہ عورت راضی ہو یا ناراض۔ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ...الخ شرط رجعت: مقصود سلوک اور اصلاح ہو، عورت کو ستانا یا اس کو دباؤ میں اس سے مہر معاف کرانا ہو یہ ظلم ہے، اگرچہ رجوع درست ہوجائے گا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا

طلاق رجعی دو مرتبہ ہے پھر اس کے بعد یا تو روک رکھنا ہے اس کو دستور کے مطابق یا اس کو آزاد کردینا ہے نیکی کے ساتھ اور تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم ان عورتوں سے اس چیز میں سے کچھ لے لو

مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا

جو تم نے ان کو دی ہے سوائے اس صورت کے وہ دونوں (میاں بیوی) اس بات سے خوف کھاتے ہوں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے پس اگر تمہیں

حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِـيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا

خطرہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس چیز میں کہ وہ عورت اپنی جان چھڑائی کہ فدیہ دے یہ اللہ تعالیٰ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں پس

تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۲۹ فَاِنْ طَلَّقَهَا

ان سے آگے نہ بڑھو اور جو شخص بھی اللہ کی حدود سے آگے بڑھے گا پس وہی ظالم لوگ ہیں ﴿۲۲۹﴾ پھر اگر اس نے طلاق دے دی عورت کو (یعنی تیسری مرتبہ)

فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰي تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ

پس اس کے بعد اس کے لیے حلال نہیں ہے یہاں تک وہ اس کے علاوہ کسی خاوند کے ساتھ نکاح کرے پھر اگر اس نے بھی طلاق دے دی اس عورت کو تو کوئی گناہ نہیں ہے

عَلَيْھِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا

ان دونوں پر کہ رجوع کرلیں اگر وہ گمان کریں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے لئے بیان کرتا ہے

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۲۳۰ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْھُنَّ

جو علم رکھتے ہیں ﴿۲۳۰﴾ اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پس وہ اپنی عدت تک پہنچیں پھر ان کو دستور کے مطابق روک رکھو

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

یا ان کو چھوڑ دو دستور کے مطابق اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ روکو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو اور جو شخص ایسا کرے گا

ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ؗ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اللہ کی آیتوں کو ہنسی مذاق نہ ٹھہراؤ اوراللہ کی اس نعمت کو یاد کرو

عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

جو اس نے تم پر کی ہے اور جو تم پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اللہ تعالیٰ ان باتوں کے ساتھ تمہیں نصیحت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو

اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۲۳۱﴾

﴿۲۲۹﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ... الخ ربط آیات : اوپر حق رجعت کا بیان تھا اب یہاں سے بھی حق رجعت کا بیان ہے کہ وہ کب تک رہتا ہے۔

خلاصہ رکوع ۲۹ مسائل ملک داری، چوبیسواں حکم عدد طلاق کا بیان، رجعی کا بیان، پچیسواں حکم خلع کا بیان، چھبیسواں حکم حلالہ کا بیان، ستائیسواں حکم ماقبل کے لئے تتمہ اور عورتوں کو تکلیفیں دینے کی ممانعت اور احکام خداوندی، سے کھیل پر زجر۔

ماخذ آیات ۲۲۹ تا ۲۳۱+

چوبیسواں حکم عدد طلاق رجعی کا بیان: لوگ اسلام سے پہلے جتنی بار چاہتے عورت کو طلاق دیتے پھر عدت میں رجوع کر لیتے مقصود عورت کو ستانا ہوتا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تو اس آیت میں طلاق رجعی کا مسئلہ بیان ہوا ہے کہ طلاق رجعی دو ہیں جس کی تفصیل اوپر فائدہ میں گزر چکی ہے۔ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ... الخ بس روکنا ہے (ان دو طلاقوں میں تو عمدگی کے ساتھ رکھو) محض ستانا مقصود نہ ہو، ورنہ عمدگی کے ساتھ رخصت کر دو۔ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ: پچیسواں حکم خلع کا بیان: خلع کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بوقت ضرورت مرد کو طلاق دینا جائز ہے اسی طرح اگر عورت نباہ نہ کر سکتی ہو تو اس کو اجازت ہے کہ شوہر نے جو مہر وغیرہ دیا ہے اس کو واپس کر کے اس سے گلا خلاصی کر لے۔ اور اگر شوہر آمادہ نہ ہو تو عدالت کے ذریعے خلع کر لے ۔اور عدالت کے ذریعہ جو خلع لیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ عدالت اگر محسوس کرے کہ میاں بیوی کے درمیان موافقت نہیں ہو سکتی تو عورت سے کہے کہ وہ اپنا مہر چھوڑ دے اور شوہر سے کہے کہ وہ مہر کے بدلے طلاق دیدے، اور اگر شوہر اس کے باوجود بھی طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو عدالت شوہر کی مرضی کے بغیر خلع کا فیصلہ نہیں کر سکتی البتہ پانچ عیوب کی بنا پر جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ خلع سے ایک بائن طلاق ہو جاتی ہے اگر میاں بیوی کے درمیان مصالحت ہو جائے تو نکاح دوبارہ کرنا ہوگا۔

خلع میں قاضی کی تفریق بین الزوجین کی معتبر وجوہات : حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ :اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ صرف پانچ عیوب کی بنا پر قاضی کو تفریق کا اختیار ملتا ہے، ایک اس وقت جبکہ شوہر پاگل ہو گیا ہو، دوسرا جب کہ وہ نان نفقہ ادا نہ کرتا ہو۔ تیسرا جب وہ نامرد ہو، چوتھے جب وہ بالکل لاپتہ ہو گیا ہو، اور پانچواں جب غائب غیر مفقود کی صورت ہو۔

ان صورتوں کے سوا قاضی کو کہیں بھی تفریق کا اختیار نہیں ہے، اور محض عورت کی طرف سے ناپسندیدگی کسی بھی فقہ میں فسخ نکاح کی وجہ جواز نہیں بنتی۔ (حیلۂ ناجزہ، ص۔ ۲۴۳)

طلاق اور خلع میں فرق: یہ ہے کہ خلع کا مطالبہ عموماً عورت کی طرف سے ہوتا ہے، اور اگر مرد کی طرف سے اس کی پیشکش ہو تو عورت کے قبول کرنے پر موقوف رہتا ہے۔ عورت قبول کرلے تو خلع واقع ہوگا ورنہ نہیں۔ جبکہ طلاق عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں وہ قبول کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہوجائے گی۔ دوسرا یہ ہے کہ عورت کے خلع قبول کرنے سے اس کا مہر گرجاتا ہے طلاق سے نہیں گرتا۔ البتہ اگر شوہر کہے کہ تمہیں اس شرط پر طلاق دیتا ہوں کہ تم مہر چھوڑ دو اور عورت قبول کرلے تو یہ بالمعاوضہ طلاق کہلاتی ہے اور اس کا حکم خلع کا ہی ہے۔ خلع میں شوہر کا لفظ طلاق استعمال کرنا ضروری نہیں۔ البتہ اگر عورت کہے کہ میں خلع (علیحدگی) چاہتی ہوں اس کے جواب میں شوہر کہے میں نے خلع دے دیا تو بس خلع ہوگیا۔ خلع میں طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے یعنی شوہر کو اب بیوی سے رجوع کرنے یا خلع واپس لینے کا اختیار نہیں رہا دونوں کا باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

﴿۲۳۰﴾ **فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ**...الخ **چھبیسواں حکم حلالہ کا بیان**: اگر شوہر اپنی بیوی کو تین طلاق دے چکا تو پھر وہ عورت اس کیلئے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے اور دوسرا خاوند اس سے صحبت کرکے اپنی خوشی سے طلاق نہ دے دے اس کی عدت پوری کرکے پھر شوہر اول سے نکاح جدید ہوسکتا ہے اس کو حلالہ کہتے ہیں۔ ائمہ اربعہ اور سو فیصد تمام محدثین امام بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ تین طلاق تین ہی ہیں باقی ضد کا کوئی علاج نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت کے ابتدائی دو سال میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔ (مسلم، ص۔ ۴۷۷، ج۔ ۱)

لیکن اس حدیث کا مصداق کون ہے چنانچہ امام نسائی رحمہ اللہ نے نسائی شریف میں باب قائم کیا "الطلاق الثلث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة" (ص۔ ۸۳، ج۔ ۲) تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ غیر مدخول بہا کو یعنی ایسی عورت کو جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے لیکن میاں بیوی نے ہمبستری نہیں کی اور خاوند نے اسے طلاق دے دی اور کہا "انتِ طالق انتِ طالق انتِ طالق" تین طلاق دے دیں تو طلاق پہلی ہی ہوئی ہے، دوسری طلاق کا وہ عورت محل ہی نہیں رہی، تو امام نسائی رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے کہ یہ حدیث غیر مدخول بہا کے واسطے ہے۔ اسی طرح ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ تین طلاقیں ایک ہی ہیں اس عورت کے بارے میں جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے اور خاوند نے ہمبستری نہیں کی اور یکے بعد دیگرے تین طلاقیں دے دیں تو پہلی ہوگی۔ اور دوسری اور تیسری کا محل ہی نہیں تو اس روایت کو تمام مطلقات پر فٹ کرنا صرف ضد پر مبنی ہے۔

(دیکھیں عمدۃ الاثاث فی حکم طلقات الثلاث)

تاریخ طلاق ثلاثہ

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، دور صدیقی رضی اللہ عنہ، دور فاروقی رضی اللہ عنہ، دور عثمانی رضی اللہ عنہ، دور مرتضوی رضی اللہ عنہ، سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ، دور صحابہ کرام میں تین طلاق کے بعد بیوی کو حرام کہتے تھے اور کسی ایک مفتی کا فتویٰ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جو اس حرام کو جواز کی سند دے، دور تابعین رحمہم اللہ میں سب مفتی حضرات کا متفقہ فتویٰ بھی یہی تھا کہ جس کو تین طلاق کہا جائے وہ حرام ہے۔ مگر اس دور میں رافضیوں نے ایک شرارت کی ایک بوڑھے کو کہا کہ تو یہ حدیث لوگوں کو سنایا کر کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی دفعہ

تین طلاقیں دے تو اس کو ایک قرار دیا جائے گا۔ وہ بوڑھا خفیہ خفیہ بیس سال تک اس کو بیان کرتا رہا، حضرت امام اعمش رحمہ اللہ کو پتا چلا وہ فوراً اس بوڑھے کے پاس پہنچے، تو اس نے اپنی غلط بیانی کا اعتراف کیا، اس طرح پہلی صدی میں رافضیت کا ڈنک نہ چل سکا، اور کوئی حرام کو حلال نہ کر سکا۔

دور تابعین: ۱۷۰ھ تک ہے اس دور میں ۱۴۵ھ سے ۱۵۰ھ تک مذہب حنفی مدون ہو گیا تھا جو کتاب وسنت کی پہلی جامع اور مکمل تعبیر وتشریح تھی، اس میں بھی ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی قرار دیا گیا، امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الآثار میں واشگاف الفاظ تحریر ہے "لَااِخْتِلَافَ فِیْهِ" اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ دور تبع تابعین: یہ دور ۲۲۰ھ تک ہے اس میں امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، کے مذاہب مدون ہوئے ان میں بھی یہ اتفاقی مسئلہ تحریر ہے۔

تیسری صدی: اس میں مذاہب اربعہ کا چلن عام تھا۔ چوتھی صدی: اس میں بھی سب مذاہب اربعہ کے مقلد تھے۔ پانچویں صدی: اس میں بھی مذاہب اربعہ کا ہی چلن تھا۔ چھٹی صدی: اس میں بھی لوگ مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد تھے اس صدی میں بھی کسی غیر مقلد کا وجود نہ تھا۔ ساتویں صدی: یہ دور بھی اسلامی ترقی اور عروج پر تھا کسی کو خود رائی کی بیماری نہ تھی اسی ساتویں صدی میں ربیع الاول ۶۶۱ھ، میں حافظ ابو العباس احمد ابن تیمیہ حرانی رحمہ اللہ پیدا ہوئے اور بیس ذیقعدہ ۷۲۸ھ کو ان کا وصال ہوا یہ اگرچہ حنبلی کہلاتے تھے مگر کئی دینی مسائل میں تفرد اختیار کیا، منجملہ ان میں سے تین طلاق کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر روافض کی اتباع اختیار کی چونکہ اس وقت حکومت اسلامی تھی وہ اس انتشار کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ نواب صدیق حسن خان صاحب نے "اتحاف النبلاء" میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تین طلاق کی ایک مجلس میں ایک طلاق کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا، شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابن قیم رحمہ اللہ پر مصائب برپا ہوئے ان کو اونٹ پر سوار کر کے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی قید کیے گئے اس لئے اس وقت یہ مسئلہ روافض کی علامت تھی۔ (ص۔ ۳۱۸)

آٹھویں صدی: ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس تفرد میں ان کے کسی شاگرد نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا، ان کے شاگرد ذہبی رحمہ اللہ نے بھی سخت مخالفت کی البتہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد ابن قیم رحمہ اللہ نے ان کی حمایت کا دم بھرا اور چار جلدوں میں ایک کتاب 'اعلام الموقعین' لکھ ڈالی مگر وہ اپنے استاذ کے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے سو فیصد ناکام رہے۔

چنانچہ نویں، دسویں، گیارہویں، بارہویں صدی: میں ایک مفتی بھی نہیں ملتا جس نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس غلط فتویٰ کے مطابق فتویٰ دیا ہو، تیرہویں صدی کے وسط میں جب متحدہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا زور پھیلا رہی تھی تو ایک رافضی عبد الحق بنارسی تقیہ کی چادر اوڑھ کر سنیوں میں داخل ہوا وہ یمن سے شوکانی زیدی کی کتاب "الدرر البهیه" لایا اور اس نے غیر مقلدیت کی بنیاد رکھی۔ الدرر البہیہ کا اردو ترجمہ کر کے اسکا نام فقہ محمدی رکھا گیا اور اپنا نام محمدی رکھ دیا۔ اب اسلامی حکومت کمزور تھی کہ کسی نئے فتنے کو ابھرنے نہ دیتی، البتہ برطانیہ کی ضرورت تھی انہوں نے اس نومولود فرقہ کی حمایت کی ادھر علماء نے اس فرقہ کے عقائد اعمال پر فتویٰ لیا چنانچہ ۱۲۵۴ھ میں حرمین شریفین کے علماء نے بالاتفاق اس فرقے کو ایک گمراہ فرقہ قرار دیا۔

چودھویں صدی: اس صدی میں اسلامی حکومت ختم ہو گئی اور انگریز کا اقتدار مضبوط ہو گیا تو مولوی عبد الرحمٰن مبارک پوری، مولوی شمس الحق ڈیانوی، اور مولوی نذیر حسین دہلوی نے پھر اس حرام کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا اب اسلامی حکومت نہیں تھی کہ ان کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو آٹھویں صدی میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ کے ساتھ ہوا تھا، تاہم اس فتویٰ کو اہل سنت والجماعت تو کجا

خود غیر مقلدین نے بھی قبول نہ کیا۔ ابوسعید شرف الدین دہلوی نے اس کا زبردست رد لکھا جو فتاوی ثنائیہ: ص۲۱۶ تا: ۲۲۰ ج۔۲ پر مذکور ہے اس کا جواب الجواب غیر مقلد نہ لکھ سکے پھر تین رجب ۱۳۴۲ھ کو مولوی ثناء اللہ نے اجماع صحابہ اور مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دیا اسے بھی غیر مقلدین نے تسلیم نہ کیا۔

چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم عبداللہ روپڑی نے اس کا رد لکھا اس کے بعد غیر مقلدین نے سوچا کہ یہ تو حنفی کو غیر مقلد بنانے کا بہترین ذریعہ ہے، چنانچہ غیر مقلدین نے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا، اور اکثر غیر مقلد اسی وجہ سے بنے ہیں، چودھویں صدی کے غیر مقلدین نے اس کاروبار کو وسیع کیا ان کی کوشش تھی کہ حرمین شریفین سے بھی ان کی تائید ہو جائے مگر رابطہ عالم اسلامی نے پوری تحقیق اور کوشش کے بعد یہی فتویٰ دیا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایک لفظ سے تین طلاقیں دیں تو وہ تین ہی واقع ہونگی اس کے بعد رجوع نکاح کا حق بھی نہیں رہتا جب تک وہ عورت دوسرے خاوند سے ہمبستر نہ ہو جائے۔ (ماخوذ تجلیات صفدر جلد چہارم)

﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ... الخ ستائیسواں حکم عورتوں کو تکلیف دینے کی ممانعت اور احکام خداوندی سے کھیل پر زجر: آیت سابقہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ... الخ میں یہ بتا دیا تھا کہ دو طلاق تک شوہر کو اختیار ہے کہ عورت کو عمدگی سے اپنے ساتھ ملالے یا بالکل چھوڑ دے اب اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ اختیار صرف عدت تک ہے عدت کے بعد شوہر کو یہ اختیار حاصل نہ ہوگا لہٰذا آیت سابقہ اور اس میں کوئی تکرار نہیں ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو پھر جب وہ عدت کو پہنچیں تو تم ان عورتوں کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں

اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ

جب کہ وہ آپس میں دستور کے موافق راضی ہو جائیں یہ باتیں وہ ہیں کہ انکے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے یہ بات تمہارے لیے زیادہ شائستہ ہے اور زیادہ پاکیزہ ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ

اور مائیں یعنی بچے والی عورتیں اپنے بچوں کو کامل دو سال تک دودھ پلائیں یہ اس شخص کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ

اور والد کے ذمہ ہے ان کا کھانا اور لباس دستور کے مطابق نہیں تکلیف دی جائے گی کسی نفس کو

اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَى الْوَارِثِ

مگر اس کی طاقت کے مطابق نہیں نقصان پہنچایا جائے گا والدہ کو اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ والد کو اس کے بچے کیوجہ سے اور وارث پر

مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ

بھی اسی طرح لازم ہے پس اگر بچے کے والدین دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں آپ کی رضامندی اور مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں ہے

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ

اور اگر تم ارادہ کرتے ہو اپنی اولادوں کو دودھ پلانے کا دوسری عورتوں سے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے جبکہ تم دے دو وہ چیز جو مقرر کی ہے

اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ

دستور کے مطابق اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ﴿۲۳۳﴾ اور تم میں سے جو لوگ

يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ

وفات پاجاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں چار ماہ اور دس دن

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

اور جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے جو کچھ وہ عورتیں اپنے بارے میں دستور کے مطابق کریں

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۲۳۴﴾ تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اشارہ کرو اس بات کے ساتھ

النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ

عورتوں کے لیے پیغام نکاح کا یا پوشیدہ رکھو تم اس بات کو اپنے نفسوں میں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن ان سے وعدہ نہ کرو

سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ

نکاح کا پوشیدہ طور پر مگر یہ کہ تم دستور کے مطابق بات کہو اور نہ ارادہ کرو نکاح کی گرہ باندھنے کا یہاں تک کہ کتاب اپنی مدت تک پہنچ جائے اور جان لو بے شک

ع ۳۰ ۱٤ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا بردبار ہے ﴿۲۳۵﴾

﴿۲۳۲﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ... الخ ربط آیات: اوپر طلاق، عدت کے مسائل کا ذکر تھا اب ذکر ہے کہ جب عدت پوری کرلیں تو آگے نکاح سے مت روکو۔

خلاصہ رکوع ۳۰ مسائل ملک داری، اٹھائیسواں حکم عورتوں کو عدت کے بعد تکلیف دینے کی ممانعت کا بیان، انتیسواں حکم مدت رضاع کا بیان، تیسواں حکم عدت وفات زوج کا بیان، اکتیسواں حکم دوران عدت نکاح کے پیغام کا طریقہ۔ ماخذ آیات ۲۳۲: تا ۲۳۵ +

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ الخ اٹھائیسواں حکم عورتوں کو عدت کے بعد تکلیف دینے کی ممانعت کا بیان۔

حضرت معقل بن یسار کی بہن کو اس کے شوہر نے ایک یا دو طلاقیں دے دیں اور عدت میں رجوع نہیں کیا عدت گزر چکی تھی دوسرے لوگوں کے ساتھ شوہر اول نے بھی نکاح کا پیغام دیا، عورت بھی اسی پر راضی تھی مگر اس کے بھائی کو غصہ آیا، اور نکاح کو روک دیا اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ عورت کی رضامندی کا خیال رکھو، مفسرین لکھتے ہیں کہ اس عورت کا بھائی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا اب میں ضرور اس کا نکاح اس کے ساتھ کردوں گا اور یہی قول راجح ہے۔

(تفسیر مظہری، ص:۲۱۶ج:۱؛ روح المعانی، ص:۱۴۳ج:۲؛ ابن کثیر، ص:۲۸۴ج:۱)

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ۔۔۔ الخ عورت پہلے شوہر کی طرف راغب ہو تو اس کے ساتھ نکاح ہو جانے میں پاکیزگی ہے اور دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے میں ہرگز پاکیزگی نہیں ہے۔

فائدہ: حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہاں تک قرآن میں مرکزی حکومت کا ذکر تھا اب آئندہ اس قانون کا ذکر ہوگا جو دوسری قوموں پر حکومت کے لئے ضروری ہے۔

﴿۲۳۳﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ۔۔۔ الخ انتیسواں حکم مدت رضاع کا بیان۔ ربط آیات: اوپر طلاق کا ذکر تھا اس سلسلے میں ایک مسئلہ پیش آتا ہے کہ بچے کے دودھ کا کیا بندوبست ہوگا؟ اس مناسبت سے یہاں رضاعت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

مسئلہ: ❶ بچے کو دودھ پلانا ماں کے ذمہ واجب ہے دیانۃً ورنہ گناہ گار ہوگی۔ البتہ بچے کی صحت کے لئے مضر ہونے کی صورت میں دوسری عورت سے پلوانے میں کوئی حرج نہیں۔ **مسئلہ:** ❷ بچے کو دودھ پلانا ماں کے ذمہ ہے اور بچے کی ماں کا نان ونفقہ وضروریات بچے کے باپ کے ذمہ ہیں اور یہ ذمہ داری جس وقت تک بچے کی ماں اس کے نکاح میں یا عدت میں ہے اس وقت تک ہے۔ اور طلاق اور عدت کے پوری ہونے کے بعد نفقہ زوجیت تو ختم ہو جائے گا مگر بچہ کو دودھ پلانے کا معاوضہ باپ کے ذمہ پھر بھی واجب رہے گا۔ (مظہری، ص:۳۲۳ج:۱)

مسئلہ: ❸ باقی نفقہ کتنا ہوگا تو اس کے بارے میں علامہ کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے حال کا خیال رکھا جائے گا فتح القدیر میں بہت سے فقہاء کا فتویٰ اس پر نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتح القدیر، ج:۳ص۔۴۲۲)

مسئلہ: ❹ اگر باپ زندہ نہ ہو تو اس بچے کی پرورش کا انتظام اس کے محرم قرابت دار کے ذمہ ہے جو شرعاً بچے کا وارث ہونے کا حق رکھتا ہے۔ (بیان القرآن، ص:۱۴۳،ج:۱)

مسئلہ: ❺ مدت رضاعت جمہور کے نزدیک دو سال ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اڑھائی سال یعنی تیس مہینے ہے جیسا کہ "وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا" میں مذکور ہے۔ (تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں)۔

﴿۲۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ۔۔۔ الخ تیسواں حکم عدت وفات زوج کا بیان۔ ربط آیات: اوپر طلاق کی عدت کا بیان تھا یہاں سے وفات زوج کی عدت کا بیان ہے۔ **مسئلہ:** ❶ اگر چاندرات کے بعد وفات ہوئی ہے تو یہ سب مہینے تیس تیس دن کے حساب سے پورے کئے جائیں گے پس کل ایک سو تیس دن پورے کئے جائیں گے۔ (معارف القرآن، م،ش،د، ص:۵۸۵،ج:۱)

مسئلہ: ❷ جس عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہے اور وہ حاملہ تھی تو اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ اس عورت کے خاوند کی وفات کو دو دن یا چار دن گزریں اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدالت کا مقدمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے ان کے سامنے ایک مقدمہ پیش آیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا ہے مگر نکاح کے وقت مہر یاد نہیں رہا اور عورت کی رخصتی سے پہلے

خاوند فوت ہو گیا ہے۔اب یہ مسائل درپیش ہیں۔کہ۔ ① اس عورت کی عدت ہے یا نہیں؟۔ ② اس عورت کو خاوند کی جائیداد سے وراثت کا حصہ ملے گا یا نہیں؟۔ ③ اس عورت کیلئے مہر ہے یا نہیں؟۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے ان مسائل پر کوئی حدیث بھی یاد نہیں اور قرآن کریم کا کوئی صریح حکم بھی یاد نہیں۔میں ان مسائل پر غور کروں گا کچھ دن بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا میں قیاس سے ان مسائل کو بتا رہا ہوں اگر ٹھیک ہے تو اللہ کی طرف سے ورنہ شیطان کی طرف سے کہ وہ عورت چار ماہ دس دن عدت بھی گزارے گی،اور خاوند کی جائیداد سے وراثت کا حصہ بھی پائے گی،اور اس کیلئے مہر مثل ہوگا یعنی جو اس کی ماں،بہن خالاؤں کا مہر تھا اس عورت کو بھی اتنا ملے گا۔

حضرت معقل بن یسار الاشجعی رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے انہوں نے کہا اے ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ فیصلہ آپ نے اپنے اجتہاد اور قیاس سے کیا ہے؟ فرمایا ہاں،حضرت معقل بن یسار الاشجعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے خود اپنے کانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مسائل کا جواب سنا ہے،ہمارے خاندان میں ایک عورت بروع بنت واشق کے ساتھ پیش آیا تھا،آپ نے یہی جواب ارشاد فرمایا تھا،جو آپ نے دیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے خوش ہوئے اور فرمایا الحمدللہ میرے سارے فتویٰ کی شقیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

(محصلہ ذخیرہ:ج:۲:ص ۲۴۲؛تفسیر ابن کثیر:ج:۱:ص۔۴۴۶)

﴿۲۳۵﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ...الخ اکتیسواں حکم دوران عدت نکاح کے پیغام کا طریقہ۔

اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا :دستور کے مطابق بات کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً عورت کو بتا دے تجھے ہر کوئی عزیز رکھے گا۔ یا کہے کہ میرا کہیں نکاح کرنے کا ارادہ ہے،تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دو جن کو تم نے ہاتھ نہیں لگایا یا انکے لیے

فَرِيْضَةً ۖۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ

مہر مقرر نہیں کیا اور ان کو فائدہ پہنچاؤ طاقت رکھنے والے پر اس کی طاقت کے مطابق اور تنگدست پر اس کی طاقت کے مطابق فائدہ پہنچانا دستور کے مطابق

حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ

یہ لازم ہے نیکی کرنے والوں پر ﴿۲۳۶﴾ اور اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ تم نے ان کو چھوا ہو اور بے شک تم نے ان کے لیے مہر مقرر کیا ہے

لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ

پس آدھا مہر لازم ہوگا جو تم نے مقرر کیا ہے الا یہ کہ وہ عورتیں ہی درگزر کرلیں یا درگزر کرے وہ شخص جس کے ہاتھ میں

عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ

نکاح کی گرہ ہے اور یہ کہ تم درگزر کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اس فضیلت کو نہ بھلاؤ جو تمہارے درمیان ہے

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ

بے شک اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو ﴿۲۳۷﴾ حفاظت کرو سب نمازوں کی اور خصوصا درمیانی نماز کی

وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا

اور کھڑے ہو اللہ کے سامنے عاجزی سے ﴿۲۳۸﴾ پس اگر تم خوف کی حالت میں ہو پس پیدل یا سواری پر نماز ادا کرو پھر جب تم امن کی حالت میں ہو پس اللہ کو یاد کرو جیسا کہ

عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا

اس نے تم کو تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے ﴿۲۳۹﴾ اور وہ لوگ جو تم میں وفات دیئے جاتے ہیں اور وہ اپنی بیویاں چھوڑ جاتے ہیں

وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا

وہ اپنی عورتوں کے بارے میں وصیت کر جائیں ایک سال تک فائدہ اٹھانے کی بغیر نکالے اور اگر وہ عورتیں خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں

فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ

جو وہ اپنے حق میں دستور کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کمال قوت کا مالک حکمت والا ہے ﴿۲۴۰﴾ اور طلاق والی عورتوں کے لیے فائدہ اٹھانا ہے دستور کے مطابق

۳۱ ع ۷/۱۵ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿٢٤١﴾ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٤٢﴾

یہ بات لازم ہے متقیوں پر ﴿۲۴۱﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ ﴿۲۴۲﴾

﴿۲۳۶﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ... الخ ربط آیات: نکاح، طلاق، عدت اور مہر کے مسائل کا بیان چلا آرہا تھا۔ اب اس عورت کا ذکر ہے جس کے ساتھ نکاح ہوا اور رخصتی سے پہلے طلاق ہوگئی یا اس کے لئے کچھ مہر بھی مقرر نہیں ہوا تو اس کا حکم بیان فرماتے ہیں۔

خلاصہ رکوع ۳۱: مسائل ملک داری، بتیسواں حکم عدم رخصتی اور عدم مقرر مہر کا بیان، حکم خاص، مرد و عورت کی باہم احسان مندی، تینتیسواں حکم محافظت صلوۃ، طریق صلوۃ حالت خوف، چونتیسواں حکم وصیت برائے سکونت بیوہ، پینتیسواں حکم عام برائے متعہ مطلقات۔ ماخذ آیات ۲۳۶: تا ۲۴۲+

مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ... الخ بتیسواں حکم عدم رخصتی اور عدم مقرر مہر کا بیان: تفسیر جلالین میں ہے کہ یہاں ما مصدریہ ظرفیہ ہے کہ جس زمانے میں ہمبستری نہیں کی۔ (جلالین: ص: ۳۶، ج۔۱)

وَمَتِّعُوهُنَّ... الخ حکم خاص ❶ اگر مہر مقرر نہیں ہے تو ایک جوڑا دینا واجب ہے اور شوہر کو قبل الدخول طلاق پر کم سے کم ایک جوڑا اپنی حالت کے موافق دے دینا چاہئے۔

﴿۲۳۷﴾ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ... الخ حکم خاص ❷ مہر مقرر ہو اور طلاق قبل دخول ہو تو مقرر مہر کا نصف دینا ہوگا۔

إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ... الخ مرد و عورت کی باہم احسان مندی: اس کا مطلب یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں آدھا مہر چھوڑ دیں پھر سارا مال شوہر کا ہو جائے گا۔ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي... الخ یعنی شوہر جو نکاح باندھنے اور کھولنے کا مالک ہے وہ سارا عورت کو دیدے اور

یہی مذہب حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید اور راجح مذہب بھی یہی ہے۔

﴿۲۳۸﴾ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ : ربط آیات : اوپر نکاح، طلاق اور عدت کے مسائل تھے اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آخر انہی چیزوں میں نہ الجھے رہو بلکہ نمازوں کا بھی خیال رکھو۔

وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ...الخ تنتیسواں حکم محافظت صلوٰۃ : "وسطیٰ" کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں سب سے راجح قول یہی ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تو گویا اس کا گھر و مال سارا ضائع ہو گیا ہے۔

﴿۲۳۹﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ ...الخ طریق صلوٰۃ حالت خوف : اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑائی اور دشمن سے خوف ہو تو اس مجبوری کی حالت میں سواری پر اور پیدل بھی اشارہ سے نماز درست ہے گو قبلہ کی طرف منہ نہ بھی ہو۔ (عثمانی)

﴿۲۴۰﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ ...الخ چونتیسواں حکم وصیت برائے سکونت بیوہ : حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں! کہ یہ حکم شروع میں تھا جب آیت میراث نازل ہوئی اور عورتوں کا حصہ مقرر ہو چکا اور عورت کی عدت چار مہینے دس دن کی ٹھہرائی گئی تو اس آیت کا حکم موقوف ہو گیا۔

﴿۲۴۱﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ ...الخ پینتیسواں حکم عام برائے متعہ مطلقات : حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلے حکم تھا کہ جس عورت کو شوہر نے طلاق دی ہے اس کا مہر مقرر نہیں تھا یا شوہر نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا اس کو ایک جوڑا دے۔ اس آیت میں حکم سب کے لئے آگیا مگر اتنا فرق ہے سب طلاق والوں کو جوڑا دینا مستحب ہے ضروری نہیں اور پہلی صورت میں واجب ہے یہاں تک نکاح وطلاق کے احکام ختم ہوئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا

کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے موت کے ڈر سے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا مر جاؤ

ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

پھر ان کو زندہ کیا بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکریہ ادا نہیں کرتے ﴿۲۴۳﴾

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ

اور اللہ کے راستے میں لڑو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ﴿۲۴۴﴾ کون ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے

قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ

اچھا قرض پس اللہ تعالیٰ اس کے لیے دگنا کردے گا کئی گنا اور اللہ تعالیٰ تنگی کرتا ہے اور کشادہ کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ

لوٹائے جاؤ گے ﴿۲۴۵﴾ کیا آپ نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کی طرف نہیں دیکھا موسیٰ علیہ السلام کے بعد جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا

لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِن كُتِبَ

کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کردیں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں اس پیغمبر نے کہا کہ اگر تم پر

عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ

لڑائی فرض کردی جائے تو شاید تم نہ لڑو انہوں نے کہا کہ ہمیں کیا ہے کہ ہم نہ لڑیں حالانکہ ہم

أُخْرِجْنَا مِن دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ

اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں اور اپنی اولادوں سے علیحدہ کیے گئے ہیں پھر جب ان پر لڑائی فرض کردی گئی تو ان لوگوں نے روگردانی کی مگر بہت تھوڑے لوگوں نے ان میں سے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ

اور اللہ خوب جانتا ہے ظلم کرنے والوں کو ﴿۲۴۶﴾ اور ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے

قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ

وہ کہنے لگے ہم پر اس کی حکومت کیسے ہوگی اور ہم اس سے حکومت کے زیادہ مستحق ہیں اور وہ مال میں وسعت بھی

الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي

نہیں دیا گیا ان کے پیغمبر نے ان سے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے اوپر منتخب کیا ہے اور اس کو علم اور جسم کی فراخی کے لحاظ سے زیادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے

مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ

بادشاہی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۲۴۷﴾ اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ بے شک اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس

التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ

ایک صندوق آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دل کی تسلی ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کی

ع تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

اولاد نے چھوڑا ہے اس کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ بے شک اس میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم یقین رکھنے والے ہو ﴿۲۴۸﴾

﴿۲۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا ... الخ ربط آیات (۱) یہاں تک قانون ملک گیری اور داری ختم ہوا اب اقدام عمل کا بیان ہے۔ (۲) پہلے جہاد میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب کا ذکر تھا درمیان میں احکام کا ذکر تھا، اب یہاں سے بھی جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع (۳) تمہید تشجیع علی الجہاد، اقدام عمل برائے جہاد، جہاد کے لئے ترغیب انفاق، ترغیب علی الجہاد مع بیان نمونہ، قوم کا مکالمہ اور جواب مکالمہ، حکم جہاد، مکالمہ پیغمبر برائے انتخاب امیر، جواب مکالمہ از قوم، جواب پیغمبر و منتخب امیر کے اوصاف،

طالوت کے منجانب اللہ بادشاہ اور امیر ہونے کی علامت۔ماخذ آیات ۲۴۳ تا ۲۴۸+

اَلَمْ تَرَ ...الخ تمہید تشجیع علی الجہاد : یہاں رؤیت سے مراد قلبی ہے بصری نہیں۔جس کے معنی ہیں علم وادراک یعنی "اَلَمْ تَرَ" ایسے مواقع میں "اَلَمْ تَعْلَمْ" کے معنی میں ہوتا ہے لیکن اس کو لفظ "اَلَمْ تَرَ" سے تعبیر کرنے میں حکمت اس واقعہ کے مشہور ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہے، کہ یہ واقعہ، ایسا یقینی ہے جسے کوئی آج دیکھ رہا ہو اور دیکھنے کے قابل ہو۔

اہل بدعت کا آنحضرت ﷺ کے حاضر وناظر پر استدلال

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرمایا "اَلَمْ تَرَ" اے نبی کیا تو نے نہیں دیکھا؟ اگر آنحضرت ﷺ ہر جگہ اور خصوصیت سے حضرات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں موجود نہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیوں ارشاد فرمایا کہ اے نبی : کیا تو نے فلاں فلاں پیغمبر اور اس کی قوم کے حالات نہیں دیکھے۔جاء الحق ص ۱۳۵ : وغیرہ۔

جواب ❶ رؤیت کا لفظ لغت میں کن کن معانی میں مستعمل ہے توجہ سے ملاحظہ فرمائیں۔(صراح : ص۔۵۵۱) میں ہے رؤیت دیدن بچشم و دانستن۔یعنی جس طرح رؤیت کا معنی آنکھوں سے دیکھنا آتا ہے، اسی طرح کسی کے جاننے اور معلوم ہو جانے پر بھی عربی میں رؤیت کا اطلاق ہوتا ہے۔

چنانچہ امام لغت ابن خالویہؒ لکھتے ہیں "وکل ما فی القرآن من اَلَمْ تَرَ فمعناہ اَلَمْ تَرَ تخبرُ اَلَمْ تَعْلَمْ لیس من رؤیۃ العین۔ (اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن : ص۔۷۵)

ترجمہ : یعنی جہاں کہیں بھی قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے یہ فرمایا گیا ہے کہ "اَلَمْ تَرَ" تو اس سے آنکھوں کے ساتھ دیکھنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے دل کی رؤیت اور علم مراد ہے (تفسیر خازن ص ۲۱۰ ج۔۱) اور (معالم التنزیل ص ۲۱۱ ج۔۱) وغیرہ میں "اَلَمْ تَرَ" کا معنی لکھا ہے۔"اَلَمْ تَعْلَمْ" یا محمد باعلامی ایاك" یعنی اے محمد ﷺ کیا میرے بتلانے سے آپ کو معلوم نہیں ہوا؟

اس سے واضح ثابت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے بتا دیا اور آنحضرت ﷺ نے جان لیا تو اس پر "اَلَمْ تَرَ" کا اطلاق ہوا؟ اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ واقعہ آنکھوں سے دیکھا ہو یا بتانے سے پہلے اس کا علم ہو۔

جواب ❷ : اب ہم ذیل میں چند آیات پیش کرتے ہیں جن سے واضح ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان اکابر انبیاء علیہم السلام کے مبارک دور میں جسد عنصری کے ساتھ حاضر وناظر اور موجود نہ تھے۔نیز یہ بات بھی یاد رکھیں جب ہم نے ان آیات ۲۴۳ اور ۲۴۶ کا جواب عرض کر دیں گے تو یہ آیات بھی ہماری دلیل بنتی ہیں نہ کہ فریق مخالف کی خوب یاد رکھیں اس کے علاوہ بھی ہم آٹھ آیات پیش خدمت کر رہے ہیں توجہ فرمائیں۔چنانچہ ❶ سورۃ البقرۃ : آیت ۲۵۸ : میں موجود ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ : ترجمہ : کیا آپ نے اس شخص کی طرف نہیں دیکھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جھگڑا کیا اس کے رب کے بارے میں۔اس آیت میں بھی "اَلَمْ تَرَ" کا جملہ موجود ہے۔اس سے بھی رؤیت قلبی مراد ہے۔اور وہ علم اور ادراک ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ دیا گیا جیسا کہ آئندہ آیات سے واضح ہے اور اس کی صراحت موجود ہے۔

❷ سورۃ آل عمران آیت : ۴۴: موجود ہے۔ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ترجمہ : یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم اس کو

آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب کہ وہ اپنے قلموں کو ڈالتے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب کہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے۔

(۳) سورۃ ہود آیت ۴۹ میں ہے کہ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ترجمہ: یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم وحی کے ذریعہ ان کو آپ تک پہنچاتے ہیں آپ ان کو نہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کے لوگ اس سے پہلے۔

(۴) سورۃ یوسف آیت ۱۰۲ میں ہے کہ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ترجمہ: یہ ہیں غیب کی خبریں ہم وحی کرتے ہیں اس کو آپ کی طرف اور نہیں تھے آپ ان کے پاس جب انہوں نے ٹھہرایا اپنے معاملے کو اور وہ تدبیر کر رہے تھے۔

(۵) سورۃ قصص آیت ۴۴ میں ہے کہ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ : ترجمہ: اور نہیں تھے آپ مغربی جانب جب کہ ہم نے فیصلہ کیا تھا موسیٰ علیہ السلام کی طرف معاملے کا اور نہیں تھے آپ دیکھنے والوں میں۔

(۶) سورۃ قصص آیت ۴۵ میں ہے کہ وَمَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ ترجمہ: اور نہیں تھے آپ ٹھہرنے والے مدین والوں کے درمیان۔ (۷) سورۃ قصص آیت ۴۶ میں ہے کہ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا ترجمہ: اور نہیں تھے آپ طور کے کنارے پر جب کہ ہم نے آواز دی تھی۔

نیز یہ بات بھی یاد رکھیں اگر "اَلَمْ تَرَ" سے آنحضرت ﷺ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام مثلاً حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مذکورہ بالا آیات سے آنحضرت ﷺ کے حاضر و ناظر اور موجود ہونے کا ثبوت کیوں نہیں ملتا؟ حالانکہ مذکورہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ بہت پہلے گزر رہا ہے اس سے تو قرآن کریم کی آیات میں تعارض آئے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہر قسم کے تعارض سے پاک ہے، تعارض پیش کرنا یہ کوئی دینی خدمت نہیں۔ مفتی احمد یار خان نے ان آیات سے گلو خلاصی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ "ان آیات میں فرمایا گیا کہ آپ بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے اسی جسد عنصری سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا کچھ اور" جاء الحق ص ۱۴۹ :۔ مگر یاد رکھیں کہ مفتی صاحب نے ان آیات میں بد دیانتی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے ان آیات میں یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ آپ بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے، جسم پاک اور جسد عنصری کے الفاظ قرآن کریم کی خالصتاً تحریف ہے۔ مگر حق بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت کا معنی اور مطلب اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ نہ تو آنحضرت ﷺ وہاں موجود تھے اور نہ آپ کو ان واقعات کا علم تھا اور نہ مشاہدہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ واقعات بتا دیئے تو آپ کو ان کا علم ہو گیا۔

جواب: (۳) سورۃ نوح آیت ۱۵ میں ہے کہ اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ترجمہ: اے انسانو! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے۔ اس آیت میں تمام انسانوں کو خواہ مؤمن ہوں یا کافر ہوں یا جس عمر کے بھی ہوں اللہ تعالیٰ نے "اَلَمْ تَرَوْا" سے خطاب کیا حالانکہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کئے تھے اس وقت تو انسانوں کا وجود بھی نہ تھا، نیز آسمان دنیا (اول) کے سوا آسمانوں کو ہر انسان نے کب دیکھا ہے؟ لیکن خطاب "اَلَمْ تَرَوْا" سے ہو رہا ہے۔ اور دوسرے مقام پر سورۃ الانعام آیت ۶ میں ہے کہ "اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ" کیا ان

لوگوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے قبل کتنی جماعتیں ہلاک کر دیں۔ اگر رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے تو ثابت ہوگا کہ کافر اور مشرک بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حاضر و ناظر تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر خطاب کیا ہے۔ مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ : حضور ﷺ نے نہ تو ظاہر میں دنیا کی سیاحت فرمائی اور نہ قوم عاد وغیرہ کے اجڑے ہوئے ملکوں کو بظاہر دیکھا۔ اس لئے ماننا ہوگا کہ یہاں نور نبوت سے دیکھنا مراد ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں آنحضرت ﷺ کے لئے نور نبوت سے دیکھنا مراد لینا بھی نصوص قطعیہ سے غلط ہے اس لئے کہ آیت کے مخاطب کفار ہیں جیسا کہ حضرات مفسرین نے تحریر کیا ہے نہ کہ آنحضرت ﷺ۔ اہل بدعت کے صوفی اللہ دتہ صاحب اپنی کتاب تنویر الخواطر : ص ۱۴۶ : میں لکھتے ہیں کہ اوپر جو آیتیں آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت سے قبل نفی حاضر و ناظر پر پیش کی گئی ہیں؟ یہ تو سب آیات عالم جسمانی کے پیش نظر ہیں اور عالم روحانی کی اعتبار سے آنحضرت ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھ جو بھی واقعات پیش آئے، آپ ان پر حاضر تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا ہے "لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا" اور آپ کو "كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا" بنا کر بھیجا۔ (محصلہ تنویر الخواطر)

جواب: جن آیات سے آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت سے قبل حاضر و ناظر کی نفی پر استدلال کیا گیا ہے وہ بالکل قطعی الدلالۃ ہیں جن سے آپ ﷺ کے سابقہ ادوار میں حاضر و ناظر ہونے کی نفی کا واضح ثبوت ہے باقی رہا صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ آپ جسمانی طور پر حاضر نہ تھے، روحانی طور پر تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعات آپ کے پیش نظر تھے اور ان پر حاضر تھے، خالص جھوٹ ہے اس پر کوئی ایک دلیل بھی موجود نہیں اگر ہے تو بقول احمد یار خان کے وہ آیت قطع الدلالت ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔ (جاء الحق : ص ۴۶ :) ان شاء اللہ قیامت کی صبح تک کوئی مائی کا لال ایسی دلیل ہمارے دلائل کے مقابلہ میں پیش نہیں کر سکتا۔ یقین جانئے نہ آپ ﷺ جسمانی طور پر اس وقت حاضر تھے نہ روحانی طور پر، اللہ تعالیٰ ان مضامین میں وحی سے پہلے آپ ﷺ سے علم کی نفی فرماتے ہیں اور علم و حضور کی نفی تب ہو سکتی ہے کہ آپ جسمانی اور روحانی کسی طرح سے وہاں حاضر و موجود نہ ہوں جو بالکل واضح ہے۔ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا اور دوسری آیت سے آنحضرت ﷺ کا سابقہ اقوام کے لئے بشیر نذیر ثابت کرنا یہ ایک آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے خالص دھوکہ ہے وہ اس لئے کہ جب آنحضرت ﷺ سابقہ سب امتوں کے لئے نبی اور رسول اور بشیر و نذیر ہیں تو پھر دیگر انبیاء کرام کو ان کی قوموں کی طرف بھیجنے کی کیا ضرورت تھی پھر قرآن کریم میں بار بار یہ کیوں آیا کہ انہوں نے انبیاء کی تکذیب کی جس کے نتیجہ میں ہلاک ہوئے یہ کیوں نہ ارشاد فرمایا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تکذیب کی جس کے نتیجہ میں تباہ و برباد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو جہاد سے بھاگتے تھے اور اپنے بادشاہ کو حیلے بہانے سے کہنے لگے وہاں تو وبا پھیلی ہوئی ہے۔ (محصلہ مظہری، ص ۳۴۳ ج ۱)

تفسیر ابن کثیر میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت جو چار ہزار افراد پر مشتمل تھی وہ کسی بستی میں آباد تھی وہاں طاعون پھیلا تو لوگ موت کے خوف سے اس بستی سے نکل گئے، اور ایک وسیع میدان میں دو پہاڑوں کے درمیان مقیم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے بھیج دیئے جو میدان کے دونوں کونوں پر آ کھڑے ہوئے اور ایسی آواز دی کہ سب لوگ یک دم مر گئے، ایک دفعہ حضرت حزقیل علیہ السلام کا اس مقام سے گزر ہوا تو جگہ جگہ ہڈیاں پڑی ہیں انسانی ڈھانچے بکھرے پڑے ہیں تو دیکھ کر بہت حیرت زدہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے پورا واقعہ بتا دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ (ابن کثیر: ص ۶۷ ج ۱)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ موت وحیات تقدیر الٰہی کے تابع ہے جنگ وجہاد میں جانا موت کا سبب نہیں اور بزدلی سے جان چرانا موت سے بچنے کا طریقہ نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھیں نبی کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے مردہ لوگوں کو زندہ کر دیا اس سے کوئی شرک لازم نہیں آیا تو اسی طرح اگر کسی ولی اللہ کی دعا سے اللہ تعالیٰ مردہ کو زندہ کر دے تو کیسے شرک لازم آتا ہے عقل سے کام لینا چاہیے۔

فائدہ: وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ ... الخ میں خاص حرم اور احرام میں قتال جائز ہونیکا شبہ رفع کرنا تھا اور "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ" میں قتال کی فرضیت بیان کرنا تھا اور یہاں پر تشجیع اور ہمت دلانا، بقرینہ سباق وسیاق مقصود ہے پس اس میں اور بقیہ مقامات میں فرق ظاہر ہے۔ (بیان القرآن، ص: ۱۴۵، ج۔۱)

﴿۲۴۴﴾ اقدام عمل برائے جہاد۔ گذشتہ آیت میں نبی اسرائیل کی داستان بطور تمہید کے ذکر کی گئی تھی، اس آیت میں جہاد وقتال کا حکم دیا گیا جو اس داستان کے ذکر سے اصل مقصود تھا کہ جہاد میں جانے کو موت یا بھاگنے کو حجاب نہ سمجھو بلکہ اصل میں کامیابی تعمیل احکام میں ہے۔

﴿۲۴۵﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ ... الخ جہاد کے لئے ترغیب انفاق: ربط آیات: اوپر قتال کا ذکر تھا اور قتال میں پیسے کی بھی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا یہاں سے جہاد کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم اور ترغیب ہے۔

قَرْضًا حَسَنًا: سوال: انفاق فی سبیل اللہ کو قرض حسنہ کے ساتھ تشبیہ کیوں دی گئی ہے؟ جواب: یہ ہے کہ تشبیہ من کل الوجوہ مساوات کو نہیں چاہتی مثلاً "زید کالاسد" میں زید کو اس کے ساتھ تشبیہ صرف ایک وصف میں ہے من کل الوجوہ نہیں تو یہاں تشبیہ اس لئے دی کہ جیسا کوئی کسی کو قرض دیتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے ملے گا اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کو دیتا ہے اس کو بھی یقینی طور پر ملے گا تو یہاں ملنے میں تشبیہ ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ قرض کے محتاج ہیں۔

داستان طالوت وجالوت

﴿۲۴۶﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ ... الخ ترغیب علی الجہاد مع بیان نمونہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد تک بنی اسرائیل صحیح رہے پھر جب ان کی نیت میں فساد آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک کافر بادشاہ جس کا نام جالوت تھا ان پر مسلط کر دیا اور یہ لوگ شہر سے بھاگ کر بیت المقدس میں جمع ہوئے۔ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ ... الخ بنی اسرائیل کا نبی سے مکالمہ: اس وقت حضرت شمویل یا اشمویل علیہ السلام پیغمبر تھے ان سے درخواست کی کہ ہم پر کوئی بادشاہ مقرر فرما دیں تا کہ ہم جہاد کریں۔ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ ... الخ جواب مکالمہ: تو اس نبی نے فرمایا کہ کیا یہ احتمال ہے اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے کہ تم اس وقت جہاد نہ کرو۔ "قَالُوْا وَمَا لَنَا ... الخ جواب قوم: وہ لوگ کہنے لگے ہمارے لئے کونسا ایسا سبب ہوگا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں، حالانکہ ہمارے لئے جہاد کا ایک محرک بھی موجود ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان کافروں کے ہاتھوں اپنی بستیوں اور فرزندوں سے بھی جدا کر دئے گئے ہیں یعنی انہوں نے ہماری بستیاں دبالیں اور ہماری اولاد کو قید کر لیا تھا۔ فَلَمَّا کُتِبَ ... الخ حکم جہاد: پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو باستثناء ایک قلیل جماعت کے باقی سب لوگ اس حکم سے پھر گئے۔

﴿۲۴۷﴾ مکالمہ پیغمبر برائے منتخب امیر: کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ یہ طالوت کون تھے؟ ❶ رنگریز۔ ❷ چرواہا۔ ❸ ساقی۔ یہ سب اقوال تفسیروں میں ملتے ہیں۔

قَالُوْا اَنّٰی یَکُوْنُ ... الخ جواب مکالمہ از قوم: بنی اسرائیل نے اس کی مالی کمزوری کو دیکھ کر کہا یہ بادشاہی کے لائق

نہیں۔ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ ...الخ جواب پیغمبر و منتخب امیر کے اوصاف:۔ ❶ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں ان کو منتخب فرمایا ہے۔ ❷ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بادشاہی کے لئے بڑی لیاقت عقل و فہم اور علم کی ضرورت ہے تاکہ ملکی انتظام پر قادر ہو، اور بدنی وسعت کی تاکہ موافق و مخالف کے قلب میں وقعت و ہیبت ہو۔ ❸ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں اپنا ملک جس کو چاہیں دیں ان سے کوئی سوال کا منصب نہیں رکھتا۔ ❹ "وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ" اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں ان کو مال دینا کیا مشکل ہے جس کے اعتبار سے تم کو شبہ ہے اور جاننے والے ہیں کہ کون لیاقت سلطنت رکھتا ہے۔

﴿۲۴۸﴾ طالوت کے منجانب اللہ بادشاہ اور امیر ہونے کی علامت: وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آرہا تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے تبرکات تھے اس کی برکت سے بنی اسرائیل میدان جنگ میں فتح پاتے تھے جب جالوت غالب آیا وہ صندوق بھی ساتھ لے گیا لیکن وہ صندوق ان کو راس نہ آیا جہاں رکھتے وبا پھیل جاتی تھی جس کی وجہ سے پانچ شہر ویران ہو گئے آخر انہوں نے لاچار ہو کر دو بیلوں پر رکھ کر ان کو ہانک دیا فرشتوں نے بیلوں کو طالوت کے دروازے پر صندوق کے ساتھ پہنچا دیا۔ بنی اسرائیل اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت پر یقین لائے۔

حکم تبرکات: حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن کے حاشیہ مسائل السلوک کے ذیل میں لکھتے ہیں "يَأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ" اس میں اصل ہے آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے کی۔ (بیان القرآن: ص: ۱۴۷، ج: ۱: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اس سے واضح ثابت ہوا کہ آثار صالحین سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔

یہاں اختصار کے پیش نظر چند ضروری باتیں برائے انتخاب امیر یاد رکھیں تفصیلاً ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا۔

مسلمانوں کے لیے مسائل برائے انتخاب امیر: مسلمانوں پر واجب ہے کہ جس شخص کو دینی اور دنیوی، سیاسی اور انتظامی امور میں ممتاز دیکھیں اس کو باہمی اتفاق سے اپنا امام اور خلیفہ مقرر کر لیں۔

اسلامی حکومت کی تعریف: جس کا نظام مملکت اسلامی شریعت کے ماتحت ہو اور اس کا دستور اور آئین شریعت اسلامی کے مطابق ہو، اور وہ حکومت اپنے آپ کو شریعت محمدیہ کا پابند سمجھتی ہو۔

اسلامی حکمران: جو اللہ تعالیٰ کو مالک حقیقی اور حاکم اصل جانے، مانے اور نائب رسول ہونے کی حیثیت سے شریعت اسلام کے مطابق ملک کا انتظام کرے۔

خلیفہ اور امیر کی شرائط ① : وہ مسلمان ہو۔ ② وہ عاقل بالغ ہو۔ ③ وہ شجاع، مدبر اور صاحب رائے ہو۔ ④ وہ مرد ہو عورت نہ ہو۔ ⑤ وہ عادل ہو۔ ⑥ وہ قریشی ہو۔ اگر ساری شرائط پائی جائیں اس شرط کے مفقود ہونے سے کوئی حرج نہیں۔ ⑦ وہ دین کا علم رکھتا ہو۔ ⑧ وہ خود متقی ہو۔ ⑨ سنت مشہورہ کے مطابق دین محمدی کو محفوظ رکھے جس پر سلف صالحین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ⑩ ہر قسم کے خلاف شرع امور کو مٹائے۔ تاکہ دین محمدی میں خلل پیدا نہ ہو۔ ⑪ ارکان اسلام شعائر دین کو قائم کرے۔ ⑫ علوم دینیہ کو زندہ رکھے اور اس کی اشاعت کے لئے ہر ممکن کوشش کرے۔ ⑬ عوام الناس کے نزاعی مسائل کے لئے قاضی مقرر کرے۔ ⑭ دارالاسلام کی تمام سرحدوں کی حفاظت کا بھرپور انتظام رکھے۔ ⑮ دشمنان اسلام سے جہاد کرے خواہ اقدامی ہو یا دفاعی۔ ⑯ جہاد کے لئے لشکر ترتیب دے اور ان کی ضروریات کے لئے وظائف مقرر کرے۔ ⑰ کفار سے جزیہ اور خراج وصول کرے۔

⑱ قاضی، مفتی، ائمہ مساجد، مدرسین کے خاطر خواہ وظائف مقرر کرے۔ ⑲ انتظامی امور کے لئے جن عمال کو مقرر کرے وہ غیر

خواہ اور عادل ہوں۔ ⑳ اپنی رعایا اور عمال کی نگرانی کرے تا کہ بددیانتی نہ ہو۔ ㉑ اسلامی حکومت میں کسی کافر کو کوئی عہدہ نہ دے اور نہ کفار سے مشورہ لے۔

طریقہ انتخاب امیر: اس کے تین طریقے ہیں۔ ❶ صاحب عقل، اہل حل وعقد مذکورہ بالا شرائط کے تحت باہمی اتفاق سے کسی کو امیر منتخب کریں تو اس کی اطاعت واجب ہے۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی خلافت کا انعقاد ہوا۔ ❷ یا امیر جس کی خیر خواہی مسلمانوں میں مسلم ہو وہ خود کسی اہل کو خلیفہ نامزد کر دے۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ ❸ یا امیر کسی ذمہ دار جماعت کو امارت اور خلافت سپرد کر دے کہ تم اپنی صوابدید سے امیر منتخب کر لو۔ جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے۔ اور اگر کوئی شخص غلبہ سے خلیفہ بن جائے تو امیر تو بن جائے گا مگر اصول ودستور کے خلاف ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ

جب طالوت اپنے لشکر کے ہمراہ باہر نکلے تو انہوں کہا بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں آزمانیوالا ہے ایک نہر سے پس جس نے نہر سے پانی پی لیا

فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّيْ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ

وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے اس سے نہ چکھا بیشک وہ میرا ہے ہاں جس نے ہاتھ سے پانی کا چلو بھر لیا وہ اس سے مستثنیٰ ہے پس لوگوں نے اس میں سے پی لیا

إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ

سوائے تھوڑے آدمیوں کے پھر جب طالوت اور اس کے ہمراہ اہل ایمان نہر سے پار ہوئے تو کہنے لگے کہ آج

بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ

جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی ہمیں طاقت نہیں ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین رکھتے تھے کہنے لگے کہ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعتیں

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ

بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں اللہ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۲۴۹﴾ اور جب جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے ہوئے

قَالُوْا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾

تو کہنے لگے اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر صبر ڈال دے اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافر قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما ﴿۲۵۰﴾

فَهَزَمُوْهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ

پس اہل ایمان نے ان (کافروں) کو شکست دی اللہ کے حکم سے اور قتل کیا حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو سلطنت اور حکمت دی اور جو

مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلٰكِنَّ

چاہا سکھایا اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ساتھ دفع نہ کرتا تو زمین خراب ہو جاتی مگر

اللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡھَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ

اللہ تعالیٰ جہان والوں پر فضل کرنے والا ہے ﴿۲۵۱﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ سناتے ہیں

وَاِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۲۵۲﴾

اور بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ہیں ﴿۲۵۲﴾

﴿۲۴۹﴾ فَلَمَّا فَصَلَ...الخ ربط آیات: اوپر حضرت طالوت کے جرنیل مقرر ہونے کا ذکر تھا، اب یہاں سے ان کے لشکر کا جہاد کے لئے نکلنے کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۳۳ روانگی لشکر، طالوت کا مطالبہ برائے امتحان لشکر، ناقص الایمان، کامل الایمان اکمل الایمان، مجاہدین کی دعا، مخالفین کی شکست، حکمت مشروعیت جہاد و مخالفین کی شکست، صداقت رسالت خاتم الانبیاء۔ ماخذ آیات ۲۴۹: تا ۲۵۳+

روانگی لشکر: فرمایا جب یہ لوگ جالوت کی فوج کے مقابلہ میں نکلے تو اس وقت ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ...الخ مکالمہ طالوت برائے امتحان لشکر: پھر طالوت نے ان کو آزمایا اور امتحان لیا کہ ایک منزل میں پانی نہ ملا اور دوسری منزل میں ایک نہر ملی جس کو دریا اردن کہتے ہیں حکم یہ دیا کہ صرف ایک چلو پانی پی سکتے ہو جس سے بظاہر لشکر کا امتحان مقصود تھا کہ کون امیر کی اطاعت کا جذبہ رکھتا ہے اور یہ فرمایا کہ جس نے زیادہ پانی پیا وہ ہمارے ساتھ نہ چلے چنانچہ جنہوں نے پانی زیادہ پیا تھا ان کی مزید پیاس بڑھی اور وہ آگے نہ چل سکے صرف تین سو تیرہ آدمی رہ گئے انہی میں سے حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے جنہوں نے راستہ سے تین پتھر اٹھا لئے تھے اور ان تینوں پتھروں کو فلاخن میں رکھ کر جالوت کی پیشانی پر مارا اور وہ پیچھے سے نکل گئے۔

اِلَّا مَنِ اغۡتَرَفَ...الخ کامل الایمان لوگوں کا ذکر: چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ان میں تین قسم کے لوگ تھے۔

❶ ناقص الایمان جو امتحان میں پورے نہ اترے۔ ❷ اور کامل الایمان جو امتحان میں پورے اترے مگر اپنی قلت کی فکر ہوئی۔

❸ اور اکمل جن کو یہ بھی فکر نہیں ہوئی۔ (بحوالہ بیان القرآن: ص: ۲۴۸: ج۔۱)

یاد رہے یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے اور اس لشکر میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بھائی بھی شامل تھے۔

﴿۲۵۰﴾ مجاہدین کی دعا۔ ﴿۲۵۱﴾ وَلَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ...الخ حکمت مشروعیت جہاد و مخالفین کی شکست: جالوت کا لشکر بھاگا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی پھر طالوت نے اپنی بیٹی کا رشتہ حضرت داؤد علیہ السلام سے کر دیا طالوت کے بعد یہ بادشاہ ہوئے۔

﴿۲۵۲﴾ صداقت رسالت خاتم الانبیاء: اس آیت سے واضح ثابت ہوا کہ آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔

بِالۡحَقِّ...الخ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہل کتاب نے ان واقعات کو بیان کرنے میں مبالغے سے کام لیا ہے اور کہیں من گھڑت قصے مشہور کر دیئے ہیں مگر قرآن کریم کی حقانیت و صداقت کہ ان واقعات کو درست بیان کیا ہے جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ

یہ سب رسول ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے بعض ان میں سے وہ ہیں کہ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور

بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ

بعض کے درجات بہت بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو واضح نشانیاں دیں اور ہم نے اس کی روح القدس کے ساتھ تائید کی۔

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ان نبیوں کے بعد آئے بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح باتیں آچکی تھیں لیکن

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ

انہوں نے اختلاف کیا اور بعض ان میں سے ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے کفر اختیار کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے لیکن

اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿۲۵۳﴾

تِلْكَ الرُّسُلُ... الخ "تلك" سے مرسلین کی جماعت کی طرف اشارہ ہے۔

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ : ہم نے مذکورہ بالا مرسلین کی جماعت میں سے ایک کو دوسرے پر برتری عطا فرمائی انبیاء علیہم السلام اگرچہ نفس نبوت ورسالت میں یکساں ہیں مگر مدارج اور مراتب میں ہر ایک دوسرے سے جدا جدا ہے بعض تو ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں کہ وہ طور پر کلام فرمایا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جن سے شب معراج میں بلا واسطہ کلام فرمایا۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ : بعض علماء کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ ان کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا اور مقام خلعت سے سرفراز فرمایا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے حضرت ادریس علیہ السلام مراد ہیں ارشاد خداوندی ہے "وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور شعبی رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ "بَعْضَهُمْ" سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایک درجہ میں نہیں بلکہ تمام درجات میں بلند وبالا مقام عطاء کیا ہے۔

درجات خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام کا امام وخطیب اور سردار بنایا۔ ② اور تمام امتوں کا شفاعت کرنے والا بنایا۔ ③ اور تمام نبیوں کا آخر اور خاتم بنایا۔ ④ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے افضل اور اکمل کتاب عطا کی۔ ⑤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو سب شریعتوں سے زیادہ جامع بنایا۔ ⑥ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزات عطا کئے۔ ⑦ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم جن وانس کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ ⑧ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے زیادہ ہوگی۔ ⑨ اور سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو لے کر پل صراط سے گزریں گے۔ اور سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو لے کر جنت میں داخل ہوں گے۔

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى... الخ اور ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کھلے معجزات عطاء فرمائے۔ (جن کی تفصیل سورۃ آل عمران میں آئے گی)۔

بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔۔۔الخ اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جوان کی مدد کرتے تھے۔ دراصل بنی اسرائیل نے اپنی خواہشات کو اسلام میں داخل کر کے اسلام کا نقشہ بگاڑ دیا تھا اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ جس طرح آج کل اہل بدعت نے دین کا نقشہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے بدعات ان کے نزدیک اسلام ہیں اور اہل سنت کی علامتیں ہیں۔ تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اصلاح شروع فرمائی تو مولوی پیر عوام سارے بگڑ گئے۔ جس طرح آج تم کسی مقام پر بدعت کی تردید کرو تو بھڑوں کی طرح سارے تمہیں چمٹ جائیں گے کیونکہ برادری اور قوموں کے اعتبار سے جو بدعات ہیں وہ ان کا دین بنا ہوا ہے آج تیجے، ساتویں، دسویں، عرس، میلاد کی تردید کرو تو نتیجہ تمہارے سامنے ہے کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں صرف وہ لوگ تمہارا ساتھ دیں گے جن کو رب تعالیٰ نے سمجھ عطا فرمائی ہے۔ یاد رکھنا بدعات دین کی مخالفت کا نام ہے۔ استاذ محترم امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ سو گناہ کبیرہ ایک طرف ہو توان کا گناہ ہلکا ہے اور ایک بدعت کا گناہ زیادہ ہے اس لئے گناہ جتنے بھی ہیں ان سے دین کا نقشہ نہیں بدلتا کیونکہ کوئی ان کو دین نہیں سمجھتا اور بدعت سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے اس لئے کہ بدعت کو دین سمجھ کر اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ (ذخیرہ، ج:۲، ص۔ ۲۹۴، ۲۹۳)

نیز بدعت اتنا گندہ فعل ہے کہ بدعتی نے جو بدعت نکالی ہے اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین نازل فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کی تشریح وتوضیح بیان فرمائی ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کر کے دکھایا ہے اس کو اس پر اعتماد نہیں اور نہ اس دین کو فقہاء کرام نے سمجھا ہے نعوذ باللہ کیا یہ بدعتی شخص اللہ اور اس کے رسول اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ عقلمند ہے؟ ایک چیز کو اپنی طرف سے گھڑ کر اس کو دین خداوندی کہنا اللہ تعالیٰ پر بہتان عظیم ہے۔ اور رسالت محمدی میں چور دروازہ نکالنے کے مترادف ہے اللہ پاک سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (بدعت کی تعریف وتوضیح اسی سورت کی آیت ۲۰۸ میں دیکھیں)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔۔۔الخ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا (توسب لوگوں کو دین حق پر متفق کر دیتا) پیغمبروں کے بعد لوگ باہم نہ لڑتے کھلے ہوئے معجزات آنے کے بعد لیکن لوگ کفر واسلام اور ہدایت وگمراہی میں مختلف ہو گئے بعض ان میں سے ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور بعضوں نے کفر اختیار کیا نتیجہ قتل وقتال اور جدال تک پہنچا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔۔۔الخ اس جملہ کا دوبارہ ذکر اول جملہ کی تاکید کے لئے ہے۔ (مظہری، ص:۳۵۵، ج۔۱)

علامہ ابوسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تاکید کے لئے نہیں بلکہ اس تنبیہ کے لئے مکرر لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں کا باہمی اختلاف اور قتل وقتال سب مشیت الٰہی سے ہے۔ (تفسیر ابوسعود، ص:۲۸۶، ج۔۱)

سوال: جب سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے پھر توان کے باہم قتال کرنے میں ان کا کوئی قصور نہ ہوا؟ جواب: ایک مشیت ہے اور ایک رضا ہے رب کی رضا باہمی قتال نہیں ہے بلکہ رضا اتفاق واتحاد ہے تو اپنے اختیار سے مشیت کو اختیار کیا ہے لہٰذا قصور وار ٹھہرے۔

اللہ حلول سے پاک ذات ہے

اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا، جیسے دو چیزیں مل کر ایک ہو جاتی ہیں، جیسے برف پانی میں گھل کر ایک ہو جاتی ہے۔ نہ ہی اللہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے۔ حلول کا معنیٰ ہے، ایک چیز کا دوسری چیز میں سما جانا، پیوست ہو جانا، ایک چیز کا دوسری چیز میں حل ہو جانا، جیسے کپڑے میں کوئی رنگ حلول کرتا ہے یعنی پیوست ہوتا ہے، اور حل ہو جاتا ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا تھا، ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان، حیوان، درخت اور پتھر میں حلول کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (شوریٰ :۱۱) ترجمہ : ”اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ ہر بات سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ (الانعام :۱۰۰) ترجمہ: ”وہ ان سب باتوں سے پاک اور بالاتر ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔“

الوہیتِ عیسیٰ کے مہمل عقیدہ کا بطلان: حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا عقیدہ ایسا مہمل اور باطل ہے کہ کوئی عقلمند انسان اسے تسلیم نہیں کرسکتا، ہم دنیائے عیسائیت اہلِ مغرب کی عقل پر حیران ہیں کہ سب کے سب ایسی موٹی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں کہ اوروں پر کیسے کیسے خفیف اعتراض کرتے ہیں جن کی جواب دہی کے لیے عقلاء کو تامل کی حاجت نہیں اور بذاتِ خود ایسے ایسے اعتراض سر پر لیے بیٹھے ہیں جن کا جواب قیامت تک نہیں آسکتا۔ افسوس ہزار افسوس! وہ خدائے کریم جو ہر طرح سے مقدس اور ہر وجہ سے بے نیاز اور تمام عیوب اور جملہ نقصانات سے پاک ہے اس کو تو اس پیرایا میں کہ عیسیٰ، مسیح بن کر مجسم ہوا اور زمین پر آیا اور کھانے پینے، بول و براز، بھوک پیاس، خوشی غمی وغیرہ حوائج انسانی میں مبتلا ہوا، کہیں سولی پر چڑھا، کہیں یہودیوں کے ہاتھ میں مقید ہو کر ایلی ایلی پکارا، کہیں معذب وملعون ہو کر اوروں کے لیے کفارہ بنا، کیا کیا کچھ برا بھلا کہہ لیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص پادری صاحب کو چمار کہہ دے تو ابھی مرنے مارنے پر تیار ہو جائیں، یہ کیسا ظلمِ صریح ہے کہ اپنے آپ کو ذرا بھی کوئی برا کہہ دے تو پھر خیر نہیں اور خداوندِ قدوس کو جو چاہے کہہ لیں، چمار اور پادری صاحب میں کیا فرق ہے؟ وہ چمار مخلوق اور خدا کا محتاج تو پادری صاحب بھی مخلوق اور خدا کے محتاج، پادری صاحب انسان تو چمار بھی انسان، پادری صاحب کی دو آنکھیں تو چمار کی بھی دو آنکھیں، پادری صاحب کی ایک ناک اور دو کان تو اس کی بھی ایک ناک اور دو کان، ان کے دو ہاتھ تو اس کے بھی دو ہاتھ، چمار کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے تو پادری صاحب بھی اس میں مبتلا، چمار کو بول و براز کی حاجت ہے تو پادری صاحب کو بھی یہ حاجت ستاتی ہے۔ غرض ذاتی باتوں میں کچھ فرق نہیں دونوں یکساں ہیں اگر فرق ہے تو دولت، حشمت وغیرہ خارجی باتوں میں فرق ہے، اس اتحاد پر بھی تو پادری صاحب کو یہ نخوت ہے کہ چمار صاحب کہہ دیجئے تو تھامے نہ تھمے اور خدا تعالیٰ کو بشر کے ساتھ کچھ اتحاد نہیں، بشر کو خدا کے ساتھ کچھ نسبت نہیں، اس کا وجود بذاتِ خود بخود اور بشر کا وجود اس سے مستعار، وہ خدا یہ بندہ، اس پر خدا کو بشر کہے جائیں اور ہرگز نہ شرمائیں، افسوس کہ ظلمِ صریح کرتے ہیں اور ہرگز نہیں ڈرتے۔ حیرت ہے اہل مغرب کی عقل پر کہ اجتماع نقیضین اور اجتماع ضدین (دو متضاد چیزوں کا بیک وقت ایک میں جمع ہونا) کے اصول کے بارے میں جس کے باطل ہونے پر دنیائے انسانیت متفق ہے، یہ اس اصول کے صحیح ہونے کو اپنے اس عقیدے (حلول کے عقیدے) کی آڑ میں مان چکے ہیں، گویا ان کے ہاں ایک شے نور بھی ہے ظلمت بھی ہے، گرمی بھی ہے سردی بھی ہے، موت بھی ہے حیات بھی ہے اور وجود بھی عدم بھی ہے۔

خاندان سے پاک :اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں، نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے۔ نہ ہی اس کے بیوی، بچے اور خاندان ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱) ج اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲) ج لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ (الاخلاص) ترجمہ : ”کہہ دو : کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔“

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ط وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (الانعام :۱۰۱) ترجمہ : ”اور اس کی کوئی بیوی نہیں اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔“

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

اے ایمان والواس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو رزق دیا ہے۔اس سے پیشتر کہ وہ دن آجائے جس میں خرید وفروخت نہیں ہوگی

وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٥٤﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

اور نہ دوستی ہوگی اور نہ سفارش ہوگی۔ اور جو لوگ کفر کرنے والے ہیں وہی بڑے ظالم ہیں ﴿۲۵۴﴾ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی ہے

اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِـنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے نہیں پکڑتی اس کو اونگھ اور نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ

کون ہے جو اس کے سامنے سفارش کر سکے بغیر اس کی اجازت کے جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ

اور نہیں احاطہ کرتے کسی چیز کا اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے وسیع ہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمین سے

وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿٢٥٥﴾ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ

اور نہیں تھکاتی اس کو حفاظت ان کی اور وہ بلند تر اور عظمت والا ہے ﴿۲۵۵﴾ دین کے معاملے میں زبردستی نہیں تحقیق

الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے پس جو شخص طاغوت کے ساتھ کفر کرے گا اور اللہ پر ایمان لائے گا پس اس نے مضبوط

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کڑا پکڑ لیا ہے۔ جس کے لیے ٹوٹنا نہیں اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے جانتا ہے ﴿۲۵۶﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا کارساز ہے جو ایمان لائے

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ

ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کو اختیار کیا ان کے دوست اور ساتھی طاغوت ہیں

يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾ ع ۳۴ ۲

وہ ان کو روشنیوں سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں یہی لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ اس کے اندر ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۵۷﴾

﴿۲۵۴﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ۔۔۔الخ ربط آیات: اوپر "مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" میں انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر تھا اب یہاں سے بھی انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب کا بیان ہے۔

خلاصہ رکوع ۳۴: فرائض خلیفہ، ترغیب انفاق فی سبیل اللہ، دین اسلام میں جبر کی ممانعت، اہل ایمان کی مدح اور کفار کی

مذمت۔ ماخذ آیات ۲۵۴: تا ۲۵۷+

فرائض خلیفہ :حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت اور آئندہ آیت میں فرائض خلیفہ کا ذکر ہے خلیفہ کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ حفاظت توحید میں اپنی اور اپنے متبعین کی جان اور مال خرچ کردے۔

ترغیب انفاق فی سبیل اللہ :عام مفسرین انفاق سے مراد مال لیتے ہیں مگر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس انفاق میں علم، قوت، اصابت رائے وغیرہ سب شامل ہیں۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت میں ہے "وَلَا خُلَّةٌ" وہاں پر عام دوستی بھی کام نہیں آئے گی مگر وہ دوستی جس کی بنیاد نیکی اور تقویٰ پر ہوگی وہ فائدہ دے گی۔ وَلَا شَفَاعَةٌ :سفارش اس کی قبول کی جائے گی جس کو اللہ تعالیٰ اجازت عطا فرمائیں گے اور وہ بھی صرف اہل ایمان کیلئے ہوگی۔

اثبات توحید و کمال صفات

﴿۲۵۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ... الخ ربط آیات :اوپر جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر تھا اس آیت میں ایمان اور توحید کا ذکر ہے ان دونوں باتوں کا آپس میں ربط یہ ہے کہ جہاد میں جان اور مال کھپانے کا ذکر ہو چکا ہے مگر ان دونوں چیزوں کی قربانی اس وقت قبول ہوگی جب ایمان صحیح ہو اور انسان کا عقیدہ توحید پر ہو۔ اعمال کا دارومدار عقیدہ پر ہے اگر عقیدہ درست نہیں ہوگا تو کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں ہوگا۔ اس لئے اس آیت میں توحید اور اس کے دلائل مذکور ہیں۔ اور اس آیت کو آیۃ الکرسی کہتے ہیں کیونکہ اس میں کرسی کا ذکر ہے۔

فضیلت آیت الکرسی :حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا سب سے بڑی آیت کونسی ہے؟ تو انہوں نے بڑے ادب سے عرض کیا: "اللہ ورسولہ اعلم" یعنی اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ قرآن کریم میں بہتر آیت کونسی ہے؟ پھر انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، پھر آپ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مار کر وہی سوال کیا تو انہوں نے عرض کیا قرآن کریم میں سب سے بڑی آیت آیت الکرسی ہے۔ یہ اعزاز الفاظ یا کلمات کے اعتبار سے نہیں بلکہ فضیلت کے اعتبار سے ہے۔ ایک حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس گھر میں آیت الکرسی پڑھی جائے وہاں شیطان نہیں ٹھہر سکتا بلکہ وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔ صحیحین میں صدقۃ الفطر کے اناج کی حفاظت والی حدیث مشہور ہے۔

اَلْقَيُّوْمُ :یعنی خود قائم ہے اور کائنات کی باقی چیزوں کو قائم رکھنے والا ہے وہ عالم بالا سے لے کر ذرہ ذرہ تک کا محافظ اور نگران ہے وہی پیدا کرنے والا ہے وہی جتنا عرصہ چاہے قائم رکھنے والا ہے اور پھر وہی فنا کرنے والا ہے۔ اس میں عیسائیوں کے عقیدے کا بھی رد ہے کہ انہوں نے تثلیث کا عقیدہ بنایا ہوا ہے کہ باپ بیٹا اور روح القدس تین خدا ہیں۔ اور ہندوؤں کے باطل عقیدے کا بھی رد ہے وہ کہتے ہیں کہ پیدا کرنے والا "برہما" ہے۔ تھامنے والا "وشنو" ہے۔ اور فنا کرنے والا "شیوا جی مہاراج" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا :الحی القیوم۔ پیدا بھی وہی کرتا ہے پرورش بھی وہی کرتا ہے قائم بھی وہی رکھتا ہے اور فنا بھی وہی کرتا ہے اس کے علاوہ جتنے بھی عقیدے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ اس میں دہریوں کا بھی رد ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ دنیا کا نظام خود بخود چل رہا ہے۔

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ... الخ :نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اور یہ سب غفلت کی علامتیں ہیں اور نیند اس کو آتی ہے جس کو تھکاوٹ ہو جائے اور آرام کی ضرورت ہو اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ:

میں جبری اور قہری سفارش کی نفی ہے جس میں اہل باطل کے غلط اور مشرکانہ عقائد کی واضح تردید ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ : علم غیب خاصہ خداوندی ہے :دنیا و آخرت کے تمام امور کو وہی جانتا ہے کوئی ذرہ بھر بھی اس سے غائب نہیں۔ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ :اور اہل علم اللہ کے علم کے کسی حصہ کا احاطہ نہیں کر سکتے یعنی اللہ کی معلومات کے کسی حصہ کو پورے طور پر نہیں جان سکتے اللہ کو ہر چیز معلوم ہے پھر مِّنْ عِلْمِهٖٓ کی قید لگانے سے اس بات پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ کوئی علمی احاطہ نہیں کر سکتا احاطہ علمی کی نفی سے مراد ہے ایسے علم کامل کی نفی جو تمام اشیاء کی حقیقت کو محیط ہو یا علم سے مراد وہ علم غیب ہے جو اللہ کے لئے مخصوص ہے یعنی اللہ کے علم غیب کے کسی حصہ کو کوئی احاطہ کے ساتھ نہیں جانتا۔

اِلَّا بِمَا شَآءَ : ہاں جس چیز کا علم اللہ تعالیٰ دینا چاہے تو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کا علم محیط ہوتا ہے اور ایسا کم ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا" "وَلَا يُحِيْطُوْنَ" میں واو حالیہ ہے اور "يَعْلَمُ" کی ضمیر فاعل ذوالحال ہے یا واو عاطفہ ہے دونوں جملوں کا مجموعہ بتا رہا ہے کہ محیط کل اور ہمہ گیر علم ذاتی اللہ کی خصوصیت ہے اور یہ اللہ کی وحدانیت کا ثبوت ہے اس لئے دونوں جملوں کے درمیان حرف عطف کو ذکر کیا۔ (مظہری: ص:۵۸ سوج۔۱)

اہل بدعت کا علم غیب پر استدلال اور اس کا جواب

اہل بدعت اس آیت سے آپ ﷺ کے لئے علم غیب کلی کو یوں ثابت کرتے ہیں کہ "ما"، عموم کے لئے ہے لہٰذا آپ تمام اشیاء کا علم جانتے ہیں۔ تو اس کا جواب "وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ" آیت:۱۵۱: کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ البتہ ایک بات یاد رکھیں کہ علامہ سید جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موصولات کی وضع جنس کے لئے ہے جو کہ دونوں احتمال رکھتے ہیں عموم کا بھی اور خصوص کا بھی یہاں واضح معلوم ہوتا ہے کہ "ما" خصوص کے لئے ہے چونکہ اس کے اوپر قرینہ موجود ہے "يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ" میں "ما" خصوص کے لئے ہے کہ دنیا و آخرت کے تمام امور کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ البتہ ضرورت کے تحت علوم غیب کی خبر انبیاء علیہم السلام کو بھی وحی کے ذریعہ کرتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ اس عموم کے خلاف نہیں ہے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ :عرش اور کرسی کا ذکر قرآن کریم میں جگہ جگہ موجود ہے مگر اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے ہمارے لئے صرف اس پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ساتوں زمین اور آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کسی بہت بڑے میدان میں کڑا سا ہو، اسی طرح عرش کے مقابلے میں کرسی کی ایسی ہی نسبت ہے عرش اتنا بڑا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو عرش عظیم فرمایا ہے۔ (ابن کثیر: ص:۸۶ سوج:۱، روح المعانی: ص:۱۵: ج۔۳)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کرسی سے مراد علم اور قدرت ہے جو کہ ہر چیز پر وسیع ہے۔ (معالم العرفان: ج:۳ ص ۵۰۷:)

﴿۲۵۶﴾ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ نالع دین اسلام میں جبر کی ممانعت :اس آیت کی تفسیر میں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں جبر نیست برائے دین یعنی دین اسلام میں داخلے کے لئے کسی شخص پر جبر روا نہیں ہے تاہم قیام عدل وغیرہ کے لئے یہ بغیر جبر کے نہیں ہو سکتے اور یہ جبر جائز اور ضروری ہے البتہ کسی غیر مسلم کو طاقت کے ذریعہ اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے یہ اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ یا اس کو یوں تعبیر کیا جائے کہ اصول دین کے قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں ہے مگر جب کوئی قبول کر چکا ہے تو اب احکام کی تعمیل میں اس کو آزاد نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ جس پابندی کو اس نے باختیار قبول کیا ہے اس کو اس پر لاگو کیا

جائے گا اور اس سے پابندی کا مطالبہ ضروری کیا جائے گا اور یہ چیز ناجائز نہیں بلکہ نظم کو مستحکم کرنے کے لیے ضروری ہے اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے حکومت کی ملازمت قبول کرنا ضروری نہیں ہے مگر جب قبول کر لی ہے تو ڈیوٹی دینا ضروری ہے ورنہ قوانین کی خلاف ورزی کی بنا پر ایسا شخص سزا کا مستحق ہوگا۔

شانِ نزول : آنحضرت ﷺ کے ورود مدینہ پاک کے وقت مدینہ طیبہ میں دو قسم کے لوگ آباد تھے ایک یہودی جو عام طور پر پڑھے لکھے اور مالدار لوگ تھے، دوسرے عرب جو عام طور پر ان پڑھ اور غریب لوگ تھے، اسلام لانے کے بعد بھی لوگ انصار مدینہ کہلائے یہ لوگ اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت کے لئے یہودیوں کے پاس چھوڑ دیتے تھے۔ اور بعض مفسرین نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انصار میں سے جس عورت کا بچہ مرجاتا تھا تو وہ نذر مان لیتی تھی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو میں اسے یہودی بنا دوں گی (العیاذ باللہ) جب یہود کا قبیلہ بنو نضیر مدینہ منورہ سے نکالا گیا تو ان میں انصار کے قبیلوں کے لڑکے بھی تھے جو دین یہود پر قائم تھے تو ان لڑکوں کے خاندان والوں نے کہا کہ ہم ان کو نہیں جانے دیں گے تو اس پر رب ذوالجلال نے یہ آیت کریمہ "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" نازل فرمائی۔ (معالم التنزیل : ص : ۱۸۵ ج ۔۱)

بِالطَّاغُوْتِ : قرآن کریم میں طاغوت کا لفظ آٹھ مرتبہ استعمال ہوا ہے یہ لفظ "طغیان" اور "طغو" کے مادہ سے ہے جسے سرکشی پر محمول کرتے ہیں عام طور پر اس کا ترجمہ شیطان کیا جاتا ہے یا بت سے کیا جاتا ہے حضرت امام جعفر صادقؒ نے اس کی جامع مانع تعریف فرمائی ہے "كُلُّ مَا يُشْغِلُكَ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوْتٌ" جو کوئی چیز تمہیں حق سے مشغول کرنے والی ہے وہ تمہارے لئے طاغوت ہے گویا حق سے ہٹانے والا شیطان ہو یا انسان ہو مال ہو یا اولاد سب طاغوت کی تعریف میں آئیں گے، باطل راستے پر چلانے والے ماں باپ اور غلط طرف لے جانے والے پیر بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں الغرض جو بھی حق سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا وہ اس کے لئے طاغوت ہے۔ تفسیر جلالین میں ہے "طاغوت جنس ہے "وھو یطلق علی المفرد والجمع"۔

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے حاضر دماغی کے دو عجیب قصے

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے چٹ پکڑا دی کہ تم تو کافر ہو حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ بڑے ذہین اور حاضر جواب تھے گوجرانوالہ میں ایک علاقہ ہے جبین والی کھوہی وہیں جلسہ تھا بہت بڑا مجمع تھا اس مجمع میں حضرت نے جنت کی خوبیاں بیان فرمائیں کس نے کہا کہ جنت میں حقہ بھی ملے گا؟ حضرت شاہ جیؒ نے فرمایا کہ ہاں حقہ تو ملے گا لیکن آگ لینے کے لئے دوزخ میں جانا پڑے گا تو حضرت نے رقعہ پڑھ کر سنایا اور فرمایا میں کافر ہوں کافر ہوں اور مجھے اپنے کفر پر فخر ہے۔ استاذ محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا اس وقت طالب علمی کا زمانہ تھا بہت ہی غصہ آیا کہ رقعہ والے نے بھی کہا ہے کہ تم کافر ہو اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ ہاں میں کافر ہوں اور مجھے اپنے کفر پر فخر ہے پھر حضرت نے "اعوذ باللہ" پڑھا اور قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور قرآن شریف پڑھنے کا انداز حضرت کا نرالا ہوتا تھا جی چاہتا تھا کہ حضرت شاہ صاحب پڑھتے رہیں اور آدمی سنتا رہے تو حضرت نے آیت پڑھی "فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ" فرمایا میں کافر ہوں مگر طاغوت کا کافر ہوں اللہ کا کافر نہیں ہوں اور میرے ہاتھ میں مضبوط دستہ ہے۔ (ذخیرہ ج : ۲، ص ۔ ۳۰)

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى : "عروۃ" کا معنی کڑا اور "وثقی" کا معنی مضبوط، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک اونچے ستون پر چڑھ گئے ہیں اس کے آخری سرے پر ایک کڑا لگا ہوا تھا جسے آپ نے مضبوطی سے پکڑ لیا تھا صبح اٹھے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب بیان کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ "ان تموت علی الاسلام"۔

تمہاری موت اسلام پر آئے گی یعنی مرتے دم تک تم اسلام کا دامن پکڑے رکھو گے۔ (محصلہ تفسیر ابن کثیر، ص ۳۸۹ ج۔۱)

لَاانْفِصَامَ لَهَا : کا یہی مطلب ہے کہ وہ مضبوط کڑا ہے جو چھوٹ تو سکتا ہے مثلاً آدمی گمراہ ہو جائے اور اسلام کا دامن چھوڑ دے مگر یہ حلقہ ٹوٹ نہیں سکتا اس کو تھامنے والا آدمی محفوظ ہو جاتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا اصلی مرکزی نقطہ نہ صرف اصلاح معاشرہ ہے بلکہ مخلوق کا خالق سے ٹھیک ٹھاک رابطہ پیدا کرنا ہے تاکہ انسانی نظریات اور اخلاق واعمال میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کی اصلاح کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی وہ مرضیات بتلائی جائیں جن کے ادراک سے انسانی عقلیں قاصر ہیں، اسی طرح توحید، صفات باری، جنت ودوزخ، برزخ کے احوال، ملائکہ کا وجود یا مرنے کے بعد کی زندگی، حساب وکتاب وغیرہ وغیرہ وہ دینی حقائق جن کے فہم وادراک سے تمام عقلیں قاصر ہیں ان کا بتلانا اور ان تمام غیبی حقائق پر یقین پیدا کرنا ان سب کا منصب ہے، غرض جو خرابیاں اعتقاد وعمل، اخلاق وکردار میں پیدا ہوتی ہیں انبیاء کرام علیہم السلام ان کی اصلاح کرتے ہیں ان خرابیوں اور بے اعتدالیوں میں سے کسی کا نام شرک ہے اور کسی کا کفر کسی کا نام فسق ہے اور کسی کا ظلم وغیرہ وغیرہ، ان تمام مراحل کو طے کرنا اور اس اصلاح کے راستے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان سے عہدہ برآ ہونا ہے۔

اور بسا اوقات جب معاملہ حد سے گزر جائے اور اصلاح کے تمام راستے بند ہو جائیں تو تلوار اٹھانے کی ضرورت پڑتی ہے اور جہاد وقتال کی نوبت آجاتی ہے۔ اگر انبیاء کرام کفر کو برداشت کریں اور کوئی اصلاحی قدم نہ اٹھائیں اور لوگوں کو اپنی اپنی حالت پر چھوڑ دیں اور عملی جدوجہد شرک وکفر کے مٹانے کے لیے نہ کریں تو بعثت نبوت کا تمام نظام بیکار ہو جاتا ہے اور معاذ اللہ محض تماشہ سے زیادہ اس کی حیثیت نہ ہوگی کامیابی وناکامی تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، نتائج ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، مسئولیت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تمام آسمانی ہدایات پر عمل کرنے کا جیسے حکم ہے اس کی تعمیل ہوگی، الغرض ایمان اور ایمانی حقائق کو واشگاف بیان کرنا، کفر وشرک کی باتوں کو واضح کرنا اور عملی جدوجہد کے تمام مراحل سے گزرنا انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ناگزیر ہے، اگر دعوت وتبلیغ کے کسی مرحلہ پر :"لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔" کسی کو دین (پر لانے کے معاملہ) میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت (اور) گمراہی (ایک دوسرے) سے الگ الگ واضح ہو چکی ہے (اس کے بعد بھی جو گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت پر نہیں آتا، نہ آئے جہنم میں جائے) البقرہ ۲۵۶ :) کا اعلان ہوتا ہے، تو کسی مرحلے پر جا کر "مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ۔ کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس (کافر) قیدی ہوں (اور وہ ان کو رہا کر دے) یہاں تک زمین میں خونریزی نہ کرلے۔ (الانفال ۔۶۷)

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً (التوبہ ۔ ۱۲۳) اور لڑو ان کافروں سے جو تمہارے قریب (آباد) ہیں اور انہیں تم میں سختی محسوس کرنی چاہیے۔

اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (التوبہ ۔ ۷۳) اے نبی ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور (ان سے ذرا نرمی نہ کیجئے بلکہ) ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (التوبہ ۔ ۶۶) آپ کہہ دیجئے بہانے نہ بناؤ

اس میں ذرا شک نہیں کہ تم نے (دعوی) ایمان کے بعد (بھی) کفر کا ارتکاب کیا ہے۔

اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے : فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ (النساء۔ ۸۸) (اے) مسلمانو! تمہیں کیا ہوا کہ تم منافقوں کے بارے میں اختلاف کرنے لگے (کہ تم میں سے بعض ان کو مسلمان کہتے ہیں) باوجود یہ کہ اللہ نے ان کو بدعملی کے سبب الٹے پاؤں پھیر دیا، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے گمراہ کر دیا اسے بھی ہدایت یافتہ قرار دو؟)

بہر حال کفر و شرک کو مٹانا اور توحید کے جھنڈے گاڑنا ان کا سب سے پہلا کام ہوتا ہے، دینی نظام کے مختلف ادوار میں انبیاء کرام کے ساتھ ملوک وسلاطین کا نظام بھی قائم کیا گیا اور انبیاء کی رہنمائی میں کام کرنے کا حکم دیا گیا، خاتم الانبیاء حضرت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو تمام انبیاء سابقین وملوک صالحین وعادلین کے کمالات کا وارث بنایا گیا اور ایسی جامعیت عطا فرمائی گئی کہ تمام مناصب اصلاح خواہ دعوت و تبلیغ کے ہوں یا جہاد و قتال کے یا نظم مملکت کے، آپ ﷺ کی ذات بابرکات میں جمع کر دیے گئے تھے، بیک وقت آپ ﷺ داعی الی اللہ بھی تھے اور حاکم اعلیٰ بھی اور قائد جیوش بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کی صفات کمال کے صحیح جانشین تھے جس طرح انبیاء کا منصب تھا کہ توحید کی علمبرداری کریں، دنیا سے کفر و شرک کو مٹائیں اور دعوت الی اللہ کے لیے جدوجہد کریں، ٹھیک اسی طرح علوم نبوت کے وارثین کا فرض منصبی ہے کہ ایمان و کفر کی تمیز کرائیں اور ایک دوسرے کی حدود کو متعین کریں جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا گناہ عظیم ہے، ٹھیک اسی طرح کسی کافر کو مسلمان کہنا بھی بڑا عظیم جرم ہے۔ اگر علماء امت اس فریضہ میں کوتاہی کریں تو ادائے فرض کی کوتاہی میں عند اللہ مجرم ہوں گے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی علم صحیح کی روشنی میں نیک نیتی سے ہو، جذبات سے بالاتر ہو۔

استخراج مسائل :

حکمرانوں اور علماء کا فرضِ منصبی : حدود اسلام کی حفاظت اور پاسبانی یہ علماء امت کا فرض منصبی ہے جس کے بہر حال مکلف ہیں، اگر اسلامی حکمرانوں کا فرض منصبی ہے کہ وہ مملکت اسلامیہ کے جغرافیائی حدود کی حفاظت کریں تو علماء امت کا فریضہ ہے کہ وہ حدود دینِ اسلام کی حفاظت کی تدابیر سر انجام دیں اور اگر غور کیا جائے تو دین اسلام کی حدود کی حفاظت مملکت اسلامی کی حفاظت سے بھی زیادہ اہم ہے، اب اگر مملکت اسلامی کے چپہ چپہ کی پاسبانی ضروری ہے تو اس سے زیادہ اسلامی قوانین اور احکام کی پاسبانی بلکہ ہر ہر حکم و قانون کی پاسبانی ضروری ہے اور اسلامی مملکت بھی صحیح معنی میں وہی ہو سکتی ہے جو دین اسلام کی محافظ ہو اور جس میں احکام اسلام کی تنفیذ و تحفظ کی ضمانت ہو، ظاہر ہے کہ مملکت خداداد پاکستان اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور پاسبانی کے لیے وجود میں آئی ہے، تمام تر کوشش اسی لیے قوانین کی حفاظت نہ ہو تو اس اسلامی حکومت کو اسلامی کہنا بے معنی ہو جاتا ہے۔

ہر مملکت کی نوعیت اس کے دستور اور اس کے قوانین سے پہچانی جاتی ہے، جس طرح کیمونسٹ حکومت کا نظام اس کے دستور سے معلوم ہوگا اور جمہوری مملکت اس کے آئین سے معلوم ہوگی اس طرح ایک اسلامی مملکت کی شناخت کی علامت اسلامی دستور ہے، اگر کسی اسلامی مملکت میں "غیر اسلامی اقلیت" موجود ہے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ان کو غیر مسلم کہنا جرم ہوگا، کوئی غیر مسلم صرف اسلامی مملکت میں رہنے سے تو مسلمان نہیں بنے گا، کافر کافر رہے گا اور مسلمان مسلمان، اگر کافر موجود ہے تو اس کو کافر کہنا پڑے گا اگر کوئی شخص اسلامی قوانین میں سے کسی بھی قانون کا انکار کرے گا تو وہ یقیناً کافر اور غیر مسلم قرار دیا جائے گا۔ اسلام کا تعلق نہ تو جغرافیائی حد بندی سے ہے نہ رنگ ونسل سے ہے نہ وطن سے ہے بلکہ دین محمدی کی ایک ایک بات کو ماننے اور بغیر ہیر پھیر کے اس پر ایمان

لانے اور یقین کرنے سے ہے، اس یقین کے قرار کرنے کے لیے عنوان ہے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" امید ہے کہ اہل انصاف کے لیے یہ چند ارشارات کافی ہوں گے حق تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔

﴿۲۵۷﴾ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ الخ اہل ایمان کی مدح اور کفار کی مذمت۔

["ظلمات" کو جمع اور "نور" کو مفرد کیوں لائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باطل کے طرق کثیر ہیں اور ایمان حق شیٔ واحد ہے اس وجہ سے "ظلمات" کو جمع اور "نور" کو مفرد لائے ہیں۔ (ابن کثیر: ص ۴۹۰، ج ۱، روح المعانی: ص ۲۱، ج ۳، ابو سعود: ص ۲۹۸، ج ۱)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو کس طرح اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنا نبی اور کتاب بھیجتا ہے جن کے ذریعہ اہل ایمان کے دلوں کو منور کرتا ہے۔ (محصلہ تفسیر کبیر: ص ۱۸، ج ۳)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

کیا آپ نے اس طرف نہیں دیکھا جس نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ جھگڑا کیا تھا اس کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو بادشاہی

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ

دی تھی جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو وہ شخص کہنے لگا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ

بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا

سورج کو مشرق کی طرف سے لاتا ہے تم اس کو مغرب کی جانب سے لاؤ پس وہ شخص حیران ہو گیا جس نے کفر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ

یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ۝۲۵۸ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ

ظلم کرنے والی قوم کو راہ نہیں دکھاتا ﴿۲۵۸﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے اس شخص کو جو ایک بستی پر گزرا جو کہ اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی

قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ

اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا اس کے ویران ہونے کے بعد پس اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر موت طاری کر دی سو سال تک پھر اسے اٹھایا اور کہا کہ تو یہاں کتنی دیر

لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ

تک رہا ہے اس نے کہا میں یہاں ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم رہا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ تو سو سال ٹھہرا ہے پس دیکھ اپنے کھانے

اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ

اور مشروب کی طرف وہ متغیر نہیں ہوا اور دیکھ اپنی سواری کے گدھے کی طرف اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں

وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ

اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کس طرح ہم ان کو ابھارتے ہیں پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں جب اس شخص پر بات واضح ہو گئی تو وہ کہنے لگا میں جانتا ہوں

أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ط

کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۲۵۹﴾ اس بات کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کہا کہ مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے

قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ط قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم یقین نہیں رکھتے ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں میں یقین رکھتا ہوں لیکن یہ اس لئے تاکہ میرا دل تسکین پکڑے اللہ تعالیٰ نے فرمایا چار پرندے پکڑلو

فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ

اور پھر انہیں اپنے پاس مانوس کرلو (یا اپنے پاس ٹکڑے ٹکڑے کردو) پھر ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک جز رکھ دو پھر ان کو بلاؤ تمہارے پاس

ع ۳۵
سَعْيًا ط وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

دوڑتے ہوئے آئیں گے اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک حکمت والا ہے ﴿۲۶۰﴾

توحید پر نظائر ثلاثہ

﴿۲۵۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ: ربط آیات: حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے پہلی آیت میں اہل ایمان اور اہل کفر کا تذکرہ تھا، اب اس آیت سے اسی سلسلہ میں بعض نظیریں پیش کی گئی ہیں اور ان میں سے پہلی نظیر میں نمرود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ (عثمانی: ص ۶۰ا: ج۔۱)

خلاصہ رکوع ۳۵ تائید توحید پر نظائر ثلاثہ، پہلی نظیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مکالمہ، دوسری نظیر، مردہ زندہ کرنے کی کیفیت کے متعلق حضرت ابراہیم کا حق تعالیٰ سے مکالمہ اور جواب مکالمہ۔ ماخذ آیات ۲۵۸: تا ۲۶۰+

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس دور میں پیدا ہوئے اس دور میں ایک قوم تھی عمالقہ یہ عملیق کی نسل سے تھے اس وقت ان کا اقتدار تھا، نمرود بن کنعان یہ اس وقت بادشاہ تھا ملک عراق کا جس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے وہ اس ملک کا دار الخلافہ تھا اور اس کا نام کوثیٰ بروزن طوبیٰ آج کے جغرافیہ میں اس شہر کا نام ہے "اُر" آج وہ چھوٹا سا قصبہ معلوم ہوتا ہے مگر اس زمانہ میں وہ دار الخلافہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا وہ اس وقت وزیر مذہبی امور تھے جس جگہ بت خانہ بنانا ہوتا تھا یا جہاں کہیں بت رکھنے ہوتے تھے یا کہیں مجاور رکھنے ہوتے تھے یہ ان کی ذمہ داری تھی یعنی یہ محکمہ ان کے سپرد تھا مگر خدا کی شان دیکھو کہ باپ بت بنانے والوں میں سے ہے، اور بیٹا بت گرانے والوں میں سے ہیں وہ بت ساز ہے اور یہ بت شکن ہے باپ کے ساتھ الگ مناظرہ ہو رہا ہے، قوم کے ساتھ الگ مناظرہ ہو رہا ہے، وقت کے بادشاہ کے ساتھ الگ مناظرہ ہو رہا ہے۔ (ذخیرۃ الجنان: ص ۳۰۸: ج۔۲)

تائید توحید میں پہلی نظیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مکالمہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے واقعہ کے متعلق حضرات مفسرین فرماتے ہیں یا تو اس زمانے کا واقعہ ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ نمرود سے نکلے تھے یا اس زمانے کا جب کہ ملک میں قحط پڑ گیا تھا اور لوگ بھوک سے مرنے لگے اس وقت نمرود کے پاس غلے کا ذخیرہ موجود تھا۔ لوگ اس کے پاس غلہ لینے کے لئے جاتے تھے تو وہ ان سے سوال کرتا تمہارا رب کون ہے؟ تو وہ کہتے تو وہ ان کو اناج دے دیتا، اسی طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا تو آپ نے فرمایا "رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ"

تو اس داستان کو اللہ تعالیٰ نے یہاں سے بیان فرمایا ہے۔ (خازن: ص ۱۹۹؛ ج ۱؛ معالم التنزیل: ص ۱۸۲؛ ج ۱)

اِذْ قَالَ تا لخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مکالمہ: کہ تم تو محض حاکم وقت ہو رب نہیں ہو رب وہ ذات ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تمہارے اختیار میں یہ چیز نہیں لہٰذا تو رب نہیں ہو سکتا۔ قَالَ: نمرود کا جواب مکالمہ: اس نمرود نے کہا۔ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ: تشریح مکالمہ: میں زندہ بھی کرتا ہوں اور مارتا بھی ہوں۔ اس نے دو آدمیوں کو بلایا ایک مجرم اور دوسرا بے قصور۔ بے قصور کو قتل کر دیا اور مجرم کو رہا کر دیا تو کہنے لگا کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں حالانکہ "اُحْیٖ وَاُمِیْتُ" کا یہ مفہوم نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ ظاہری کوئی سبب نہ ہو تب بھی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے جیسے اس نے سمجھا اس طرح تو گولی سے بھی آدمی مار دیتا ہے پھر معاذ اللہ یہ سارے ڈاکو غنڈے خدا بن گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو موت وحیات کا معنیٰ سمجھانے میں الجھنے کے بجائے واضح دلیل کی طرف منتقل ہو گئے۔ قَالَ اِبْرٰهٖمُ تا لخ حضرت ابراہیم کا جواب مکالمہ: فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق کی طرف سے طلوع کرتا ہے اور مغرب کی طرف غروب کرتا ہے۔ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ: نمرود کو چیلنج: اگر تو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو پس لا تو مغرب کی طرف سے یعنی اگر خدا ہے تو اس کے برعکس کر یعنی مغرب سے طلوع اور مشرق کی طرف غروب؟" فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ "اس پر متحیر رہ گیا کافر یعنی اس پر اس سے کوئی جواب نہ بن پایا اب اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ طریق حق وہدایت قبول کر لیتا مگر وہ اپنی بے راہ روی پر جما رہا اس لئے ہدایت سے محروم رہا۔ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ: نتیجہ: پھر اللہ تعالیٰ کی عادت اور دستور یہ ہے کہ ایسے بے راہ لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ جو راہ حق کے قبول کرنے کا ارادہ کرے پھر اس کے لئے ہدایت قبول کرنے کی راہ پیدا فرما دیتے ہیں افعال اختیاریہ میں ورنہ نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں نمرود یہ کہہ سکتا تھا یہ تو روزانہ میں کرتا ہوں اے ابراہیم! اگر تیرا کوئی رب ہے تو تو اس کو کہہ وہ مغرب کی طرف سے لے آئے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ایسا کہتا تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کے لئے سورج کو مغرب کی طرف سے طلوع کر کے دکھا دیتا۔

نکتہ: حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ چار شخص ایسے گزرے ہیں جن کی پوری دنیا پر حکمرانی تھی۔ ان میں سے دو مسلمان تھے اور دو کافر۔ مسلمانوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام جن کا واقعہ سورۃ سبا میں اور دوسرے ذوالقرنین جن کا واقعہ سورۃ کہف میں مذکور ہے۔ اور کفار میں ایک نمرود جن کا ذکر یہاں ہے اور دوسرا بخت نصر تھا جس کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں آیا ہے اس شخص نے بنی اسرائیل کو بالکل برباد اور ذلیل کر دیا تھا۔ (معالم التنزیل: ص ۱۸۲؛ ج ۱؛ ابن کثیر: ص ۴۹۱؛ ج ۱)

مواعظ ونصائح

بحث ومباحثہ کے اصول وآداب: بحث مباحثہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص آپ کی کسی بات پر اعتراض کرے یا بحث کرنے لگے تو آپ صبر وضبط سے کام لیں۔ اور غصہ نہ ہوں۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے مزاج کو ٹھنڈا رکھ کر اس کی بات سنیں۔ اور اگر نمرود جیسے موٹے دماغ کا ہو تو اس سے فنی بحث میں الجھنے کی بجائے عام فہم انداز میں بات کریں۔ اعتراض کرنے والے کی نیت اور ارادہ کے بارے میں سوچ کر اپنی جان کو عذاب میں نہ ڈالیں کہ اس شخص کا اصل مقصد کیا تھا اس نے سب کے سامنے مجھے کیوں ٹوکا؟ اپنے کو غم وفکر سے ہلکا کریں بلکہ صورتحال کا سکون واطمینان سے مقابلہ کریں۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے مقابلہ میں کیا یاد رکھئے، تیز ہوائیں اور آندھیاں چھوٹے چھوٹے پتھروں کو تو اپنی جگہ سے ہلا دیتی ہیں لیکن آپ کو پہاڑ بن جانا چاہیے جو تیز آندھی میں بھی اٹل رہتا ہے۔ اس کی عملی مثال سمجھنے کے لیے عہد نبوی کا ایک واقعہ سنئے:

ابوسفیان اور خاتم الانبیاء کا ٹھنڈا مزاج: جب قریش مکہ نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری تیاری کے ساتھ مکہ فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ وہ قریش کو آپ کی مدد سے بے خبر رکھے، تا کہ وہ جنگ کے لیے تیاری نہ کرسکیں اور آپ اچانک اُن پر حملہ آور ہو جائیں۔

اسلامی لشکر نے قریب ہی ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ قریش ان کی آمد سے بے خبر تھے، لیکن چونکہ (معاہدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے) ان کے دل میں کھٹکا تھا لہٰذا وہ احتیاطاً مکہ کے گردنگرانی کرتے تھے کہ کہیں مسلمان حملہ کرنے نہ آجائیں۔ اتفاق سے جس رات کو رسول اللہ ﷺ وہاں فروکش ہوئے اسی رات کو ابوسفیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جاسوسی کے لیے نکلا تا کہ اگر کوئی حملہ آور ہو تو اس کی خبر مل جائے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ قریش پر حملہ کرنے کے لیے صبح ہونے کا انتظار کررہے تھے۔

اس رات حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب اسلامی لشکر کی یہ تیاری دیکھی تو دل میں کہا: ''افسوس ہے قریش پر۔ اگر ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے امان طلب نہ کی اور رسول اللہ ﷺ بزور قوت یعنی جنگ کر کے مکہ میں داخل ہوئے تو یہ قریش ہمیشہ کے لیے ہلاک ہو جائیں گے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ مکہ جانے والے کسی شخص کو اس علاقہ میں تلاش کر کے اس کے ذریعہ مکہ والوں کو رسول اللہ ﷺ کے جرار لشکر کے آنے کی اطلاع دے دوں تا کہ وہ یہاں آ کر آپ سے امان طلب کرلیں قبل اس کے مسلمانوں کا لشکر سبقت کر کے مکہ میں داخل ہو اور اس حملہ میں اہل مکہ ہلاک ہو جائیں۔ یہ سوچ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس کام کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر اس کام کے لیے نکلے۔ اُدھر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی لشکرگاہ کے قریب آرہا تھا۔ اس نے جب دس بارہ ہزار کی فوج کے مختلف دستوں کی آگ کے الاؤ دیکھے تو حیران ہو کر کہنے لگا: ''اتنی آگ اور اتنی بڑی فوج تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ معلوم نہیں یہ کون لوگ ہیں؟''

اس کے ایک ساتھی نے کہا: ''واللہ! یہ قبیلہ خزاعہ ہے۔ یہ ضرور جنگ کرنے آئے ہیں۔'' (کچھ عرصہ قبل قریش نے مکہ کے قریب رہنے والے اسی قبیلہ خزاعہ پر حملہ کر کے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی تھی۔) ابوسفیان نے کہا: خزاعہ تو تعداد میں بہت کم اور کمزور ہیں، اتنی بڑی آگ اور اتنا بڑا لشکر ان کا نہیں ہوسکتا۔'' ابوسفیان اور قریب آتا گیا۔ آخر اس کو مسلمانوں کے ایک حفاظتی دستہ نے گرفتار کرلیا اور اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جانے لگے۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے تو انہوں نے ابوسفیان کو خچر پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور اس کے ساتھیوں کو رسول اللہ ﷺ کے خیمہ کی طرف لے چلے۔ ان کے پیچھے پیچھے مسلمانوں کا حفاظتی دستہ بھی چلا آرہا تھا۔ جب یہ مسلمانوں کی کسی آگ کے الاؤ کے پاس سے گزرتے تو اس پڑاؤ کے مسلمان پوچھتے: ''کون ہے؟'' لیکن جب وہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سوار دیکھتے تو کہتے: ''اوہو! یہ تو آنحضرت کے چچا ہیں جو آپ کے خچر پر سوار ہیں۔'' اور پھر ان کو آگے جانے دیتے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ خچر کو تیز چلا کر لے جارہے تھے، ان کو خطرہ تھا کہ کہیں کوئی ابوسفیان کو پہچان نہ لے۔ لیکن جب وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی آگ کے الاؤ کے پاس سے گزرنے لگے تو انہوں نے کھڑے ہو کر پوچھا: ''کون ہے؟'' جب انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے ابوسفیان کو سوار دیکھا تو اپنے لوگوں کو آواز دے کر بلالیا اور کہا: ''یہ تو خدا کا دشمن ابوسفیان ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے بغیر کسی عہد و پیمان کے تجھے ہمارے قبضہ میں دے دیا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنا چاہا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو منع کر

دیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ صورتحال دیکھی تو دوڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت عباسؓ نے بھی خچر کو تیزی سے دوڑایا اور حضرت عمرؓ سے پہلے وہاں پہنچ گئے اور خچر سے کود کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمرؓ بھی وہاں آ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنے لگے: "یارسول اللہ! یہ دیکھئے ابوسفیان کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے قبضہ میں دے دیا ہے۔ اور اس سے اب ہمارا کوئی عہد و پیمان بھی نہیں ہے۔ آپ اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں"۔

واقعی ابوسفیان نے بھی مسلمانوں کے ساتھ بڑی عجیب عجیب حرکتیں کی تھیں۔ وہ جنگ اُحد میں مشرکین کے لشکر کا سالار تھا۔ جنگ احزاب میں بھی اس نے لشکر کفار کی قیادت کی تھی۔ عرصۂ دراز تک اس نے مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھائے اور ان کو قتل کیا اور اب وہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! میں نے اس کو پناہ دی ہے۔" پھر حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے اور آپ کا سر تھام کر کان میں کچھ کہنے لگے۔

ادھر حضرت عمرؓ بار بار یہی درخواست کر رہے تھے کہ "یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں"۔

حضرت عباسؓ نے جب حضرت عمرؓ کا اس قدر اصرار دیکھا تو ان سے مخاطب ہو کر کہا: "اے عمر! ذرا ٹھہرو۔ خدا کی قسم اگر یہ تمہارے قبیلہ بنی عدی سے ہوتا تو تم کبھی یہ بات نہ کہتے"۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ تمہارا قرابتدار ہوتا تو تم ایسا نہ کہتے لیکن چونکہ یہ بنو عبد مناف سے ہے اس لیے تم ایسا کہہ رہے ہو۔ اب حضرت عمرؓ کو احساس ہوا کہ یہ تو ہم دونوں میں جھگڑا شروع ہو جائے گا جو موجودہ صورتحال میں کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ پھر اس بات پر بحث مباحثہ کا کوئی فائدہ بھی نہیں کہ عمر اپنے قبیلہ بنی عدی کے کسی فرد کا اسلام لانا تو پسند کرتا ہے لیکن کسی غیر قبیلہ کے فرد کے اسلام لانے کی اس کو فکر نہیں ہے۔ یہ سوچ کر حضرت عمرؓ نے بڑی نرمی سے اور پرسکون انداز میں کہا: "اے عباس! ذرا آرام سے میری بات سنو۔ خدا کی قسم! بالفرض اگر میرے والد خطاب اسلام لائے تو ان کے اسلام لانے سے زیادہ مجھے آپ کے اسلام قبول کرنے پر خوشی ہوئی تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپ کا اسلام لانا رسول اللہ ﷺ کو میرے والد خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسند تھا۔"

جب حضرت عباسؓ نے یہ بات سنی تو خاموش ہو گئے اور جس بحث مباحثہ کے شروع ہونے کا اندیشہ تھا وہ ختم ہو گیا۔

اگر حضرت عمرؓ چاہتے تو اس بحث کو طول دے سکتے تھے، وہ کہہ سکتے تھے کہ "اے عباس! اس سے تمہارا کیا مقصد؟ کیا تم میری نیت پر حملہ کر رہے ہو؟ کیا تم میرے دل کا حال جانتے ہو؟ تم اس موقع پر قبائلی عصبیت کیوں بھڑکا رہے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ یہ سب صحابہ کرامؓ پاک ہستیاں تھیں، شیطان ان کے درمیان جھگڑا ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت ابوسفیان کھڑا منتظر تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "عباس! ابوسفیان کو اپنے ڈیرے پر لے جاؤ۔ ان کو صبح میرے پاس لانا"۔ حضرت عباسؓ اس کو اپنے خیمہ میں لے گئے۔ اس نے وہیں ان کے ساتھ رات گزاری۔ جب فجر کو اس کی آنکھ کھلی تو لوگوں کو نماز کی تیاری کرتے اور ادھر ادھر جاتے دیکھا۔ کوئی طہارت کے لیے جا رہا ہے۔ کوئی وضو کر رہا ہے۔ اس نے حضرت عباسؓ سے پوچھا "یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟" انھوں نے کہا: "ان لوگوں نے اذان سنی ہے، اس لیے نماز پڑھنے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔"

جب نماز کا وقت ہوا تو سب صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے ان کے آگے کھڑے ہو گئے۔ ابوسفیان نے دیکھا کہ جب آپ رکوع کرتے ہیں تو یہ سب لوگ بھی رکوع کرتے ہیں۔ جب آپ سجدہ میں جاتے ہیں تو یہ سب بھی سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ ابوسفیان ان کی ایسی اطاعت گزاری دیکھ کر حیران رہ گیا۔

جب نماز ختم ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے تاکہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جائیں۔ ابوسفیان نے ان سے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''اے عباس! میں نے دیکھا کہ وہ جو حکم کرتا ہے یہ لوگ اس کو فوراً بجالاتے ہیں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں! واللہ! اگر آپ ان کو کھانا پینا ترک کرنے کا بھی حکم دیں تو وہ فوراً اس پر عمل کریں گے۔'' ابوسفیان نے کہا: ''اے عباس! آج رات جیسا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ایسا منظر تو مجھے قیصر و کسریٰ کے دربار میں بھی نظر نہیں آیا۔'' جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''افسوس ہے ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟'' ابوسفیان نے مسلمانوں کے ساتھ جو رات گزاری تھی اس کی وجہ سے اس کے دل میں مسلمانوں سے عداوت کے جذبات خاصے کم ہو گئے تھے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے حلیم و بردبار، کتنے فیاض اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ واللہ! میں سوچ رہا تھا کہ اگر اللہ کے سوا میرا کوئی اور بھی معبود ہوتا تو وہ اب تک میرے کچھ کام آجاتا''۔

آپ نے پھر اسے فرمایا: ''افسوس ہے ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تجھے یقین ہو جائے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' یہ سن کر ابوسفیان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا: ''آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کتنے حلیم و بردبار اور کتنے فیاض اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں! جہاں تک آپ کی اس بات کا تعلق ہے تو اس بارے میں ابھی میرے دل میں تذبذب ہے۔'' اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''بڑا افسوس ہے ابوسفیان! دیکھو ابھی اسلام قبول کرلو اور توحید و رسالت کا اقرار کرلو۔'' ابوسفیان نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی اور پھر کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام قبول کرنے سے بہت خوشی ہوئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! ابوسفیان فخر پسند ہیں لہٰذا ان کے لیے کوئی اعزاز مقرر فرمادیں۔'' آپ نے فرمایا: ''ہاں ٹھیک ہے (مکہ میں) جو شخص بھی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو امان ہے۔''

دوسری نظیر

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ ...الخ ربط آیات: اوپر اللہ تعالیٰ نے اولیاء الرحمن اور اولیاء الشیطان کی مثال بیان فرمائی کہ ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام اولیاء الرحمن کا نمونہ ہیں، اور دوسری طرف نمرود بن کنعان اولیاء الشیطان کی مثال ہے دونوں کے مناظرہ و مباحثہ کا ذکر تھا۔ اب یہاں سے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کو ثابت کیا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات معارف الٰہیہ میں شمار ہوتے ہیں اور ان کو دیکھ کر انسان کا روزِ قیامت پر یقین پختہ ہوتا ہے۔ لہٰذا خلیفہ وقت کا فرض ہے کہ وہ ایسے واقعات کی تشہیر کرے تاکہ لوگوں کے دلوں میں دوبارہ جی اٹھنے کے متعلق کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ (معالم العرفان: ص ۵۲۷، ج ۲)

متعلقہ شخص کون تھا؟ اس شخص کے تعارف کے متعلق حدیث پاک میں کوئی تصریح نہیں البتہ بائبل، تفسیری روایات اور تاریخ سے اس شخص کے متعلق معلومات حاصل ہوئی ہیں، حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ کے اقوال میں سے ایک قول تو یہ ہے کہ یہ شخص سرے سے مسلمان ہی نہیں تھا۔ بلکہ حیات بعد الممات کا منکر تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی آنکھوں سے دوبارہ جی اٹھنے کا مشاہدہ کرایا ہے۔ (معالم التنزیل: ص ۱۸۳، ج ۱؛ روح المعانی: ص ۳۰، ج ۳)

مگر اس قول کی حضرات مفسرین نے تردید کی ہے کیونکہ اس کرامت کا مستحق کافر نہیں ہوسکتا اور اگر کہا جائے کہ وہ ایمان لایا تھا تو یہ اس کا ایمان معتبر نہیں کیونکہ یہ ایمان بالغیب نہیں۔ (مظہری: ص ۲۲۶، ج ۱؛ خازن: ص ۲۰۰، ج ۱)

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شخص نہ صرف مؤمن تھا بلکہ اللہ کا نبی تھا۔اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا نبی تھا تو بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ ارمیانبی تھا جن کا ذکر توراۃ میں موجود ہے۔اور سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔(ابن کثیر: ص ۲۹۲،ج۔۱)

تاریخی پس منظر: حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ نمرود ابن کنعان کی طرح بخت نصر نے بھی پوری دنیا پر حکومت کی تھی جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے یہ جابر وظالم بادشاہ حکمران تھا چنانچہ اس نے شام وفلسطین پر حملہ کر کے اس کو تباہ برباد کر دیا تھا، اور بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔بیت المقدس یہ "مقدس" اسم مفعول کے صیغے کے ساتھ بھی درست ہے اور مقدِس بھی درست ہے۔ اس نے بے شمار بنی اسرائیلیوں کو قتل کر دیا اور لاتعداد لوگوں کو غلام اور لونڈیاں بنا کر اپنے ساتھ عراق لے گیا، بنی اسرائیل کی تمام کتابیں توراۃ سمیت جلا ڈالیں حتیٰ کہ توراۃ کا ایک نسخہ بھی سلامت نہ بچا۔تفسیر ابوالسعود میں ہے چالیس ہزار قراء جو توراۃ کے حافظ تھے ان کو قتل کر دیا۔ (ابوالسعود: ج:۱:ص۔۲۹۷)

چونکہ یہ مذہباً مجوسی تھا اس لئے توراۃ کو ختم کر دیا، قتل وغارت کے ساتھ مکان بھی گرادیئے، بالکل کھنڈرات بن گئے، اور حضرت عزیز علیہ السلام نے اس شہر کو بڑا آباد دیکھا تھا، بخت نصر جب بنی اسرائیل کے بہت سے لوگوں کو قید کر کے لے گیا، ان میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے، جب قید سے رہا ہو کر واپسی میں اس شہر کو ویران دیکھا، کہ اس کی عمارت کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی تھی، حضرت عزیر علیہ السلام اپنے گدھے پر سوار تھے اور کھانے کے لئے انجیر ان کے پاس تھی، اور پینے کیلئے کچھ پھلوں (یعنی انگور) کا جوس ان کے پاس تھا، تو اس شہر کی تباہی اور بربادی دیکھی تو حیران ہوئے اور تعجب سے کہا کہ اللہ یہ شہر پھر آباد کرے گا اور اس کی موت کے بعد اس کو کیسے زندہ فرمائے گا؟ (خازن: ص:۲۰۰،ج۔۱)

اس سے حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کا انکار کرنا مقصود نہ تھا بلکہ انسان کے مزاج میں جو ایسی چیزوں میں ایک استبعاد کی شان ہے اس کے اظہار کے طور پر منہ سے ایسے الفاظ بے ساختہ نکل گئے۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ یقین کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے کو بھی اولاد دے سکتا ہے، اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے بیٹے کی دعا کی پھر جب فرشتے بیٹے کی خوشخبری لے کر آئے تو بطور تعجب یوں کہنے لگے! "رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا" کہ اے میرے رب کیسے ہوگا میرا لڑکا حالانکہ میں بڑھاپے کو پہنچ چکا اور میری بیوی بانجھ ہے۔تو جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے بطور کیفیت کے سوال کیا بیٹے کے بارے میں حالانکہ قدرت الٰہی کے منکر نہیں تھے اسی طرح یہاں حضرت عزیر علیہ السلام نے سوال کیا۔

تو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے انؑ کی روح قبض کر لی، اور ان کی سواری کا گدھا بھی مر گیا۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ان کے پاس جو انجیر اور جوس تھا وہ سو سال تک خراب نہ ہوا، حالانکہ عام پھلوں میں جلد خراب ہونے والا انجیر ہے، اس کا ذکر قرآن کریم میں ہے "والتین"۔اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے "تین" کی یعنی انجیر کی اس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیات رکھی ہیں مثلاً معدے کو درست رکھتا ہے، بواسیر کے لئے بڑا مفید ہے، خون کی اصلاح کیلئے بہت عمدہ ہے، گھٹنوں کے درد اور دوسرے جسم کے دردوں کے لئے بڑا مفید ہے، مگر زیادہ دیر نہیں رہ سکتا البتہ خشک کر کے رکھتے ہیں، اور جوس بھی زیادہ دیر نہیں رہتا، بلکہ خراب ہو جاتا ہے۔اور گدھا مرا ہوا اس کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں، حالانکہ گدھا زیادہ زندہ رہ سکتا ہے، مگر حق تعالیٰ شانہ کی قدرت دیکھئے کہ جو زیادہ دیر رہ سکتا ہے، اس کی ہڈیاں بکھری پڑی ہیں، جو جلد خراب ہوتا ہے وہ صحیح سالم ہے۔

اس مدت میں بخت نصر مر گیا، اور کسی بادشاہ نے اس مدت میں بیت المقدس کو آباد کیا، اور اس شہر کو بھی خوب آباد کیا، پھر حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے اٹھایا، پوچھا تم کتنا عرصہ یہاں ٹھہرے ہو؟ عرض کیا ایک دن یا دن کا کچھ

حصہ یعنی اگر وہی دن ہے تو دن کا کچھ حصہ اور اگر دوسرا دن ہے تو پھر مکمل دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم سو سال تک رہے ہو جسم اسی طرح صحیح سالم تر و تازہ باقی رہا، جیسا کہ زندگی میں تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ ان کو دکھایا، اور فرمایا کہ آپ اپنے کھانے پینے کی چیز کو دیکھ لیں۔ وہ ذرہ بھی گلی سڑی نہیں۔ جس طرح آپ کا جسم اطہر محفوظ رہا، اسی طرح آپ کا کھانا بھی سو سالہ انقلابات سے محفوظ رہا، پھر اللہ پاک نے ان کے سامنے ان کے مردہ گدھے کو زندہ کر کے دکھایا جب یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو بے اختیار بول اٹھے کہ میں جانتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے یقین تو پہلے ہی سے تھا کیونکہ نبی تھے مگر عینی مشاہدہ کر لیا۔ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں عبارت محذوف ہے: ای فعلنا ذلک لنجعلک" یہ اس محذوف عبارت پر معطوف ہے۔ (تفسیر مظہری: ج ۱ ص ۳۶۸: النہر الماد: ص: ۲۳۹: ج ۲)

یعنی ہم نے موت دینے کے بعد زندہ کر دیا تا کہ ہم تمہاری ذات کو لوگوں کے لئے نمونہ بنا دیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے موت طاری کرنے کے بعد پھر کس طرح زندہ کر دیا۔ تا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر جھجکچاہٹ کرنے کا موقع نہ رہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کی وطن واپسی

حضرات مفسرین لکھتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک عورت حضرت عزیر علیہ السلام کے پڑوس میں رہتی تھی حضرت عزیر علیہ السلام اس کو اچھی طرح جانتے تھے جب سو سال کے بعد اپنے وطن واپس آئے، تو وہ نابینا ہو چکی تھی، اور اس کے گھٹنے ٹخنے سے جڑ گئے تھے، چلنے پھرنے کے قابل نہ تھی، حضرت عزیر علیہ السلام نے اس بوڑھی عورت سے پوچھا عزیر علیہ السلام کا گھر کہاں ہے؟ تو اس نے پوچھا تم کون ہو؟ تو فرمایا میں عزیر علیہ السلام ہوں، اس بوڑھی نے کہا عزیر اس وقت کہاں سے آ گئے ہیں، وہ تو کہیں فوت ہو گئے ہوں گے حضرت عزیر علیہ السلام نے کہا نہیں وہ میں ہوں، وہ بوڑھی کہنے لگی وہ تو بڑے مستجاب الدعوات تھے، آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا کریں اللہ پاک میری آنکھوں کی بینائی درست فرما دیں تا کہ میں تجھے دیکھوں، اور تیرا گھر بتاؤں۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے دعا فرمائی، حق تعالیٰ شانہ نے اس بوڑھی عورت کو درست فرما دیا۔ پہلے حضرت عزیر علیہ السلام کا گھر شہر کے کنارے پر تھا اب آبادی پھیل جانے کی وجہ سے شہر کے درمیان میں آ گیا تھا، اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام کا ایک بیٹا زندہ تھا جس کی عمر ایک سو اٹھارہ سال تھی، پوتے اور پڑپوتے بھی بوڑھے ہو گئے تھے۔ اس عورت نے جب گھر دکھایا جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو پوتوں نے منع کر دیا۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا میں اپنے گھر میں داخل ہوا ہوں، انہوں نے کہا آپ کا گھر ادھر کہاں سے آ گیا ہے۔ اس بوڑھی نے کہا یہ تمہارا باپ دادا ہے، حضرت عزیر علیہ السلام کے بیٹے نے کہا ہمیں اپنے باپ کی دو چیزیں یاد ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے دونوں کندھوں کے درمیان چاند کی طرح ایک نشان تھا، اور دوسری چیز یہ ہے کہ وہ توراۃ کے حافظ تھے۔ چنانچہ جب یہ دونوں نشانیاں پائی گئیں تو ان کو یقین آ گیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے اس معجزہ کو دیکھ کر یہود نے کہا "ھو ابن اللہ" کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ حالانکہ اللہ پاک ان چیزوں سے پاک ہے۔

(ابوالسعود: ج ۱: ص ۲۹۶ تا ۲۹۷: معالم التنزیل: ص ۱۸۵: ج ۱: خازن: ص ۲۰۳: ج ۱: روح المعانی: ص ۳۴: ج ۳)

عدم سماع موتی پر استدلال

چنانچہ مؤلف جواہر القرآن لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے کیونکہ عزیر علیہ السلام دنیا میں ہونے والے تمام انقلابات سے بے خبر تھے سو سال بے خبر تھے سو سال کے عرصہ میں نہ تو رات دن کے اختلافات کا ان کو پتہ چلا اور نہ ہی بیرونی

آوازیں انہیں سنائی دیں۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ ان کے ابدان مبارک میں موجود نہیں رہتیں اور ان کی حیات دنیوی ناسوتی نہیں ہوتی بلکہ برزخی ہوتی ہے۔ (جواہر القرآن، ص ۱۲۷، ج ۱)

جوابؔ: اس واقعہ سے سماع موتیٰ کی نفی پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

اولاً: اس لئے کہ حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے کسی نے اس واقعہ سے عدم سماع موتیٰ پر استدلال نہیں کیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس واقعہ کا اس مسئلہ سے بالکل کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے استاذ محترم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ سماع موتیٰ میں لکھتے ہیں کہ! ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ صاحب نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے لیکن حضرت مرحوم کے کئی تفردات ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ لیکن استاد کے تفرد سے شریعت کا حق مقدم ہے استاد کے تفرد پر عمل ضروری نہیں ہے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ ❶ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ اپنے استاد محترم ناقدِ فن رجال علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ کی بعض علمی کوتاہیوں اور تفردات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں! میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ میرے استاذ ہیں اور انہی کی بدولت میں نے علم حدیث میں مہارت حاصل کی ہے مگر حق کی پیروی کرنا زیادہ مناسب ہے۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۴۹)

❷ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے یہ سوال ہوا کہ آپ کی فلاں مسئلہ میں یہ رائے ہے حالانکہ آپ کے پیر و مرشد اس کے خلاف کہتے ہیں تو آپ ان کی مخالفت کیوں فرماتے ہیں (محصلہ) تو اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں۔ اور حجت قول و فعل مشائخ سے نہیں ہوتی بلکہ قول و فعل شارع علیہ السلام سے اور اقوال مجتہدین رحمہم اللہ سے ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمہ اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں جب ان کی پیر سلطان نظام الدین قدس سرہٗ کے فعل کی حجت لاتا کہ وہ ایسا کرتے ہیں تم کیوں نہیں کرتے؟ تو فرماتے کہ فعل مشائخ حجت نہ باشد اور اس جواب کو حضرت سلطان الاولیاء بھی پسند فرماتے۔ لہٰذا جناب حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ سلمہ اللہ کا ذکر کرنا سوالات شرعیہ میں بے جا ہے۔ فقط واللہ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، ص ۹۸، طبع دہلی)

❸ مؤلف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں۔ "اسلام مشائخ اور اساتذہ کی تقلید جامد کا نام نہیں بلکہ دلائل شریعت کی اتباع کا نام ہے۔ (ص ۳۱۲)

ظاہر امر ہے کہ جب حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے کسی نے عدم سماع موتیٰ پر یہ واقعہ پیش نہیں کیا حالانکہ قرآن کریم کا یہ واقعہ بھی ان کے پیش نظر تھا اور اس مسئلہ کا اختلاف بھی ان کے سامنے تھا تو یہ مسئلہ اس سے غیر متعلق ہے۔

ثانیاً: اس واقعہ سے نفی سماع موتیٰ تب متحقق ہو سکتی ہے جب تحقیقی اور تاریخی طور پر یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے پاس کوئی پہنچا ہو، اور اس نے ان سے علیک سلیک کی اور کلام کیا ہو، مگر نہ تو وہ سن سکے اور نہ ان کو خبر ہوئی اور نہ کسی کو ان کی خبر ہوئی محض عقلی طور پر یہ کہہ دینا کہ سو سال تک وہاں کوئی نہیں گیا، اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی ہو کوئی وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ تاریخی حقائق کے لئے محض عقلی موشگافیاں ناکافی ہیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں! کہ سو برس تک اسی حالت میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آکر دیکھا نہ ان کی خبر ہوئی۔ (تفسیر عثمانی، ص ۱۶۰، ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس عرصہ تک ان کے پاس سرے سے کوئی گیا ہی نہیں تھا اور نہ کسی کو ان کی خبر ہوئی تھی تو پھر سلام و کلام کرنے نہ کرنے اور سننے نہ سننے کا کیا معنیٰ؟ اور انکار سماع موتیٰ کا کیا مطلب؟

ثالثاً: اس واقعہ سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ برزخ میں رہنے کی مدت کا احساس نہیں ہو سکتا اور یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وقت کتنا گزرا ہے اور اس کا عدم سماع موتیٰ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

رابعاً: (از قاسمی) یہ استدلال مبنی بر فساد ہے کیونکہ آپ ادھر موجود ہیں زندہ ہیں اور میری بات سنتے ہیں اب میں سوال کرتا ہوں کہ "کَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِي الۡاَرۡضِ بَعۡدَ الۡوِلَادَةِ" یا میں اس طرح سوال کروں کہ آپ کو کتنے سیکنڈ ادھر ہو گئے ہیں؟ آپ حضرات جو ادھر موجود ہیں کوئی بھی قطعاً جواب نہیں دے سکتا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے کہ آپ سب مردہ ہیں حالانکہ آپ تو زندہ ہیں اس مسئلہ سے زیادہ سے زیادہ علم غیب کی نفی ہوتی ہے اس کے تو ہم بھی قائل ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام علم غیب نہیں جانتے تھے۔ لہٰذا یہ استدلال غلط ہے اور اس آیت کا مسئلہ حیات وممات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

خامساً: اہل سنت والجماعت کا سماع موتٰی کے بارے میں اختلاف جس طرز کا بھی ہے عام موتٰی کے بارے میں ہے حضرت انبیاء کے بارے میں نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔۔۔ الخ۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ص۔۹۹ حصہ اول)

جب حضرت عزیر علیہ السلام نبی ہیں تو ان کے عدم سماع کا کیا معنیٰ؟ (سماع موتٰی: ص ۳۱۲ تا ۳۲۱)

باقی انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ انکے ابدان مبارک میں موجود نہیں رہتی۔ اس کا جواب ❶ ہمارے عقائد کی کتابوں میں اہل سنت کا عقیدہ اس طرح بیان کیا گیا ہے "هو ﷺ بعد موته باق على رسالته ونبوته حقيقة كما يبقى وصف الايمان للمؤمن بعد موته وذلك الوصف باق بالروح والجسد معاً لان الجسد لا تاكله الارض۔۔۔انه ﷺ حي في قبره رسولاً الى الابد حقيقة لا مجازاً۔ (الروضة البهية فيما بين الاشاعرة والماتريدية: ص۔۱۵)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور پر قائم ہیں جیسا کہ مؤمن اپنی وفات کے بعد بھی صفت ایمان سے متصف رہتا ہے اور حضور ﷺ کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا روح اطہر اور جسد انور کے مجموعہ کے ساتھ ہے۔ آپ ﷺ اب بھی اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور ہمیشہ تک کے لئے رسول ہیں حقیقی معنیٰ کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر۔

❷ "الامام الاشعري واصحابه قائلون بان النبي ﷺ في القبر حي يحس ويعلم"۔ (الروضة البهية فيما بين الاشاعرة والماتريدية: ص: ۱۵) امام اشعری رحمہ اللہ اور ان کے سب اصحاب تو اسی بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور علم و احساس بھی رکھتے ہیں۔

❸ علامہ قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ومن عقائدنا ان الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم فاين الموت الى ان قال وصنف البيهقي جزواً سمعناه في حياة الانبياء في قبورهم واشتد نكير الاشاعرة على من نصب هذا القول الى الشيخ۔ (طبقات شافعیہ: ص: ۲۸۲: ج۔۲) ترجمہ ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں پس وہاں موت کہاں؟ اور امام بیہقی نے ایک مستقل جزو اس پر تصنیف کیا ہے جو انبیاء کرام کے قبروں میں زندہ ہونے کے بیان میں ہے اور جن لوگوں نے امام ابو الحسن الاشعری کی طرف انبیاء علیہم السلام کے قبروں میں مردہ ہونے کا قول منسوب کیا ہے اشاعرہ نے بڑی سختی سے اس پر نکیر کی ہے۔

❹ فاما ما حكي عنه راى الاشعري وعن اصحابه انهم يقولون ان محمداً ﷺ ليس بنبي في قبره ولا رسول بعد موته فبهتان عظيم و كذب محض لم ينطق احد منهم ولا سمع في مجلس مناظرة ذلك عنهم محمد ﷺ حي في قبره۔ (طبقات شافعیہ: ص: ۲۷۹: ج ۲) ترجمہ ہاں جو امام ابو الحسن الاشعری رضی اللہ عنہ اور دوسرے اشاعرہ کی

طرف منسوب کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک حضور ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب اپنی قبر شریف میں نبی اور رسول نہیں رہے یہ محض جھوٹ ہے اور بہتان عظیم ہے اشاعرہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا نہ ان سے کسی مجلس مناظرہ میں ایسی بات سنی گئی اور نہ ان کی کسی کتاب میں یہ مضمون ملا ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ ان کے ہاں حضور اکرم ﷺ اپنے روضہ اطہر میں زندہ ہیں۔

❺ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں "وَمَا نُسِبَ إِلَى الإِمَامِ الأَشْعَرِيِّ إِمَامِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مِن أَنْكَارِ ثُبُوتِهَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَهُوَ افْتِرَاءٌ وَبُهْتَانٌ وَالْمُصَرَّحُ فِي كُتُبِهٖ وَكُتُبِ أَصْحَابِهٖ خِلَافَ مَا نَسَبَ إِلَيْهِ بَعْضُ أَعْدَائِهٖ لِأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ وَقَدْ أَقَامَ النَّكِيْرَ عَلَى افْتِرَاءِ ذٰلِكَ أَبُو الْقَاسِمِ الْقُشَيْرِيُّ"۔ (شامی ص ۳۶۶ ج ۳)

ترجمہ امام اہل سنت امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے لیے وفات شریفہ کے بعد اس وصف کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں یہ محض افتراء اور بہتان ہے ان کی اور ان کے ہم مشرب احباب کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے یہ ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے تحقیق یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابوالحسن الاشعریؒ پر اس افتراء باندھنے کے خلاف علامہ ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ نے زبردست احتجاج کیا ہے۔

❻ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "إِنَّ حَيَاتَهٗ ﷺ فِي الْقَبْرِ لَا يَعْقِبُهَا مَوْتٌ بَلْ يَسْتَمِرُّ حَيًّا وَالْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ"۔ (فتح الباری شرح بخاری: ص ۲۱، ج ۷، طبع بیروت)

آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے جس پر پھر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

گزشتہ عبارات سے واضح ہے کہ ارواح انبیاء علیہم السلام کا دنیوی اجسام مبارکہ کے ساتھ قبر میں تعلق ہے، معتزلہ کہتے تھے کہ ارواح مبارکہ کا دنیوی ابدان سے قبر میں تعلق نہیں ہے، جبکہ اہل حق کا عقیدہ واضح ہے کہ ارواح کا ابدان مبارکہ کے ساتھ تعلق ہے۔ معتزلہ اور اہل حق کے درمیان نقطہ اختلاف بھی یہی تھا اور موجودہ دور کے معتزلہ سے بھی یہی اختلاف ہے کہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم حیات انبیاء علیہم السلام کے قائل ہیں مگر ان کا عقیدہ یہی ہے کہ ارواح کا ابدان سے قبر میں کوئی تعلق نہیں۔

اور حافظ کی عبارت اپنے مطلب میں واضح ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی زندگی قبر میں مستمر اور دائمی ہوتی ہے۔ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں "أَنَّهٗ ﷺ حَيٌّ فِي قَبْرِهٖ وَرُوْحُهٗ لَا تُفَارِقُهٗ لِمَا صَحَّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ"۔ (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین: ص ۲۸، طبع مصر) ترجمہ: آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ نیز حضرت ملا علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اَلْمُعْتَقَدُ الْمُعْتَمَدُ أَنَّهٗ ﷺ حَيٌّ فِي قَبْرِهٖ كَسَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ فِي قُبُورِهِمْ وَهُمْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَأَنَّ لِأَرْوَاحِهِمْ تَعَلُّقًا بِالْعَالَمِ الْعِلْوِيِّ وَالسِّفْلِيِّ كَمَا كَانُوْا فِي الْحَالِ الدُّنْيَوِيِّ فَهُمْ بِحَسَبِ الْقَلْبِ عَرْشِيُّوْنَ وَاعْتِبَارِ الْقَالَبِ فَرْشِيُّوْنَ" اھ۔ (شرح شفاء: ص ۱۴۲، ج ۲، طبع مصر)

قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کی ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔ اس عبارت میں ارواح کا تعلق جنت ملاء اعلیٰ رفیق اعلیٰ اور علیین سے بھی قائم رہتا ہے اور عالم سفلی قبور میں ان

کے اجسام سے دنیا میں تھا وہ قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے لحاظ سے فرشی تھے اس سے واضح ثابت ہو گیا کہ یہ کہنا کہ ارواح کا ابدان کے ساتھ تعلق نہیں یہ غلط ہے۔ نیز بخاری شریف میں ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ پر دو موتیں وارد نہیں ہوں گی ایک دنیا میں پھر دوسری قبر شریف میں اس سے واضح ثابت ہوتا ہے کہ ارواح مبارک کا ابدان سے قبر میں گہرا تعلق ہے، نہ کہ ارواح مبارک ابدان سے جدا ہیں۔

حیات انبیاء علیہم السلام پر اہل حق کے دلائل

دلیل ❶ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ"۔ (شفاء السقام: ص ۱۳۴، حیات الانبیاء ص ۱ للبیہقی)

ترجمہ: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کے رواۃ کی توثیق کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری: ص ۳۵۲: ج۔۶۔ میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح کی ہے، مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری: ص: ۶۴: ج: ۲: میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تصحیح پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اتفاق کیا ہے، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ (فتح الملہم: ص: ۳۲۹: ج۔۱) علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو یعلیٰ کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد: ص: ۲۱۱: ج۔۸) علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر: ص: ۱۳۵: ج۔۲) حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (مرقاۃ: ص: ۲۱۲: ج۔۲) علامہ عبدالرؤف مناویؒ فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (فیض القدیر: ۱۸۴: ج۔۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابو یعلیٰ کی روایت کے راوی ثقہ ہیں جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(مدارج النبوت: ص: ۴۴۷: ج: ۲: وجذب القلوب: ص۔۱۸۰)

اعتراض: مخالفین کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں حسن بن قتیبہ خزاعی ضعیف ہے لہذا یہ حدیث قابل استدلال نہیں؟

جواب: ہمارا مستدل حسن بن قتیبہ خزاعی کی روایت نہیں ہے بلکہ ہماری دلیل کا دارومدار ابو یعلیٰ کی سند پر ہے اور وہ بالکل صحیح ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اور محدثین کرام رحمہم اللہ نے اس کی تصحیح نقل کی ہے اور حیات انبیاء علیہم السلام کی بنیاد اسی صحیح حدیث پر ہے معترضین کا یہ اعتراض اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے اور عوام کے صاف اذہان کو الجھانے کی بے کار سعی ہے۔ الغرض اس حدیث کی صحت کو پوری امت مسلمہ تسلیم کرتی ہے اس لیے علامہ سیوطیؒ نے اس کے متواتر ہونے کے قائل ہیں۔ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی علامہ سیوطیؒ کی تائید کرتے ہیں۔ حضرت استاذ محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ فرماتے ہیں اس حدیث کے الفاظ اور اسناد متواتر نہیں پھر بھی اس حدیث کو تواتر طبقہ اور تواتر العمل والتوارث کا شرف حاصل ہے اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ایسی حدیث کے منکر کا کیا حکم ہے؟ فتدبر۔ نیز یہاں تواتر کے اقسام بھی یاد رکھیں تاکہ مسئلہ کے تمام پہلو سامنے رہیں میرے عزیز طلبہ عقیدے کا ثبوت خبر واحد سے نہیں ہوگا بلکہ عقیدے کے ثبوت کے لیے قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ نص چاہیے یا خبر متواتر قطعی الدلالۃ یا ایسی خبر واحد جسے تلقی بالقبول حاصل ہو۔

تواتر کی اقسام: عام محدثین کے ہاں عقیدے کا ثبوت خبر متواتر سے ہوتا ہے اور تواتر کی دو قسمیں بناتے ہیں:

(۱) تواتر لفظی (۲) تواتر معنوی۔

عام محدثین کی تقسیم کا دائرہ بہت تنگ ہے اور اس تقسیم سے اہل سنت پر وارد اشکالات کا جواب نہیں بن پاتا۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے تواتر کی چار قسمیں بنائیں جو اپنی افادیت اور جامع مانع ہونے کے اعتبار سے بہت مفید ہیں اور ان سے بہت سے

اشکالات بھی دفع ہو جاتے ہیں۔

۱) تواتر الاسناد: "وهو أن يروي الحديث من البداية الى النهاية جماعة يستحيل عادةً"

"أن يتواطؤ على كذب في كل قرن من القرون الثلاثة" ۔(معارف السنن أقسام التواتر ۱/۴۵، سعید)

"سند کی ابتداء سے لے کر انتہا تک ہر طبقے میں اس کے اتنے راوی ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عادۃً محال ہو"۔

جیسا کہ "من كذب علي متعمداً" اور ختم نبوت کی احادیث بھی اس میں داخل ہیں، اسی طرح نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث بھی تواتر کے درجے میں ہیں۔

۲) تواتر الطبقہ: ایک خلق خدا ایک دوسرے سے نقل کرے باقاعدہ کوئی سند نہ ہو، اگر سند کی تحقیق کی جائے کہ سند کیا ہے تو سند نہیں ملے گی۔

"تلقته الكافة عن الكافة ولا يحتاج الى اسناد عن فلان عن فلان" ۔ (معارف السنن أقسام التواتر ۱/۴۵، سعید)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وكان عموم هذه السنة (الختان) للعرب قاطبةً مغنياً عن نقل معين فيها" ۔(زاد المعاد ۱/۸۱، فصل في ختانه صلى الله تعالى عليه وسلم، مؤسسة الرسالة)

قرآن پاک بھی تواتر الطبقہ کے طور پر ثابت ہے، اس کے بارے میں بھی کوئی سند اور محدثین کے قاعدے کی طرح عن فلاں عن فلاں نہیں ملے گا، خاص کر ہر ایک سورۃ اور آیت کی سند بہت مشکل اور ناممکن ہے لیکن مسلسل ایک طبقہ دوسرے طبقے سے نقل کرتا چلا آرہا ہے۔

تواتر طبقہ تواتر الاسناد سے قوی ہے: حضرت بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تواتر الطبقہ تواتر الاسناد سے قوی ہے باوجود یکہ اس کی سند نہیں ہوتی۔ (معارف السنن کتاب الصلوۃ، باب رفع اليدين عند الركوع ۲/۴۶۶، سعید)

۳) تواتر العمل والتوارث: "أن يعمل به في كل قرن من عهد صاحب الشريعة الى يومنا هذا جم غفير من العاملين بحيث يستحيل عادةً تواطُؤُهم على الكذب أو الغلط كالسواك في الوضوء"۔

(معارف السنن، أقسام التواتر ۱/۴۵، سعید)

"ابتداء اسلام سے اب تک وہ معمول بہ رہا ہو اور اس پر عمل اتنی بڑی جماعت کر رہی ہو کہ سب کا جھوٹ پر اتفاق عادۃً محال ہو جیسے وضو میں مسواک کرنا وغیرہ"۔

علامہ ابن قیم ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فهذا الحديث وان لم يثبت، فاتصال العمل به في سائر الأمصار والأعصار من غير انكار كاف في العمل به" ۔(کتاب الروح، المسألة الأولى ۲۲، مکتبہ فاروقیہ پشاور)

تواتر تعامل والتوارث میں سند کی بھی ضرورت نہیں، علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: "ودعاء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم للأموات فعلاً و تعليماً، ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصراً بعد عصر أكثر من أن يذكر وأشهر من أن ينكر" ۔(کتاب الروح، المسألة السادسة عشر ۱۵۸، مکتبہ فاروقیہ پشاور)

۴) تواتر القدر المشترک: "ما تختلف فيه ألفاظ الرواة بأن يروي قوم واحد واقعةً بألفاظ، و قوم آخر بتعبير آخر" ۔(معارف السنن أقسام التواتر ۱/۴۵، سعید)

روایوں کے الفاظ اگرچہ مختلف ہوں لیکن ان سب میں قدر اشتراک فی الواقعہ پایا جائے، کمعجزات النبي صلى الله عليه وسلم۔

متواتر کا حکم: متواتر کی یہ چار قسمیں ہیں اور تواتر کی کسی بھی قسم کا منکر کافر ہے بشرطیکہ تواتر دینی ہو، أي منكر المتواتر من

الدین أومنکر ماتواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کفر، تواتر دنیوی جیسے وجود بغداد وغیرہ کا منکر کافر نہیں۔ علامہ جلال الدین محلی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جاحدُ المجمع علیہ المعلوم من الدین بالضرورۃ وھو مایعرفہ الخواص والعوام من غیر قبول للتشکیک فالتُحِقَ بالضروریات کو جوب الصلاۃ والصوم و حرمۃ الزنا والخمر کافر قطعاً، لأن جحدہ یستلزم تکذیب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ولا یکفر جاحد المجمع علیہ من غیر الدین کوجود بغداد“۔

”ایسے اجماعی مسئلے کا منکر جسے ہر عام وخاص کے جاننے کی وجہ سے ضروریات کا درجہ حاصل ہو گیا ہو جیسے نماز، روزے کا واجب ہونا، زنا و شراب نوشی کا حرام ہونا، یقینی کافر ہے، کیوں کہ ایسے مسئلے کی تکذیب درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے، اور جس مسئلے کا تعلق دین سے نہ ہو اگرچہ وہ متفق علیہ ہو اس کا منکر کافر نہیں، جیسے کوئی بغداد کے وجود کا منکر ہو تو اسے کافر نہیں کہیں گے“۔ یاد رکھیں ان چاروں اقسام کو خوب از بر کرلیں بہت سے مقامات پر کام آئیں گی۔ (بحوالہ تحفۃ المناظر۔ مولانا مینگل صاحب)

دلیل ⑫: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ عَزَّوَجَلَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ“۔ (ابوداؤد: ص:۲۸۶ ج:۱، واللفظ لہ ومسند احمد: ص:۵۲۷ ج:۲)

ترجمہ: کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ معارف الحدیث میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدے میں مصروف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور فرشتہ کے ذریعے یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں بس اس روحانی توجہ والتفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا۔ (معارف الحدیث: ص:۳۷۸ ج:۵)

توثیق رواۃ حدیث

امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ (شفاء السقام: ص:۱۰۵) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (فتح الباری: ص:۲۷۹ ج:۳) اور علامہ عزیزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسکی سند حسن ہے۔ (السراج المنیر: ص:۲۷۹ ج:۳) حافظ ابن کثیر تفسیر ابن کثیر: ص:۵۴۱ ج:۳ میں امام نووی رحمہ اللہ کی کتاب الاذکار: ص:۱۰۶ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح اسناد سے مروی ہے۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (زرقانی شرح المواہب: ص:۳۰۸ ج:۸) علامہ سمہودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ (وفاء الوفا، ص:۴۰۳ ج:۲) علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں (عقیدۃ الاسلام: ص:۵۲، فتح الملہم: ص:۳۳۰)

اعتراض: امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”فیہ نظر“ اس میں کلام ہے وہ یہ کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یزید بن عبد اللہ بن قسیط ”لیس بذلک“ اور تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں کی اور وہ ضعیف ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے سماع میں کلام ہے۔ جواب: یزید بن عبد اللہ قسیط بخاری ومسلم اور دیگر صحاح ستہ کے راوی ہیں اور جمہور محدثین ان کی توثیق کرتے ہیں اور امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے ان کو اس لئے ”لیس بالقوی“ کہا تھا کہ امام مالک رحمہ اللہ ان پر راضی نہ تھے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ابو حاتم رحمہ اللہ کا رد کیا ہے پھر آخر میں

لکھتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں کئی مقامات پر ان سے احتجاج کیا ہے اور ثقہ راویوں میں ایک تھے۔ (تہذیب التہذیب؛ ص ۳۴۳؛ ج ۱۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ علامہ ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۲۲ھ میں ہوئی۔ اور ابن حسان الزیادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۹۰ سال کی عمر پائی تھی۔

(تہذیب التہذیب؛ ص ۳۴۲؛ ج ۱۱)

اس لحاظ سے ان کی ولادت ۳۲ھ میں قرار پائی ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۸ھ کو ہوئی تھی درمیان میں: ۲۶؛ سال کا طویل زمانہ ہے اور جمہور محدثین کے اصول کے مطابق امکان لقاء کا کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ باقی امام سخاوی رحمہ اللہ "فیہ نظر" سے جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس حدیث کو جزماً صحیح نہیں کہا جا سکتا، اس حدیث کے حسن ہونے میں ان کو بھی اختلاف نہیں ہے اور جمہور محدثین استدلال کے لئے حدیث کی صحت کی قید کو ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ ان کے نزدیک حدیث حسن بھی قابل استدلال ہے چنانچہ قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں نے اس کی تصریح کی ہے۔

(ملاحظہ ہو نیل الاوطار؛ ص ۲۲؛ ج ۱؛ مسک الختام؛ ص ۱۴؛ ج ۱) (تفصیل کے لئے تسکین الصدور دیکھیں)

بے جا تنقید پر تحقیقی جائزہ

صاحب تبصرہ "الاحسن" لکھتے ہیں کہ البتہ علم کے تناظر میں بعض چیزیں قابل لحاظ ہیں مثلاً واقعہ حضرت عزیز علیہ السلام میں شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ جواہر القرآن کے اس مقام پر جہاں حضرت شیخ نے عدم سماع موتی پر استدلال کیا ہے وہاں مولانا عبدالقیوم صاحب لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

اولاً: اس لئے کہ حضرات سلف صالحین میں سے کسی نے اس واقعہ پر عدم سماع موتی پر استدلال نہیں کیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس واقعہ کا مسئلہ سے بالکل کوئی تعلق نہیں۔ (معارف الفرقان؛ ج ۱؛ ؛ ۲؛ ص ۳۱۷؛ طبع اول)

یہاں چند چیزیں قابل نظر ہیں مثلاً شیخ القرآن سے پہلے اس مقام پر کن کن بزرگوں نے اس سے استدلال کیا ہے خود آگے چل کر مولانا عبدالقیوم صاحب نے حضرت مولانا سرفراز خان صاحب کے حوالے سے امام الموحدین ورئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کا استدلال نقل کیا ہے اسے تفرد کہنا بجائے خود محل نظر ہے کیا اتنے بڑے مفسر کو جو مولانا سرفراز خان صاحب اور مولانا غلام اللہ خان جیسے اکابر علماء کے استاذ اور شیخ ہیں ان کی تحقیق اور تفرد میں فرق کا کیا اصول ہے؟ (ماہنامہ الاحسن صفر المظفر ۱۴۲۹ھ؛ ص: ۵۹، ۸۵)

جواب تبصرہ: اس کے جواب سے پہلے ایک تمہید کا جاننا ضروری ہے۔

حاصل تمہید یہ ہے: جو تحقیق کتاب وسنت جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیز فقہ حنفی کے موافق ومطابق ہوگی وہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہوگا اور ایسی تحقیق کے حامل کو دیوبندی کہا جائے گا مگر قرآن وسنت سے مسائل استنباط کرنے کا معیار اور اصول علماء دیوبند کے نزدیک اپنے فہم پر اعتماد کرنا نہیں ہے بلکہ سلف صالحین اور اکابر علماء متقدمین کے فہم وفراست پر اعتماد کرنا ہے۔

قرآن وسنت کی موافقت کا بنیادی معیاری اصول وہی ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے مکتوب میں ارشاد فرمایا ہے کہ دین کے بارے میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت صحابہ کرام پر مکمل اعتماد کیا جائے اور ان کے مقابلے میں اپنے علم وفہم کو ناقص سمجھتے

ہوئے ان کے اجماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کی پوری پوری تابعداری کی جائے اور جمہور علماء کا مسلک بھی یہی ہے۔

❶ چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے مسلک اہل سنت کی واضح ترجمانی یوں فرمائی "ولئن قلتم لم انزل الله اية كذا ولِمَ قال كذا لقد قرءوا منه ما قرأتم وعلموا من تاويله ما جهلتم وقالوا بعد ذلك كله بكتاب وقدر... الخ۔ (ابو داؤد، ص: ۲۸۶ ،ج: ۲، کتاب السنۃ باب فی لزوم السنۃ)

مطلب یہ ہے کہ اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کیوں نازل کی یا یہ کیوں فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو تم نے پڑھا ہے وہ پڑھا ہوا تھا اور اس کی تاویل کرنا جانتے تھے جس سے تم ناواقف ہو اور انھوں نے اس کے بعد ہی کتاب وقدر کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے۔

اس ارشاد گرامی کا مطلب روز روشن کی طرح واضح ہے اس میں کوئی بات پوشیدہ نہیں تاہم اس اقتباس کا مطلب یہی ہے کہ قرآن سنت کے مطلب اور معنی سمجھنے اور ان کے مفہوم ومراد کو متعین کرنے میں حضرات سلف صالحین پر اعتماد کرنا ضروری ہے ورنہ قرآن وسنت کے صحیح معنی اور مراد کو صرف اپنے فہم وعلم کی بنیاد پر سمجھنا درست نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ کی کروڑھائے رحمتیں نازل ہوں ہمارے اسلاف متقدمین پر وہ امت کو ان پر خطر وادیوں سے بچانے کے لئے ایسے اصول بھی ضبط فرما گئے ہیں جن سے معلوم ہو سکے کہ قرآن کی تفسیر کون سی قابل قبول ہے اور کون سی قابل رد اس تمہید کے بعد۔

شق اول کا جواب :استاذ محترم امام اہل سنت جن کو آپ بھی الحمد للہ امام اہل سنت ترجمان مسلک دیوبند کہتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

اولاً :اس لئے کہ یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام سے اختلافی چلا آرہا ہے مگر حضرات سلف صالحین میں سے کسی نے اس واقعہ سے عدم سماع پر استدلال نہیں کیا، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ واقعہ اس مسئلہ سے بالکل غیر متعلق ہے، حضرت استاذ محترم لکھتے ہیں کہ ہمارے پیرومرشد حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ صاحب نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے لیکن حضرت مرحوم کے کئی تفردات ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے، الحمد للہ حضرت مرحوم کا ادب واحترام سویدائے قلب میں موجود ہے اور ان کی بے لوث دینی خدمات اور اپنے مخصوص رنگ میں توحید وسنت کی نشر واشاعت اور اپنے نرالے ذوق میں شرک وبدعت کا رد ناقابل تردید حقیقت ہے لیکن شریعت کا حق سب سے مقدم ہے۔

صاحب تبصرہ نے لکھا ہے اسے تفرد کہنا بجائے خود محل نظر ہے کیا اتنے بڑے مفسر کو جو مولانا سرفراز خان اور مولانا غلام اللہ خان جیسے اکابر علماء کے استاذ اور شیخ ہیں ان کی تحقیق اور تفرد میں فرق کا کیا اصول ہے؟

اصول واضح ہے کہ استاذ محترم نے لکھدیا ہے کہ شریعت کا حق سب سے مقدم ہے۔ (سماع موتی، ص۔ ۳۱۳)

اور کسی کی تحقیق اور تفرد شریعت اسلامیہ میں معتبر نہیں اصول اوپر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی عبارت میں بھی گزر چکا ہے۔ اور تحقیق ماہر کی بات کو کہتے ہیں اور ماہر کی بات اس وقت حجت ہو جب اصول تفسیر کے مطابق ہوگی۔ حافظ ابن کثیرؒ تفسیر ابن کثیر میں تفسیر لینے کے پانچ اصول بیان فرماتے ہیں جو تفسیر کے طالب پر مخفی نہیں ہیں یہ استدلال ان اصولوں کے خلاف ہے۔ نیز علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ ابن نقیبؒ تفسیر بالرائے کے اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "الثالث التفسير المقرر لمذهب الفاسد بان يجعل المذهب اصلاً والتفسير تابعاً فيرد اليه باى طريق امكن وان كان ضعيفاً. الرابع التفسير بان مراد الله كذا على القطع من غير دليل"۔ (الاتقان فی علوم القرآن، ص: ۱۸۳، ج۔ ۲) یعنی

تیسری صورت: وہ تفسیر جو کسی فاسد مذہب وفکر کو ثابت کرنے کے لئے ہو کہ اپنے فاسد مذہب اور فکر کو اصل بنایا جائے اور تفسیر کو تابع کیا جائے۔ چوتھی صورت بغیر دلیل کے یہ کہنا کہ اس لفظ یا آیت سے اللہ تعالیٰ کی قطعی طور پر یہی مراد ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی فاسد مذہب کو بغیر دلیل قرآن کریم کے کسی لفظ یا آیت کی تفسیر قطعی طور پر کرنا جب کہ سلف صالحین نے وہ معنیٰ اور مطلب بیان نہ کیا ہو اور متاخرین میں سے کسی نے سمجھا اور کیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ معنی ومطلب یقیناً مردود ہے اور صاحب تحقیق کا حدیث پاک سے بھی مسائل استنباط کرنے کیلئے تین باتوں کی تحقیق کرنی ضروری ہے مثلاً وہ حدیث جس سے حکم ثابت کیا جائے وہ خود ثابت اور صحیح ہو۔ ❷ جس حدیث سے استدلال کیا جائے وہ مراد رسول ہو اور معنی اور مطلب کے اعتبار سے اللہ کے رسول کی مراد کے خلاف نہ ہو۔ ❸ وہ کسی حدیث سے معارض نہ ہو اور تعارض کی صورت میں رفع تعارض کیا جائے۔ اور حضرات محدثین رحمہم اللہ نے ساری زندگیاں پہلی بات کی تحقیق میں صرف فرما دیں اور مراد رسول ﷺ کو سمجھنے کے لئے رفع تعارض کو مجتہدین کے حوالہ کر دیا ہے۔

اور ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن کریم کے نزول کو آج چودہ سو سال بیت چکے ہیں اس طویل عرصہ میں کسی مفسر، محدث اور فقیہ اور متکلم اور کسی عالم نے اس واقعہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات قبر کی نفی پر استدلال نہیں کیا ما سوا مولانا حسین علی رحمہ اللہ اور مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے ان کے علاوہ جس جس نے حیات قبر کی نفی پر استدلال کیا ہے ان کا نام بمع حوالہ پیش کیا جائے جبکہ انکے سامنے بھی قرآن کریم کی یہ آیت اور یہ مسئلہ تھا۔ مسئلہ سماع موتی متواتر احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فیض الباری میں لکھا ہے اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ دیں کہ مولانا حسین علی رحمہ اللہ اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کی تحقیق کو تسلیم کریں یا احادیث متواترہ کو؟ ایمان کا تقاضا ہے تو یہی ہے کہ احادیث متواترہ پر یقین رکھا جائے چونکہ مخبر صادق نے ہمیں اس کی خبر دی ہے پس ہم اس پر ایمان لے آئیں نہ کہ کسی کی تحقیق اور تفرد کی پیروی کریں۔

شق:۔ ❷ کیا یہ کوئی اصول ہے کہ جن آیات یا احادیث سے سلف نے استدلال نہ کیا ہو اس سے خلف استدلال نہیں کر سکتے۔ فاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ (ماہنامہ الاحسن صفر المظفر ۱۴۲۹ھ: ص ۵۹)

جواب: اس کا اصول طے شدہ ہے۔ چنانچہ استاد محترم امام اہل سنت تسکین الصدور میں لکھتے ہیں: علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "ولا یجوز احداث تاویل فی اٰیة وسنة لم یکن علی عهد السلف لا عرفوه ولا بینوه للامة فان هذا یتضمن انهم جهلوا الحق فی هذا وضلوا عنه واهتدی الیه هذا المعترض المستاخر فکیف اذا کان التاویل یخالف تاویلهم ویناقضه وبطلان هذا التاویل اظهر من ان یطنب فی رده ...الخ (الصارم المنکی: ص ۲۷۴، طبع مصر، بحوالہ تسکین الصدور: ص ۳۸۹)

ترجمہ: جائز نہیں کہ کسی آیت یا حدیث کا کوئی ایسا معنی اور تاویل کی جائے جو حضرات سلف رحمہم اللہ کے زمانے میں نہ کی گئی ہو، اور نہ انھوں نے وہ تاویل سمجھی ہو، اور نہ امت کے سامنے بیان کی ہو، کیونکہ یہ اس بات کو متضمن ہے کہ سلف رحمہم اللہ اس میں حق سے جاہل رہے، اور اس سے بہک گئے، اور یہ پیچھے آنے والا معترض اس کی تہہ کو پہنچ گیا، اور خصوصاً جبکہ متاخر کی تاویل سلف کی تاویل کے خلاف ہو، اس کے برعکس ہو پھر کیونکر وہ قبول کی جا سکتی ہے؟ اور اس تاویل کا بطلان ایسا ظاہر ہے کہ اس کے رد کے لئے کسی بسط کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن آیات کریمہ یا حدیث شریف کا مطلب اور معنی حضرات صالحین نے نہ سمجھا اور نہ کیا ہو اور متاخرین میں سے جو کسی نے سمجھا اور کیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ معنی یقیناً مردود ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام سے متعلق اس مضمون

سے حضرات سلف صالحین میں سے کسی نے عدم سماع موتی اور خصوصاً عدم سماع انبیاء کرام پر استدلال نہیں کیا لہٰذا اس سے یہ استدلال باطل اور مردود ہے دلائل کی مد میں اس کی کوئی وقعت نہیں خواہ اس کے کہنے والے شخصیت متاخرین میں کتنی ہی بڑی ہو۔ (حضرت ہی کی تشریح و توضیح کے مطابق ادباً عرض ہے کہ خواہ وہ مولانا سرفراز خان صفدر یا مولانا غلام اللہ خان کے استاذ بھی کیوں نہ ہوں)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ سعادت آثار آنچہ بر ما وشما لازم است تصحیح عقائد بمقتضائے کتاب وسنت بر نہجیکہ علماء اہل حق شکر اللہ سعیہم از کتاب وسنت آن عقائد رافہمیدہ اند زیراکہ آنجا اخذ کردہ چہ فہمیدن ما وشما از حیز اعتبار ساقط است اگر موافق افہام این بزرگواران نباشد زیرا کہ ہر مبتدع وضال احکام باطلہ خود را از کتاب وسنت می فہمد واز آن جا اخذ می نماید والحال انہ لا یغنی من الحق شیئاً۔ (مکتوبات دفتر اول حصہ سوم، ۳۳، مکتوب نمبر ۱۵۷، طبع امرتسر)

ترجمہ: اے نیک بخت جو چیز ہم پر اور تم پر لازم ہے وہ کتاب وسنت کے مطابق عقائد کی اصلاح کرنا ہے مگر اس طریقہ پر کہ علماء اہل حق نے (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو بار آور کرے) کتاب وسنت سے ان کو سمجھا ہے اور ان سے اخذ کیا ہے کیونکہ ہمارا اور تمہارا سمجھنا اگر ان بزرگوں کے فہم کے مطابق نہ ہو اعتبار کے مقام سے ساقط ہے کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب وسنت ہی سے سمجھتا ہے اور وہاں ہی سے اخذ کرتا ہے حالانکہ اس کا یہ سمجھنا حق کی کسی چیز سے مستغنی نہیں کرتا۔

اس سے بھی وضاحت کے ساتھ ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث کے مطلب اور معنی کے سمجھنے میں حضرات سلف صالحین کی فہم پر اعتماد کرنا پڑے گا اور اس کے بغیر چارہ نہیں ورنہ سخت ٹھوکر لگے گی۔ (تسکین الصدور)

شق ③ صاحب تبصرہ لکھتے ہیں: حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں "اجتہد بالرأی" کتاب وسنت پر مشتمل ہے۔ اعلام میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اور تاسیس النظر میں ابوزید دبوسی رحمۃ اللہ علیہ نے عموم استدلال کو مفاخرات میں سے گردانا ہے۔

شق ④ صاحب تبصرہ لکھتے ہیں: اگر اس قسم کا کوئی اصول مولانا عبد القیوم صاحب یا ان کے اساتذہ کو مستحضر ہے تو ہم جاننے کے طلبگار اور ان شاء اللہ شکر گذار رہیں گے۔ (ماہنامہ الاحسن صفر المظفر ۱۴۲۹ھ، ص ۵۹)

جواب شق ③: ④ یہ حدیث بھی ہمارے موقف کے مخالف نہیں ہے چونکہ جو لوگ سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کا اتباع نہیں چاہتے اور ان کو اپنے علم وفہم پر دوسرے کے علم وفہم کی بنسبت زیادہ اعتماد ہے اور اپنی رائے اور اپنی سمجھ کا اتباع کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنی سمجھ کا اتباع کرانا چاہتے ہیں اور اس کی دعوت دیتے ہیں اور نام قرآن وسنت کا استعمال کرتے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مجتہد کا ایک اعلان ہوتا ہے "القیاس مظہر لا مثبت" کہ ہم قیاس کی مدد سے کتاب وسنت کی تہہ میں پوشیدہ مسئلہ کو صرف ظاہر کرتے ہیں ہم ایسا ہرگز نہیں کرتے کہ اپنی ذات سے کوئی مسئلہ گھڑ کر کتاب وسنت کے ذمہ لگا دیں۔ اور سماع اموات کا تعلق اجتہاد کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہ تو احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ تحقیق اور اجتہاد کا بوجھ ہم جیسے کمزور لوگوں پر نہیں ڈالا گیا بلکہ مجتہدین کی تحقیق پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ ہم نااہلوں کی تحریف سے قرآن وسنت محفوظ رہے۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے: وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلث منجیات وثلث مہلکات فاما المنجیات فتقوی اللہ فی السر والعلانیۃ والقول بالحق فی الرضیٰ والسخط والقصد فی الغنا والفقر واما

المهلكات فهوىً متبع وشح مطاع واعجاب المرء بنفسه وهو اشدهن۔ (مشکوۃ شریف ،ص ۴۳۴، ج۔۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں آخرت میں ہلاک کرنے والی ہیں جو چیزیں نجات دینے والی ہیں ان میں سے ایک تو باطن وظاہر میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے دوسری چیز خوشی ناخوشی (ہر حالت) میں حق بات کہنا ہے تیسری چیز دولت مندی وفقیری دونوں حالتوں کے درمیان میانہ روی اختیار کرنا اور جو تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں ان میں سے ایک تو اپنی خواہش نفس کے پیچھے چلنا ہے دوسری چیز حرص وبخل ہے انسان جس کا غلام بن جائے تیسری چیز اپنی رائے پر عمل کرنا ہے اور سب سے بدترین یہی تیسری خصلت ہے سلف صالحین کو چھوڑ کر اپنی رائے کو اجتہاد کا درجہ دینا اور اسکو مفاخرامت میں سے گردانا۔

حضرت شیخ عبدالغنی مجددی مدنی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۹۵ھ "اعجاب كل ذي راي برايه" پر حضرت ملا علی القاری مکی رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں "اي من غير نظر الى الكتاب وسنتي واجماع الامتي والقياس على اقوى الادلة وترك الاقتداء بنحو الائمة الاربعة"۔ (ابن ماجه حاشيه انجاح الحاجة ،ص ۲۹۰ باب قوله تعالى يايها الذين امنوا عليكم انفسكم)

یعنی ادلہ اربعہ اور ائمہ اربعہ کی اقتداء چھوڑنے والا اس حدیث کا مصداق ہے اور وہ ہلاکت میں گرنے والا ہے حضرت مولانا محمد امین صاحب اوکاڑوی رحمہ اللہ تحقیق اور حق تحقیق :ص ۱۱۷ :۔ میں لکھتے ہیں دین میں تحقیقی بات صرف وہی ہے جو ادلہ سے بواسطہ ائمہ ثابت ہو جس بات پر ان کا اجماع ہوگا وہ حجت قاطعہ ہے اور جس پر ان کا اختلاف ہوگا وہ رحمت واسعہ ہے۔

اگر کوئی عالم قرآن وسنت اور جمہور امت کے خلاف کسی تفرد میں مبتلا ہو جائے تو اس کے علمی تبحر کا اعتراف کرتے ہوئے پھر بھی اس کا تفرد قبول نہیں کیا جائے گا اس کی مثالیں ہم نے سماع موتی کے حوالے سے معارف الفرقان (طبع اول) میں لکھ چکے ہیں اب یہاں (طبع دوم) میں ایک اور مثال بھی لکھ دیتے ہیں جس کو خود ہم مسلک حضرات نے بھی قبول نہیں کیا۔

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے لکھا ہے اسلامی دنیا کے مسلم مقتدیٰ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے خود ذبیحہ کے متعلق جمہور امت سے مختلف یہ رائے اختیار کی کہ کسی ذبیحہ پر قصداً "بسم اللہ" چھوڑ دینا اگرچہ ناجائز ہے اور ایسے ذبیحہ کا گوشت کھانا بھی مکروہ ہے مگر اس کو حرام نہیں کہا جاسکتا جبکہ جمہور امت اس کو نص قرآنی کی رو سے قطعی حرام کہتی ہے امت اسلامیہ کے بڑے بڑے ائمہ نے امام شافعی کی جلالت شان کا اعتراف کرتے ہوئے بھی ان کے اس فتویٰ کو خلاف اجماع ایک اجتہادی لغزش قرار دیدیا اور خود شافعی المسلک علماء میں بھی متعدد حضرات نے اس رائے کو قبول نہیں کیا۔ (جواہر الفقہ :ص ۴۱۲، ج دوم)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کسی بڑے بڑے سے بڑے عالم سے لغزش ہو جانا کوئی بعید نہیں عرب کا مشہور مقولہ ہے "لكل جواد كبوة ولكل عالم هفوة" یعنی اچھے گھوڑے کو بھی ٹھوکر لگتی ہے اور ہر عالم سے کوئی بات لغو وغلط صادر ہو جاتی ہے قابل افسوس حال اس شخص کا ہے جو جمہور امت کے فتویٰ اور بیانات واضحہ ہونے کے باوجود ان سب میں سے اسی لغزش کو اپنا مذہب بنالے۔ (علامہ) ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ میں امام اوزاعی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :"من اخذ بنوادر العلماء خرج من الاسلام"۔ یعنی جو شخص علما کی نوادر لغزشوں ہی کو اپنا مذہب بنالے وہ اسلام سے نکل جائے گا۔ (جواہر الفقہ :ص ۴۱۷، ج دوم)

اس سے واضح معلوم ہوا کہ مجتہدین قرآن وحدیث سے فقہاء صحابہ، تابعین، وتبع تابعین مسائل کو استنباط کرتے تھے خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قرآن کریم سے صراحۃً مسئلہ نہ ملنے کے بعد اجتہاد کیا کرتے تھے جس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔

اہل علم کی شان کے لائق نہیں کہ وہ علماء کی نوادر لغزشوں کو اپنا مذہب اور مسلک بنالیں محض عقیدت ومحبت کی بنا پر حالانکہ عقیدت

ومحبت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اور شریعت الگ چیز ہے اور دینی مسائل میں شریعت کا حق عقیدت پر مقدم اور اہم ہے۔

مسئلہ سماع موتی

شیخ الاسلام امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فیض الباری میں فرماتے ہیں "واعلم ان المسئلة كلام الميت وسماعه واحدة وفي رسالة غير مطبوعة لعلي القاري ان احداً من ائمتنا لم يذهب الى انكارها اقول والاحاديث في سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفي حديث صححه ابو عمرو ان احداً اذا سلم على الميت فانه يرد عليه ويعرفه ان كان يعرفه في الدنيا (بالمعنى) واخرجه ابن كثير ايضاً وتردد فيه فلا انكار في غير محله سيما اذا لم ينقل عن احد من ائمتنا رحمهم الله تعالى فلا بد بالتزام السماع في الجملة"۔

ترجمہ: جان لیجئے کہ میت کے کلام اور سماع کا مسئلہ واحد ہے اور ملا علی القاری رحمہ اللہ کے غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ائمہ احناف میں سے کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا، میں کہتا ہوں سماع موتی کے بارے میں احادیث تواتر کی حد کو پہنچ گئی ہیں، اور ایک حدیث میں جیسے ابو عمرو امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے کہ جب کوئی میت پر سلام کہتا ہے تو بے شک وہ اس کا جواب دیتا ہے، اور اگر وہ دنیا میں اسے پہچانتا تھا تو (اب بھی) اسے پہچانتا ہے ایسے ابن کثیر نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں تردد کا اظہار کیا ہے مگر سماع موتی وغیرہ کا انکار بے محل ہے خصوصاً جب کہ ہمارے ائمہ (احناف) رحمہم اللہ میں سے کسی کا انکار منقول نہیں پس فی الجملہ سماع موتی کا التزام کیا جائے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ ① مردہ کا کلام کرنا اور مردہ کا سماع کا مسئلہ ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ ② سماع موتی کی احادیث متواتر ہیں۔ ③ حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے کہ ہمارے احناف یعنی حضرت امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ وغیرہ میں سے کوئی بھی سماع موتی کا انکار نہیں کرتا۔ جب مردوں کے لئے سماع ثابت ہے تو پھر ان زندوں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ کیوں دی گئی ہے؟

جواب: یہ تشبیہ ہمارے علم اور عالم کے لحاظ سے ہے اگرچہ قرآن کریم کی رو سے ان کے لئے سماع ثابت ہے اور جب وہ ہمارے عالم کے لحاظ سے معدوم ہیں تو یہ تشبیہ لامحالہ درست اور صحیح ہے۔ (سماع موتی)

عقیدہ حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اجماع ہے

بعد از وفات انبیاء کرام کا مسئلہ اجماعی ہے جیسا کہ اہل حق کی کتب میں واضح تصریحات موجود ہیں اور مسئلہ سماع موتی پر بھی حضرات سلف کا اجماع ہے۔ چنانچہ امام اہل سنت استاذ محترم المسلک المنصور میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے بعد احادیث کی باری آتی ہے مگر یقین جانے کہ صراحۃً سماع موتی کی نفی میں کوئی حدیث موجود نہیں ہے اس کے برعکس سماع موتی کے ثبوت میں احادیث متواترہ موجود ہیں اور حضرات سلف کا اجماع اس پر مستزاد ہے۔ر

چنانچہ حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ المتوفی ۷۵۱ھ فرماتے ہیں :"والسلف مجمعون على هذا وقد تواتر الآثار عنهم بان الميت يعرف بزيارة الحي له يستبشر به ...الخ"۔

(ابن کثیر ،ص ۴۳۸، ج ۳، اور کتاب الروح ،ص۔ ۴)

ترجمہ: حضرات سلف کا اس پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ ان سے منقول ہے کہ زندہ جب مردہ کی زیارت کرتا ہے (اور

اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کی آواز سے) اسے پہچانتا ہے اور اس کی آمد سے خوش ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا اور معلوم ہوا کہ حضرات سلف صالحین میں سماع موتی کا مسئلہ اجماعی تھا عدم سماع موتی کے بارے میں حدیث کے موجود نہ ہونے کا اقرار جناب نیلوی صاحب کو بھی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں باقی رہا ایک خدشہ کہ ان میں کوئی صریح روایت نہیں جس میں لکھا ہو کہ مردے نہیں سنتے دراصل بات یہ ہے کہ ایک امر بدیہی کے لئے اگر کوئی دلیل بیان نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اھ

(شفاء الصدور طبع اول: ص: ۳۵ بحوالہ المسلک المنصور فی رد الکتاب المسطور: ص ۳۱۔۳۲)

خلاصہ کلام: امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی نقشبندی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی انہوں نے اپنے دور میں ناموافق حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے سینکڑوں علماء کو قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر اور وہبی نکات سے مستفید فرمایا اور بندہ ناچیز بھی ایک واسطہ سے انکے علوم کا خوشہ چیں ہے مگر اس مسئلہ میں ان کے استدلال کو اگر آپ محسوس نہ کریں تو تفرد ضرور کہا جاسکتا ہے چونکہ تفرد کا معنی اصحاب لغت نے یہی لکھا ہے کہ جس کی پہلے نظیر موجود نہ ہو۔ حضرت کی ساری باتیں سر آنکھوں پر مگر جمہور کی اتباع کرنا ضروری ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سلف صالحین کی تابعداری کیلئے قبول فرمالے۔ (آمین)

صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں جب انسان اس دنیا کی عارضی زندگی ختم کر کے دوسری دنیا میں پہنچتا ہے تو اس کی سب سے پہلی منزل قبر ہوتی ہے جسے عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے مردہ کو قبر میں اتارنے کے بعد جب اس کے عزیز واقارب واپس لوٹتے ہیں تو اس میں خدا کی جانب سے وہ قوت سماعت دے دی جاتی ہے جس کے ذریعے وہ ان لوٹنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا رہتا ہے۔ (ص: ۱۸۷: ج۔۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مردہ عزیز واقارب کے جانے کی آہٹ کو سنتا ہے، مردہ کا سماع مردے کی حیات کو مستلزم ہے، جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اور اوپر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح بھی گزر چکی ہے۔

صاحب تبصرہ کا حیات فی القبر پر فتویٰ: اب آخر میں ہم آپ کا جاری کردہ فتویٰ لکھ دیتے ہیں جس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ مردے کو قبر میں حیات حاصل ہے جس کی وجہ سے اس مردے کو عذاب وراحت روح مع الجسد عنصری ہوتی ہے یہ فتویٰ نو (۹) صفحات پر مشتمل ہے ہم صرف اس کے اردو کا ابتدائی حصہ نقل کر دیتے ہیں:

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً واضح رہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ عذاب قبر حق ہے اور اسی قبر (مٹی کی ڈھیری) میں ہوگا اور روح مع الجسد عنصری کو ہوگا یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے لہٰذا اس کی مخالفت کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے اور یہ شخص مرتد کے حکم میں ہے صورت مسئول عنہا عقائد میں امام صاحب کا عقیدہ اہل سنت والجماعت قرآن وحدیث کے مخالف ہے لہٰذا ایسے امام کے لئے تجدید ایمان وتجدید نکاح ضروری ہے جو نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھی گئی ہیں وہ واجب الاعادہ ہیں۔

کتبہ لطیف اللہ عاصی متعلم تخصص فی الفقہ اسلامی دار الافتاء جامعۃ العربیہ احسن العلوم مہر فتویٰ: ۸۸۵: الجواب الصحیح زر ولی خان عفی عنہ خادم الافتاء والحدیث والتفسیر والجامعۃ العربیہ احسن العلوم بلاک نمبر: ۲ گلشن اقبال کراچی پاکستان۔ (بحوالہ عذاب قبر کی صحیح صورت کے منکر کا شرعی حکم: ص ۷۲: تا ۸۰: تالیف مولانا ابو احمد نور محمد تونسوی مدظلہ)

اوپر گزر چکا ہے صاحب تبصرہ لکھتے ہیں کہ: اعلام میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اور تاسیس النظر میں عموم استدلال کو مفاخرامت میں گردانا ہے۔

اس کا جواب حاضر خدمت ہے آپ کو علم ہے کہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے تفرد پر ان کی حمایت میں

دم بھرنے کے لئے چار جلدوں میں یہ کتاب تصنیف کی مگر وہ اپنے استاد کی حمایت میں بالکل ناکام رہے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس تفرد پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ کو جو سزائیں ملیں کسی اہل علم پر مخفی نہیں ہیں۔ اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنے استاد کی حمایت میں بہت سے شذوذ کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کسی محقق عالم پر مخفی نہیں ہے۔

اور التاج المکلل کے صفحہ: ۲۶۸ میں نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف تھے۔ مولانا محمد امین صاحب اوکاڑوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اجماع پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی، اہل سنت والجماعت کے ہاں سابقہ مجتہدین میں ان مذاہب کو مدار مانا جاتا ہے جن کے مذاہب تواتر اور یقین سے ثابت ہوں اگر کسی مجتہد سے کوئی شاذ قول منقول ہے تو شاذ قراءتوں کی طرح وہ تواتر اور اجماع سے ٹکر نہیں لے سکتا، ابن قیم رحمہ اللہ نے ایسے شواذ کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی اور روافض کی حمایت میں کسی اہل سنت مجتہد کا کوئی شاذ قول بھی پیش نہ کر سکے۔ (تجلیات صفدر، ص:۵۸۵:۵۸۴، ج۔۴)

اب اس پر کچھ لکھنے کی گنجائش باقی نہیں ہے مگر عموم استدلال بغیر کسی شرط کے ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اوپر کی تصریحات کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تاسیس النظر میں ابوزید دبوسی رحمہ اللہ نے عموم استدلال کو مفاخرامت میں سے گردانا ہے آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس کی اصلی عبارت بمع صفحہ کے تحریر کی جاتی تو کتنا اچھا ہوتا تاکہ ہم کچھ گذارش کر سکتے الحمدللہ جو آپ نے لکھا ہے ایسی عبارت جس کا یہ ترجمہ ہو، تاسیس النظر (مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی) میں ہماری نظر سے نہیں گزری شاید آپ کے پاس کوئی ایسا نسخہ ہو کہ اس میں موجود ہو۔

تیسری نظیر

﴿۲۶۰﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى: یہاں سے تیسری نظیر کا بیان ہے جس میں توحید باری تعالیٰ اور کمال قدرت اور بعث بعد الموت کا بیان ہو رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں؟ یہ سوال محض اس لئے تھا کہ زندہ کرنے کی جو مختلف صورتیں اور کیفیتیں ہیں وہ معلوم نہیں اسلئے آنکھوں سے دیکھنے کو دل چاہتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ معاذ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یقین نہیں تھا حالانکہ اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ مکالمہ ہو چکا تھا جس میں آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے مگر نمرود بن کنعان اس کا مطلب نہ سمجھ سکا اور اس نے بے گناہ کو قتل کرا دیا اور مجرم کو آزاد کر دیا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی اس احمقانہ حرکت پر موضوع سخن تبدیل کر دیا۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا مقصد صرف عین الیقین کے درجہ کا حصول تھا کہ وہ آنکھوں سے مشاہدہ ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا کہ چار پرندے لے کر ذبح کرو ان کے گوشت کا قیمہ کر کے آپس میں مکس کر دو پھر ان کا تھوڑا تھوڑا حصہ مختلف پہاڑوں پر رکھ دو اس کے بعد ہر ایک پرندے کو اس کا نام لے کر بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے مردہ پرندوں کو زندہ ہوتے دیکھ کر اطمینان قلب حاصل کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اَوَلَمْ تُؤْمِنْ" یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے سوال نہیں کیا کہ نعوذ باللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مؤمن نہیں تھے بلکہ اس سوال کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان واضح کرنا تھا۔ قَالَ بَلٰى: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں میں ایمان رکھتا ہوں مگر سوال کا مقصد یہ ہے "وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ"، کہ اس معاملے میں اطمینان قلب چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آنکھوں سے معین صورت کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں کہ

مردے کس طرح زندہ ہوتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ" چار پرندے پکڑلو۔ "فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ" ان کو اپنی طرف مانوس کرلو۔ مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں کہ: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ پرندوں کو محض مانوس کیا گیا تھا ذبح نہیں کیا گیا تھا کیونکہ قرآن کے الفاظ میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ (ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد ج:۱ ص۔۲۹۸) مگر یہ تفسیر مردود ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پرندوں کو ذبح کیا ان کے پر اتار دیئے اور ان کے گوشت کے ٹکڑے کر کے آپس میں ملا دیا خلط ملط کر دیا جیسے گوشت کا قیمہ کیا جاتا ہے۔ (معالم التنزیل: ص:۱۸۸ ج:۱؛ مظہری: ص:۳۷۰ ج:۱؛ ابن کثیر: ص:۹۴ ج۔۱)

وہ چار پرندے کونسے تھے؟ قرآن کریم میں اس کی کوئی تفصیل موجود نہیں البتہ تفسیروں میں آتا ہے۔ یہ چار پرندے مرغ، کوا، کبوتر اور مور تھے۔ (معالم التنزیل: ص:۱۸۷ ج:۱؛ قرطبی: ص:۲۸۶ ج:۳؛ ابن کثیر: ص:۹۴ ج۔۱)

اور ان چار پرندوں کا انتخاب اس وجہ سے تھا کہ ان میں کوئی نہ کوئی انسانی صفت پائی جاتی ہے۔ مثلاً مرغ: میں شہوت کا مادہ پایا جاتا ہے اور یہی چیز انسان میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ کوے: میں حرص کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور بعض انسان بھی حرص وہوا میں بہت آگے ہوتے ہیں۔ کبوتر: اپنی مراد حاصل کرنے میں جلدی کرتا ہے اس لئے ہر انسان اپنی مراد حاصل کرنے میں جلد بازی سے کام لیتا ہے۔ چوتھا مور: اس میں تکبر کی فراوانی ہوتی ہے جب خوش ہوتا ہے تو ناچنے لگتا ہے اور اپنے خوبصورت پر پھیلا دیتا ہے اسے اپنے حسن وجمال پر بڑا فخر ہوتا ہے مگر جب اپنے پاؤں کی طرف دیکھتا ہے تو شرمسار ہو جاتا ہے اور پر گرا دیتا ہے۔

(محصلہ مظہری: ص:۳۷۰ ج:۱؛ خازن: ص:۲۰۵ ج۔۱)

اور یہی حال حضرت انسان کا بھی ہے ذرا آسودگی ملتی ہے تو غرور وتکبر کرتا ہے تو جب پکڑ آتی ہے تو ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ ثُمَّ اجْعَلْ... الخ پھر (ذبح کر کے ان کو) رکھ دے آس پاس کی تمام پہاڑیوں پر پھر تم ان کو بلاؤ وہ زندہ ہو کر تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد زندہ کرنے کی کیفیت بتادی کہ اجزاء کس طرح جڑتے ہیں اور ان میں جان کس طرح ڈالی جاتی ہے سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لیا۔ واللہ اعلم

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ

ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اس دانے جیسی ہے جس نے سات بالیوں کو اگایا

فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

ہر بالی میں سو دانے ہیں اور اللہ تعالیٰ دگنا کرتا ہے (بڑھاتا ہے) جس کے لیے چاہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۲۶۱﴾

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ

جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں پھر جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اس کے پیچھے احسان جتلانا

اَذًى ۙ لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ

اور تکلیف دینا نہیں لگاتے ایسے لوگوں کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۲۶۲﴾ دستور کے مطابق بات

مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

اور در گزر کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے تکلیف (ستانا) ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے ﴿۲۶۳﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو باطل نہ کرو احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر اس شخص کی طرح جو لوگوں

مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ

کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا پس اس شخص کی مثال (یعنی اس کے خرچ کرنے کی) صاف چٹان

عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ

یا پتھر کی ہے جس پر مٹی ہو پس پہنچے اس کو موسلادھار بارش اور چھوڑ دے اس کو بالکل خالی اور صاف یہ لوگ اس میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہوں گے جو کچھ انہوں نے کمایا ہے

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ

اور اللہ تعالیٰ کفر کرنے والی قوم کی راہنمائی نہیں کرتا ﴿۲۶۴﴾ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا

مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ

حاصل کرنے کے لیے اور اپنے دلوں کی پختگی کے لیے ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو اس کو موسلادھار بارش پہنچے پس وہ

اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

اپنا پھل دگنا دے پس اگر زور دار بارش نہ پہنچے تو ہلکی بارش بھی اسکے لیے کار آمد ہوگی اور اللہ تعالیٰ نگاہ میں رکھتا ہے جو کام تم کرتے ہو ﴿۲۶۵﴾

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو اس کے سامنے

الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ

نہریں بہتی ہوں اور اس شخص کے لیے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اس شخص کو بڑھاپا آپہنچے اور اس کی اولاد کمزور ہو

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

پس اس باغ کو بگولہ پہنچے جس کے اندر آگ ہو اور وہ اس باغ کو جلا ڈالے اسی طرح اللہ تعالیٰ واضح طور پر اپنی آیات بیان فرماتا ہے

ع ۳۶ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع

تاکہ تم غور و فکر کرو ﴿۲۶۶﴾

انفاق کی فضیلت اور شرائط

﴿۲۶۱﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ... الخ ربط آیات: پہلے انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر تھا درمیان میں علم القصص کا بیان ہوا، اب یہاں سے انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت اور صدقہ کی صحت اور ابقاء کے شرائط کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع: ❶ فرض معاونین خلافت اور انفاق فی سبیل اللہ کی چار شرائط کا بیان ہے۔ ماخذ آیات ۲۶۱: تا ۲۶۶ +

امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں معاونین خلافت دو قسم کے ہوں گے، اہل دولت اور اہل علم۔ اس رکوع میں اہل دولت کا فرض مذکور ہے اور دولت کے خرچ کرنے کی شرطیں بتلائی گئی ہیں کل شرطیں پانچ ہیں چار شرطیں اس رکوع میں مذکور ہیں اور پانچویں شرط آئندہ رکوع میں مذکور ہے اس آیت اور اگلی آیت میں ترغیب انفاق کے ساتھ ساتھ صدقہ کی صحت اور ابقا کی شرائط کا ذکر ہے، پہلی آیت میں ایک مثال کے ذریعہ ابقائے صدقہ کی تصریح ہے۔ اور دوسری مثال آیت (۲۶۵) میں موجود ہے۔

فَائِدَہ: خرچ کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔ ❶ ایک نمائش کے لئے اس کا کچھ ثواب نہیں اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ❷ ادنیٰ درجہ کے اخلاص کے ساتھ اس کا ثواب دس گنا ملتا ہے اس میں اُس ادنیٰ درجہ کا بیان ہے۔ ❸ زیادہ اخلاص یعنی اس کے اوسط یا اعلیٰ درجہ کے ساتھ اس کیلئے اس آیت میں دس سے سات سو تک اخلاص کے مختلف درجوں کے مطابق کا بیان ہے۔ واللہ اعلم

﴿۲۶۲﴾ ابقائے صدقات کی دو شرائط: اس آیت میں بھی صدقات کو باقی رکھنے کی دو شرطیں ذکر کی گئی ہیں کہ دینے کے بعد احسان نہ جتلایا جائے اور کوئی تکلیف نہ دی جائے۔ مثال کے طور پر کسی شخص نے کسی کو اللہ کی رضا کی خاطر کچھ رقم دی ایمان اخلاص اور اتباع سنت کا خیال رکھتے ہوئے تو اسے امید رکھنی چاہئے کہ اسے اجر ملے گا مگر وہ شخص پانچ سال یا سو سال کے بعد احسان جتلائے کہ میں نے تجھے فلاں موقع پر اتنی رقم دی تھی تو نیکی ضائع ہوگی اور احسان جتلانے کا گناہ الگ ہے۔ اذیت دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی نے جس پر احسان کیا اس نے کوئی بات اس کی مرضی اور منشاء کے خلاف کردی اور اس نے کہا میرا کھانے والا میرے سامنے باتیں کرتا ہے تو ایسا کرنے سے اس کے صدقے کا اجر بالکل باطل ہو گیا ہے۔

﴿۲۶۳﴾ مذمت احسان اور ایذاء رسانی: جس صدقہ کے بعد احسان جتلانا ہو اور تکلیف پہنچائی ہو اس سے نہ دینا بہتر ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مانگنے والے کو نرمی سے جواب دینا اور اس کے اصرار پر درگزر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے کہ بار بار اس کو شرمائے یا احسان رکھے یا طعنہ دے اور اللہ غنی ہے کسی کے مال کی اس کو حاجت نہیں جو صدقہ اس کی راہ میں کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے۔ اور وہ حلیم ہے کہ ستانے پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کرتا۔ (عثمانی، ص: ۶۲، ج۔۱)

﴿۲۶۴﴾ من واذیٰ اور ریا بطلانِ ثواب کا ذریعہ ہیں: اس آیت میں صدقہ خیرات کی قبولیت کے لئے ایمان واخلاص کو شرط قرار دیا ہے دونوں یا کوئی ایک نہ پایا جائے اس کو "كَالَّذِيْ يُنْفِقُ... الخ میں اس مثال کے ساتھ بیان فرمایا "كَمَثَلِ صَفْوَانٍ... الخ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدقہ دے کر محتاج کو ستانے اور اس پر احسان رکھنے سے صدقہ کا ثواب جاتا رہتا ہے یا دوسروں کو دکھا کر اس لئے صدقہ دیتا ہے کہ لوگ سخی جانیں اس طرح بھی خیرات کا ثواب کچھ نہیں ہوتا۔ "وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" کی قید ابطال صدقہ کے لئے شرط نہیں ہے کیونکہ صدقہ تو صرف ریا سے باطل ہو جاتا ہے اگرچہ خرچ کرنے والا مؤمن مسلمان ہی کیوں نہ ہو مگر اس قید کو اس غرض کے لئے بڑھایا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ ریا کاری مؤمن مسلمان کی شان سے بعید ہے بلکہ یہ کام تو منافقین کے حال کے مناسب ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں لکھتے ہیں اوپر مثال

بیان فرمائی تھی کہ کسی نے خیرات کی جیسے ایک دانہ بویا اور اس سے سات سو دانے پیدا ہو گئے۔ اب فرماتے ہیں کہ اخلاص نیت شرط ہے اگر کسی نے ریا اور دکھاوے کی نیت سے صدقہ کیا تو اس کی مثال ایسی سمجھو کہ کسی نے دانہ بویا ایسے پتھر پر کہ جس پر تھوڑی سی مٹی نظر آتی تھی جب بارش برسی تو بالکل صاف ہو گیا اب اس پر کیا دانہ اگے گا ایسے ہی صدقات میں ریا کاروں کو کیا ثواب ملے گا۔

﴿۲۶۵﴾ مثال نفقات مقبولہ: اس آیت میں دو شرطیں مذکور ہیں۔ ❶ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کرنا۔

❷ اور دینے کے بعد ملال خاطر نہ ہو یہ صفت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب آدمی بار بار اس کام کو کر کے عادت بنا لے تو نفس کے اندر مشقت برداشت کرنے کا ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے پھر نفس کی مزاحمت کی صفت کمزور اور مغلوب ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ یقین ہونا چاہئے خیرات کا ثواب ضرور ملے گا۔ اگر نیت درست ہے تو بہت خرچ کرنے کا ثواب بہت زیادہ ملے گا اور کم خرچ کرنے کا ثواب اس کی مقدار میں ملے گا ورنہ مال ضائع ہوگا نقصان پہنچے گا۔ زور سے مینہ برسا۔ اس سے مراد بہت مال خرچ کرنا ہے اور پھوار سے مراد تھوڑا مال خرچ کرنا ہے۔ ﴿۲۶۶﴾ مثال نفقات وطاعت غیر مقبولہ: اس آیت میں ان لوگوں کی مثال ہے جو صدقہ خیرات کر کے احسان جتلاتے ہیں۔ فرمایا! بڑھاپا زیادہ محتاجی کا زمانہ ہوتا ہے اب اس کے اہل وعیال بھی ہیں اور کمانے کی قوت بھی نہیں اور ذریعہ معاش بھی صرف وہ باغ تھا اب حالت یہ ہے کہ آگ کے بگولہ نے اس باغ کو راکھ بنا دیا ہے تو وہ باغ کوئی کام نہ آیا اسی طرح جو شخص احسان جتلانے کے لئے نیکی کا کام کرتا ہے نیت خراب ہونے کی وجہ سے آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اللہ پاک یوں ہی سمجھاتا ہے تاکہ تم اس کی آیتوں میں غور وفکر کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ

اے ایمان والو! وہ پاک چیزیں خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے

الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا

زمین سے نکالی ہیں اور ردی چیز کا قصد نہ کرو کہ تم اس سے خرچ کرتے ہو اور خود اس سے لینے والے نہیں سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کرو

فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ

اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے اور تعریفوں والا ہے ﴿۲۶۷﴾ شیطان تم کو فقر سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا

بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ ڻ يُّؤْتِي

حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۲۶۸﴾ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت

الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ

عنایت فرماتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اسے بہت زیادہ بھلائی عطاء کی گئی اور نہیں نصیحت قبول کرتے

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

مگر وہ لوگ جو عقل والے ہیں ﴿۲۶۹﴾ اور تم جو بھی خرچ کرو صدقہ خیرات یا کوئی نذر مانو نذر ماننا تو بے شک اللہ تعالیٰ

يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ

اس کو جانتا ہے اور ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی مددگار نہیں ﴿۲۷۰﴾ اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو یہ اچھی بات ہے

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور اگر تم ان کو چھپاؤ (پوشیدہ طور پر) فقراء کو دے دو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے برائیاں دور کرے گا اور اللہ تعالیٰ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا

جو کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے ﴿۲۷۱﴾ آپ کے ذمہ نہیں ہے ان لوگوں کو راہ راست پر لانا مگر اللہ تعالیٰ راہ راست پر لاتا ہے جس کو چاہے اور جو کچھ

تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ

اپنے مال سے خرچ کرتے ہو وہ تمہارے نفسوں کے لئے ہے اور تم نہیں خرچ کرتے مگر اللہ کی رضا کے لیے اور جو کچھ بھی تم

خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

مال سے خرچ کرو گے تم کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۲۷۲﴾ (صدقات وخیرات) ان فقراء کے لیے ہیں جنہیں روک دیا گیا ہے اللہ کے راستے میں

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ

وہ زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے انہیں ناواقف آدمی مالدار گمان کرتا ہے سوال سے بچنے کی وجہ سے

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

تم ان کو ان کی نشانیوں سے پہچانو گے وہ لوگوں سے لجاجت کے ساتھ سوال نہیں کرتے اور تم مال سے جو کچھ بھی خرچ کرو

ع ۳۷ ۷ ۵ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے ﴿۲۷۳﴾

اللہ تعالیٰ کی راہ میں عمدہ چیز دی جائے

﴿۲۶۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ... الخ ربط آیات: اوپر انفاق فی سبیل اللہ کے ان امور کا ذکر تھا جن کی رعایت از حد ضروری ہے اب ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں دی جائے وہ ردی اور ناقص نہ ہو۔

خلاصہ رکوع: ① انفاق کی پانچویں شرط کہ راہ خدا میں عمدہ چیز دی جائے، شیطان کے وعدہ پر تنبیہ، فضیلت اہل علم وفرض، تاکید رعایت شرائط انفاق، انفاق کے اظہار یا اخفاء کے افضل ہونے کا بیان، حصر الہدایت باری تعالیٰ، مستحقین صدقات۔

ماخذ آیات ۲۶۷ تا ۲۷۳ +

انفاق کی پانچویں شرط: حضرات مفسرین ﷭ نے "طیبٰت" کی تفصیل میں دو چیزوں کو بیان فرمایا ہے ایک یہ کہ مال

حلال ہو حرام مال سے صدقہ قابل قبول نہیں دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز تم اللہ کے راہ میں خرچ کرو وہ اعلیٰ اور بہتر ہو نکمی اور ردی نہ ہو۔
(قرطبی، ص: ۳۰۳، ج: ۳، معالم التنزیل: ص: ۱۹۱، ج: ۱، روح المعانی، ص: ۵۳، ج: ۳، ابو سعود، ص: ۳۰۳، ج: ۱)

بارانی زمین یعنی جو زمین مالک کی مشقت کے بغیر سیراب ہوتی ہے اس میں دسواں حصہ اور اگر ٹیوب ویل، نہر یا نلکے کے ذریعہ پانی دیا گیا ہے تو بیسواں حصہ۔ اور زمین کی پیداوار کا ایک اور ذریعہ معدنیات ہیں عام زمین میں اور پہاڑوں میں کانیں پائی جاتی ہیں جن سے تانبہ، نمک، کوئلہ، لوہا، سونا، چاندی، تیل وغیرہ نکلتا ہے۔ ان تمام چیزوں کی کل آمدنی کا پانچواں حصہ زکوٰۃ ہے یعنی بیس فیصد ادا کرنا ضروری ہے۔ ان کانوں کا مالک کون ہوگا؟

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کی زمین میں معدنیات برآمد ہوں گے مالک بھی وہی ہوگا، اور پانچواں حصہ بھی وہی ادا کرے گا۔ اگر یہ معدنیات عام جنگل صحرا یا سمندر سے نکلیں تو ان کی مالک حکومت ہوگی۔ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کانوں کی بھی مالک حکومت ہوگی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ انفرادی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ : گھٹیا چیز جب تم خود لینے کے لئے تیار نہیں ہو تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسی چیز کیوں دیتے ہو مگر ایک صورت ہے کہ تم خود چشم پوشی کر لو یعنی آنکھیں بند کر کے لے لو مگر یہ تم کرنے کیلئے تیار نہیں ہو لہٰذا اللہ کی راہ میں اچھی سے اچھی چیز خرچ کرو۔

عشر کے تفصیلی احکام

عُشر کی تعریف : زمین کی پیداوار پر جو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اسے "عُشر" کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ لفظ "عشر" عشر (دسویں حصہ) اور نصف عُشر (بیسویں حصہ) دونوں پر بولا جاتا ہے۔ لیکن کہاں دسواں حصہ اور کہاں بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے اس کی تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔

عُشر کس پر فرض ہوتا ہے؟ عُشر فرض ہونے کی وہی شرطیں ہیں جو صدقۃ الفطر کے واجب ہونے کی شرائط ہیں۔ چنانچہ عُشر فرض ہونے کے لیے مسلمان اور آزاد ہونا ضروری ہے جیسا کہ صدقۃ الفطر میں ضروری ہے۔ اور عاقل اور بالغ ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ صدقۃ الفطر میں ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ نابالغ اور مجنون کی زمین میں بھی عُشر فرض ہوتا ہے جیسا کہ ان پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے۔ عُشر فرض ہونے کے حولان حول (سال گزرنا) شرط نہیں ہے بلکہ فصل کا ہونا شرط ہے چنانچہ اگر ایک سال میں زمین سے کئی فصلیں حاصل ہوں تب بھی سب پیداوار پر عشر واجب ہوتا ہے۔

عُشر میں نصاب شرط نہیں ہے: ہمارے حضرت سیدنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پیداوار کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے جس میں عُشر واجب ہو بلکہ کم ہو یا زیادہ عُشر (دسواں یا بیسواں حصہ) بہر حال واجب ہے۔

کونسی پیداوار پر عُشر واجب ہے اور کونسی پیداوار پر عُشر واجب نہیں؟ اس کے بارے میں ضابطہ اور اصول یہ ہے کہ ہر وہ فصل اور پیداوار جسے زمین میں کاشت کر کے آمدنی اور نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اس پر عُشر واجب ہے۔ اور ہر وہ پیداوار جسے زمین میں کاشت کر کے نفع اور آمدنی مقصود نہیں ہوتی اس پر عُشر واجب نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی فصل کو بھی آمدنی اور نفع حاصل کرنے کی غرض سے کاشت کرلے تو اس پر بھی عُشر واجب ہوتا ہے۔

مثالوں سے وضاحت : مندرجہ ذیل فصلیں کاشت کرنے سے چونکہ آمدنی اور خود وہ فصل مقصود ہوتی ہے لہٰذا ان پر عشر واجب

ہے :(۱) ہر قسم کے اناج (گندم، جو، چاول، مکئی، باجرہ، دالیں، ساگ، پالک، سبزیاں، پھل، اور میوہ جات وغیرہ) (۲) السی اور تل کی فصل اور ان کی بیج۔ (۳) کپاس۔ (۴) تمبا کو اور افیون (پوست کی کاشت) (۵) جانوروں کے چارے کے لیے اگائی جانے والی گھاس جیسے برسین، جوار وغیرہ۔ (۶) بید، چنار، صنوبر، چیڑ، بیار، اور وہ درخت جنھیں کاٹ کر بیچا جاتا ہے۔ (۷) وہ بیج جن کی پیداوار مقصود ہوتی ہے مثلاً سورج مکھی، سرسوں، سویا، السی وغیرہ۔ (۸) وہ پھول جن کی پیداوار سے آمدنی مطلوب ہو، صرف خوبصورتی کی غرض سے نہ لگائے گئے ہوں جیسے (گلاب، چنبیلی وغیرہ کی فصلیں) (۹) خودرو گھاس جس کی آدمی اس غرض سے دیکھ بھال شروع کردے کہ اسے بیچ کر آمدنی حاصل کرے گا۔ (۱۰) پہاڑوں یا جنگلوں یا فارموں سے حاصل ہونے والا شہد۔

مندرجہ ذیل فصلوں میں عُشر واجب نہیں :(۱) بھوسہ اور سوکھی چری جس سے اناج حاصل کرلیا گیا البتہ اگر دانہ پڑنے سے پہلے ہی کاٹ لیا جائے تو عُشر واجب ہوتا ہے۔

﴿۲۶۸﴾ **شیطان کے وعدہ پر تنبیہ** :شیطان تو یہی مشورہ دے گا کہ عمدہ چیز خرچ کرنے سے تم نادار ہو جاؤ گے پھر تمہارے پاس کچھ نہیں بچے گا تم مفلس ہو کر دوسروں کے محتاج ہو جاؤ گے بس اس قسم کا خیال ذہن میں آنے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے تو پھر شیطان کا مقابلہ کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو بقیہ مال میں اللہ پاک برکت عطا فرمائیں گے۔ اگر مال وافر مقدار میں ہے تو شیطان دوسرے طریقہ سے انسان پر حملہ کرتا ہے۔ "وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ" :وہ تمہیں بے حیائی کے ارتکاب کا حکم دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مالدار آدمی کو فحاشی کے کاموں میں لگا دیتا ہے کہ فکر نہ کرو تمہارے پاس مال بہت ہے خوشی کے مواقع روزانہ نہیں آتے خوب عیش و عشرت کی زندگی بسر کرو لہٰذا کھیل تماشے فضول رسم و رواج پر خرچ کرواتا ہے۔

یہاں یہ بات قابل فہم ہے کہ صرفی حضرات فرماتے ہیں کہ مصدر کے بدلنے سے باب کا معنیٰ تبدیل ہو جاتا ہے اگر "وعد یعد" کا مصدر "وعیداً" آئے تو معنیٰ ڈرانا ہوگا اور اگر "وعد یعد" کا مصدر "وعداً" آئے تو معنیٰ وعدہ کرنا ہوگا تو پہلا "یعد وعیداً" سے ہے اور دوسرا "یعد وعداً" سے ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ بغیر استاذ کے سمجھنا بہت مشکل ہے باقی طوطے والی رٹ تو ہو سکتی ہے۔

﴿۲۶۹﴾ **يُؤْتِي الْحِكْمَةَ... الخ فضیلت اہل علم وفرض** :حکمت سے مراد علم ہے اہل علم حضرات فرماتے ہیں :"العلم النافع المؤدی الی العمل"۔ یعنی حکمت ایسے علم کو کہا جاتا ہے جو مفید ہو اور انسان کو عمل تک پہنچائے۔

(تفسیر منیر؛ ص:۶۲؛ ج:۳؛ مواہب الرحمٰن: ص:۶، ج:۱)

یعنی ایسا نافع علم کہ جس کے ساتھ عمل بھی ہو اگر ایک شخص ایسا ہے کہ اس کے پاس علم تو ہے مگر عمل سے خالی ہے تو کہا جائے گا کہ اس کو صرف معلومات حاصل ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "حکمة" سے مراد قرآن کی معرفت ہے یعنی قرآن کے ناسخ و منسوخ و محکم و متشابہ، مقدم و مؤخر، حلال و حرام و امثال کا جاننا۔

(ابن کثیر: ص:۵۰۴؛ ج:۱؛ خازن: ص:۲۱۱؛ ج:۱؛ روح المعانی: ص:۵۶؛ ج:۳؛ قرطبی: ص:۳۱۳؛ ج:۳)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حکمت کا معنیٰ سنت کرتے ہیں۔ حکیم اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے اور قرآن کریم کو بھی حکیم کہا گیا ہے۔ عربی میں حکیم اس شخص کو کہتے ہیں "من اتقن العلم والعمل"۔ جو علم اور عمل دونوں میں پختہ ہو۔ علاج معالجہ کرنے والے کو عربی میں حکیم نہیں بلکہ طبیب کہتے ہیں۔ اور حکمت کا اعلیٰ اور اکمل درجہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے۔ مال کو قرآن کریم کی اصطلاح میں لفظ خیر سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ سورۃ العادیات،، میں ہے "وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ" اور علم کو اس آیت میں خیر

کثیر سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں جب خیر یعنی مال کے خرچ کرنے کی پانچ شرطیں بیان کی گئی ہیں تو خیر کثیر یعنی علم کو بھی انہی شرائط پر خرچ کرنا بطریق اولیٰ ضروری ہوگا۔

مواعظ ونصائح

لوگوں سے معاملات: معاملات انسانی میں لوگوں کے طرز عمل پر میں غور کرتا رہتا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ بعض لوگوں کے طرز عمل سے جھگڑے کی آگ کس طرح بھڑکتی ہے، اور بعض لوگ اس کو کیسے ٹھنڈا کر دیتے ہیں۔ اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک جذباتی اور غصیلے آدمی سے اسی طرح جذباتی انداز میں پیش آؤ تو صورتحال بگڑ کر دھما کہ خیز ہو جاتی ہے اور جھگڑے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اسی لیے دانشوروں نے کہا کہ "اگر آگ کا مقابلہ آگ سے کرو گے تو اس کے شعلوں اور شراروں میں اضافہ ہی ہوگا۔"

لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے برخلاف ہر وقت نرمی اور ٹھنڈک سے کام لے تو بعض اوقات اس کے کام درست نہیں ہوتے اور نتیجہ خاطر خواہ نہیں نکلتا۔ اس صورتحال سے بچنے کا علاج میرے خیال میں یہی ہے کہ لوگوں کے ساتھ معاملات وتعلقات میں آپ حضرت معاویہؓ کے دھاگے والی پالیسی پر عمل کریں۔

حضرت امیر معاویہؓ کی پالیسی: اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بار حضرت معاویہؓ سے کسی نے پوچھا: کہ بیس سال تک آپ نے لوگوں پر امیر (گورنر) کی حیثیت سے حکومت کی، اتنے لمبے عرصے حکومت کرنا آپ کے لیے کیسے ممکن ہوا؟ انہوں نے کہا: یہ ایسے ممکن ہوا کہ میرے اور ان کے درمیان تعلقات ایک ڈوری کی شکل میں تھے۔ اس کا ایک سرا میرے ہاتھ میں تھا اور دوسرا سرا اُن کے ہاتھ میں۔ جب وہ اس ڈوری کو اپنی طرف کھینچتے تھے تو میں اپنی طرف سے ڈھیل دے دیتا تھا تاکہ وہ ٹوٹنے نہ پائے۔ اور جب دیکھتا تھا کہ اب ان کی طرف سے ڈھیل مل رہی ہے تو میں اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔" واقعی انہوں نے یہ بالکل صحیح فرمایا۔ وہ بڑے دانا اور مدبر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

میں اس بات کو انسانی زندگی کی ایک مسلمہ حقیقت سمجھتا ہوں کہ اگر کسی گھر میں میاں بیوی دونوں جذباتی اور تیز مزاج ہوں تو ان کی زندگی خوشگوار نہیں ہوگی اسی طرح اگر دو ساتھی بھی غصیلے اور سخت مزاج ہوں تو ان کی دوستی بھی زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکتی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ "پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو کشتی میں پچھاڑ دے، بلکہ پہلوان وہ ہے جو اپنے غصہ پر قابو پالے۔" (یہ حدیث متفق علیہ ہے) جی ہاں! بہادر پہلوان وہ نہیں کہلائے گا جو مضبوط بدن کا ہو اور مقابلہ کے وقت مخالف کو پچھاڑ دے۔ اگر بہادری کا معیار یہی ہوتا تو حیوانات اور درندے آدمیوں سے زیادہ قابل فخر ہوتے۔ بہادر وہی عقلمند شخص کہلائے گا جو یہ جانتا ہو کہ کسی صورتحال سے نمٹنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ خواہ بیوی کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو، یا اولاد کا معاملہ ہو یا افسر کے ساتھ یا ساتھیوں کے ساتھ کوئی معاملہ ہو تو اس سے کیسے نمٹا جائے کہ مسئلہ بھی حل ہو جائے اور ان سے ناچاقی بھی نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "قاضی جب غصہ کی حالت میں ہو تو کوئی فیصلہ نہ کرے (اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن صحیح بتایا ہے۔) اس کے علاوہ آپ نے تحمل وبرداشت کی عادت ڈالنے کی تاکید فرمائی ہے، آپ نے فرمایا کہ: "تحمل مزاجی کوشش کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ (اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔)

جی ہاں! متحمل مزاج بننے کے لیے کوشش اور مشق کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ جب آپ پہلی مرتبہ غصہ کو دبانے کی کوشش کریں گے تو یقیناً سو فیصد تھک جائیں گے، لیکن دوسری بار نوے فیصد تھکیں گے۔ تیسری بار غصہ پر قابو پانے میں اسی فیصد

نکان ہوگی۔ اسی طرح مشق کرتے کرتے بالآخر تحمل و برداشت آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن جائے گی۔

مسئلہ نذر

﴿۲۷۰﴾ تاکید رعایت شرائط انفاق :انفاق فی سبیل اللہ ہی کے ضمن میں ہر قسم کا خرچ کرنا داخل ہے خواہ مذکورہ شرائط کلی یا جزئی کا خیال رکھا گیا ہو یا نہ رکھا گیا ہو اس کے عموم میں نذر بھی شامل ہے۔ حدیث شریف میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا نذر نہ مانا کرو کیونکہ یہ آدمی کو تقدیر سے نہیں بچا سکتی "لَا يُغْنِي نَذْرٌ عَنْ قَدَرٍ" جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نذر بخیل لوگ مانتے ہیں اس لئے کہ اس میں ایک قسم کا سودا بازی ہے اور مؤمن کا عمل تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوتا ہے وہ تو غیر مشروط طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں گویا نذر ماننا مشروط عبادت ہے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں اَلنَّذْرُ عِبَادَۃٌ۔ منت بمنزلہ عبادت کے ہے۔ اور عبادت بدنی بھی ہوتی ہے اور مالی بھی۔ بدنی عبادت کی مثال نوافل یا روزے ہیں اور مالی عبادت صدقہ خیرات یا جانور ذبح کرنا ہے اور اگر نذر غیر اللہ کے تقرب کے لئے مانی جائے تو یہ شرک بن جاتا ہے۔

اگر نذر عبادت مانی جائے تو کام پورا ہونے پر پورا کرنا ضروری ہے۔ نذر کے مال کے مصرف وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مصرف ہیں یعنی مالدار نہیں کھا سکتا کافر نہیں کھا سکتا سید نہیں کھا سکتا جو لوگ نذر کی دیگیں اہل محلہ میں تقسیم کرتے ہیں یہ نادانی کرتے ہیں اس طرح سر سے ذمہ نہیں اترتا اس کے لئے مستحق لوگوں کو تلاش کر کے کھلانا پڑے گا بلکہ اس کا نمک مرچ مصالحہ بھی چکھنا جائز نہیں اگر مجبوراً چکھا ہے تو تھوک دے۔ بعض لوگ نذر پورا کرنے کی اشیاء مزارات پر لے جاتے ہیں اور تاویل کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں اور وہاں فقراء کھلے مل جاتے ہیں اس لئے وہاں لے جاتے ہیں یہ محض ڈھونگ ہے بچنے کی تاویل ہے وہاں اکثر بے نمازی نشئی ہوتے ہیں ان کو دینا کس طرح جائز ہے؟ (محصلہ ذخیرہ)

فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ :پس بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم نے کس نیت کے ساتھ منت مانی نذر جائز ہے یا ناجائز تم لوگوں کو دھوکہ دے سکتے ہو کہ فلاں فلاں نیت سے کی ہے مگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے رازوں سے واقف ہے وہ تمہاری ظاہر اور پوشیدہ سب باتوں کو جانتا ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا شرک سب سے بڑا ظلم ہے لہٰذا جو کوئی شرک کرتا ہے کفر کرتا ہے غیر اللہ کے نام پر نذر ماننا ہے مستحقین کو نظر انداز کرتا ہے کسی قسم کی زیادتی کرتا ہے غرض جس قسم کا ظلم زیادتی کرے گا وہ مدد کے قابل نہیں اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا۔

﴿۲۷۱﴾ انفاق کے اظہار یا اخفاء کے افضل ہونے کا بیان :شرائط انفاق کو ضرور ملحوظ رکھو پھر خواہ ظاہر کر کے دو یا در پردہ دو مگر در پردہ دینا بہتر ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ریاء سے پاک ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی صدقہ لینے کا مستحق ہوتا ہے مگر وہ سب کے سامنے لینا پسند نہیں کرتا اس لئے وہ شخص محروم ہو جائے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر قسم کے لوگ ہیں نیک بھی بد بھی جب سب کے سامنے دے گا تو چور ڈاکو سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔ البتہ ظاہراً دینے کا مقصد یہ ہو کہ دیکھنے والوں کو بھی شوق اور ترغیب دینا ہوتا کہ وہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے بن جائیں تو جائز ہے مگر خفیہ طور پر خرچ کرنا افضل ہے۔ اس کی تصدیق بخاری مسلم کی حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے کہ جن سات آدمیوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ پاک ان کو اپنے عرش کے نیچے جگہ عطا فرمائیں گے۔ ان میں سے ایک آدمی وہ ہے "رجل تصدق بصدقة فاخفاها حتیٰ لا تعلم شماله ما تنفق يمينه" کہ دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے مگر بائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے مگر بائیں ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی اس قدر خفیہ طور پر خرچ کرتا ہے۔ مسند احمد میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے "اِنَّ الصَّدَقَةَ

ظِلُّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" قیامت کے دن صدقہ مؤمن کے حق میں بمنزلہ سایہ کے ہوگا جب میدان محشر میں انتہائی درجہ کی تپش ہوگی اس وقت صدقہ اپنے دینے والے کے سر پر سایہ کرے گا۔

غیر مسلم کے لئے صدقہ: نفلی صدقہ کافر کو دیا جاسکتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے والا نہ ہو جیسا کہ فتاویٰ شامی (ص: ۳۰۷، ج ۲۰) پر اس کی صراحت موجود ہے جو مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ہو اس کو دینا جائز نہیں جو کفر کی تبلیغ کرتا ہو اس کو بھی دینا جائز نہیں۔ البتہ جو صدقات فرض ہیں وہ کافروں کو دینا جائز نہیں۔ مثلاً زکوٰۃ فطرہ، عشر، قسم کا کفارہ، نماز روزہ کا فدیہ۔ (ذخیرہ، ص: ۴۷۷، ج ۲)

﴿۲۷۲﴾ **حصر الهدایت فی ذات باری تعالیٰ:** جہاں تک کفار کو راہ راست پر لانے کا تعلق ہے ان لوگوں میں للٰہیت کا یہ رنگ پیدا کر دینا آپ کا کام نہیں ہے۔ کیونکہ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ "فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ" آپ کے ذمہ دین کو پہنچانا ہے آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے حساب تو ہمارے ذمہ ہے ہدایت کے متعلق حق تعالیٰ شانہ کا قانون یہ ہے "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ" پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر میں رہے ایمان اور کفر اختیار کرنا انسان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے البتہ ارادہ کا دخل ضرور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت اسے دیتے ہیں: "اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ" جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ بس میں ترغیب ہے کہ صدقہ خیرات اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے خرچ کرو۔

﴿۲۷۳﴾ **اصل مستحقین صدقات و زکوٰۃ:** ان ضرورت مند لوگوں پر خرچ کرو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دن رات مشغول ہیں دنیاوی کام کرنے سے روکے گئے ہیں ملک میں سفر نہیں کر سکتے اگرچہ ان میں سفر کرنے کی صلاحیتیں اور قابلیتیں موجود ہیں مگر فرائض دینی کے پورا کرنے کی وجہ سے محصور ہیں۔ مثلاً قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کرنے کی مصروفیت کی وجہ سے یا جہاد پر جانے کی وجہ سے تو ایسے لوگوں کے لئے حکم دیا گیا ہے جو دین کے لیے وقف ہیں یا تبلیغ کے لئے وقف ہیں یا کفار کے مقابلے میں جہاد کرتے ہیں اور دوسرا کوئی کام نہیں کر سکتے اور ہیں بھی ضرورت مند تو وہ تمہارے صدقے خیرات کے مستحق ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

وہ لوگ جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں رات کے وقت اور دن کے وقت، پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر ان کے لیے ان کے رب کے پاس بدلہ ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا

اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۲۷۴﴾ وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں

لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر اس شخص کی طرح جس کے حواس شیطان مختل کر دیتا ہے چمٹنے کی وجہ سے یہ اس لیے

قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ

کہ بے شک انہوں نے کہا کہ بے شک سوداگری بھی سود کی مثل ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سوداگری کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے پس جس کے پاس

مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ

نصیحت آگئی اس کے رب کی طرف سے پس وہ رک گیا پس جو کچھ ہو چکا وہ اس کے لئے ہے اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے اور جس نے پلٹ کر کیا پس یہی لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ

دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۷۵﴾ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ

لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا

ناشکر گزار اور گناہ گار کو پسند نہیں کرتا ﴿۲۷۶﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے اور نماز قائم کی

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ

غمگین ہوں گے ﴿۲۷۷﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ

تم حقیقت میں ایماندار ہو ﴿۲۷۸﴾ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا پس سن لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑائی کا چیلنج ہے اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے اصل مال تمہارے ہی

تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ

ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا ﴿۲۷۹﴾ اگر وہ شخص تنگدستی والا مقروض ہے

فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا

پس اس کو مہلت دینی چاہیے آسودگی تک اور یہ کہ تم صدقہ کرو (بخش دو) یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ﴿۲۸۰﴾ اور اس دن سے ڈرو

تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع ۳۸

جس دن تم اللہ کے سامنے لوٹائے جاؤ گے پھر ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور ان پر کسی طرح ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۲۸۱﴾

﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ **ربط آیات:** اوپر انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر تھا اب آگے اسی سلسلہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا وقت اور اس کی ضد سود کا ذکر ہے۔

خلاصہ رکوع ۳۸: عدم تخصیص اوقات انفاق فی سبیل اللہ، احکام سود، سود خوروں کی قیامت کے دن کیفیت، مذمت سود، مدح مؤمنین کا نتیجہ، بقایا سود کی وصولی کی ممانعت، سود خوروں کے لئے اعلان جنگ، تنگ دست مقروض کے لئے مہلت کا بیان۔

ماخذ آیات ۲۷۴ تا ۲۸۱ +

عدم تخصیص اوقات انفاق فی سبیل اللہ: اس آیت میں فرمایا جس وقت یا جس طریقہ سے بھی خرچ کرو کوئی وقت

متعین نہیں ہے چوبیس گھنٹوں میں سے جب چاہو خرچ کرو۔ "سِراً" پوشیدہ طور پر خرچ کرو "وَعَلَانِيَةً" اور ظاہراً خرچ کرو نیت صاف ہونی چاہئے یہاں بھی یہ مسئلہ یادرکھنا ضروری ہے اگر کوئی شخص خرچ کرتے وقت یہ نیت کرلے کہ اس کا ثواب میرے والدین، نانی، نانا، دادا، دادی، مشائخ اساتذہ، دوست احباب وغیرہ کو ملے تو نیکی کرنے والے کو برابر کا ثواب ملے گا۔ خواہ مال خرچ کر کے ثواب پہنچائے یا تلاوت وغیرہ کر کے ثواب پہنچائے۔ اس آیت سے واضح ہے کہ ایصال ثواب کیلئے تعیین وقت نہیں ہے یہ محض ڈھونگ اور غلط طریقہ ہے اور خود ساختہ شریعت کے احکام ہیں جیسا کہ اسی سورۃ کی آیت: ۶۰ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ اللہ پاک دین حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مواعظ ونصائح

بخل سب سے بڑی بیماری: ایک مرتبہ ایک قبیلہ کا وفد اسلام قبول کرنے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس وفد کے کچھ افراد سے گفتگو فرمائی تا کہ ان کے سردار کا حال معلوم کریں، پھر اس کو سردار کی حیثیت بھی قائم رکھیں یا تبدیل کر کے کوئی دوسرا سردار مقرر کریں۔ آپ نے ان سے پوچھا: ''تمہارا سردار کون ہے؟'' انہوں نے کہا کہ ''ہمارا سردار فلاں شخص ہے، اگر چہ وہ ہمیں بخیل لگتا ہے''۔

آپ نے فرمایا: ''بخل سے بڑی تو کوئی بیماری نہیں ہے!! لہٰذا اب تمہارا سردار وہ گھونگریالے بالوں اور گوری جلد والا فلاں شخص ہوگا۔'' جی ہاں! رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا کہ ''بخل سے بڑی کوئی بیماری نہیں ہے۔'' دیکھئے بخل کتنی بری چیز ہے، اور لوگ بخیل شخص سے کتنی نفرت کرتے ہیں اور اس سے بیزار رہتے ہیں۔ بخیل کو آپ دیکھیں گے تو وہ کبھی اپنے گھر پر دوستوں کو دعوت نہیں دیتا جو باہمی محبت بڑھانے کا ذریعہ ہے وہ کسی کو تحفہ نہیں دیتا۔ وہ خود اپنے لباس اور زیب وزینت کا خیال نہیں رکھتا اور نہ کوئی خوشبو استعمال کرتا ہے۔ وہ بس مال ودولت بڑھانے میں لگا رہتا ہے خواہ اس کے لیے ذلت برداشت کرنی پڑے۔

اس کے برخلاف سخی مزاج شخص اپنے دوستوں کے ساتھ فیاضی سے پیش آتا ہے، اور اگر کسی دوست کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ شوق سے اس کو دیتا ہے۔ اس طرح اپنے حسن سلوک اور فیاضانہ برتاؤ سے ان کے دل جیت لیتا ہے۔ لیکن جب آپ دوستوں کے ساتھ نیکی اور احسان کریں تو آپ کی نیت اچھی ہونی چاہیے تا کہ اپنے مسلمان بھائیوں سے الفت پیدا ہو اور ان کی محبت حاصل ہو، اور ان کے ساتھ نیکی کرنے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو۔ یہ فیاضی اور احسان شہرت اور بڑائی حاصل کرنے یا لوگوں سے اپنی تعریف کروانے کے لیے نہیں ہونا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''سب سے پہلے جو جہنم میں جلائے جائیں گے وہ تین آدمی ہوں گے۔'' ان میں سے آپ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو اپنا مال اس لیے خیرات کرتا تھا کہ لوگ اس کو سخی کہیں گویا اس نے یہ نیک کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے نہیں کیا بلکہ مخلوق کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا یعنی ریاکاری اور شہرت کے لیے۔

تین شخصوں کا حال: حضرت سفیانؒ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مدینہ گیا تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگ جمع ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ صاحب کون ہیں؟'' لوگوں نے بتایا کہ ''یہ ابوہریرہؓ ہیں۔'' میں ان صاحب کے قریب گیا اور ان کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ جب باتیں کر چکے اور اکیلے رہ گئے تو میں نے ان سے کہا: ''میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں، آپ مجھے وہ حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو اور اس کو خوب سمجھ لیا ہو۔'' حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا:

"ہاں میں تمہیں ضرور وہی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سنائی تھی اور میں نے اس کو سمجھ کر یاد رکھا۔"

پھر حضرت ابوہریرہؓ ایک سسکی لے کر بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد وہ ہوش میں آئے تو پھر فرمایا: "میں تمہیں وہ حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سنائی تھی، اور اس وقت اس گھر میں صرف میں اور وہ تھے، تیسرا کوئی نہیں تھا۔" اتنا کہنے کے بعد انہوں نے پھر ایک سسکی لی اور بیہوش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد جب ہوش میں آئے تو اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد پھر وہی جملہ کہہ کر تیسری بار بھی بے ہوش ہو گئے۔ اس مرتبہ میں نے ان کو اٹھایا۔

پھر انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف نزول فرمائے گا تاکہ ان کے فیصلے کرے۔ اس وقت ہر امت اور قوم گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی۔ وہاں سب سے پہلے تین لوگوں کو بلایا جائے گا۔ ایک وہ جو بہت قرآن پڑھا کرتا تھا۔ دوسرا وہ جو اللہ کی راہ میں قتل ہوا، تیسرا مالدار شخص۔

اللہ تعالیٰ قاریٔ قرآن سے فرمائے گا: "کیا میں نے تجھے وہ (قرآن) نہیں سکھایا جو میں نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا؟" وہ کہے گا: "ہاں بے شک میرے پروردگار! تو نے سکھایا۔" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "پھر تو نے جو کچھ سیکھا تھا اس کا کیا کیا؟"۔ وہ کہے گا: "میں اس کو دن رات پڑھتا رہتا تھا۔" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "تو نے جھوٹ کہا۔" فرشتے بھی اس سے کہیں گے: "ہاں! تو نے جھوٹ کہا۔" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "تیری نیت یہ ہوتی تھی کہ لوگ تیرے بارے میں کہیں کہ یہ قاریٔ قرآن ہے، قرآن خوب پڑھتا ہے" سو لوگوں نے یہ کہہ دیا۔" (یعنی تجھے دنیا میں ہی اس کی جزا مل گئی۔ کیونکہ تیرا مقصد ریاکاری تھا اور تو لوگوں سے اپنی تعریف سننا چاہتا تھا، لوگوں نے تیری تعریف کردی کہ وہ بڑا قاری ہے، اور اس طرح اس کا صلہ تجھے مل گیا)۔

اس کے بعد مالدار شخص کو بلایا جائے گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "کیا میں نے تجھے خوب مال و دولت نہیں دی تھی، اتنی کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا؟" وہ کہے گا: "ہاں بے شک دی تھی۔" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "پھر جو کچھ میں نے تجھے دیا تو نے اس کا کیا کیا؟" وہ کہے گا: "میں صلہ رحمی کرتا تھا اور خیرات کیا کرتا تھا۔"

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "تیری نیت یہ ہوتی تھی کہ تو سخی کہلائے۔ سو لوگوں نے تجھے سخی کہہ دیا۔" پھر اس شخص کو بلایا جائے گا جو راہ خدا (جہاد) میں قتل ہوا ہوگا۔ اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "تجھے کیوں قتل کیا گیا؟"۔ وہ کہے گا: "یا اللہ! تو نے اپنی راہ میں جہاد کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ میں نے جہاد کیا اور اس میں مارا گیا۔" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "تو نے جھوٹ کہا"۔ فرشتے بھی کہیں گے: "ہاں تو نے جھوٹ کہا۔" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "بلکہ تیری نیت یہ تھی کہ تو بہادر کہلائے۔ سو لوگوں نے تجھے بہادر کہہ دیا۔" حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ "پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ "اے ابوہریرہ! یہ ہیں وہ تین لوگ جو قیامت کے روز اللہ کی سب مخلوق سے پہلے آگ میں ڈالے جائیں گے۔" (ترمذی و مستدرک حاکم)

لہٰذا اگر نیکی اور سخاوت کرنے میں آپ کی نیت اچھی ہے تو آخرت میں بھلائی اور اچھے صلہ کی خوشخبری قبول فرمائیں۔ آپ کی نیکی اور احسان کے سب سے زیادہ حقدار آپ کے گھر والے ہیں، یعنی ماں باپ اور بیوی بچے۔ اس کے بعد وہ جو سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں، پھر ان کے بعد والے، درجہ بدرجہ۔ نیکی پہلے اپنی ذات سے شروع کیجئے اور پھر ان پر جن کے آپ کفیل ہیں۔ انسان کے گناہ گار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کا خیال نہ رکھے۔ اس کے علاوہ سخاوت اور فضول خرچی میں فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔

حاتم طائی کی بیٹی کا واقعہ: ایک شخص کسی پرانے راستہ پر جا رہا تھا۔ وہاں اس کا گزر ایک بہت بوسیدہ مکان کے پاس سے

ہوا۔ دیکھا تو اس پرانے مکان کی دہلیز پر ایک چھوٹی بچی پھٹے پرانے کپڑے پہنے بیٹھی تھی۔ ظاہری حلیہ سے وہ کسی غریب گھرانے کی لڑکی لگتی تھی۔ اس شخص نے بچی سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' بچی نے کہا: ''میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔'' وہ شخص بڑا متعجب ہوا اور کہنے لگا: ''سخی اور فیاض حاتم طائی کی بیٹی اور اس حال میں!'' وہ کہنے لگی: ''ہمارے والد کی سخاوت نے ہی تو ہمیں اس حالت میں پہنچایا ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملومًا محسورًا''۔ (بنی اسرائیل۔۲۹)

''اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو کہ) ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔'' (بنی اسرائیل۔۲۹)

دراصل سخی کی تو تعریف کی جاتی ہے، لیکن اسراف کرنے والے اور فضول خرچ کی مذمت کی جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بالکل کنجوس بننے اور بالکل ہاتھ کھلا چھوڑنے یعنی بے جا اسراف کرنے دونوں سے منع فرمایا ہے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جو ان دونوں کی درمیانی راہ ہے۔ کسی عرب شاعر نے بہت اچھا کہا ہے: ''پیسہ خرچ کرنے میں افراط و تفریط کو چھوڑ دو کہ یہ دونوں باتیں قابل مذمت ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے آپ ایسے نہیں تھے کہ صرف اپنا بھلا سوچتے ہوں اور دوسروں کا خیال نہ رکھتے ہوں، نہیں آپ ایسے ہرگز نہیں تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی بھوک: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ کی قسم! مجھے بعض اوقات ایسی بھوک لگتی تھی کہ میں زمین پر لیٹ جاتا تھا۔ اور کبھی اپنے پیٹ سے پتھر باندھ لیتا تھا۔'' ''ایسی ہی بھوک کے وقت ایک مرتبہ میں اس راستہ پر بیٹھ گیا جہاں سے لوگ مسجد سے نکلتے وقت گزرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ گزرے تو میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کا مطلب پوچھا۔ اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ گھر لے چلیں (اور کچھ کھلائیں) لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

پھر وہاں سے حضرت عمرؓ گزرے تو میں نے ان سے بھی ایک آیت کا مطلب پوچھا۔ میرا مقصد یہی تھا کہ مجھے اپنے ساتھ گھر لے چلیں (اور وہاں کچھ کھلائیں پلائیں) لیکن انہوں نے بھی ایسا نہیں کیا۔ پھر وہاں سے رسول اللہ ﷺ گزرے تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ آپ میرا چہرہ دیکھ کر ہی پہچان گئے کہ میری کیا حالت ہے اور میں کیا چاہتا ہوں۔

آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ''اے ابوہریرہؓ!'' میں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ! (حاضر ہوں یا رسول اللہ!)۔ آپ نے فرمایا ''آؤ میرے ساتھ چلو!'' میں آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے، پھر میں نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو آپ نے اندر بلالیا۔ آپ نے گھر میں کھانے پینے کی چیز تلاش کی تو ایک پیالہ میں دودھ رکھا ملا۔ آپ نے گھر والوں سے پوچھا کہ ''یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟'' انہوں نے بتایا کہ ''فلاں شخص نے آپ کو بطور تحفہ بھیجا ہے۔''

آپ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوہریرہ! اہل صفہ (اہل صفہ دراصل اسلام کے مہمان تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اسلام قبول کر کے اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں آرہے تھے۔ یہ مسجد نبوی کے ایک سایہ دار چبوترہ پر دن رات رہتے تھے۔ نہ کسی کے گھر میں ٹھہرے تھے اور نہ ان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ جب بھی آپ کے پاس صدقہ میں کوئی چیز آتی تھی آپ ان کے پاس بھیج دیتے تھے اس میں سے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ البتہ جب کوئی چیز بطور تحفہ یا ہدیہ آتی تو ان کو بلا لیتے اور اس میں سے خود بھی کھاتے اور ان کو بھی کھانے میں شریک فرماتے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ اچھا نہیں لگا۔ میں نے دل میں سوچا کہ ''یہ دودھ اصحاب صفہ کو کیا پورا پڑے گا۔ اس

دودھ کا تو میں زیادہ حقدار ہوں کہ یہ پی کر مجھ میں کچھ جان آجائے گی۔ جب وہ لوگ آجائیں گے تو آپ مجھے ان کو پلانے کا حکم فرمائیں گے۔ ان کے پینے کے بعد میرے لیے دودھ کہاں بچے گا۔"

بہرحال اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننا ضروری تھا۔ اہل صفہ کے پاس گیا اور ان کو بلا لایا۔ آپ نے ان کو اندر گھر میں بلالیا، جب وہ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا: "اے ابوہریرہ! یہ دودھ کا پیالہ لو اور ان کو دیتے جاؤ۔" میں نے پیالہ لیا اور ان سب کو باری باری دینا شروع کر دیا۔ جب ایک آدمی اس میں سے دودھ پی کر سیر ہو جاتا تو وہ پیالہ دوسرے کو دیتا۔ جب وہ پی کر سیر ہو جاتا تو پیالہ مجھے واپس دے دیتا۔ اس طرح سب کو اس میں سے دودھ پلا کر میں آخر میں رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گیا۔ آپ نے وہ پیالہ مجھ سے لے کر اپنے ہاتھ میں پکڑا اور پھر مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: "اے ابوہریرہ! میں نے کہا: حاضر ہوں یارسول اللہ!" میں نے فرمایا: "بس اب میں اور تم باقی رہ گئے ہیں نا"؟ میں نے کہا: بے شک یارسول اللہ! آپ نے صحیح فرمایا۔" آپ نے فرمایا: "اچھا یہاں بیٹھو اور اس میں سے دودھ پیو۔"

میں وہیں بیٹھ گیا اور دودھ پینے لگا۔ جب پی چکا تو آپ نے فرمایا "اور پیو" میں نے اور پیا: پھر آپ فرماتے ہی رہے کہ "اور پیو۔ اور پیو" آخر میں نے عرض کیا: "بس! یارسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں بالکل سیر ہو گیا ہوں۔ اب مزید پینے کی گنجائش نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا: "لاؤ مجھے پیالہ دکھاؤ۔" میں نے آپ کو پیالہ دے دیا۔

تو آپ نے الحمدللہ فرمایا اور پھر بسم اللہ کہہ کر باقی دودھ نوش فرمالیا۔" (صحیح بخاری)

صحیح بات ہے کہ سخاوت میں بھی بڑے اسرار ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کسی شخص کے ساتھ براہ راست نیکی اور احسان نہیں کرتے بلکہ جن سے وہ محبت کرتا ہے آپ ان سے نیکی کرتے ہیں تو اس سے بھی وہ شخص خوش ہوتا ہے اور آپ سے محبت کرنے لگتا ہے۔

﴿۲۷۵﴾ احکام سود۔ ربط آیات :اوپر انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر تھا جس سے اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے ہیں اب یہاں سے انفاق فی سبیل اللہ کی ضد سود کا ذکر ہے جس سے اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو نبوت کے منصب عالی سے سرفراز کیا گیا تو اس وقت نہ سود حرام تھا اور نہ شراب، اور بھی بعض چیزیں حرام نہ تھیں مثلاً مؤمن کا کافر کے ساتھ نکاح بھی جائز تھا پھر رفتہ رفتہ ان چیزوں پر پابندیاں لگیں اللہ تعالیٰ نے سود کی مذمت اور حرمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا"۔ یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں اس سے صرف کھانا ہی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد لینا دینا بھی ہے یہاں پر کھانا کا ذکر اسلئے کیا گیا ہے کہ انسانی زندگی کا مدار کھانے پینے پر منحصر ہے اور یہ انسان کی اولین ضروریات میں سے ہے۔

لَا يَقُوْمُوْنَ :سود خوروں کی قیامت کے دن کیفیت :یعنی سود خور قیامت کے دن کھڑے نہیں ہو سکیں گے اپنی قبروں سے مگر اس شخص کی طرح جسے شیطان نے چمٹ کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ جب کسی شخص پر جنات کے اثرات ہو جاتے ہیں وہ اچھے طریقے سے کھڑا نہیں ہو سکتا اس کے ہوش وحواس قائم نہیں رہتے اس کے پاؤں لڑکھڑاتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن سود خوروں کی حالت ہوگی جب وہ قبروں سے اٹھیں گے تو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیشی کیلئے ان کے پاؤں لڑکھڑاتے ہوں گے اور ان کے ہوش وحواس اڑے ہوئے ہوں گے۔

جنات کا سایہ، و چمٹنا برحق ہے :جنات کا انسان کو چمٹ جانا اکثر مشاہدہ میں آتا ہے امام سرخسیؒ فرماتے ہیں جنات انسان کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں اس پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔ جنات کی مختلف قسمیں ہیں جیسا کہ سورۃ جن میں آتا ہے "مِنَّا

اَلْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ۔ جس طرح انسانوں میں مؤمن اور کافر وفاسق وغیرہ ہوتے ہیں اسی طرح جنوں میں بھی ہوتے ہیں فرق یہ ہے کہ وہ انسانوں کو نظر نہیں آتے کیونکہ ان کا مادہ تخلیق زیادہ لطیف ہے۔

انسانی آبادی کی طرح یہ دنیا جنوں سے بھی بھری ہوئی ہے۔ جب کوئی شخص ایسی غلطی کرتا ہے جس سے شیاطین کو تکلیف پہنچتی ہے تو "مِنَ الْمَسِّ" وہ لوگوں کو چمٹ کر تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

شمائل ترمذی میں روایت ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں بھی ذکر کی ہے کہ ایک موقعہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ خرافہ کیا شے ہے؟ تو ام المؤمنین نے کہا جو بات مہمل ہو اور سمجھ نہ آئے اُسے حدیث خرافہ کہتے ہیں باقی مجھے حقیقت کا علم نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خُرَافَةُ اسم رجل" اصل میں یہ ایک آدمی کا نام تھا اس کو جنات اُٹھا کر لے گئے اور کئی سال اس کو قید میں رکھا پھر رہا کر دیا جب وہ آیا تو جنات کی عجیب وغریب باتیں کرتا تھا جو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں تو پھر جو بات سمجھ نہ آتی تو لوگ اُسے کہہ دیتے "دع حدیث خرافة" چھوڑو یہ خرافی کی بات ہے اور خرافہ سے خرافات کا لفظ نکلا ہے۔ تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ جنات انسان کو قید کر کے لے جاسکتے ہیں۔

دورِ فاروقی کا واقعہ

المدونۃ الکبریٰ میں روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ ایک نوجوان خوبصورت عورت سامنے آکر کھڑی ہوگئی اور کہا کہ حضرت میری طرف توجہ فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا کہنا چاہتی ہو؟ کہنے لگی حضرت میرے خاوند کا پتہ نہیں کہ وہ کہاں چلا گیا ہے اور یہ بھی بتا کر نہیں گیا کہ وہ کدھر جا رہا ہے اور نہ ہی گھر کا کوئی خرچہ چھوڑ کر گیا ہے اور میرے والدین بھی غریب ہیں میرے بارے میں کوئی حکم فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج کے دن سے چار سال انتظار کرو جب چار سال مکمل ہو جائیں تو پھر چار ماہ دس دن عدت گزار کر تیرا نکاح ہوسکتا ہے اور اس عرصہ میں تیرا خرچہ بیت المال کے ذمہ ہے، مفقود کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ بڑا آسان ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بہت سخت ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ آدمی جس دن گم ہوا ہے اس کے بعد ستر سال تک عورت انتظار کرے پھر چار مہینے دس دن عدت گزارے پھر اگر موقعہ ہے تو نکاح کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا۔ تو بے سمجھ لوگوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا کہ دیکھو اتنے انتظار کے بعد تو پھر منکر نکیر کے ساتھ ہی نکاح ہوگا اور تو کسی سے ہو نہیں سکتا۔

تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو برا بھلا کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ فتویٰ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے جو کہ خلیفہ راشد ہیں۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے سہولت کی خاطر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے مطابق فتویٰ دیا ہے تو اس عورت کو بیت المال سے خرچہ ملتا رہا چار سال گزر گئے اور عدت کے چار ماہ دس دن گزرنے کے بعد اس کا نکاح دوسرے آدمی سے کر دیا گیا اولاد بھی ہوگئی اس کے بعد پہلا خاوند بھی آگیا۔ مسئلہ یہ ہے کہ پہلے خاوند کے آتے ہی دوسرا نکاح خود بخود ٹوٹ جاتا ہے جس طرح کسی نے تیمم کیا ہو اور پانی مل جائے اور یہ پانی کے استعمال پر قادر بھی ہو تو تیمم خود بخود ٹوٹ جاتا ہے تو پہلے خاوند نے آکر مقدمہ دائر کر دیا کہ حضرت میری بیوی دوسرے کے گھر ہے اور اس کے ہاں اولاد بھی ہوگئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو عجیب آدمی ہے کہ تُو نے بیوی کو نہ خرچہ دیا نہ یہ بتایا کہ میں کہاں جا رہا ہوں تو اب تک کہاں رہا ہے اس نے اپنا سارا واقعہ سنایا کہ مجھے جنات اٹھا کر لے گئے تھے اور اب رہا کیا ہے میرے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔

تو احتیاطاً دوسرے کو حکم دیا کہ تو طلاق دے دے اور عدت گزارنے کے بعد پہلے کے حوالے کر دی گئی کیونکہ ایسی صورت میں عدت گزارنی پڑتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دوسرے سے حاملہ ہو کیونکہ شریعت نسب کی بڑی حفاظت کرتی ہے اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا

چاہئے کہ ایسی عورت جس کا خاوند گم ہو گیا ہو اس کی عدت بھی جس دن کیس قاضی کی عدالت میں دائر ہوا ہے اسی دن سے شمار ہو گی اس سے پہلے کا عرصہ شمار نہ ہو گا چاہے وہ ایک ماہ ہو یا ایک سال ہو یا پانچ سال گزر گئے ہوں تو جنات انسان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ : بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جنات انسان کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں، اور یہ سود خور قبروں سے آسیب زدہ کی طرح حواس باختہ ہو کر کھڑے ہوں گے فرمایا: "ذٰلِكَ" یہ اسلئے کہ سود خوروں نے کہا" اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا"۔ پختہ بات ہے کہ خرید و فروخت سود کی طرح ہے یعنی بیع اس واسطے جائز ہے کہ اس میں اسی طرح فائدہ ہے جس طرح سود میں فائدہ ہے حالانکہ دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے خرید و فروخت میں منافع عوض کے بدلے میں ہوتا ہے جبکہ سود بغیر کسی عوض کے ہوتا ہے اس فرق کو مثال سے یوں سمجھئے جس طرح بیوی بھی عورت اور ماں بھی عورت ہے مگر بیوی حلال ہے اور ماں حرام ہے جبکہ ہیں دونوں عورتیں: جس طرح ان دونوں میں فرق واضح ہے اسی طرح سود اور منافع میں بھی فرق واضح ہے "رِبٰوا" کے لفظی معنی ہیں زیادتی تو سود میں زیادتی ہوتی ہے تو انہوں نے سود کو جواز میں اصل قرار دیا۔ اور کہا کہ بیع اس واسطے جائز ہے کہ سود جائز ہے الٹی گنگا چلائی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :"وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ" واو حالیہ ہے اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے۔ "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" اور سود کو حرام کیا ہے۔

فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ :پس جس شخص کے پاس نصیحت آ گئی "مِّنۡ رَّبِّهٖ" اس کے رب کی طرف سے "فَانۡتَهٰى" پس وہ سود لینے سے باز آ گیا۔ "فَلَهٗ" تو اس کیلئے ہے "مَا سَلَفَ" جو پہلے گزر چکا یعنی نہی سے پہلے جو کچھ کھا پی چکا اس پر کوئی گرفت نہیں ہو گی۔ یعنی اس کا تاوان نہیں دینا پڑے گا کیونکہ حکم اب نازل ہوا ہے۔ وَاَمۡرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ :اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے یعنی بخشش کرے یا نہ کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے "وَمَنۡ عَادَ" اور جس نے اعادہ کیا ہمارے اس حکم کے نازل ہونے کے بعد "فَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ" پس یہ دوزخ والے ہیں۔ "هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ" وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ "هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ" کے بارے میں مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ سود کو حلال سمجھ کر لیتا ہے تو پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ کیونکہ حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے اور ایسا شخص مرتد ہے اور اگر سود کو حرام سمجھتے ہوئے کھاتا ہے اور چھوڑتا نہیں ہے تو اسلامی حکومت ایسے شخص کو قید کرے تا کہ وہ توبہ کرے اور اگر ایسے افراد کا جماعت اور جتھا ہے جو باز نہیں آتے تو اسلامی حکومت ان کے خلاف جہاد و قتال کرے۔ (احکام القرآن) اور بعض خلود کا معنیٰ کرتے ہیں کہ دیر تک دوزخ میں رہے گا۔ کیونکہ وہ کافر نہیں ہے گناہگار ہے جتنی سزا رب تعالیٰ دے گا اس کے بعد نکل آئے گا۔

﴿۲۷۶﴾ یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا :مذمت سود :اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے۔ "وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ" :اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ الروم کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی سود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت میں گھٹ رہا ہے جیسے کسی آدمی کا بدن ورم سے پھول جائے وہ بیماری یا پیام موت ہے اور زکوٰۃ نکالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کم ہو گا فی الحقیقت وہ بڑھتا ہے جیسے کسی مریض کا بدن مُسہل و تنقیہ سے گھٹتا دکھائی دے مگر انجام اس کا صحت ہوتا ہے سود اور زکوٰۃ کا حال بھی انجام کے اعتبار سے ایسا ہی سمجھ لو۔ حدیث میں ہے کہ ایک کھجور جو مؤمن صدقہ کرے قیامت کے دن بڑھ کر پہاڑ کے برابر نظر آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

﴿۲۷۷﴾ مدح مؤمنین اور اس کا نتیجہ :یعنی جو لوگ ان احکامات کا خصوصاً اہتمام کرتے ہیں ان کا نتیجہ یہ ہے کہ آخرت میں ان پر کوئی خطرہ واقع نہ ہو گا اور نہ وہ کسی مقصود کے فوت ہونے سے مغموم ہوں گے۔

﴿۲۷۸﴾ بقایا سود کی وصولی کی ممانعت :اے مسلمانو! جو لے چکے سو لے چکے باقی سب چھوڑ دو سود کی حرمت کے نفاذ

کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے دو طریقے بتائے ہیں۔ پہلا طریقہ "فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ" میں گزر چکا ہے کہ وعظ و نصیحت کے ذریعے سود خور کو سود سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے اگر وہ اللہ کا حکم مان کر سود سے کنارہ کش ہو جائے تو بہتر ورنہ سود کو حلال سمجھنے والے دوزخ میں دائمی طور پر رہیں گے۔ سود کی لعنت سے نجات دلانے کا دوسرا طریقہ تعزیری عمل ہے۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کا اولین فریضہ ہے کہ ملک کو سود کی لعنت سے پاک کرے۔

شانِ نزول: زمانہ جاہلیت میں طائف میں قبیلہ بنو ثقیف کے کچھ لوگ سودی کاروبار کرتے تھے۔ مکہ میں بنو مغیرہ والے بنو ثقیف کے مقروض تھے جب اسلام کی شمع نے خطہ عرب کو منور کیا تو یہ دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے چونکہ بنو ثقیف کی رقم بنو مغیرہ کی طرف واجب الاداء تھی اول الذکر نے اپنی اصل رقم بمعہ سود مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے جواب دیا کہ اسلام میں تو سود کا لین دین نہیں لہٰذا اب تمہارا دعویٰ درست نہیں ہے۔ آخر معاملہ آنحضرت ﷺ کی خدمت عالیہ میں پیش ہوا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر مسئلہ حل کر دیا۔ (اسباب النزول: ص: ۵۱؛ ابن کثیر: ص: ۷۱۵؛ ج: ۱؛ منیر: ص: ۸۴؛ ج۔ ۳)

﴿۲۷۹﴾ سود خوروں کے لئے اعلان جنگ: اگر سود خور اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچنے کے بعد بھی سود چھوڑنے کے لئے آمادہ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے یہاں تک کہ تم اس قبیح حرکت سے باز آ جاؤ اگر تم نے سودی کاروبار کو ختم کر دیا تو تمہارا اصل مال تمہیں مل جائے گا اور اس رقم پر جو سود لگایا گیا ہے وہ نہیں ملے گا وہ چھوڑنا ہو گا۔ حضرت حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ فرماتے ہیں اگر سود خور خود توبہ نہ کرے تو اسلامی نظام کے تحت ایسے شخص کا سر تلوار سے قلم کر دینا چاہئے۔ (ابن کثیر: ص: ۵۱۸؛ ج۔۱)

چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی تمام رسومات کو میرے پاؤں کے نیچے روند دیا ہے تمام سودی کاروبار ختم ہو گئے لہٰذا سب سے پہلے اپنے خاندان کے لوگوں کے سودی کاروبار کو ختم کرتا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سودی کاروبار بڑے وسیع پیمانہ پر تھا آپ نے اس کو بالکل ختم کر دیا۔

﴿۲۸۰۔۲۸۱﴾: تنگدست مقروض کے لئے مہلت کا بیان: اگر مقروض جان بوجھ کر ٹال مٹول کرتا ہے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ قرض خواہ عدالتی کاروائی کر سکتا ہے اور حاکم وقت ایسے مقروض کو قید میں ڈال سکتا ہے اور اگر عدالت کو یقین ہو جائے کہ یہ شخص قرض لوٹانے کے قابل نہیں تو مہلت دی جا سکتی ہے اور اگر مقروض اس قدر مفلوک الحال ہے کہ قرضہ ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو ایسی حالت میں قرضہ معاف کر دینا ہی بہتر ہے۔ بخاری مسلم کی حدیث کا مفہوم ہے جو شخص تنگدست مقروض کو مہلت دیتا ہے یا معاف کر دیتا ہے وہ شخص قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے میں ہو گا وہ دن ایسا ہو گا کہ اللہ کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔ (معالم التنزیل: ص: ۲۰۱؛ ج: ۱؛ قرطبی: ص: ۵۷۳؛ ج: ۳؛ بحر محیط: ص: ۳۴۱؛ ج۔ ۲)

ارشادات نبویہ ﷺ سے سود کی مذمت

❶۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ سات مہلک چیزوں سے بچو صحابہ کرام نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ (عبادت میں یا اس کی مخصوص صفات میں) کسی غیر اللہ کو شریک کرنا۔ دوسرے جادو کرنا۔ تیسرے کسی شخص کو ناحق قتل کرنا۔ چوتھے سود کھانا۔ پانچویں یتیم کا مال کھانا۔ چھٹے جہاد کے وقت میدان سے بھاگنا۔ ساتویں کسی پاکدامن عورت پر تہمت باندھنا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

❷۔ اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ چار آدمی ایسے ہیں کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ان کو جنت میں نہ داخل کرے، اور جنت کی نعمت نہ چکھنے دے، وہ چار یہ ہیں۔ ① شراب پینے کا عادی۔ ② سود کھانے والا۔

③ یتیم کا مال ناحق کھانے والا۔ ④۔ اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا۔ (مستدرک حاکم)

④۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی جو سود کا ایک درہم کھاتا ہے وہ چھتیس مرتبہ بدکاری کرنے سے زیادہ سخت گناہ ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ جو گوشت مال حرام سے بنا ہو اس کیلئے آگ ہی زیادہ مستحق ہے، اسی کے ساتھ بعض روایات میں ہے کہ کسی مسلمان کی آبرو ریزی سود سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے۔ (مسند احمد وطبرانی بحوالہ معارف القرآن: ص ۶۸۰ ج ۱)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ

اے ایمان والو جب تم آپس میں ادھار کا معاملہ کرو وقت مقررہ تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف کے

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ

ساتھ اور نہ انکار کرے کوئی کاتب (لکھنے والا) اس بات سے کہ وہ لکھے جیسا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ لکھ دے اور چاہئے کہ لکھوائے

الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ

وہ شخص جس کے اوپر حق ہے اور اس کو چاہئے کہ اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا پروردگار ہے اور اس میں کسی چیز کو کم نہ کرے اور اگر وہ شخص

عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ

جس کے اوپر حق ہے بے عقل ہے یا کمزور ہے یا لکھوانے کی طاقت نہیں رکھتا پس چاہئے کہ لکھوادے اسکا سرپرست

بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ

انصاف کے ساتھ اور گواہ بنالو دو گواہ اپنے مردوں میں سے پس اگر نہ ہوں دو مرد

فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ

تو ایک مرد اور دو عورتیں ان میں سے جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو اس وجہ سے کہ اگر ان دو عورتوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسری

اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ

اس کو یاد دلادے اور گواہ انکار نہ کریں جس وقت ان کو بلایا جائے گواہی کے لئے اور نہ دل گیر ہو۔ اس بات سے کہ لکھو تم معاملے کو

صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ

چھوٹا ہو یا بڑا اس کی مدت تک یہ بات زیادہ انصاف والی ہے اللہ کے نزدیک اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے

وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ

اور یہ زیادہ قریب ہے کہ تم شک نہ کرو مگر یہ کہ دست بدست تجارت ہو جس کو تم اپنے درمیان گردش دیتے ہو اور

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْھَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا

تم پر گناہ نہیں ہے اس بات میں کہ اسے نہ لکھو۔ اور گواہ بنالو جس وقت تم سودا کرتے ہو اور نہ نقصان پہنچایا جائے لکھنے والے کو اور نہ

شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ

گواہ کو اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے اندر فسق اور نافرمانی والی بات ہوگی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو

شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ

جاننے والا ہے ﴿۲۸۲﴾ اور اگر تم سفر میں ہو اور کاتب (لکھنے والے) کو نہ پاؤ پس رہن ہے قبضہ کیا ہوا پس اگر تمہیں بعض کو بعض پر اعتبار ہو پس چاہئے کہ وہ

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ

شخص ادا کر دے اس چیز کو جس میں اس پر اعتبار کیا گیا ہے اور جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ اپنی امانت کو ادا کر دے اور ڈرتا رہے اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے

٣٩ ع ٧ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾

اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اس گواہی کو چھپائے گا بے شک اس کا دل گنہگار ہوگا اور اللہ جو کچھ تم کام کرتے ہو اس کو خوب جانتا ہے ﴿۲۸۳﴾

تحریر کی شرعی اہمیت

﴿۲۸۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا۔۔۔الخ ربط آیات: اوپر سود کی مذمت اور حرمت کا ذکر تھا اب یہاں سے قرض کو پورے وقت پر ادا کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

خلاصہ رکوع ۳۹: اس رکوع میں تین بنیادی قوانین کا ذکر ہے۔ قانون دین میں دستاویز کی تیاری، گواہوں کا تقرر، اور رہن کی تفصیلات۔ ماخذ آیت ۲۸۲: تا ۲۸۳+

یہ آیت آیۃ المداینہ کہلاتی ہے اس کے برابر سارے قرآن کریم میں کوئی آیت نہیں یہ طویل آیت ہے اس سے پہلے آیت الکرسی گزر چکی ہے وہ الٰہیات کے لحاظ سے بڑی تھی۔ استاد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت شاید اس واسطے بھی لمبی ہے کہ اُدھار کا معاملہ بھی لمبا ہوتا ہے۔

قانون دین کا پہلا حکم دستاویز کی تیاری: فرمایا اے ایمان والو جب تم کسی وقت مقرر تک آپس میں ادھار کا معاملہ کرو۔

قرض اور اُدھار میں فرق: قرض خاص ہے اور ادھار یا دین عام ہے۔ قرض صرف رقم کے ادھار پر بولا جاتا ہے جبکہ دین ہر قسم کے ادھار کو شامل ہے خواہ وہ نقد رقم کا لین دین ہو یا کسی چیز کے بدلے میں ادھار ہو۔ قرض کے متعلق پہلے گزر چکا ہے "مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا"۔ جو اللہ کو قرض حسن دے یعنی کسی ضرورت مند کو مقررہ مدت کے لئے نقد رقم ادھار دے اور اس سے زائد وصول نہ کرے۔ اور اگر نقد رقم کی واپسی پر اس کے ساتھ کچھ زائد وصول کرے گا تو وہ سود ہوگا جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ فَاكْتُبُوْهُ۔ تو اس کو لکھ لو تا کہ تمہیں مدت بھی معلوم ہو کہ رقم کتنی ہے کیونکہ بعض آدمیوں کے حافظے کمزور ہوتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں پھر جھگڑے ہوتے ہیں لہٰذا لکھ لو۔ اور چاہئے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے لکھے اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے کیونکہ قلم کا فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے بسا اوقات اس کی وجہ سے بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ مثلاً ایک ہزار روپے قرض لئے تو کاتب نے اس میں صرف ایک صفر بڑھا دی: ۱۰۰۰: کی بجائے: ۱۰۰۰۰ : لکھ دیا۔ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ لکھنے والا اگر مزدوری

لینا چاہے تو اس کو حق پہنچتا ہے وہ لے سکتا ہے۔ "وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ"۔ اور انکار نہ کرے لکھنے سے "كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ" جیسا کہ اللہ نے اس کو لکھنے کی تعلیم دی اور وہ لکھنا جانتا ہے یہ اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے تو اس کا شکر یہ ہے کہ وہ دوسروں کے کام آئے۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي... الخ یعنی جس شخص کے ذمہ قرض ہے وہ املا کرائے اور لکھنے والے کو بتائے کہ یہ لکھ دو اور عبارت لکھوانے میں اللہ سے ڈرے صحیح بات لکھوائے پورا حق لکھوائے حق واجب میں ذرا سی کمی بھی نہ کرے۔ لکھوانے میں مقروض شخص کو خطاب ہے کہ وہ لکھوائے چونکہ یہ ایک قسم کا اقرار بھی ہے اور قرض اسی کو ادا کرنا ہے اس لئے حق واجب سے زیادہ تو لکھوا ہی نہیں سکتا۔

وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا... الخ اور مقروض نے جو حق دینا ہے اس میں کسی چیز کی کمی نہ کرے خیانت کا مرتکب نہ ہو کسی قسم کی ڈنڈی نہ مارے۔ فلاں کا اتنا حق ہے اور فلاں تاریخ کو دینا ہے۔ پس اگر وہ شخص جس کے ذمہ حق ہے یعنی جس نے قرض لیا ہے وہ "سَفِيهًا" بے عقل، پاگل قسم کا آدمی ہے "اَوْ ضَعِيفًا" یا کمزور ہے مثلاً بچہ ہے کہ وہ لکھوا نہیں سکتا یا بہت بوڑھا ہے کہ لوگ اس کی بات سمجھ نہیں پاتے یا کاتب تک پہنچ نہیں سکتا یا اس پر خطاء و نسیان غالب ہے۔ اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ: یا وہ خود لکھوانے کی قدرت نہیں رکھتا مثلاً غیر ملکی ہے یا گونگا ہے یا ان پڑھ ہے کہ عبارت بنانے اور بولنے پر قدرت نہیں رکھتا وغیرہ۔ "فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ"۔ تو اس کا ولی جس کے ذمہ اس کے مال و اموال کی دیکھ بھال ہے وہ الفاظ کے ساتھ املاء کرادے۔

دوسرا حکم گواہوں کا تقرر: "وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ" اور دو گواہ بنالو اپنے مردوں میں سے یعنی مؤمن ہوں کیونکہ خطاب ایمان والوں کو ہے مؤمن کے کسی معاملہ میں غیر مسلم گواہ نہیں بن سکتا اور دونوں گواہ مرد ہوں اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالیں۔ عورتیں چونکہ حافظہ کے اعتبار سے اور ادائیگی مفہوم کے اعتبار سے عموماً کمزور ہوتی ہیں اس لئے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے۔ صرف عورتوں کی گواہی حدود میں قبول نہیں ہے مثلاً زنا کے مسئلہ میں ایک لاکھ عورتیں بھی گواہی دیں تو قبول نہیں ہے، اس لئے کہ جج کے سامنے جن صریح الفاظ میں بیان کرنا ہے عورت فطرتاً ان الفاظ کو صریحاً بیان نہیں کر سکتی البتہ شریعت صرف ولادت اور رضاعت، قتل چوری، نکاح طلاق کے مسائل میں عورت کی گواہی منظور کرتی ہے کہ ان میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بن سکتی ہیں۔ گواہی کے سلسلے میں رجال کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد بالغ مرد ہے نہ کہ نابالغ بچہ۔ گواہ کے لئے عادل ہونا شرط ہے۔ فاسق کی گواہی معتبر نہیں جو شخص شرعی حدود کی علی الاعلان خلاف ورزی کرتا ہے وہ فاسق ہے اور ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں۔ پھر گواہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جس معاملے کے متعلق گواہی دے رہا ہے اس معاملے کا اسے علم ہو اگر اس معاملے کا علم نہیں تو وہ جھوٹا گواہ کہلائے گا۔ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو اکٹھا رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلائے۔

کیونکہ عورتیں عام طور پر مردوں کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہیں ان کے دماغ میں رطوبت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے ان سے نسیان واقع ہوتا ہے، یہ ایک انسانی فطرت ہے، ورنہ بعض عورتیں بڑی ذہین ہوتی ہیں تاہم عام فطرت کے مطابق اللہ نے یہ قانون عطا کیا ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورتیں "نَاقِصَاتُ الْعَقْلِ وَالدِّيْنِ" ہیں ایک عورت نے عرض کیا کہ ہم ناقص العقل کیوں ہیں ہم میں کیا کمزوری پائی جاتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر نہیں رکھی، تو اس نے عرض کیا جی حضور۔ پھر فرمایا یہ عقل کی کمی کی وجہ سے ہے کہ عورت میں بھول کا مادہ زیادہ ہے۔ پھر فرمایا کہ عورتوں میں دین کا نقصان یہ ہے کہ وہ ہر ماہ کئی روز تک نماز روزہ نہیں کر سکتی۔ یہ دین کا نقصان ہے۔ آج بے دین قسم کے مرد اور عورتیں کہتے ہیں کہ

عورت کی گواہی آدھی ہے کیا عورت کی نگاہ پوری نہیں ہوتی؟ یہ لوگ حق تعالیٰ شانہ کے حکم کا مذاق اُڑاتے ہیں حالانکہ مؤمن کو حق تعالیٰ کا حکم مان لینا چاہئے یہی ایمان کی نشانی ہے۔ حسب ضرورت جب گواہوں کو بلایا جائے تو وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں بلکہ جا کر گواہی دیں اگر کسی کا حق مارا جاتا ہے اور وہ حق گواہی سے ملتا ہے تو گواہی واجب ہے اور اگر حق جانتے ہوئے گواہی نہ دیں گے تو گناہگار ہوں گے۔

البتہ گواہوں کے اخراجات اس دن کے مناسب طریقہ کے جس کے حق میں گواہی دے گا اس کے ذمہ ہے بعض دفعہ آپ کے اعتماد یا ہجوم اشغال کی وجہ سے لکھوانے میں دل تنگ ہوتا ہے تو فرمایا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کو میعاد تک لکھ لینا چاہئے، اور لکھنے میں گھبرانا نہیں چاہئے اگر ایسی تجارت ہو جس کا لین دین نقد اسی وقت ہو رہا ہو، اگر نہیں لکھا تو کوئی گناہ نہیں، ہاں اگر لکھ لیا تو کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ دور حاضر میں مال خریدتے وقت کیش میمو نقد کاٹ کر دے دیتے ہیں اور اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس کا نام کیش میمو میں لکھ دیا گیا ہو اس پر خود دکاندار جس سے خریدا ہے یا دوسرا شخص غصب کرنے یا چرانے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

وَأَشْهِدُوٓا۟ إِذَا تَبَايَعْتُمْ :اور جب تک خرید و فروخت کا معاملہ کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔ گواہ بنانے میں بہت سے فائدے ہیں اس میں کوئی اختلاف ہو جائے تو گواہوں کے ذریعے رفع ہوگا۔ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ : کہ کسی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کاتب لکھنے پر اجرت مانگے تو اس کو اُجرت دے دی جائے اور مفت لکھنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس طرح جب گواہوں کو بلائیں اور ان کو آنے جانے کی زحمت ہو یا جگہ دور ہو سواری طلب کرتا ہو تو اس کے لئے اپنے مناسب حال کے مطابق سواری کا انتظام کر دینا واجب ہے۔

ترمذی شریف میں روایت ہے وہ شخص ملعون ہے جو کسی مؤمن کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے کاتب اور گواہ کو ضرر نہ پہنچانے کی تاکید فرمائی ہے۔ مزید تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اگر تم ایسا کرو گے تو یہ فسق ہوگا اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باہر نکلنے کے مترادف ہوگا لہٰذا جہاں اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہو وہاں کاتب اور گواہ کی جان و مال کے بھی محافظ بنو اور انہیں ناجائز تکلیف نہ پہنچاؤ۔ الغرض اس آیت میں دو قوانین کا ذکر تھا۔ تحریر اور گواہوں کا اب اگلی آیت میں تیسرے اہم قانون رہن کا ذکر ہے۔

﴿۲۸۳﴾ احکام رہن :فرمایا اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والے کو نہ پاؤ پس رہن ہے قبضہ کیا ہوا۔ رہن وہ چیز ہوتی ہے جو قرض کے بدلے میں کسی شخص کے پاس رکھی جاتی ہے، اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر قرضہ کی رقم مقرر مدت میں ادا نہ کی جائے تو قرض خواہ اس چیز کو فروخت کر کے اپنی رقم پوری کر لے، اور جو کچھ باقی بچے وہ مقروض کو لوٹا دے، اس اصطلاح میں مقروض یا مدیون کو راہن کہتے ہیں کہ اس نے کوئی چیز رہن رکھی ہے اور جس کے پاس رہن رکھی جائے وہ مرتہن کہلاتا ہے۔ رہن کی چیز پر قبضہ ہونا ضروری ہے اس کے بغیر رہن مکمل نہیں ہوتا۔ (بحر الرائق، ص:۲۹۹،ج:۲، طبع بیروت)

فَرِهَٰنٌ مَّقْبُوضَةٌ :میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ رہن میں منقولہ یا غیر منقولہ کوئی جائیداد رکھی جاسکتی ہے مثلاً مکان، زمین، باغ، جانور، زیور، گاڑی وغیرہ۔ یہاں سفر کی قید اتفاقی ہے کیونکہ عام طور پر سفر میں اس کی ضرورت زیادہ پیش آتی ہے کہ لکھنے والا نہیں ملتا اس لئے سفر کی قید لگائی ہے۔ باقی عام حالات میں بھی رہن رکھنا جائز ہے۔ اس کا ثبوت آپ ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گھریلو اخراجات کے سلسلہ میں جو کی ضرورت تھی آپ ﷺ نے اپنے گھریلو خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ (جو اکثر و بیشتر گھر کا سودا سلف لاتے تھے اور کبھی یہ ڈیوٹی حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی سرانجام دیتے تھے) کو ابوشحم یہودی کے پاس بھیجا جو بڑا سخت مزاج تھا انہوں نے جا کر کہا کہ حضرت محمد ﷺ کو ایک روایت کے مطابق بیس صاع اور ایک

روایت کے مطابق تیس صاع جو بطور قرض کے چاہئیں (ایک صاع ساڑھے تین کلو کا ہوتا ہے)۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی چیز گروی رکھ دو تب دوں گا۔ خادم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا وہ ادھار پر دینے کے لئے تیار نہیں ہے جب تک اس کے پاس کوئی چیز گروی نہ رکھی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی زرہ مبارک دی کیونکہ مجبوری تھی چنانچہ آپ کی زرہ رکھی گئی اس نے تیس صاع جو دیئے جو آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں برابر تول کر تقسیم فرمائے۔ (ابن کثیر: ج:۱؛ ص:۵۲۸؛ ج:۱؛ روح المعانی: ص:۸۴؛ ج۔۳)

اتفاق کی بات ہے کہ وہ زرہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں واپس نہ ہوئی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرض ادا کر کے زرہ واپس لی۔ اور یہ رہن آپ ﷺ نے قیام مدینہ کے دوران رکھا تھا لہٰذا سفر کی قید اتفاقی ہے۔ الغرض جس کی آج بھی دو یا تین چار بیویاں ہوں تو اخراجات کے سلسلہ میں عدل و انصاف کا خوب خیال رکھنا چاہئے۔ مسئلہ: رہن شدہ چیز پر نفع حاصل کرنا حرام ہے، اور اگر دودھ والا جانور ہو تو مالک کی اجازت کے ساتھ نفع اٹھا سکتا ہے۔

(رد المختار: ص:۱۷ سو ج:۵: ہدایہ: ص:۵۵۶: ج۔۴)

لیکن جانور کے گھاس کا خرچہ راہن پر ہے۔ (ہدایہ: ص:۵۲۳: ج:۴) یا زمین یا مکان ہو یا کوئی مشین وغیرہ ہو۔ جمہور فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ رہن شدہ اشیاء سے نفع حاصل کرے گا تو یہ سود ہے۔ یہی مذہب حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے شاگردوں کا ہے۔ البتہ نفع حاصل کرنے کی صرف ایک صورت جائز ہے کہ جتنی مالیت کا فائدہ حاصل کیا ہے اتنی رقم قرض سے منہا کردی جائے۔

(ہدایہ: ص:۵۹۴: ج۔۴)

مرہونہ چیز اور اس کی آمدنی مرتہن کے پاس بطور امانت ہوتی ہے لہٰذا اس سے فائدہ اٹھا کر امانت میں خیانت کا مرتکب ہونا قطعاً جائز نہیں ہے۔ بس رہن شدہ چیز صرف تمہارے پاس وثیقہ ہے تاکہ تمہاری رقم ضائع نہ ہو۔

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم... الخ اگر تمہیں بعض کو بعض پر اعتماد ہو اور جس شخص کے پاس امانت رکھی گئی اُسے چاہئے کہ اپنی امانت واپس کردے مقصد یہ ہے کہ اگر قرض دینے والا مقروض پر اعتبار کرتا ہے بلا گواہ بلا رہن قرض دے دیتا ہے تو پھر قرض کی رقم مقروض کے پاس امانت ہے اُسے یہ امانت مقررہ مدت میں واپس لوٹانی چاہئے کیونکہ اب یہ قرض حسنہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صدقہ کرنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور قرض حسنہ دینے سے سترہ نیکیاں ملتی ہیں اب سوال یہ ہے کہ اتنا فرق کیوں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ صدقہ کرنے والا صرف اپنا فائدہ سوچتا ہے کہ مجھے اس کا ثواب ملے گا جبکہ قرض حسنہ میں دوسرے کا فائدہ ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ یہ ضرورت مند ہے۔ اس لئے قرض حسنہ کا ثواب زیادہ ہے۔ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ: اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے۔ اگر امانت واپس نہ کی جائے تو اس کا ضرور مؤاخذہ ہوگا اور اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکے گا۔ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ: کتمان شہادت گناہ ہے: اور نہ چھپاؤ تم گواہی کو "وَمَن يَكْتُمْهَا" اور جو کوئی گواہی کو چھپائے گا "فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ" تو اس کا دل گناہ گار ہوگا۔ حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہاں پر دل کا اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ دل جسم انسانی میں ایک اعلیٰ حیثیت کا جزء ہے اگر دل کی اصلاح ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔

دل مرکز اخلاق ہے اس لئے فرمایا کہ جو کوئی گواہی چھپائے گا حقیقت میں اس کا دل گناہ گار ہے اس کے دل میں فتور ہے ورنہ ایسی حرکت نہ کرتا۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ: اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ پاک خوب جانتا ہے۔ اسلئے کہ تمہارا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے لہٰذا حیلے بہانے سے غلط کام کرنے کی کوشش نہ کرو اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ

اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو اس چیز کو جو تمہارے نفسوں میں ہے یا اسے چھپاؤ

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

تو اللہ اس کا حساب لے گا تم سے پس بخش دے گا جس کو چاہے اور سزا دے گا جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ

قدرت رکھتا ہے ﴿۲۸۴﴾ ایمان لایا ہے رسول اس چیز پر جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر اتاری گئی ہے اور مومن بھی ایمان لائے ہیں سب ایمان لائے ہیں

بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا

اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر (اور وہ یہ کہتے ہیں) ہم نہیں تفریق کرتے کسی میں اس کے رسولوں میں سے اور انہوں نے کہا

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

کہ ہم نے سن لیا اور ہم اطاعت کرتے ہیں ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۸۵﴾ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر

وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ

اس کی طاقت کے مطابق اس نفس کے لئے وہی ہے جو اس نے کمایا اور اس کے اوپر وبال بھی اس چیز کا ہے جو اس نے کمایا اے ہمارے پروردگارا ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں

اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ

یا غلطی کرجائیں اے ہمارے پروردگارا ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے گزرے ہیں۔

قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۫ وَاغْفِرْ لَنَا ۫ وَارْحَمْنَا ۫

اے ہمارے پروردگارا اور نہ اٹھوا ہم سے وہ چیز جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے اور درگزر کردے ہم سے اور بخش دے ہم کو اور ہم پر رحم فرما

ع ۴۰ ۸ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

تو ہی ہمارا آقا ہے پس کافر قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما ﴿۲۸۶﴾

﴿۲۸۴﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ۔۔۔ الخ ربط آیات: گزشتہ آیت میں کتمان شہادت کو دل کا فعل شمار کرتے ہوئے اس کی ممانعت اور قلب کو گناہگار کہا گیا تھا، اب اس آیت میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق مقصود ہے کہ دل کی کن برائیوں پر گناہ مرتب ہوگا اور کن پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

خلاصہ رکوع ۴۰: حاکمیت اعلیٰ، افعال قلوب پر مواخذہ کی تحقیق اور شوریٰ خلافت کا تعلق باللہ، مدح مؤمنین انسان کے مکلف ہونے کا بیان مدار تکلیف، تعلیم دعا۔ ماخذ آیات ۲۸۴: تا ۲۸۶۔

یہاں تک خلافت کے مقصد کو بیان کیا گیا جس قدر رقم پیسے کی ضرورت تھی اس کے پورا کرنے کے وسائل ذکر کر دیئے گئے اور ان وسائل کی ضد پیدا کرنے والی چیزیں روک دی گئیں۔ اب چونکہ خلافت کے نظام کو ایک جماعت چلائے گی اس رکوع میں ذکر کیا جاتا ہے کہ اس شوریٰ اور جماعت کا اپنے مالک حقیقی سے کیا تعلق ہوگا؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ : حاکمیت اعلیٰ: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے۔

حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کی تخصیص کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں جن کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ فلاں چیز کو فلاں کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کا بنانے والا ہو مثلاً کوئی شخص کوئی برتن اوزار وغیرہ بنانے والا ہو تو اس کے حق میں وہ چیز خاص ہوتی ہے۔ دوسری وجہ ملکیت ہے کہ وہ اس چیز کا مالک ہو۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس چیز میں حق تصرف رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ پوری کائنات میں مذکورہ بالا تینوں خصوصیات کے ساتھ متصف ہیں۔ (ابو سعود: ص: ۱۵ ۳ ج: ۱: تفسیر منیر: ص: ۱۲۷: ج۔ ۳)

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : آسمان و زمین ہر چیز کا صانع اللہ ہی ہے۔ اور ہر چیز کا مالک حقیقی بھی وہی ہے "لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کائنات کی تمام چیزیں اس کی ملک میں ہیں کیونکہ دنیا میں جو مالک ہیں وہ عارضی ہیں اللہ پاک جب چاہتا ہے ملکیت چھین لیتا ہے اور پھر نہ ملکیت باقی رہتی ہے نہ قبضہ انسان خود فنا ہوجاتا ہے گویا سب چیزوں کا حقیقی مالک صرف ایک اللہ ہی ہے۔ تیسری چیز تصرف ہے اور کائنات کے ذرے ذرے پر اللہ تعالیٰ کو کامل اور اکمل تصرف حاصل ہے، سورۃ الرعد میں ہے "يُدَبِّرُ الْاَمْرَ" وہ تدبیر کرتا ہے معاملہ کی یعنی تمام تصرفات کا حقیقی اختیار اسی کا حاصل ہے اور اگر کسی کو تصرف کی اجازت ہے تو وہ عارضی اور خاص وقت تک کیلئے ہے ذاتی تصرفات صرف حق تعالیٰ شانہ کو حاصل ہیں چونکہ ملکیت اور تصرف کی تینوں صفات اللہ تعالیٰ ہی میں پائی جاتی ہیں اسلئے فرمایا "لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ" آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ ہی کے لئے ہے۔

وَاِنْ تُبْدُوْا : افعال قلوب پر مواخذہ کی تحقیق اور شوریٰ خلافت کا تعلق باللہ: اعلیٰ و افضل جماعت اگر برا ارادہ بھی کرے گی تو بھی اس کے حق میں مضر ہے۔ اس ضمن میں حضرت یحییٰ کا مشہور قول ہے کہ ایسے خیالات سے بچا کرو کیونکہ جس گھر میں دھواں اٹھتا ہے وہ اگرچہ جلاتا تو نہیں مگر گھر کو سیاہ ضرور کر دیتا ہے۔ لہٰذا برا ارادہ اور خیال بھی اس جماعت کے حق میں مضر ہے۔

شان نزول: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نہایت شاق ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مؤدبانہ عرض کیا کہ جو اعمال ہمارے اختیار میں تھے جیسے نماز، روزہ، جہاد، صدقہ اس کا مکلف تو خیر ہم کو بنایا ہی گیا ہے مگر یہ آیت ایسے افعال کا پابند بنانا چاہتی ہے جو ہماری طاقت سے بالاتر ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم اہل کتاب کی طرح "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" کہنا چاہتے ہو تمہیں تو "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" کہنا چاہئے۔ (ابن کثیر: ص: ۱ ۳ ۵: ج: ۱: معالم التنزیل: ص: ۲۰۶: ج: ۱: روح المعانی: ص: ۸۷: ج۔ ۳)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے دلوں میں آنے والے وسوسوں پر مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے بلکہ گرفت ان کی ہے جو دل سے نکل کر زبان پر آجائے یا ان پر عمل درآمد ہوجائے گا جب تک عمل نہیں ہوگا ایسے خیالات پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

اختیاری اور غیر اختیاری کاموں میں فرق: جس کا حاصل یہ ہے کہ افعال اختیاریہ مثلاً غلط عقائد ونظریات اختیار کرنا یا برے اخلاق کو اختیار کرنا اور گناہ پر عزم بالجزم ان پر مواخذہ اور عذاب ہوگا۔لیکن غیر اختیاری اور اضطراری افعال جیسے وساوس وخطرات ان پر گناہ نہیں ہے۔غیر اختیاری کی مثال جیسے بے اختیار زبان سے کچھ نکل جانا یا جیسے رعشہ کے مریض کے ہاتھ اور پاؤں کی بغیر اختیار کی حرکت ہے ظاہر امر ہے ایسے افعال پر مؤاخذہ اور گرفت نہیں ہے یا جیسے کسی معصیت یا کفر کا برا خیال اور خطرہ وسوسہ خود بخود آجانا اس پر مؤاخذہ نہیں ہے تاہم اس آیت میں افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کی کوئی تصریح نہیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم الفاظ کے ظاہری عموم کو دیکھ کر گھبرا گئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بھی کمال خشیت کی وجہ سے الفاظ کے ظاہری عموم تک رہی اس لئے ادباً آپ نے "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" کی تعلیم پر زور دیا اور انتظار وحی میں خود آیت کی تفسیر نہیں فرمائی۔

مواعظ ونصائح

جو کام نہ کر سکیں اس کی ذمہ داری نہ لیجئے: شروع ہی سے معذرت کر لینا اچھا ہے، بجائے اس کے کہ بعد میں شرمندگی اٹھا کر معذرت کرنی پڑے۔بہتر یہ ہے کہ انسان اپنی حدود اور صلاحیتوں کا خود اندازہ لگالے اور انہی حدود کے دائرہ میں رہ کر کاموں کی ذمہ داری لے۔اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں اسی آیت میں تربیت دی ہے۔وہ فرماتا ہے: "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"۔ (بقرہ۔۲۸۴) (اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی طاقت سے زیادہ ذمہ داری سنبھالنے سے منع فرمایا ہے۔آپ کو خیال رکھنا چاہیے کہ لوگ آپ کو جوش دلا کر یا بار بار اصرار کر کے آپ سے ایسے وعدے نہ لے لیں جن کو پورا نہ کر سکیں۔اگر آپ چاہیں تو میرے ساتھ مدینہ چلیں اور دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی صورتحال سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے تھے۔

عامر بن طفیل کی داستان: جب عرب میں اسلام خوب پھیل گیا اور لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو مختلف قبائل کے سردار بھی اسلام قبول کرنے اور اطاعت گزاری کا اقرار کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ان میں بعض سردار ایسے بھی تھے جو بظاہر تو ماتحت ہو گئے تھے لیکن دل میں کینہ رکھتے تھے۔ایک روز جب آپ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے تو ایک عرب سردار آیا جس کو اپنی قوم میں بڑا اقتدار حاصل تھا۔یہ عامر بن طفیل تھا۔جب اس کی قوم نے دیکھا کہ عرب میں ہر طرف اسلام پھیل گیا ہے تو وہ عامر سے کہنے لگے: "اے عامر! سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔"

عامر بڑا متکبر اور خود پسند شخص تھا۔وہ جواب میں کہتا "واللہ! میں نے تو قسم کھائی ہے کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ میں تمام عرب کا بادشاہ نہ بن جاؤں اور سب میرے مطیع نہ ہو جائیں۔تو کیا اب میں اس قریشی نوجوان کا مطیع ہو جاؤں ؟!" لیکن جب اس نے دیکھا کہ ملک میں اسلام کا اقتدار جم گیا ہے اور لوگ تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو رہے ہیں تو وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور اپنے چند ساتھیوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوا۔

وہ مسجد نبوی میں آیا تو اس وقت آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہوا تو کہنے لگا: "اے محمد! مجھے تم سے تنہائی میں بات کرنی ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں سے بہت محتاط رہتے تھے۔آپ نے فرمایا: "نہیں، واللہ! یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ تم خدائے واحد پر ایمان لے آؤ۔"

وہ پھر کہنے لگا: "اے محمد! اٹھو، مجھ سے تنہائی میں بات کرو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انکار کر دیا۔لیکن وہ مسلسل

اصرار کرتا رہا کہ "محمد! اٹھو، مجھ سے تنہائی میں بات کرو۔" بالآخر آپ اٹھ کر اس کے پاس تشریف لے گئے۔

اس موقع پر عامر اپنے ایک ساتھی اربد کو بھی کھینچ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ دراصل عامر نے اس کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے قتل کا ایک منصوبہ بنایا تھا اور اس سے کہا تھا کہ "میں محمد کو باتوں میں لگا کر دوسری طرف متوجہ رکھوں گا اور اس دوران تم ان پر تلوار کا وار کر دینا۔" لہٰذا اربد اپنی تلوار پر ہاتھ رکھے وار کرنے کے لیے تیار رہا۔ عامر اور اربد ایک دیوار کے پاس کھڑے ہو گئے اور پھر رسول اللہ ﷺ بھی وہاں آ کر عامر سے بات کرنے لگے۔ اربد نے اب اپنی تلوار کے دستہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ لیکن جب وہ تلوار کو میان سے نکالنے لگتا تو اس کا ہاتھ شل ہو جاتا۔ اس نے کئی بار تلوار نکالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

ادھر عامر رسول اللہ ﷺ کو باتوں میں لگائے ہوئے تھا اور بار بار اربد کی طرف بھی دیکھتا جاتا تھا۔ لیکن اربد بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی مڑ کر اربد کو دیکھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ پھر آپ نے عامر سے فرمایا: "اے عامر بن طفیل! تم اسلام قبول کر لو۔" عامر نے کہا: "اے محمد! اگر میں اسلام لے آیا تو مجھے تم سے کیا ملے گا؟"

آپ نے فرمایا: "جو حقوق سب مسلمانوں کے ہیں وہی حقوق تمہیں بھی حاصل ہوں گے، اور جو ذمہ داریاں ان پر ہیں وہی تم پر بھی ہوں گی۔" عامر نے کہا: "اگر میں اسلام لے آؤں تو کیا تم اپنے بعد مجھے بادشاہت سونپو گے؟" نبی اکرم ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ عامر سے ایسا وعدہ کریں جو ایفا نہ ہو سکے لہٰذا آپ نے بڑی صاف گوئی اور جرأت سے کام لیتے ہوئے فرمایا: "یہ نہ تم کو مل سکے گی اور نہ تمہاری قوم کو۔"

یہ سن کر عامر اپنے مطالبہ میں تھوڑی کمی کرتے ہوئے کہا: "میں اس شرط پر اسلام قبول کروں گا کہ میں تو دیہاتی علاقوں کا بادشاہ بنوں اور تم شہری علاقوں کے۔" رسول اللہ ﷺ ایسے وعدوں کا اپنے آپ کو پابند بنانا نہیں چاہتے تھے جو پورے نہ ہو سکیں۔ لہٰذا آپ نے فرمایا: "نہیں۔" یہ انکار سن کر عامر کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ وہ چیخ کر کہنے لگا: "اے محمد! خدا کی قسم! میں نوجوان گھڑ سواروں کا ایک عظیم لشکر جمع کر کے تمہارے مقابلہ کے لیے لاؤں گا، تم ہر درخت سے ایک گھوڑا بندھا ہوا دیکھو گے۔ میں غطفان کے ایک ہزار سرخ گھوڑوں سے تم پر حملہ کروں گا۔"

وہ اسی طرح کی دھمکیاں دیتا ہوا باہر نکل گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی یہ حالت دیکھ رہے تھے۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور دعا فرمائی: "یا اللہ! تو عامر کے شر سے محفوظ رکھ اور اس کی قوم کو ہدایت نصیب فرما۔"

عامر اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ سے اپنے قبیلہ کی طرف روانہ ہو گیا تا کہ وہاں جا کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے لشکر تیار کرے۔ ابھی وہ درمیانی راستہ ہی میں تھا کہ لمبے سفر کی وجہ سے تھک گیا اور ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ آرام کر سکے۔ وہاں اس کو اپنی ہی قوم کی ایک عورت ملی جس کا نام سلولیہ تھا۔ وہ اس وقت اپنے خیمہ میں تھی۔ وہ دراصل ایک فاحشہ تھی اور لوگوں میں بدنام تھی۔ جو شخص بھی اس کے گھر میں جاتا تھا لوگ اس کو بدکار کہتے تھے۔

لیکن عامر کو کوئی اور جگہ نہیں ملی۔ مجبوراً وہ اپنے گھوڑے سے اتر کر اسی عورت کے گھر میں سو گیا وہیں اس کی گردن میں طاعون کی گلٹی نکل آئی جیسے اونٹوں کی گردن میں نکل آتی ہے اور ان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اس گلٹی سے اس کا حلق سوج گیا۔ یہ دیکھ کر وہ سخت پریشان ہوا۔ وہ اپنی سوجی ہوئی گردن پر ہاتھ پھیرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا: "گلٹی بھی اونٹ کی جیسی، اور موت سلولیہ کے گھر میں!!" یعنی نہ یہ موت باعزت ہوگی اور نہ مرنے کی جگہ باعزت ہے۔ جبکہ وہ میدان جنگ میں بہادر جنگجوؤں کی تلواروں سے مرنے کا آرزومند تھا۔ لیکن اب مر رہا ہے جانوروں والے مرض میں مبتلا ہو کر اور ایک فاحشہ کے گھر میں! لعنت ہے ایسی ذلت آمیز موت پر۔

یہ سوچ کر اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کہا "میرا گھوڑا قریب لاؤ۔" وہ لے آئے تو یہ فوراً کود کر اس پر سوار ہوا اور ایک نیزہ ہاتھ میں لے کر گھوڑے کو میدان میں چکر دلانے لگا۔ تکلیف کے مارے اس کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ وہ ہاتھ سے اپنی گردن کو سہلاتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا: "گلٹی بھی اونٹ کی جیسی، اور موت سلولیہ کے گھر میں۔"

وہ اسی حالت میں گھوڑے پر بیٹھا میدان کے چکر لگاتا رہا بالآخر مر گیا تو گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ اس کے ساتھی اس کو وہیں دفن کر کے روانہ ہوئے اور اپنے قبیلہ واپس پہنچ گئے۔ جب وہ اپنے علاقہ میں پہنچے تو ان کی قوم کے لوگوں نے اربد سے پوچھا "اے اربد! ذرا بتاؤ، اس سفر میں کیا پیش آیا؟" اربد نے کہا: "کچھ بھی نہیں بس محمد نے ہمیں ایسی چیز کی عبادت کی طرف بلایا کہ اگر وہ اس وقت میرے پاس ہوتی تو اس کو تیر مار کر قتل کر دیتا۔" معاذ اللہ! یہ شخص اللہ کے بارے میں کیسا جری اور گستاخ بن گیا تھا!

اس کے ایک یا دو دن بعد اربد اپنے اونٹ کو بیچنے جا رہا تھا کہ اچانک اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی گری جس نے دونوں کو جلا کر بھسم کر دیا۔ جی ہاں! آپ بھی یہ اصول بنا لیجئے کہ صرف اسی کام کی ذمہ داری لینی ہے جس کے بارے میں آپ کو یقین ہو کہ اگر خدا کی مدد شامل حال رہی تو آپ اس کو سرانجام دے سکیں گے۔ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ لوگوں کے سامنے تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو اس میں آپ نے یوم آخرت اور اس کے احوال بیان فرمائے۔ پھر باآواز بلند فرمایا: "اے فاطمہ بنت محمد! جو مال مجھ سے لینا چاہتی ہو وہ یہیں مانگ لو کیونکہ میں خدا کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔"

ایسا کام جو آپ نہ کر سکیں اپنے ذمہ نہ لینے کی اہمیت اپنی جگہ ہے، لیکن ایسے موقع پر معذرت کرنے کے لیے ہمیں اچھا انداز اختیار کرنا چاہیے۔

﴿۲۸۵﴾ **مدح مؤمنین:** اس آیت اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر آخر تک اصولی طور پر دو آیتیں ہیں جو معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ کی جبریل علیہ السلام کے واسطے کے بغیر حق تعالیٰ شانہ نے عطا فرمائی ہیں۔ باقی سارا قرآن جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے ملا ہے۔ معراج کی رات میں حق تعالیٰ شانہ نے آپ ﷺ کو تین تحفہ عطا فرمائے۔ ❶ پچاس نمازیں پھر پانچ رہ گئیں۔ ❷ سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر تک۔ ❸ آپ کی امت میں جو شخص شرک کا ارتکاب نہیں کرے گا اس کو میں بخش دوں گا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضور ﷺ کی طرح ایماندار تھے تو اس آیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح ہو گئی اور ان کی حوصلہ افزائی ٹھہری اور یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوئی جبکہ صحابہ نے کمال عاجزی سے اللہ کے حکم کو قبول کیا اور اپنی لغزش کی معافی طلب کی۔ (محصلہ بیان القرآن: ص: ۱۷۴، ج۔۱)

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ: اس میں تمام رسولوں پر ایمان لانے کی کیفیت کو بیان فرمایا کہ ہم یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں ہیں کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی کا انکار کریں بلکہ ہم ان سب کی تصدیق کرتے ہیں باقی فضیلت کی بات وہ اللہ پاک نے سب سے زیادہ حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائی ہے الغرض تفریق بین الرسل کفر ہے تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لانا ضروری ہے اگر کسی ایک کا بھی انکار کیا تو سب کے انکار کے مترادف ہوگا۔

فرشتوں کے بارے میں ضروری عقائد

فرشتوں پر ایمان لانا اس کا مختصر تذکرہ حضرت آدم علیہ السلام کی داستان میں گزر چکا ہے تاہم یہاں بقدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

فرشتوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، قرآن وحدیث اور سابقہ کتب میں فرشتوں کا ذکر ہے۔
چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:" اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ"۔(البقرۃ۔ ۲۸۵) ترجمہ:"یہ رسول (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور تمام مسلمان بھی۔ یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔

فرشتوں کے منکر کا حکم: فرشتوں کا انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:"وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا"۔(النساء ۱۳۶:) ترجمہ:"اور جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور یوم آخرت کا انکار کرے وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہے۔

فرشتوں کی صفات: فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، نور سے پیدا کیے گئے ہیں، ان میں توالد وتناسل کا سلسلہ نہیں ہے، نر و مادہ سے پاک ہیں، لطیف جسم والے ہیں جو نظر نہیں آتا، مختلف شکلوں میں ظاہر ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تکوینی امور ان کے ذمے لگا رکھے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ (١٩) يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ"۔(الانبیاء ۱۹:۔۲۰)
ترجمہ:"نہ وہ اس کی عبادت سے سرکشی کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں۔ وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ اور سست نہیں پڑتے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے :"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ وَخُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ "۔(رواہ مسلم: ج:۱: ص ۱۳۳۷: رقم الحدیث ۲۹۹۶)
ترجمہ:"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، اور جنات کو آگ کے شعلے سے اور آدم کو اس سے جو تمہارے سامنے بیان کیا گیا ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں، نیز ہر قسم کے صغیرہ کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:" لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ"۔(التحریم ۶:) ترجمہ:"وہ (فرشتے) اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کام کا حکم دیا جاتا ہے وہ بجا لاتے ہیں۔" کوئی فرشتہ کسی کے نفع ونقصان کا مالک نہیں، بلکہ سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ "وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا"۔(النجم ۲۶:) ترجمہ:"اور کتنے ہی فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی سفارش کسی کے کچھ بھی کام نہیں آسکتی۔"

فرشتوں میں مراتب: فرشتوں میں بھی مراتب ہیں بعض فرشتے دوسروں سے افضل ہیں۔ سب سے زیادہ مقرب چار فرشتے ہیں:(۱) حضرت جبرائیل علیہ السلام: بہت زیادہ طاقتور، امانت دار اور مکرم ہیں، ہر زمانہ میں انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی لانے کے لیے مقرر تھے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :"اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (١٩) ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ (٢٠) مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ"۔(التکویر ۱۹۔۲۰۔۲۱)
ترجمہ:"یہ (قرآن) یقینی طور پر ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے جو قوت والا ہے جس کا عرش والے کے پاس بڑا رتبہ ہے وہاں اس کی بات مانی جاتی ہے وہ امانت دار ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ :"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

قَالَ رسولُ الله ﷺ :"اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلِ الْمَلَائِكَةِ جِبْرِيْل"۔ (مجمع الزوائد :ج:۳ص ۱۴۰)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : کیا میں تم کو سب فرشتوں میں سے افضل کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ جبرائیل ہیں۔ (۲) حضرت میکائیل علیہ السلام : بارش برسانے، غلہ اگانے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی مخلوق کو روزی پہنچانے پر مقرر ہیں۔ چنانچہ ارشادی باری تعالیٰ ہے :"مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ"۔ (البقرۃ۔ ۹۸)

ترجمہ: ''اگر کوئی شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور جبرئیل ومیکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

(۳) حضرت اسرافیل علیہ السلام : جو قیامت کے دن صور پھونکیں گے، جس کی آواز کی شدت سے ہر چیز فنا ہو جائے گی، سب جاندار مر جائیں گے، دوبارہ پھر صور پھونکیں گے جس سے سب مردے زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ :"عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ :اِنَّ طَرْفَ صَاحِبِ الصُّوْرِ مُذْ وُكِّلَ بِهٖ مُسْتَعِدٌّ يَنْظُرُ نَحْوَ الْعَرْشِ مَخَافَةَ اَنْ يُّؤْمَرَ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْهِ طَرْفُهٗ كَاَنَّ عَيْنَيْهِ كَوْكَبَانِ دُرِّيَّانِ"۔ (مستدرک حاکم :ج ۴ص۔ ۵۵۹)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا :بیشک صور والے فرشتے کو جب سے صور پھونکنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اس وقت سے اس کی آنکھ بالکل مستعد ہے، عرش کی طرف دیکھ رہی ہے اس خوف سے کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی حکم نہ آجائے، اس فرشتے کی آنکھیں ایسی ہیں جیسے دو ستارے موتی کی طرح چمکتے ہیں۔

(۴) حضرت عزرائیل علیہ السلام :یہ مخلوق کی جان نکالنے پر مقرر ہیں اور وقت مقرر پر ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔

چنانچہ یہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے :"قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ"۔ (السجدۃ۔ ۱۱) ترجمہ: ''کہہ دیجئے : تمہیں موت کا فرشتہ پورا پورا وصول کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

فرشتوں کی تعداد : کل فرشتے کتنے ہیں؟ ان کی حتمی تعداد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

فرشتوں کی ذمہ داری: اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے مختلف کاموں پر مقرر ہیں اور ان کاموں کی بجا آوری میں مشغول رہتے ہیں۔ مثلاً بعض فرشتے انسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں جنہیں کراماً کاتبین کہا جاتا ہے، بعض فرشتے انسانوں کی حفاظت پر مقرر ہیں، بعض فرشتے دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہیں، بعض فرشتے اللہ تعالیٰ کے عرش کو تھامے ہوئے ہیں، بعض فرشتے جنت کے خازن اور بعض دوزخ کے خازن ہیں، بعض فرشتے عرش کے اردگرد صف بستہ کھڑے ہیں، بعض فرشتے بیت المعمور کا طواف کر رہے ہیں، بعض فرشتے امت کی طرف سے پڑھا جانے والا درود وسلام نبی کریم ﷺ پر پیش کرنے پر مقرر ہیں، بعض فرشتے قبر میں سوالات کرنے پر مقرر ہیں، بعض فرشتوں کے دو، بعض کے تین اور بعض کے چار چار پر ہیں اس میں حصر نہیں ہے بلکہ اس سے زائد بھی پر ہیں۔ بعض فرشتے لوگوں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں، بعض فرشتے مسلمان کی مدد کے لیے نازل ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں ہوا، بعض فرشتے نافرمان لوگوں کو عذاب دینے کے لیے بھی آسمانوں سے نازل ہوتے رہتے ہیں، جیسے قوم لوط، قوم عاد اور قوم ثمود پر عذاب کے لیے آسمانوں سے فرشتے نازل ہوئے، بعض فرشتے جنت کے اندر جنتیوں کی خدمت کے لیے مقرر ہوں گے اور بعض فرشتے دوزخ میں دوزخیوں کو طرح طرح کا عذاب دینے کے لیے مقرر ہوں گے، ان میں سے بڑے فرشتے انیس ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری

تعالیٰ ہے: "وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (۱۰) كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (۱۱) يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ "۔ (الانفطار ۱۰-۱۱-۱۲)
ترجمہ: "اور تم پر کچھ نگراں مقرر ہیں جو معزز لکھنے والے ہیں جو تمہارے سارے کاموں کو جانتے ہیں۔
"وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ "۔(الزمر ۷۵)
ترجمہ: "اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے۔
"يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ "۔(آل عمران۔۱۲۵)
ترجمہ: "بھیج دے گا تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے جنہوں نے اپنی پہچان نمایاں کی ہوئی ہوگی۔" وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ "۔(الانفال۔۵۰)
ترجمہ: "اور اگر تم دیکھتے جب فرشتے ان کافروں کی روح قبض کر رہے تھے، ان کے چہرے اور پشت پر مارتے جاتے تھے۔
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ "۔(الاحزاب۔۵۶) ترجمہ: "بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ "عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ "۔(التحریم ۶) ترجمہ: "اس پر سخت کڑے مزاج کے فرشتے ہیں۔
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ "۔(القدر۔۴)
ترجمہ: "اس رات میں فرشتے اور روح ہر کام کے لیے اپنے رب کی اجازت کے ساتھ اترتے ہیں۔
چنانچہ حدیث پاک میں ہے: "عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ۔ قَالَ "اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهٗ تَاْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ "۔(صحیح مسلم: ج:۲: ص/۱۷)
ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، اس لیے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جاتی ہے تو اس کے پہلے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ اُمَّتِي السَّلَامَ "۔(سنن نسائی: ج:۱: ص۔۱۸۹)
ترجمہ: "اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ کے بعض فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں چکر لگاتے رہتے ہیں میری امت کا سلام مجھ کو پہنچاتے ہیں۔ فرشتوں کے نام: چار مشہور فرشتوں کے علاوہ بعض دوسرے فرشتوں کے نام بھی قرآن وسنت میں بتلائے گئے ہیں مثلاً ہاروت، ماروت، رضوان، مالک اور منکر نکیر وغیرہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ "۔(الزخرف۔۷۷) ترجمہ: "وہ (دوزخ کو فرشتے کو) پکار کر کہیں گے اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے، وہ کہے گا کہ تمہیں اسی حال میں رہنا ہے۔ "وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ "۔(البقرۃ :۱۰۲) ترجمہ: "اور جو بابل میں ہاروت ماروت نامی دو فرشتوں پر اتارا گیا۔
چنانچہ حدیث پاک میں ہے: "عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ اَوْ قَالَ اَحَدُكُمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ اَسْوَدَانِ اَزْرَقَانِ يُقَالُ لِاَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْاٰخَرُ النَّكِيْرُ "۔(جامع ترمذی: ج:۱ = ص۔۲۳۲)
ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، جن کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہیں، ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نکیر ہے۔" "فرشتے کا انسانی شکل میں ہونا: اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی فرشتے کو انسانی شکل عطا فرمائی تو اسے مردانہ عقل عطا فرمائی، کسی فرشتے کو نسوانی شکل میں ظاہر نہیں فرمایا، حتیٰ کہ حضرت مریم علیہا السلام کے خلوت کدے میں ان کے پاس آنے والا بھی مرد کی شکل میں آیا تھا۔" چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا"۔ (مریم۔۱۷)
ترجمہ: "پس بھیجا ہم نے مریم کی طرف اپنی روح (یعنی فرشتے) کو جوان کے سامنے مکمل انسان بن کر ظاہر ہوا۔"
مشرکین مکہ کا عقیدہ: فرشتوں کے بارے میں مشرکین مکہ کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ اللہ کی بیٹاں ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا اس غلط عقیدے کی تردید فرمائی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثًا"۔ (الزخرف ۱۹) ترجمہ: "اور انہوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمٰن کے بندے ہیں مؤنث بنا دیا ہے۔"

﴿۲۸۶﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا... الخ انسان کے مکلف ہونے کا بیان: اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتا کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ طاقت سے زیادہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے ذمہ عبادت نہیں لگائی۔ مثلاً نماز میں قیام فرض ہے مگر بیمار کے لئے فرض نہیں ہے وضو اور غسل کے لئے پانی نہیں ملتا تو تیمم کر سکتا ہے۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ ایسا کوئی حکم نہیں دیتا جو انسان کے بس میں نہ ہو اور جو چیز انسان کے بس میں نہیں اس کے نہ کرنے پر مؤاخذہ بھی نہیں ہوگا اس لئے فرمایا "لَهَا مَا كَسَبَتْ" اس نفس کے لئے ہے جو اس نے کمایا یعنی جو نیکی، بھلائی کرے گا اس کو اس کا پھل ملے گا۔ "وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" اور اسی پر وبال پڑے گا اور جو اس نے کمایا یعنی بدی کرے گا اس کا وبال بھی اسی نفس پر پڑے گا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا... الخ تعلیم دعا۔ نسیان اور خطا میں فرق: نسیان کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کا روزہ ہے مگر اس کو یاد نہیں ہے کہ میں روزے سے ہوں اور کھا پی لے تو اس کے روزے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا آقا میرے بارے میں کیا حکم ہے میں نے روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لیا ہے کیا اب میرا روزہ ہے یا نہیں اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "انما اطعمك الله وسقاك" یعنی بات ہے کہ اللہ نے آپ کو کھلایا پلایا ہے۔ اور خطاء کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کا روزہ ہے لیکن وضو یا غسل کرتے وقت غرارہ کر لیتا ہے اگرچہ اس کو روزہ یاد ہے بغیر ارادہ کے پانی حلق میں چلا جاتا ہے تو اس کو خطا کہتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس صورت میں روزے کی صرف قضا ہے کفارہ نہیں ہے۔ "رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا" اے ہمارے پروردگار نہ ڈال ہم پر بوجھ۔ "كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا"۔ جس طرح تو نے ڈالا بوجھ ان لوگوں پر جو ہم سے پہلے تھے یہاں بوجھ سے مراد مشکل احکام ہیں مثلاً ہم پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا فرض ہے ان پر چوتھا حصہ فرض تھا۔ ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنا دی گئی جہاں نماز پڑھنا چاہیں پڑھ سکتے ہیں ان کے لئے مسجد میں نماز ادا کرنا ضروری تھا وغیرہ۔

رَبَّنَا: اے ہمارے رب! "وَلَا تُحَمِّلْنَا" اور نہ اٹھوا ہم سے۔ الحمد للہ تفسیر معارف الفرقان کی پہلی جلد سورۃ بقرہ کی تفسیر پر

اختتام پذیر ہوئی

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین